مفردات القرآن (اردو)

تصنیف
امام راغب اصفہانی

ترجمہ و حواشی
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبدہ فیروزپوری

شیخ شمس الحق
۲۱۰ کشمیر بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

مفردات القرآن (اردو)

تصنیف

امام راغب اصفہانی

ترجمہ و حواشی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبدہ فیروزپوری

جلد دوم

شیخ شمس الحق
۳۸۔ کشمیر بلاک، اقبال ٹاؤن، لاہور

کِتَابُ الصَّادِ

(ص ب ب)

صَبُّ الْمَاءِ کے معنی اوپر سے پانی گرانا کے ہیں محاورہ ہے صَبَبْتُ الْمَاءَ فَانْصَبَّ وَصَبَبْتُهُ فَتَصَبَّبَ یعنی اس نے اوپر سے پانی گرایا چنانچہ پانی گر گیا۔ قرآن میں ہے۔
إِنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا بے شک ہم نے ہی اوپر سے پانی برسایا (۸۰-۲۵)
فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (۸۹-۱۳) تو تمہارے پروردگار نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔
يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ (۲۲-۱۹) ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی گرایا جائیگا۔
صَبَبْتُ إِلَى كَذَا صَبَابَةً " عاشق ہونا اور صفت کا صیغہ ناقص کر صَبٌّ (بروزن فَعْلٌ) آتا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے۔
فُلَانٌ صَبٌّ بِكَذَا فلاں اس پر فریفتہ ہے۔ اور صِرْمَةٌ کی طرح صُبَّةٌ کے معنی بھی جانوروں کی ٹکڑی یا جماعت کے ہیں اَلصَّبِيبُ بارش کا پانی یا کسی چیز کا عصارہ۔ بہایا ہوا خون اَلصُّبَابَةُ وَالصُّبَّةُ کسی چیز کا باقی ماندہ جو گرانے کے لائق ہو تَصَابَبْتُ الْإِنَاءَ (تَفَاعُلٌ) میں نے برتن سے باقی ماندہ پانی بھی پی لیا۔ تَصَبْصَبَ (تَفَعْلَلَ) کسی چیز کا باقی ماندہ بھی ختم ہوجانا۔

(ص ب ح)

اَلصُّبْحُ وَالصَّبَاحُ دن کا ابتدائی حصہ جبکہ افق طلوع آفتاب کی وجہ سے سرخ ہو۔ قرآن میں ہے۔
أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ (۱۱-۸۱) کیا صبح کچھ دور ہے۔
فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ (۳۷-۱۷۷) تو جن کو ڈرسنایا گیا ہے۔ ان کے لئے برا دن ہوگا۔
اَلتَّصَبُّحُ صبح کے وقت سونا۔ اَلصَّبُوحُ صبح کی شراب کو کہتے ہیں اور صَبَحْتُهُ کے معنی صبح کی شراب پلانے کے ہیں۔
اَلصَّبْحَانُ صبح کے وقت شراب پینے والا (مونث صَبْحَى) اَلْمِصْبَاحُ (۱) پیالہ جس میں صبوحی پی جائے (۲) وہ اونٹ جو صبح تک بیٹھا رہے (۳) قندیل جس میں چراغ رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔
مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ (۲۴-۳۵) اس کے نور کی مثال ایسی ہے گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ اور چراغ ایک قندیل میں ہے۔
اور چراغ کو بھی مِصْبَاحٌ کہا جاتا ہے اور صُبَاحٌ

کے معنی بتی کی لو کے ہیں۔ اَلْمَصَابِیْحُ چمکدار ستارے جیسے فرمایا:۔

وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ (۶۷-۵)

اور ہم نے قریب کے آسمان کو تاروں کے (چراغوں) سے زینت دی۔

صَبَّحْتُهُمْ مَاءَ کَذَا میں صبح کے وقت انکے پاس فلاں پانی پر جا پہنچا اور کبھی صُبْحٌ یا صَبَاحٌ کی مناسبت سے بالوں کی سخت سرخی کو بھی صُبْحٌ کہا جاتا ہے۔

صَبُحَ فُلَانٌ خوبصورت اور حسین ہونا۔[1]

(ص ب ر)

اَلصَّبْرُ کے معنی ہیں کسی کو تنگی کی حالت میں روک رکھنا چنانچہ صَبَرْتُ الدَّابَّةَ کے معنی ہوں گے میں نے جانور کو چارہ کھلائے بغیر باندھ رکھا" صَبَرْتُ فُلَانًا میں نے اسے زبردستی قسم کھلائی لہذا اَلصَّبْرُ کے معنی ہوئے عقل و شریعت دونوں یا ان میں سے کسی ایک کے تقاضا کے مطابق اپنے آپ کو روک رکھنا پس صبر ایک عام لفظ ہے جو مختلف مواقع استعمال کے اعتبار سے مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ چنانچہ کسی مصیبت پر نفس کو روک رکھنے کو صبر کہا جاتا ہے بجزع کی ضد ہے اور جنگ میں نفس کو روک رکھنا کو شجاعت کہا جاتا ہے اس کی ضد جُبْنٌ (بزدلی) ہے یہی صبر اگر کسی پریشان کن حادثہ کو برداشت کرنے کی صورت میں ہو تو اسے رَحْبُ الصَّدْرِ (کشادہ دلی) کہتے ہیں جس کی ضد ضَجَرٌ ہے۔ اگر کسی بات کو روک رکھے تو اسے کِتْمَانٌ کہتے ہیں اس کی ضد مَذَلٌ (مجبور ہو کر راز فاش کر دینا) ہے قرآن نے ان تمام صفات کو صبر کے لفظ سے یاد کیا ہے۔[2] چنانچہ فرمایا:۔

وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ (۲-۱۷۷)

سختی اور تکلیف کے وقت ثابت قدم رہیں۔

وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَا اَصَابَهُمْ (۲۲-۳۵)

اور جب ان پر مصیبت پڑتی ہے تو صبر کرتے ہیں۔

وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ (۳۳-۳۵)

صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں۔

اور روزہ کو صَبْرٌ کہا گیا ہے کیونکہ یہ بھی ضبط نفس کی ایک قسم ہے چنانچہ آنحضرت نے فرمایا[3] (۱)

صِیَامُ شَهْرِ الصَّبْرِ وَثَلَاثَةِ اَیَّامٍ فِیْ کُلِّ شَهْرٍ یُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ (ماہ رمضان اور ہر ماہ میں تین روزے سینہ سے بغض کو نکال ڈالتے ہیں اور آیت کریمہ:۔

فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَی النَّارِ (۲-۱۷۵)

یہ آتش (جہنم) کی کیسی برداشت کرنے والے ہیں۔ کی تفسیر میں ابو عبیدہ نے کہا ہے[4] کہ لغت میں صبر کے معنی جراءت بھی آتے ہیں۔ جیسا کہ

---

[1] راجع الکلیة (م ۵ - ۳۸) [2] : اصبح یاتی بمعنی صار کما فی الآیة (۵-۳۰) (۳-۱۰۲)، [3] وقد فصل الغزالی فی الاحیاء (م : ۶۶-۶۷) احسن تفصیل والبسط من ہذا فلیراجع الیہ وقد کان المؤلف معاصر الغزالی وہو الغزالی مع فضلہ کان یستفید من کتب المؤلف کما ذکرنا فی التقدمة [4] وفی الکنز عن اعرابی مرفوعا صیام شہر الصبر وصوم ثلثة ایام من کل شہر یذہبن وحر الصدر جمعا، راجع ابن جریر عن علی موقوفا ارقم : ۳۲۰، ۳۴۶، ۳۴۲۱، ۳۲۱) [5] لم ابدا فی مجازہ بل قال ابن قتیبة فی مشکلہ (۷۹)، وحکی عن الفراء من الاصمعی قول الاعرابی فان ابن قتیبة تصحف بابی عبیدة ونسب الطبری ہذا المعنی الی قتادة وقد اختارہ (۲ : ۱۹۱-۹۲) والیضاً قال مجاز ابی عبیدة (۱ : ۶۴) ولحکایة الاعرابی معانی القرآن للفراء (۱ : ۱۰۳) والکشاف (۱ : ۱۰۸) ۱۲ ۱۲ ۱۲ ۱۲

ایک اعرابی نے اپنے خصیم سے کہا۔[1]
مَا اَصْبَرَكَ عَلَى اللّٰهِ کہ تم خدا پر کتنے جری ہو
لیکن یہاں مجاز بصورت حقیقت ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تو نے گناہ پر جرأت کرکے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو کیسے برداشت کیا۔ اور جن لوگوں نے اس کے معنی مَا اَنْعَامُهُمْ عَلَى النَّارِ یا مَا اَعْمَلُهُمْ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ کئے ہیں[2] تو اس کا بھی یہی مفہوم ہے۔ کیونکہ کبھی صبر کے ساتھ وہ شخص بھی متصف ہوتا ہے۔ جو در حقیقت تو صابر نہ ہو لیکن بظاہر دیکھنے میں صابر نظر آتا ہو لہٰذا اس موقع پر صیغہ تعجب کا استعمال مخلوق کے لحاظ سے ہے نہ کہ باری تعالیٰ کے لحاظ سے اور آیت کریمہ:۔
اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا (۳-۲۰۰) ثابت قدم رہو اور استقامت رکھو۔
کے معنی یہ ہیں کہ عبادت الٰہی پر اپنے آپ کو روک رکھو اور خواہشات نفسانی کے خلاف جہاد کرو اور آیت کریمہ
وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ (۱۹-۶۵) اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہو۔ میں اِصْطَبِرْ کے معنی مشقت کے ساتھ صبر کرنے کے ہیں اور آیت:۔
اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا کے معنی یہ ہیں کہ رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے جو تکالیف انہوں نے برداشت کیں اس کے بدلے انہیں جنت میں بالاخانے دیئے جائیں گے اور آیت:۔
فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ (۱۲-۱۸) اچھا صبر (کہ وہی) خوب ہے۔ میں صبر کا حکم اور اس کی تلقین ہے۔
اَلصَّبُوْرُ صبر پر قدرت رکھنے والا۔ صَبَّارٌ کے معنی تکلیف اور مجاہدہ سے صبر کرنے والا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (۳۴-۱۹) اس میں ہر صابر شاکر کے لئے نشانیاں ہیں۔
اور چونکہ انتظار میں صبر لازم ہے بلکہ یہ صبر ہی کی ایک قسم ہے اس لئے کبھی صبر کا لفظ بول کر انتظار کے معنی مراد لے لیتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ (۶۸-۴۸) تم اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کئے رہو۔ یعنی کفار پر خدا کے حکم کا انتظار کیجیے۔

(ص ب غ)

اَلصَّبْغُ یہ صَبَغْتُ (ص) کا مصدر ہے اور صِبْغٌ بمعنی مَصْبُوْغٌ آتا ہے اور آیت کریمہ:۔
صِبْغَةَ اللّٰهِ (۲-۱۳۸) (کہدو کہ ہم نے) خدا کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ میں اس عقل کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر پیدا کی ہے اور وہ اس کے ذریعہ بہائم سے ممتاز ہوتا ہے۔ جیسا کہ فطرت انسانیہ۔
نصاریٰ کے ہاں دستور یہ تھا کہ جب بچہ پیدا ہوتا تو وہ ساتویں روز اسے معمودیہ زرد رنگ کا پانی میں غوطہ دیتے اور اس کا نام صِبْغَةٌ یعنی دین رکھتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے دین کو صِبْغَةَ اللّٰهِ کہا اور فرمایا۔
وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (۲-۱۳۸) اور خدا سے بہتر رنگ یعنی دین کس کا ہو سکتا ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ (۲۳-۲۰) اور کھانے والے کے لئے سالن۔ میں صِبْغٌ کے معنی سالن کے ہیں اور یہ اَصْبَغْتُ بِالْخَلِّ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس

---

[1] حکاہ الاصمعی عن قاضی الیمن (المشکل ۹۹)، [2] منسوب الی مجاہدؒ

کے معنی سر کہ میں روٹی ڈبو کر کھانے کے ہیں۔

(ص ب و)

اَلصَّبِیُّ نا بالغ لڑکا رَجُلٌ مُصْبٍ عیال دار جس کے بچے نا بالغ ہوں۔ قرآن میں ہے:۔
كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا (۱۹-۲۹) (وہ بولے کہ) ہم اس سے کہ گود کا بچہ ہے کیونکر بات کریں۔
صَبَا فُلَانٌ يَصْبُو صَبْوًا وَصَبْوَةً کسی چیز کی طرف مائل ہو کر بچوں کے سے کام کرنے لگا۔
قرآن میں ہے:۔
أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ (۱۲-۳۳) تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤنگا اور نادانوں میں داخل ہو جاؤنگا۔
أَصْبَانِي فَصَبَوْتُ اس نے مجھے گرویدہ کیا چنانچہ میں گرویدہ ہو گیا۔
اَلصَّبَا۔ پروائی ہوا۔ صَابَيْتُ السَّيْفَ الشئ تلوار نیام میں ڈالی۔ صَابَيْتُ الرُّمْحَ نیزہ مارنے کے لئے جھکا دیا۔
اَلصَّابِئُوْنَ ایک فرقے کا نام ہے جو نوح علیہ السلام کے دین پر ہونے کا مدعی تھا اور ہر وہ آدمی جو ایک دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں داخل ہو جائے اسے صَابِئٌ کہا جاتا ہے یہ صَبَأَ نَابُ الْبَعِيْرِ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں اونٹ کے کچلی نکل آئی۔ قرآن میں ہے:۔
وَالصّٰبِئِيْنَ وَالنَّصٰرٰى (۲۲-۱۷) اور ستارہ پرست اور عیسائی۔
وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ (۲-۶۲) اور عیسائی یا ستارہ پرست۔
اور ایک قرات میں صَابِيْنَ (بدون ہمزہ کے) ہے بعض نے کہا ہے کہ ہمزہ تخفیف کے لئے حذف کر دیا گیا ہے جیسا کہ آیت:۔
لَا يَأْكُلُهٗ إِلَّا الْخٰطُوْنَ (۶۹-۳۷) جس کو گنہگار کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔
میں اَلْخَاطُوْنَ اصل میں خَاطِئُوْنَ ہے۔ اور بعض نے کہا نہیں بلکہ یہ صَبَا يَصْبُو سے مشتق ہے جس کے معنی مائل ہونا اور جھکنا کے ہیں[1]۔

(ص ح ب)

اَلصَّاحِبُ۔ کے معنی ہیں ہمیشہ ساتھ رہنے والا خواہ وہ کسی انسان یا حیوان کے ساتھ رہے یا مکان یا زمان کے اور عام اس سے کہ وہ مصاحبت بدنی ہو جو کہ اصل اور اکثر ہے یا بذریعہ عنایت اور ہمت کے ہو جس کے متعلق کہ شاعر نے کہا ہے۔ (الطویل)
(۲۷۰) لَئِنْ غِبْتَ عَنْ عَيْنِيْ لَمَا غِبْتَ عَنْ قَلْبِيْ
(اگر تو میری نظروں سے غائب ہے تو دل سے تو غائب نہیں ہے) اور حرف میں صاحب صرف اسی کو کہا جاتا ہے جو عام طور پر ساتھ رہے اور کبھی کسی چیز کے مالک کو بھی هُوَ صَاحِبُهٗ کہہ دیا جاتا ہے اسی طرح اس کو بھی جو کسی چیز میں تصرف کا مالک ہو۔ قرآن میں ہے:۔
إِذْ يَقُوْلُ لِصٰحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ (۹-۴۰) اس وقت

---

[1] ولذا ذکر المولف تحت (ص ب و)، علہ وصدرہ: اناو الذی لو شاء لم یخلق الھوی۔ والبیت فی الامالی (۲: ۱۹۲) وقال انشدنا منصور بن بشر وفیہ النوی بدل الھوی والحصری فی زھرہ (۱: ۱۹۳) بغیر عزو وفیہ نما بدل لما وبعدہ: یومنیک الشوق حتی کانما تناجیک من قرب وان لم تکن قربی وفی روایۃ تریغیک ولم اجد من عزاہ الی قائلہ

پیغمبر اپنے رفیق کو تسلی دیتے تھے کہ غم نہ کرو۔
قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ (۱۸-۳۷) تو اس کا دوست جو اس سے گفتگو کر رہا تھا کہنے لگا۔
اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ (۱۸-۹) کیا تم خیال کرتے ہو کہ غار اور لوح والے۔
وَاَصْحٰبُ مَدْيَنَ (۲۲-۴۴) اور مدین کے رہنے والے بھی۔
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ.... (۲-۸۲) وہ جنت کے مالک ہوں گے (اور) ہمیشہ اس میں (عیش کرتے) رہیں گے۔
فَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ (۶۸-۴۸) اور مچھلی کا لقمہ ہونے والے (یونسؑ) کی طرح نہ ہونا۔ اور آیت کریمہ:۔
مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (۳۵-۶) تاکہ وہ دوزخ والوں میں ہوں۔ اور آیت کریمہ:۔
وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً (۷۴-۳۱) اور ہم نے دوزخ کے داروغہ فرشتے بنائے ہیں۔ میں اَصْحٰبَ النَّارِ سے دوزخی مراد نہیں ہیں بلکہ دوزخ کے داروغے مراد ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔
پھر "صاحب" کا لفظ کبھی ان کی طرف مضاف ہوتا ہے جو کسی کے زیر نگرانی ہوتے ہیں جیسے صَاحِبُ الْجَيْشِ (فوج کا حاکم) اور کبھی حاکم کی طرف جیسے صَاحِبُ الْاَمِيْرِ (بادشاہ کا وزیر) اَلْمُصَاحَبَةُ وَالْاِصْطِحَابُ میں بنسبت لفظ اَلْاِجْتِمَاعُ کے مبالغہ پایا جاتا ہے کیونکہ مُصَاحَبَةٌ کا لفظ عرصہ دراز تک ساتھ رہنے کو مقتضی ہے اور لفظ اجتماع میں یہ شرط نہیں ہے لہذا اِصْطِحَابٌ کے موقعہ پر اجتماع کا لفظ تو بول سکتے ہیں مگر اجتماع کی جگہ پر ہر مقام میں اصطحاب کا لفظ نہیں بول سکتے اور آیت کریمہ:۔
مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ (۳۴-۴۶) تمہارے رفیق کو سودا نہیں۔ میں آنحضرتؐ کو صَاحِبُكُمْ کہہ کر متنبہ کیا ہے کہ تم نے ان کے ساتھ زندگی بسر کی ہے ان کا تجربہ کر چکے ہو اور ان کے ظاہر و باطن سے واقف ہو چکے ہو پھر بتاؤ کہ ان میں کوئی دماغی خلل یا دیوانگی پائی جاتی ہے۔ یہی معنی آیت وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ (۸۱-۲۲) کے ہیں۔
اَلْاَصْحَابُ لِلشَّيْءِ کے معنی ہیں "وہ فرمانبردار ہو گیا" اصل میں اس کے معنی کسی کا مصاحب بن کر اس کے ساتھ رہنے کے ہیں۔ چنانچہ اَصْحَبَ فُلَانٌ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کا بیٹا بڑا ہو کر اس کے ساتھ رہنے لگے۔ اور اُصْحِبَ فُلَانٌ فُلَانًا کے معنی ہیں وہ اس کا ساتھی بنا دیا گیا قرآن میں ہے:۔
وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ (۲۱-۴۳) اور نہ ہم سے پناہ ہی دیئے جائیں گے۔
یعنی ہماری طرف سے ان پر سکینت تسلی کشائش وغیرہ کی صورت میں کسی قسم کا ساتھ نہیں دیا جائے گا جیسا کہ اس قسم کی چیزوں سے اولیاء اللہ کی مدد کی جاتی ہے۔
اَدِيْمٌ مُصْحَبٌ کچا چمڑہ جس سے بال نہ اتارے گئے ہوں۔

(ص ح ف)

اَلصَّحِيْفَةُ کے معنی پھیلی ہوئی چیز کے ہیں جیسے صَحِيْفَةُ الْوَجْهِ (چہرے کا پھیلاؤ) اور وہ چیز جس میں کچھ لکھا جاتا ہے اسے بھی صحیفہ کہتے ہیں۔ اس کی جمع صَحَائِفُ وَصُحُفٌ آتی ہے قرآن میں ہے:۔
صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى (۸۷-۱۹) یعنی

براہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔ اور آیت کریمہ:۔
يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ
(۹۸-۲-۳) پاک اوراق پڑھتے ہیں جس میں
مستحکم (آیتیں) لکھی ہوئی ہیں۔ میں بعض نے
کہا ہے کہ صُحُفٌ سے قرآن پاک مراد ہے اور اس کو
صُحُفًا اور فِيهَا كُتُبٌ اس لئے کہا ہے کہ قرآن
کتب سابقہ کی بنسبت بہت سے زائد احکام
اور نصوص پر مشتمل ہے۔
اَلْمُصْحَفُ متعدد صحیفوں کا مجموعہ اس کی جمع
مَصَاحِفُ آتی ہے اور اَلتَّصْحِيفُ کے معنی
اشتباہ حروف کی وجہ سے کسی صحیفہ کی قرأت یا
روایت میں غلطی کرنے کے ہیں۔ اور صَحْفَةٌ چوڑی
رکابی یا جو نسے پیالے کی طرح کا ایک برتن ہے[1]۔

(ص خ خ)

اَلصَّاخَّةُ یہ صَخَّ يَصِخُّ صَخًّا فَهُوَ صَاخٌّ
سے اسم ہے جس کے معنی کسی ذی نطق کی آواز کی
سختی اور کرخت پن کے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔
فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ (۸۰-۳۳) تو جب
(قیامت کا) غل مچے گا۔ میں صَاخَّةٌ سے مراد
قیامت ہے جس کی طرف کہ آیت کریمہ:۔
يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ (۲۰-۱۰۲) میں اشارہ
پایا جاتا ہے اور اسی سے أَصَاخَ يُصِيخُ مقلوب
ہے جس کے معنی آواز کی سختی سے کسی کو بہرہ کر دینا
کے ہیں۔

(ص خ ر)

اَلصَّخْرُ کے معنی سخت پتھر یا چٹان کے
ہیں قرآن میں ہے:۔
تَكُن فِي صَخْرَةٍ (۳۱-۱۶) اور موجھی کسی پتھر کے اندر
وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (۸۹-۹)
اور ثمود کے ساتھ (کیا کیا) جنہوں نے وادی (قری)
میں چٹانیں تراش کر (مکان بنائے)۔

(ص د د)

اَلصُّدُودُ وَالصَّدُّ کبھی لازم ہوتا
ہے جس کے معنی کسی چیز سے روگردانی اور اعراض
برتنے کے ہیں جیسے فرمایا:۔
يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا (۴-۶۱) کہ تم
سے اعراض کرتے اور رکے جاتے ہیں۔
اور کبھی متعدی ہوتا ہے یعنی روکنے اور منع کرنے کے
معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا:۔
وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ
عَنِ السَّبِيلِ (۲۹-۳۸) اور شیطان نے ان
کے اعمال ان کو آراستہ کر دکھائے اور ان کو
سیدھے راستے سے روک دیا۔
الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ
(۱۶-۸۸) جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو)
خدا کے رستے سے روکا۔
وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ (۸-۴۷) اور
خدا کی راہ سے روکتے ہیں۔
قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ
(۲-۲۱۷) (اے پیغمبر) کہدو کہ ان میں لڑنا بڑا
گناہ ہے اور خدا کی راہ سے روکنا۔
وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنزِلَتْ
إِلَيْكَ (۲۸-۸۷) اور وہ تمہیں خدا کی آیتوں

[1] وجمعہ صِحَافٌ (۴۳-۷۱)

(کی تبلیغ) سے بعد اس کے کہ وہ تم پر نازل ہو چکی ہیں روک نہ دیں۔

علی ہذا القیاس اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں یہ لفظ روکنے اور منع کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور صُدُوْدٌ وَصَدٌّ دونوں مصدر ہیں۔ نیز پہاڑ کی روک کو بھی صَدٌّ کہا جاتا ہے[1]۔

اَلصَّدِیْدُ پیپ کیونکہ وہ چمڑے اور گوشت کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔ اور دوزخیوں کے طعام کو بطور مثال کے صدید کہا گیا ہے چنانچہ فرمایا:
وَيُسْقٰى مِنْ مَّاءٍ صَدِيْدٍ (14-16) اسے پیپ کا پانی پلایا جائیگا۔

(ص د ر)

اَلصَّدْرُ سینہ کو کہتے ہیں قرآن میں ہے:
رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ (20-25) میرے پروردگار اس کام کے لئے میرا سینہ کھول دے۔
اس کی جمع صُدُوْرٌ آتی ہے جیسے فرمایا:
وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ (100-10) اور جو بھید دلوں میں ہیں وہ ظاہر کر دیئے جائیں گے۔
وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ (22-46) بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوتے ہیں۔
پھر بطور استعارہ ہر چیز کے اعلیٰ (اگلے) حصہ کو صَدْرٌ کہنے لگے ہیں جیسے صَدْرُ الْقَنَاۃِ (نیزے کا بھالا) صَدْرُ الْمَجْلِسِ (رئیس مجلس) صَدْرُ الْكِتَابِ اور صَدْرُ الْكَلَامِ وغیرہ صَدَرَهٗ کے معنی کسی کے سینہ پر مارنے یا اس کا قصد کرنے کے ہیں جیسا کہ ظَهَرَهٗ وَكَتَفَهٗ کے معنی کسی کی پیٹھ یا کندھے پر مارنا کے آتے ہیں اور اسی سے رَجُلٌ مَصْدُوْرٌ کا محاورہ ہے یعنی وہ شخص جو سینہ کی بیماری میں مبتلا ہو پھر جب صَدَرَ کا لفظ عَنْ کے ذریعہ متعدی ہو تو معنی اِنْصَرَفَ کو متضمن ہوتا ہے جیسے صَدَرَتِ الْاِبِلُ عَنِ الْمَاءِ صَدَرًا وَصَدْرًا اونٹ پانی سے سیر ہو کر واپس لوٹ آئے۔ قرآن میں ہے:
يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا (99-6) اس دن لوگ گروہ گروہ ہو کر آئیں گے۔

اور مَصْدَرٌ کے اصل معنی پانی سے سیر ہو کر واپس لوٹنا کے ہیں۔ یہ ظرف مکان اور زمان کے لئے بھی آتا ہے اور علمائے نحو کی اصطلاح میں مَصْدَرٌ اس لفظ کو کہتے ہیں جس سے فعل ماضی اور مستقبل کا اشتقاق فرض کیا گیا ہو۔ اور صِدَارٌ (بروزن دِثَارٌ وَلِبَاسٌ) اس کپڑے کو کہتے ہیں جس سے سینہ چھپایا جائے اور اسے صُدْرَۃٌ بھی کہا جاتا ہے اور صِدَارٌ اس داغ کو کہتے ہیں جو اونٹ کے سینہ پر نمایاں ہوتا ہے۔

صَدَرَ الْفَرَسُ گھوڑے کا دوڑ میں اول آنا۔

بعض حکماء نے کہا ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں قلب کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں صرف علم وعقل کی طرف اشارہ ہے جیسے فرمایا:
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ ... (50-37) جو شخص دل آگاہ رکھتا ہے اس کے لئے اس میں نصیحت ہے۔
اور جہاں صَدْرٌ کا لفظ ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں علم وعقل کے علاوہ شہوت ہوائے نفس اور غضب وغیرہ قوی نفسانیہ کی طرف بھی اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ:
رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ (20-25) میں نفسانی

---

[1] ویقال صَدَّ (ض) یَصِدُّ صَدِیْدًا (43-57)

قوی کی اصلاح کا ہی سوال ہے اسی طرح آیت :-
وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ (۱۰-۵۷) میں بتایا ہے کہ قرآن پاک نفسیاتی امراض کے لئے شفا ہے۔ اور آیت کریمہ :- وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ (۹-۱۴) میں اشارہ ہے کہ مومن ہی اس سے نفسیاتی شفا حاصل کرتے ہیں۔
اور آیت کریمہ :- فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (۲۲-۴۶)
بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔
میں قلوب سے مراد وہ عقول ہیں جو جذبات نفسانی سے مغلوب ہو کر ان میں گم ہو کر رہ جاتی ہیں اور صحیح راستے کی طرف ہدایت نہیں پا سکتیں۔

(ص د ع)

اَلصَّدْعُ کے معنی ٹھوس اجسام جیسے شیشہ لوہا وغیرہ میں شگاف ڈالنا کے ہیں[1]۔ صَدَعَ (ف) وَصَدَّعَ متعدی ہے اور اِنْصَدَعَ وَتَصَدَّعَ لازم اسی سے استعارہ کے طور پر صَدَعَ الْأَمْرَ کا محاورہ ہے جس کے معنی کسی امر کو ظاہر اور واضح کر دینے کے ہیں۔ قرآن میں ہے :-
فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (۱۵-۹۴) پس جو حکم تم کو (خدا کی طرف سے) ملا ہے اسے کھول کر بیان کرو۔
اور اسی سے صُدَاعٌ کا لفظ مستعار ہے جس کے معنی دردِ سر کے ہیں جس سے گویا سر پھٹا جا رہا ہو۔
قرآن میں ہے :-
لَا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنزِفُونَ (۵۶-۱۹)
اس سے نہ تو دردِ سر ہوگا اور نہ ان کی عقلیں زائل ہوں گی۔
اور اسی سے صَدِيعٌ بمعنی فجر ہے۔ اور صَدَعْتُ الْفَلَاةَ کے معنی بیاباں طے کرنے کے ہیں تَصَدَّعَ الْقَوْمُ لوگ منتشر ہو گئے۔ قرآن میں ہے :-
يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ (۳۰-۴۳) اس روز (سب لوگ) الگ الگ ہو جائیں گے۔

(ص د ف)

صَدَفَ عَنْهُ کے معنی سخت اعراض برتنے کے ہیں اور اَلصَّدَفُ اصل میں (۱) پہاڑ کے کنارہ (۲) سیپ اور (۳) اونٹ کی ٹانگوں میں کجی کو کہتے ہیں۔ پھر ٹانگوں کے ٹیڑھے پن یا پہاڑ اور سیپ کی سختی کے اعتبار سے شدت اعراض کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ قرآن میں ہے:-
فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَذَّبَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَصَدَفَ عَنْهَا سَنَجْزِي الَّذِينَ يَصْدِفُونَ ... بِمَا كَانُوا يَصْدِفُونَ (۶-۱۵۷) تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو خدا کی آیتوں کی تکذیب کرے اور ان سے منہ پھیر لے جو ہماری آیتوں سے اعراض برتتے ہیں اس اعراض کے سبب ہم ان کو ... سزا دیں گے۔

(ص د ق)

اَلصِّدْقُ۔ یہ اَلْكِذْبُ کی ضد ہے اصل میں یہ دونوں قول کے متعلق استعمال ہوتے ہیں خواہ اس کا تعلق زمانہ ماضی کے ساتھ ہو یا مستقبل کے۔ وعدہ کے قبیل سے ہو یا وعدہ کے قبیل سے نہ ہو۔ الغرض بالذات یہ قول ہی کے متعلق استعمال

[1] مثلاً وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (۸۶-۱۲) ۱۲

ہوتے ہیں پھر قول میں بھی صرف خبر کے لئے آتے ہیں اور اس کے ماسوا دیگر اصنافِ کلام میں استعمال نہیں ہوتے اسی لئے ارشاد ہے:۔

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا (۴-۱۲۲) اور خدا سے زیادہ بات کا سچا کون ہو سکتا ہے۔

إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (۱۹-۵۴) وہ وعدے کے سچے ...... تھے۔

مگر کبھی بالعرض یعنی ضمنی طور پر دیگر اصناف کلام مثلاً استفہام امر دعا وغیرہ کے لئے بھی آجاتے ہیں مثلاً۔ أَزَيْدٌ فِي الدَّارِ (کیا زید مکان کے اندر موجود ہے؟) بظاہر استفہام کلام ہے مگر ضمناً اس میں خبر کے معنی بھی پائے جاتے ہیں یعنی یہ کہ متکلم زید کی حالت سے بے خبر ہے اسی طرح وَاسِنِي (میرے ساتھ ہمدردی کیجئے) اصل میں درخواست ہے مگر ضمناً معنی خبر مفہوم ہوتا ہے یعنی یہ کہ میں ہمدردی کا محتاج ہوں اسی طرح جب لَا تُؤْذِ (مجھے تکلیف مت دو) کہا جائے تو اس کے ضمن میں یہ معنی پایا جاتا ہے کہ وہ اسے ایذا پہنچاتا ہے۔

اَلصِّدْقُ کے معنی ہیں دل و زبان کی ہم آہنگی اور بات کا نفس واقعہ کے مطابق ہونا۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی جائے تو کامل صدق باقی نہیں رہتا ایسی صورت میں یا تو وہ کلام صدق کے ساتھ متصف ہی نہیں ہوگی اور یا وہ مختلف حیثیتوں سے کبھی صدق اور کبھی کذب کے ساتھ متصف ہوگی مثلاً ایک کافر جب اپنے ضمیر کے خلاف مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ کہتا ہے تو اسے نفس واقعہ کے مطابق ہونے کی حیثیت سے صِدْق (سچ) بھی کہہ سکتے ہیں اور اس کے دل و زبان کے ہم آہنگ نہ ہونے کی وجہ سے کَذِبٌ (جھوٹ) بھی کہہ سکتے ہیں چنانچہ اس دوسری حیثیت سے اللہ نے منافقین کو ان کے اس اقرار میں کہ:۔ نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللّٰهِ (۶۳-۱) ہم اقرار کرتے ہیں کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ جھوٹا قرار دیا ہے کیونکہ وہ اپنے ضمیر کے خلاف یہ بات کہہ رہے تھے۔

اَلصِّدِّيقُ۔ بہت سچ بولنے والا بعض نے کہا ہے نہیں بلکہ صدیق اسے کہتے ہیں جس نے کبھی جھوٹ نہ بولا ہو اور بعض نے کہا ہے بلکہ صدیق وہ ہے جو سچ کا اس قدر خوگر ہو کہ اس سے جھوٹ بن ہی نہ آتا ہو اور بعض کے نزدیک صدیق وہ ہے جو قول و اعتقاد میں سچا ہو اور پھر اپنی سچائی کی تصدیق اپنے عمل سے بھی کر دکھائے۔ قرآن میں ہے:۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا (۱۹-۴۱) اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔

وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ (۵-۷۵) اور ان کی والدہ (مریم) خدا کی ولی۔ اور آیت:۔

مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ (۴-۶۹) یعنی انبیاء اور صدیق اور شہداء۔ میں صِدِّيقِينَ سے وہ لوگ مراد ہیں جو فضیلت میں انبیاء سے کچھ کم درجہ کے ہوتے ہیں جیسا کہ ہم اپنی کتاب الذریعۃ الی مکارم الشریعۃ میں بیان کر چکے ہیں۔

کبھی صدق و کذب کا استعمال ہر اس چیز کے متعلق ہوتا ہے جو عقیدہ میں ثابت اور موجود ہو جیسے صَدَقَ ظَنِّي وَكَذَبَ (اس نے میرا گمان سچ کر دکھایا یا جھوٹ کر دکھایا) اور کبھی ان کا استعمال افعال جوارح کے متعلق ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص جنگ میں حق شجاعت ادا کرے اور جو کچھ اور جیسا کہ اس پر

واجب ہوا سے کر دکھائے تو ایسے شخص کے متعلق کہا جاتا ہے۔ صَدَقَ فِی الْقِتَالِ (وہ جنگ میں سچا رہا) اور اگر اس کے خلاف کرے تو کَذَبَ فِی الْقِتَالِ کہا جاتا ہے (یعنی وہ جنگ میں جھوٹا نکلا) اسی کے مطابق قرآن میں ہے:۔

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (۳۳-۲۳) یعنی ایسے شخص بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو اپنے عمل سے سچ کر دکھایا۔ اور آیت کریمہ:۔

لِيَسْئَلَ الصَّادِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ (۳۳-۸) کے معنی یہ ہیں کہ زبان سے سچ بولنے والوں سے ان کی عملی سچائی کے متعلق دریافت کرے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ نجات کے لئے زبان سے حق کا اعتراف ہی کافی نہیں ہے جب تک کہ انسان عملاً اسے پورے کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اور آیت کریمہ:۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ (۴۸-۲۷) میں صدق فعلی مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کی خواب کو عملاً سچ کر دکھایا اسی طرح آیت کریمہ:۔

وَالَّذِيْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ (۳۹-۳۳) کے معنی یہ ہیں کہ وہ شخص جو سچائی لوگوں کے پاس لے کر آئے اور پھر اسے اپنے عمل سے بھی سچ کر دکھایا۔ نیز ہر وہ فعل جو ظاہر و باطن کے اعتبار سے فضیلت کے ساتھ متصف ہو اسے صدق سے تعبیر کیا جاتا ہے اس بنا پر ایسے فعل کو صدق کی طرف مضاف کر دیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔

فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (۵۴-۵۵) یعنی سچے مقام میں ہر طرح کی قدرت رکھنے والے بادشاہ کی بارگاہ میں۔

اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (۱۰-۲) کہ ان کے پروردگار کے ہاں ان کا سچا درجہ ہے۔

اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ (۱۷-۸۰) اور کہو کہ اے پروردگار مجھے (مدینے) اچھی طرح داخل کیجیو اور (مکے سے) اچھی طرح نکالیو۔ اور آیت:۔

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ (۲۶-۸۴) اور پچھلے لوگوں میں میرا ذکر نیک (جاری) کر میں یہ دعا کی ہے کہ اللہ! مجھے ایسا صالح بنا دے کہ میری موت کے بعد جب لوگ میری تعریف کریں تو ان کی تعریف غلط نہ ہو بلکہ ایسی ہو جیسا کہ شاعر نے کہا ہے (۱)

(۲۷۳) اِذَا نَحْنُ اَثْنَيْنَا عَلَيْكَ بِصَالِحٍ ... فَاَنْتَ الَّذِيْ نُثْنِيْ وَفَوْقَ الَّذِيْ نُثْنِيْ

جب ہم کسی بھی اچھے کام پر تیری تعریف کرتے ہیں تو تم واقعی اس تعریف کے اہل نکلتے ہو بلکہ ہماری تعریف سے بھی تم بڑھ کر ہو۔

اور صَدَقَ کبھی دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (۳-۱۵۲) اور خدا نے اپنا وعدہ سچا کر دیا ہے۔

صَدَّقْتُ فُلَانًا کے معنی ہیں کسی کو سچائی کی طرف منسوب کرنا اور اَصْدَقْتُهٗ کے معنی سچا پانے کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ دونوں فعل ہم معنی ہیں اور ان ہر دو معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ

---

۱ قالہ ابو نواس فی مدح الامین والبیت فی الوساطۃ ۸ اسم ودیوانہ والصناعتین ۲۰۸ والحصری (۴: ۷۱) وبعدہ: وان جرت الالفاظ یوما بمدحۃ۔ لغیرک انسانا فانت الذی تعنی ۱۲

لِمَا مَعَهُمْ (۲-۱۰۱) اور جب ان کے پاس خدا کی طرف سے پیغمبر (آخر الزمان) آئے اور وہ ان کی آسمانی کتاب کی بھی تصدیق کرتے ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (۵-۴۶) اور ان پیغمبروں کے بعد انہی کے قدموں پر ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے (کی) کتاب (تورات) کی تصدیق کرتے تھے۔

اَلتَّصْدِيقُ کا لفظ ہر اس چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے جس میں کسی چیز کی تحقیق پائی جائے محاورہ ہے۔ صَدَّقَنِي فِعْلُهُ وَكِتَابُهُ اس نے اپنے عمل یا کتاب سے میری تصدیق کر دی۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ (۲-۸۹) اور جب خدا کے ہاں سے ان کے پاس کتاب آئی جو ان کی (آسمانی) کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (۳-۳) اس نے (اے محمد) تم پر سچی کتاب نازل کی جو پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔

وَهَٰذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا (۴۶-۱۲) اور یہ کتاب عربی زبان میں ہے اسکی تصدیق کرتی ہے۔ یعنی پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے یہاں لِسَانًا منصوب علی الحال ہے مثل مشہور ہے[۱] (مثل) صَدَقَنِي سِنَّ بَكْرِهِ یعنی اس نے اپنے دل کی بات صحیح طور پر بتا دی۔

اَلصَّدَاقَةُ کے معنی سچی دوستی کے ہیں اور یہ انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ قرآن میں ہے:۔

فَمَا لَنَا مِن شَافِعِينَ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ (۲۶-۱۰۱) (تو آج) نہ کوئی ہمارا سفارش کرنے والا اور نہ گرم جوش دوست۔ اس میں آیت کریمہ:۔

الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ (۴۳-۶۷)۔ جو (آپس میں) دوست (ہیں) اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

اَلصَّدَقَةُ (خیرات) ہر وہ چیز جو انسان اپنے مال سے قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے اور یہی معنی زکوٰۃ کے ہیں مگر صَدَقَةٌ اسے کہتے ہیں جو واجب نہ ہو اور زکوٰۃ وہ ہے جس کا دینا واجب ہو۔ اور کبھی واجب کو بھی صَدَقَةٌ سے موسوم کر دیا جاتا ہے۔ جب کہ خیرات دینے والا اس سے صدق یعنی صلاح وتقوی کا قصد کرے قرآن میں ہے:۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (۹-۱۰۳) ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کر لو۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ (۹-۶۰) صدقات (یعنی زکوٰۃ وخیرات) تو مفلسوں کا حق ہے۔

صَدَّقَ وَتَصَدَّقَ کے معنی صدقہ دینے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّىٰ (۷۵-۳۱) تو اس (ناعاقبت اندیش) نے نہ تو زکوٰۃ دی اور نہ نماز پڑھی۔

إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ (۱۲-۸۸) کہ خدا خیرات کرنے والوں کو ثواب دیتا ہے۔

إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ (۵۷-۱۸) جو

---

[۱] انظر لمکاتہ المیدانی رقم ۲۰۸۳، ۲۱۱۰ ودینؓ منصوب علی معنی عرفنی وروی بالرفع علی التوسع قال علیؓ وابو عمرو نسبہ الی الاحنف حین رجع من عند معاویۃ والخبر فی المیدانی واللسان (صدق) ۱۲

لوگ خیرات کرنے والے ہیں مرد بھی اور عورت بھی۔
اسی طرح اور بھی بہت سی آیات میں اور تَصَدَّقَ بِہٖ کے معنی اپنے حق سے دست بردار ہو جانا بھی آتے ہیں۔ جیسے فرمایا:۔
وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ (۵-۴۵) اور سب زخموں کا اسی طرح بدلہ ہے لیکن جو شخص بدلہ معاف کر دے وہ اس کیلئے کفارہ ہوگا۔ اور آیت کریمہ:۔
وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ (۲-۲۸۰) اور اگر قرض لینے والا تنگدست ہو تو اسے کشائش کے حاصل ہونے تک مہلت دو اور اگر زر قرض بخش ہی دو تو تمہارے لئے زیادہ اچھا ہے۔
میں مُعْسِرٌ یعنی تنگ دست کو معاف کر دینے کو صَدَقَةٌ کے قائم مقام قرار دیا ہے اور اسی معنی میں آنحضرت سے مروی ہے[1] (۲)
مَا تَاكُلُهُ الْعَافِيَةُ فَهُوَ صَدَقَةٌ کہ جو کھیتی جانور کھا جائیں وہ بھی صدقہ ہے۔
اسی بناء پر آیت کریمہ:۔
فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ اِلَّا اَنْ يَّصَّدَّقُوْا (۴-۹۲) اور دوسرے مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے ہاں اگر وہ معاف کر دیں۔ میں معاف کر دینے کو صدقہ قرار دیا ہے۔ اور آیات کریمہ:۔
فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً (۵۸-۱۲) تو بات کہنے سے پہلے (مساکین کو) کچھ خیرات دے دیا کرو۔
ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ (۵۸-۱۳) کیا تم اس سے کہ پیغمبر کے کان میں کوئی بات کہنے سے پہلے خیرات دیا کرو ڈر گئے ہو۔ میں صحابہؓ کو حکم دیا گیا تھا کہ جو شخص آنحضرت سے سرگوشی کرنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ سرگوشی سے پہلے حسب توفیق کچھ نذرانہ پیش کرے جس کی قرآن نے کوئی مقدار متعین نہیں کی تھی اور آیت کریمہ:۔
رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (۶۳-۱۰) اے میرے پروردگار تو نے مجھے تھوڑی سی اور مہلت کیوں نہ دی تاکہ میں خیرات کر لیتا اور نیک لوگوں میں داخل ہو جاتا۔
میں اَصَّدَّقَ صَدَقٌ سے بھی ہو سکتا ہے اور صَدَقَةٌ سے بھی۔
صَدَاقُ الْمَرْاَةِ (بفتحہ صاد و کسرآں) اَصْدَقْتُهَا کے معنی عورتوں کے مہر کے ہیں اور اَصْدَقْتُهَا کے معنی ہیں میں نے اس کا مہر مقرر کیا قرآن میں ہے:۔
وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (۴-۴) اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو۔

(ص د ی)

اَلصَّدٰی

صداۓ بازگشت جو کسی شفاف مکان سے ٹکرا کر واپس آتے اور التَّصْدِيَةُ (تفعیل) ہر اس آواز کو کہتے ہیں جو صَدٰی کی طرح ہو یعنی جس کا کوئی مفہوم نہ ہو۔ اور آیت:۔
وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً (۸-۳۵) اور لوگوں کی نماز خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی۔

---

[1] انظر مجمع البحار ۲ ر ۲۰۸ والنہایۃ (صدق)، وبمعناہ متفق علیہ من (ح م ت) حدیث انس راجع الفتح (۵ ر ۲-۳) وفی الدارمی من حدیث جابر: واکلت العافیۃ منہ ای من حاصل الارض ایضا الترمذی وابن حبان۔ عن جابر (کنز العمال ج ۳ ص ۱۴۲)

[2] قال الجوہری الصُّدُقَۃ بالضم وتسکین الدال لشکن ورد فی القرآن صدقۃ بضم الدال وجمعہ صُدُقَات ۱۲

میں بتایا ہے کہ ان کی نماز بے معنی ہونے میں صدی یا پرندکی چہچہاہٹ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔
اَلتَّصَدِّیْ صدائے بازگشت کی طرح کسی چیز کے درپے ہونا۔ قرآن میں ہے:۔
اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَہٗ تَصَدّٰی (۸۰-۵-۶)
جو پرواہ نہیں کرتا اس کی طرف تم توجہ کرتے ہو۔
اَلصَّدٰی کے معنی بومہ یا دماغ کے ہیں کیونکہ دماغ بھی بومہ کی شکل پر ہوتا ہے اسی لئے اس کو ہامہ بھی کہا جاتا ہے۔ مشہور محاورہ ہے۔ (مثل)
اَصَمَّ اللّٰہُ صَدَاہُ خدا اسے ہلاک کرے یعنی اس میں آواز ہی نہ رہے حتیٰ کہ اس کی صدائے بازگشت آئے۔
صَدًی پیاس صَدْیَانُ پیاسا آدمی اِمْرَءَۃٌ صَدْیَاءُ وَصَادِیَۃٌ پیاسی عورت۔

(ص ر ر)

اَلْاِصْرَارُ کسی گناہ پر سختی سے جم جانا اور اس سے باز نہ آنا اصل میں یہ صَرٌّ سے ہے جس کے معنی باندھنے کے ہیں اور صُرَّۃٌ اس تھیلی کو کہتے ہیں جس میں نقدی باندھ کر رکھ دی جاتی ہے اور صِرَارٌ پستان بند اس لتہ کو کہتے ہیں جس سے اونٹنی کے تھن باندھ دیئے جاتے ہیں تاکہ اس کا بچہ دودھ نہ پی سکے۔ قرآن میں ہے:۔
وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا (۳-۱۳۵) اور وہ اپنی غلطی پر اصرار نہیں کرتے۔
ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَکْبِرًا (۴۵-۸) مگر پھر غرور سے ضد کرتا ہے۔
وَاَصَرُّوْا وَاسْتَکْبَرُوا اسْتِکْبَارًا (۷۱-۷) اور اڑ گئے اور اکڑ بیٹھے۔
وَکَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَی الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ (۵۶-۴۶) اور گناہ عظیم پر اڑے ہوئے تھے۔
اَلْاِصْرَارُ پختہ عزم کو کہتے ہیں۔ محاورہ ہے:۔
ھٰذَا مِنِّیْ صِرِّیْ وَاَصِرِّیْ وَصُرِّیْ وَصِرِّیْ وَصَرَّیْ وَصُرِّیْ یعنی میں اس کا عزم کر چکا ہوں۔
اَلصَّرُوْرَۃُ وہ مرد یا عورت جو حج نہ کرے۔ وہ شخص جسے نکاح کی خواہش نہ ہو۔ اور آیت کریمہ:۔
رِیْحًا صَرْصَرًا (۴۱-۱۶) زور کی ہوا (چلائی)۔
میں صَرْصَرٌ کا لفظ صِرٌّ سے ہے۔ گویا سخت سرد ہونے کی وجہ سے اس میں بستگی پائی جاتی ہے۔
اَلصَّرَّۃُ جماعت جس کے افراد باہم ملے جلے ہوں۔ گویا وہ کسی تھیلی میں باندھ دیئے گئے ہیں قرآن میں ہے:۔
فَاَقْبَلَتِ امْرَءَتُہٗ فِیْ صَرَّۃٍ (۵۱-۲۹) ابراہیم کی بیوی چلاتی آئی۔
بعض نے کہا ہے کہ صَرَّۃٍ کے معنی چیخ کے ہیں[2]۔

(ص ر ح)

اَلصَّرْحُ بلند، منقش و مزین مکان۔ ہر قسم کے عیب سے پاک ہونے کے اعتبار سے اسے صَرْحٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
صَرْحٌ مُمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ (۲۷-۴۴) ایسا محل ہے جس کے (نیچے بھی) شیشے جڑے ہوئے ہیں۔
قِیْلَ لَہَا ادْخُلِی الصَّرْحَ (۲۷-۴۴) (پھر) اس سے

---

[1] وفی روایۃ عن ابن عباس لا صرورۃ فی الاسلام رواہ ابو داؤد والحاکم والطبرانی النیل (۶: ۸-۱۰) وقال الجاحظ فی الحیوان (۱: ۳۴۸) انہ اسم اسلامی وانظر بخصوص الحدیث (ونسنک ۲۹۰ سطر ۱۳) والفائق ۲/۱۰ [2] کذا قال المفسرون ونقل ذالک عن ابن عباسؓ ومجاہد وقال ابو عبیدۃ معناہ شدۃ الصوت وقال الزجاج الصرۃ اشد الصیاح تکون فی الطائر والانسان وغیرہما وما اعلم احدا من المفسرین ذھب الی ان المراد من صرۃ ہہنا جماعۃ واللہ اعلم۔

کہا گیا کہ محل میں چلئے۔
لَبَنٌ صَرِیحٌ خالص دودھ۔ صَرِیحُ الْحَقِّ خالص حق جس میں باطل کی آمیزش نہ ہو صَرَّحَ فُلَانٌ فِیْ نَفْسِہٖ فلاں نے اپنے دل کی بات صاف صاف بیان کردی۔ محاورہ ہے۔
عَادَ تَعْرِیضُكَ تَصْرِیحًا۔ تمہاری تعریض نے تصریح کا کام دیا۔
جَاءَ صُرَاحًا وہ کھلے بندوں آیا۔

(ص ر ط)

اَلصِّرَاطُ سیدھی راہ۔ قرآن میں ہے:۔
وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا (۶-۱۵۳) اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے۔
اسے سِرَاط (بسین مهملة) پڑھا جاتا ہے ملاحظہ ہو (س ر ط)

(ص ر ع)

اَلصَّرْعُ (ف) کے معنی ہیں زمین پر پٹخ دینا، پچھاڑ دینا۔ صَرَعْتُہٗ صَرْعًا میں نے اسے پچھاڑ دیا۔ اَلصِّرْعَۃُ بچھڑے ہوئے آدمی کی حالت۔ اَلصِّرَاعَۃُ کشتی لڑنے کا فن رجل صَرِیعٌ پچھاڑا ہوا آدمی قَوْمٌ صَرْعٰی بچھڑے ہوئے لوگ قرآن میں ہے:۔
فَتَرَی الْقَوْمَ فِیْھَا صَرْعٰی (۶۹-۷) یعنی تم دیکھو گے کہ لوگ بچھڑے پڑے ہیں۔
اور قِنْوَانِ کی طرح ھُمَا صِرْعَانِ کہا جاتا ہے یعنی وہ دونوں ایک دوسرے کے برابر اور مثل ہیں۔

اَلْمِصْرَعَانِ مِنَ الْبَابِ۔ دروازے کے دو پٹ۔ پھر تشبیہ کے طور پر شعر کے دونوں مصرعوں کو بھی مِصْرَعَانِ کہا جاتا ہے۔

(ص ر ف)

اَلصَّرْفُ کے معنی ہیں کسی چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھیر دینا یا کسی اور چیز سے بدل دینا۔
محاورہ ہے صَرَفْتُہٗ فَانْصَرَفَ میں نے اسے پھیر دیا چنانچہ وہ پھر گیا۔ قرآن میں ہے:۔
ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ (۳-۱۵۲) پھر خدا نے تم کو ان کے مقابلے سے پھیر کر بھگا دیا۔
اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْھِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْھُمْ (۱۱-۸)۔ دیکھو جس روز وہ ان پر واقع ہوگا پھر ٹلنے کا نہیں۔
اور آیت کریمہ:۔
ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ (۱۲۷-) میں بددعا بھی ہوسکتی ہے اور اس حالت کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں پیدا کردی تھی اور آیت کریمہ:۔
فَمَا تَسْتَطِیْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا (۲۵-۱۹) کے معنی یہ ہیں کہ تم میں قدرت نہیں ہوگی کہ ہمارے عذاب کو اپنے سے پھیر سکو یا اپنی جانوں کو اس سے بچا سکو۔
اور بعض نے صَرْفًا کے معنی کئے ہیں کہ تم اپنی حالت کو تبدیل نہیں کرسکو گے۔ اسی سے کہا جاتا ہے[1]۔ (۳)
لَا یُقْبَلُ مِنْہُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ یعنی نہ ان کا

---

[1] متفق علیہ من روایۃ علیؓ وانسؓ وفی مسلم من روایۃ ابی ہریرۃ انظر تخریج الکشاف للحافظ، رقم - ۵ قالہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذکر المدینۃ وفی الفائق ۲/۱ الصرف التوبۃ والعدل الفدیۃ

فرض قبول ہوگا اور نہ نفل اور آیت کریمہ :۔
وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ (۴۶-۲۹) کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے ان کا رخ تیری طرف پھیر دیا یعنی ان کو تمہارے پاس لے آئے کہ تم سے قرآن سنیں۔
اَلتَّصْرِيْفُ بمعنی صَرْفٌ ہے لیکن اس میں تکثیر کے معنی پائے جاتے ہیں اور عام طور پر کسی چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھیرنے یا ایک امر سے دوسرے امر کی طرف تبدیل کرنے کے لیے آتا ہے اور تَصْرِيْفُ الرِّيَاحِ (۲-۱۶۴) کے معنی ہیں ہواؤں کے رخ کو ایک طرف سے دوسری طرف پھیر دینا۔ قرآن میں ہے :۔
وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ (۴۶-۲۷) اور آیات کو لوٹا لوٹا کر بیان کر دیا۔
وَصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ (۲۰-۱۱۳) اور اس میں طرح طرح کے تہدید بیان کر دیئے ہیں۔
اور اسی سے محاورہ ہے :۔
تَصْرِيْفُ الْكَلَامِ یعنی بات کو لوٹا لوٹا کر بیان کرنا۔
تَصْرِيْفُ الدَّرَاهِمِ دراہم کو پرکھنے کے لئے الٹنا پلٹنا تَصْرِيْفُ النَّابِ دانت پیسنا کہا جاتا ہے لنابہ صَرِيْفٌ دندانش بانگ کنند۔
اَلصَّرِيْفُ (ایضًا) دودھ جس کے جھاگ بیٹھ گئے ہوں۔ گویا وہ جھاگ سے پھیر دیا گیا ہے یا جھاگ اس سے پھیر دیئے گئے ہیں۔
رَجُلٌ صَيْرَفٌ وَصَيْرَفِيٌّ وَصَرَّافٌ سکہ پرکھنے والے یا ان کا تبادلہ کرنے والے عَنْزٌ صَارِفٌ بکری جسے نر کی خواہش ہو اور اسے صَارِفٌ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ نر کو اپنی جانب پھیرنے کی کوشش کرتی ہے۔
اَلصِّرْفُ خالص سرخ رنگ اور ہر خالص چیز کو جس میں ملاوٹ نہ ہو صِرْفٌ کہا جاتا ہے گویا اس سے ملاوٹ کو پھیر دیا گیا ہے۔
اَلصَّرَفَانُ قلعی یا سکہ گویا وہ چاندی کے برابر ہونے سے پھیر دیا گیا ہے۔

(ص ر م)

اَلصَّرْمُ کے معنی ریوڑ کے ہیں اور اَلصَّرِيْمَةُ کسی کام کے احکام اور ابرام کو کہتے ہیں اور ریت کے علیحدہ ٹکڑے کو اَلصَّرِيْمُ کہا جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ :۔
فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ (۶۸-۲۰) تو وہ ایسے ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی۔
کے بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ وہ باغ ان درختوں کی طرح ہو گیا جن کے پھل کاٹ لئے گئے ہوں یعنی صَرِيْمٌ بمعنی مَصْرُوْمٌ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ صَرِيْمٌ رات کو بھی کہتے ہیں اور آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ یعنی کھیتی سوختہ ہو کر رات کی طرح سیاہ ہو گئی۔ قرآن میں ہے :۔
اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ (۶۸-۱۷) جب انہوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہوتے ہم اس کا میوہ توڑ ڈالیں گے۔
فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ (۶۸-۲۱) جب صبح ہوئی تو وہ لوگ ایک دوسرے کو پکارنے لگے اگر تم کو کاٹنا ہے تو اپنی کھیتی پر سویرے ہی جا پہنچو۔
اَلصَّارِمُ تیز تلوار نَاقَةٌ مَصْرُوْمَةٌ اونٹنی جس کا دودھ خشک ہو گیا ہو۔ گویا اس کے پستان کاٹ دیئے گئے ہیں۔
تَصَرَّمَتِ السَّنَةُ سال گزر گیا۔ اِنْصَرَمَ الشَّيْءُ

کسی چیز کا منقطع ہوجانا اَصْرَمَ الرَّجُلُ وہ آدمی بدحال ہوگیا۔

(ص ط ر)

صَطَرَ وَسَطَرَ (ن) کے ایک ہی معنی ہیں یعنی لکھنا (سیدھی لائنوں میں) اور آیت :-
اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ (۵۲-۳۷) یا یہ (کہیں کے) داروغہ ہیں۔ میں اَلْمُصَيْطِرُوْنَ سَطْرٌ سے مُفَيْعِلٌ کے وزن پر ہے۔ اور التسطیر جس کے معنی لکھنے کے ہیں اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ کیا تخلیق سے قبل یہ اپنے نوشتہ تقدیر کے لکھنے پر مقرر تھے (کہ انہیں ہر بات کا علم ہوچکا ہے یعنی نہیں) اس میں آیت کریمہ :- اِنَّ ذَالِكَ فِىْ كِتَابٍ اِنَّ ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (۲۲-۷۰) یہ سب کچھ کتاب میں لکھا ہوا ہے بیشک یہ سب خدا کو آسان ہے۔ اور آیت كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ اور ہر چیز کو ہم نے کتاب روشن (یعنی لوح محفوظ) میں لکھ رکھا ہے۔ کے معنی کی طرف اشارہ ہے اور آیت لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (۸۸-۲۲) تم ان پر داروغہ نہیں ہو۔ کے معنی یہ ہیں کہ تم ان پر لکھنے کے لئے مقرر نہیں ہو اور نہ ہی اس چیز کو ثابت کرنے کے ذمہ دار ہو جس کے یہ متولی بنتے ہیں اور عربی میں سَيْطَرَتْ وَبَيْطَرَتْ کے علاوہ تیسرا لفظ اس وزن پر نہیں آتا تشریح کے لئے دیکھئے (س ط ر)

(ص ع د)

اَلصُّعُوْدُ کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں ایک ہی جگہ کو اوپر چڑھنے کے لحاظ سے صَعُوْدٌ اور نیچے اترنے کے لحاظ سے حَدُوْرٌ کہا جاتا ہے۔ اصل میں صَعَدٌ وَصَعِيْدٌ وَصَعُوْدٌ تینوں ہم معنی ہیں لیکن صَعُوْدٌ وَصَعَدٌ کا لفظ عقبہ یعنی گھاٹی پر بولا جاتا ہے اور استعارہ کے طور پر ہر دشوار اور گراں امر کو صَعَدٌ کہہ دیتے ہیں۔ قرآن میں ہے :-
وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ..... (۷۲-۱۷) اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد سے منہ پھیریگا وہ اس کو سخت عذاب میں داخل کریگا۔
سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا (۷۴-۱۷) ہم اسے صَعُوْدٌ پر چڑھائیں گے۔
اور صَعِيْدٌ کا لفظ وَجْهُ الْاَرْضِ یعنی زمین کے بالائی حصہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے قرآن میں ہے :-
فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا (۴-۴۳) تو پاک مٹی لو۔ اور بعض نے کہا ہے کہ صَعِيْدٌ اس گرد و غبار کو کہتے ہیں جو اوپر چڑھ جاتا ہے لہٰذا نماز کے تیمم کے لئے ضروری ہے کہ گرد و غبار سے ہاتھ آلودہ ہوجائیں اور آیت کریمہ :-
كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ (۶-۱۲۵) گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ میں يَصَّعَّدُ اصل میں يَتَصَعَّدُ ہے جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں۔ اَلْاِصْعَادُ (افعال) بقول بعض اس کے معنی زمین میں دور تک چلے جانا کے ہیں عام اس سے کہ وہ جانا بلندی کی طرف ہو یا پستی کی طرف گو اس کے اصل معنی بلند جگہوں کی طرف جانا کے ہیں۔ مثلاً بصرہ سے نجد یا حجاز کی طرف جانا بعدہ صرف بند

قال الزجاج لا اعلم خلافاً بین اہل اللغۃ فی ذالک (الطبری ۵=۱۱۴)

نکل جانے پر اِصْعَادٌ کا لفظ بولا جانے لگا ہے جیسا کہ تَعَالَ کہ اس کے اصل معنی غلو یعنی بلندی کی طرف بلانے کے ہیں اس کے بعد صرف آنے کے معنی میں بطور امر استعمال ہونے لگا ہے عام اس سے وہ آنا بالائی کی طرف ہو یا پستی کی طرف قرآن میں ہے:۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ (۳-۱۵۳) جب تم لوگ دور نکلے جا رہے تھے اور کسی کو پیچھے پھر کر نہیں دیکھتے تھے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہاں اِصْعَادٌ سے دور نکل جانا مراد نہیں ہے۔ بلکہ اشارہ ہے کہ انہوں نے بھاگنے میں غُلُوٌّ اختیار کیا یعنی کوئی کسر باقی نہ چھوڑی جیسے محاورہ ہے:۔

اَبْعَدْتُ فِیْ کَذَا اَوْ اِرْتَقَیْتُ فِیْہِ کُلَّ مُرْتَقًی یعنی میں نے اس میں انتہائی کوشش کی لہٰذا آیت کے معنی یہ ہیں کہ تم نے دشمن کا خوف محسوس کرنے اور لگاتار ہزیمت کھانے میں انتہا کر دی اور استعارہ کے طور پر صُعُوْدًا کا لفظ ان انسانی اعمال کے متعلق بھی استعمال ہوتا ہے جو خدا تک پہنچتے ہیں جیسا کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسان تک پہنچتی ہے اسے نزول سے تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ فرمایا:۔

اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ (۳۵-۱۰) اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں۔ اور آیت کریمہ۔ یَسْلُکْہُ عَذَابًا صَعَدًا (۷۲-۱۷) وہ اس کو سخت عذاب میں داخل کریگا۔ میں صَعَدًا کے معنی شاق یعنی سخت کے ہیں اور یہ تَصَعَّدَ نِیْ کَذَا کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی کسی امر کے دشوار اور مشکل ہونے کے ہیں[1]۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا[2]۔ (۴)

مَا تَصَعَّدَنِیْ اَمْرٌ مَا تَصَعَّدَنِیْ خُطْبَةُ النِّکَاحِ کہ مجھے کوئی چیز خطبہ نکاح سے زیادہ دشوار محسوس نہیں ہوتی۔

(ص ع ر)

اَلصَّعَرُ کے اصل معنی گردن میں کجی کے ہیں۔ اور تَصْعِیْرٌ کے معنی ہیں تکبر کی وجہ سے گردن کو ٹیڑھا کرنا اور اعراض برتنا چنانچہ قرآن میں ہے:۔ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ (۳۱-۱۸) اور تکبر کی بنا پر لوگوں سے روگردانی نہ کرو۔

اور ہر مشکل امر کو مُصْعَرٌ کہا جاتا ہے شتر مرغ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ پیدائشی طور پر اَصْعَرُ یعنی کج گردن ہوتا ہے۔

(ص ع ق)

اَلصَّاعِقَةُ اور صَاقِعَةُ دونوں کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں یعنی ہولناک دھماکہ۔ لیکن صَقْعٌ کا لفظ اجسام ارضی کے متعلق استعمال ہوتا ہے اور صَعْقٌ اجسام علوی کے بارے میں بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ صَاعِقَةٌ تین قسم پر ہے۔ اول بمعنی موت اور ہلاکت جیسے فرمایا:۔ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ (۳۹-۶۸)

---

[1] راجع الغریب للقتبی ۱۹۴ والمجاز لابی عبید ۱۲ [2] انظر لقول عمر الغریب للقتبی ۱۹۴ والقرطبی ۱۸ والکشاف ۵۹۴ والفخر (۳۰-۱۶۲) والنہایۃ (۲-۲۶۳) والفائق (۲: ۴۴) واللسان (صعد) والبحر ۸-۳۵ وفی اللسان (کاؤ) واضداد ابی الطیب ۹-۶ ما تکاؤنی شیئ ما تکاؤنی خطبۃ النکاح والغریب لابی عبید (۳/۳۸۷) عن عروۃ عن عمرؓ

تو جو لوگ آسمان میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب کے سب مر جائیں گے۔
فَاَخَذَتْکُمُ الصَّاعِقَۃُ (۵۱-۴۴) سو تم کو موت نے آ پکڑا۔
دوم بمعنی عذاب جیسے فرمایا:۔
اَنْذَرْتُکُمْ صَاعِقَۃً مِّثْلَ صَاعِقَۃِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ (۴۱-۱۳) میں تم کو مہلک عذاب سے آگاہ کرتا ہوں جیسے عاد اور ثمود پر وہ (عذاب) آیا تھا۔
سوم بمعنی آگ (اور بجلی کی کڑک)۔ جیسے فرمایا۔
وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِہَا مَنْ یَّشَآءُ (۱۳-۱۳) اور وہی بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے گرا بھی دیتا ہے۔
لیکن یہ تینوں چیزیں دراصل صَاعِقَہ کے آثار سے ہیں کیونکہ اس کے اصل معنی تو فضا میں سخت آواز کے ہیں پھر کبھی تو اس آواز سے صرف آگ ہی پیدا ہوتی ہے اور کبھی وہ آواز عذاب اور کبھی موت کا سبب بن جاتی ہے یعنی دراصل وہ ایک ہی چیز ہے اور یہ سب چیزیں اس کے آثار سے ہیں۔

(ص غ ر)

اَلصِّغَرُ یہ اَلْکِبَرُ کی ضد ہے جو کہ ایک دوسرے کے اعتبار سے استعمال ہوتے ہیں ایک ہی چیز دوسری چیز کے مقابلہ میں صغیر ہوتی ہے اور وہی کسی اور چیز کے مقابلہ میں کبیر کہلاتی ہے پھر صغیر وکبیر کا اطلاق کبھی تو باعتبار زمانہ کے ہوتا ہے۔ یعنی ایک شخص دوسرے سے عمر میں چھوٹا ہوتا ہے اور دوسرا بڑا اور کبھی باعتبار جسامت کے اور کبھی بلحاظ قدر ومنزلت کے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَکُلُّ صَغِیْرٍ وَّکَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ (۵۴-۵۳)
یعنی ہر چھوٹا اور بڑا کام لکھ دیا گیا ہے۔
لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً اِلَّا اَحْصٰہَا (۱۸-۴۹) نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے اور نہ بڑی کو (کوئی بات بھی نہیں) مگر اسے لکھ رکھا ہے اور آیت کریمہ:۔
وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِکَ وَلَآ اَکْبَرَ (۱۰-۶۱) اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی ہے اور نہ بڑی۔ میں خیر وشر کا بلحاظ قدر ومنزلت کے ایک دوسرے کے مقابلہ میں بڑا اور چھوٹا ہونا مراد ہے۔
صَغِرَ صِغَرًا کے معنی چھوٹا ہونا کے ہیں جو اَلْکِبَرُ کی ضد ہے اور صَغُرَ صَغَرًا وَّصَغَارًا کے معنی ذلیل ہونے کے ہیں اور ذلیل اور کم مرتبہ آدمی کو جو اپنی ذلت پر قانع ہو صَاغِرٌ کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّہُمْ صٰغِرُوْنَ (۹-۲۹) یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

(ص غ و ی)

اَلصَّغْوُ (ن) کے معنی جھکنے اور مائل ہونے کے ہیں مثلاً صَغَتِ النُّجُوْمُ وَالشَّمْسُ ستاروں یا سورج کا مائل بہ غروب ہونا۔ صَغَیْتُ الْاِنَاءَ وَاَصْغَیْتُہٗ میں نے برتن کو مائل کر دیا۔ جھکا دیا۔ اَصْغَیْتُ اِلٰی فُلَانٍ میں نے اس کی طرف کان لگایا۔ اس کی بات سننے کے لئے مائل ہوا قرآن میں ہے:۔
وَلِتَصْغٰٓی اِلَیْہِ اَفْئِدَۃُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ (۶-۱۱۳) اور (وہ ایسے کام) اسلئے بھی (کرتے تھے) کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ ان کے دل اس کی طرف مائل رہیں۔

اور کلام عرب میں صَغَوْتُ اِلَیْہِ اَصْغُوْ صَغْوًا وَصَغَیْتُ اَصْغٰی صُغِیًّا (دونوں طرح) منقول ہے اور بعض نے اَصْغَیْتُ اُصْغِیْ یعنی باب افعال بھی استعمال کیا ہے اور جو لوگ کسی کے طرفدار اور حمایتی ہوں۔ انہیں صَاغِیَۃُ الرَّجُلِ کہا جاتا ہے فُلَانٌ مَصْغِیٌّ اِنَاءُہٗ فلاں بدنصیب ہے اور کبھی یہ ہلاکت سے بھی کنایہ ہوتا ہے۔ عَلَیْہِ صَغْوَاءُ اِلٰی کَذَا وہ فلاں چیز کی طرف مائل ہے اور اَلصَّغٰی کے معنی تالو یا آنکھ میں کجی کے ہیں۔

(ص ف ف)

اَلصَّفُّ (ن) کے اصل معنی کسی چیز کو خط مستوی پر کھڑا کرنا کے ہیں جیسے انسانوں کو ایک صف میں کھڑا کرنا یا ایک لائن میں درخت وغیرہ لگانا اور بقول ابوعبیدۃ کبھی صَفٌّ بمعنی صَافٌّ بھی آجاتا ہے۔ چنانچہ آیات:۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا .... (۶۱-۴) جو لوگ خدا کی راہ میں (ایسے طور پر) پرے جما کر لڑتے ہیں .... وہ بیشک محبوب کردگار ہیں۔

ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا (۲۰-۶۴) پھر قطار باندھ کر آؤ۔

وَجَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا (۸۹-۲۲) اور فرشتے قطار باندھ کر آموجود ہوں گے میں صَفًّا مصدر بھی ہوسکتا ہے اور بمعنی صَافِّیْنَ (اسم فاعل) بھی اور آیات:۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ (۳۷-۱۶۵) اور ہم صف باندھتے رہتے ہیں۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا (۳۷-۱) قسم ہے صف بستہ جماعتوں کی میں صَافُّوْنَ اور صَافَّاتٌ سے مراد فرشتے ہیں نیز فرمایا:۔

وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ (۲۴-۴۱) اور پرند بازو پھیلائے ہوئے۔

فَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہَا صَوَآفَّ (۲۲-۳۶) تو قربانی کرنے کے وقت قطار میں کھڑے ہوئے اونٹوں پر خدا کا نام لو۔

اور صَفَفْتُ کَذَا کے معنی کسی چیز کا صف لگانا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

عَلٰی سُرُرٍ مَّصْفُوْفَۃٍ (۵۲-۲۰) صف میں لگائے تختوں پر۔

صَفَفْتُ اللَّحْمَ کے معنی گوشت کے پارچوں کو بریاں کرنے کے لئے سیخ کشید کرنے کے ہیں اور سیخ کشید کئے ہوئے پارچوں کو صَفِیْفٌ کہا جاتا ہے۔

اَلصَّفْصَفُ ہموار میدان گویا وہ ایک صف کی طرح ہے۔ قرآن میں ہے:۔

فَیَذَرُہَا قَاعًا صَفْصَفًا۝ لَا تَرٰی فِیْہَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا (۲۰-۱۰۶-۱۰۷) اور زمین کو ہموار میدان کر چھوڑے گا جس میں نہ تم کجی (اور پستی) دیکھو گے اور نہ ٹیلا (اور نہ بلندی)۔

اَلصُّفَّۃُ کے معنی سایہ دار چبوترہ یا برآمدہ کے ہیں اور تشبیہ کے طور پر زین کی گدی کو صُفَّۃُ السَّرْجِ کہا جاتا ہے۔

اَلصَّفُوْفُ وہ اونٹنی جو زیادہ دودھ دینے کی وجہ سے دو یا تین برتن بھر دے یا وہ جو دودھ دوہنے کے وقت اپنی ٹانگوں کو ایک قطار میں رکھ کر کھڑی ہوجائے۔

لہ الصحیح ان یقال مصغی ۲ مالہ ای من اصغی انظر الصحاح للجوہری و اساس البلاغۃ للزمخشری ۱۲

اَلصَّفْصَافُ بید کا درخت۔

(ص ف ح)

صَفْحٌ۔ کے معنی ہر چیز کا چوڑا پہلو یا جانب کے ہیں مثلاً صَفْحَۃُ الْوَجْہِ (چہرے کی جانب) صَفْحَۃُ السَّیْفِ (تلوار کا چوڑا پہلو) صَفْحَۃُ الْحَجَرِ (پتھر کی چوڑی جانب) وغیرہ۔

اَلصَّفْحُ (مصدر) کے معنی ترک ملامت اور عفو کے ہیں مگر یہ عفو سے زیادہ بلیغ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت کریمہ:۔

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ (۲-۱۰۹) تو تم معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ خدا اپنا دوسرا حکم بھیجے۔ میں عفو کے بعد صَفْحٌ کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ بعض اوقات انسان عفو یعنی درگزر تو کر لیتا ہے لیکن صَفْحٌ سے کام نہیں لیتا یعنی کسی سے اس قدر درگزر کرنا کہ اسے مجرم ہی نہ گردانا جائے نیز فرمایا۔

فَاصْفَحْ عَنْھُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ (۴۳-۸۹) اس لئے درگذر کرو اور سلام کہہ دو۔

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِیْلَ (۱۵-۸۵) تو تم ان سے اچھی طرح درگذر کرو۔

اَفَنَضْرِبُ عَنْکُمُ الذِّکْرَ صَفْحًا (۴۳-۵) بھلا اس لئے کہ تم حد سے نکلے ہوئے لوگ ہو ہم تم کو نصیحت کرنے سے باز رہیں گے۔

صَفَحْتُ عَنْہُ (۱) میں نے اس سے درگذر کرتے ہوئے اسے صَفْحٌ جَمِیْلٌ کا والی بنایا یعنی اسکے جرم سے کلیۃً اعراض برتا (۲) اس سے دور ہوتے ہوئے ایک جانب سے ملا (۳) میں نے کتاب کے اس صفحہ سے تجاوز کیا جس میں اس کا جرم لکھ رکھا تھا۔ اس صورت میں یہ تَصَفَّحْتُ الْکِتَابَ سے ماخوذ ہوگا جس کے معنی کتاب کے صفحات کو الٹ پلٹ کر دیکھنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

اِنَّ السَّاعَۃَ لَاٰتِیَۃٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِیْلَ (۱۵-۸۵) اور قیامت تو ضرور آکر رہے گی لہٰذا تم ان سے اچھی طرح سے درگزر کرو۔

اس آیت میں آنحضرت کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے غم کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا۔

وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْھِمْ وَلَا تَکُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ . . . . (۱۶-۱۲۷) اور ان کے بارے میں غم نہ کرو اور جو یہ بداندیش کر رہے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہو۔

اَلْمُصَافَحَۃُ مصافحہ کرنا۔ ہاتھ ملانا۔

(ص ف د)

اَلصَّفَدُ وَالصِّفَادُ کے معنی لوہے کی زنجیر یا طوق کے ہیں اس کی جمع اَصْفَادٌ ہے یعنی لوہے کے زنجیر جن سے قیدیوں کو جکڑا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ (۳۸-۳۸) جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔

نیز اَلصَّفَدُ کے معنی عطیہ بھی آتے ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے۔

اَنَا مَغْلُوْلُ اَیَادِیْکَ وَاَسِیْرُ نِعْمَتِکَ میں تیرے احسانات کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوں اور تیری انعام کا قیدی بن چکا ہوں وغیر ذالک من المحاورات۔

(ص ف ر)

اَلصُّفْرَۃُ زردی ایک قسم کا رنگ جو

سیاہی اور سفیدی کے مابین ہوتا ہے مگر اس پر چونکہ سیاہی غالب ہوتی ہے اس لئے کبھی اس کے معنی سیاہی بھی آجاتے ہیں۔ اسی بنا پر حسنؒ نے آیت:۔ بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا (۲-۶۹) اس کا رنگ گہرا زرد ہو۔ میں صَفْرَاءُ کے معنی سیاہ کئے ہیں[1] مگر بعض نے کہا ہے کہ اگر اس کے معنی سیاہ ہوتے تو اس کی صفت فَاقِعٌ نہ آتی بلکہ صَفْرَاءُ کے بعد حَالِكَةٌ کہا جاتا ہے[2]۔ نیز فرمایا:۔

ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا (۳۹-۲۱) پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو تم اس کو دیکھتے ہو کہ زرد ہو گئی ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

كَأَنَّهُ جِمَالَتٌ صُفْرٌ (۷۷-۳۳) گویا زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔

کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں صُفْرٌ اَصْفَرُ کی جمع ہے[3] اور بعض نے کہا ہے کہ صُفْرٌ ایک دھات کا نام ہے (جس کے ساتھ زردی میں تشبیہ دی گئی ہے) اسی سے نُحَاسٌ (پیتل) کو صُفْرٌ اور خشک بھُس (گھاس) کو صُفَارٌ کہا جاتا ہے اور کبھی صَفِيْرٌ کا لفظ ہر اس آواز کی حکایت پر بولا جاتا ہے جو دور سے سنائی دے اسی سے صَفِرَ الْاِنَاءُ کا محاورہ ہے جس کے اصل معنی تو اس خالی برتن کے ہیں جس سے صَفِيْرٌ کی سی آواز سنائی دے پھر عرف میں ہر خالی چیز کو صِفْرٌ کہنے لگے ہیں خواہ وہ برتن ہو یا اور کوئی چیز اور پیٹ اور رگوں کے غذا سے خالی ہونے کی صَفَرٌ کہا گیا ہے اور ان رگوں کو جو جگر اور معدہ کے مابین پھیلی ہوئی ہیں جب غذا میسر نہ ہو تو وہ معدہ کے اجزا کو چوسنے لگتی ہیں اس بنا پر جاہل عربوں نے یہ عقیدہ بنا رکھا تھا کہ صَفَرٌ پیٹ میں ایک سانپ کا نام ہے جو بھوک کے وقت پسلیوں کو کاٹتا ہے۔ حتی کہ آنحضرتؐ کو لَا صَفَرَ کہہ کر اس عقیدہ کی نفی کرنا پڑی[4] (۵) یعنی پیٹ میں اس قسم کا سانپ نہیں ہوتا جس کے متعلق ان کا یہ عقیدہ ہے اسی معنی میں شاعر نے کہا ہے[5] (بسیط)

(۲۷۳) وَلَا يَعَضُّ عَلَى شُرْسُوفِهِ الصَّفَرُ

اور نہ اس کی پسلیوں کو صفر (سانپ) کاٹتا ہے۔

---

[1] راجع لقول الحسن الدر المنثور (۱: ۷۸) وتفسیر الطبری (۱: ۳۴۵) ورد علی الحسن ابن قتیبۃ فی غریبہ (۵۳-۵۴) والطبری والشوکانی (۱: ۹۸) وقال ہذا من بدع التفاسیر ومنکراتہا وقال ابو عبیدۃ فی مجازہ (۱: ۴۴) ان شئت صفراء وان شئت سوداء وبہ فسر السجستانی فی غریبہ (۱۰۹-۱۱۰) والبخاری تعالیقاً فی الفتح (۸: ۲۲۳) من الاضداد والسجستانی فی اضدادہ [2] کذا فی الشوکانی (۱: ۹۸) [3] قالہ ابو عبیدۃ فی مجازہ (۲: ۲۸۱) [4] رواہ البخاری ومسلم وابو داؤد فی سننہ من حدیث ابی ہریرۃ والسائب بن یزید والترمذی فی القدر وغریب ابی عبید (۱: ۲۵) والفائق (۲: ۶۱) [5] البیت لاعشی باہلۃ واسمہ عامر بن الحارث یرثی المنتشر بن وہب اخیہ لامہ واختلف الروایات فی صدرہ ففی اللسان (صفر) وجمہرۃ اشعار العرب ۲۵۶ صدرہ: لایتاسی لما فی القدر یرقبہ۔ وہذا یوافق روایۃ الامالی (۲: ۱۹۷) وروایۃ المرتضی (۲: ۲۲) وملحقات دیوان الاعشی ۲۶۸ لکن بلفظ یتاری بدل یتاسی وخطأ الصاغانی وروی صدرہ لایغمز الساق من این ولا وصب وہذا مطابق لما رواہ الطبری فی تفسیرہ (۴: ۱۱۹) وہی الروایۃ فی امالی المرتضی (۱: ۲۳۰) ویوافق امالی القالی ۵۷ والکامل بشرح المرصفی (۸: ۲۱۲) والمحاضرات للمؤلف (۴: ۶۱۹) وروایۃ جمہرۃ اشعار العرب ۲۸۲ والمعانی للقتبی ۱۲۳۱ و۲۰۰ ایضاً راجع الاصمعیات (۴۳-۳ طبعۃ برلین) وتبدلہ کما فی الکامل ۲۳۱: لا یتاری لما فی القدر یرقبہ ولا تراہ امام القوم یقتفر والثار فی الکامل فی ۲۳ بیتاً والمختارات ۹-۱۲ (صنعۃ ہبۃ اللہ الحسین) فی ۳۰ بیتاً والبیت فی الفائق (۲: ۱۴) وغریب ابی عبید (۱: ۲۶) وتہذیب الاصلاح (۲: ۳۷) وادب الکاتب ۳۲ والخزانۃ (۱: ۹۲) والنجار ۱۱۹ وفی الاقتضاب کلام جید علی البیت (۳۴-۳۵)۔

اور ماہ صفر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینہ میں ان کے گھر توشہ سے خالی ہو جاتے تھے اس لئے اسے صفر کہتے تھے اور جو بچہ ماہ صفر میں پیدا ہو اسے صَفَرِیٌّ کہا جاتا ہے۔

(ص ف ن)

اَلصَّفْنُ: دو چیزوں کو اس طرح اکٹھا کر دینا کہ ان کے کچھ حصے دوسروں کے ساتھ مل جائیں چنانچہ محاورہ ہے:۔ صَفَنَ الْفَرَسُ قَوَائِمَہٗ گھوڑے کا تین پاؤں پر کھڑے ہو کر چوتھے پاؤں کا سم اس طرح اٹھایا کہ اس کا اگلا حصہ زمین پر لگا رہے۔ قرآن میں ہے:۔ اَلصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ (۳۸-۳۱) خاصے کے گھوڑے پیش کئے گئے۔ اور آیت کریمہ:۔ فَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہَا صَوَآفَّ (۲۲-۳۶) تو قربانی کرنے کے وقت صف بستہ کھڑے اونٹوں پر خدا کا نام لو۔ میں ایک قرأت صَوَافِنَ بھی ہے[1] اور باطن صلب کی رگ کو جو نیاطِ قلب کو جمع کرتی ہے بھی صَافِنٌ کہا جاتا ہے اور صَفَنٌ کے معنی خصیتین کی تھیلی کے ہیں۔ صُفْنٌ وہ ڈول جس کے ساتھ حلقہ بندھا ہوا ہو۔

(ص ف و)

اَلصَّفَاءُ کے اصل معنی کسی چیز کا ہر قسم کی آمیزش سے پاک اور صاف ہونا کے ہیں اسی سے اَلصَّفَا ہے جس کے معنی صاف اور چکنا پتھر کے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ (۲-۱۵۸) بے شک کوہ صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں۔ میں اَلصَّفَا ایک پہاڑی کا نام ہے۔

اَلْاِصْطِفَاءُ کے معنی صاف اور خالص چیز لے لینا کے ہیں جیسا کہ اِخْتِیَارٌ کے معنی بہتر چیز لے لینا آتے ہیں اور اَلْاِجْتِبَاءُ کے معنی جِبَایَۃٌ یعنی عمدہ چیز منتخب کر لینا آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا کسی بندہ کو چن لینا کبھی بطور ایجاد کے ہوتا ہے یعنی اسے ان اندرونی کثافتوں سے پاک وصاف پیدا کرتا ہے جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں اور کبھی بطریق اختیار اور حکم کے ہوتا ہے گو یہ قسم پہلے معنی کے بغیر نہیں پائی جاتی۔ قرآن میں ہے:۔ اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (۲۲-۷۵) خدا فرشتوں اور انسانوں میں رسول منتخب کر لیتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا (۳-۳۳) خدا نے آدم اور نوح ... کو تمام جہان کے لوگوں میں منتخب فرمایا تھا۔

اِصْطَفٰکِ وَطَہَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ (۳-۴۲) خدا نے تم کو برگزیدہ کیا اور پاک بنایا اور ... منتخب کیا۔

اِصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ (۷-۱۴۴) میں نے تم کو ... لوگوں سے ممتاز کیا۔

وَاِنَّہُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ (۳۸-۴۷) اور یہ لوگ ہمارے ہاں منتخب اور بہتر افراد تھے۔

اِصْطَفَیْتُ کَذَا عَلٰی کَذَا ایک چیز کو دوسری پر ترجیح دینا اور پسند کرنا۔ قرآن میں ہے:۔ اَصْطَفَی الْبَنَاتِ عَلَی الْبَنِیْنَ (۳۷-۱۵۳) کیا اس نے بیٹوں کی نسبت بیٹیوں کو پسند کیا۔

سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (۲۷-۵۹) اس

---

[1] وہی قراءۃ ابن عباس وجماعۃ من الصحابۃ والتابعین وفی قراءۃ صوافی راجع ابا حیان ج ۶ - ۳۶۹ واتحاف الفضلاء ۳۱۵

کے بندوں پر سلام ہے جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (۳۵-۳۲) پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا۔

اَلصَّفِيُّ وَالصَّفِيَّةُ مال غنیمت کی وہ چیز جسے امیر اپنے لئے منتخب کرے (جمع صَفَايَا) شاعر نے کہا ہے[1] (الوافر)

(۲۷۴) لَكَ الْمِرْبَاعُ مِنْهَا وَالصَّفَايَا

تمہارے لئے اس سے ربع اور منتخب کی ہوئی چیزیں ہیں۔

نیز صَفِيٌّ وَصَفِيَّةٌ (۱) بہت دودھ دینے والی اونٹنی (۲) بہت پھلدار کھجور۔ اَصْفَتِ الدَّجَاجَةُ مرغی انڈے دینے سے رک گئی گویا وہ انڈوں سے خالص ہوگئی اس معنی کی مناسبت سے جب شاعر شعر کہنے سے رک جائے تو اس کے متعلق اَصْفَى الشَّاعِرُ کہا جاتا ہے اور یہ اَصْفَى الْحَافِرُ کے محاورہ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کنواں کھودنے والا صفا یعنی چٹان تک پہنچ گیا جس نے اسے آئندہ کھدائی سے روک دیا جیسا کہ اَكْدٰى وَاَحْجَرَ کے محاورات اس معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

اور اَلصَّفَا کی طرح صَفْوَانٌ کے معنی بھی بڑا صاف اور چکنا پتھر کے ہیں اس کا واحد صَفْوَانَةٌ ہے۔

قرآن میں ہے:۔

صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ (۲-۲۶۴) اس چٹان کی سی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو۔

يَوْمٌ صَفْوَانٌ خنک دن جس میں سورج صاف ہو (یعنی بادل اور غبار نہ ہو)

(ص ل ل)

اصل میں صَلْصَالٌ کے معنی کسی خشک چیز سے آواز آنا کے ہیں اسی سے صَلَّ الْمِسْمَارُ کا محاورہ ہے۔

جس کے معنی میخ کو کسی چیز میں ٹھونکنے سے آواز پیدا ہونا کے ہیں اور کھنکنے والی خشک مٹی کو بھی صَلْصَالٌ کہا جاتا ہے قرآن میں ہے:۔

مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (۵۵-۱۴) ٹھیکری کی طرح کھنکھناتی مٹی سے .....

مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَاٍ مَسْنُوْنٍ (۱۵-۳۳) کھنکنے والی خشک مٹی یعنی سنے ہوئے گارے سے۔

اور صَلْصَلَةٌ کے معنی باقی ماندہ پانی کے ہیں کیونکہ مشکیزہ میں باقی ماندہ پانی کے ہلنے سے کھنکناہٹ کی آواز پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ صَلْصَالٌ کے معنی سڑی ہوئی مٹی کے ہیں اور یہ صَلَّ اللَّحْمُ سے مشتق ہے جس کے معنی گوشت کے بدبودار ہو جانے کے ہیں صَلْصَالٌ اصل میں صَلَّالٌ ہے ایک لام کو صاد سے بدل دیا گیا ہے اور آیت کریمہ:۔

اَئِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ (۳۲-۱۰) کیا جب ہم زمین میں ملیامیٹ ہو جائیں گے۔ میں ایک قرأت صَلَلْنَا بھی ہے یعنی جب ہم گل سڑ گئے اور یہ

---

[1] قاله عبد الله بن عنمة فی مرثیته بسطام بن قیس الشیبانی راجع شرح سقط الزند ۲-۹۷۱ والاشتقاق لابن درید ۱۹۹-۲۰۰ وبسطام هذا احد الفرسان الثلاثة (التبریزی) قتله عاصم بن خلیفة الضبی والبیت من ثمانیة رواها ابو تمام فی الحماسة (۱: ۴۲۰) والمرزوقی ۳۵۵ وتمامه: وحکمک والنشیطة والفضول۔ والبیت فی اللسان (ربع، نشط، غافضل) والطبرسی (۲۸-۳۰) والثعالبی ۱۹۲، ۲۳۵ والعقد الفرید (۳: ۳۴۴) والاصمعیات ۳۴ والمعانی للقتیبی ۹۴۸ والامالی (۱: ۱۴۴) والسمط (۱: ۳۸۹) والحیوان (۱: ۲۳۰)

صَلَّ اللَّحْمُ وَاَصَلَّ کے محاورہ سے مشتق ہے۔

(ص ل ب)

اَلصُّلْبُ کے معنی سخت کے ہیں اور پشت کو بھی اس کی صلابت اور سختی کی وجہ سے صُلب کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

یَخْرُجُ مِنْ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ (۸۶-۷) جو پیٹھ اور سینے کے بیچ میں سے نکلتا ہے اور آیت کریمہ:۔ وَحَلَائِلُ اَبْنَائِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ (۴-۲۳) اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں بھی۔ میں تنبیہ کی ہے کہ اولاد باپ کا جز ہوتی ہے چنانچہ شاعر نے کہا ہے[1] (السریع)

(۲۷۵) وَاِنَّمَا اَوْلَادُنَا بَیْنَنَا
اَکْبَادُنَا تَمْشِیْ عَلَی الْاَرْضِ

ہماری اولاد ہمارے جگر گوشے ہیں جو زمین پر چلتے پھرتے ہیں اور دوسرے شاعر نے کہا ہے[2] (الرجز)

(۲۷۶) فِیْ صُلْبٍ مِثْلِ الْعِنَانِ الْمُؤْدَمِ

ایسی پشت میں جو چمڑے کی ہوئی لگام کی طرح نرم ہے۔

اَلصَّلَبُ وَالْاِصْطِلَابُ کے معنی ہڈیوں سے چکنائی نکالنا کے ہیں اور صَلَبَ جس کے معنی قتل کرنے کے لئے لٹکا دینا کے ہیں۔ بقول بعض اسے صَلَبَ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں اس شخص کی پیٹھ لکڑی کے ساتھ باندھ دی جاتی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ صَلَبُ الْوَدَكِ سے ہے جس کے معنی ہڈیوں سے چکنائی نکالنا کے ہیں قرآن میں ہے:۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ (۴-۱۵۷) اور انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ سولی پر چڑھایا۔ لَاُصَلِّبَنَّکُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ (۲۰-۷۱) اور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھوا دوں گا۔ اَنْ یُّقَتَّلُوْا اَوْ یُصَلَّبُوْا (۵-۳۳) کہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی پر لٹکوا دیئے جائیں۔

اَلصَّلِیْبُ اصل میں سولی کی لکڑی کو کہتے ہیں نیز صلیب اس لکڑی کو بھی کہتے ہیں جو عیسائی بطور عبادت کے گلے میں اس خیال پر باندھ لیتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اس پر سولی لٹکایا گیا تھا اور جس کپڑے پر صلیب کے نشانات بنے ہوئے ہوں اسے مُصَلَّبٌ کہا جاتا ہے۔

صَالِبٌ سخت بخار جو پیٹھ کو چور کر دے یا پسینہ کے ذریعہ انسان کی چربی نکال لائے۔

صَلَّبْتُ السِّنَانَ میں نے نیزے کے بھالے کو تیز کیا۔

اَلصُّلْبِیَّةُ سان کا پتھر جس پر اوزار تیز کئے جاتے ہیں۔

(ص ل ح)

اَلصَّلَاحُ۔ (درست، باترتیب) یہ فساد کی ضد ہے عام طور پر یہ دونوں لفظ افعال کے متعلق استعمال ہوتے ہیں قرآن کریم میں لفظ صَلَاحٌ کبھی تو فساد کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے اور کبھی سَیِّئَةٌ کے چنانچہ فرمایا:۔

---

[1] والبیت مع خمسة اخری فی الامالی (۲: ۱۸۵) ونسبه فی اللآلی والتبریزی (م طبعه اوربا) الی حطان بن المعلی قاله تأسفا علی ریب الزمان راجع المرزوقی ۲۸۸ والمحاضرات للمؤلف (۱: ۳۲۱) والبحر (۲: ۳۹۲) والماوردی ۳۶۵ والعقد الفرید (۲: ۳۸۴) ونسبه الی المعلی بن الخطاب الطائی و فی العیون (۳: ۹۵) وقال العرنی۔ [2] قاله العجاج یصف امرءة وقبله سیلا العظام فخمة المخدم وبعده: الی سواء قطن مؤکم والبیت من شواہد الکشاف ۱۲۵ وایضاً تہذیب الاصلاح (۱: ۴۶) واللسان (صلب ۳۱۴) واضداد ابی الطیب ۳۲ وفیه بعده: وکفل یخضه ملکم والارجوزة بتمامها فی دیوانه ۱۷۵-۱۸۰)

خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا (۹-۱۰۲) انہوں نے اچھے اور برے عملوں کو ملا دیا تھا۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا (۷-۵۶) اور ملک میں اصلاح کے بعد خرابی پیدا نہ کرنا۔

اور قرآن میں اکثر مقامات پر وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ آیا ہے جس کے معنی صلاحیت بخش کام کرنے کے ہیں اور اَلصُّلْحُ کا لفظ خاص کر لوگوں سے باہمی نفرت کو دور کر کے (امن و سلامتی پیدا کرنے پر بولا جاتا ہے) چنانچہ اِصْطَلَحُوْا وَتَصَالَحُوْا کے معنی باہم امن و سلامتی سے رہنے کے ہیں قرآن میں ہے:۔

اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَھُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَیْرٌ (۴-۱۲۸) کہ آپس میں کسی قرار داد پر صلح کر لیں اور صلح ہی بہتر ہے

وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا (۴-۱۲۹) اور اگر باہم موافقت پیدا کرو اور تقویٰ اختیار کرو۔

فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا (۴۹-۹) تو ان میں صلح کرا دو۔

فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ (۴۹-۱۰) تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو۔

اور اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کی اصلاح کرنا کے کبھی تو یہ معنی ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے فطرۃً صالح بنایا اور کبھی اس کے معنی اس سے خرابی اور نقص کو دور کرنے کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَاَصْلَحَ بَالَھُمْ (۴۷-۲) اور ان کی حالت سنوار دی۔

یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ (۳۳-۷۱) وہ تمہارے اعمال درست کر دیگا۔

وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ (۴۶-۱۵) اور میرے لئے میری اولاد میں صلاح اور تقویٰ پیدا کر اور آیت کریمہ:۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ (۱۰-۸۱) خدا شریروں کے کام سنوارا نہیں کرتا۔ کے معنی یہ ہیں کہ مفسد لوگ چونکہ عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی مخالفت کر کے خرابیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اسکے برعکس ذات باری تعالیٰ ہر کام میں اصلاح کو پسند کرتی ہے۔ لہٰذیہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے اعمال کو درست قرار دے اور صالح ایک پیغمبر کا نام بھی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا (۱۱-۶۲) صالح ... ہم تم سے کئی طرح کی امیدیں رکھتے تھے۔

(ص ل د)

اَلصَّلْدُ کے معنی ٹھوس اور چکنا پتھر کے ہیں جس پر کچھ پیدا نہ ہو سکے۔ قرآن میں ہے:۔

فَتَرَکَہٗ صَلْدًا (۲-۲۶۴) تو اسے صاف کر ڈالے اسی سے رَاْسٌ صَلْدٌ ہے یعنی وہ سر جس پر بالکل بال نہ ہوں۔ نَاقَۃٌ صَلُوْدٌ وَصَلَادٌ کم دودھ والی اونٹنی فَرَسٌ صَلُوْدٌ وہ گھوڑا جسے پسینہ نہ آئے صَلَدَ الزَّنْدُ چقماق سے آگ نہ نکلنا۔

(ص ل و)

اَلصَّلٰوۃُ بہت سے اہل لغت کا خیال ہے کہ صَلَاۃٌ کے معنی دعا دینے۔ تحسین تبریک اور تعظیم کرنے کے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے صَلَّیْتُ عَلَیْہِ میں نے اسے دعا دی نشوو نما دی اور بڑھایا اور حدیث میں ہے[1] (۶)

اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ اِلٰی طَعَامٍ فَلْیُجِبْ وَاِنْ کَانَ صَائِمًا فَلْیُصَلِّ کہ جب کسی کو کھانے پر بلایا جائے تو اسے چاہیئے کہ قبول کرلے اگر روزہ دار ہے تو وہ انکے لئے دعا کر کے واپس چلا آئے اور قرآن میں ہے

---

[1] مختصر من حدیث ابی ہریرۃ فی (حم، م، د، ت) وفی روایۃ ابن مسعود (طب) فلیدع انظر کنز العمال ۹:- رقم ۲۵۷۳۳/۱۲۷۴۱ دعویب الی ہبیلد (۲۷۱/۱۷۶) واستشہد بہ الزمخشری فی الفائق (۲/۱۷) وابن الاثیر فی النہایۃ ۲۰۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (۹-۱۰۳) اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو کہ تمہاری دعا ان کے لئے موجب تسکین ہے۔

يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ (۳۳-۵۶) (خدا اور اس کے فرشتے) پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں مومنو تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجا کرو۔

وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ (۹-۹۹) اور پیغمبر کی دعاؤں کا ...

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لئے دعا کرنے کے معنی ہیں ان کو نشوونما دینا، بڑھانا چنانچہ قرآن میں ہے:

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ (۲-۱۵۷) یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی رحمت اور مہربانی ہے۔

اور انسانوں کی طرح فرشتوں کی طرف سے بھی صلوٰۃ کے معنی دعا اور استغفار ہی آتے ہیں چنانچہ فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ (۳۳-۵۶) بے شک خدا اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں۔

اور الصَّلٰوۃ جو کہ ایک عبادت مخصوصہ کا نام ہے اس کی اصل بھی دعا ہی ہے اور نماز چونکہ دعا پر مشتمل ہوتی ہے اسلئے اسے صلوٰۃ کہا جاتا ہے۔ اور یہ تَسْمِيَةُ الشَّيْءِ بِاسْمِ الْجُزْءِ کے قبیل سے ہے یعنی کسی چیز کو اس کے ضمنی مفہوم کے نام سے موسوم کرنا اور صلوٰۃ (نماز) ان عبادات سے ہے جن کا وجود ہر شریعت میں ملتا ہے گو اس کی صورتیں مختلف رہی ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (۴-۱۰۳) بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات میں ادا کرنا فرض ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ لفظ صلوٰۃ دراصل صِلاءٌ سے مشتق ہے لہٰذا صَلَّيْتُ الرَّجُلَ کے معنی ہیں اس شخص نے اس عبادت کے ذریعہ اپنے آپ کو صلاءٌ یعنی دوزخ کی آگ سے دور کیا اور جس طرح مَرَّضَ کا لفظ مرض کو دور کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اسی طرح صَلّٰی میں بھی سلب ماخذ کے معنی پائے جاتے ہیں اور کبھی عبادت گاہ کو بھی صلوٰۃ کہہ دیا جاتا ہے چنانچہ قرآن میں کنائس یعنی یہود کی عبادت گاہوں کو صلوٰۃ کہا گیا ہے۔ جیسے فرمایا:

لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ (۲۲-۴۰) تو راہبوں کے صومعے عیسائیوں کے گرجے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں ویران ہو چکی ہوتیں۔

اور قرآن میں جہاں کہیں بھی نماز ادا کرنے کی تعریف کی گئی ہے یا اس کی ترغیب دی گئی ہے وہاں اسے لفظ اقامت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ (۴-۱۶۲) اور نماز پڑھتے ہیں۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (۲-۱۱۰) اور نماز ادا کرتے رہو۔

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ (۲-۲۷۷) اور نماز پڑھتے رہے۔

اور محض مُصَلِّيْنَ کا لفظ صرف منافقین کے متعلق وارد ہوا ہے چنانچہ فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (۱۰۷-۴، ۵) تو ایسے نمازیوں کی خرابی ہے جو نماز کی طرف سے غافل رہتے ہیں۔

وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى (۹-۵۴) اور نماز کو آتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر۔

اور صلوٰۃ کے ساتھ لفظ اِقَامَةٌ ذکر کرنے سے غرض یہ ہے کہ نماز کو محض ہیئت مخصوصہ کے ساتھ ادا کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے

حقوق و فرائض کو پورا کرنا بھی ضروری ہے اس بنا پر ایک روایت میں آیا ہے اَلْمُصَلُّوْنَ کَثِیْرٌ وَالْمُقِیْمُوْنَ قَلِیْلٌ کہ محض نماز پڑھنے والے تو بہت ہیں مگر اس کو حقوق و فرائض کے ساتھ ادا کرنے والے بہت کم ہیں اور آیت کریمہ لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ (۷۴-۴۳) ہم مصلین سے نہیں تھے۔ کے معنی یہ ہیں کہ ہم انبیاء کرام کی پیروی نہیں کرتے تھے اور آیت فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی (۷۵-۳۱) تو اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی۔ میں وَلَا صَلّٰی سے مراد یہ ہے کہ اس نے محض رسمی نماز بھی نہیں پڑھی چہ جائیکہ اس کے حدود و فرائض کے ساتھ اسے ادا کرتا۔ اور آیت کریمہ:۔

مَا کَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَیْتِ اِلَّا مُکَآءً وَّتَصْدِیَةً (۸-۳۵) اور ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی ۔ میں ان کی نماز کو مُکَآءً اور تَصْدِیَةً کہہ کر بتایا ہے کہ ان کی نماز بے روح تھی اور ان کا یہ عمل بے وقعت بلکہ ان کی اس نماز کی حیثیت پرندوں کی چہچہاہٹ اور گنبد کی آواز سے زیادہ نہیں تھی اور آیت کریمہ:۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ کے بعد وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ (۲۳-۹) (اور جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ میں صلوٰۃ کو دوبارہ لانے کی وجہ ہم اس کتاب کے بعد (یعنی تفسیر قرآن میں) ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(ص ل ی)

اَلصَّلْیُ (س) کے اصل معنی آگ جلانے کے ہیں صَلِیَ بِالنَّارِ اس نے آگ کی تکلیف برداشت کی یا وہ آگ میں جلا صَلِیَ بِکَذَا اسے فلاں چیز سے پالا پڑا۔ صَلَیْتُ الشَّاةَ میں نے بکری کو آگ پر بھون لیا اور بھونی ہوئی بکری کو مَصْلِیَّةٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

اِصْلَوْهَا الْیَوْمَ (۳۶-۶۴) آج اس میں داخل ہو جاؤ۔

یَصْلَی النَّارَ الْکُبْرٰی (۸۷-۱۲) بڑی تیز آگ میں داخل ہوگا۔

تَصْلٰی نَارًا حَامِیَةً (۸۸-۴) دھکتی آگ میں داخل ہوں گے۔

وَیَصْلٰی سَعِیْرًا (۸۴-۱۲) اور دوزخ میں داخل ہوگا۔ اور آیت کریمہ:۔

وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا (۴-۱۰) اور دوزخ میں ڈالے جائیں گے ۔ میں ایک قرأت ضمہ یا (باب افعال) کے ساتھ بھی ہے نیز فرمایا:۔

حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ یَصْلَوْنَهَا (۵۸-۸) ان کو دوزخ ہی کی سزا کافی ہے (یہ) اسی میں داخل ہوں گے۔

سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ (۷۴-۲۶) ہم عنقریب اسے سقر میں داخل کریں گے۔

وَتَصْلِیَةُ جَحِیْمٍ (۵۶-۹۴) اور جہنم میں جلنا۔ اور آیت کریمہ:۔

لَا یَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَی الَّذِیْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی (۹۲-۱۵، ۱۶) اس میں وہی داخل ہوگا جو بڑا بدبخت ہے جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا ۔ میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں لَا یَصْلٰهَا کے معنی لَا یَصْطَلِیْ بِهَا ہیں یعنی دوزخ کے ساتھ وابستہ اور چمٹے نہیں رہیں گے ... . اور خلیل نے کہا ہے کہ صَلِیَ الْکَافِرُ النَّارَ کے معنی یہ ہیں

کر کافر نے دوزخ کی تکلیف برداشت کی جیسے فرمایا:۔ یَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيرُ (۸-۵۸) اسی میں داخل ہوں گے اور وہ بری جگہ ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ صَلِیَ النَّارَ کے معنی آگ میں داخل ہونے کے ہیں اور اَصْلَاهَا کے معنی داخل کرنے کے ہیں قرآن میں ہے:۔
فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا (۴-۳۰) ہم اسے عنقریب جہنم میں داخل کریں گے۔ اور آیت کریمہ:۔
ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ اَوْلٰی بِهَا صِلِيًّا (۱۹-۷۰) اور ہم ان لوگوں سے خوب واقف ہیں جو اس میں داخل ہونے کے زیادہ لائق ہیں۔ میں بعض نے کہا ہے کہ صِلِيًّا، صَالٍ کی جمع ہے[1] صِلَاءٌ (۱) آگ جلانے کا ایندھن (۲) بھنی ہوئی چیز۔

(ص م م)

اَلصَّمَمُ کے معنی حاسۂ سماعت ضائع ہو جانے کے ہیں (مجازاً) اس کے ساتھ ہر وہ شخص متصف ہوتا ہے جو نہ تو حق کی آواز سنے اور نہ ہی اسے قبول کرے (بلکہ اپنی مرضی کرتا چلا جائے) قرآن میں ہے:۔ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ (۲-۱۸) (یہ) بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں۔ صُمًّا وَّعُمْيَانًا (۲۵-۷۳) اندھے اور بہرے ہو کر۔
وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ هَلْ يَسْتَوِيَانِ (۱۱-۲۴) اور بہرہ ہو اور ایک دیکھتا سنتا، بھلا دونوں کا حال یکساں ہو سکتا ہے۔

وَحَسِبُوا اَلَّا تَكُونَ فِتْنَةٌ فَعَمُوا وَصَمُّوا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوا وَصَمُّوا (۵-۷۱) اور یہ خیال کر کے کہ (اس سے ان پر) کوئی آفت نہیں آنے کی یہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔ پھر خدا نے ان پر مہربانی فرمائی لیکن پھر اندھے اور بہرے ہو گئے۔
اور تشبیہ کے طور پر ہر اس چیز کو صَمَمٌ کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے جس کی آواز سنائی نہ دے چنانچہ محاورہ ہے[2]:۔
صَمَّتْ حَصَاةٌ بِدَمٍ یعنی خون ریزی اس کثرت سے ہوئی ہے کہ اگر اس میں کنکر ڈالا جائے تو اس کی حرکت سنائی نہ دے۔
ضَرْبَةٌ صَمَّاءُ مہلک ضرب جس کے بعد مضروب کی آواز ہی سنائی نہ دے اسی سے اس بہادر کو جو تلوار کی ایک ہی ضرب سے دوسرے کو ہلاک کر ڈالے صِمَّةٌ[3] کہا جاتا ہے صَمَمْتُ الْقَارُوْرَةَ میں نے شیشی پر کاک لگایا جس سے اس کا منہ بند ہو گیا۔ اَلْاَصَمُّ (بہرے) کے ساتھ تشبیہ کے طور پر بولا جاتا ہے۔
صَمَّمَ فِي الْاَمْرِ اس نے اپنی مرضی کی اور کسی کی نہ سنی صَمَّانٌ سخت زمین اِشْتِمَالُ الصَّمَّاءِ کپڑے کو اس طرح لپیٹنا کہ جسم کا کوئی حصہ ننگا نہ ہے۔

(ص م د)

اَلصَّمَدُ وہ سردار جس کی طرف ہر معاملہ

---

[1] وفی القرآن، الامن ہو صال الجحیم (۳۷-۱۶۳) والصحیح ان صلیا مصدر صلی ومنا صطلی (افتعال) کما فی آیۃ (۲۷-۷) [2] انظر تکملۃ البدائی رقم ۵ منها والتساط لمحکم (صمم) والحیوان (۴ : ۳۹۲) والمعانی للقتیبی ۸۵۷ مثل یقال عن شدۃ الحرب وکثرۃ القتل وقال ابن بری والصحیح انہ یقال بمعنی بدل بدم وفی المجالس للثعلب ۱۲۱ وقال فی الدامیۃ [3]

میں رجوع کیا جائے۔ صَمَدَ صَمْدَہٗ کسی کو معتمد سمجھ کر اس کی جانب قصد کرنا۔ بعض نے کہا ہے[1] کہ صَمَدٌ ٹھوس اور بے جوف چیز کو کہتے ہیں۔ اور بے جوف چیزیں دو قسم پر ہیں ایک وہ جو انسان سے کم درجہ کی ہیں جیسے جمادات اور دوم وہ جو انسان سے اعلیٰ درجہ کی ہیں، جیسے باری تعالیٰ اور فرشتے اور آیت کریمہ :۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ (۱۱۲-۲) اللہ بے نیاز ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کو صمد کہہ کر اس حقیقت سے آگاہ کر دیا ہے۔ کہ مشرکین نے جن چیزوں کو معبود بنا رکھا ہے۔ ذات الٰہی ان سب کے برعکس ہے چنانچہ آیت کریمہ :۔

وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ (۵-۷۵)

اور ان کی والدہ (مریم خدا کی ولی اور) سچی فرمانبردار تھیں دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے۔

میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(ص م ع)

اَلصَّوْمَعَةُ (راہب کی کوٹھری) ہر وہ عمارت جس کا سر لمبا اور نوکدار ہو جیسے گرجے کا منارہ) اس کی جمع صَوَامِعُ آتی ہے۔ قرآن میں ہے۔

لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ (۲۲-۴۰) تو (راہبوں کے) صومعے اور (عیسائیوں کے) گرجے ...... ویران ہو چکے ہوتے۔

اور اَصْمَعُ اس آدمی کو کہتے ہیں جس کے کان چھوٹے ہوں گویا وہ سر کے ساتھ پیوست ہیں قَلْبٌ اَصْمَعُ بہادر گویا اس کی حالت ان لوگوں کے خلاف ہے جو کہ آیت وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ (۱۴-۴۳) اور ان کے دل (مارے خوف کے) ہوا ہو رہے ہوں گے کے مصداق ہیں۔

اَلصَّمْعَاءُ بھی گھاس جس کے شگوفے تا حال ظاہر نہ ہوئے ہوں کِلَابٌ صُمْعُ الْكُعُوْبِ یعنی چھوٹے اور باریک ٹانگوں والے کتے۔

(ص ن ع)

اَلصُّنْعُ (ف) کے معنی کسی کام کو کمال مہارت سے اچھی طرح کرنے کے ہیں اس لئے ہر صُنْع کو فعل تو کہہ سکتے ہیں مگر ہر فعل کو صنع نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی لفظ فعل کی طرح حیوانات اور جمادات کے لئے بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے :۔

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (۲۷-۸۸) یہ خدا کی صنعت کاری ہے جس نے ہر چیز کو نہایت مہارت سے محکم طور پر بنایا۔

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ (۱۱-۳۸) تو نوحؑ نے کشتی بنانی شروع کر دی۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ (۱۱-۳۷) اور ایک کشتی ...... بناؤ۔

اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (۱۸-۱۰۴) کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔

صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ (۲۱-۸۰) تمہارے لئے نہایت عمدگی سے ایک طرح لباس بنانا۔

مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (۵-۶۳) جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا (۱۱-۱۶) اور جو عمل انہوں نے (دنیا میں) کئے سب برباد۔

تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ (۲۰-۶۹) کہ جو کچھ انہوں نے بنایا ہے اسے نگل جائیگی جو کچھ انہوں نے بنایا وہ تو جادوگر کے ہتھکنڈے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ (۲۹-۴۵) اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اسے جانتا ہے۔

اور لفظ صُنْعٌ میں چونکہ عمدگی کے ساتھ کسی کام کو

[1] تفسیر فی الطبری ۳۰ ج ۱۲۸ الی الامام الباقر و کذا قال ابن عباس و عکرمۃ والضحاک والحسن علی ما فی القرطبی والطبری و قال الثعلبی فی غریبہ ... و کلی ...

سرانجام دینے کا مفہوم پایا جاتا ہے اس لئے کسی کام کے ماہر کاریگر کو جو عمدہ طور پر کام کرتا ہو صَنَعٌ اور ماہر عورت کو صَنَاعٌ کہا جاتا ہے اور بہ اچھے اور نیک کام کو صَنِیْعَۃٌ فَرَسٌ صَنِیْعٌ عمدہ طور پر پرورش کیا ہوا گھوڑا اور شعر زادر بہ رعب مقامات کو مَصَانِعٌ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ مَصْنَعٌ کی جمع ہے) جیسے فرمایا وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ (۲۶-۱۲۹) اور محل بناتے ہو۔ اور کنایہ کے طور پر مُصَانَعَۃٌ کے معنی رشوت دینا بھی آتے ہیں اَلْاِصْطِنَاعُ کسی چیز کی نہایت زور اور توجہ سے اصلاح کرنا۔

اور آیت کریمہ:۔ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ اور میں نے تم کو اپنے کام کے لئے بنایا ہے (۲۰-۴۱) اور آیت:۔ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ (۲۰-۳۹) اور اس لئے کہ تم میری سامنے پرورش پاؤ۔

میں حکماء کے اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اپنا محبوب بنالیتا ہے تو اس کی اس طرح دیکھ بھال کرتا ہے جیسے ایک دوست اپنے دوست کی۔

(ص ن م)

اَلصَّنَمُ کے معنی بت کے ہیں جو کہ چاندی پیتل یا لکڑی وغیرہ کا بنا ہوا ہو۔ عرب لوگ ان چیزوں کے مجسمے بنا کر ان کی پوجا کیا کرتے اور انہیں تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے صَنَمٌ کی جمع اَصْنَامٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً (۶-۷۵) کہ تم بتوں کو کیوں معبود بناتے ہو۔

لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ (۲۱-۵۷) میں تمہارے بتوں سے ایک چال چلونگا۔

بعض حکماء نے کہا ہے کہ ہر وہ چیز جسے خدا کے سوا پوجا جائے بلکہ ہر وہ چیز جو انسان کو خدا تعالیٰ سے بیگانہ بنادے اور اس کی توجہ کو کسی دوسری جانب منعطف کردے صَنَمٌ کہلاتی ہے چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی کہ وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (۱۴-۳۵) مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے محفوظ رکھنا کہ ہم اصنام کی پرستش اختیار کریں۔

تو اس سے بھی ایسی چیزوں کی پرستش مراد ہے کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کو معرفت الٰہی کے تحقق اور اسکی حکمت پر مطلع ہونے کے بعد یہ اندیشہ نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ اور ان کی اولاد بت پرستی شروع کردے گی۔

(ص ن و)

اَلصِّنْوُ کسی درخت کی جڑ سے جو مختلف شاخیں پھوٹتی ہیں ان میں سے ہر ایک کو صِنْوٌ کہا جاتا ہے محاورہ ہے فُلَانٌ صِنْوُ اَبِيْهِ فلاں اس کے باپ کا حقیقی بھائی ہے[1] (کیونکہ باپ اور چچا ایک ہی اصل کی دو شاخیں ہوتی ہیں۔ صِنْوٌ کا تثنیہ صِنْوَانِ اور جمع صِنْوَانٌ آتی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے هُمَا صِنْوَا نَخْلَةٍ وہ دونوں ایک ہی کھجور کی دو شاخیں ہیں (یعنی ان کی اصل ایک ہی ہے۔ قرآن میں ہے:۔ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ (۱۳-۴) بعض کھجوریں ایسی ہیں جو ایک ہی جڑ سے پھوٹتی ہیں اور بعض الگ الگ جڑوں سے۔

(ص ه ر)

اَلصِّهْرُ کے معنی اَلْخَتَنُ بھی آتے ہیں یعنی وہ رشتہ دار جو شوہر کی جانب سے ہوں نیز بیوی کے خاندان والوں کو اَصْهَارٌ کہا جاتا ہے یہ قول خلیل کا ہے

---

[1] وفی الحدیث العباس صنو ابی ای شقیقہ اتفاق ۱۰ ر ۶

ابن الاعرابی[1] نے کہا ہے کہ پڑوس نسب یا شادی کی وجہ سے جو تعلق پیدا ہو جائے اسے اِصْهَار (انفعال) کہا جاتا ہے رَجُلٌ مُصْهِرٌ وہ مرد جسے اس قسم کا تعلق حاصل ہو اور آیت کریمہ :۔

فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا (۲۵-۵۴) میں نسب سے وہ رشتے داری مراد ہے جو آباء و اجداد کی جانب سے ہو اور صِهْر سے مراد وہ جو شادی کی وجہ سے پیدا ہو جائے۔

اَلْقِهْرُ (ف) کے معنی ہیں چربی وغیرہ کو گرم کر کے پگھلانا قرآن میں ہے :۔

يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِىْ بُطُوْنِهِمْ (۲۲-۲۰) اس سے جو کچھ ان کے پیٹوں کے اندر ہے گال دیا جائیگا۔

اَلصُّهَارَةُ پگھلائی ہوئی چربی ایک اعرابی کا قول ہے کہ لَاَصْهَرَنَّكَ بِيَمِيْنٍ مُرَّةٍ یعنی میں تمہیں پگھلا کر چھوڑ دوں گا۔

(ص و ب)

اَلصَّوَابُ (صحیح بات) کا لفظ دو طرح استعمال ہوتا ہے (۱) کسی چیز کی ذات کے اعتبار سے یعنی جب کوئی چیز اپنی ذات کے اعتبار سے قابل تعریف ہو اور عقل و شریعت کی رو سے پسندیدہ ہو مثلاً تَحَرِّى الْعَدْلِ صَوَابٌ (انصاف کو مدنظر رکھنا صواب ہے) اَلْكَرَمُ صَوَابٌ (کرم و بخشش صواب ہے) (۲) قصد کرنے والے کے لحاظ سے یعنی جب کوئی شخص اپنے حسب منشا کسی چیز کو حاصل کر لے تو اس کے متعلق اَصَابَ كَذَا کا محاورہ استعمال ہوتا ہے مثلاً اَصَابَهٗ بِالسَّهْمِ (اس نے اسے تیر مارا) پھر اس دوسرے معنی کے اعتبار سے اس کی چند قسمیں ہیں (۱) اچھی چیز کا قصد کرے اور اسے کر گزرے یہ صواب تام کہلاتا ہے اور قابل ستائش۔

(۲) مستحسن چیز کا قصد کرے لیکن اس سے غیر مستحسن فعل سرزد ہو جائے یہ بھی صواب میں داخل ہے کیونکہ اس نے اجتہاد کے بعد اسے صواب سمجھ کر کیا ہے اور آنحضرت کے فرمان كُلُّ مُجْتَهِدٍ مُصِيْبٌ (کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے) کا بھی یہی مطلب ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ اَلْمُجْتَهِدُ مُصِيْبٌ وَاِنْ اَخْطَاءَ فَهٰذَا لَهٗ اَجْرٌ کہ مجتہد مصیب ہوتا ہے اگر خطا وار بھی ہو تو اسے ایک اجر حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ ایک اور روایت میں ہے[2] مَنِ اجْتَهَدَ فَاَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَمَنِ اجْتَهَدَ فَاَخْطَاَ فَلَهٗ اَجْرٌ کہ جس نے اجتہاد کیا اور صحیح بات کو پالیا تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور جس نے اجتہاد کیا اور غلطی کی تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔

(۳) کوئی شخص صحیح بات یا کام کا قصد کرے مگر کسی سبب سے اس سے غلطی سرزد ہو جائے مثلاً ایک شخص شکار پر تیر چلاتا ہے مگر اتفاق سے وہ

---

[1] ابو عبداللہ محمد بن زیاد الاعرابی شیخ ابی العباس ثعلب و ربیب المفضل الضبی ولد سنہ ۱۵۰ھ توفی ۲۳۱ھ وقد جاوز الثمانین۔ ابن الندیم ۶۹-۱۰۹-۱۳۰ امالی القالی ۱/۶۵ و ۲/۳۷ و الانباہ (۱- ۹-۱۰) (۳/۱۳۱) و معجم الادباء ۱۸/۱۸۹ والمزہر (۱: ۱۴۴/۳۹۴/۹/۳۹، ۴۷۹، ۵۰۵، ۲/۲۷)، کشف الظنون ۲/۱۹۸۰ تاریخ بغداد ۵/۲۸۲-۲۸۵ والمراجع فی بروکلمن ۲۰۵-۲۴۳

[2] وفی المطبوع بیمینی مرۃ والتصویب من المعاجم ۱۲

[3] الحدیث باختلاف الفاظہ مروی عن ابی ہریرۃ و عمرو بن العاص رواہ احمد و اصحاب الکتب الستۃ وابن عبدالحکیم فی فتوح مصر باسانید من طریق ابن الہاد (۲۲۷-۲۲۸) راجع الرسالۃ للشافعی رقم ۱۴۰۹ - ۱۲ بتحقیق احمد شاکر ۲

کسی انسان کو لگ جاتا ہے اس صورت میں اسے معذور سمجھا جائے گا۔

(۴) ایک شخص کوئی برا کام کرنے لگتا ہے مگر اس کے برعکس اس سے صحیح کام سرزد ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کے متعلق کہا جائے گا کہ گو اس کا ارادہ غلط تھا مگر اسنے جو کچھ کیا وہ درست ہے۔

الصَّوَابُ (ن) کے معنی بھی اِصَابَۃٌ (افعال) ہی ہیں اور صَابَہٗ و اَصَابَہٗ کے ایک ہی معنی ہیں یعنی پہنچنا یا لگانا اور صَوْبٌ اس بارش کو بھی کہتے ہیں جو صرف اسی قدر برسے جس حد تک کہ مفید ہو چنانچہ آیت کریمہ :۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ (۴۳-۱۱) ایک اندازے کے ساتھ آسمان سے پانی نازل کیا میں بِقَدَرٍ سے یہی معنی مراد ہیں۔ شاعر نے کہا ہے[1] (الکامل)

(۲۷۷) فَسَقَى دِيَارَكَ غَيْرَ مُفْسِدِهَا
صَوْبُ الرَّبِيعِ وَدِيمَةٌ تَهْمِي

موسم ربیع کی بارش اور متواتر برسنے والا پانی تمہارے شہر...

اور صَيِّبٌ خاص کر صَابَ يَصُوبُ سے فَيْعِلٌ کے وزن پر (مبالغہ کا صیغہ) ہے جس کے معنی ہیں بارش کا گرنا اوپر سے نیچے آنا شاعر نے کہا ہے[2] (طویل)

(۲۷۸) فَكَأَنَّهُمْ صَابَتْ عَلَيْهِمْ سَحَابَةٌ

گویا اس پر زور کا بادل برسا ہے۔

اور آیت کریمہ :۔ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ (۲-۱۹) یا ان کی مثال اس بارش کی ہے جو آسمان سے (برس رہی ہو) میں بعض نے کہا ہے کہ صَيِّبٌ کے معنی بادل ہیں۔ اور بعض نے بارش مراد لی ہے۔ اور بارش کو مجازاً صَيِّبٌ کہا جاتا ہے جیسا کہ اسے سَحَابٌ کہہ دیتے ہیں اَصَابَ السَّهْمُ تیر ٹھیک نشانہ پر جا لگا اور مُصِيبَةٌ اصل میں تو اس تیر کو کہتے ہیں جو ٹھیک نشانہ پر جا کر بیٹھ جائے اس کے بعد عرف میں ہر حادثہ اور واقعہ کے ساتھ یہ لفظ مخصوص ہو گیا ہے قرآن میں ہے :۔

اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا (۳-۱۶۵) (بھلا یہ) کیا بات ہے کہ جب (احد کے دن کفار کے ہاتھ سے) تم پر مصیبت واقع ہوئی حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دو چند مصیبت تمہارے ہاتھ سے انہیں پہنچ چکی تھی۔

فَكَيْفَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيبَةٌ (۴-۶۲) تو کیسی (ندامت کی بات ہے کہ جب ...... ان پر کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے۔

وَمَا اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ (۳-۱۶۶) اور جو مصیبت تم پر دونوں جماعتوں کے مابین مقابلہ کے دن واقع ہوئی۔

وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ (۴۲-۳۰) اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے سو تمہارے اپنے اعمال سے۔

اور اَصَابَ (افعال) کا لفظ خیر و شر دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے :۔

---

[1] قالہ طرفۃ والبیت فی اللسان (ربی) و دیوانہ ۴۲ مع شرحہ لاحمد شنقیطی و فیہ بلادک والصناعتین ۳۹۰ فی بحث التتمیم والتکمیل وفی ۴۰۸ بحث الاستثنا والعمدۃ (۲: ۲۵۰) ومختار الشعر الجاہلی (۱: ۲۵۸) ونقد الشعر ۴۹ والعقد الثمین ۱۷ وفی غریب ابی عبید (۱: ۲۳) ویقال انہ لمرقش

[2] قالہ علقمۃ بن عبدۃ وتمامہ: صواعقہا لطیرھن دبیب والبیت من کلمۃ مفضلیۃ (۲: ۱۹۵) فی ۴۲ بیتا وفی الموشح ۱۹ وفی اشعار الابیات المنکرۃ) ودیوانہ من لستۃ ۱۰۵ والطبری (۱: ۸۴) واللسان والتاج (صوب) ومختار الشعر الجاہلی (۱: ۴۲۲) والبحر (۱: ۸۴، ۵۵) (۴: ۲۸) ۳ والحیوان (۳: ۷۶) مع آخر والمعانی للقبتی ۸۶۰ وشرح السبع لابن الانباری ۲۲۵ والعقد الثمین ۱۰۷ وایام العرب ۸۵ وفی المطبوع ثکانما صابت علیہ مصحف ۔

اِنْ تُصِبْکَ حَسَنَۃٌ تَسُؤْھُمْ وَاِنْ تُصِبْکَ مُصِیْبَۃٌ (۹-۵۰) اے پیغمبر اگر تم کو آسائش حاصل ہوتی ہے توان کو بری لگتی ہے اور اگر مشکل پڑتی ہے۔

وَلَئِنْ اَصَابَکُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰہِ (۴-۷۳) اور اگر خدا تم پر فضل کرے۔

فَیُصِیْبُ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَیَصْرِفُہٗ عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ (۲۴-۴۳) تو جس پر چاہتا ہے اس کو برسا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔

فَاِذَآ اَصَابَ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ (۳۰-۴۸) پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اسے برسا دیتا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ جب اَصَابَ کا لفظ خیر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے تو یہ صَوْبٌ بمعنی بارش سے مشتق ہوتا ہے اور جب برے معنی میں آتا ہے تو یہ معنی اَصَابَ السَّھْمُ کے محاورہ سے ماخوذ ہوتے ہیں مگر ان دونوں معنی کی اصل ایک ہی ہے۔

(ص و ت)

اَلصَّوْتُ (آواز) اس ہوا کو کہتے ہیں جو دو جسموں کے ٹکرانے سے منضغط یعنی دب جائے اس کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ صوت جو ہر قسم کے تنفس سے خالی ہوتا ہے جیسے صورت ممتد (۲) وہ صوت جو تنفس کے ساتھ ملا ہوتا ہے۔ پھر صوت متنفس دو قسم پر ہے۔ ایک غیر اختیاری جیسا کہ جمادات اور حیوانات سے صادر ہوتا ہے۔ دوم اختیاری جیسا کہ انسان سے صادر ہوتا ہے جو صوت انسان سے صادر ہوتا ہے پھر دو قسم پر ہے۔ ایک وہ جو ہاتھ کی حرکت سے پیدا ہو جیسے عُوْد ستار اور اس قسم کی دوسری چیزوں کی آواز۔ دوم وہ جو منہ سے نکلتا ہے اس کی پھر دو قسمیں ہیں ایک وہ جو نطق کے ساتھ ہو دوم وہ جو بغیر نطق کے ہو جیسے نے یعنی بانسری کی آواز بغیر نطق کی دو صورتیں ہیں (۱) ایک مفرد (۲) مرکب جو کہ انواع کلام میں سے کسی ایک نوع پر مشتمل ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا ھَمْسًا (۲۰-۱۰۸) اور خدا کے سامنے آوازیں پست ہو جائیں گی تو تم آواز خفی کے سوا کوئی آواز نہ سنو گے۔

اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ (۳۱-۱۹) کیوں کہ سب آوازوں سے بری آواز گدھوں کی ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ (۴۹-۲۰۰) اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کرو۔ میں خصوصیت کے ساتھ صوت یعنی آواز بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ نطق و کلام سے عام ہے اور ہو سکتا ہے کہ ممانعت کا تعلق صوت یعنی محض آواز کے ساتھ ہو نہ کہ بلند آواز کے ساتھ کلام کرنے سے نیز اس کی وجہ تخصیص یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آنحضرت کے آواز سے بلند آواز کرنے کی کراہت ظاہر کرنا مقصود ہو اور مطلق بلند آواز کے ساتھ کلام کرنے سے ممانعت مقصود نہ ہو۔ رَجُلٌ صَیِّتٌ بلند آواز آدمی رَجُلٌ صَائِتٌ چیخنے والا اَلصِّیْتُ کے اصل معنی مشہور ہونے کے ہیں۔ مگر استعمال میں اچھی شہرت کے ساتھ مخصوص ہو چکا ہے۔

اَلْاِنْصَاتُ کے معنی چپ رہ کے توجہ کے ساتھ

کسی کی بات سننا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا (۷-۲۰۴)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو۔

بعض نے کہا ہے کہ انصات کے معنی جواب دینا بھی آتے ہیں[1] لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جواب تو انصات یعنی بات سننے کے بعد ہوتا ہے اور اگر اس معنی میں استعمال بھی ہو تو آیت میں اس امر پر ترغیب ہوگی کہ کان لگا کر سنو تاکہ اسے قبول کرنے پر قوت حاصل ہو۔

(ص و ر)

اَلصُّوْرَۃُ: کسی عین یعنی مادی چیز کے ظاہری نشان اور خدوخال جس سے اسے پہچانا جا سکے اور دوسری چیزوں سے اس کا امتیاز ہو سکے یہ دو قسم پر ہیں (۱) محسوس جن کا ہر خاص و عام ادراک کر سکتا ہو۔ بلکہ انسان کے علاوہ بہت سے حیوانات بھی اس کا ادراک کر لیتے ہیں جیسے انسان، فرس، حمار وغیرہ کی صورتیں دیکھنے سے پہچانی جا سکتی ہیں (۲) صورۃ عقلیہ جس کا ادراک خاص خاص لوگ ہی کر سکتے ہوں اور عوام کے فہم سے وہ بالاتر ہوں جیسے انسانی عقل وفکر کی شکل و صورت یا وہ معانی یعنی خاصے جو ایک چیز میں دوسری سے الگ پائے جاتے ہیں چنانچہ صورت کے ان پر ہر دو معانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ (۷-۱۱) پھر تمہاری شکل و صورت بنائی

وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ (۴۰-۶۴) اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور صورتیں بھی نہایت حسین بنائیں۔

فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ (۸۲-۸) اور جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔

اَلَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ (۳-۶) جو ماں کے پیٹ میں ۔۔۔۔ تمہاری صورتیں بناتا ہے۔

اور حدیث[2] (۷) اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس کی خصوصی صورت پر تخلیق کیا۔ میں صورت سے انسان کی وہ شکل اور ہیئت مراد ہے جس کا بصر اور بصیرت دونوں سے ادراک ہو سکتا ہے اور جس کے ذریعہ انسان کو بہت سی مخلوق پر فضیلت حاصل ہے اور صُوْرَتِهٖ میں اگر ہ ضمیر کا مرجع ذات باری تعالیٰ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف لفظ صورت کی اضافت تشبیہ یا تبعیض کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ اضافت ملک یعنی بلحاظ شرف کے ہے یعنی اس سے انسان کے شرف کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔ جیسا کہ بَیْتُ اللّٰهِ یا نَاقَةُ اللّٰهِ میں اضافت ہے جیسا کہ آیت کریمہ۔ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (۳۸-۷۲) میں روح کی اضافت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے اور آیت کریمہ۔ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ (۲۰-۱۰۲) جس روز صور پھونکا جائیگا۔ کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ صُوْر سے قرن یعنی نر سنگھے کی طرح کی کوئی چیز مراد ہے جس میں پھونکا جائیگا۔

---

[1] کما فی قولہم دعی فانصات (راجع الصحاح والمعاجم) لکن فی الآیۃ من (ن ص ت) معناہ السکوت والاستماع للحدیث لا من (ص و ت) کما ذکرہ المؤلف قال الثعلب معنی الآیۃ واذا قرء الامام فاستمعوا القراءۃ ولا تتکلموا فتدبر ۱۲

[2] الحدیث متفق علیہ عن ابی ہریرۃ راجع کنز العمال ۲ رقم ۵۵ وایضاً حم وقط فی الصفات وطب فی السنۃ عن ابی ہریرۃ وعب عن قتادۃ مرسلاً وقط فی الصفات عن ابن عمر راجع تخریج العراقی علی الاحیاء ج ۲ ص ۱۶۸ والکنز ج ۱ ص ۲-۲-۳-۲۔

تو اس سے انسانی صورتیں اور روحیں ان کے اجسام کی طرف لوٹ آئیں گی۔ ایک روایت میں ہے[۵] ان الصور فیہ صورۃ الناس کلھم کہ صُوَر کے اندر تمام لوگوں کی صورتیں موجود ہیں اور آیت کریمہ :۔

فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ (۲-۲۶۰) میں صِرْهُنَّ کے معنی یہ ہیں کہ ان کو اپنی طرف مائل کر لو اور ہلا لو اور یہ صَوْرٌ سے مشتق ہے جس کے معنی مائل ہونے کے ہیں بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی پارہ پارہ کرنے کے ہیں[۶] ایک قراٴت میں صُرْهُنَّ[۷] ہے بعض کے نزدیک صِرْتُہٗ و صُرْتُہٗ دونوں ہم معنی ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ صُرْهُنَّ کے معنی ہیں انہیں چلا کر بلاؤ چنانچہ خلیل نے کہا ہے کہ عُصْفُوْرٌ صَوَّارٌ اس چڑیا کو کہتے ہیں جو بلانے والے کی آواز پر آجائے۔ ابوبکر نقاش نے کہا ہے کہ اس میں ایک قراٴت فَصُرَّهُنَّ ضاد کے ضمہ اور راء مشددہ مفتوحہ کے ساتھ بھی ہے یہ صَرٌّ سے مشتق ہے جس کے معنی باندھنے کے ہیں اور ایک قراٴت میں فَصِرَّهُنَّ ہے جو صَرِیْرٌ بمعنی آواز سے مشتق ہے اور معنی یہ ہیں کہ انہیں بلند آواز دے کر بلاؤ اور قطع کرنے کی مناسبت سے بھیڑ بکریوں کے گلہ کو صِوَارٌ کہا جاتا ہے جیسا کہ صِرْمَةٌ قَطِیْعٌ اور فِرْقَةٌ وغیرہ الفاظ ہیں کہ قطع یعنی کاٹنے کے معنی کے اعتبار سے ان کا اطلاق جماعت پر ہوتا ہے[۸]۔

(ص و ع)

اَلصُّوَاعُ اس برتن کو کہتے ہیں جس میں کوئی مشروب ڈال کر پیا جاتا ہے یا اس سے غلہ ماپ کر دیا جاتا ہے اسے صَاعٌ بھی کہتے ہیں اور یہ مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں آیت :۔ نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ (۱۲-۷۲) کہ بادشاہ کے پانی پینے کا پیمانہ کھو گیا ہے کے بعد ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا (۱۲-۷۶) فرمایا ہے (یعنی ها ضمیر مؤنث اس کی طرف لوٹ رہی ہے)

اور حدیث[۹] :۔ صَاعٌ مِّنْ بُرٍّ وَصَاعٌ مِّنْ شَعِیْرٍ میں صَاعٌ سے وہ چیز مراد ہے جو اس سے ماپی جاتی ہے (یعنی ظرف بول کر مظروف مراد لیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ کبھی "صَاعٌ" کے معنی بطن ارض یعنی گڑھا کے آجاتے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے[۱۰] (الکامل)

(۲۷۹) تکرو بکفی لاعب فی صاع

جیسا کہ کھیلنے والا اپنے ہاتھوں سے تیزی کے ساتھ گولی کو گڑھے میں ڈال دیتا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ شعر میں صاع کے معنی چوگان کے ہیں جس سے گیند کھیلی جاتی ہے تَصَوَّعَ النَّبْتُ

---

[۴] کذا مرد ی عن علماء التفسیر انظر القرطبی [۵] منسوب الی ابن عباس والتابعین کما فی الفتح ۸ / ۱۵۰ [۶] وہی قراءۃ علی وابن عباس والاکثرون بالکسر فقراءۃ ابن مسعود وہی لغۃ سلیم قارن اضداد ابی الطیب ۸ ا ۴ - ۴ ۲ ۴ وفی الدانی (۲ ۸) حمزۃ بکسر الصاد والباقون بضمہا وفی مجاز ابی عبیدۃ (۸۰-۸۱) معناہ بالضم: ضمہن الیک وبالکسر قطعہن۔ الاصمعی فی اضداد ہ ۳ ۴ وابن السکیت ۵۷ والاساس وصلیٰ [۸] وجماعۃ النخل الصور وفی الحدیث یطلع من تحت ہذا الصور رجل من اہل الجنۃ فاطلع ابوبکرؓ الفائق ۲ / ۲۱ [۹] والحدیث باختلاف الفاظہ فی ابوداؤد والبخاری والمسلم والنسائی وابن ماجۃ من حدیث ابن عمر وراجع العون ج ۲ ص ۴ ۲ - ۲۷ والنیل ۴ / ۱۹۰ والزرقانی ج ۲ ص ۱۴۷ - ۱۴۹ [۱۰] قالہ المسیب بن علس واولہ۔ مرحت یداہا للنجاء کانما۔ وفی المطبوع ذکروا بدل تکرو مصحف والبیت من کلمۃ مفضلیۃ رقم ۱۱ فی ۲۷ بیتاً ذکرہا القالی کلہا فی ۱۳۰ - ۱۳۲ والبیت فی المرتضی (۱: ۵۶۰) وفی روایتہ قارع بدل صاع وماقط بدل لاعب وایضاً اصلاح یعقوب ۴۴ والفائق ۲ / ۲۲ -

پودا ہوا سے ہلا اور لہلہایا تَصَوَّعَ الشَّعْرُ بال پراگندہ ہوگئے محاورہ ہے:۔

اَلْکَمِیُّ یَصُوْعُ اَقْرَانَہٗ کہ بہادر اپنے ہمسروں کو منتشر کردیتا ہے۔ آیت کریمہ: صُوَاعَ الْمَلِکِ میں ایک قرأت صَوْغُ الْمَلِکِ بھی ہے کیونکہ وہ صاع سونے سے ڈھال کر بنایا گیا تھا۔

(ص و ف)

اَلصُّوْفُ (اون) کی جمع اَصْوَافٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَمِنْ اَصْوَافِھَا وَاَوْبَارِھَا وَاَشْعَارِھَا اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰی حِیْنٍ۔ (۱۶-۸۰) اور ان کی اون اور پشم اور بالوں سے تم سامان اور دیگر مفید چیزیں بناتے ہو جو مدت تک کام دیتی ہیں۔

اَخَذَ بِصُوْفَۃِ قَفَاہُ اسے گردن کے بالوں سے پکڑ لیا۔ کَبْشٌ صَافٍ وَاَصْوَفُ وَصَائِفٌ بہت اون والا مینڈھا اور خانہ کعبہ کے خدام کو بھی صُوْفَۃٌ کہا جاتا تھا کیونکہ وہ کعبہ کے ساتھ اس طرح چمٹے رہتے تھے جیسے بھیڑ پر اون جمی رہتی ہے۔

اَلصُّوْفَانُ ایک قسم کی گھاس جو چھوٹی سی ہوتی ہے بعض نے کہا ہے کہ لفظ صُوْفِیٌّ بھی صوف کی طرف منسوب ہے کیونکہ یہ لوگ اون کا لباس پہنا کرتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ صُوْفَۃٌ کی طرف منسوب ہے جس کے معنی خدام کعبہ کے ہیں صوفی لوگ بھی چونکہ ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے تھے اس لئے انہیں صوفی کہہ دیا گیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ صُوْفِیٌّ صُوْفَانٌ کی طرف منسوب ہے جس کے معنے نو روئیدہ گھاس کے ہیں اور صُوْفِیُّ لوگ بھی چونکہ زہد سے کام لیتے۔ اور معمولی سی غذا کھاتے تھے جو عدم کفایت میں صوفان گھاس کی مثل ہوتی تھی۔

(ص و م)

اَلصَّوْمُ (ن) کے اصل معنی کسی کام سے رک جانا اور باز رہنا کے ہیں خواہ اس کا تعلق کھانے پینے سے ہو یا چلنے پھرنے اور یا گفتگو کرنے سے اس بنا پر گھوڑا چلنے سے رک جائے یا چارہ نہ کھائے اسے بھی صَائِمٌ کہا جاتا ہے شاعر نے کہا ہے [1] (البسیط)

(۲۸۰) خَیْلٌ صِیَامٌ وَّاُخْرٰی غَیْرُ صَائِمَۃٍ

کچھ گھوڑے اپنے تھان پر کھڑے ہیں اور دوسرے میدان جنگ میں ہیں۔

اور ہوا کے ساکن ہونے اور دوپہر کے وقت پر بھی صوم کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس تصور پر کہ اس وقت آفتاب وسط آسمان میں ٹھہر جاتا ہے اسی اعتبار سے قَامَ قَائِمُ الظَّھِیْرَۃِ کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے جس کے معنی دوپہر کے وقت سورج کے خط نصف النہار پر ہونا کے ہیں مَصَامُ الْفَرَسِ اَوْمَصَامَتُہٗ گھوڑے کے کھڑا ہونے کی جگہ۔

اصطلاح شریعت میں کسی مکلف کا روزہ کی نیت کے ساتھ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے منی خارج کرنے اور عمداً قے کرنے سے رک جانے کا نام صوم ہے۔ اور آیت کریمہ:۔ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا (۱۹-۲۶) کہ میں نے خدا کے لئے روزے کی منت مانی ہے۔

---

[1] قالہ النابغۃ الذبیانی وتمامہ: تحت العجاج واخری تعلک اللجما۔ فی اللسان (صیم) وفصل بدل اخری والبیت فی الصحاح والتاج والمحکم (صنع) اکرا والصاحبی ۸۱ والطبری ۲/۲۸ والبحر ۲/۲۶ ومجاز القرآن لابی عبیدۃ ۱/۲۲۷ وملحق دیوانہ والعقد الثمین ۱۷۰ والکامل ۸۳/۲

کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں صمم سے مراد کلام سے رکنے یعنی خاموش رہنا کے ہیں۔ جیسا کہ بعد میں فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا تو آج میں کسی آدمی سے ہرگز کلام نہ کروں گی سے اس کی تعبیر کی گئی ہے۔

(ص ی ح)

اَلصَّيْحَةُ کے معنی آواز بلند کرنا کے ہیں۔

قرآن میں ہے:-
اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً (۳۶-۲۹) وہ تو صرف ایک چنگھاڑ یعنی (ر آتشین)۔ اور آیت کریمہ:- يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ (۵۰-۴۲) جس روز لوگ چیخ یقیناً سن لیں گے۔ میں صَيْحَةٌ کے معنی صور (نرسنگھے) میں پھونکنے کی آواز کے ہیں۔ دراصل صَيْحٌ کے معنی آواز پھاڑنا کے ہیں اور یہ اِنْصَاحَ الْخَشَبُ اَوِ الثَّوْبُ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں لکڑی یا کپڑا پھٹ گیا اور اس سے آواز نکلی اور یہی معنی صَيَّحَ الثَّوْبَ کے ہیں۔ بِاَرْضِ فُلَانٍ شَجَرٌ قَدْ صَاحَ یعنی فلاں جگہ ایک درخت ہے جو اپنے طول کی وجہ سے نمایاں نظر آتا ہے۔ گویا وہ اپنی ذات پر ایسے ہی دلالت کرتا ہے جیسا کہ چیخنے والے کی آواز اس کے موجود ہونے پر دال ہوا کرتی ہے۔ پھر چیخ کبھی گھبراہٹ کا باعث ہوتی ہے۔ لہٰذا صَيْحَةٌ کے معنی فَزَعٌ یعنی چنگھاڑ کے بھی آتے ہیں۔ جیسے فرمایا:- فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ (۱۵-۷۳) تو ان کو سورج نکلتے ہی چنگھاڑ نے آپکڑا۔

اور صَائِحَةٌ کے معنی مجلس نوحہ خوانی کی چیخ و پکار کے ہیں محاورہ ہے مَا يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ صَيْحَةِ الْحُبْلٰى یعنی وہ شتر واجل کا انتظار کر رہے ہیں۔

اَلصَّيْحَانِيُّ:- ایک قسم کی کھجور۔

(ص ی د)

اَلصَّيْدُ (ض) یہ صَادَ کا مصدر اور اس کے اصل معنی تو کسی محفوظ چیز پر دسترس حاصل کرکے اسے پکڑ لینے کے ہیں مگر عرفاً ان حیوانات کے پکڑنے پر بولا جاتا ہے جو اپنی حفاظت آپ کریں بشرطیکہ وہ جانور حلال ہوں اور کسی کی ملکیت نہ ہوں اور کبھی مَصِيْدٌ یعنی شکار کئے ہوئے جانور کو بھی صَيْدٌ کہہ دیتے ہیں چنانچہ آیت:- اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ (۵-۹۶) کے معنی ہیں کہ (احرام کی حالت میں) تمہارے لئے سمندری جانوروں کا شکار حلال ہے۔ اور آیت کریمہ:- وَلَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ (۵-۹۵) جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارنا۔ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا (۵-۲) اور جب احرام اتار دو تو (پھر اختیار ہے کہ) شکار کرو۔

غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ (۵-۱) مگر احرام (حج) میں شکار کو حلال نہ جاننا میں فقہا نے تصریح کی ہے کہ یہاں اَلصَّيْدُ سے وہ جانور مراد ہیں جن کا گوشت کھایا جاتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے[1] (۸) خَمْسَةٌ يَقْتُلُهُنَّ الْمُحْرِمُ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ: اَلْحَيَّةُ وَالْعَقْرَبُ وَالْفَأْرَةُ وَالذِّئْبُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ پانچ

---

[1] حدیث قتل الخمس من الدواب رواہ مالک فی موطاہ من حدیث ابن عمر قال فی المنتقی رواہ الجماعۃ الا الترمذی وفیہ حدیث عائشۃ متفق علیہ والحدیث باختلاف الفاظ فی النسائی واحمد و ما رواہ المصنف من الدواب معدودۃ فی خمس الا الذئب قال فی الفتح (۴: ۳۴) ووقع ذکر الذئب فی حدیث مرسل اخرجہ ابن ابی شیبۃ و ابو داؤد من طریق سعید بن المسیب وکذا فی احمد من حدیث ابن عمر مرفوعاً و موقوفاً۔ راجع النیل (۴: ۲۸-۲۹) والزرقانی (۲: ۲۸۷-۲۸۸) والمعروف فی اکثر الروایات الحداۃ والغراب مکان الحیۃ والذئب والتفصیل فی الفتح۔

جانور یعنی سانپ، بچھو، چوہیا، بھیڑیا اور کاٹ کھانیوالے کتے یعنی درندہ جانور کو محرم حرم کی حدود کے اندر اور باہر ہر جگہ قتل کر سکتا ہے۔

اَلْاَصْیَدُ۔ وہ شخص جس کی گردن ایک جانب جھکی ہوئی ہو۔ اور متکبر آدمی کے لئے یہ لفظ ضرب المثل کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور صَیْدَانٌ کے معنی ہنڈیا کے پتھر کے ہیں شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۲۸۱) وَسُوْدٌ مِنَ الصَّیْدَانِ فِیْهَا مَذَانِبُ

اور سیاہ دیگیں جن میں لکڑی کے چمچے رکھے ہوئے ہیں۔ اور اسے صَادٌ بھی کہہ دیتے ہیں[2] جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[3] (الطویل)

(۲۸۲) رَاَیْتُ قُدُوْرَ الصَّادِ حَوْلَ بُیُوْتِنَا

میں نے پتھر کی ہنڈیاں اپنے خیموں کے ارد گرد دیکھیں۔

اور آیت کریمہ :۔ صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ (۳۸-۱) قسم ہے قرآن کی جو نصیحت دینے والا ہے میں صٓ حروف مقطعات سے ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ صَادَیْتُ کَذَا سے امر کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں "اسے لے کر قبول کرو"

(ص ی ر)

اَلصَّیْرُ کے معنی ایک جانب یا طرف کے ہیں دراصل یہ صَارَ (ض) کا مصدر ہے۔ اور

اسی سے آیت فَصُرْهُنَّ میں ایک قراءت فَصِرْهُنَّ ہے۔ صَارَ اِلٰی کَذَا کے معنی کسی خاص مقام تک پہنچ جانے کے ہیں اسی سے صِیْرُ الْبَابِ ہے جس کے معنی دروازہ میں شگاف اور جھروکا کے ہیں اور اسے صَیْرٌ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ نقل و حرکت کا منتہٰی ہوتا ہے اور صَارَ کا لفظ ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونے پر بولا جاتا ہے۔ اسی سے اَلْمَصِیْرُ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوئی چیز نقل و حرکت کے بعد پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے۔ قرآن میں ہے :۔

وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ (۵-۱۸) یعنی اللہ تعالیٰ ہی لوٹنے کی جگہ ہے۔

(ص ی ص)

اَلصِّیْصَۃُ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ اپنے آپ کو محفوظ کیا جائے مثلاً حفاظت گاہ اور قلعہ اس کی جمع اَلصَّیَاصِیُ آتی ہے۔ قرآن میں ہے :۔

وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِنْ اَهْلِ الْکِتَابِ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ (۳۳-۲۶) اور اہل کتاب میں سے جنہوں نے ان کی مدد کی تھی ان کو ان کے قلعوں سے (جن میں وہ محفوظ ہو گئے تھے) اتار دیا۔ پھر معنی حفاظت کے اعتبار سے گائے کے سینگ

---

[1] قالہ ابو ذؤیب الہذلی وتمامہ ...... الذ ضار اذا لم نستفد صما نعارہا۔ والصیدان یروی بفتح الصاد وجمع صیدا روہی البرمۃ، وبکسرہا جمع صماد وہو النحاس، راجع اسمط (۱: ۳۵۱) واللسان (صدن اصید) والاقتضاب ۴۶۲ والکلمۃ فی دیوانہ رقم ۵ فی ۱۲ بیتا وفی اللسان نضارہا الشفار رلاہی بدون اداۃ التعریف، وکذا فی المعانی للقتبی ۳۶۵ والبیت (ابو ذؤیب) ایضا فی البلغۃ فی شذور اللغۃ ۳۰ وکتاب الرحل والمنزل [2] قال الاصمعی الصاد یکون للصفر والحجارۃ [3] قالہ حسان بن ثابت وتمامہ : فقابل سحما فی المحلۃ صیما و البیت فی دیوانہ (۳۰۷ مع شرح المرزوقی) والصحاح (صید) وفیہ وہما بدل سحما واللسان (صیما) [4] وفی القرآن فالی اللہ تصیر الامور (۴۲-۵۳) [5] وایضا راجع (۲۵-۱۵) (۳-۲۷) (۲-۱۲۶)

کو صیصَۃٌ کہا جاتا ہے۔ نیز اس کے معنی خار خروس بھی آتے ہیں کیونکہ وہ اس کے ذریعہ اپنے آپ کی حفاظت کرتا ہے اور دوسروں سے لڑتا ہے۔

(ص ی ف)

اَلصَّیْفُ گرمی کا موسم یہ الشِّتَاء کے بالمقابل ہے جس کے معنی سردی کا موسم کے ہیں۔

قرآن میں ہے:۔
رِحْلَةَ الشِّتَاۗءِ وَالصَّيْفِ (۱۰۶-۲) جاڑے اور گرمی کے زمانے سفر۔
اور گرمی کے موسم میں جو بارش ہواسے بھی صَیِّفٌ کہا جاتا ہے جیسا کہ موسم بہار کی بارش کو ربیع کہتے ہیں۔
صَافُوْا گرمی کے موسم میں کسی جگہ چلے گئے اور اَصَافُوْا موسم گرما میں داخل ہوئے۔

كِتَابُ الضَّادِ

(ض ء ن)

اَلضَّأْنُ کے معنی بھیڑ اور دنبہ کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ (۶-۱۴۴) دو (دو) بھیڑوں میں سے۔

اَضْأَنَ الرَّجُلُ بہت بھیڑ والا ہو گیا بعض نے کہا ہے ضَأْنٌ کا واحد ضَائِنَةٌ ہے۔

(ض ب ح)

(اَلضَّبْحُ) کے معنی سرپٹ دوڑ کے وقت گھوڑے کے ہانپنے کے ہیں چنانچہ آیت کریمہ:۔

وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا (۱۰۰-۱) ان سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم جو ہانپ اٹھتے ہیں۔ کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں ضَبْحًا کے معنی گھوڑوں کے ہانپنے کی آواز کے ہیں کیونکہ وہ ضَبَاحٌ یعنی لومڑ کی آواز سے یک گونہ مشابہت رکھتی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی دوڑنے کی آواز کے ہیں اور یہ لفظ سرپٹ دوڑنے پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور بقول بعض ضَبْحٌ اور ضَبْعٌ دونوں لفظ ہم معنی ہیں اور ان کے معنی گھوڑے کا اپنے بازوؤں کو پوری طرح پھیلا کر دوڑنا کے ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے اصل معنی لکڑی کو جلانا کے ہیں پھر تشبیہ کے طور پر گھوڑے کے دوڑنے پر بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ عرب زناری میں گھوڑے کو آگ کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔

(ض ح ك)

اَلضِّحْكُ (ن) کے معنی چہرہ کے انبساط اور خوشی سے دانتوں کا ظاہر ہو جانا کے ہیں اور ہنستے وقت چونکہ سامنے کے دانت ظاہر ہو جاتے ہیں اس لئے ان کو ضَوَاحِكُ کہا جاتا ہے اور بطور استعارہ ضحک بمعنی تمسخر بھی آجاتا ہے۔ چنانچہ ضَحِكْتُ مِنْهُ کے معنی ہیں میں نے اس کا مذاق اڑایا اور جس شخص کا لوگ مذاق اڑائیں اسے ضُحْكَةٌ اور جو دوسروں کا مذاق اڑائے اسے ضُحَكَةٌ (بفتح الحاء) کہا جاتا ہے[1]۔ قرآن میں ہے:۔

وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ (۲۳-۱۱۰) اور تم ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

اِذَا هُمْ مِنْهَا يَضْحَكُونَ (۴۳-۴۷) تو وہ ان کا مذاق اڑانے لگے۔

---

[1] وکذا الخُتۃ ولعنۃ وصدوۃ و ہزوۃ وسخرۃ وخدعۃ راجع شرح کتاب الفصیح لابی سہل الہروی وتہذیب اصلاح المنطق للتبریزی وتارن المشکل للقتیبی ۲ والصاحی ۱۹۲

تَعْجَبُوْنَ وَ تَضْحَكُوْنَ (۵۳-۶۰) کیا تم اس کلام سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو۔

اور کبھی صرف خوشی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔

ضَاحِكَةٌ (۸۰-۳۹) چمک رہے ہوں گے اور خنداں۔

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا (۹-۸۲) یہ دنیا میں تھوڑا خوش ہولیں۔

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا (۲۷-۱۹) تو وہ اس کی بات سن کر ہنس پڑے۔

شاعر نے کہا ہے[1]۔ (المدید)

(۲۹۳) يَضْحَكُ الضَّبْعُ لِقَتْلَى هُذَيْلٍ
وَتَرَى الذِّئْبَ لَهَا تَسْتَهِلُّ

بنی ہذیل کے مقتولوں کی وجہ سے بجو خوش ہو رہے ہیں۔ اور بھیڑیے خوشی سے چلا رہے ہیں۔

اور کبھی ضِحْكٌ محض تعجب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اسی معنی کے اعتبار سے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ضِحْكٌ انسان کا خاصہ ہے دیگر حیوانات اس کے ساتھ متصف نہیں ہوتے چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى (۵۳-۴۳) اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رلاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَامْرَاَتُهٗ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ (۱۱-۷۱) اور حضرت ابراہیم کی بیوی (جو پاس) کھڑی تھی ہنس پڑی۔

میں ان کی بیوی کا ہنسنا تعجب کی بنا پر تھا جیسا کہ اس کے بعد کی آیت:۔

اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (۱۱-۷۳) کیا خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو۔ سے معلوم ہوتا ہے نیز آیت کریمہ:۔

وَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ ..... عَجِيْبٌ (۱۱-۷۲) اے ہے میرے بچہ ہوگا؟ میں تو بڑھیا ہوں ...... بڑی عجیب بات ہے۔ بھی اسی معنی پر دلالت کرتی ہے۔ اور جن لوگوں نے یہاں ضَحِكَتْ کے معنی حَاضَتْ کئے ہیں[2] انہوں نے ضَحِكَتْ کی تفسیر نہیں کی ہے۔ جیسا کہ بعض مفسرین نے سمجھا ہے بلکہ اس سے حضرت ابراہیم کی بیوی کی حالت کا بیان کرنا مقصود ہے کہ جب ان کو خوشخبری دی گئی تو بطور علامت کے انہیں اسی وقت حیض آگیا تاکہ معلوم ہوجائے کہ ان کا حاملہ ہونا بھی کچھ بعید نہیں ہے۔ کیونکہ عورت کو جب تک حیض آتا ہے وہ حاملہ ہوسکتی ہے اور شاعر نے سبزہ زار کی صفت میں کہا ہے[3] (البسیط)

(۲۹۴) يُضَاحِكُ الشَّمْسَ مِنْهَا كَوْكَبٌ شَرِقٌ

اس کے پھول اور کلیاں دھوپ میں چمکتے اور سورج کے ساتھ گھومتے رہتے ہیں۔

یہاں شاعر نے اس روضہ کی چمک دمک کو بطور تشبیہ ضحک سے تعبیر کیا ہے اسی سے چمکنے والے بادل سفید چمکدار پتھر اور کدری کھجور کا شگوفہ جب

---

[1] البیت فی الحماسۃ مع المرزوقی (۲: ۴۹۱) منسوب لتابط شرا قالہ فی ثار وقتیل حین اخذ الثار من بنی ہذیل والبیت فی البحر (۱: ۳۷۸) و المعانی للقتبی ۷، ۹۲ والمحکم (ضحک) وفی السمط ۹ الیستہل بالیاء و تضحک بدل یضحک واختلف فی نسبتہا القصیدۃ راجع (خلل)
[2] ذکرہ ابوجعفر البیہقی فی تاج المصادر ونقل عن ثعلب وابن الاعرابی وہذا قول عکرمۃ ومجاہد الفیوضات الالہیہ ۲، ۲۹۴ والفتح للشوکانی ۲، ۱۱) وقال الفراء: واما قولہم فضحکت ای حاضت فلم اسمعہ من ثقۃ وسئل ابوالعباس عن ہذا فقال لیس من کلام العرب وایضا روی ابن درید قول ابن الاعرابی ویؤید قول المؤلف ۱۲
[3] قالہ الاعشی وتمامہ: موزر بعمیم النبت مکتہل راجع (کہل) والبیت فی العمدی (۲: ۵۰۵) وقانون البلاغۃ ۵۵۴ ضمن رسائل البلغاء وقبلہ آخر وفیہ صنعۃ التفریع ۱۲

شگفتہ ہو جائے تو اس کو ضَاحِکٌ کہا جاتا ہے طَرِیْقٌ ضَحُوْکٌ واضح راستہ ضَحِکَ الْغَدِیْرُ حوض ابھر ہو کر چمکنے لگا اَضْحَکْتُہٗ میں نے اسے ہنسا دیا۔

(ض ح و)

اَلضُّحٰی۔ کے اصل معنی دھوپ پھیل جانے اور دن چڑھ آنے کے ہیں پھر اس وقت کو بھی ضُحٰی کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:-

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا (۹۱-۱) سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی۔

اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰهَا (۷۹-۴۶) ایک شام یا صبح

وَالضُّحٰی وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی (۹۳-۱) آفتاب کی روشنی کی قسم اور رات کی تاریکی کی جب چھا جائے۔

وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا (۷۹-۲۹) اور اسکی روشنی نکالی۔

وَاَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًی (۲۰-۵۹) اور یہ لوگ (اس دن) چاشت کے وقت اکٹھے ہو جائیں۔

ضَحِیَ یَضْحٰی الشمس یعنی دھوپ کے سامنے آنا۔ قرآن میں ہے:-

وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا وَلَا تَضْحٰی (۲۰-۱۱۹) اور یہ کہ نہ پیاسے رہو اور نہ دھوپ کھاؤ۔ یعنی نہ ہی دھوپ سے تکلیف اٹھاؤ گے۔

تَضَحّٰی ضحی کے وقت کھانا کھانا جیسے تَغَدّٰی دوپہر کا کھانا کھانا اور اس طعام کو جو ضُحٰی اور دوپہر کے وقت کھایا جائے اسے ضَحَاءٌ اور غَدَاءٌ کہا جاتا ہے۔ اور ضَاحِیَةٌ کے معنی کسی چیز کی کھلی جانب کے ہیں اس لئے آسمان کو الضَّوَاحِیُ کہا جاتا ہے لَیْلَةٌ اِضْحِیَانَةٌ وَضَحْیَاءُ روشن رات جس میں شروع سے آخر تک چاندنی رہے، اُضْحِیَّةٌ کی جمع اَضَاحِیُّ اور ضَحِیَّةٌ کی ضَحَایَا اور اَضْحَاةٌ کی جمع اَضْحًی آتی ہے اور ان سب کے معنی قربانی کے ہیں اور شرعاً قربانی بھی چونکہ نماز عید کے بعد چاشت کے وقت دی جاتی ہے اس لئے اسے اُضْحِیَّةٌ کہا جاتا ہے حدیث میں ہے (۹) مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ صَلٰوتِنَا هٰذِهٖ فَلْیُعِدْ کہ جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کر دیا وہ دوبارہ قربانی دے۔

(ض د د)

بعض نے کہا ہے ضِدَّانِ ان دو چیزوں کو کہا جاتا ہے جو ایک جنس کے تحت ہوں مگر ان میں سے ہر ایک اپنے خصوصی اوصاف کے باعث دوسری سے مخالف ہو اور ان میں انتہائی بُعد پایا جائے۔ جیسے سفیدی و سیاہی اور خیر و شر اور جو دو متغایر چیزیں ایک جنس کے تحت نہ ہوں انہیں ضدان نہیں کہا جاتا جیسے حلاوت اور حرکت۔

علماء نے کہا ہے کہ ضد متقابلات کی ایک قسم کا نام ہے کیونکہ وہ دو چیزیں جن میں ذاتی اختلاف ہو اور یہ دونوں بیک وقت ایک جگہ میں اکٹھی نہ ہو سکتی ہوں انہیں متقابلین کہا جاتا ہے اور تقابل چار قسم پر ہے (۱) تقابل تضاد جیسے سفیدی اور سیاہی (۲) تقابل تناقض جیسے ضعف (دوچند) اور نصف (۳) تقابل عدم ملکہ جیسے بصر و عمی۔ (۴) تقابل ایجاب و سلب جو جملہ خبریہ میں ہوتا ہے جیسے کُلُّ اِنْسَانٍ هٰهُنَا وَلَیْسَ کُلُّ اِنْسَانٍ هٰهُنَا اکثر متکلمین اور اہل لغت ان سب کو تقابل تضاد کی فہرست میں شامل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ضدان ان دو چیزوں کو کہا جاتا ہے جو ایک

---

(۹) الحدیث باختلاف الفاظه اخرجه البخاری فی صحیحه ۲/۲۴۳ طبعة [illegible]

محل میں جمع نہ ہوسکتی ہوں اور ذات باری تعالیٰ کے متعلق لَا نِدَّ لَهُ وَلَا ضِدَّ لَهُ کہہ کر دونوں کی نفی کی جاتی ہے کیونکہ نِدٌّ شریک فی الجوہر کو کہتے ہیں اور ان دو متخالف چیزوں کو ایک دوسری کی ضد کہا جاتا ہے جو ایک جنس کے تحت علی سبیل التعاقب پائی جاتی ہوں اور چونکہ ذات باری تعالیٰ جوہریت اور جنسیت دونوں سے منزہ ہے اس لئے نہ اس کا کوئی نِدّ ہوسکتا ہے اور ضد اور آیت کریمہ:۔ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (۱۹-۸۲) اور وہ ان کے دشمن اور مخالف ہوں گے۔ میں ضد کے معنی دشمن اور مخالف کے ہیں۔

(ض ر ر)

اَلضُّرُّ کے معنی بدحالی کے ہیں خواہ اس کا تعلق انسان کے نفس سے ہو جیسے علم وفضل اور عفت کی کمی اور خواہ بدن سے ہو جیسے کسی عضو کا ناقص ہونا یا قلت مال وجاہ کے سبب ظاہری حالت کا برا ہونا اور آیت کریمہ: فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ (۲۱-۸۴) اور جو ان کو تکلیف تھی وہ دور کر دی۔

میں لفظ ضُرٌّ سے تینوں معنی مراد ہوسکتے ہیں نیز فرمایا: وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ (۱۰-۱۲) اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے ....

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَنْ لَمْ يَدْعُنَا إِلَى ضُرٍّ مَسَّهُ (۱۰-۱۲) پھر جب ہم اس تکلیف کو اس سے دور کر دیتے ہیں جو اسے پہنچی ہوتی ہے تو بے لحاظ ہو جاتا ہے اور اس طرح گزر جاتا ہے گویا کسی تکلیف پہنچنے پر ہمیں کبھی پکارا ہی نہیں تھا۔ ضَرَّهُ ضَرًّا کے معنی کسی کو ضرر (گزند) پہنچانے کے ہیں اور آیت کریمہ:۔

لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى (۳-۱۱۱) اور یہ تمہیں خفیف سی تکلیف کے سوا کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ میں متنبہ کیا ہے کہ انہیں کفار کی طرف سے معمولی سی تکلیف کے سوا کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچے گا اور یہ کہ ان کے ضرر سے بے فکر رہیں جیسے فرمایا:۔ لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا (۳-۱۲۰) تو ان کا فریب تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا (۵۸-۱۰) اس سے انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (۲-۱۰۲) اور خدا کے حکم کے سوا وہ اس جادو سے کسی کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے۔

وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ (۲-۱۰۲) اور ایسے منتر سیکھتے جو ان کو نقصان ہی پہنچاتے اور فائدہ کچھ نہ دیتے۔ اور ان دونوں آیتوں۔ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُ وَمَا لَا يَنْفَعُهُ (۲۲-۱۲) یہ خدا کے سوا ایسی چیز کو پکارتا ہے جو اسے نقصان پہنچائے اور نہ فائدہ دے سکے۔

يَدْعُو لَمَنْ ضَرُّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ (۲۲-۱۳) بلکہ ایسے شخص کو پکارتا ہے جس کا نقصان فائدے سے زیادہ قریب ہے۔

میں سے پہلی آیت میں نفع اور ضرر کی نفی سے مراد یہ ہے کہ وہ بے جان بت ہیں جو قصد وارادہ سے کسی کو فائدہ یا نقصان پہنچانے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور دوسری آیت میں جس ضرر کو ثابت کیا ہے اس سے وہ ضرر مراد ہے جو بتوں کی عبادت اور ان سے مدد طلب کرنے کی وجہ سے انسان کو پہنچتا ہے نہ کہ ان کے قصد وارادہ

سے اور ضَرَّاءُ کا لفظ سَرَّاءُ اور نَعْمَاءُ کے
مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے اور ضُرٌّ کا لفظ نفع
کے مقابلہ میں چنانچہ فرمایا:۔
وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ (۱۱-۱۰) اور
اگر تکلیف پہنچنے کے بعد آسائش کا مزہ چکھائیں۔
وَلَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا
(۲۵-۳) اور نہ اپنے نقصان اور نفع کا کچھ اختیار
رکھتے ہیں۔
اور کنایہ کے طور پر رَجُلٌ ضَرِیْرٌ نابینا شخص کو
کہتے ہیں اور ضَرِیْرُ الْوَادِیْ وادی کے اس کنارہ
کو کہتے ہیں جسے پانی سے نقصان پہنچا ہو۔
اَلضَّرَرُ بمعنی مُضَارٌّ یعنی تنگی ہے اور ضَارَرْتُهٗ
کے معنی کسی کو نقصان پہنچانے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ (۶۵-۶) اور ان کو... تکلیف نہ دو۔
اور آیت کریمہ:۔
وَلَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَهِیْدٌ (۲-۲۸۲) اور کاتب
دستاویز اور گواہ (معاملہ کرنے والوں کا) کسی طرح
نقصان نہ کریں۔ میں یُضَآرَّ صیغہ معروف ہونے
کی صورت میں اصل میں لَا یُضَارِرْ ہوگا۔ اور صیغہ
مجہول ہونے کی صورت میں لَا یُضَارَرْ اور معنی یہ
ہوں گے کہ انہیں گواہی کے لئے بلا کر ان کے کاروبار
سے روک کر انہیں نقصان نہ پہنچایا جائے اور آیت کریمہ:۔
لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا (۲-۲۳۳) اور نہ تو
ماں کو اس کے بچے کے سبب نقصان پہنچایا جائے۔
میں لَا تُضَآرَّ کو ضمہ را کے ساتھ پڑھا جائے تو خبر
بمعنی امر ہوگا اور فتحہ را کی صورت میں صیغہ امر یعنی
نہی، ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا (۲-۲۳۱) اور اس نیت
سے انہیں نکاح میں نہ رہنے دینا چاہیئے کہ انہیں
تکلیف دو اور ان پر زیادتی کرو۔
ضَرَّۃٌ اصل میں اس کام کو کہتے ہیں جس سے دوسرے
کو نقصان پہنچے اور ایک مرد کی دو بیویاں ضَرَّتَان
کہلاتی ہیں۔ کیونکہ ان کا خیال تھا ان میں سے ہر ایک
دوسری کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے اسی معنی کے
پیش نظر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: (۱) لَا تَسْأَلِ الْمَرْأَۃُ
طَلَاقَ اُخْتِهَا لِتَکْفِیَ مَا فِیْ صَحْفَتِهَا کہ کوئی عورت
اپنی بہن کے برتن کو انڈیلنے کے لئے اس کی طلاق
کا مطالبہ نہ کرے۔
اَلْاِضْرَارُ۔ ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری بیوی
لانا اور جس مرد کی ایک سے زائد بیویاں ہوں اسے
مُضِرٌّ کہتے ہیں اور سا ان میں ہر عورت دوسری کی
مُضَرَّۃٌ کہلاتی ہے۔
اَلْاِضْطِرَارُ کے اصل معنی کسی کو نقصان دہ کام پر
مجبور کرنے کے ہیں اور عرف میں اس کا استعمال ایسے
کام پر مجبور کرنے کے لئے ہوتا ہے جسے وہ ناپسند
کرتا ہو۔ اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ مجبوری
کسی خارجی سبب کی بنا پر ہو مثلاً مار پٹائی کی جائے
یا دھمکی دی جائے حتیٰ کہ وہ کسی کام کے کرنے پر رضا
مند ہو جائے یا زبردستی پکڑ کر اس سے کوئی کام
کروایا جائے جیسے فرمایا:۔
ثُمَّ اَضْطَرُّهٗ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ (۲-۱۲۶) پھر اس
کو عذاب دوزخ کے بھگتنے کے لئے ناچار کر دوں گا۔
ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰی عَذَابٍ غَلِیْظٍ (۳۱-۲۴) پھر
عذاب شدید کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے۔
دوم یہ کہ وہ مجبوری کسی داخلی سبب کی بنا پر ہو اس
کی دو قسمیں ہیں (۱) کسی ایسے جذبہ کے تحت وہ
کام کرے جسے نہ کرنے سے اسے ہلاک ہونے کا خوف

---

(۱) اخرجہ ابوداؤد فی سننہ ۱/۲۹۶ اصح المطابع والطبرانی عن ابن عمر (راجع کنز العمال ۸: ۳۵۵) ✦ ✦ ✦ ✦ ✦

نہ ہو مثلاً شراب یا قمار بازی کی خواہش سے مغلوب
ہو کر ان کا ارتکاب کرے (۲) کسی ایسی مجبوری کے
تحت اس کا ارتکاب کرے جس کے نہ کرنے سے اسے
جان کا خطرہ ہو مثلاً بھوک سے مجبور ہو کر مردار کا
گوشت کھانا۔ چنانچہ آیت کریمہ :۔
فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ (۲-۱۷۳) ہاں جو
ناچار ہو جائے بشرطیکہ خدا کی نافرمانی نہ کرے اور حد
ضرورت سے باہر نہ نکل جائے۔ اور آیت :۔
فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ (۵-۳) ہاں جو شخص
بھوک میں ناچار ہو جائے۔ میں اضطرار کے یہی معنی
ہیں اور آیت :۔
اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ (۲۷-۶۲) بھلا
کون بے قرار کی التجا قبول کرتا ہے۔ میں اضطرار کا لفظ
اپنے عام مفہوم میں استعمال ہوا ہے یعنی اضطرار داخلی اور
خارجی دونوں کو شامل ہے۔

اور اَلضَّرُوْرِيُّ کا لفظ تین طرح پر استعمال ہوتا ہے
ایک وہ جو کسی دباؤ کی وجہ سے ہو مثلاً سخت ہوا چلنے
سے درخت بالضرور ہلتا ہے۔ دوم وہ جس کے بغیر
کوئی چیز باقی نہ رہ سکے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ حفظ بدن
کے لئے غذا ضروری ہے۔ سوم وہ جس کی جانب مخالف
ممکن نہ ہو جیسے کہا جاتا ہے۔ اَلْجِسْمُ الْوَاحِدُ
لَا يَصِحُّ حُصُوْلُهٗ فِيْ مَكَانَيْنِ فِيْ حَالَةٍ وَّاحِدَةٍ
بِالضَّرُوْرَةِ بعض نے کہا ہے کہ ضَرَّةٌ کے معنی
انگلی یا پستان کی جڑ کے ہیں نیز وہ چربی جو ران
سے نیچے ڈھلک پڑتی ہے اسے بھی ضَرَّةٌ کہا جاتا ہے۔

(ض ر ب)

اَلضَّرْبُ کے معنی ایک چیز کو دوسری چیز پر
واقع کرنا یعنی مارنا کے ہیں اور مختلف اعتبارات سے
یہ لفظ بہت سے معانی میں استعمال ہوتا ہے (۱) ہاتھ،
لاٹھی، تلوار وغیرہ سے مارنا۔ قرآن میں ہے :۔
فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ
بَنَانٍ (۸-۱۲) ان کے سر مار کر اڑا دو اور ان کا پور پور
مار کر توڑ دو۔
فَضَرْبَ الرِّقَابِ (۴۷-۴) تو ان کی گردنیں اڑا دو۔
فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا (۲-۷۳) تو ہم نے کہا کہ
اس بیل کا سا ٹکڑا مقتول کو مارو۔
اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ (۲-۶۰) اپنی لاٹھی پتھر پر مارو۔
فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ (۳۷-۹۳) پھر
ان کو داہنے ہاتھ سے مارنا اور توڑنا شروع کیا۔
يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ (۸-۵۰) ان کے مونہوں
.... پر مارتے ہیں۔
اور (۲) ضَرْبُ الْاَرْضِ بِالْمَطَرِ کے معنی بارش برسنے کے ہیں۔
اور (۳) ضَرْبُ الدَّرَاهِمِ (دراہم کو ڈھالنا) کا محاورہ
اَلضَّرْبُ بِالْمِطْرَقَةِ کی مناسبت سے استعمال
ہوتا ہے۔ اور ٹکسال کے سکہ میں اثر کرنے کی مناسبت
سے طَبْعُ الدَّرَاهِمِ کہا جاتا ہے اور تشبیہ کے طور
پر انسان کی عادت کو "ضَرِيْبَةٌ" اور "طَبِيْعَةٌ" بھی
کہہ دیتے ہیں۔
(۴) ضَرَبَ فِي الْاَرْضِ کے معنی سفر کرنے کے ہیں کیونکہ
انسان پیدل چلتے وقت زمین پر پاؤں رکھتا ہے۔
قرآن میں ہے :۔
وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ (۴-۱۰۱) اور جب سفر کو جاؤ۔
وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ (۳-۱۵۶)
اور ان کے مسلمان بھائی جب خدا کی راہ میں سفر
کریں ..... تو ان کی نسبت کہتے ہیں۔
لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ (۲-۲۷۳)
اور ملک میں کسی طرف جانے کی طاقت نہیں رکھتے۔

اور یہی معنی آیت :-
فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ (۲۰-۷۷) کے ہیں یعنی انہیں سمندر میں (خشک) راستے سے لے جاؤ۔
ضَرَبَ الْفَحْلُ النَّاقَةَ (نر کا مادہ سے جفتی کرنا) یہ محاورہ ضَرَبَ بِالْمِطْرَقَةِ (ہتھوڑے سے کوٹنا) کی مناسبت سے طَرَقَ الْفَحْلُ النَّاقَةَ کا محاورہ بولا جاتا ہے۔
ضَرَبَ الْخَيْمَةَ خیمہ لگانا کیونکہ خیمہ لگانے کیلئے میخوں کو زمین میں ہتھوڑے سے ٹھونکا جاتا ہے اور خیمہ کی مناسبت سے آیت :- وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ (۲-۶۱) اور (آخرکار) ذلت۔۔۔۔ ان سے چپٹا دی گئی ہیں ذِلَّة کے متعلق ضَرَبَ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ذلت نے انہیں اس طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا جیسا کہ کسی شخص پر خیمہ لگا ہوا ہوتا ہے اور یہی معنی آیت :- وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ (۲-۶۱) اور ناداری ان سے لپٹ رہی ہے۔ کے ہیں اور آیت کریمہ :-
فَضَرَبْنَا عَلَى آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا (۱۸-۱۱) تو ہم نے غار میں کئی سال تک ان کے کانوں پر نیند کا پردہ ڈالے (یعنی ان کو سلائے) رکھا۔ نیز آیت کریمہ :-
فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ (۵۷-۱۳) پھر ان کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کردی جائیگی۔ میں ضَرَبَ کا لفظ ضَرَبَ الْخَيْمَةَ کے محاورہ سے مستعار ہے۔
ضَرَبَ الْعُوْدَ وَالنَّايَ وَالْبُوْقَ عود اور نے بجانا یا نرسنگھے میں پھونکنا۔
ضَرَبَ اللَّبِنَ اینٹیں چننا ایک اینٹ کو دوسری پر لگانا ضَرَبَ الْمَثَلَ کا محاورہ ضَرَبَ الدَّرَاهِمَ سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ہیں کسی بات کو اس طرح بیان کرنے کہ اس سے دوسری بات کی وضاحت ہو۔ قرآن میں ہے۔
ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا (۳۹-۲۹) خدا ایک مثال بیان فرماتا ہے۔
وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا (۳۶-۱۳) اور ان سے۔۔۔۔ قصہ بیان کرو۔
ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (۳۰-۲۸) وہ تمہارے لئے تمہارے ہی حال کی ایک مثال بیان فرماتا ہے۔
وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ (۳۰-۵۸) اور ہم نے۔۔۔۔ ہر طرح مثال بیان کردی ہے۔
وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا (۴۳-۵۷) اور جب مریمؑ کے بیٹے (عیسیٰ) کا حال بیان کیا گیا۔
مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا (۴۳-۵۸) انہوں نے عیسیٰ کی جو مثال بیان کی ہے تو صرف جھگڑنے کو۔
وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (۱۸-۴۵) اور ان سے دنیا کی زندگی کی مثال بھی بیان کردو۔
اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا (۴۳-۵) بھلا اس لئے کہ تم حد سے نکلے ہوئے لوگ ہو) ہم تم کو نصیحت کرنے سے باز رہیں گے۔
اَلْمُضَارَبَةُ ایک قسم کی تجارتی شرکت (جس میں ایک شخص کا سرمایہ اور دوسرے کی محنت ہوتی ہے اور نفع میں دونوں شریک ہوتے ہیں)
اَلْمُضَرَّبَةُ (دلائی رضائی) جس پر بہت سی سلائی کی گئی ہو۔ اَلتَّضْرِيْبُ اکسانا گویا اسے زمین میں سفر کی ترغیب دی جاتی ہے۔
اَلْاِضْطِرَابُ کثرت سے آنا جانا، حرکت کرنا یہ معنی ضَرَبَ فِي الْاَرْضِ سے ماخوذ ہیں۔
اِسْتَضْرَبَ النَّاقَةَ سانڈھ نے ناقہ سے جفتی کھانے

ان خواہش کی۔

(ض ر ع)

اَلضَّرْعُ اونٹنی اور بکری وغیرہ کے تھن
اَضْرَعَتِ الشَّاۃُ قرب ولادت کی وجہ سے بکری کے تھنوں میں دودھ اتر آیا یہ اَتْمَرَ وَاَلْبَنَ کی طرح کا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں زیادہ دودھ یا کھجوروں والا ہونا اور شَاۃٌ ضَرِیْعٌ کے معنی بڑے تھنوں والی بکری کے ہیں مگر آیت کریمہ:۔
لَیْسَ لَھُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ (۸۸-۶)
اور خار جھاڑ کے سوا ان کے لئے کوئی کھانا نہیں ہوگا
میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں ضَرِیْعٌ سے خشک شبرق مراد ہے[1] اور بعض نے سرخ بدبودار گھاس مراد لی ہے۔ جسے سمندر باہر پھینک دیتا ہے[1]
بہرحال جو معنی بھی کیا جائے اس سے کسی مکروہ چیز کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔
ضَرَعَ الْبَھْمُ چوپایہ کے بچہ نے اپنی ماں کے تھن کو منہ میں لے لیا بعض کے نزدیک اسی سے ضَرَعَ الرَّجُلُ ضَرَاعَۃً کا محاورہ ہے جس کے معنی کمزور ہونے اور ذلت کا اظہار کرنے کے ہیں
اَلضَّارِعُ وَالضَّرِعُ (صفت فاعلی) کمزور اور نحیف آدمی تَضَرَّعَ اس نے عجز و تذلل کا اظہار کیا۔ قرآن میں ہے:۔
تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً (۶-۶۳) عاجزی اور نیاز پنہانی سے۔
لَعَلَّھُمْ یَتَضَرَّعُوْنَ (۶-۴۲) تاکہ عاجزی کریں۔
لَعَلَّھُمْ یَضَّرَّعُوْنَ (۷-۹۴) تاکہ وہ عاجزی اور زاری کریں۔

یہ اصل میں یَتَضَرَّعُوْنَ ہے تاء کو ضاد میں ادغام کر دیا گیا ہے۔ نیز فرمایا:۔
فَلَوْلَا اِذْ جَاءَھُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا (۶-۴۳)
تو جب ان پر ہمارا عذاب آتا رہا کیوں نہیں عاجزی کرتے رہے۔
اَلْمُضَارَعَۃُ کے اصل معنی ضَرَاعَۃٌ یعنی عجز و تذلل میں باہم شریک ہونے کے ہیں۔ پھر محض شرکت کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے اسی سے علماء نحو نے اَلْفِعْلُ الْمُضَارِعُ کی اصطلاح قائم کی ہے (کیونکہ اس میں دو زمانے پائے جاتے ہیں)

(ض ع ف)

اَلضَّعْفُ (کمزوری) یہ اَلْقُوَّۃُ کے بالمقابل آتا ہے۔ ضَعُفَ فَھُوَ ضَعِیْفٌ کمزور ہونا۔ قرآن میں ہے:۔
ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ (۲۲-۷۳) طالب اور مطلوب (یعنی عابد اور معبود دونوں) گئے گزرے ہیں۔
اور اَلضَّعْفُ رائے کی کمزوری پر بھی بولا جاتا ہے اور بدن اور حالت کی کمزوری پر بھی اور اس میں ضَعْفٌ اور ضُعْفٌ دو لغت ہیں قرآن میں ہے:۔
وَعَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا (۸-۶۶) اور معلوم کر لیا کہ ابھی تم میں کس قدر کمزوری ہے۔
خلیل کا قول ہے کہ اَلضَّعْفُ عقل و رائے کی کمزوری کو کہتے ہیں اور ضُعْفٌ بدنی کمزوری کو
چنانچہ آیت کریمہ:۔ فَاِنْ کَانَ الَّذِیْ عَلَیْہِ الْحَقُّ سَفِیْھًا اَوْ ضَعِیْفًا (۲-۲۸۲) اور اگر قرض لینے والا کم عقل یا کمزور رائے ہو۔ میں ضَعِیْفًا کا لفظ ضَعْف سے مشتق ہے اور ضعیف کی جمع ضِعَافٌ اور ضُعَفَاءُ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

---

[1] قال مجاہد ونسب لبعضہم الی الفراء (راجع العینی شرح البخاری صفحہ ۲۲۵ ج ۱۹) کذا قال الخلیل العینی شرح البخاری صفحہ ۲۲۵ ج ۱۹۔

لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ (۹-۹۱) کمزوروں پر (کچھ گناہ) نہیں ہے۔

اِسْتَضْعَفْتُہٗ۔ میں نے اسے کمزور سمجھا حقیر جانا۔ قرآن میں ہے:۔

وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا (۲۸-۵) اور ہم چاہتے تھے کہ جنہیں ملک میں کمزور سمجھا گیا ہے ان پر احسان کریں۔

وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ (۴-۷۵) اور ان بے بس مردوں عورتوں اور بچوں ۔۔۔۔۔۔

قَالُوْا فِیْمَ کُنْتُمْ قَالُوْا کُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ (۴-۹۷) تو ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ملک میں عاجز اور ناتوان تھے۔

اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ (۷-۱۵۰) کہ لوگ تو مجھے کمزور سمجھتے تھے۔ اور آیت کریمہ:۔

قَالَ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا (۳۴-۳۳) اور کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے۔ میں اِسْتِضْعَاف اِسْتِکْبَارٌ کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے اور آیت کریمہ:۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّۃً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّۃٍ ضَعْفًا (۳۰-۵۴) خدا ہی تو ہے جس نے تمہیں (ابتدا میں) کمزور حالت میں پیدا کیا پھر کمزوری کے بعد طاقت عنایت کی۔ پھر طاقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا) دیا۔ میں پہلے ضَعْف سے نطفہ یا منی مراد ہے۔ اور دوسری جگہ اس سے وہ کمزوری مراد ہے جو جنین یا طفولیت کے زمانہ میں پائی جاتی ہے اور تیسرے سے وہ ضعف مراد ہے جو بڑھاپے کی عمر میں انسان کو لاحق ہوتا ہے۔ جس کی طرف کہ آیت اَرْذَلِ الْعُمُرِ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح پہلی جگہ قُوَّۃٌ سے وہ قوت مراد ہے۔ جو بچے کو حرکت کرنے، ہدایت پانے، دودھ مانگنے اور رو کر اپنے آپ سے تکلیف کو دفع کرنے کے لئے عطا کی جاتی ہے۔ اور دوسری جگہ قُوَّۃٌ سے مراد وہ قوت ہے جو بلوغت کے بعد عطا ہوتی ہے اور آیت کریمہ میں ضُعْفٌ کو نکرہ لانا اس بات کی دلیل ہے کہ ہر جگہ ضُعْفٌ سے ایک ایسی حالت کی طرف اشارہ ہے جو پہلی حالت کی غیر ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ اسم نکرہ کو مکرر لاکر اگر پہلا معنی مقصود ہو تو اسے معرفہ بنا لیا جاتا ہے جیسے رَاَیْتُ رجلاً فقال لی الرجل کذا گر جب اسم نکرہ کو دوبارہ نکرہ ہی لایا جائے تو پہلے معنی کا غیر مراد ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے آیت کریمہ۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا - اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (۹۴-۵، ۶) کی تفسیر میں فرمایا۔ لن یغلب عُسْرٌ یسرین کہ دو یسر پر ایک عسر غالب نہیں آسکتا[۱]۔

اور آیت کریمہ:۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (۴-۲۸) اور انسان (طبعًا) کمزور پیدا ہوا ہے۔ میں ضَعِیْفًا کے لفظ سے انسان کی شدت احتیاج کی طرف اشارہ

[۱] رواہ اصحاب الآثار عن ابن مسعود مرفوعًا (راجع الشوکانی ۵ر۴۶۳) قال فی الکشاف وعن ابن عباس مثلہ ولم اجدہ قال الحافظ فی تخریجہ: ذکرہ الفراء عن ابن الکلبی عن ابی صالح عنہ وبمعناہ مروی عن انس قال السیوطی وسندہ ضعیف والصحیح عن الحسن بہ مرسلا رواہ عبد الرزاق عن معمر وعن طریقہم اخرجہ الحاکم والبیہقی فی الشعب ولہ طریق اخری اخرجہا ابن مردویہ من روایۃ عطیۃ عن جابر موصولا واسنادہ ایضًا ضعیف وفی المؤطا عن زید بن اسلم عن ابیہ ان عمر بن الخطاب کتب الیہ وقال فی الکتاب ولن یغلب عسر یسرین وہذا اصح طرقہ راجع تخریج الکشاف للحافظ (۵ر۱۸۶-۱۸۵) رقم ۳۲۲ وتفسیر ابن کثیر (۴ر۵۲۵-۵۲۶) والطبری ۳۰ر۲۳۵-۲۳۶

ہے جس سے کہ "ملا املی" مستغنی ہوتے ہیں
اور آیت کریمہ:۔ اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا (۴-۷۶) (دو روست) کیونکہ شیطان کا داؤ کمزور ہوتا ہے۔ میں شیطانی فریب کے کمزور ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کے بندوں پر اس کی تدابیر کارگر نہیں ہو سکتیں جیسے فرمایا:۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ (۱۷-۶۵) جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں۔

اَلضِّعْفُ۔ یہ اسمائے متضایفہ سے ہے یعنی وہ الفاظ جو اپنے مفہوم و معنی کے تحقق میں ایک دوسرے پر موقوف ہوتے ہیں جیسے نِصْفٌ وَزَوْجٌ اور ضِعْفٌ (دوگنا) کے معنی ہیں ایک چیز کے ساتھ اس کے مثل کا مل جانا اور یہ اسم عدد کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اَضْعَفْتُ الشَّیْءَ وَضَعَّفْتُهٗ وَضَاعَفْتُهٗ کے معنی ہیں کسی چیز کو دوچند کر دینا بعض نے کہا ہے کہ ضَاعَفْتُ (مفاعلہ) میں ضَعَّفْتُ (تفعیل) سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر قراء نے آیت کریمہ:۔
یُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ (۳۳-۳۰) ان کو دگنی سزا دی جائے گی۔
اور آیت:۔ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضَاعِفْهَا (۴-۴۰) اور اگر نیکی (کی) ہوگی تو اس کو دوچند کر دیگا۔ میں یُضَاعِفْ (مفاعلہ) پڑھا ہے اور کہا ہے کہ اس سے نیکیوں کے دس گنا ہونے کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ آیت:۔ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (۶-۱۶۰) سے معلوم ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ضَعَّفْتُهٗ ضَعْفًا فَهُوَ مَضْعُوْفٌ۔ تخفیف عین کے ساتھ آتا ہے اس صورت میں

ضَعْفٌ مصدر ہوگا اور ضِعْفٌ اسم جیسا کہ شَیْءٌ اور شَیْءٌ ہے اس اعتبار سے ضِعْفُ الشَّیْءِ کے معنی ہیں کسی چیز کی مثل اتنا ہی اور جس سے وہ چیز دوگنی ہو جائے اور جب اس کی اضافت اسم عدد کی طرف ہو تو اس سے اتنا ہی اور عدد یعنی دوچند مراد ہوتا ہے لہذا ضِعْفُ الْعَشَرَةِ اور ضِعْفُ الْمِائَةِ کے معنی بلا اختلاف بیس اور دوسو کے ہوں گے چنانچہ اسی معنی میں شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۲۸۵) جَزَیْتُكَ ضِعْفَ الْوُدِّ لَمَّا اشْتَكَیْتَهٗ
وَمَا اِنْ جَزَاكَ الضِّعْفَ مِنْ اَحَدٍ قَبْلِیْ

جب تو نے محبت کے بارے میں شکایت کی تو میں نے تمہیں دوستی کا دوچند بدلہ دیا اور مجھ سے پہلے کسی نے تمہیں دوچند بدلہ نہیں دیا۔
اور اَعْطِهٖ ضِعْفَیْ وَاحِدٍ کے معنی یہ ہیں کہ اسے سہ چند دے دو کیونکہ اس کے اصل معنی یہ ہیں کہ ایک اعداد کے ساتھ دو اور دے دو اور یہ کل تین ہو جاتے ہیں مگر یہ معنی اس صورت میں ہوں گے جب ضِعْف کا لفظ مضاف ہو ورنہ بدوں اضافت کے ضِعْفَیْنِ کے معنی تو زوجین کی طرح دوگنا ہی ہوں گے۔ لیکن جب واحد کی طرف مضاف ہو کر آئے تو تین گنا کے معنی ہو جاتے ہیں[2]۔ قرآن میں ہے:۔
فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ (۳۴-۳۷) ایسے لوگوں کو دوگنا بدلہ ملے گا۔
اور آیت کریمہ:۔ فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ (۷-۳۸) تو ان کی آتش جہنم کا دوگنا عذاب دے۔ میں دوگنا عذاب مراد ہے یعنی دوزخی باری تعالیٰ سے مطالبہ کریں گے کہ جن لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا

[1] قالہ ابو ذویب الہذلی وفی اللسان (ضعف) لما استنیتہ والبیت فی دیوان الہذلیین (۱: ۳۵) والمجاز لابی عبیدۃ (۳۲۴/۱) ۲۲۲:۲
[2] قالہ هو الحکم (ضعف) بل روایتہا لما استثبتہ ای استغلیتہ وفی المجاز الہیبل ابو الصاحی ۲۰۳ وفیہ شاہد علی ان لفظ سوی یاتی نظیرتہ

انہیں ہم سے دوگنا عذاب دیا جائے ایک تو انکے خود گمراہ ہونے کا اور دوسرے ہمیں گمراہ کرنے کا جیسا کہ آیت کریمہ:۔

لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ (۱۶-۲۵) یہ قیامت کے دن اپنے اعمال کے پورے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور جن کو یہ بے تحقیق گمراہ کرتے ہیں ان کے بوجھ بھی اٹھائیں گے۔

سے مفہوم ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ (۷-۳۸) کہہ کر بتایا کہ ان میں سے ہر ایک کو تم سے دگنا عذاب دیا جائے گا۔

بعض نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ تم اور ان میں سے ہر ایک کو اس سے دگنا عذاب ہو رہا ہے جتنا کہ دوسرے کو نظر آرہا ہے۔

کیونکہ عذاب دو قسم پر ہے ظاہری اور باطنی، ظاہری عذاب تو ایک دوسرے کو نظر آئے گا مگر باطنی عذاب کا ادراک نہیں کرسکیں گے اور سمجھیں گے کہ انہیں اندرونی طور پر کچھ بھی عذاب نہیں ہو رہا ہے (حالانکہ وہ باطنی عذاب میں بھی مبتلا ہوں گے۔

اور آیت لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً (۳-۱۳۰) بڑھ چڑھ کر سود در سود نہ کھاؤ۔

میں بعض نے کہا ہے کہ اَضْعَافًا کے بعد مضاعفۃ کا لفظ بطور تاکید لایا گیا ہے مگر بعض نے کہا ہے کہ مُضٰعَفَةً کا لفظ ضَعَفْتُ (بفتح الضاد) سے ہے جس کے معنی کمی کے ہیں پس آیت کے معنی یہ ہیں کہ سود جسے تم افزونی اور بیشی سمجھ رہے ہو یہ

دراصل بڑھانا نہیں ہے بلکہ کم کرنا ہے جیسے فرمایا۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ (۲-۲۷۶) کہ اللہ تعالٰی سود کو کم کرتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

چنانچہ اسی معنی کے پیش نظر شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۲۸۶) زِيَادَةُ شَيْبٍ وَهِيَ نَقْصُ زِيَادَتِي

کہ بڑھاپے کی افزونی دراصل عمر کی کمی ہے۔

(ض غ ث)

اَلضِّغْثُ۔ ریحان۔ خشک گھاس یا شاخیں جو انسان کی مٹھی میں آجائیں اس کی جمع اَضْغَاثٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا (۳۸-۴۴) اپنے ہاتھ میں مٹھی بھر گھاس لو۔

اسی سے ایسے خواب کو، جو ملتبس سا ہو اور اس کا مطلب واضح نہ ہو، اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ (۱۲-۴۴) انہوں نے کہا یہ تو پریشان سے خواب ہیں۔

یعنی پریشان اور بے معنی خوابوں کے پلندے ہیں۔

(ض غ ن)

اَلضِّغْنُ وَالضَّغَنُ۔ سخت کینہ اور انتہائی بغض، اس کی جمع اَضْغَانٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ (۴۷-۲۹) کہ خدا ان کے کینوں کو ظاہر نہیں کرے گا۔

پھر بطور تشبیہ اس اونٹنی کو جو بدوں مار پٹائی کے

---

[1] قال المتنبی فی قصیدۃ لہ ۴۳ بیتا یمدح فیہا احمد بن الحسین ابو الفرج القاضی المالکی (۷۷-۸۰) مطلعہا: لجنیتاء نمادۃ رفع السجف۔ لوخیۃ لالا الوخیۃ ضنف وعجزہ وقوۃ عشق رہی من قوتی ضعف والبیت فی دیوانہ ۲۰ (طبعہ ہندیہ مصر ۲ ھ ۱۳) ❊ ❊ ❊

صحیح چال نہ چلے اسے نَاقَةٌ ذَاتُ ضِغْنٍ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ٹیڑھے نیزے کو قَنَاةٌ ذَاتِ ضِغْنٍ کہہ دیتے ہیں۔

اَلْاِضْغَانُ (افعال) کپڑا یا اسلحہ وغیرہ پہن کر اس میں مستور ہو جانا۔

(ض ل ل)

اَلضَّلَالُ۔ کے معنی سیدھی راہ سے ہٹ جانے کے ہیں۔ اور یہ ہدایة کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا (۱۰-۱۷) جو شخص ہدایت اختیار کرتا ہے تو اپنے سے اختیار کرتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے تو گمراہی کا ضرر بھی اسی کو ہوگا۔

اور ضَلَالٌ کا لفظ ہر قسم کی گمراہی پر بولا جاتا ہے یعنی وہ گمراہی قصداً ہو یا سہواً معمولی ہو یا زیادہ کیونکہ طریق مستقیم۔ جو پسندیدہ لہ ہے ــــ پر چلنا نہایت دشوار امر ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔ (۱) اِسْتَقِيْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا کہ استقامت اختیار کرو اور تم پورے طور پر اس کی نگہداشت نہیں کر سکو گے۔

حکماء نے کہا ہے کہ صحت و راستی کی راہ تو صرف ایک ہی ہے مگر گمراہی کے متعدد راستے ہیں کیونکہ استقامت اور صواب کی مثال تیر کے ٹھیک نشانہ پر بیٹھ جانے کی ہے اور صحیح نشانہ کے علاوہ ہر جہت کا نام ضلالت ہے۔

ہمارے اس قول کی تائید بعض صالحین کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے آنحضرت کو خواب میں دیکھا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جناب کے اس فرمان کے کیا معنی ہیں (۲) شَيَّبَتْنِیْ سورة هود واخواتها کہ سورہ ہود اور اس کی ہم مثل دوسری سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ تو آنحضرت نے فرمایا: سورہ ہود کی جس آیت نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے وہ آیت فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ (۱۱-۱۱۲) ہے یعنی اے پیغمبر ٹھیک اسی طرح سیدھے رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے۔

جب کہ ضلالٌ کے معنی سیدھی راہ سے ہٹ جانا کے ہیں خواہ وہ ہٹنا عمداً ہو یا سہواً تھوڑا ہو یا زیادہ تو جس سے بھی کسی قسم کی غلطی سرزد ہوگی اس کے متعلق ہم ضلالت کا لفظ استعمال کر سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انبیاء اور کفار دونوں کی طرف ضلالت کی نسبت کی گئی ہے گو ان دونوں قسم کی ضلالت میں بون بعید پایا جاتا ہے۔ دیکھئے آنحضرت کو آیت کریمہ: وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى (۹۳-۷) میں ضالًّا فرمایا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہدایت نبوت کے عطا ہونے سے قبل تم اس راہ نمائی سے محروم تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں ان کی

---

(۱) رحم ک حق) عن ثوبان (طب) عن ابن عمرو (طب) عن سلمة ابن الاکوع (الفتح السبانی ج ۱ ص ۱۸۱) (۲) الحدیث فی ابن مردویہ عن انس (و) فی الطبرانی عن ابی بکرؓ (و) ابن عساکر عن محمد بن علی مرسلاً ہود واخواتها بغیر لفظ السورة والحدیث ایضاً فی الکشاف راجع تخریج الکشاف ۷ ، ۸ رقم ۹۵) (و) فی تخریج العراقی۔ اخرجه الترمذی فی الشمائل من حدیث ابی جحیفة وللحاکم من حدیث ابن عباس نحوہ قال الترمذی حسن وقال الحاکم صحیح علی شرط البخاری ۲ ، ۷ ، ۲۹ و ۳۴ ، ۷ ، اذ تنداطال الکلام علیه الدارقطنی فی العلل (و) فی الکامل لابن عدی من روایة یزید الرقاشی عن انسؓ ولیس فیه ذکر ہود و اخواتها بل الواقعة والقارعة وغیرها من السور ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

اولاد کا یہ کہنا اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ (۱۲-۹۵) کہ آپ اسی پرانی غلطی میں (مبتلا) ہیں۔ یا یہ کہنا: اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (۱۲-۸) کچھ شک نہیں کہ ابا صریح غلطی پر ہیں۔ تو ان آیات میں ضلال سے مراد یہ ہے کہ وہ یوسف (علیہ السلام) کی محبت اور ان کے اشتیاق میں سرگرداں ہیں اسی طرح آیت کریمہ:۔
قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا اِنَّا لَنَرٰىهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (۱۲-۳۰) اس کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے ہم دیکھتی ہیں کہ وہ صریح گمراہی میں ہیں۔ میں بھی ضلال مبین سے والہانہ محبت مراد ہے۔
اور آیت کریمہ:۔ وَاَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ (۲۶-۲۰) اور میں خطا کاروں میں تھا۔
میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ضال ہونے کا اعتراف کر کے اشارہ کیا ہے کہ قتل نفس کا ارتکاب مجھ سے سہواً ہوا تھا۔ اور آیت:۔
اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا (۲-۲۸۲) اور اگر ان میں سے ایک بھول جائے گی۔ میں تَضِلَّ کے معنی بھول جانا کے ہیں اور یہی وہ نسیان ہے جسے عفو قرار دیا گیا ہے[1]
ایک دوسرے اعتبار سے ضَلَالَۃٌ کی دو قسمیں ہیں
(۱) علوم نظریہ یعنی توحید و نبوات وغیرہما کی معرفت میں غلطی کرنا چنانچہ آیت کریمہ:۔
وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا (۴-۱۳۶) اور جو شخص خدا اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور روز قیامت سے انکار کرے وہ رستے سے بھٹک کر دور جا پڑا۔ میں اس قسم کی گمراہی کو ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا کہا گیا ہے۔
(۲) علوم عملیہ میں ضلالۃ ہے جس کے معنی ہیں احکام شرعیہ یعنی عبادات (اور معاملات) کی معرفت میں غلطی کرنا اور آیت مذکورہ میں ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا سے اس کے کفر ہونے کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ آیت کے ابتداء وَمَنْ يَّكْفُرْ اور آیت:۔
اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا (۴-۱۶۷) جن لوگوں نے کفر کیا اور دوسروں کو خدا کے رستے سے روکا وہ رستے سے بھٹک کر دور جا پڑے۔ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور آیت فِی الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِیْدِ (۳۴-۸) میں بھی یہی معنی مراد ہیں۔ اور فِی کے معنی یہ ہیں کہ اس گمراہی کی سزا میں گرفتار ہوں گے اور یہی معنی آیت: اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ (۶۷-۹) میں مراد ہیں۔ نیز فرمایا:۔
قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ (۵-۷۷) جو (خود بھی) پہلے گمراہ ہوئے اور بھی اکثروں کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔ اور آیت کریمہ:۔
ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ (۳۲-۱۰) کے معنی یہ ہیں کہ جب مرنے کے بعد مٹی میں مل کر ضائع ہو جائیں گے اور (آیت:۔
وَلَا الضَّآلِّیْنَ (۱-۷) کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ اس سے نصاریٰ مراد ہیں۔ اور آیت:۔
لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسٰی (۲۰-۵۲) کے معنی ہیں:۔ لَا یَضِلُّ عَنْ رَبِّیْ وَلَا یَضِلُّ رَبِّیْ عَنْهُ ہیں یعنی میرے پروردگار کو کوئی چیز غافل نہیں کرتی اور آیت:۔
اَلَمْ یَجْعَلْ كَیْدَهُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ (۱۰۵-۲) کیا ان کی تدبیر کو ضائع نہیں کیا (گیا)
میں فِیْ تَضْلِیْلٍ کے معنی ضائع کر دینا اور غلط راہ

---

[1] ای فی الحدیث: رُفع عن امتی الخطأ والنسیان وما استکرھوا علیہ (الطبرانی۔ عن ثوبان)

پر لگا دینا کے ہیں۔

اَلْاِضْلَال یعنی دوسرے کو گمراہ کرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا سبب خود اپنی ضلالت ہو یہ دو قسم پر ہے:۔

(۱) ایک یہ کہ کوئی چیز ضائع ہو جائے مثلاً کہا جاتا ہے اَضْلَلْتُ الْبَعِیْرَ میرا اونٹ کھو گیا۔

(۲) دوم کہ دوسرے پر ضلالت کا حکم لگانا ان دونوں صورتوں میں اِضْلَال کا سبب ضلالۃ ہی ہوتی ہے۔ دوسری صورت اِضْلَال کی پہلی کے برعکس ہے یعنی اضلال بذاتہ ضلالۃ کا سبب بنے اسی طرح پر کہ کسی انسان کو گمراہ کرنے کے لئے باطل اس کے سامنے پر فریب اور جاذب انداز میں پیش کیا جائے جیسے فرمایا:۔

وَ هَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ یُّضِلُّوْكَ وَ مَا یُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ (۴-۱۱۳) ان میں سے ایک جماعت تم کو بہکانے کا قصد کر ہی چکی تھی اور یہ اپنے سوا کسی کو بہکا نہیں سکتے۔

یعنی وہ اپنے اعمال سے تجھے گمراہ کرنے کی کوشش میں ہیں مگر وہ اپنے اس کردار سے خود ہی گمراہ ہو رہے ہیں۔ اور شیطان کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا:۔ وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّیَنَّهُمْ (۴-۱۱۹) اور ان کو گمراہ کرتا اور امیدیں دلاتا رہوں گا۔

اور شیطان کے بارے میں فرمایا:۔

وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِیْرًا (۳۶-۶۲) اور اس نے تم میں سے بہت سی خلقت کو گمراہ کر دیا تھا۔

وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا۔ (۴-۶۰) اور شیطان تو چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر رستے سے دور ڈال دے۔

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ (۳۸-۲۶) اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں خدا کے رستے سے بھٹکا دے گی۔

اللہ تعالیٰ کے انسان کو گمراہ کرنے کی دو صورتیں ہی ہو سکتی ہیں (۱) ایک یہ کہ اس کا سبب انسان کی خود اپنی ضلالت ہو اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف اضلال کی نسبت کے یہ معنی ہوں گے کہ جب انسان از خود گمراہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں اس پر گمراہی کا حکم ثبت ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آخرت کے دن اسے جنت کے راستہ سے ہٹا کر دوزخ کے راستہ پر ڈال دیا جائے گا۔

(۲) اور اللہ تعالیٰ کی طرف اضلال کی نسبت کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ باری تعالیٰ نے انسان کی جبلت ہی کچھ اس قسم کی بنائی ہے کہ جب انسان کسی اچھے یا برے راستہ کو اختیار کر لیتا ہے تو اس سے مانوس ہو جاتا ہے اور اسے اچھا سمجھنے لگتا ہے اور آخرکار اس پر اتنی مضبوطی سے جم جاتا ہے کہ اس راہ سے ہٹانا یا اس کا خود اسے چھوڑ دینا دشوار ہو جاتا ہے اور وہ اعمال اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتے ہیں اسی اعتبار سے کہا گیا ہے کہ عادت "طبیعہ ثانیہ" ہے۔

پھر جب انسان کی اس قسم کی فطرت اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے اور دوسرے مقام پر ہم بیان کر چکے ہیں کہ فعل کی نسبت اس کے سبب کی طرف بھی ہو سکتی ہے لہٰذا اضلال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کر دیا ورنہ باری تعالیٰ کے گمراہ کرنے کے وہ معنی نہیں ہیں جو عوام جہلاء سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے

کہ قرآن نے اللہ تعالیٰ کی طرف گمراہ کرنے نسبت
اسی جگہ کی ہے جہاں کافر اور فاسق لوگ مراد ہیں
نہ کہ مومن بلکہ حق تعالیٰ نے مومنین کو گمراہ کرنے کی
اپنی ذات سے نفی فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے۔
وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰهُمْ (۹-۱۱۵)
اور خدا ایسا نہیں ہے کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے
بعد گمراہ کر دے۔
فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ سَيَهْدِيْهِمْ (۴۸-۴)
ان کے عملوں کو ہرگز ضائع نہ کریگا بلکہ ان کو سیدھے
رستے پر چلائے گا۔
اور کافر اور فاسق لوگوں کے متعلق فرمایا۔
فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ (۴۷-۸) ان کے
لئے ہلاکت ہے اور وہ ان کے اعمال کو برباد کر دیگا۔
وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ (۲-۲۶) اور گمراہ
بھی کرتا ہے تو نافرمانوں ہی کو۔
كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ (۴۰-۷۴)
اسی طرح خدا کافروں کو گمراہ کرتا ہے۔
وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ (۱۴-۲۷) اور خدا بے
انصافوں کو گمراہ کر دیتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ (۶-۱۱۱) اور ہم ان کے
دلوں کو الٹ دیں گے۔
خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (۲-۷) خدا نے ان کے
دلوں پر مہر لگا رکھی ہے۔
فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا
(۲-۱۰) ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا خدا نے
ان کا مرض اور زیادہ کر دیا۔
میں دلوں کے پھیر دینے اور ان پر مہر لگا دینے اور
ان کی مرض میں اضافہ کر دینے سے بھی یہی معنی مراد
ہیں

(ض م م)

اَلضَّمُّ (ن) کے معنی دو یا دو سے زیادہ چیزوں
کو باہم ملا دینا کے ہیں قرآن میں ہے:۔
اُضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ (۲۰-۲۲) اور تم
اپنے بازو کو اپنے بغل سے لگالو۔
وَاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ (۲۸-۳۲) اور بازو
کو سمٹائے رکھو۔
اَلْاِضْمَامَةُ لوگوں کی جماعت، کتابوں کا بنڈل،
گھاس وغیرہ کا گٹھا۔
اَسَدٌ ضَمْضَمٌ وَضَمَاضِمٌ اس شیر کو کہتے ہیں جو ہر
چیز کو اپنی ذات کے لئے اکٹھا کرنے والا ہو۔ بعض
نے اس کے معنی قوی اور مضبوط بھی کئے ہیں۔
فَرَسٌ سَبَّاقُ الْاَضَامِيْمِ وہ گھوڑا جو بیک
وقت گھوڑوں کی ایک جماعت سے سبقت
لے جانے والا ہو۔

(ض م ر)

اَلضَّامِرُ اس چھریرے گھوڑے کو کہتے
ہیں جس کا دبلا پن لاغری کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس
اس ریاضت کی وجہ سے ہو جو سدھانے کے لئے
اس سے کرائی جاتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔
عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ (۲۲-۲۷) دبلی سواریوں پر۔
ضَمَرَ ضُمُوْرًا وَاضْطَمَرَ فَهُوَ مُضْطَمِرٌ
کے معنی لاغر ہو جانے کے ہیں اور ضَمَّرْتُهٗ کے
معنی لاغر کر دینا کے۔
اَلْمِضْمَارُ۔ گھوڑ دوڑ کا میدان جہاں گھوڑوں
کو دوڑانے کی مشق کرائی جاتی ہے۔
اَلضَّمِيْرُ وہ بات جو تمہارے دل میں ہو اور اس پر

اطلاع پانا دشوار ہو اسی وجہ سے کبھی ضمیر کا لفظ قوت حافظہ پر بھی بولا جاتا ہے۔

(ض ن ن)

اَلضِّنَّةُ (س) کے معنی کسی پسندیدہ اور مرغوب شے سے بخل کرنا کے ہیں اس سے عِلْقٌ مَضِنَّةٌ وَمَضَنَّةٌ کا محاورہ ہے یعنی وہ نفیس چیز جس پر بخل کیا جائے۔ فُلَانٌ ضِنِّيْ بَيْنَ اَصْحَابِيْ میرے ساتھیوں میں سے فلاں اس قابل ہے کہ اس پر بخل کیا جائے (اور یہ باب ضَرَبَ وَسَمِعَ دونوں سے آتا ہے) چنانچہ کہا جاتا ہے ضَنَنْتُ بِالشَّیْءِ ضَنًّا وَضَنَانَةً وَضَنِنْتُ اور آیت کریمہ: وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ (۸۱-۲۴) کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے جو وحی ملتی ہے وہ اس (کے عام کرنے) میں بخل نہیں کرتے۔

(ض ن ك)

اَلضَّنْكُ (ک) کے معنی کسی مقام یا معیشت کی تنگی کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
مَعِيْشَةً ضَنْكًا (۲۰-۱۲۴) ان کی معیشت تنگ ہو جائے گی۔
کہا جاتا ہے ضَنُكَ عَيْشُهُ۔ اس کی معیشت تنگ ہو گئی۔ اِمْرَأَةٌ ضِنَاكٌ گھٹیلے جسم والی عورت۔ نیز ضُنَاكٌ کے معنی زکام بھی آجاتے ہیں۔ اس سے زکام زدہ آدمی کو مَضْنُوْكٌ کہا جاتا ہے۔

(ض ھ ی)

اَلْمُضَاهَاةُ کے معنی مشابہ اور مشاکلت کے ہیں چنانچہ آیت کریمہ:۔
يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (۹-۳۰) یہ بھی انہی جیسی باتیں کرتے ہیں۔
میں يُضَاهُوْنَ کے معنی يُشَاكِلُوْنَ ہیں۔ یعنی دوسروں کے مشابہ اور ہم شکل ہونا۔
بعض نے کہا ہے کہ اس کی اصل مھموز ہے اور اس میں ایک قراءت (يُضَاهِئُوْنَ) ہمزہ کے ساتھ بھی منقول ہے[1]۔
اِمْرَأَةٌ ضَهْيَاءُ۔ وہ عورت جسے حیض نہ آتا ہو اس کی جمع ضُهًى آتی ہے۔

(ض و ء)

اَلضَّوْءُ۔ کے معنی نور اور روشنی کے ہیں ضَاءَتِ النَّارُ وَاَضَاءَتْ آگ روشن ہو گئی۔ اور اَضَاءَتْ (افعال) کے معنی روشن کرنا بھی آتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهٗ (۲-۱۷) جب آگ نے اس کے اردگرد کی چیزیں روشن کر دیں۔
كُلَّمَا اَضَاءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ (۲-۲۰) جب بجلی (چمکتی اور) ان پر روشنی ڈالتی ہے تو اس میں چل پڑتے ہیں۔
يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْءُ (۲۴-۳۵) تو اس کا تیل جلنے کو تیار ہے۔
يَاْتِيْكُمْ بِضِيَاءٍ (۲۸-۷۱) جو تم کو روشنی لائے۔
اور سماوی کتابوں کو جو انسان کی رہنمائی کے لئے نازل کی گئی ہیں، ضِیَاءٌ سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ (تورات کے متعلق) فرمایا:۔
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَ

---

[1] قراءة عاصم وعلى الاولى اكثر القراء (الجمل ۲/۲۷۹)

ذِکْرًا (۲۱-۴۸) اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو ہدایت (و گمراہی میں) فرق کر دینے والی اور (سرتاپا) روشنی اور نصیحت (کی کتاب) عطا کی۔

(ض ی ر)

اَلضَّیْرُ (ض) کے معنی مضرت اور گزند کے ہیں اور ضَارَہٗ وَضَرَّہٗ کے ایک ہی معنی ہیں یعنی کسی کو نقصان اور تکلیف پہنچانا۔ قرآن میں ہے:۔ لَا ضَیْرَ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ (۲۶-۵۰) کچھ نقصان (کی بات) نہیں ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اور فرمایا:۔
لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا (۳-۱۲۰) ان کا فریب تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

(ض ی ز)

آیت کریمہ:۔ تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی (۵۳-۲۲) میں ضِیْزٰی کے معنی ناقص اور بے انصافی کے ہیں۔ یہ اصل میں ضُیْزٰی بروزن فُعْلٰی ہے۔ یاء کی مناسبت سے ضاد کو مکسور کر دیا گیا ہے۔ (کیونکہ) بقول بعض کلام عرب میں فُعْلٰی کے وزن پر اسم صفت نہیں آتا۔[1]

(ض ی ع)

ضَاعَ (ض) اَلشَّیْئُ ضَیَاعًا کے معنی ہیں کسی چیز کا ہلاک اور تلف کرنا۔ قرآن میں ہے:۔
لَا اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ (۳-۱۹۵) اور (فرمایا) کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔
اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا (۱۸-۳۰) ہم نیک عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔
وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَکُمْ (۲-۱۴۳) اور خدا ایسا نہیں جو تمہارے عمل کو یونہی کھو دے۔
لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (۹-۱۲۰) خدا نیک کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔
ضَیْعَۃُ الرَّجُلِ۔ کے معنی جائیداد کے ہیں کیونکہ اگر اس کی نگہداشت نہ کی جائے تو وہ ضائع ہو جاتی ہے اس کی جمع ضِیَاعٌ آتی ہے تَضَیَّعَ الرِّیْحُ ہوا کا اس قدر تند ہونا کہ جس چیز پر سے گزرے اسے تلف کرتی چلی جائے۔

(ض ی ف)

اَلضَّیْفُ (ض) دراصل اس کے معنی کسی جانب مائل ہونا کے ہیں۔ کہا جاتا ہے ضِفْتُ اِلٰی کَذَا میں اس کی طرف مائل ہوا۔ اَضَفْتُ کَذَا اِلٰی کَذَا اسے ایک طرف مائل کر دیا۔
ضَافَتِ الشَّمْسُ لِلْغُرُوْبِ وَتَضَیَّفَتْ سورج مائل بغروب ہو گیا۔ ضاف السہم وتضیف عن الھدف تیر نشانہ سے ایک طرف (ہٹ گیا)
اَلضَّیْفُ۔ اصل میں اسے کہتے ہیں جو تمہارے پاس ٹھہرنے کے لئے تمہاری طرف مائل ہو مگر عرف میں ضیافت مہمان نوازی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اصل میں چونکہ یہ مصدر ہے اس لئے عام طور پر واحد جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر کبھی اس کی جمع اَضْیَافٌ وَضُیُوْفٌ وَضِیْفَانٌ بھی آجاتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔
ھَلْ اَتَاکَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰھِیْمَ (۵۱-۲۴) بھلا

---

[1] ہذا قول سیبویہ یحکی عن ثعلب وغیرہ من العلماء عزہی وسعلی وقال الکسائی انہما مصدران

تمہارے پاس ابراہیم . . . . کے مہمانوں کی خبر پہنچی ہے۔
وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ (۱۱-۷۸) اور میرے مہمانوں
کے بارے میں میری آبرو نہ کھوؤ۔
اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَیْفِیْ (۱۵-۶۸) یہ میرے مہمان ہیں۔
اِسْتَضَفْتُ فُلَانًا فَاَضَافَنِیْ میں نے فلاں سے
مہمان نوازی طلب کی تو میری مہمانی کی اِضِفْتُہٗ
ضَیْفًا کے معنی کسی کی مہمانی کرنے کے ہیں اور میزبان کو
ضَائِفٌ اور ضَیِّفٌ بھی کہا جاتا ہے۔
علمائے نحو کے نزدیک اَلْاِضَافَۃُ کا لفظ اس اسم
مجرور کے متعلق استعمال ہوتا ہے جس سے پہلے کوئی
اسم (مضاف) ہو اور بعض کے نزدیک اسم اضافی
ہر اس اسم کو کہتے ہیں جس کا ثبوت یا فہم دوسرے
پر موقوف ہو جیسے اَبٌ، اِبْنٌ، اَخٌ، صَدِیْقٌ کہ
ان سب کا وجود دوسرے اسماء کے حصول پر موقوف
ہے۔ اس لئے اس قسم کے اسماء کو اسماء متضائفہ کہا
جاتا ہے۔

(ض ی ق)

اَلضِّیْقُ وَالضَّیْقُ کے معنی تنگی کے
ہیں اور یہ سَعَۃٌ کی ضد ہے اور ضَیْقَۃٌ
کا لفظ فقر، بخل، غم اور اس

قسم کے دوسرے معانی میں استعمال ہوتا ہے
چنانچہ آیت کریمہ:۔
ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا (۱۱-۷۷) کے معنی یہ ہیں کہ وہ انکے
مقابلے سے عاجز ہوگئے۔ اور آیات:۔
وَضَآئِقٌ بِهٖ صَدْرُكَ (۱۱-۱۲) اور اس خیال سے
سے تمہارا دل تنگ ہو۔ وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ
(۲۶-۱۳) اور میرا دل تنگ ہوتا ہے۔
یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا (۶-۱۲۵) اس کا سینہ
تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے۔ حَتّٰۤی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ
الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ
(۹-۱۱۸) یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے
ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں بھی ان پر دوبھر ہوگئیں۔
وَلَا تَكُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ (۶-۱۲۷) اور جو یہ بد
اندیشی کرتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہو یہں ضَیْقٌ بمعنی
غم ہے۔ اور آیت کریمہ:۔ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ
لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ (۶۵-۶) اور ان کو تنگ کرنے کے
لئے تکلیف نہ دو میں تَضْیِیْقٌ کا لفظ نان و نفقہ
میں بخل اور دلی تنگی یعنی غم کو شامل ہے۔
اور ضَاقَ وَاَضَاقَ فَهُوَ مُضِیْقٌ کے معنی محتاج ہونا بھی آتے
ہیں اور فقر پر بھی ضَیْقٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اس کے
بالمقابل غنا کو وُسْعَۃٌ سے تعبیر کر لیتے ہیں۔

کتاب الطاء

(ط ب ع)

اَلطَّبْعُ (ف) کے اصل معنی کسی چیز کو ڈھال کر کوئی شکل دینا کے ہیں مثلاً طَبْعُ السِّکَّۃِ وَطَبْعُ الدَّرَاہِمِ یعنی سکہ یا دراہم کو ڈھالنا یہ خَتْمٌ سے زیادہ عام اور نَقْشٌ سے زیادہ خاص ہے۔ اور وہ آلہ جس سے مہر لگائی جائے اسے طَابَعٌ وَخَاتَمٌ کہا جاتا ہے اور مہر لگانے والے کو طَابِعٌ مگر کبھی یہ طَابَعٌ کے معنی میں بھی آجاتا ہے اور یہ نِسْبَۃُ الْفِعْلِ اِلَی الْاٰلَۃِ کے قبیل سے ہے جیسے سَیْفٌ قَاطِعٌ قرآن میں ہے:۔

فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (۳-۶۳) تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔

کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ (۳۰-۵۹) اسی طرح خدا ان کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے مہر لگا دیتا ہے۔

کَذٰلِکَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ (۱۰-۷۴) اس طرح ہم زیادتی کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔

اور یہ بحث آیت خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ میں گزر چکی ہے۔

اور نقش کرنے کے اعتبار سے سَجِیَّۃٌ (خلقی عادت) کو طَبْعٌ یا طَبِیْعَۃٌ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی دل پر بمنزلہ نقش کے ہوتی ہے۔ عام اس سے کہ پیدائشی ہو یا عادت ہونے کے اعتبار سے لیکن عام طور پر اس کا استعمال خلقی عادت پر ہوتا ہے۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے[1] (۔۔۔)

(۲۸۷) فَتَاْبَی الطِّبَاعُ عَلَی النَّاقِلِ

کہ طبیعت کا بدلنا ممکن نہیں ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے آگ یا کسی دوا کا جو مزاج بنایا ہے اس خصوصی مزاج کو ان کی طبیعت کہا جاتا ہے۔

اور طَبْعُ السَّیْفِ کے معنی تلوار کا زنگ اور میل کچیل کے ہیں رَجُلٌ طَبِعٌ گندے اخلاق والا چنانچہ بعض نے آیات طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (۹-۹۳) خدا نے ان کے دلوں پر مہر کر دی۔ کَذٰلِکَ یَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِ الْکٰفِرِیْنَ (۷-۱۰۱) اسی طرح خدا کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔

---

[1] راجع (خ ت م)۔ [2] قالہ المتنبی فی قصیدۃ لہ یمدح بہا سیف الدولۃ ویذکر استنقاذہ ابا وائل من اسر الخوارج مطلعہا:۔ ولام الطماعۃ الغافل۔ ولاراٰی فی الحب العاذل والبیت فی دیوانہ ۲۰۷ طبع ہندیۃ مصر (۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳م) وصدر البیت: یراد من القلب نسیانکم وانظر للبیت ایضاً محاضرات المؤلف (۳-۱۰۲) فی خلاصۃ وشرح ادب الدنیا والدین للماوردی ۱۸۲ ٭

ہیں طَبْعٌ کے معنی دلوں کو زنگ آلود یعنی گندہ کر دینا کئے ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا:۔
بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ (۸۳-۱۴) بلکہ ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔
اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ (۵-۴۱) یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو خدا نے پاک کرنا نہیں چاہا۔
بعض نے کہا ہے کہ طَبَعْتُ الْمِكْيَالَ کے معنی ہیں میں نے پیمانے کو لبالب بھر دیا کیونکہ اس کا بھر جانا بھی گویا اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس میں اب کوئی اور چیز نہیں آسکتی اور طَبْعٌ بمعنی مَطْبُوْعٌ (بھرا ہوا) آتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے[1] (رمل)
(۲۸۸) كَزَوَايَا الطَّبْعِ هَمَّتْ بِالْوَحَلْ
انکی حالت ان اونٹوں کی سی تھی جن پر پانی کے مشکیزے لدے ہوئے ہوں اور وہ دلدل میں پھنس گئے ہوں۔

(ط ب ق)

اَلْمُطَابَقَةُ اسمائے متضایفہ سے ہے جس کے معنی ایک چیز کے اوپر اس کے برابر دوسری چیز رکھنا اسی سے طَابَقْتُ النَّعْلَ ہے جس کے معنی کسی کے نقش قدم پر چلنا کے ہیں۔
شاعر نے کہا ہے[2] (   )
(۲۸۹) اِذَا لَاوَذَ الظِّلَّ الْقَصِیْرَ بِخُفِّهٖ ۔ وَكَانَ طِبَاقَ الْخُفِّ اَوْ قَلَّ زَائِدًا
پھر طِبَاقٌ کا لفظ کبھی اس چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے جو دوسری کے اوپر ہو اور کبھی اس چیز کو کہتے ہیں جو دوسری کے مطابق اور موافق ہو جیسا کہ تمام ان الفاظ کا حال ہے جو دو معنوں کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور پھر کسی ایک معنی میں استعمال ہونے لگے ہوں۔ جیسے کَاْسٌ وَرَاوِیَةٌ وَغَیْرُھُمَا چنانچہ آیت کریمہ:۔
اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (۶۷-۳) کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اوپر تلے بنائے۔ اور آیت کریمہ:۔
لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ (۸۴-۱۹) کے معنی یہ ہوں گے کہ تم ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف بلند ہوتے چلے جاؤ گے اور یہ ان مختلف احوال و مراتب کی طرف اشارہ ہے جن پر سے انسان گذر کر ترقی کے منازل طے کرتا ہے اور اس تدریجی ارتقاء کیطرف آیت وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ الْاٰیَة (۳۵-۱۱) اور خدا ہی نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے۔ میں اشارہ فرمایا ہے۔
نیز آخرت میں حشر و نشر حساب و کتاب اور پلصراط سے لے کر جنت اور دوزخ میں پہنچنے تک جو مختلف حالات انسان کو پیش آنے والے ہیں ان کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے اور ایک جماعت جو باہم مطابقت اور موافقت رکھتی ہو اس کے متعلق کہا جاتا ہے ھُمْ فِیْ اُمِّ طَبَقٍ۔ نیز کہا جاتا ہے:۔ اَلنَّاسُ طَبَقَاتٌ لوگوں کے مختلف طبقے ہیں طَابَقْتُهٗ عَلٰی كَذَا وَتَطَابَقُوْا وَاَطْبَقُوْا

---

[1] قال لبید فی اللذین حاجوہ عند النعمان بن المنذر فاجحض حجتهم حتی زلقوا فلم یتکلموا فشبههم بروایا مثقلة ارتطمت فی الوحل فلم تستطع الخروج وأوله: فتولوا فاترا مشیهم ... وقبله: والهبانیق قیام معهم کل مجموم اذا صب همل - والبیت فی الاساس والمحکم (طبع)، دوی، ودیوانه ۳۹ والاقتضاب ۳۸۴ وتهذیب الالفاظ (۱۰:۱) والاصلاح لیعقوب ۹ والمعانی للقتبی ۲۷۷ قال فی الاصطلاح: الطبع النهر وجمعه اطباع وطبوع قال لبید .. کذا قال الاصمعی ۱۲ سـ والبیت ایضا فی التاج بغیر عزو۔

✣ ✣ ✣ ✣ ✣

عَلَيْهِ باہم مطابق ہونا اسی سے جَوَابٌ يُطَابِقُ
السُّؤَالَ کا محاورہ ہے یعنی جواب سوال کے عین
مطابق ہے۔
اَلْمُطَابَقَةُ اس آدمی کی طرح چلنا جس کے پاؤں
میں بیڑیاں پڑی ہوں اَلطَّبَقُ وَالطِّبَاقُ (۱)
تھالی یا طباق جس پر خروٹ رکھتے ہیں (۲) ہر چیز
کا ڈھکنا نیز (۳) پیٹھ کے مہروں میں سے ہر مہرہ کو
طَبَقٌ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ باہم مطابق ہوتے ہیں
اور طَبَّقْتُهُ بِالسَّيْفِ کا محاورہ بھی مُطَابَقَةُ
الْمَفْصِلِ کی مناسبت سے استعمال ہوتا ہے اور
اس کے معنی ہیں میں نے ٹھیک اس کے جوڑ
میں تلوار ماری اور اسے الگ کر دیا۔
طَبَقُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ رات اور دن کی ساعات جو
باہم مطابق ہوں اَطْبَقْتُ عَلَيْهِ الْبَابَ میں نے
اس پر دروازہ بند کر دیا رَجُلٌ عَيَايَاءُ طَبَاقَاءُ آنکہ
بروئے سخن بستہ گردد۔ یہ اَطْبَقْتُ الْبَابَ
کے محاورہ سے ماخوذ ہے اور فَحْلٌ طَبَاقَاءُ اس
سانڈھ کو کہتے ہیں جو جفتی سے عاجز ہو اور بڑی مصیبت
کو بِنْتُ الطَّبَقِ کہا جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے وَافَقَ
شَنٌّ طَبَقَةَ[1] کہ شن طبقہ کے موافق ہو گئی اور
شَنٌّ ۔ طَبَقَةٌ دو قبیلوں کے نام ہیں[2]۔

(ط ح و ، ی)

طحو اور دحو دونوں ہم معنی ہیں اور ان کے
معنی کسی چیز کو پھیلانے اور لے جانیکے ہیں۔ قرآن میں ہے:
وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا (۹۱-۶) اور زمین اور اس کی
جس نے اسے پھیلایا۔
شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)
(۲۷۹) طَحَا بِكَ قَلْبٌ فِي الْحِسَانِ طَرُوبُ
تجھے حسن پرست دل کہاں سے کہاں لے گیا۔

(ط ر ح)

اَلطَّرْحُ کے معنی کسی چیز کو پھینکنے اور دور کر دینے
کے ہیں اور دور دراز مقام کو اَلطَّرُوحُ کہا جاتا ہے۔
محاورہ ہے۔
رَأَيْتُهُ مِنْ طَرَحٍ میں نے اسے دور سے دیکھا۔
اَلطِّرْحُ پھینکی ہوئی چیز جس کی کسی کو ضرورت نہ ہو
قرآن میں ہے:
اُقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا (۱۲-۹) تو
یوسف کو یا تو جان سے مار ڈالو یا کسی دور دراز ملک
میں پھینک آؤ۔

---

[1] مثل یضرب للمتوافقین فی امر انظر لقصتہا مثل المیدانی ۲ ر ۲۵۹ واللسان (طبق) واصلاح یعقوب ۳۲۲ وفی تاریخ الطبری ... وافقوا فاعتنقوا (الصحاح)، [2] قاله علقمة ... ابیاتا یا ابا حبیب بن خدرة مولی بلال بن عامر والمثل فی المحاضرات ۳ ر ۲۱۵ وبعدہ : ... بن ... وتمامه : بعید الشباب عصر حان مشیب والبیت من کلمة مفضلیة فی ۴۳ بیتا یمدح فیها الحارث بن جبلة الغسانی وکان ... قد اسر ... من تمیم ... من اسیہ ... مشہورات الثلاث راجع العمدة لابن رشیق (۱ : ...) وانظر للبیت شواہد المغنی (۲ : ۱۵۱ ر ۴ : ۱۰۵) والشعراء ۲۰۵۰ / ۱۱۰ وشواہد الشافیہ ۴۹۶ والعمدة (۱ : ۵۶) والمعاہد (۱ : ...) واضداد سجستانی ۹۴ واضداد ابن الانباری ۳۹۴ وابن ابی الطیب ۲۰۴ والعقد الثمین ۱۰۵ وایام العرب ۵۵ والمعلقات بشرح ابن الانباری ۱۷۴ وامالی ابن الشجری (۲ : ۲۷۶) والاغانی (۱۴ : ۲۸۲ / ۲ : ۱۱۲) والموشح ۹۳ واللسان (طحا) ومختار ... (۱ : ۱۹۳) والصناعتین لابن سلام ... وعدہ من ثلاث روائع لا یلفوقہن شعر ۱۲

(ط ر د)

اَلطَّرْدُ (ن) کسی کو حقیر اور ذلیل سمجھ کر دور کر دینا ہٹا دینا کہا جاتا ہے طَرَدْتُہٗ میں نے اسے بھگا دیا قرآن میں ہے:۔

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ (۱۱-۳۰) برادران ملت! اگر میں ان کو نکال دوں تو عذاب خدا سے کون میری مدد کر سکتا ہے۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ (۶-۵۲) اور ان کو مت نکالو۔

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۱-۲۹) اور میں ان مومنین کو حقیر سمجھ کر اپنے پاس سے نکالنے والا بھی نہیں ہوں۔

فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (۶-۵۲) اگر ان کو نکالو گے تو ظالموں میں ہو جاؤ گے۔

اَطْرَدَهُ السُّلْطَانُ وَطَرَدَهٗ بادشاہ نے اسے شہر بدر کر دیا اور جہاں سکونت پذیر تھا وہاں سے نکال دینے کا حکم صادر فرمایا۔

طَرْدٌ وَطَرِيْدَةٌ وہ شکار جسے اس کی جگہ سے نکال بھگایا جائے مُطَارَدَةُ الْاَقْرَانِ ہمسروں کا ایک دوسرے پر حملہ کر کے مدافعت کرنا۔

اَلْمِطْرَدُ دھبگانے کا آلہ اِطِّرَادُ الشَّیْءِ کسی چیز کا پے در پے آنا۔

(ط ر ف)

اَلطَّرَفُ کے معنی کسی چیز کا کنارہ اور سرا کے ہیں اور یہ اجسام اور اوقات دونوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ (۲۰-۱۳۰) اور ..... اس کی تسبیح بیان کرو اور دن کے اطراف میں۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ (۱۱-۱۱۴) اور دن کے دونوں سروں (یعنی صبح اور شام کے اوقات میں) نماز پڑھا کرو۔

اور اس سے بطور استعارہ نجیب الطرفین کو كَرِيْمُ الطَّرَفَيْنِ کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ طَرَفَيْنِ کے معنی زبان اور ستر کے ہیں اور یہ عفت کی طرف اشارہ ہے۔

طَرْفُ الْعَيْنِ آنکھ کی پلک اور اَلطَّرْفُ کے اصل معنی پلک جھپکنے کے ہیں اور پلک جھپکنے کو دیکھنا لازم ہے اس لئے الطرف کے معنی دیکھنا بھی آ جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ (۲۷-۴۰) میں آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے پہلے۔ اور آیت کریمہ:۔

فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ (۵۵-۵۶) ان میں نیچی نگاہ والی عورتیں ہیں۔ میں قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ کے معنی یہ ہیں کہ عفیف ہونے کی وجہ سے انکی نگاہیں ہمیشہ نیچے جھکی رہتی ہیں۔

طُرِفَ فُلَانٌ اس کی نظر کو صدمہ پہنچا۔ اور آیت کریمہ:۔

لِيَقْطَعَ طَرَفًا (۳-۱۲۷) تاکہ .. ایک جماعت کو ہلاک کر دے۔ میں قطع کرنے کو ایک طرف کیساتھ مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کو نابود کرنے کے لئے اس کی ایک جانب سے شروع ہوا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ آیت:۔

نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا (۱۳-۴۱) ہم زمین کو اس کے کناروں سے کم کرتے چلے آتے ہیں۔ میں بھی کم کرنے کو اطراف کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔

اَلطِّرَافُ کے معنی چرمی خیمہ کے ہیں جس کے اطراف کو اوپر اٹھا دیا جاتا ہے۔

مِطْرَفُ الْخَزِّ وَمُطْرَفٌ منقش چادر جس کے کنارے ریشمی ہوں۔ ج مَطَارِفُ

أَطْرَفْتُ مَالًا میں نے تازہ مال حاصل کیا۔
نَاقَةٌ طَرِفَةٌ وَمُسْتَطْرِفَةٌ وہ اونٹنی جو وحوش کی طرح چراگاہ کے اطراف سے گھاس کھائے اور جو گھاس وہ جانور کھاتا ہے اسے طَرِيفٌ کہا جاتا ہے اور طَرِيفٌ کے معنی نیا حاصل کردہ مال بھی آتے ہیں نیز جو شخص ایک عورت پر صبر نہ کرے اسے بھی طَرِيفٌ کہہ دیتے ہیں۔
اَلطِّرْفُ عمدہ نسل کا گھوڑا جس کے حسن کے سبب اس کی طرف نگاہیں اٹھتی ہوں دراصل طِرْفٌ بمعنی مَطْرُوفٌ آتا ہے یعنی جسے نظر اٹھا کر دیکھا جائے جیسا کہ نِقْضٌ بمعنی مَنْقُوضٌ آجاتا ہے اسی اعتبار سے خوبصورت چیز کو جس پر نظر جم جائے اسے قَيْدُ النَّوَاظِرِ کہا جاتا ہے۔

(ط ر ق)

اَلطَّرِيقُ کے معنی راستہ ہیں جس پر چلا جاتا ہے قرآن میں ہے:۔
فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ (۲۰-۷۷) پھر ان کے لئے دریا میں راستہ بنا دو۔
اسی سے بطور استعارہ ہر اس مسلک اور مذہب کو طریق کہا جاتا ہے جو انسان کوئی کام کرنے کے لئے اختیار کرتا ہے عام اس سے کہ وہ فعل محمود ہو یا مذموم۔ قرآن میں ہے:۔
وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلَىٰ (۲۰-۶۳) اور تمہارے بہتر مذہب کو نابود کر دیں۔
اور ما شتداد میں راستہ کے ساتھ تشبیہ دے کر کھجور کے لمبے درخت کو بھی طَرِيقَةٌ کہہ دیتے ہیں۔
اَلطَّرْقُ کے اصل معنی مارنے کے ہیں مگر یہ ضَرْبٌ سے زیادہ خاص ہے۔ کیونکہ طَرْقٌ کا لفظ چٹاخ سے مارنے پر بولا جاتا ہے جیسے ہتھوڑے سے لوہے کو کوٹنا بعد ازاں ضَرْبٌ کی طرح طَرْقٌ کے لفظ میں بھی وسعت پیدا ہو گئی ہے چنانچہ بطور استعارہ کہا جاتا ہے۔
طَرْقُ الْحَصَى کاہن کا اپنی کہانت کے لئے کنکر مارنا
طَرْقُ الدَّوَابِّ چوپائے جانوروں کا پانی میں داخل ہو کر اسے پاؤں سے گدلا کر دینا۔ طَارَقْتُ النَّعْلَ وَطَرَقْتُهَا میں نے جوتے کے ایک پرتلہ پر دوسرا رکھ کر اسے سی دیا۔ پھر طَرْقُ النَّعْلِ کی مناسبت سے طَارَقَ بَيْنَ الدِّرْعَيْنِ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ایک زرہ کے اوپر دوسری زرہ پہننا کے ہیں طَرْقُ الْخَوَافِي پرند کے اندرونی پروں کا تہ بہ تہ ہونا اور اَلطَّارِقُ کے معنی ہیں راستہ پر چلنے والا۔ مگر عرف میں بالخصوص اس مسافر کو کہتے ہیں جو رات میں آئے چنانچہ طَرَقَ أَهْلَهُ طُرُوقًا کے معنی ہیں وہ رات کو آیا اور اَلنَّجْمُ ستارے کو بھی اَلطَّارِقُ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بالخصوص رات کو ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ (۸۶-۱) آسمان اور رات کو آنے والے کی قسم۔ شاعر نے کہا ہے[1] (الرجز)

---

[1] تمثلت بہ ہند بنت عتبہ بن ربیعہ یوم احد تحض علی المسلمین (ابن ہشام ۵۶۲ وابن الانباری ۴۰) والرجز فی الاصل بہند بنت بیاضۃ الایادیہ قالتہ فی حرب الفرس لایاد وبعدہ؛ لانخشی لواثق نمشی علی النمارق۔ المسک فی المفارق۔ راجع اللسان (طرق) والاقتضاب ۲۱۸ والبحر (۷: ۲۲۱) والعرابۃ ثلاثین ۳۸ وایام العرب ۱۳۰ والسیوطی ۲۷۳ والمعانی القتبی ۳۴۵ وروض الانف (۲: ۱۲۹) وقد جاء بعض ہذا الرجز منسوبا لامرأۃ من بنی عجل انشدتہ یوم ذی قار (راجع التاریخ للطبری (۲: ۲۱۵) ومنسوبا لابنۃ للفند الزمانی انشدتہ یوم التحالف من ایام حرب بکر وتغلب (الاغانی ۲۰: ۱۴۴) ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

(۲۹۱) نَحْنُ بَنَاتُ طَارِقٍ

ہم طارق یعنی سردار کی بیٹیاں ہیں۔

طَوَارِقُ اللَّيْلِ وہ مصائب جو رات کو نازل ہوں۔

طُرِقَ فُلَانٌ رات میں صدمہ پہنچا۔

شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۲۹۲) كَأَنِّي أَنَا الْمَطْرُوقُ دُونَكَ بِالَّذِي
طُرِقْتَ بِهِ دُونِي وَعَيْنِي تَهْمُلُ

(میں اس طرح بے چین ہوتا ہوں گویا وہ مصیبت جو رات کو تجھ پر آتی ہے مجھے پہنچ رہی ہے۔ اور میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوتے ہیں۔

اور معنی ضرب یعنی مارنے کے اعتبار سے کہا جاتا ہے۔

طَرَقَ الْفَحْلُ النَّاقَةَ (اونٹ کا ناقہ سے جفتی کرنا)

أَطْرَقْتُهَا میں نے سانڈھ کو اونٹنی پر چھوڑا۔

اِسْتَطْرَقْتُ فُلَانًا الْفَحْلَ میں نے فلاں سے جفتی کے لئے سانڈھ طلب کیا اور یہ محاورات ضَرَبَهَا الْفَحْلُ وَأَضْرَبْتُهَا وَاسْتَضْرَبْتُهُ کی طرح استعمال ہوتے ہیں اور اس ناقہ کو جو گابھن ہونے کے قابل ہو جائے اسے طَرُوقَةٌ کہا جاتا ہے اور بطور کنایہ طَرُوقَةٌ بمعنی عورت بھی آجاتا ہے۔

أَطْرَقَ فُلَانٌ فلاں نے نگاہیں نیچی کرلیں۔ گویا اس کی نگاہ زمین کو مارنے لگی جیسا کہ مِطْرَقَةٌ (ہتھوڑے) سے کوٹا جاتا ہے اور طَرِيقٌ بمعنی راستہ کی مناسبت سے جَاءَتِ الْإِبِلُ مَطَارِيقَ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے یعنی اونٹ ایک ہی راستہ سے آئے اور تَطَرَّقَ إِلَى كَذَا کے معنی ہیں کسی چیز کی طرف رستہ بنانا طَرَّقْتُ لَهُ کسی کے لئے راستہ ہموار کرنا۔

اَلطَّرِيقُ کی جمع طُرُقٌ آتی ہے اور طَرِيقَةٌ کی جمع طَرَائِقُ۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔

كُنَّا طَرَائِقَ قِدَدًا (۷۲-۱۱) کے معنی یہ ہیں کہ ہم مختلف مسلک رکھتے تھے اور یہ آیت کریمہ:۔

هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ (۳-۱۶۳) ان لوگوں کے خدا کے ہاں (مختلف اور متفاوت) درجے ہیں۔ کی مثل ہے (یعنی جیسا کہ یہاں درجات سے مراد اصحاب الدرجات ہیں اسی طرح طرائق سے اصحاب طرائق مراد ہیں) اور آسمان کے طبقات کو بھی طَرَائِقُ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ (۲۳-۱۷) ہم نے تمہارے اوپر کی جانب سات طبقے پیدا کئے۔

رَجُلٌ مَطْرُوقٌ نرم اور سست آدمی یہ هُوَ مَطْرُوقٌ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی مصیبت زدہ کے ہیں یعنی مصائب نے اسے کمزور کر دیا جیسا کہ مصیبت زدہ آدمی کو مَقْرُوعٌ یا مَدْحُوخٌ کہا جاتا ہے یا یہ نَاقَةٌ مَطْرُوقَةٌ کے محاورہ سے ماخوذ ہے اور یہ ذلت میں اونٹنی کیساتھ تشبیہ دیکر بولا جاتا ہے۔

(ط ر ی)

اَلطَّرِيُّ تر و تازہ۔ قرآن میں ہے:۔

---

[1] قالہ امیۃ بن الصلت فی قصیدۃ یشکو فیہا عقوق ابنہ فی سبعۃ المناسبۃ مع المرزوقی تم ہم ۵ ۲ واختلف فی قائلھا قال التبریزی تروی لابن عبدالاعلی وقیل لابی العباس الاعمی قال ابو ہلال اوردھا ابو عبیدۃ فی اخبار العققۃ فی البررۃ ونسبہ فی العیون (۳ : ۸۷) لیحیی بن سعید ولیس لہ لان قائلہا انشدہا بین یدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما فی الصغیر للطبرانی ۱۹۵ فاخذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بتلابیب ابو لاد وسلمہ لوالدہ قائلا لہ "انت ومالک لابیک" انظر ایضا الاغانی (۳ : ۱۹۱) وتراجم امیۃ بن ابی الصلت فی الاصابۃ رقم ۵۰۲ والخزانۃ (۱ : ۱۱۹ - ۱۲۲) وابن سلام (۶۳ ۔ ۶۴) والاشتقاق ۴۸ والاغانی (۳ : ۱۷۹ - ۱۸۵) (۴ : ۶۹ - ۷۲) وابن قتیبۃ ۲۹۶ - ۴۳۲ ۞ ۞ ۞

لَحْمًا طَرِيًّا (۱۶-۱۴) تازہ گوشت (کھاؤ)۔
طَرِيًّا کا مصدر طَرَاءٌ وَطَرَاوَةٌ آتا ہے جس کے معنی تر و تازہ ہونا کے ہیں۔ محاورہ ہے:۔
طَرَّيْتُ كَذَا فَطَرِيَ میں نے اسے تازہ کیا چنانچہ وہ تازہ ہو گیا۔ اسی سے نئے اور تازہ کئے ہوئے کپڑوں کو مُطَرَّاةٌ کہا جاتا ہے اور اِطْرَاءٌ اس تعریف کو کہتے ہیں جس سے ممدوح کی یاد تازہ ہو جائے اور (طَرَءَ) (مہموز) کے معنی طَلَعَ یعنی اچانک طلوع ہونے کے ہیں۔

(ط س)

طٰسٓ یہ حروف مقطعات سے ہیں اور طَسْتٌ وَطَسُوْمٌ سے مشتق نہیں ہے جیسے کہ بعض نے سمجھا ہے۔

(ط ع م)

اَلطَّعْمُ (س) کے معنی غذا کھانے کے ہیں اور ہر وہ چیز جو بطور غذا کھائی جائے اسے طَعْمٌ یا طَعَامٌ کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ (۵-۹۶) اور اس کا طعام جو تمہارے فائدہ کے لئے۔
اور کبھی طعام کا لفظ خاص کر گیہوں پر بولا جاتا ہے جیسا کہ ابو سعید الخدری سے روایت ہے[1] اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِصَدَقَةِ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ۔ کہ آنحضرت نے صدقہ فطر میں ایک صاع طعام یا ایک صاع جو دینے کا حکم دیا۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ (۶۹-۳۶) اور نہ پیپ کے سوا اس کے لئے کھانا ہے۔
وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ (۷۳-۱۳) اور گلو گیر کھانا ہے۔
طَعَامُ الْاَثِيْمِ (۴۴-۴۴) گنہگار کا کھانا ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (۱۰۷-۳) اور فقیر کو کھانا کھلانے کے لئے لوگوں کو ترغیب نہیں دیتا۔ میں طَعَامٌ بمعنی اِطْعَامٌ یعنی کھانا کھلانا کے ہے۔
فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا (۳۳-۵۳) اور جب کھانا کھا چکو تو چل دو۔
لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا (۵-۹۳) جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے۔
بعض نے کہا ہے کہ کبھی طَعِمْتُ بمعنی شَرِبْتُ آجاتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔
فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ (۲-۲۴۹) جو شخص اس میں سے پانی پی لے گا (اس کی نسبت تصور کیا جائے گا کہ) میرا نہیں۔
بعض نے کہا ہے کہ یہاں مَنْ لَّمْ يَشْرَبْهُ کی بجائے وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ کہہ کر اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس طرح چلو بھر سے زیادہ محض پانی کا استعمال ممنوع ہے اسی طرح طعام کے ساتھ بھی اس مقدار سے زائد پانی پینا ممنوع ہے کیونکہ جو پانی کھانے کے ساتھ پیا جاتا ہے اس

---

[1] اخرجه الائمة الستة في كتبهم مختصرا ومطولا وذكر الحافظ في الفتح ان ابن المنذر رد على من استدل من هذا الحديث ان المراد من الطعام الحنطة وقال تفسير ابي سعيد مخالف لهذا الاستدلال ولفظه قال ابو سعيد كان طعامنا الشعير والزبيب والاقط والتمر وهي ظاهرة فيما قال لكن في رواية عطف الشعير على الطعام وهو يدل على المغايرة واورد الحافظ بعده رواية من ثلاث طرق والله اعلم ؛

پر بھی طَعِمْتُ کا لفظ بولا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اگر مَنْ لَّمْ يَتَنَاوَلْهُ لایا جاتا تو اس سے کھانے کے ساتھ پانی پینے کی ممانعت ثابت نہ ہوتی اس کے برعکس يَطْعَمْهُ کے لفظ سے یہ ممانعت بھی ثابت ہو جاتی اور معین مقدار سے زائد پانی کا پینا بہر حالت ممنوع ہو جاتا ہے۔ اور ایک حدیث (۲۰) میں آنحضرت نے زمزم کے پانی کے متعلق اِنَّهٗ طَعَامُ طُعْمٍ وَّ شِفَاءُ سُقْمٍ (کہ یہ کھانے کا کھانا اور بیماری سے شفا ہے) فرما کر تنبیہ کی ہے کہ بیر زمزم کے پانی میں غذائیت بھی پائی جاتی ہے جو دوسرے پانی میں نہیں ہے۔

اِسْتَطْعَمْتُهٗ فَاَطْعَمَنِیْ میں نے اس سے کھانا مانگا چنانچہ اس نے مجھے کھانا کھلایا۔ قرآن میں ہے:۔

اِسْتَطْعَمَا اَهْلَهَا (۱۸-۷۷) اور ان سے کھانا طلب کیا۔

وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ (۲۲-۳۶) اور قناعت سے بیٹھے رہنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ (۷۶-۸) اور وہ ..... کھانا کھلاتے ہیں۔

اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَاءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗ (۳۶-۴۷) بھلا ہم ان لوگوں کو کھانا کھلائیں جن کو اگر خدا چاہتا تو خود کھلا دیتا۔

اَلَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ (۱۰۶-۴) جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا۔

وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ (۶-۱۴) وہی سب کو کھانا کھلاتا ہے اور خود کسی سے کھانا نہیں لیتا۔

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ (۵۱-۵۷) اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھانا کھلائیں۔

اور علیہ السلام نے فرمایا (۲۱) اِذَا اسْتَطْعَمَكُمُ الْاِمَامُ فَاَطْعِمُوْهُ یعنی جب امام نماز میں تم سے لقمہ طلب کرے یعنی بھول جائے تو اسے بتا دو۔ رَجُلٌ طَاعِمٌ خوش حال آدمی رَجُلٌ مُّطْعَمٌ جس کو وافر رزق ملا ہو مِطْعَمٌ نیک خورندہ مِطْعَامٌ بہت کھلانے والا، مہمان نواز طُعْمَةٌ کھانے کی چیز۔ رزق۔

(ط ع ن)

اَلطَّعْنُ (ف) کے معنی نیزہ، سینگ وغیرہ کسی تیز اور نوکیلی چیز کے ساتھ زخم کرنے کے ہیں تَطَاعَنُوْا وَاطَّعَنُوْا انہوں نے ایک دوسرے کو نیزہ مارا پھر استعارہ کے طور پر کسی پر الزام لگانے یا اس کی بدگوئی کرنے کے معنی میں بھی طعن کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَطَعْنًا فِی الدِّیْنِ (۴-۴۶) اور دین میں طنز کی راہ سے۔

وَطَعَنُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ (۹-۱۲) اور تمہارے دین میں طعنے کرنے لگیں۔

(ط غ و (ی))

طَغَوْتُ وَطَغَیْتُ طَغْوَانًا وَطُغْیَانًا کے معنی طغیان اور سرکشی کرنے کے ہیں اور اَطْغَاہُ (افعال) کے معنی ہیں اسے طغیان سرکشی پر ابھارا اور طغیان کے معنی نافرمانی میں حد سے تجاوز کرنا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

اِنَّهٗ طَغٰی وہ بے حد سرکش ہو چکا ہے۔

۱۔ راجع تحدیث الفائق (۱/۳۱۴) وفیہ "انہا" والعائد لزمزم والسان (طعم) وفی الطیالسی عن ابی ذر وانہا المبارکۃ راجع الفتح الکبیر للنبہانی ۱/۲۸۴ ۔ ۲۔ قالہ علی راجع النیل ۲/۳۲۹ والفتح الاثر فی الفائق ۲/۴۲۴ قال وہذہ من باب التمثیل

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى (۹۶-۶) مگر انسان سرکش ہو جاتا ہے۔

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى (۲۰-۴۵) دونوں کہنے لگے کہ ہمارے پروردگار ہمیں خوف ہے کہ ہم پر تعدی کرنے لگے یا زیادہ سرکش ہو جائے۔

وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِیْ ۔ (۲۰-۸۱) اور اس میں حد سے نہ نکلنا ورنہ تم پر میرا عذاب نازل ہوگا۔

فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا (۱۸-۸۰) ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ بڑا ہو کر بدکردار ہوتا کہیں ان کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے۔

فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (۲-۱۵) کہ بے حد سرکشی میں پڑے بہک رہے ہیں۔

اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۔۔۔۔ (۱۷-۶۰) بے حد سرکشی

وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ (۳۸-۵۵) اور سرکشوں کے لئے برا ٹھکانا ہے۔

قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ (۵۰-۲۷) اس کا ساتھی شیطان کہے گا اے ہمارے پروردگار میں نے اسے گمراہ نہیں کیا تھا۔

اَلطَّغْوٰی (اسم) طغیان یعنی بے حد سرکشی اور آیت کریمہ:۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَآ (۹۱-۱۱) قوم ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب پیغمبر کو جھٹلایا۔

میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ قوم ثمود کو جب ان کی سرکشی کی پاداش سے ڈرایا گیا تو انہوں نے یقین نہ کیا اور آیت کریمہ:۔

هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى (۵۳-۵۲) وہ لوگ بڑے ہی ظالم اور بڑے ہی سرکش تھے۔

میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ سرکشی کسی حالت میں بھی ہلاکت سے نجات نہیں بخش سکتی چنانچہ نوح علیہ السلام کی قوم ان سے بھی زیادہ سرکش تھی لیکن انہیں ہلاک کر دیا گیا اور آیت:۔

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ جب پانی طغیانی پر آیا تو ہم نے ۔۔۔۔۔۔۔ (۶۹-۱۱)

میں پانی کے حد سے تجاوز کر جانے کو مجازاً طغیان سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ (۶۹-۵) سو۔۔۔۔۔۔ کڑک سے ہلاک کر دیئے گئے۔

میں طَاغِيَةٌ سے طوفان کی طرف اشارہ ہے جس کا تذکرہ آیت اِنَّا طَغَا الْمَآءُ میں پایا جاتا ہے[1]

اَلطَّاغُوْتُ سے مراد ہر وہ شخص ہے جو حدود شکن ہو اور ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا پرستش کی جائے اسے طاغوت کہا جاتا ہے اور یہ واحد جمع دونوں میں استعمال ہوتا ہے[2]۔ قرآن میں ہے:۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ (۲-۲۵۶) جو شخص بتوں سے اعتقاد نہ رکھے۔

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ (۳۹-۱۷) اور جنہوں نے بتوں کی۔۔۔۔ اجتناب کیا۔

اَوْلِيٰٓؤُهُمُ الطَّاغُوْتُ ۔۔۔۔۔ (۲-۲۵۷) ان کے دوست شیطان ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ (۴-۶۰) اور چاہتے یہ ہیں کہ اپنا مقدمہ ایک سرکش کے پاس لے جا کر فیصلہ کرائیں۔

---

[1] الآیۃ متعلق بقوم ثمود ولا تعلق لہ بالآیۃ: انا لما طغی الماء [2] نسدیا فی جمعہ علی طواغیت کما ورد فی الحدیث لاتحلفوا باٰبآئکم ولا بالطواغیت

میں طاغوت سے حدود شکن مراد ہے اور نافرمانی میں حد سے تجاوز کی بنا پر ساحر، کاہن، سرکش جن اور ہر وہ چیز جو طریق حق سے پھیرنے والی ہو اسے طَاغُوْتٌ کہا جاتا ہے بعض کے نزدیک یہ فَعَلُوْتٌ[1] کے وزن پر ہے جیسے جَبَرُوْتٌ وَمَلَكُوْتٌ اور بعض کے نزدیک اس کی اصل طَغَوُوْتٌ ہے۔ پھر صَاعِقَةٌ اور صَاقِعَةٌ کی طرح پہلے لام کلمہ میں قلب کیا گیا اور پھر واؤ کے متحرک اور ماقبل کے مفتوح ہونے کی وجہ سے اسے الف سے تبدیل کیا گیا۔

(ط ف ف)

اَلطَّفِيْفُ کے معنی حقیر اور تھوڑی سی چیز کے ہیں اسی سے ناقابل اعتناء چیز کو طُفَافَةٌ کہا جاتا ہے اور طَفَّفَ الْكَيْلَ کے معنی ہیں اس نے پیمانے کو پورا بھر کر نہیں دیا۔ اسمیں کمی کی قرآن میں ہے۔ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ (۸۳-۱) ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے خرابی ہے۔

(ط ف ق)

طَفِقَ يَفْعَلُ كَذَا وہ ایسا کرنے لگا یہ اَخَذَ يَفْعَلُ کی طرح کسی کام کو شروع کرنے کے معنی دیتا ہے اور ہمیشہ کلام مثبت میں استعمال ہوتا ہے لہذا مَا طَفِقَ كَذَا کہنا جائز نہیں ہے۔ قرآن میں ہے:

فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ (۳۸-۳۳) پھر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ (۷-۲۲) اور وہ لگے ،، چپکانے۔

(ط ف ل)

اَلطِّفْلُ جب تک بچہ نرم و نازک رہے اس وقت تک اسے طِفْلٌ کہا جاتا ہے یہ اصل میں مفرد ہے مگر بمعنی جمع بھی آتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:

ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا (۴۰-۶۷) پھر تم کو نکالتا ہے کہ تم بچے ہوتے ہو۔

اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ (۲۴-۳۱) یا ایسے لڑکوں سے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں۔

طِفْلٌ کی جمع اَطْفَالٌ آتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ (۲۴-۵۹) اور جب تمہارے لڑکے بالغ ہو جائیں۔

اور نرم و نازک ہونے کے معنی کی مناسبت سے گداز بدن عورت کو طَفْلَةٌ کہا جاتا ہے۔ اور طَفُلَتْ طُفُوْلَةً وَطَفَالَةً کے نرم و نازک ہونے کے ہیں۔ اور جس عورت کے ساتھ اس کا بچہ ہو اسے مُطْفِلٌ کہا جاتا ہے طَفَّلَتِ الشَّمْسُ اس وقت بولا جاتا ہے جب آفتاب نکلنے کو ہو اور ابھی تک اس کی دھوپ اچھی طرح زمین پر نہ پھیلی ہو۔ شاعر نے کہا ہے۔[2] (الرمل)

(۲۵۳) وَعَلَى الْاَرْضِ غَيَايَاتُ الطَّفَلْ

اور زمین پر تاحال صبح کا سو جھا کا موجود تھا۔

اور طُفَيْلِيٌّ جس کے معنی ایسے کھانا میں شریک ہونا کے ہیں جس پر اسے بلایا نہ گیا ہو۔ کے متعلق بعض نے کہا ہے کہ یہ طَفَلَ النَّهَارُ سے ماخوذ ہے یعنی اس

---

[1] فوزنہ فعلوت [2] قالہ لبید یصف فرسا وصدرہ: فتدلیت علیہ قافلا۔ والبیت فی السمط ۳۴۳ ودیوانہ (۲: ۱۴) وتہذیب الالفاظ ۴۰۰ والاشتقاق ۴۸۰-۳۷ وتبدیل الامالی (۲: ۱۲۱) ... ایضا راجع اللسان (طفل) وغریب ابی عبید (۱: ۲۱۹)

وقت آنا اور بعض نے کہا ہے کہ طُفَیْلُ الْعَرَائِسِ ایک مشہور آدمی کا نام ہے[1] جو بلادعوت تقریبات میں شریک ہوجاتا تھا۔ اور اسی سے طَفَّلَ ہے جس کے معنی طفیلی بن کر جانے کے ہیں۔

(ط ل ل)

اَلطَّلُّ کے معنی بہت ہلکی سی بارش کے ہیں جس کا معمولی سا اثر ہو۔ قرآن میں ہے:۔
فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ (۲-۲۶۵) اگر مینہ نہ بھی پڑے تو خیر پھوار ہی سہی۔
اور طَلَّ الْاَرْضَ فَهِیَ مَطْلُوْلَةٌ کے معنی زمین پر اوس پڑنے کے ہیں اسی سے جس خون کی پرواہ نہ کی جائے اور اسے اوس کی طرح معمولی سمجھا جائے اس کے متعلق کہا جاتا ہے۔ طُلَّ دَمُ فُلَانٍ یعنی فلاں کا خون باطل کر دیا گیا اور شبنم کا چونکہ ہلکا سا اثر ہوتا ہے اس مناسبت سے گھروں کے باقی ماندہ نشانات کو طَلَلٌ کہدیتے ہیں اَطَلَّ فُلَانٌ جھانکنا، دور سے نظر آنا۔

(ط ف ء)

طَفِئَتِ (س) اَلنَّارُ کے معنی آگ بجھ جانے کے ہیں۔ اور اَطْفَأْتُهَا (افعال) کے معنی پھونک سے بجھا دینے کے قرآن میں ہے:۔
یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ (۹-۳۲) یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے نور کو اپنے منہ سے پھونک مار کر بجھا دیں
یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ (۶۱-۸) یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے چراغ کی روشنی کو منہ سے پھونک مار کر بجھا دیں۔

ان دونوں آیتوں میں معنوی طور پر یہ فرق پایا جاتا ہے کہ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا کے معنی نور الٰہی کو بجھانے کا قصد کرنے کے ہیں مگر لِیُطْفِئُوْا کے معنی ایسے امر کا قصد کرنے کے ہیں جو اطفاء نور کا سبب بن سکے۔

(ط ل ب)

اَلطَّلَبُ (ن) کے معنی کسی شے کے پانے کی تلاش اور جستجو کرنے کے ہیں عام اس سے کہ وہ چیز اعیان واجسام سے تعلق رکھتی ہو یا معانی سے قرآن میں ہے:۔
فَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَهٗ طَلَبًا (۱۸-۴۱) تم اسے تلاش کے باوجود حاصل نہیں کر سکو گے۔
ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ (۲۲-۷۳) طلب کرنے والا اور جسے طلب کیا جائے (یعنی عابد معبود دونوں) کمزور ہیں۔
اَطْلَبْتُ فُلَانًا (۱) کسی کی حاجت روائی کرنا (۲) کسی کو محتاج کرنا اور جو گھاس پانی سے بہت دور ہو اور اس تک پہنچنے کے لئے تکلیف اٹھانا پڑے تو اس کے متعلق کہا جاتا ہے اَطْلَبَ الْکَلَاءُ۔

(ط ل ت)

طَالُوْتُ یہ عجمی لفظ ہے[2] بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے جالوت کے مقابلہ کے لئے مقرر فرمایا (۲-۲۴۷)

(ط ل ح)

اَلطَّلْحُ (موز) ایک درخت کا نام ہے اس کا واحد طَلْحَةٌ ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ (۵۶-۲۹) اور تہ بتہ کیلوں...

---

[1] رجل من اہل الکوفۃ من بنی عبداللہ بن غطفان (الصحاح) [2] راجع روح المعانی ۲/۵۴۳ والکشاف ۱/۱۰۰ وابن کثیر ۱/۳۰۰-۳۰۳

اور اِبِلٌ طِلَاحٌ۔ یہ طَلْحَۃ کی طرف منسوب ہے اور طِلَاحٌ وَطَلِیحَۃٌ ان اونٹوں کو کہا جاتا ہے جو طلح درخت کو کھا کر بیمار ہو گئے ہوں۔ نیز طَلْحٌ وَطَلِیحٌ اَسْفَارٍ محاورہ ہے یعنی کثرت سفر کی وجہ سے دبلی اونٹنی اور اسی سے اَلتَّطَالُحُ ہے جو کبھی اَلتَّصَالُحُ کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے۔

(ط ل ع)

طَلَعَ (ن) الشَّمْسُ طُلُوْعًا وَّ مَطْلَعًا کے معنی آفتاب طلوع ہونے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ (۲۰-۱۳۰) اور سورج کے نکلنے سے پہلے .... تسبیح وتحمید کیا کرو۔ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (۹۷-۵) طلوع صبح تک۔ اور مَطْلَعٌ کے معنی ہیں طلوع ہونے کی جگہ" قرآن میں ہے:۔ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ (۱۸-۹۰) یہاں تک کہ سورج کے طلوع ہونے کے مقام پر پہنچا تو دیکھا کہ وہ ایسے لوگوں پر طلوع کرتا ہے ....

اسی سے استعارہ کے طور طَلَعَ عَلَیْنَا فُلَانٌ وَاطَّلَعَ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں کسی کے سامنے ظاہر ہونا اور اوپر پہنچ کر نیچے کی طرف جھانکنا قرآن میں ہے:۔

هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ فَاطَّلَعَ (۳۷-۵۴) بھلا تم اسے جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو اتنے میں وہ خود جھانکے گا۔

فَاَطَّلِعَ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى (۴۰-۳۷) پھر اوپر جا کر موسیٰ کے خدا کو دیکھ لوں۔

اَطَّلَعَ الْغَیْبَ (۱۹-۷۸) کیا اس نے غیب کی خبر پالی ہے۔

لَّعَلِّیْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى (۲۸-۳۸) تاکہ میں موسیٰ کے خدا کی طرف چڑھ جاؤں۔

اِسْتَطْلَعْتُ رَأْیَهٗ میں نے اس کی رائے معلوم کی۔ اَطْلَعْتُكَ عَلٰى كَذَا میں نے تمہیں فلاں معاملہ سے آگاہ کر دیا۔ طَلَعْتُ عَنْهُ میں اس سے پنہاں ہو گیا (اضداد) اَلطِّلَاعُ (۱) ہر وہ چیز جس پر سورج طلوع کرتا ہو یا (۲) انسان اس پر اطلاع پالے۔ طَلِیْعَةُ الْجَیْشِ ہراول دستہ اِمْرَأَةٌ طُلَعَةٌ قُبَعَةٌ وہ عورت جو بار بار ظاہر اور پوشیدہ ہو اور طلوع آفتاب کی مناسبت سے طَلْعُ النَّخْلِ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے اور اس کے معنی درخت خرما کے غلاف کے ہیں جس کے اندر اس کا خوشہ ہوتا ہے قرآن میں ہے:۔

لَّهَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ (۵۰-۱۰) جن کا گابھا تہ بہ تہ ہوتا ہے۔ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ (۳۷-۶۵) ان کے شگوفے ایسے ہوں گے جیسے شیطانوں کے سر۔ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ (۲۶-۱۴۸) اور کھجوریں جن کے شگوفے لطیف ونازک ہوتے ہیں۔

اَطْلَعَتِ النَّخْلُ کھجور کا شگوفے دار ہونا۔

قَوْسٌ طِلَاعُ الْكَفِّ کمان جس سے مٹھی بھر جائے۔

(ط ل ق)

اَلْطَّلَاقُ دراصل اس کے معنی کسی بندھن سے آزاد کرنا کے ہیں۔ محاورہ ہے۔ اَطْلَقْتُ الْبَعِیْرَ مِنْ عِقَالِهٖ وَطَلَّقْتُهٗ میں نے اونٹ کا پائے بند کھول دیا طَالِقٌ وَطَلْقٌ وہ اونٹ جو مقید نہ ہو اسی سے خَلَّیْتُهَا کی طرح طَلَّقْتُ الْمَرْأَةَ کا محاورہ مستعار ہے یعنی میں نے اپنی عورت کو نکاح کے بندھن سے آزاد

کر دیا ایسی عورت کو طَالِقٌ کہا جاتا ہے قرآن میں ہے۔
فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ (۶۵-۱) تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو۔
اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ (۲-۲۲۹) طلاق صرف دو بار ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ (۲-۲۲۸) اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے تئیں روکے رہیں۔ میں طلاق کا لفظ عام ہے جو رجعی اور غیر رجعی دونوں کو شامل ہے۔ لیکن آیت کریمہ۔
وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ (۲-۲۲۸) اور ان کے خاوند... ان کو اپنی زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حقدار ہیں۔ میں واپس لے لینے کا زیادہ حقدار ہونے کا حکم رجعی طلاق کے ساتھ مخصوص ہے اور آیت کریمہ:۔
فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ (۲-۲۳۰) پھر اگر شوہر (دو طلاقوں کے بعد تیسری) طلاق عورت کو دے دے تو... اس پہلے شوہر پر حلال نہ ہوگی۔ میں مِنْ بَعْدُ کے یہ معنی ہیں کہ اگر بینونت یعنی عدت گزر جانے کے بعد پھر تیسری طلاق دے۔ تو اس کے لئے حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ دوسرے شوہر سے شادی نہ کرے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔
فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا (۲-۲۳۱) میں طَلَّقَهَا کے معنی یہ ہیں کہ اگر دوسرا خاوند بھی طلاق دے دے اور وہ پہلے خاوند کے نکاح میں آنا چاہے تو ان کے دوبارہ نکاح کر لینے میں کچھ گناہ نہیں ہے۔ اِنْطَلَقَ فُلَانٌ کے معنی چل پڑنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

فَانْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ (۶۸-۲۳) تو وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے:۔
اِنْطَلِقُوا إِلَىٰ مَا كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ (۷۷-۲۹) جس چیز کو تم جھٹلایا کرتے تھے اب اسکی طرف چلو۔ اور حلال چیز کو طَلْقٌ کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے کھا لینے پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہوتی۔
عَدَا الْفَرَسُ طَلَقًا أَوْ طَلَقَيْنِ گھوڑے نے آزادی سے ایک دو دوڑیں لگائیں اور فقہ کی اصطلاح میں مُطْلَقٌ اس حکم کو کہا جاتا ہے جس سے کوئی جزئی مخصوص نہ کی گئی ہو۔ طَلَقَ يَدَهُ وَأَطْلَقَهَا اس نے اپنا ہاتھ کھول دیا۔
طَلْقُ الْوَجْهِ أَوْ طَلِيقُ الْوَجْهِ خندہ رو۔ ہنس مکھ۔ طُلِقَ السَّلِيمُ (مجہول) مارگزیدہ کا صحت یاب ہونا۔ شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)
(۲۹۴) تُطَلِّقُهُ طَوْرًا وَطَوْرًا تُرَاجِعُ
کہ وہ کبھی درد سے آرام پا لیتا ہے اور کبھی وہ درد دوبارہ لوٹ آتا ہے۔
لَيْلَةٌ طَلْقَةٌ وہ رات جس میں اونٹوں کو پانی پہ وارد ہونے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ گھاس کھاتے ہوئے اپنی مرضی سے چلے جائیں۔ چنانچہ محاورہ ہے۔ أَطْلَقَ الْإِبِلَ یعنی اس نے پانی پر وارد ہونے کے لئے اونٹوں کو آزاد چھوڑ دیا۔

(ط م م)

اَلطَّمُّ کے معنی پانی سے بھرے ہوئے سمندر کے ہیں اور ایسے سمندر کو اَلطَّمُّ وَالرَّمُّ کہا جاتا ہے اور طَمَّ عَلَىٰ كَذَا کے معنی کسی پر چھا جانے

---

[1] قاله النابغة فی وصف السليم وأوله: تناذرها الراقون من سوء سمها۔ والقصيدة طويلة يعتذر فيها الى النعمان بن المنذر وفي ديوانه من سوء سمعها والبيت فی المعانی الكبير والخزانة (۱: ۴۳۴) وقد مر فی ۲۹۔

اور اسے ڈھانپ لینا کے ہیں۔ اسی سے قیامت کو طَامَّۃٌ کہا گیا ہے کیونکہ اس کی مصیبت سب پر چھا جائے گی۔ چنانچہ فرمایا:۔
فَاِذَا جَاءَتِ الطَّامَّۃُ الْکُبْرٰی (۷۹-۳۴) تو جب بڑی آفت آئے گی۔

(ط م ث)

اَلطَّمْثُ (ن س) کے معنی (۱) دم حیض اور (۲) کسی عورت کی بکارت کو زائل کرنا کے ہیں اور طَامِثٌ کے معنی حیض والی عورت کے ہیں طَمَثَ الْمَرْءَۃَ اس نے عورت کی بکارت زائل کر دی قرآن میں ہے:۔
لَمْ یَطْمِثْھُنَّ اِنْسٌ قَبْلَھُمْ وَلَاجَآنٌّ (۵۵-۵۶) جن کو اہل جنت سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا اور نہ جن نے۔
اور اسی سے استعارہ کے طور پر کہا جاتا ہے مَا طَمِثَ ھٰذِہِ الرَّوْضَۃَ اَحَدٌ قَبْلَنَا یعنی ہم سے قبل اس سبزہ زار میں کوئی اور داخل نہیں ہوا مَا طَمِثَ النَّاقَۃَ جَمَلٌ اس اونٹنی کو کسی اونٹ نے بھی نہیں چھوا۔

(ط م س)

اَلطَّمْسُ کے معنی کسی چیز کا نام و نشان مٹا دینے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ (۷۷-۸) جب ستاروں کی روشنی جاتی رہے گی۔
رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤی اَمْوَالِھِمْ (۱۰-۸۵) اے پروردگار ان کے مال و دولت کو تباہ و برباد کردے۔ یعنی ان کا نام و نشان تک مٹا دے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰۤی اَعْیُنِھِمْ (۳۶-۶۶) اور اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو مٹا کر اندھا کر دیں۔ یعنی آنکھوں کی روشنی سلب کر لیں اور ان کا نشان مٹا دیں جس طرح کہ کسی نشان کو مٹا دیا جاتا ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْھًا (۴-۴۷) قبل اس کے کہ ہم ان کے چہروں کو بگاڑ کر۔
میں بعض نے کہا ہے کہ دنیا میں ان کے چہروں کو بگاڑنا مراد ہے مثلاً ان کے چہروں پر بال اگا دیں۔ ان کی صورتیں بندروں اور کتوں جیسی کر دی جائیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آخرت میں ہوگا جس کی طرف کہ آیت:۔
وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ وَرَآءَ ظَھْرِہٖ (۸۴-۱۰) اور جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائیگا میں اشارہ پایا جاتا ہے اور چہروں کو مٹانے کی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ان کی آنکھیں گدی پر پر لگا دی جائیں اور یا ہدایت سے گمراہی کی طرف لوٹا دینا مراد ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:۔
وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِہٖ وَقَلْبِہٖ (۴۵-۲۳) اور باوجود جاننے بوجھنے کے (گمراہ ہو رہا ہے۔ تو) خدا نے بھی اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی۔
بعض نے کہا ہے کہ وجوہ سے قوم کے اعیان اکابر مراد ہیں اور معنی یہ ہیں کہ ہم بڑے بڑے سرداروں کو عیت اور تحکیم بنا دیں اس سے بڑھ کر اور کونسی ہلاکت ہوسکتی ہے۔

(ط م ع)

اَلطَّمَعُ کے معنی ہیں نفس انسانی کا کسی چیز

کی طرف خواہش کے ساتھ میلان۔

طَمِعَ (س) طَمْعًا وَطَمَاعِيَةً کسی چیز کی طرف خواہش کے ساتھ مائل ہونا طَمِعٌ وَطَامِعٌ اس طرح مائل ہونے والا قرآن میں ہے:۔

اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا (۲۶-۵۱) ہمیں امید ہے کہ ہمارا خدا ہمارے گناہ بخش دیگا۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ (۲-۷۵) (مومنو) کیا تم آرزو رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہارے دین کے قائل ہو جائیں گے۔

خَوْفًا وَّطَمَعًا (۱۳-۱۲) ڈرانے اور امید دلانے کیلئے۔

اور عموماً چونکہ طمع کی بنا خواہش نفسانی پر ہوتی ہے اس لئے کہا جاتا ہے اَلطَّمَعُ طَبْعٌ والطبع تدنس الاھاب کہ طمع بھی ایک قسم کی آلودگی ہے جو انسان کے نفس کو ملوث کر ڈالتی ہے۔

(ط م ن)

اَلطُّمَانِيْنَةُ وَالْاِطْمِيْنَانُ کے معنی ہیں خلجان کے بعد نفس کا سکون پذیر ہونا۔ قرآن میں ہے:۔

وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ (۳-۱۲۶) یعنی اسلئے کہ تمہارے دلوں کو اس سے تسلی حاصل ہو۔

وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ (۲-۲۶۰) لیکن (میں دیکھنا) اس لئے چاہتا ہوں کہ میرا دل اطمینان کامل حاصل کرلے۔ اور آیت کریمہ:۔

يٰاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (۸۹-۲۷) میں نفس مطمئنہ سے مراد وہ نفس ہے جسے برائی کی طرف کسی طور بھی رغبت نہ ہو۔ اور آیت کریمہ:۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (۱۳-۲۸) اور سن رکھو کہ خدا کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں۔

میں اس امر پر تنبیہ کی گئی ہے کہ معرفت الٰہی اور کثرت عبادت سے ہی قلبی سکون حاصل ہوتا ہے۔ جس قسم کی تسکین کا کہ آیت وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ میں حضرت ابراہیمؑ نے سوال کیا تھا۔ ارشاد ہے:۔ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (۱۶-۱۰۶) اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔

فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ (۴-۱۰۳) پھر جب خوف جاتا رہے۔

وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا (۱۰-۷) اور دنیا کی زندگی سے خوش اور اس پر مطمئن ہو بیٹھے۔

وَاطْمَاَنَّ وَتَطَاْمَنَ مادہ اور معنی کے اعتبار سے ایک ہی ہیں۔

(ط ھ ر)

طَهُرَتِ (ک) الْمَرْاَةُ طُهْرًا وَطَهَارَةً وَطَهَرَتْ (ن) کے معنی عورت کے حیض سے پاک ہونا کے ہیں۔ اور اسے فتحہ ھار کے ساتھ پڑھنا قیاس کے زیادہ مطابق ہے اولاً تو اس لئے کہ طَمَثَتْ کا ضد ہے جس کے معنی حیض آنا کے ہیں اور دوم اس لئے کہ اس سے اسم فاعل طَاهِرَةٌ وَطَاهِرٌ آتا ہے جیسے قَائِمَةٌ وَقَائِمٌ وقَاعِدَةٌ وَقَاعِدٌ[1]۔

طہارت دو قسم پر ہے۔ طہارت جسمانی اور طہارت قلبی اور قرآن پاک میں جہاں کہیں طہارت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ وہاں بالعموم دونوں قسم کی طہارت مراد ہے کہا جاتا ہے:۔

طَهَّرْتُهٗ فَطَهُرَ وَتَطَهَّرَ وَاطَّهَّرَ فَهُوَ طَاهِرٌ وَمُتَطَهِّرٌ

---

[1] وان کان بضم الطاء فلتکن لصفۃ منہ طہیر مثل کریم لیکن قال ابن جنی: طاہر من طہر مثل شاعر من شعر فلذا انک جمع الشاعر علی شعراء لانہ علی جمع فعیل۔

میں نے اسے پاک کیا چنانچہ وہ پاک ہوگیا قرآن میں ہے۔
وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا (۵-۶) اور اگر نہانے
کی حاجت ہو تو نہا کر پاک ہو جایا کرو۔ یعنی پانی یا جو
چیز اس کے قائم مقام ہو اس کے ذریعہ طہارت کر
لیا کرو۔ اور آیت کریمہ:۔
فَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ
(۲-۲۲۲) اور جب تک پاک نہ ہوجائیں ان سے
مقاربت نہ کرو۔ میں دو فعل لاکر یہ بتایا ہے کہ
عورتیں جب تک حیض سے فارغ ہوکر غسل نہ کرلیں
اس وقت تک ان سے مقاربت جائز نہیں ہے
اور ایک قراءت میں حَتّٰى يَطَّهَّرْنَ ہے جس سے
اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (۲-۲۲۲) اور پاک صاف رہنے
والوں کو دوست رکھتا ہے۔
میں مُتَطَهِّرِيْنَ سے وہ لوگ مراد ہیں جو گناہوں
کو ترک کرکے اصلاح نفس میں لگے رہتے ہیں۔ نیز فرمایا:۔
فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا (۹-۱۰۸) اس
میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں۔
اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ
(۷-۸۲) ان کے گھر والوں کو اپنے گاؤں سے نکال
دو کہ یہ لوگ پاک بننا چاہتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (۹-۱۰۸) اور خدا پاک
رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے۔
میں مُطَّهِّرِيْنَ سے پاکیزہ قلب لوگ مراد ہیں۔
اور آیت کریمہ:۔
وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (۳-۵۵) کے
معنی یہ ہیں کہ خدا تجھے ان لوگوں سے نکال کر الگ
لے جائے گا اور اس بات سے بلند و بالا رکھے گا
کہ ان جیسے کام کرو۔ اسی معنی میں فرمایا:۔
وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (۳۳-۳۳) اور تمہیں
بالکل پاک صاف کردے۔
وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ (۳-۴۲)
اور پاک بنایا اور جہاں کی عورتوں میں منتخب کیا۔
ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ (۲-۲۳۲) یہ تمہارے
لئے نہایت خوب اور بہت پاکیزہ بات ہے۔
ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ (۳۳-۵۳) یہ تمہارے
...... دلوں کے لئے بہت پاکیزگی کی بات ہے
اور آیت کریمہ:۔
لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (۵۶-۷۹) اس کو وہی
ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں۔
کے معنی یہ ہیں کہ قرآن پاک کے حقائق کی معرفت
انہی لوگوں کو حاصل ہوسکتی ہے جو اپنے نفوس کو
آلودگیوں سے پاک وصاف رکھتے ہیں اور دل و
دماغ کو ہر قسم کی آلائش سے محفوظ رکھتے ہیں اور آیت کریمہ:۔
اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ (۲۷-۵۶) کہ یہ لوگ
پاک بننا چاہتے ہیں۔
میں انہوں نے مومنین کو اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ بطور
طنز کہا تھا کیونکہ لوط علیہ السلام نے جب قوم
کی بیٹیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ
کہا تو انہوں نے طنزاً یہ جواب دیا تھا اور آیت کریمہ:۔
وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ (۲-۲۵) اور
وہاں ان کے لئے پاک بیبیاں ہوں گی۔
میں مُطَهَّرَةٌ کے معنی ہیں کہ وہ ہر قسم کی دنیاوی
کثافتوں اور نجاستوں (یعنی حیض نفاس وغیرہ)
سے پاک ہوں گی اور بعض نے کہا ہے کہ اخلاق رذیلہ
سے پاکیزہ ہونا مراد ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں

لہ کذا فی ابی السعود انظر (الفتوحات الالہیۃ (۱/۲۵۵) ۱۲

یعنی عورتوں کو عُرُبًا اَتْرَابًا (۵۶-۳۷) (شوہروں کی پیاریاں) اور ہم عمر کہا ہے اور قرآن پاک کے متعلق فرمایا:۔

مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ (۸۰-۱۴) جو بلند مقام پر رکھے ہوئے (اور) پاک ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (۷۴-۴) اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔ کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں نفس کو رذائل سے پاک رکھنا مراد ہے[1] اور آیات کریمہ:۔

وَطَهِّرْ بَيْتِيَ (۲۲-۲۶) اور میرے گھر کو ..... صاف رکھا کرو۔

وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ (۲-۱۲۵) اور ابراہیم اور اسماعیل کو کہا کہ ..... میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو۔ میں خانہ کعبہ کو بتوں کی نجاست سے پاک رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ دل کو پاک وصاف رکھنا مراد ہے حتیٰ کہ اس کے اندر وہ سکون پیدا ہو سکے جس کا ذکر کہ آیت:۔

هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ (۴۸-۴) وہی تو ہے جس نے مومنوں کے دلوں پر تسلی نازل فرمائی۔ میں پایا جاتا ہے۔

اَلطَّهُوْرُ یہ کبھی مصدر ہوتا ہے[2] جیسا کہ سیبویہ نے اہل عرب سے تَطَهَّرْتُ طَهُوْرًا وَتَوَضَّأْتُ وضوءً کا محاورہ نقل کیا ہے لہٰذا یہ فَعُوْلٌ کے وزن پر مصدر ہے۔ جیسا کہ وَقَدْتُ وَقُوْدًا ہے اور کبھی اسم ہوتا ہے جیسا کہ فَطُوْرٌ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے روزہ کھولا جائے اسی طرح وَجُوْرٌ سَعُوْطٌ اور ذَرُوْرٌ ہیں[3] اور کبھی صیغہ صفت ہوتا ہے جیسا کہ رَسُوْلٌ اور اس کے ہم وزن دیگر اسمائے صفت ہیں اور اسی معنی کے لحاظ سے فرمایا:۔

وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا (۷۶-۲۱)

اور ان کا پروردگار ان کو نہایت پاکیزہ شراب پلائیگا۔ تو اس میں تنبیہ کی ہے کہ ان کے مشروبات اہل دوزخ کے مشروبات کے خلاف ہوں گے جن کا ذکر کہ آیت وَيُسْقَىٰ مِن مَّاءٍ صَدِيدٍ (۱۴-۱۶) اور اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔ میں پایا جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا (۲۵-۴۸) اور ہم آسمان سے پاک اور ستھرا ہوا پانی برساتے ہیں۔ میں اصحاب شافعیؒ طَهُوْرٌ بمعنی مُطَهِّرٌ لیتے ہیں۔ لیکن یہ لفظاً صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اَفْعَلَ وَفَعَّلَ سے فَعُوْلٌ کے وزن پر صیغہ صفت نہیں آتا بلکہ یہ وزن فَعَلَ کے ساتھ خاص ہے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ لفظ طَهُوْرٌ معنوی اعتبار سے تطہیر کو چاہتا ہے کیونکہ طاہر (پاکیزہ) دو قسم پر ہوتا ہے ایک وہ جو خود تو پاک ہو مگر دوسری چیز کو پاک کرنے کی اس میں صلاحیت نہ ہو جیسے کپڑا کہ گو یہ پاک ہے مگر دوسری چیز کو پاک نہیں کر سکتا۔ دوم وہ جو خود بھی پاک ہو اور دوسری چیز کو بھی پاک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو جیسے پانی چنانچہ قرآن پاک نے پانی کو طَهُوْرٌ کہہ کر اسی معنی کی طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

(ط و ر)

اَلطَّوْرُ۔ بلند پہاڑ۔ قرآن میں ہے:۔

---

[1] ذکرہ عکرمۃ عن ابن عباس ص ۵۰ الجمل ج ۴ [2] انظر مبحث اصلاح المنطق ۳۳۲-۳۳۵ باب فَعُوْلٌ ۱۲ [3] کما ردی فی الحدیث الطہور ماء کو دالحل میتتہ ۱۲

کَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ (۲۶-۶۳) کہ گویا بڑا پہاڑ ہے۔
اَلطَّوْدُ کے معنی ہی بڑے بلند پہاڑ کے ہیں[1] مگر اس کے باوجود اس کے وصف میں عظیم کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ پانی بلند پہاڑ کی طرح ٹھانہ پہ گو وہ سب پہاڑوں سے بلند تر تھا۔

(ط و ر)

طَوَارُ الدَّارِ وَ طِوَارُہٗ کے معنی گھر کی عمارت کے امتداد یعنی لمبا ہونے اور پھیلنے کے ہیں محاورہ ہے۔
عَدَا فُلَانٌ طَوْرَہٗ فلاں اپنی حدود سے تجاوز کر گیا۔
لَا اَطُوْرُ بِہٖ میں اسکے مکان کے صحن کے قریب تک نہیں جاؤں گا۔
فَعَلَ کَذَا طَوْرًا بَعْدَ طَوْرٍ اس نے ایک بار کے بعد دوسری بار یہ کام کیا اور آیت کریمہ:۔
وَقَدْ خَلَقَکُمْ اَطْوَارًا (۷۱-۱۴) کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ اَطْوَارًا سے ان مختلف منازل ومدارج کی طرف اشارہ ہے جو کہ آیت:۔
خَلَقْنَاکُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ (۲۲-۵) ہم نے تم کو (پہلی بار بھی) تو پیدا کیا تھا (یعنی ابتداء میں) مٹی سے پھر اس سے نطفہ بنا کر پھر اس سے خون کا لوتھڑا بنا کر پھر اس سے بوٹی بنا کر۔
میں مذکور ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مختلف احوال مراد ہیں جن کی طرف آیت:۔
وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ (۳۰-۲۲) اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا۔
میں اشارہ فرمایا ہے یعنی جسمانی اور اخلاقی تفاوت جو کہ ہر معاشرہ میں نمایاں طور پر پایا جاتا ہے۔
اَلطُّوْرُ ایلہ کے قریب ایک خاص پہاڑ کا نام ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ہر پہاڑ کو طور کہہ سکتے ہیں[2] اور بعض کے نزدیک طور سے وہ سلسلۂ کوہ مراد ہے جو کہ ارض کو محیط ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَالطُّوْرِ وَکِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ (۵۲-۱،۲) کوہ طور کی قسم اور کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے۔
وَمَا کُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ (۲۸-۴۶) اور نہ تم اس وقت ... طور کے کنارے تھے۔
وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ (۹۵-۲) اور طور سینین کی۔
وَنَادَیْنٰہُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَیْمَنِ (۱۹-۵۲) اور ہم نے ان کو طور کی داہنی جانب سے پکارا۔
وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ (۲-۹۳) اور کوہ طور کو تم پر اٹھا کر کھڑا کیا۔

(ط و ع)

اَلطَّوْعُ کے معنی (بطیب خاطر) تابعدار ہو جانا کے ہیں اس کے بالمقابل کُرْہٌ ہے جس کے معنی ہیں کسی کام کو ناگواری اور دل کی کراہت سے سر انجام دینا۔ قرآن میں ہے:۔
اِئْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْهًا (۴۱-۱۱) (آسمان و زمین سے فرمایا) دونوں آؤ (دل کی خوشی سے یا ناگواری سے۔
وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْهًا (۳-۸۳) حالانکہ سب اہل آسمان و زمین بطیب خاطر یا دل کے جبر سے خدا کے فرمانبردار ہیں۔
یہی معنی اَلطَّاعَةُ کے ہیں لیکن عام طور پر طَاعَةٌ

---

[1] قال الزمخشری انہ ماخوذ من البناء المنطاد ای العالی (الفائق ص۲۶۵ ج۲)۔ [2] وفی البخاری عن مجاہد ان الطور اسم سریانی بمعنی الجبل لکن القرآن اطلقہ علی جبل مخصوص واختلف فی تعیینہ معجم البلدان للحموی

الفاظ کسی حکم کے بجا لانے پر آجاتا ہے قرآن میں ہے :-
وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ (۴-۸۱) اور یہ لوگ منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم دل سے آپ کے فرمانبردار ہیں۔
طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ (۴۷-۲۱) (خوب بات) فرمانبرداری اور پسندیدہ بات کہنا ہے۔
طَاعَ لَهٗ يَطُوْعُ وَاَطَاعَهٗ يُطِيْعُهٗ کسی کی فرمانبرداری کرنا۔ قرآن میں ہے :-
وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (۴-۵۹) اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔
وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۴-۸۰) جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا بے شک اس نے خدا کی فرمانبرداری کی۔
وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ (۳۳-۸) اور کافروں کا کہنا نہ مانو۔
اور حضرت جبریل علیہ السلام کے متعلق فرمایا :
مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ (۸۱-۲۱) سردار اور امانتدار ہے۔
اَلتَّطَوُّعُ (تفعل) اس کے اصل معنی تو تکلیف اٹھا کر حکم بجالانا کے ہیں۔ مگر عرف میں نوافل کے بجا لانے کو تَطَوُّعٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے :-
فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ (۲-۱۸۴) اور جو کوئی شوق سے نیکی کرے تو اس کے حق میں زیادہ اچھا ہے۔
ایک قرأت میں وَمَنْ يَّطَّوَّعْ خَيْرًا ہے۔
اَلْاِسْتِطَاعَةُ (استفعال) یہ طوع سے استفعال کے وزن پر ہے اور اس کے معنی ہیں کسی کام کو سرانجام دینے کے لئے جن اسباب کی ضرورت ہوتی ہے ان سب کا موجود ہونا مگر محققین کے نزدیک اِسْتِطَاعَةٌ نام ہے ان اسباب و ذرائع اور صلاحیتوں کا جن کے ذریعہ انسان کو کسی کام کے کرنے پر قدرت ہو جائے اور وہ چار چیزیں ہیں (۱) فاعل کا مخصوص ڈھانچہ (۲) فعل کا تصور (۳) مادہ جو فعل کے اثر کو قبول کر سکے (۴) اگر وہ فعل کسی آلہ کا محتاج ہے تو اس آلہ کا فراہم ہونا مثلاً لکھنا کہ کاتب لکھنے کے لئے ان چار چیزوں کا محتاج ہے اور جب کسی شخص کو ان اشیاء میں سے ایک چیز بھی حاصل نہ ہو تو اس کو غیر مستطیع کہا جائے گا۔
اِسْتِطَاعَةٌ کا ضد عِجْزٌ ہے یعنی ان اشیاء میں سے ایک دو یا سب کا حاصل نہ ہونا اور جب کسی شخص کو یہ ساری چیزیں حاصل ہو جائیں تو اسے مُسْتَطِيْعٌ مطلق کہا جاتا ہے۔ اور جب ان میں سے کوئی بھی حاصل نہ ہو تو اسے عاجز مطلق کہا جائیگا اور جب کچھ حاصل ہوں اور کچھ حاصل نہ ہوں تو گو ایک اعتبار سے وہ مستطیع ہے مگر دوسرے اعتبار سے عاجز ہے اور اسے عاجز کہنا زیادہ بہتر ہے اور استطاعت قدرت سے اخص ہے۔ قرآن میں ہے :-
لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ (۲۱-۴۳) وہ نہ تو آپ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔
فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ (۵۱-۴۵) پھر وہ نہ تو اٹھنے کی طاقت رکھتے تھے۔
مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (۳-۹۷) جو اس (گھر) تک جانے کا مقدور رکھے۔
یعنی اس کے پاس یہ چاروں چیزیں مہیا ہو جائیں اور حدیث میں استطاعت حج کی جو تشریح زاد راہ اور سواری سے کی گئی ہے[1] (۲۲) تو اس سے صرف ان اسباب و ذرائع کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو حج کے لئے لازم ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ باقی تینوں

---

[1] اخرجہ الترمذی وابن ماجہ من حدیث ابی ہریرۃ وابن عباس والحاکم من حدیث انس قال فی الکاف اخرجہ الدارقطنی باسانید ضعیفۃ قال البیہقی والصواب الروایۃ عن الحسن مرسلًا ولا یثبت مرفوعًا راجع تخریج الکشاف ۳۸ ؎

چیزوں کا ہوتا تو عقلاً ہر کام کے لئے لازم ہے اور شرعاً ان کے بغیر کسی کو مکلف بنانا ہی جائز نہیں ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ (۹-۴۲) اگر ہم طاقت رکھتے تو آپ کے ساتھ نکل کھڑے ہوتے۔
میں استطاعت سے سواری، مال اور دیگر ذرائع مراد ہیں اسی طرح آیت کریمہ:۔
وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا (۴-۲۵) اور جو شخص تم میں سے ..... مقدور نہ رکھے۔
اور آیت کریمہ:۔
لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً (۴-۹۸) کہ نہ تو کوئی چارہ کر سکتے ہیں ....
میں بھی یہی معنی مراد ہیں۔
اور کبھی فُلَانٌ لَا يَسْتَطِيعُ سے یہ معنی مراد ہوتے ہیں کہ عدم مزاولت کی وجہ سے یہ کام اس پر دشوار ہے یا تو اس لئے کہ جن اسباب و ذرائع کی ضرورت ہے وہ اس کے پاس موجود نہیں ہیں اور یا اس لئے کہ اس کام کا تصور یعنی خاکہ اس کے ذہن میں نہیں ہے اس حالت میں انسان کو مکلف بنانا صحیح ہوتا ہے اور اسے معذور نہیں سمجھا جاتا۔ چنانچہ آیات:۔
لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا (۱۸-۶۷) تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکو گے۔
مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ (۱۱-۲۰) کیونکہ یہ شدت کفر سے تمہاری بات ( ) نہیں سن سکتے اور نہ تم کو دیکھ سکتے تھے۔
وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا (۱۸-۱۰۱) اور وہ سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔
میں استطاعت کی نفی سے یہی معنی مراد ہیں اور آیت کریمہ:۔

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا (۴-۱۲۹) اور تم خواہ کتنا ہی چاہو ..... ہرگز برابری نہیں کر سکو گے۔
بھی اسی معنی پر محمول ہے (حالانکہ ان تمام آیات میں استطاعت کی نفی کے باوجود انہیں مکلف بنایا گیا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا (۵-۱۱۲) کیا تمہارا پروردگار ایسا کر سکتا ہے کہ ہم پر ..... نازل کرے۔
کی تفسیر میں بعض نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے از راہ نادانی یہ بات کہی تھی کیونکہ اس وقت ان کو صحیح طور پر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں تھی اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں استطاعت بمعنی قدرت نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ کیا مائدہ کا اتارنا تقاضائے حکمت کے خلاف تو نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں يَسْتَطِيعُ بمعنی يُطِيعُ ہے یعنی کیا تمہارا پروردگار ہماری اس عرض کو قبول فرما سکتا ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ:۔
مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ (۴۰-۱۸) اور ظالموں کا کوئی دوست نہیں ہوگا اور نہ سفارشی جس کی بات قبول کی جائے۔
میں يُطَاعُ بمعنی يُجَابُ ہے یعنی ایسا جس کی بات مانی جا سکے۔ اور ایک قرأت میں هَلْ تَسْتَطِيعُ رَبَّكَ بھی ہے یعنی کیا تم اپنے پروردگار سے یہ بات منوا سکتے ہو۔ جیسا کہ محاورہ ہے:۔
هَلْ تَسْتَطِيعُ الْأَمِيرَ أَنْ يَفْعَلَ كَذَا (کہ کیا تم امیر سے یہ بات منوا سکتے ہو) اور آیت کریمہ:۔
فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ (۵-۳۰) مگر اس کے نفس نے اسے ترغیب دی۔
میں طَوَّعَتْ کے معنی ہیں کہ نفسانی جذبات نے

تسویل سے اسے اس پر آمادہ کر لیا اور وہ اس کام کے کرنے پر راضی ہو گیا اور طَوَّعَتْ کا صیغہ طَاعَتْ سے زیادہ بلیغ ہے۔ اور طَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ کا محاورہ تَابَتْ عَنْ كَذَا نَفْسُهٗ کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں کہ اسے یہ کام کرنا گوارا نہیں ہے اور تَطَوَّعَ كَذَا کے معنی ہیں اس نے رضامندی سے اس کام کے لئے تکلیف اٹھانا گوارا کر لیا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ (۲-۱۸۵) اور جو کوئی نیک کام کرے تو خدا قدر شناس اور دانا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۹-۷۹) جو ذی استطاعت مسلمان دل کھول کر خیرات کرتے ہیں۔۔۔ان پر جو منافق طعن کرتے ۔۔۔۔۔ ہیں۔

بعض نے کہا ہے طَاعَتْ وَتَطَوَّعَتْ کے ایک ہی معنی ہیں اور اِسْتَطَاعَ وَاسْطَاعَ بھی ہم معنی ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

فَمَا اسْطَاعُوْا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا (۱۸-۹۷) پھر ان کو یہ قدرت نہ رہی کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ یہ طاقت رہی کہ اس میں نقب لگا سکیں۔

(ط و ف)

اَلطَّوْفُ (ن) کے معنی کسی چیز کے گرد چکر لگانے اور گھومنے کے ہیں۔ اَلطَّائِفُ چوکیدار جو رات کو حفاظت کے لئے چکر لگاتے اور پہرہ دے۔ طَافَ بِهٖ يَطُوْفُ کسی چیز کے گرد چکر لگانا، گھومنا۔ قرآن میں ہے:۔

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ (۵۶-۱۷) نوجوان خدمت گزار جو ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہیں گے ان کے آس پاس پھریں گے۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (۲-۱۵۸) اس پر کچھ گناہ نہیں کہ دونوں کا طواف کرے۔

اور اسی سے بطور استعارہ جن خیال، حادثہ وغیرہ کو بھی طَائِفٌ کہا جاتا ہے چنانچہ آیت کریمہ:۔

اِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ (۷-۲۰۱) جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے۔

میں طائف سے وہ شیطان مراد ہے جو انسان کا شکار کرنے کے لئے اس کے گرد چکر کاٹتا رہتا ہے ایک قرأت میں طَيْفٌ ہے جس کے معنی کسی چیز کا خیال اور اس صورت کے ہے جو خواب یا بیداری میں نظر آتی ہے اسی سے خیال کو طَيْفٌ کہا جاتا ہے اور آیت کریمہ:۔

فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ (۶۸-۱۹) کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے (راتوں رات) اس پر ایک آفت پھر گئی۔

میں طَائِفٌ سے وہ آفت یا حادثہ مراد ہے جو انہیں پہنچا تھا۔ اور آیت کریمہ:۔

اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ (۲-۱۲۵) طواف کرنے والوں۔۔۔ کے لئے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو۔

میں طَائِفِيْنَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو حج یا عمرہ کرنے کے لئے بیت اللہ کا قصد کرتے اور اس کا طواف کرتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

وَالطَّوَّافُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (۲۴-۵۸)
اور نہ ان پر، جو کام کاج کے لئے تمہارے ارد گرد پھرتے پھراتے رہتے ہیں۔
میں طَوَّافُوْنَ سے نوکر چاکر مراد ہیں جنہیں خدمت گذاری کے لئے اندرون خانہ آنا جانا پڑتا ہے۔
اسی بنا پر بلی کے متعلق حدیث میں آیا ہے[1] (۴۳)
إِنَّهَا مِنَ الطَّوَافِيْنَ عَلَيْكُمْ وَالطَّوَّافَاتِ۔
کہ یہ بھی ان میں داخل ہے جو تمہارے گرد پھرتے پھراتے رہتے ہیں۔
اَلطَّائِفَةُ (۱) لوگوں کی ایک جماعت (۲) کسی چیز کا ایک ٹکڑہ۔ اور آیت کریمہ:۔
فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ (۹-۱۲۲) تو یوں کیوں نہیں کیا کہ ہر ایک جماعت میں چند اشخاص نکل جاتے تاکہ دین کا علم سیکھتے۔
میں بعض نے کہا ہے کہ کبھی طائفة کا لفظ ایک فرد پر بھی بولا جاتا ہے[2] چنانچہ آیت کریمہ:۔
وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۴۹-۹) اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور آیت کریمہ:۔
إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَانِ مِنْكُمْ (۳-۱۲۲) اس وقت تم میں سے دو جماعتوں نے چھوڑ دینا چاہا۔
طَائِفَةٌ سے ایک فرد بھی مراد ہو سکتا ہے مگر جب طَائِفَةٌ سے جماعت مراد لی جائے تو یہ طَائِفٌ کی جمع ہوگا۔ اور جب اس سے واحد مراد ہو

تو اس صورت میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جمع بول کر مفرد سے کنایہ کیا ہو اور یہ بھی کہ رَاوِيَةٌ وَعَلَّامَةٌ کی طرح مفرد ہو اور اس میں تا برائے مبالغہ ہو
اَلطُّوْفَانُ وہ مصیبت یا حادثہ جو انسان کو چاروں طرف سے گھیرلے اس بنا پر آیت کریمہ:۔
فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ (۷-۱۳۳) تو ہم ان پر طوفان (وغیرہ کتنی کھلی ہوئی نشانیاں بھیجیں۔
میں طوفان بمعنی سیلاب بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ نوح علیہ السلام کی قوم پر جو عذاب آیا تھا۔ وہ پانی کی صورت میں ہی تھا اور دوسری جگہ فرمایا:۔
فَأَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ (۲۹-۱۴) پھر ان کو طوفان (کے عذاب) نے آ پکڑا۔
طَائِفُ الْقَوْسِ خانہ کمان جو گوشہ اور دستہ کے درمیان ہوتا ہے۔ اَلطَّوْفُ دکنا یا پلیدی۔[3]

(ط و ق)

اَلطَّوْقُ۔ اس حلقہ کو کہتے ہیں جو بہیئۃ الشئ طور پر گردن کے گرد بنا ہوتا ہے جیسے کبوتری کی گردن میں یا مصنوعی ہو جیسے سونے چاندی کا حلقہ جو گلے میں ڈالا جاتا ہے پھر بطور توسع کے قَلَّدْتُهُ کی طرح طَوَّقْتُهُ كَذَا کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے اور قرآن میں جو مال کے متعلق:۔
سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهِ (۳-۱۸۰) وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں (قیامت کے دن) اس کا طوق بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائیگا۔

---

[1] انظر لمخارج حدیث الهر الفتح الكبير للنبهانی ۱/۴۹۴ والقرطبی ۱۲/۳۰۷ والغريب للقتبی ۲۰۷ والفائق ۲/۲۷۴ والترمذی والبيهقی وغيرهما وابن حبان رقم ۱۲۱ من حديث ابی قتادة وصححه الائمة واعله ابن منده وعليه تعقب للحافظ فی الفتح قال فی النيل ۱/۴۲ و فی الباب عن جابر عند ابن شاهين فی الناسخ والمنسوخ [2] عن ابن عباس والحسن ومجاهد وابراهيم وفی الطبرسی ۵/۹-۱۰ انه مولى عن ابی جعفر [3] وفی الحديث نهی رسول الله صلی الله عليه وسلم عن متحدثين علی طوفهما فی الآخر لا يصلين احدكم وهو يدافع الطوف والبول انظر الفائق ۲/۷۳ والنهاية واللسان (طوف)

فرمایا ہے تو یہ بطور تشبیہ کے ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے[۴۲] (۴۲) یاتی احدکم یوم القیامۃ شجاع اقرع لہ زبیبتان فیتطوق بہ فیقول انا الزکوٰۃ التی منعتنی کہ قیامت کے دن تم میں سے کسی ایک کے پاس گنجا سانپ آئے گا۔ اور اس کے گلے میں طوق بن کر پڑ جائے گا اور کہے گا میں تمہارا خزانہ ہوں جس کی تم نے زکوٰۃ ادا نہیں کی تھی۔

اَلطَّاقَۃُ اس مقدرت اور قوت کا نام ہے جس سے کوئی کام بمشقت کیا جا سکے جیسے کسی نے اس کی گردن میں طوق ڈال دیا ہو۔ پس آیت کریمہ:۔

وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ (۲-۲۸۶) کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہم پر ایسی ذمہ داری نہ ڈال جس کے اٹھانے کی ہم میں قدرت نہ ہو بلکہ اس سے ایسے کام مراد ہیں جن کا کرنا ہمارے لئے دشوار ہو جیسا کہ فرمایا:۔

وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ (۷-۱۵۷) اور ان پر سے بوجھ ..... اتارتے ہیں۔

اسی طرح آیت کریمہ:۔

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ (۹۴-۲) اور تم پر سے بوجھ بھی اتار دیا۔

میں وِزْرٌ سے ان دشوار عبادات کا بوجھ مراد جن کا ترک گناہ کا موجب تھا۔

اسی طرح آیت کریمہ:۔

قَالُوْا لَا طَاقَۃَ لَنَا الْیَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِہٖ (۲-۲۴۹) تو کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ میں بھی طاقۃٌ کی نفی سے یہی معنی مراد ہیں اور کبھی طاقۃ کی نفی سے قدرت کا انکار مراد ہوتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ فِدْیَۃٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ (۲-۱۸۴) اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھیں (لیکن رکھیں نہیں) وہ روزے کے بدلے محتاج کو کھانا کھلا دیں۔

کے بظاہر معنی تو یہی ہیں کہ جو شخص روزہ کی طاقت رکھتا ہو اس پر فدیہ لازم ہے خواہ روزہ رکھے یا نہ رکھے مگر اس امر پر اجماع ہو چکا ہے کہ صرف دوسری شروط کے ساتھ فدیہ لازم ہوگا۔ ایک قرأت میں یُطَوَّقُوْنَہٗ ہے یعنی جن پر ذمہ داری ڈالی گئی ہے کہ وہ بمشقت روزہ رکھیں۔

(ط و ل)

اَلطُّوْلُ یہ اسمائے اضافیہ سے ہے۔ اور اس کے معنی دراز اور لمبا ہونا کے ہیں یہ اَلْقِصَرُ کے مقابلہ میں آتا ہے اور اعیان و اعراض مثلاً زمانہ وغیرہ سب کے متعلق استعمال ہوتا ہے قرآن میں ہے:۔

فَطَالَ عَلَیْھِمُ الْاَمَدُ (۵۷-۱۶) پھر ان پر لمبا عرصہ گزر گیا۔

سَبْحًا طَوِیْلًا (۷۳-۷) بہت لمبے شغل رہتے ہیں۔

طَوِیْلٌ وَطُوَالٌ جیسے عَرِیْضٌ وَعُرَاضٌ دراز لمبا اس کی جمع طِوَالٌ آتی ہے اور بعض نے طِیَالٌ بھی کہا ہے اور لمبا ہونے کی مناسبت سے جانور کی پچھاڑی کی رسی کو طِوَلٌ کہا جاتا ہے طَوِّلْ فَرَسَكَ اپنے گھوڑے کی پچھاڑی باندھ دے۔

طِوَالُ الدَّھْرِ عرصہ دراز۔

---

(۴۲) اصلہ فی البخاری من حدیث ابی ہریرۃ (رحم، ن ۵ ات۔ عن ابن مسعود (ن، ۵) عن ابی ہریرۃ (رحم، ن۔ عن ابن عمر) والبزار وابن خزیمۃ والسفیانی (ع، حب، طب، خل، ک۔ عن ثوبان (راجع کنز العمال ج ۳ رقم ۱۲۱ - ۱۲۲ و ۱۲۲۵، ۱۲۳۶، ۱۲۲۷ والکشاف مع التخ: ۱/۳۳۲

تَطَاوَلَ فُلَانٌ درازی یا وسعت کو ظاہر کرنا۔
قرآن میں ہے :۔
فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ (۲۸-۴۵) پھر ان پہ لمبا عرصہ گزر گیا۔
اور طَوْلٌ کا لفظ خاص کر فضل و احسان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے :۔
شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ (۴۰-۳) سخت عذاب دینے والا اور صاحب کرم ہے۔
اور آیت کریمہ :۔
اِسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ (۹-۸۶) تو جوان میں دولتمند ہیں وہ تم سے اجازت طلب کرتے ہیں۔ میں اُولُو الطَّوْلِ سے خوش حال طبقہ مراد ہے اور آیت کریمہ :۔
وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا (۴-۲۵) اور جو شخص تم میں سے ۔ ۔ ۔ مقدور نہ رکھے۔
میں طَوْلًا کنایہ ہے اس مال سے رجو عورت کو) مہر میں یا نان ونفقہ کے طور پر دینا پڑتا ہے۔
طَالُوْتُ یہ اسم عجمی ہے اور بنی اسرائیل کے ایک با اقبال بادشاہ کا نام تھا۔[1]

(ط و ی)

طَوَيْتُ الشَّيْءَ طَيًّا کے معنی ہیں کسی چیز کو اس طرح لپیٹ لینا۔ جیسا کہ کپڑے کو اس کی درز پر لپیٹ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی معنی میں فرمایا :۔
يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ (۲۱-۱۰۴) جس دن ہم آسمان کو اسی طرح لپیٹ لیں گے جس طرح لکھے ہوئے کاغذوں کا طومار لپیٹ دیا جاتا ہے۔
اسی سے طَوَيْتُ الْفَلَاةَ (جنگل کو قطع کرنا) کا محاورہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جنگل کی مسافت کو قطع کیا گویا راستوں کو لپیٹ لیا طَوَى اللّٰهُ عُمُرَهٗ اللہ تعالیٰ نے اس کی عمر ختم کر دی گویا اس کی مدتِ عمر کو لپیٹ دیا۔ شاعر نے کہا ہے۔[2] (الوافر)
(۲۹۵) طَوَتْكَ خُطُوْبُ دَهْرِكَ بَعْدَ نَشْرٍ
حوادثات زمانہ نے پھیلانے کے بعد تمہیں لپیٹ دیا یعنی تمہاری عمر ختم کر دی اور بعض نے کہا ہے کہ آیت کریمہ :۔
وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ (۳۹-۶۷) اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوں گے۔
میں مَطْوِيّٰتٌ کا لفظ یا تو طَوَيْتُ الشَّيْءَ کے محاورہ سے ماخوذ ہوگا جس کے معنی لپیٹ دینا کے ہیں اور یا طَوَى اللّٰهُ عُمُرَهٗ سے ماخوذ ہوگا اور آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ جس روز آسمان کو فنا کر دیا جائے گا اور آیت :۔
اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (۲۰-۱۲)

---

[1] وقد مر فی (طل ت) وقیل ان اسمہ بالعبرانیۃ کان شاول بن قیس من اولاد بنیامین بن یعقوب ولقب بطالوت لطولہ وکان اطول من کل احد ۱۲
[2] قالہ ابو العتاہیہ (اسماعیل بن القاسم) یرثی علی بن ثابت وتمامہ : کذاک خطوبہ نشرا وطیا والبیت فی الکامل ۲۵۶ والبیان (۳: ۱۳۰: ۲۱۶) والزجاجی ۵۹ والاغانی (۳: ۱۴۲) والصناعتین ۱۱ والوحشیات (الحماسۃ الصغری) ۱۳۲ فی ستۃ ابیات و ذیل الامالی ۲ فی خمسۃ ونسبہا الی امرءۃ والسمط ۴ قال الاستاذ المیمنی :۔ والابیات لابی العتاہیۃ حقا رواہا ۴ اللیثی د محمد بن یزید الزجاجی والاصبہانی وابن عبد ربہ وآخرون یرثی بہا علی بن ثابت وکان صدیقا لہ ولہ فیہ ثلاث مراث راجع ادب الدنیا الماوردی لشرح اویس دفا ارزنجانی المعروف بخان زادہ ۲۱۶ والمعاہد ۲ / ۱۸۵

تم (یہاں) پاک میدان (یعنی) طوی میں ہو۔
کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ طُویٰ اسی وادی المقدس کا نام ہے جہاں حضرت موسیٰ پہنچ چکے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ طوی اس مرتبہ کی طرف اشارہ ہے جس سے انہیں اجتباء کے طور پر نوازا گیا تھا اگر وہ اس مرتبہ کو مساعی اور اجتہاد کی راہ سے حاصل کرنا چاہتے تو اس قدر طویل مسافت کو طے نہیں کر سکتے تھے وادی نبوت تک پہنچنے کی تمام مسافتیں ان کے لئے لپیٹ دی گئیں پھر اگر اسے اس وادی کا نام قرار دیا جائے تو اسے غیر منصرف بھی پڑھ سکتے ہیں اور منصرف بھی[1] اور اگر اسے طَوَیتُ کا مصدر مانا جائے تو منصرف ہی پڑھا جائیگا اور ثُنًی و ثِنًی کی طرح فا کلمہ (ط) پر دونوں حرکتیں جائز ہوں گی اور اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے موسیٰ کو دو مرتبہ پکارا۔

(ط ی ب)

طَابَ (ض) اَلشَّیْءُ یَطِیْبُ طَیِّبًا فَھُوَ طَیِّبٌ (کے معنی کسی چیز کے پاکیزہ اور حلال ہونے کے ہیں) قرآن میں ہے:۔
فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَاءِ (۴-۳)
تو ان کے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہوں .... ان سے نکاح کر لو۔
فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ (۴-۴) ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے .... تم کو چھوڑ دیں۔
اصل میں طَیِّبٌ اسے کہا جاتا ہے جس سے انسان کے حواس بھی لذت یاب ہوں اور نفس بھی اور شریعت کی رو سے اَلطَّعَامُ الطَّیِّبُ اس کھانے کو کہا جائے گا جو جائز طریق سے حاصل کیا جائے اور جائز جگہ سے جائزہ اندازہ کے مطابق لیا جائے کیونکہ جو غذا اس طرح حاصل کی جائے وہ دنیا اور آخرت دونوں میں خوشگوار ثابت ہوگی ورنہ دنیا کی خوشگوار چیزیں آخرت میں نقصان دہ ثابت ہونگی اسی بنا پر قرآن طیب چیزوں کے کھانے کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
کُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاکُمْ (۲-۱۷۲) جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ۔
وَکُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلًا طَیِّبًا (۵-۸۸)
اور جو حلال طیب روزی خدا نے تمہیں دی ہے اسے کھاؤ۔
لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ (۵-۸۷)
جو پاکیزہ چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو۔
کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (۲۳-۵۱)
پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ اور یہی معنی آیت:۔
وَالطَّیِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (۷-۳۲) اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں ... میں مراد ہیں۔ اور آیت:۔
اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبَاتُ (۵-۵) آج تمہارے لئے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں۔
کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ طیبات سے وہ جانور مراد ہیں جنہیں ذبح کر کے کھایا جاتا ہے اور آیت:۔
رَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبَاتِ (۱۶-۷۲) اور کھانے کو تمہیں پاکیزہ چیزیں دیں۔
میں مال غنیمت کی طرف اشارہ ہے۔ اور انسانوں سے طَیِّبٌ اس انسان کو کہا جاتا ہے جو جہالت؛

---

[1] قال فی الفتوحات لیس یرید بہ طیًا یعلاج وانتصاب وان المراد بذالک الفناء والذھاب (۳/۹۴۷)، [2] وا ما صرفہ فلانہ اسم الوادی مذکر وا ما غیرہ فلتانیث مع العلمیۃ راجع مجاز القرآن (۲: ۱۶)، [3] ویمکن ان یکون معناہ ان الوادی قدس مرتین (الکشاف ۲/ ۲۵)

فسق اور قبیح اعمال کی نجاست سے پاک ہو اور علم و ایمان اور محاسن اعمال کے زیور سے آراستہ چنانچہ آیت کریمہ:۔ اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ (۱۶-۳۲) جب فرشتے ان کی جانیں نکالتے ہیں اور یہ (کفر و شرک سے) پاک ہوتے ہیں۔ میں طَیِّبِیْنَ سے ایسے ہی لوگ مراد ہیں نیز فرمایا۔ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خَالِدِیْنَ (۳۹-۷۳) تم بہت اچھے رہے اب اس میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ۔ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً (۳-۳۸) اپنی جناب سے اولاد طیب۔

لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ (۸-۳۷) تاکہ خدا ناپاک کو پاک سے الگ کر دے۔

اور آیت کریمہ:۔ وَالطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ (۲۴-۲۶) اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے۔ میں اس امر پر تنبیہ کی ہے کہ پاکیزہ اعمال پاکیزہ انسانوں سے ہی سرزد ہوتے ہیں۔

چنانچہ مروی ہے[1] (۲۵) اَلْمُؤْمِنُ اَطْیَبُ مِنْ عَمَلِهٖ وَالْكَافِرُ اَخْبَثُ مِنْ عَمَلِهٖ (کہ مومن اپنے عمل کی وجہ سے اطیب اور کافر اپنے عمل کی وجہ سے خبیث (گندہ) ہوتا ہے۔

اور آیت کریمہ:۔ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ (۴-۲) کے معنی یہ ہیں کہ اچھے اعمال کو چھوڑ کر بد اعمالیاں مت اختیار کرو اور اسی معنی میں فرمایا:۔ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ طَیِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ (۱۴-۲۶) پاک عمل کی مثال شجرۂ طیبہ کی ہے۔

اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ (۳۵-۱۰) اسی کی طرف پاکیزہ کلمے چڑھتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔ وَمَسَاكِنَ طَیِّبَةً (۹-۷۲) کے معنی یہ ہیں.... مکانات صاف ستھرے اور فرحت بخش ہوں گے اور آیت کریمہ:۔ بَلْدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ (۳۴-۱۵) (رہنے کو) پاکیزہ شہر ہے اور (وہاں بخشنے کو) خدائے غفار میں بعض نے کہا ہے کہ جنت اور رب العزۃ کے جوار کی طرف اشارہ ہے۔ اور آیت کریمہ:۔ وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ (۷-۵۸) اور جو پاکیزہ زمین ہے۔ میں الطیب سے زرخیز زمین مراد ہے اور آیت:۔ صَعِیْدًا طَیِّبًا (۵-۶) تو پاک مٹی لو۔ میں طیب سے پاک مٹی مراد ہے یعنی جس میں نجاست کی آمیزش نہ ہو اور اِسْتِنْجَاء کو بھی اِسْتِطَابَةٌ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے پاکیزگی اور طہارت حاصل ہوتی ہے اور اَلْاَطْیَبَانِ سے کھانا و نکاح مراد ہے طَعَامٌ مُّطَیِّبَةٌ لِّلنَّفْسِ وہ کھانا جس سے طبیعت کو فرحت حاصل ہو اور طَیِّبٌ گو طَابٌ بھی کہا جاتا ہے اور مدینہ طیبہ میں ایک قسم کی کھجور ہوتی ہے جسے طَابٌ کہا جاتا ہے[2]۔ اور آیت کریمہ:۔

طُوْبٰی لَهُمْ (۱۳-۲۹) ان کے لئے خوشحالی ہے۔ میں بعض نے کہا ہے کہ طُوْبٰی جنت میں ایک درخت کا نام ہے[3] اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے ہر قسم کی خوش گواریاں مراد ہیں جو جنت میں

---

[1] قال العلامۃ القرطبی وہو الصحیح وبذالک ورد الحدیث عن عقبۃ بن عبد انظر روح المعانی ص۱۳۵ ج۱۳ [2] رطب ابن طاب
[3] قال الزجاج وہذا مروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحملہ سیبویہ علی الدعاء وقال ہو فی موضع رفع من ہو معطوفہ وحسن

حاصل ہوں گی مثلاً بقا، عزت، غنا، وغیرہ جنکے زوال کا اندیشہ نہیں ہوگا۔

(ط ی ر)

اَلطَّائِرُ ہر پردار جانور جو فضا میں حرکت کرتا ہے طَارَ یَطِیْرُ طَیَرَانًا پرند کا اڑنا۔ اَلطَّیْرُ یہ طَائِرٌ کی جمع ہے جیسے رَاکِبٌ کی جمع رَکْبٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَا طَائِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ (۶-۳۸) یا پرند جو اپنے پروں سے اڑتا ہے۔

وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَةً (۳۸-۱۹) اور پرندوں کو بھی جو کہ جمع رہتے تھے۔

وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ (۲۴-۴۱) اور پر پھیلائے ہوئے جانور بھی۔

وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ (۲۷-۱۷) اور سلیمان کے لئے جنوں اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے۔

وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ (۲۷-۲۰) انہوں نے جانوروں کا جائزہ لیا۔

تَطَیَّرَ فُلَانٌ وَاطَّیَّرَ اس کے اصل معنی تو کسی پرندہ سے شگون لینے کے ہیں پھر یہ ہر اس چیز کے متعلق استعمال ہونے لگا ہے جس سے برا شگون لیا جائے اور اسے منحوس سمجھا جائے

قرآن میں ہے:۔

اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِکُمْ (۳۶-۱۸) ہم تم کو منحوس سمجھتے ہیں۔

اسی لئے کہا گیا ہے[۱] (۱۸) لَا طَیْرَ اِلَّا طَیْرُكَ کہ نہیں ہے نحوست مگر تیری طرف سے ہے۔

قرآن میں ہے:۔

اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا (۷-۱۳۱) اگر سختی پہنچتی ہے تو ... بدشگونی لیتے ہیں۔ یعنی موسیٰؑ کو باعث نحوست سمجھتے ہیں چنانچہ ان کے جواب میں فرمایا) اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ (۷-۱۳۱) یعنی یہ ان کی بداعمالیوں کی سزا ہے جو اللہ کے ہاں سے مل رہی ہے۔

چنانچہ اسی معنی میں فرمایا:۔

قَالُوا اطَّیَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ (۲۷-۴۷) وہ کہنے لگے کہ تم اور تمہارے ساتھیوں کو ہم بدشگون خیال کرتے ہیں (صالحؑ نے) کہا کہ تمہاری بدشگونی خدا کی طرف سے ہے۔

قَالُوْا طَائِرُکُمْ مَّعَکُمْ (۳۶-۱۹) انہوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے۔

اور آیت کریمہ:۔ وَکُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ (۱۷-۱۳) اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کو اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے۔ میں انسانی اعمال کو طائر کہا گیا ہے (کیونکہ عمل کے سرزد ہو جانے کے بعد انسان کو یہ اختیار نہیں رہتا کہ اسے واپس لے گویا وہ) اس کے ہاتھوں سے اڑجاتا ہے تَطَایَرُوْا وہ نہایت تیزی سے

---

[۱] وبہ قال ابواسحاق ۱۲ [۲] ایضاً فی التاج ومن قولہم وفی الاصل انہ مرفوع من روایۃ عبداللہ بن عمر فی حدیث الطیرۃ وبعدہ:۔ ولا خیر الاخیرک (راجع عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی ۲۹۲ وتحفۃ الذاکرین ۲۱۷-۲۱۸ ومسند احمد ۲/۲۲۰ وفی الطبرانی ومجمع الزوائد من حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص وفیہ ابن الہیعۃ ضعیف ۱۲

گئے منتشر ہوگئے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے[1] (البسیط)

(۲۹۶) طَارُوْا اِلَیْهِ زَرَافَاتٍ وَّوُحْدَانًا
تو جماعتیں بن کر اور اکیلے اکیلے اس کی طرف اڑتے چلے جاتے ہیں۔

فَجْرٌ مُّسْتَطِیْرٌ منتشر ہونے والی صبح قرآن میں ہے۔

وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا (۷۶-۷)
اور اس دن سے جس کی سختی پھیل رہی ہوگی خوف رکھتے ہیں۔

غُبَارٌ مُّسْتَطَارٌ بلند اور منتشر ہونے والا غبار فجر کو فاعل تصور کر کے اس کے متعلق مستطیر اسم فاعل کا صیغہ استعمال کرتے ہیں اور غبار کو مفعول تصور کر کے مستطار کہتے ہیں۔

فَرَسٌ مُّطَارٌ ہوشیار اور تیز رو گھوڑا۔

خُذْ مَا طَارَ مِنْ شَعْرِ رَأْسِكَ یعنی اپنے سر کے پراگندہ اور لمبے بال کاٹ ڈالو[2]۔

(ط ی ن)

اَلطِّیْنُ۔ پانی میں ملی ہوئی مٹی کو کہتے ہیں گو اس سے پانی کا اثر زائل ہی کیوں نہ ہو جائے اور طِنْتُ کَذَا وَطَیَّنْتُهٗ کے معنی دیوار وغیرہ کو گارے سے لیپنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

مِنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ (۳۷-۱۱) چپکنے والی مٹی سے۔

وَخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (۷-۱۲) اور اسے مٹی سے بنایا۔

فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ (۲۸-۳۸) ہامان! میرے لئے گارے کو آگ لگوا کر (اینٹیں تیار کرواؤ)۔

---

[1] قائلہ قریط بن انیف العنبری و اولہ:- اذا الشر ابدی ناجذیہ لہم . . . کذا فی التبریزی و فی التنبیہ لابن جنی و قد ردہ ابی العلاء الطہوی والشطر من شواہد الکشاف والبیت فی اللسان والمحکم (وحد) والصناعتین ۵ ۲۸ و مجالس ثعلب ۵۰۴ والعیون ۔ (۱۸۹) فی تسعۃ ابیات والسیوطی ۲۵ و ہو من اول مقطوعۃ اختارہا ابوتمام فی الحماسۃ (۲۲-۳۱ مع المرزوقی) فی سبعۃ و فی روایۃ التبریزی ثمانیۃ ۱۲ [2] قال فی التاج ومنہ الحدیث خذ ما تطایر من شعرک و فی روایۃ من شعر راسک راجع ایضًا النہایۃ (طیر)

کِتَابُ الظَّاءِ

(ظ ع ن)

ظَعَنَ (ف) يَظْعَنُ ظَعْنًا کے معنی کوچ کرنا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَيَوْمَ ظَعْنِكُمْ (١٦-٨٠) سفر کے دن۔

اور ظَعِينَةٌ اس ہودج کو کہتے ہیں جس میں عورت سوار ہو اور کبھی یہ لفظ کنایۃً عورت کے لئے بولا جاتا ہے خواہ وہ ہودج میں نہ ہو۔

(ظ ف ر)

الظُّفْرُ (ناخن) یہ لفظ انسان اور دوسرے جانوروں کے ناخن پر بھی بولا جاتا ہے اور آیت کریمہ:۔

كُلَّ ذِي ظُفُرٍ (٦-١٤٦) تمام ناخن دار جانور

میں ذی ظفر سے ذی مخلب یعنی پنجہ دار شکاری جانور مراد ہیں اور چونکہ ناخن اس کا اوزار ہوتا ہے اس مناسبت سے ظُفْرٌ کا لفظ سلاح یعنی ہتھیار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے:۔

فُلَانٌ كَلِيلُ الظُّفْرِ فلاں کند ہتھیار یعنی کمزور ہے۔

ظَفَرَهُ فُلَانٌ فلاں نے اس میں اپنے ناخن گاڑ دیئے۔ الأَظْفَرُ لمبے ناخنوں والا۔

الظَّفَرَةُ (ناخنہ چشم) ایک قسم کی جھلی جو آنکھ کو ڈھانپ لیتی ہے اور ناخن کی طرح سخت ہوتی ہے۔

ظَفِرَتْ عَيْنُهُ اس کی آنکھ پر ناخنہ چھا گیا۔

الظَّفَرُ کامیاب ہونا۔ یہ مفہوم دراصل ظَفَرَهُ سے لیا گیا ہے جس کے معنی ناخن گاڑ دینے کے ہیں۔ أَظْفَرَهُ کامیاب کر دینا۔ قرآن میں ہے:۔

مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ (٤٨-٢٤) اس کے بعد کہ تمہیں ان پر فتحیاب کر دیا۔

(ظ ل ل)

الظِّلُّ۔ سایہ یہ الضِّحُّ (دھوپ) کی ضد ہے اور فَيْءٌ سے زیادہ عام ہے کیونکہ (مجازاً) الظِّلُّ کا لفظ رات کی تاریکی اور باغات کے سایہ پر بھی بولا جاتا ہے نیز ہر وہ جگہ جہاں دھوپ نہ پہنچے اسے ظِلٌّ کہہ دیا جاتا ہے مگر فَيْءٌ صرف اس سایہ کو کہتے ہیں جو زوال آفتاب سے ظاہر ہو اور عزت وحفاظت اور ہر قسم کی خوش حالی کو ظل سے تعبیر کر لیتے ہیں۔

چنانچہ آیت کریمہ:۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ (٧٧-٤١) کے معنی یہ ہیں کہ پرہیزگار ہر طرح سے عزت وحفاظت میں ہوں گے۔ نیز فرمایا:۔

أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا (١٣-٣٥) اس کے پھل ہمیشہ قائم رہنے والے ہیں اور اس کی خوش گواریاں بھی۔

هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِیْ ظِلٰلٍ (۳۶-۵۶) وہ بھی اور ان کی بیویاں ہر قسم کی خوشحالیوں میں۔
ظَلَّنِیَ الشَّجَرُ وَاَظَلَّنِیْ درخت نے مجھ پر سایہ کیا۔ قرآن میں ہے:۔
وَ ظَلَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْغَمَامَ (۲-۵۷) اور ہم نے بادلوں کا تم پر سایہ کئے رکھا۔
وَاَظَلَّنِیْ فُلَانٌ اس نے میری حفاظت کی مجھے اپنے زیر سایہ لے لیا مجھے عزت سے رکھا۔ اور آیت کریمہ: یَتَفَیَّؤُا (۱۶-۴۸) جن کے سائے ...... لوٹتے رہتے ہیں۔
کے معنی یہ ہیں کہ سائے کا وجود بھی اللہ تعالےٰ کی وحدانیت اور حکمت پر دلالت کرتا ہے اور آیت کریمہ:۔
وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ اِلٰی قَوْلِهٖ وَظِلٰلُهُمْ (۱۳-۱۵) اور ...... خدا کے آگے سجدہ کرتی ہے اور ان کے سائے بھی۔
کی تفسیر میں حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ انسان! تیرا سایہ تو اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتا ہے مگر تو کفر پر تلا ہوا ہے ظِلٌّ ظَلِیْلٌ گھنا سایہ۔ مگر آیت کریمہ:۔
وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِیْلًا (۴-۵۷) اور ان کو ہم گھنے سائے میں داخل کریں گے۔
میں ظِلًّا ظَلِیْلًا سے کنایۃً زندگی کی آسائش مراد ہے اور ظُلَّةٌ سایہ فگن بدلی کو کہتے ہیں اور عام طور پر اس کا استعمال ناخوشگوار مواقع پر ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
کَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ (۷-۱۷۱) گویا وہ سایہ دار بدلی ہے۔
عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ سائبان کی طرح چھا جانیوالے دن کے عذاب نے" (۲۶-۱۸۹) اور آیت کریمہ:۔
اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ (۲-۲۱۰)
ان پر خدا کا عذاب سایہ دار بادلوں میں نازل ہو۔
میں ظُلَلٌ کا واحد ظُلَّةٌ آتا ہے جیسے غُرْفَةٌ وَغُرَفٌ وَقُرْبَةٌ وَقُرَبٌ اور ایک قراءت میں فِیْ ظِلَالٍ مِّنَ الْغَمَامِ بھی ہے اور ظِلَالٌ ظُلَّةٌ کی جمع بھی ہوسکتی جیسے عُلْبَةٌ کی جمع عِلَابٌ مِحْفَرَةٌ کی جمع حِفَارٌ آجاتی ہے اور ظِلٌّ کی بھی جیسا کہ آیت یَتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ (۱۶-۴۸) میں ہے
بعض اہل لغت کا خیال ہے کہ ہر بلند ہونے والی چیز کو ظِلٌّ کہا جاتا ہے چنانچہ شاعر نے کہا ہے[1] (البسیط) (۲۹۷) لَمَّا نَزَلْنَا رَفَعْنَا ظِلَّ اَخْبِیَةٍ
جب ہم فروکش ہوئے تو خیمے نصب کر دیئے۔
اور یہ ظاہر ہے کہ ظِلٌّ یعنی سایہ کو تو کوئی شخص بھی نصب نہیں کرتا لہٰذا یہاں ظِلَّ اَخْبِیَةٍ سے مراد خیمے ہیں اسی طرح دوسرے شاعر نے کہا ہے[2] (الطویل)
(۲۹۸) تَتَبَّعُ اَفْیَاءَ الظِّلَالِ عَشِیَّةً
کہ شام کے وقت سایوں کے پیچھے چلتی ہے۔

---

[1] قالہ عبدۃ بن الطبیب المحضری وتمامہ: وفار للقوم باللحم المراجل. ولامینۃ مفضلیۃ والبیت فی (۱: ۱۳۹) وفی روایۃ اللالی مع السمط (۱: ۶۹) وردنا بدل نزلنا وارد یۃ بدل اخبیۃ وراجع ترجمۃ الشاعر الاصابۃ وابن الانباری ۸۰۶ والبیت ایضًا فی لجر ۵: ۸۹۴ والکامل. ۹۴ لکن فیھا نصبنا بدل رفعنا والمحاضرات للمولف (۲: ۷۱۲) والعقد (۱: ۱۹۲) [2] قالہ علقمۃ بن عبدۃ الفحل والبیت من کلمۃ مفضلیۃ (۲: ۱۹۳) والضمیر للناقۃ وفی المطبوع تتبع بالیا محرف وتمامہ: علی طرق کانھن سبوب. والبیت فی منتھی الطلب والشعراء ومختار الجاھلی (۱: ۳۲۱) والعقد الثمین ۱۰۶ وایام العرب ۵۲ والشطر الثانی البحر ۵: ۸۹۴

مگر ان اشعار سے یہ معنی ثابت نہیں ہوتے کیونکہ مصرعہ اول کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے خیمے نصب کئے جن کے ساتھ ان کے سائے بھی بلند ہو گئے اور دوسرے مصرعہ میں اَلظِّلَالُ عام ہے اور فَیْءٌ کا لفظ خاص لہٰذا اَفْیَاءُ الظِّلَالِ میں اَلظِّلَالِ کی طرف اَفْیَاءَ کی اضافت ایسے ہی ہے جیسے کسی خاص کو عام کی طرف مضاف کر دیا جاتا ہے اور اسے اِضَافَۃُ الشَّیْءِ اِلٰی جِنْسِہٖ کہتے ہیں۔

نیز اَلظُّلَّۃُ کا لفظ کینوپی کی مثل ہر چھا جانے والی چیز پر بولا جاتا ہے اس بنا پر آیت کریمہ:۔ وَاِذَا غَشِیَہُمْ مَوْجٌ کَالظُّلَلِ (۳۱-۳۲) کے معنی یہ ہیں جب بادلوں کی طرح سمندر کی بڑی بڑی موجیں انہیں ڈھانپ لیتی ہیں نیز فرمایا:۔ لَہُمْ مِّنْ فَوْقِہِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِہِمْ ظُلَلٌ (۳۹-۱۶) ان کے اوپر آگ کے سائبان ہوں اور نیچے بھی۔

اور ہر ڈھانپ لینے والی چیز کو ظِلٌّ کہا جاتا ہے خواہ وہ اچھی ہو یا بری چنانچہ اچھے معنوں میں فرمایا:۔ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ (۳۵-۲۱) اور نہ سایہ اور نہ دھوپ۔

وَدَانِیَۃً عَلَیْہِمْ ظِلٰلُہَا (۷۶-۱۴) ان سے ..... ان کے سائے قریب ہوں گے۔

اور برے معنوں میں فرمایا:۔ وَظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ (۵۶-۴۳) اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں۔

اور آیت کریمہ:۔ اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ (۷۷-۳۰) یعنی تین شاخوں والے سائے کی طرف۔

میں ظِلٌّ ظُلَّۃٌ کے ہم معنی ہے جیسا کہ آیت کریمہ:۔ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ (۳۹-۱۶) سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ ظُلَّۃٌ کی جمع ہے لہٰذا اس کے بعد لَا ظَلِیْلٍ (۷۷-۳۱) کے معنی یہ ہیں کہ وہ سایہ دوزخ کی گرمی سے بچانے کا کام نہیں دیگا اور حدیث میں جو آیا ہے کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ اِذَا مَشٰی لَمْ یَکُنْ لَہٗ ظِلٌّ کہ آنحضرت چلتے تو آپ کا سایہ نہ ہوتا تھا تو اس کی تفسیر دوسرے موقع پر بیان ہوگی۔

ظَلِلْتُ وَظَلْتُ (ایک لام کے ساتھ) یہ اصل میں تو اس کام کے متعلق استعمال ہوتا ہے جو دن کے وقت کیا جائے مگر کبھی بمعنی صِرْتُ یعنی ہو جانا بھی آ جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔ فَظَلْتُمْ تَفَکَّہُوْنَ (۵۶-۶۵) اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ گے۔

لَظَلُّوْا مِنْ بَعْدِہٖ یَکْفُرُوْنَ (۳۰-۵۱) تو اس کے بعد وہ ناشکری کرنے لگ جائیں۔

ظَلْتَ عَلَیْہِ عَاکِفًا (۲۰-۹۷) جس کی عبادت پر جما ہوا تھا۔

(ظ ل م)

اَلظُّلْمَۃُ۔ کے معنی ہیں روشنی کا معدوم ہونا اس کی جمع ظُلُمَاتٌ ہے۔ قرآن میں ہے:۔ اَوْ کَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ (۲۴-۴۰) یا ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے دریائے عمیق میں اندھیرے۔

ظُلُمٰتٌ بَعْضُہَا فَوْقَ بَعْضٍ (۲۴-۴۰) (غرض) اندھیرے ہی اندھیرے ہوں ایک پر ایک چھایا ہوا۔

اَمَّنْ یَّہْدِیْکُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (۲۷-۶۳) بتاؤ بر و بحر کی تاریکیوں میں تمہاری کون رہنمائی کرتا ہے۔ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ (۶-۱) اور تاریکیاں

اور روشنی بنائی۔

اور کبھی ظُلْمَۃٌ کا لفظ بول کر جہالت شرک اور فسق وفجور کے معنی مراد لئے جاتے ہیں جس طرح کہ نورٌ کا لفظ ان کے اضداد یعنی علم وایمان اور عمل صالح پر بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (۲-۲۵۷) ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے۔

أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (۱۴-۵) کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے جاؤ۔

فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ (۲۱-۸۷) آخر تاریکیوں میں خدا کو پکارنے لگے۔ اور آیت کریمہ:۔

كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ (۶-۱۲۲) کہیں اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیرے میں ہو۔ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ (۱۳-۱۹) کے ہم معنی ہے اور آیت سورہ انعام:۔

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ (۶-۳۹) اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ بہرے اور گونگے ہیں اور تاریکیوں میں پڑے رہتے ہیں۔ میں فِي الظُّلُمَاتِ کا لفظ آیت صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ (۲-۱۸) میں عُمْيٌ کی جگہ پر استعمال ہوا ہے اور آیت کریمہ:۔

فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ (۳۹-۶) تین اندھیروں میں، میں تین تاریکیوں سے مراد پیٹ رحم اور بچہ دانی کی تاریکی مراد ہے۔

أَظْلَمَ کے معنی ہیں تاریکی میں ہو جانا۔ قرآن میں ہے:۔

فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ (۳۶-۳۷) پھر اچانک وہ تاریکی میں رہ جاتے ہیں۔

اَلظُّلْمُ اہل لغت اور اکثر علماء کے نزدیک ظلم کے معنی ہیں کسی چیز کو اس کے مخصوص مقام پر نہ رکھنا خواہ کمی یا زیادتی کر کے یا اسے اس کے صحیح وقت یا اصلی جگہ سے ہٹا کر۔ اسی سے ظَلَمْتُ السِّقَاءَ کا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں مشکیزہ میں دودھ جمنے کے لئے رکھا اور دہی بننے سے پہلے ہی پی لیا اور ایسے دودھ کو ......

ظَلِيْمٌ کہتے ہیں ظَلَمْتُ الْأَرْضَ میں نے زمین کو ایسے مقام سے کھودا جہاں سے کھودنا نہیں چاہیئے تھا اس قسم کی زمین کو "مَظْلُوْمَۃٌ" کہا جاتا ہے اور اس سے کھود کر جو مٹی نکالی جاتی ہے اس مٹی کو ظَلِیْمٌ کہتے ہیں۔

اور اَلظُّلْمُ کا لفظ حق سے تجاوز پر بولا جاتا ہے جس کی مثال دائرہ میں مرکزی نقطہ کی ہوتی ہے اور ظلم کا اطلاق چونکہ ہر قسم کے تجاوز پر ہوتا ہے خواہ وہ تجاوز قلیل ہو یا کثیر یہی وجہ ہے کہ ایک طرف تو ابلیس کو ظالم کہا ہے اور دوسری طرف آدم علیہ السلام کو ان کی غلطی کی بنا پر ظالم کہہ دیا گیا ہے گو دونوں کے ظالم ہونے میں بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔

بعض حکماء نے کہا ہے کہ ظلم تین قسم پر ہے (۱) وہ ظلم جو انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرتا ہے اس کی کسب سے بڑی قسم کفر وشرک اور نفاق ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (۳۱-۱۳) شرک تو بڑا بھاری ظلم ہے۔

اور آیات:۔

أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ (۱۱-۱۸) سن رکھو کہ

سلہ کذا فی جمل المعاجم ۲ اسلہ التقسیم ایضاً مروی عن ابن عباس (الطیالسی ۲، البزار) راجع کنز العمال ج۲ رقم ۱۲۶۴۲

ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔
وَالظّٰلِمِیْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا (۷۶-۳۱)
اور ظالموں کے لئے اس نے دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔
فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَذَبَ عَلَى اللّٰهِ (۳۹-۳۲)
تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ بولے۔
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ (۶-۱۵) اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ افترا کرے۔
اور اس نوع کی دیگر آیات میں اسی قسم کا ظلم مراد ہے
(۲) دوسری قسم کا ظلم وہ ہے جو انسان ایک دوسرے پر کرتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔
وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ (۴۲-۴۰) اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے مگر جو درگزر کرے اور معاملے کو درست کرے تو اس کا بدلہ خدا کے ذمہ ہے اس میں شک نہیں کہ وہ ظلم کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا میں ظالمین سے اسی قسم کے لوگ مراد ہیں۔ نیز آیت کریمہ:۔
اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَى الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ (۴۲-۴۲) الزام تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔
میں بھی ظلم کے یہی معنی مراد ہیں اسیطرح فرمایا:۔
وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا (۱۷-۳۳) اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے۔
(۳) تیسری قسم کا ظلم وہ ہے جو ایک انسان خود اپنے نفس پر کرتا ہے۔ چنانچہ اسی معنی میں فرمایا:۔
فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ (۳۵-۳۲) تو کچھ ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔
ظَلَمْتُ نَفْسِیْ (۲۸-۱۶) میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔
اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ (۴-۶۴) جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھتے تھے۔
فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (۷-۱۹) ورنہ ظالم ہو جاؤ گے۔
یعنی ان لوگوں سے ہو جاؤ گے جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔
وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ (۲-۲۳۱) اور جو ایسا کرے گا وہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرے گا۔
یہ تینوں قسم کا ظلم درحقیقت ظلم علی النفس ہی ہے کیونکہ جب انسان پہلے پہل ظلم کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اس بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ ظالم اپنے ظلم کی ابتدا ہمیشہ اپنی ذات سے کرتا ہے اس بنا پر متعدد مقامات پر فرمایا:۔
وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ (۱۶-۳۳) خدا نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ تو خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔
وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ (۲-۵۷) وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑتے تھے۔ بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔
اور آیت:۔
وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (۶-۸۲) اور اپنے ایمان کو (شرک کے ظلم) سے مخلوط نہیں کیا۔
کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ ظُلْمٌ سے شرک مراد ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ پر اس کا بہت گہرا اثر ہوا ان کی یہ حالت دیکھ کر آنحضرتؐ نے فرمایا (۲۶) کہ ظلم سے مراد تو شرک ہے جیسا کہ حضرت لقمانؑ کے قول:۔

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (۳۱-۱۳) شرک تو بڑا بھاری ظلم ہے ــــ سے معلوم ہوتا ہے۔[1]
اور آیت کریمہ :۔
وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا (۱۸-۳۳) اور اس کی پیداوار میں کسی طرح کی کمی نہ ہوتی۔
لَمْ تَظْلِمْ کے معنی لَمْ تَنْقُصْ کے ہیں یعنی اس کی پیداوار میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوتی تھی اور آیت :۔
وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (۳۹-۴۷) اور اگر ظالموں کے پاس وہ سب مال ومتاع ہو جو زمین میں ہے۔
میں ظلم کا لفظ تینوں قسم کے ظلم کو شامل ہے کیونکہ جس شخص نے دنیا میں ادنیٰ سا ظلم بھی کیا ہوگا وہ قیامت کے دن دنیا کا سب مال ومتاع فدیہ دے کر رہا ہونے کی کوشش کرے گا۔
اور آیت کریمہ :۔
هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى (۵۳-۵۲) وہ لوگ بڑے ہی ظالم اور بڑے ہی سرکش تھے۔
میں متنبہ کیا ہے کہ ظلم وستم کا انجام برا ہوتا ہے اور ایسے لوگ آخر کار ہلاک ہو جاتے ہیں چنانچہ نوح علیہ السلام کی قوم کا قصہ اس امر کا شاہد ہے اور قرآن نے ایک موقع پر تو۔ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ (۴۰-۳۱) اور خدا بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ کہا ہے اور دوسرے مقام پر :۔
وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (۵۰-۲۹) اور ہم بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتے۔ فرمایا ہے۔ پس پہلی آیت میں عباد یعنی بندوں سے ارادہ ظلم کی نفی کرنا مقصود ہے اور دوسری آیت میں بندوں پر سے لفظ ظَلَّامٌ (صیغہ مبالغہ) کے ساتھ نفی کی ہے۔ ان دونوں میں جو باریک فرق پایا جاتا ہے اس کی وضاحت ہم دوسری کتاب میں بیان کریں گے۔[2]
ظَلِيْمٌ نر شتر مرغ کیونکہ عرب لوگ اسے مظلوم جانور خیال کرتے تھے۔
چنانچہ شاعر نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے[3] (السریع)
(۲۹۹) فَصِرْتُ كَالْهَيْقِ غَدَا يَبْتَغِيْ
قَرْنًا فَلَمْ يَرْجِعْ بِاُذْنَيْنِ
میں شتر مرغ کی طرف خائب وخاسر ہو کر لوٹا جو گیا تھا سینگ لینے مگر کھو بیٹھا کان بھی۔
ظَلْمٌ کے معنی دانتوں کی آب وتاب کے ہیں خلیل نے کہا ہے[4]:۔ لَقِيْتُهٗ اَدْنٰى ظَلَمٍ اَوْ ذِيْ ظَلَمَةٍ یعنی سب سے پہلے جس چیز پر میری نظر پڑی اور میری نظر کو اس نے روکا وہ فلاں شخص ہے مگر اس معنی سے فعل مشتق ہو کر استعمال نہیں ہوتا۔

(ظ م ء)

اَلظِّمْءُ دو مرتبہ پانی پینے کے درمیان کا وقفہ اَلظَّمَاءُ پیاس جو اس وقفہ میں عارض ہو در اصل

---

[1] متفق علیہ من حدیث ابن مسعود ۱۲ [2] راجع لتاویل الآیۃ شرح الدرۃ للخفاجی ۱۳۲-۱۳۳ [3] قال بشار بن برد الاعمٰی فی قصیدۃ مطلعہا :۔ شط بسلمٰی عاجل البین وجاوزت اسد بنی القین۔ وقبلہ :۔ طالبہا قلبی فراعنت بہ۔ واسکنت قلبی مع الدین ۔ وفی روایۃ کالہقل بدل الہیق وکنت بدل فصرت والبیت فی ذیل الامالی ۷۰ اِلی خمستہ وفی روایۃ فکنت کالہقل۔ والمحاضرات للمؤلف (۱: ۶۷۱، ۲: ۲۰۲) والعیون (۳: ۱۴۱) والسمط (۳: ۵) قال الاستاذ المیمنی وفی ب ۵ کالعیر غدا کذا فی العیون وہو المضروب فیہ المثل راجع العیون مہر ام ابو المیدانی والابیات مع الخبر فی الاغانی (۳: ۲۰۵-۲۰۶) [4] راجع للکلمۃ مجالس ثعلب۔ ۸ ومعناہ وضح لک ۱۲

یہ ظَمِیَ یَظْمَا فَھُوَ ظَمْاٰنٌ کا مصدر ہے ۔
قرآن میں ہے :۔
وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْھَا وَلَا تَضْحٰی (۲۰-۱۱۹) اور یہ کہ نہ پیاسے رہو اور نہ دھوپ کھاؤ۔
یَحْسَبُہُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰی اِذَا جَآءَہٗ لَمْ یَجِدْہُ شَیْئًا (۲۴-۳۹) کہ پیاسا اسے پانی سمجھ کر اس کی طرف جاتا ہے مگر جب وہاں پہنچتا ہے تو کچھ نہیں پاتا۔

(ظ ن ن)

اَلظَّنُّ کسی چیز کے علامات سے جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے اسے ظَنٌّ کہتے ہیں جب یہ علامت قوی ہو تو ان سے علم کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے مگر جب بہت کمزور ہوں تو وہ نتیجہ وہم کی حد سے آگے تجاوز نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ جب وہ نتیجہ قوی ہو جائے اور علم کا درجہ حاصل کرلے یا اسے علم کے درجہ میں فرض کر لیا جائے تو اس کے بعد اَنَّ یا اَنْ استعمال ہوتا ہے۔ مگر جب وہ ظن کمزور ہو اور وہم کے درجہ سے آگے نہ بڑھے تو پھر اسکے ساتھ صرف اَنْ استعمال ہوتا ہے جو کسی قول یا فعل کے عدم کے ساتھ مختص ہے۔ چنانچہ آیات :۔
اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُلٰقُوْا رَبِّھِمْ (۲-۴۶) جو یقین کئے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں۔
یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُلٰقُوا اللّٰہِ (۲-۲۴۹) جو لوگ یقین رکھتے ہیں کہ ان کو خدا کے روبرو حاضر ہونا ہے۔
وَظَنَّ اَنَّہُ الْفِرَاقُ (۷۵-۲۸) اور اس (جاں بلب) نے سمجھا کہ اب سب سے جدائی ہے۔
میں ظَنَّ کا لفظ علم و یقین کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور آیت کریمہ :۔
اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ (۸۳-۴) میں ان کی انتہائی مذمت کی ہے اور معنی یہ ہیں کہ موت کے بعد زندہ ہونے کے دلائل نہایت واضح ہیں مگر یہ اس زندگی کا گمان تک نہیں کرتے۔ اور آیت کریمہ :۔
وَظَنَّ اَھْلُھَآ اَنَّھُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْھَا (۱۰-۲۴) اور زمین والوں نے خیال کیا کہ وہ اس پر پوری دسترس رکھتے ہیں۔
میں اشارہ ہے کہ زیادہ لالچ اور طمع میں آکر وہ اس امر کا یقین کر بیٹھتے تھے۔ اور آیت کریمہ :۔
وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰہُ (۳۸-۲۴) میں ظن بمعنی علم ہے اور فتنہ کے یہاں وہی معنی ہیں جو کہ آیت :۔ وَفَتَنّٰکَ فُتُوْنًا (۲۰-۴۰) میں ہیں اور آیت :۔ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّھَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْہِ (۲۱-۸۷) اور ذوالنون کو یاد کرو جب وہ (اپنی قوم سے ناراض ہو کر) غصے کی حالت میں چل دیئے اور خیال کیا کہ ہم ان پر قابو نہیں پاسکیں گے۔ میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں ظَنَّ بمعنی وہم لینا بہتر ہے یعنی ان کے دل میں یہ وہم گذرا کہ ہم ان پر قابو نہیں پاسکیں گے اور آیت :۔
وَاسْتَکْبَرَ ھُوَ وَجُنُوْدُہٗ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ اِلَیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ (۲۸-۳۹) اور وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحق مغرور ہو رہے تھے اور خیال کرتے تھے کہ ہماری طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔
میں ظَنَّ کے بعد اَنَّ لایا گیا ہے جو کہ ظن بمعنی علم کے بعد استعمال ہوتا ہے پس اس سے متنبہ کیا ہے کہ انہوں نے اپنی جگہ پر یقین کر لیا تھا گو یہ یقین بے اصل تھا۔ اور آیت کریمہ :۔

وَيَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ (۳-۱۵۴) وہ خدا کے بارے میں ناحق زمانہ جاہلیت کے سے گمان کرتے ہیں۔

کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ زمانہ جاہلیت کی طرح اللہ تعالیٰ کے متعلق طرح طرح کی قیاس آرائیاں کر رہے ہیں یعنی وہ خیال کرتے ہیں کہ پیغمبر نے انکے سامنے غلط بیانی کی ہے اس سے تنبیہ کی ہے کہ منافقین کی یہ بدگمانیاں کفار کی سی ہیں اور وہ اس قسم کی افواہیں پھیلا کر کفار کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

اور آیت کریمہ:۔ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ (۵۹-۲) اور وہ لوگ یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کے قلعے ان کو ..... بچالیں گے۔

کے معنی یہ ہیں کہ ان کا یہ خیال اس قدر پختہ تھا جیسا کہ کسی شخص کو پورا یقین ہوتا ہے اسی معنی میں فرمایا۔

وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (۴۱-۲۲) بلکہ تم یہ خیال کرتے تھے کہ خدا کو تمہارے بہت سے عملوں کی خبر ہی نہیں۔

ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ (۴۱-۲۳) اور اسی خیال نے جو تم ..... رکھتے تھے۔

اور آیت کریمہ:۔

اَلظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ (۴۸-۶) جو خدا کے حق میں برے برے خیال رکھتے ہیں۔ میں ظَنَّ السَّوْءِ کی تفسیر بعد کی آیت:۔

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ (۴۸-۱۲) بات یہ ہے کہ تم لوگ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ پیغمبر ..... کبھی لوٹ کر آنے کے ہی نہیں۔ میں بیان کردی ہے۔ نیز فرمایا۔

اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا (۴۵-۳۲) ہم اس کو محض ظنی خیال کرتے ہیں۔

اور ظن چونکہ عام طور پر برا ہوتا ہے اس لئے اس کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا (۱۰-۳۶) اور ان میں کے اکثر صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں۔

وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ (۵۳-۲۸) اور ظن یقین کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا۔

وَاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ (۷۲-۷) اور یہ کہ ان کا بھی یہی اعتقاد تھا جس طرح تمہارا۔

اور ایک قرأت میں:۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِظَنِيْنٍ (۸۱-۲۴) اور وہ پوشیدہ باتوں کے ظاہر کرنے میں بخیل نہیں۔ ضاد کی بجائے ظاء کے ساتھ ہے جس کے معنی متہم کے ہیں۔

(ظ ھ ر)

اَلظَّهْرُ کے معنی پیٹھ اور پشت کے ہیں اس کی جمع ظُهُوْرٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ (۸۴-۱۰) اور جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائیگا

مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (۷-۱۷۲) یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد۔ اور آیت کریمہ:۔

اَنْقَضَ ظَهْرَكَ (۹۴-۳) جس نے تمہاری پیٹھ توڑ رکھی تھی۔

میں گناہوں کو بوجھ کے ساتھ تشبیہ دے کر ظھر کا لفظ بطور استعارہ استعمال کیا ہے کیونکہ بوجھ عام طور پیٹھ پر اٹھایا جاتا ہے اور کبھی ظہر کا لفظ بطور استعارہ روئے زمین کے معنی میں بھی آجاتا ہے۔ کہا جاتا ہے ظَهْرُ الْاَرْضِ زمین کا اوپر کا حصہ اس کے بالمقابل بَطْنُ الْاَرْضِ کے معنی ہیں زمین

کا اندرونی حصہ قرآن میں ہے:۔
مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ (۳۵-۴۵) اسے زمین پر ایک چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا۔
رَجُلٌ مُظْهَرٌ قوی پشت مضبوط آدمی ظَهَرَ پیٹھ درد کرنا اور ظَهْرٌ سواری کو کہتے ہیں۔ نیز ظَهْرٌ۔ مددگار، پشت پناہ، بَعِيْرٌ ظَهِيْرٌ قوی اونٹ ظِهْرِيٌّ وہ فالتو سواری جسے احتیاطاً ساتھ رکھ لیا جاتا ہے تاکہ بوقت ضرورت اسے استعمال کیا جا سکے۔
نیز ظِهْرِيٌّ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جسے پس پشت ڈال کر بھولی بسری کر دیا جائے قرآن میں ہے:۔
وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا (۱۱-۹۲) پیٹھ پیچھے......
ظَهَرَ عَلَيْهِ کے معنی ہیں وہ اس پر غالب آگیا، قرآن میں ہے:۔
اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ (۱۸-۲۰) اگر وہ تم پر دسترس پالیں۔
ظَاهَرْتُهٗ میں نے اس کی مدد کی (اور ظَاهَرَ عَلَيْهِ کے معنی ہیں اس کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی) قرآن میں ہے:۔
وَظَاهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ (۶۰-۹) اور انہوں نے تمہارے نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی۔
وَاِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ (۶۶-۴) اور اگر پیغمبر کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی۔ ایک قرأت میں تَظَّاهَرَا ہے (یعنی تاء کو ظاء میں ادغام کیساتھ)
اَلَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ (۳۳-۲۶) (اور اہل کتاب میں سے) جنہوں نے ان کی مدد کی۔
تَظَاهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۲-۸۵) تم ان کے خلاف گناہ اور زیادتی سے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو۔
اَلظَّهِيْرُ۔ مددگار۔ قرآن میں ہے:۔
وَمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ (۳۴-۲۲) اور نہ ان میں سے کوئی خدا کا مددگار ہے۔
فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ (۲۸-۸۶) تو تم ہرگز کافروں کے مددگار نہ ہونا۔
وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ (۶۶-۴) اور ان کے علاوہ اور فرشتے بھی مددگار ہیں۔
اور آیت کریمہ:۔
وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا (۲۵-۵۵) اور کافر اپنے پروردگار کی مخالفت میں بڑا زور مارتا ہے۔
کے معنی یہ ہیں کہ کافر خدائے رحمٰن کی مخالفت میں شیطان کا مددگار بنا ہوا ہے ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ یہاں ظَهِيْرٌ کے معنی ہیں پس پشت ڈالا ہوا اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالٰی کے نزدیک کافر کی مثال اس چیز کی سی ہے جسے بے وقعت سمجھ کر پس پشت ڈال دیا جائے اور یہ ظَهَرْتُ بِكَذَا سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں میں نے اسے پس پشت ڈال دیا اور درخور اعتناء نہ سمجھا۔
اَلظِّهَارُ کے معنی ہیں خاوند کا بیوی سے یہ کہنا کہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت کہا جاتا ہے ظَاهَرَ مِنِ امْرَاَتِهٖ اس نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا۔ قرآن میں ہے:۔
وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ (۵۸-۳) اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیں۔
ایک قرأت میں يَظَّاهَرُوْنَ ہے جو اصل میں يَتَظَاهَرُوْنَ ہے اور تاء ظاء میں مدغم ہے اور ایک قرأت يَظْهَرُوْنَ ہے

لہ نسب الطبری (۲۸ ر ۷) القراءة الاولی الی عامة قراء المدینة سوا نافع والی عامة قراء الکوفة سوا عاصم والقراءة الثانیة الی نافع وابو عمرو ۱۲

ظَھَرَ الشَّیْءُ کسی چیز کا زمین کے اوپر اس طرح ظاہر ہونا کہ نمایاں طور پر نظر آئے اس کے بالمقابل بَطَنَ کے معنی ہیں کسی چیز کا زمین کے اندر غائب ہو جانا پھر ہر وہ چیز جو اس طرح پر نمایاں ہو کہ آنکھ یا بصیرت سے اس کا ادراک ہو سکتا ہو اسے ظَاھِرٌ کہہ دیا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

اَوْ اَنْ یُّظْھِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ (۴۰-۲۶) یا ملک میں فساد (نہ) پیدا کر دے۔

مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ (۶-۱۵۱) ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔

اِلَّا مِرَاءً ظَاھِرًا (۱۸-۲۲) مگر سرسری سی گفتگو۔ اور آیت کریمہ:۔

یَعْلَمُوْنَ ظَاھِرًا مِّنَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (۳۰-۷) یہ دنیا کی ظاہری زندگی ہی کو جانتے ہیں کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ صرف دنیوی امور سے واقفیت رکھتے ہیں اخروی امور سے بالکل بے بہرہ ہیں اور العلم الظاہر والباطن سے کبھی جلی اور خفی علوم مراد ہوتے ہیں اور کبھی دنیوی اور اخروی۔ قرآن میں ہے:۔

بَاطِنُہٗ فِیْہِ الرَّحْمَۃُ وَظَاھِرُہٗ مِنْ قِبَلِہِ الْعَذَابُ (۵۷-۱۳) جو اس کی جانب اندرونی ہے اس میں تو رحمت ہے اور جو جانب بیرونی ہے اس طرف عذاب۔

اور آیت کریمہ:۔

ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (۳۰-۴۱) خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا۔

میں ظَھَرَ کے معنی ہیں زیادہ ہو گیا اور پھیل گیا اور آیت:۔

وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاھِرَۃً وَّبَاطِنَۃً (۳۱-۲۰) اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔

میں ظَاھِرَۃً سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو ہمارے علم میں آسکتی ہیں اور بَاطِنَۃً سے وہ جو ہمارے علم سے بالا ہیں چنانچہ اسی معنی کی طرح اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا (۱۴-۳۴) اور اگر خدا کے احسان گننے لگو تو شمار نہ کر سکو۔

اور آیت کریمہ:۔

قُرًی ظَاھِرَۃً (۳۴-۱۸) کے عام معنی تو یہی ہیں کہ وہ بستیاں سامنے نظر آتی تھیں مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بطور مثال کے انسانی احوال کی طرف اشارہ ہو جس کی تصریح اس کتاب کے بعد دوسری کتاب میں) بیان کریں گے انشاء اللہ۔

اظھرہٗ عَلَیْہِ اسے اس پر مطلع کر دیا۔

چنانچہ آیت کریمہ:۔

فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا (۷۲-۲۶) کے معنی یہ ہیں کہ اللہ اپنے غائب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا اور آیت کریمہ:۔

لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ (۹-۳۳) میں یُظْھِرَ کے معنی نمایاں کرنا بھی ہو سکتے ہیں اور معاونت اور غلبہ کے بھی یعنی تمام ادیان پر اسے غالب کرے چنانچہ اس دوسرے معنی کے لحاظ سے فرمایا۔

اِنْ یَّظْھَرُوْا عَلَیْکُمْ یَرْجُمُوْکُمْ (۱۸-۲۰) اگر وہ تم پر دسترس پالیں گے تو تمہیں سنگسار

ے و ایضاً ظہر علیہ اطلع علیہ کما فی قولہ تعالیٰ لَمْ یَظْھَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَاءِ (۲۴-۳۱)

کر دیں گے۔
یٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِى الْاَرْضِ (۴۰-۲۹) اے قوم آج تمہاری ہی بادشاہت ہے اور تم ہی ملک میں غالب ہو۔
فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ (۱۸-۹۷) پھر ان میں یہ قدرت نہ رہی کہ اس کے اوپر چڑھ سکیں۔
صَلٰوةُ الظُّهْرِ ظہر کی نماز۔ ظَهِيْرَةٌ ظہر کا وقت۔ اَظْهَرَ فُلَانٌ فلاں ظہر کے وقت میں داخل ہوگیا جیسا کہ اَصْبَحَ وَاَمْسٰى صبح اور شام میں داخل ہونا۔ قرآن میں ہے:۔
وَلَهُ الْحَمْدُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ (۳۰-۱۸) اور آسمان اور زمین میں اسی کیلئے تعریف ہے اور سہ پہر کے وقت بھی اور جب تم ظہر کے وقت میں داخل ہوتے ہو۔

کِتَابُ العَیْنِ

(ع ب أ)

مَا عَبَأْتُ بِہٖ۔ مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں اصل میں اَلْعَبْءُ کے معنی ثقل اور بوجھ کے ہیں لہٰذا مَا عَبَأْتُ بِہٖ کے معنی ہوں گے میرے نزدیک اس کا کوئی وزن نہیں یا میری نگاہ میں اس کی کچھ بھی قدر و قیمت نہیں قرآن میں ہے:۔ قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ۔ (۲۵-۷۷) کہہ دو کہ میرے پروردگار کی نگاہوں میں تمہاری کچھ بھی قدرو قیمت نہیں۔

بعض کے نزدیک آیت کریمہ میں یَعْبَؤُا کا لفظ عَبَأْتُ الطِّیْبَ کے محاورہ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں میں نے خوشبو کو باقی رکھا پس آیت کے معنی یہ ہیں "اگر تم اللہ کو پکارتے نہ ہوتے تو اللہ تمہیں باقی نہ چھوڑتا"

عَبَأْتُ الْجَیْشَ وَعَبَّأْتُہٗ میں نے لشکر کو تیار کیا عُبِّیَّۃُ الْجَاھِلِیَّۃِ زمانہ جاہلیت کی نخوت جو ان کے دلوں میں رچ چکی تھی اور جسے قرآن نے آیت:۔ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْحَمِیَّۃَ حَمِیَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ (۴۸-۲۶) ان کے دلوں میں زمانہ جاہلیت کی سی حمیت ہو۔ میں زمانہ جاہلیت کی سی حمیت سے تعبیر کیا ہے۔

(ع ب ث)

اَلْعَبَثُ دراصل اس کے معنی ہیں کسی کام کے ساتھ کھیل کود کو ملا دینا اور یہ عَبَثْتُ الْاَقِطَ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں میں نے پنیر کے ساتھ اور چیز کو ملا دیا اور اَلْعَبَثُ وہ کھانا جو کسی چیز کے ساتھ خلط ملط کیا گیا ہو اسی اعتبار سے کھجور، گھی اور ستو کے آمیزہ کو عَوْبَثَانِیْ" کہا جاتا ہے قرآن میں ہے:۔ اَتَبْنُوْنَ بِکُلِّ رِیْعٍ اٰیَۃً تَعْبَثُوْنَ (۲۶-۱۲۸) تم ہر بلند مقام پر بے مقصد بڑی عمارتیں تعمیر کرتے ہو۔ نیز اَلْعَبَثُ ہر اس کام کو کہتے ہیں جس کی کوئی صحیح غرض نہ ہو قرآن میں ہے:۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا (۲۳-۱۱۵) کیا تم یہ خیال کئے بیٹھے ہو کہ ہم نے تم کو یونہی بے غرض و غایت پیدا کر دیا ہے۔

(ع ب د)

اَلْعُبُوْدِیَّۃُ کے معنی ہیں کسی کے سامنے ذلت اور انکساری ظاہر کرنا مگر اَلْعِبَادَۃُ کا لفظ انتہائی درجہ کی ذلت اور انکساری ظاہر کرنے پر بولا جاتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ معنوی

اعتبار سے اَلْعِبَادَۃ کا لفظ اَلْعُبُوْدِیَّۃ سے زیادہ
بلیغ ہے لہٰذا عبادت کی مستحق بھی وہی ذات ہوسکتی
ہے جو بے حد صاحب افضال و انعام ہو اور ایسی
ذات صرف ذات الٰہی ہی ہے اسی لئے فرمایا:۔
اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ (۱۷-۲۳) کہ اس کے سوا
کسی کی عبادت نہ کرو۔

عِبَادَۃ دو قسم پر ہے (۱) عبادت بالتسخیر جیسے
ہم سجود کی بحث میں ذکر کر چکے ہیں (۲) عبادت
بالاختیار اس کا تعلق صرف ذوی العقول کے ساتھ
ہے یعنی ذوی العقول کے علاوہ دوسری مخلوق اس
کی مکلف نہیں ہے اور آیت کریمہ :۔
اُعْبُدُوْا رَبَّکُمْ (۲-۲۱) اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔
وَاعْبُدُوا اللّٰہَ (۴-۳۶) اور خدا ہی کی عبادت کرو۔
میں اسی دوسری قسم کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے[1]۔

اَلْعَبْدُ (بندہ، غلام) کا لفظ چار معنی میں استعمال
ہوتا ہے۔ (۱) اَلْعَبْدُ بمعنی غلام یعنی وہ انسان جس کو
خریدنا اور فروخت کرنا شرعاً جائز ہو چنانچہ آیات کریمہ:۔
وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ (۲-۱۷۸) اور غلام کے بدلے غلام۔
وَعَبْدًا مَّمْلُوْکًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ (۱۶-۷۵) ایک
غلام ہے جو بالکل دوسرے کے اختیار میں ہے۔
میں عَبْدٌ کا لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔
(۲) اَلْعَبْدُ بِالْاِیْجَادِ یعنی وہ بندہ جسے اللہ نے
پیدا کیا ہے اس معنی میں عبودیۃ اللہ کے ساتھ
مختص ہے کسی دوسرے کی طرف نسبت کرنا جائز
نہیں ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ :۔
اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِی
الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (۱۹-۹۳) تمام شخص جو آسمان
اور زمین میں ہیں خدا کے روبرو بندے ہو کر آئیں گے۔
میں اسی معنی کی طرح اشارہ ہے۔

(۳) عَبْدٌ وہ ہے جو عبادت اور خدمت کی بدولت
عبودیت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے[2] اس لحاظ سے جن
پر عَبْدٌ کا لفظ بولا گیا ہے وہ دو قسم پر ہیں ایک وہ
جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے بن جاتے ہیں چنانچہ
ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا:۔
وَاذْکُرْ عَبْدَنَا اَیُّوْبَ (۳۸-۴۱) اور ہمارے
بندے ایوب کو یاد کرو۔
اِنَّہٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا (۱۷-۳) بیشک نوح
ہمارے شکر گزار بندے تھے۔
نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ (۲۵-۱) جس نے
اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا:۔
عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ (۱۸-۱) جس نے اپنی بندے
(محمدؐ) پر یہ کتاب نازل کی۔
اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمْ سُلْطٰنٌ
(۱۷-۶۵) جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تیرا
کچھ زور نہیں۔
کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ (۳-۷۹) کہ ... میرے بندے ہو جاؤ۔
اِلَّا عِبَادَکَ مِنْہُمُ الْمُخْلَصِیْنَ (۱۵-۴۰)
ہاں ان میں جو تیرے مخلص بندے ہیں۔
وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَہٗ بِالْغَیْبِ (۱۹-۶۱) جس
کا خدا نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے۔
وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ
ھَوْنًا (۲۵-۶۳) اور خدا کے بندے تو وہ ہیں جو

---

[1] انظر لتفصیلہ لباب التاویل ص۹۱ ج۱ و تاج العروس للزبیدی والمہائمی ص۲۲ ج۱ و تفسیر ام الکتاب لمولانا ابوالکلام آزاد ص ۳۵-۲۶۸۔

[2] ای تدیانی عبد بمعنی خدم کما جاء فی تفسیر قولہ تعالیٰ "وقومہما لنا عابدون" ان العابدون ہہنا بمعنی الخادم (الروح ۱۸/۳۲) وایضاً عبد بمعنی انف کما فی قولہ تعالیٰ "فانا اول العابدین" (۴۳-۸۱) معناہ مستنکفین (راجع الصحیح ۲/۳/۷)

زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں۔
اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا (۲۰-۷۷) ہمارے بندوں کو راتوں رات نکال لے جاؤ۔
فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا (۱۸-۶۵) (وہاں) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا۔
(۲) دوسرے وہ جو دنیا کی لالچ اور حرص کے غلام بن کر ہر وقت اس کی پرستش میں لگے رہتے ہیں۔ اور اسی کی طرف مائل رہتے ہیں چنانچہ ایسے لوگوں کے متعلق ہی آنحضرت نے فرمایا ہے[۱] (۲۷) تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْھَمِ۔ تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ درہم دینار کا بندہ ہلاک ہو عَبْدٌ کے ان معانی کے پیش نظر یہ بھی کہا جاسکتا ہے لَیْسَ کُلُّ اِنْسَانٍ عَبْدًا لِلّٰہِ کہ ہر انسان اللہ کا بندہ نہیں ہے یعنی بندہ مخلص نہیں ہے لہٰذا یہاں عَبْدٌ کے معنی عَابِدٌ یعنی عبادت گزار کے ہیں لیکن عَبْدٌ عَابِدٌ سے زیادہ بلیغ ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں :۔
وَالنَّاسُ کُلُّھُمْ عِبَادُ اللّٰہِ کہ تمام لوگ اللہ کے ہیں یعنی اللہ ہی نے سب کو پیدا کیا ہے۔ بلکہ تمام اشیاء کا یہی حکم ہے۔ بعض عبد بالتسخیر ہیں اور بعض عبد بالاختیار اور جب عَبْدٌ کا لفظ غلام کے معنی میں استعمال ہو تو اس کی جمع عَبِیْدٌ یا عِبِدٌ آتی ہے اور جب عَبْدٌ بمعنی عَابِدٌ یعنی عبادت گزار کے ہو تو اس کی جمع عِبَادٌ آئے گی لہٰذا جب عَبِیْدٌ کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو یہ عِبَادٌ سے زیادہ عام ہوگا یہی وجہ ہے کہ آیت :۔
وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ (۵۰-۲۹) اور ہم بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتے۔ میں عَبِیْدٌ سے ظلم کی نفی کر کے تنبیہ کی ہے وہ کسی بندے پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا خواہ وہ خدا کی پرستش کرتا ہو اور خواہ عبد الشمس یا عبد اللات ہونے کا مدعی ہو۔
طَرِیْقٌ مُّعَبَّدٌ ہموار راستہ جس پر لوگ آسانی سے چل سکیں۔ بَعِیْرٌ مُّعَبَّدٌ جس پر تار کول مل کر اسے خوب بدصورت کر دیا گیا ہو عَبَّدْتُ فُلَانًا میں نے اسے مطیع کر لیا محکوم بنا لیا قرآن میں ہے :۔
اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ (۲۶-۲۲) کہ تم نے بنی اسرائیل کو محکوم بنا رکھا ہے۔

(ع ب ر)

اَلْعَبْرُ دراصل اس کے معنی ہیں ایک حالت سے دوسری حالت تک پہنچ جانا مگر اَلْعُبُوْرُ کا لفظ خاص کر پانی عبور کرنے پر استعمال ہوتا ہے عام اس سے کہ تیر کر عبور کیا جائے یا کشتی اونٹ اور پل کے ذریعہ سے اسی سے عَبْرُ النَّھْرِ ہے جس کے معنی نہر کے اس کنارہ کے ہیں جہاں سے پانی میں اتر کر اسے عبور کیا جاتا ہے یا دوسری جانب سے عبور کر کے وہاں سے ہوا جاتا ہے اسی سے عَبَرَ الْعَیْنُ کا محاورہ مشتق ہے جس کے معنی ہیں آنکھ سے آنسو جاری ہونا اَلْعَبْرَۃُ آنسو اور مسافر کو عَابِرُ سَبِیْلٍ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے :۔
اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ (۴-۴۳) ہاں اگر بحالت سفر رستے چلے جا رہے ہوں۔

---

[۱] الحدیث فی الفائق ۱/۱۸۱ وفی البخاری وابن ماجہ عن ابی ہریرۃ وفی روایۃ الترمذی لکن بدل تعس را جع کنز العمال ۳ رقم ۲۰۰۱ و ۳۴۰۱ و تخریج الاحیاء للعراقی ۳/۲۴۴ و ۳۲۵ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

نَاقَةٌ عَبْرُ اَسْفَارٍ مضبوط اونٹنی جو ہر قسم کی زمین میں سفر کر سکے عَبَرَ الْقَوْمُ. لوگ مر گئے گویا انہوں نے دنیاوی زندگی کے پل کو عبور کر لیا اس اعتبار سے عِبَارَۃٌ خاص کر اس کلام کو کہتے ہیں جو متکلم کے منہ سے نکل کر فاصلہ عبور کر کے سامع کے کان تک پہنچ جائے اور اَلْعِبْرَۃُ وَالْاِعْتِبَارُ اس حالت کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ کسی دیکھی چیز کی وساطت سے اَن دیکھے نتائج تک پہنچا جائے[1]

قرآن میں ہے:۔

اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَعِبْرَۃً (۳-۱۳) اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ (۵۹-۲) اے اصحاب بصیرت اس سے عبرت حاصل کرو۔

اور تَعْبِیْرٌ کے معنی ہیں خواب کا انجام بتانا گویا تاویل بتانے والا اس کے ظاہر سے باطن تک پہنچ جاتا ہے قرآن میں ہے:۔

اِنْ کُنْتُمْ لِلرُّؤْیَا تَعْبُرُوْنَ (۱۲-۴۳) اگر تم خوابوں کی تعبیر دے سکتے ہو۔

اور تَعْبِیْرٌ کا لفظ تاویل سے خاص ہے کیونکہ تَاوِیْلٌ کے معنی مطلق کسی بات کا انجام بیان کرنے کے ہیں خواہ وہ خواب ہو یا خواب نہ ہو۔

اور اَلشِّعْرَی الْعَبُوْرُ[2] ایک ستارے کا نام ہے کیونکہ وہ بھی اپنے فلک میں مسافت طے کرتا رہتا ہے اَلْعَبَرِیُّ گھاس جو نہر کے کنارے پر اُگ آتی ہے اور شَطٌّ مُعْبَرٌ نہر کا وہ کنارہ جہاں پر عبری گھاس اُگی ہوئی ہو۔

(ع ب س)

اَلْعَبُوْسُ (ض) کے معنی سینہ کی تنگی سے چہرہ پر شکن پڑنے کے ہیں قرآن میں ہے:۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰی (۸۰-۱) ترش رو ہوئے اور منہ پھیر بیٹھے

ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ (۷۴-۲۲) پھر اس نے تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑ لیا۔

اور اسی سے یَوْمٌ عَبُوْسٌ ہے جس کے معنی سخت اور بھیانک دن کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا (۷۶-۱۰) اس دن سے جو (چہروں کو) شکن آلود اور دلوں کو سخت مضطر کر دینے والا ہے۔

اور اسی اعتبار سے اَلْعَبَسُ اس گوبر اور پیشاب کو کہتے ہیں جو اونٹ کی دم کے بالوں کے ساتھ لگ کر خشک ہو جاتا ہے عَبَسَ الْوَسَخُ عَلٰی وَجْھِہٖ اس کے چہرہ پر میل کچیل جم گئی۔

(ع ب ق ر)

عَبْقَرٌ بعض نے کہا ہے کہ جنوں کی آبادی کا نام ہے عرب لوگ جب کسی انسان حیوان یا کپڑے وغیرہ میں نادرہ کاری دیکھتے تو اسے اسکی طرف نسبت کر دیتے اسی بنا حضرت عمرؓ کے بارے میں آنحضرت صلعم نے ایک خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا (۲۷)

---

[1] قال الخلیل اَلْعِبْرَۃُ وَالْاِعْتِبَارُ معناہ التذکر من الحوادث السالفۃ ۱۲ [2] قال الشاعر وقد غابت الشعرٰی وقد طلع النسر راجع التنبیہ للبکری ۳۸ والاغانی ۱۴/۴۵ [3] راجع للحدیث اللسان (فری) والنہایۃ ۳/۲۷۵ ۲۱ والاضداد ابی الطیب ۶۳ ۵ والبخاری مع الفتح فضائل اصحاب النبی وتعبیر وتوحید والمسلم فضائل الصحابہ والترمذی (رؤیا) والحاکم (۲/۲۹) (۵/۵۵۴) والفائق ۲/۲ ۴۲ وغریب ابی عبید ۱/۷ ۸ [4] قال لبید: ومن فادمن اخوانہم وبینہم کہول وشبان کجنۃ عبقری راجع التاج (عبقر)

ثُمَّ أَرَ عَبْقَرِيًّا مِثْلَهُ کہ میں نے اس جیسا نادر المثال شخص نہیں دیکھا۔ اور آیت کریمہ :۔
وَعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ (۵۵-۷۶) اور نفیس مسندوں پر۔ میں عَبْقَرِيٍّ کے معنی ایک قسم کے عمدہ فرش کے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے جنت کے فرش کے لئے ضرب المثل کے طور پر بیان فرمایا ہے۔

(ع ت ب)

اَلْعَتَبُ۔ ہر اس جگہ کو کہتے ہیں جو وہاں اترنے والے کے لئے سازگار نہ ہو نیز دروازہ کی چوکھٹ اور سیڑھی کو بھی عَتَبَۃٌ کہا جاتا ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی بیوی سے جو فرمایا تھا قُوْلِي لِزَوْجِكِ غَيِّرْ عَتَبَةَ بَابِكَ اپنے خاوند سے کہنا کہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ تبدیل کر لے تو یہاں عَتَبَۃٌ کے معنی بطور کنایہ عورت کے ہیں اور استعارہ کے طور پر عَتَبٌ وَمَعْتَبَۃٌ کے معنی اس ناراضگی یا سختی کے بھی آجاتے ہیں جو انسان کے دل میں دوسرے کے متعلق پیدا ہو جاتی ہے یہ بھی اصل میں اَلْعَتَبُ ہی سے ہے اسی کے مطابق خَشُنَتْ بِصَدْرِ فُلَانٍ وَوَجَدْتُ فِي صَدْرِهٖ غِلْظَةً کا محاورہ استعمال ہوتا ہے اور اسی سے کہا گیا ہے حُمِلَ فُلَانٌ عَلٰی عَتَبَةٍ صَعْبَةٍ فلاں کو ناگوار حالت پر مجبور کیا گیا۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[2] (خفیف)

(۳۰۰) وَحَمَلْنَاهُمْ عَلٰی صَعْبَةٍ زَوْ
رَاءَ يَعْلُوْنَهَا بِغَيْرِ وِطَاءٍ

ہم نے انہیں نہایت ٹیڑھی حالت پر سوار کیا چنانچہ وہ بغیر نمدہ کے اس پر سوار ہیں۔

اَعْتَبْتُ فُلَانًا (۱) ناراضگی ظاہر کرنا (۲) ناراضگی پر ابھارنا (۳) میں نے اس کی ناراضگی دور کر دی یعنی راضی کر لیا جیسا کہ اَشْكَيْتُهٗ کے معنی ہیں میں نے اس کی شکایت دور کر دی (یعنی سلب ماخذ کے معنی پائے جاتے ہیں) قرآن میں ہے :۔
فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ (۴۱-۲۴) ان سے عتاب دور نہیں کیا جائے گا۔
اَلْاِسْتِعْتَابُ (رضامندی چاہنا) کسی سے یہ خواہش کرنا کہ وہ اپنے عتاب کو دور کر دے تاکہ راضی ہو جائے کہا جاتا ہے اِسْتَعْتَبَ فُلَانٌ کسی سے عتاب کو دور کرنے کی خواہش کی۔ قرآن میں ہے :۔
وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ (۱۶-۸۴) اور نہ ان کی معذرت قبول کر کے ان سے عتاب دور کیا جائیگا۔
لَكَ الْعُتْبٰی تیرے لئے رضامندی ہے۔ بَيْنَهُمْ اُعْتُوْبَةٌ وہ باہم کشیدہ ہیں۔
عَتَبَ عَتْبًا آدمی کا ایک پاؤں پر کود کر چلنا جیسے اوپر چڑھنے والا سیڑھیوں پر قدم رکھتا چلا جاتا ہے۔

(ع ت د)

اَلْعَتَادُ ضرورت کی چیزوں کا پہلے سے ذخیرہ کر لینا اور یہی معنی اِعْدَادٌ کے ہیں عَتِيْدٌ (اسم فاعل) تیار کرنے والا (اسم مفعول) تیار کی ہوئی چیز قرآن میں ہے :۔
هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ (۵۰-۲۳) یہ (اعمال نامہ) میرے سامنے حاضر ہے۔ اور آیت کریمہ :۔
رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (۵۰-۱۸) میں عَتِيْدٌ کے معنی ہیں وہ فرشتہ لوگوں کے اعمال لکھنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ اور آیت کریمہ :۔

---

[1] التفصیل فی البدایہ والنہایہ ج ا ص ۔ [2] قالہ ابو زبید الطائی والبیت فی التنفا لکن ۱۶۰

اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (۴-۱۸) ان کے لئے درد انگیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔
میں بھی بعض نے کہا ہے کہ اَعْتَدْنَا کا لفظ عَتَادٌ سے فعل ماضی اَفْعَلْنَا کے وزن پر ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اصل میں اَعْدَدْنَا ہے جس میں ایک دال کو ت سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔
فَرَسٌ عَتِيْدٌ وَعَتَدٌ گھوڑا جو ہر وقت دوڑ کے لئے تیار ہو اَلْعَتُوْدُ بکری کا یکسالہ بچہ جمع اَعْتِدَةٌ وَعِدَّانٌ ت کے دال میں ادغام کے ساتھ۔

(ع ت ق)

اَلْعَتِيْقُ کے معنی المتقدم یعنی پیش رو کے ہیں خواہ اس کا تقدم زمان کے اعتبار سے ہو خواہ مکان یا رتبہ کے اعتبار سے اسی لحاظ سے اَلْعَتِيْقُ کے معنی کہنہ نجیب اور آزاد شدہ غلام بھی آجاتے ہیں۔ لہٰذا آیت کریمہ :-
وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (۲۲-۲۹) اور خانہ قدیم (یعنی بیت اللہ) کا طواف کریں۔ میں خانہ کعبہ کو اَلْعَتِيْقُ کہنے کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ جبابرہ کے پنجہ ستم سے ہمیشہ آزاد رہا ہے اور جابر سے جابر بادشاہ بھی اس کے مرتبہ کو پست نہیں کر سکا اَلْعَاتِقَانِ دونوں طرف سے کندھوں اور گردن کے درمیانی حصے کو کہتے ہیں کیونکہ بدن کا یہ حصہ بھی باقی جسم سے بلند ہوتا ہے نیز عَاتِقٌ اس عورت کو بھی کہا جاتا ہے جو حبالہ نکاح سے آزاد ہو۔ کیونکہ شادی شدہ عورت ایک طرح سے خاوند کی ملک میں ہوتی ہے عَتَقَ الْفَرَسُ گھوڑے کا دوڑ میں آگے بڑھ جانا عَتَقَ مِنِّيْ يَمِيْنٌ۔ قسم کا واجب ہونا شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۳۰۱) عَلَيَّ اَلِيَّةٌ عَتَقَتْ قَدِيْمًا
وَلَيْسَ لَهَا وَاِنْ طُلِبَتْ مَرَامُ

مجھ پر عرصہ قدیم سے قسم واجب ہو چکی ہے اور اسے پورا کرنے سے چارہ کار نہیں ہے۔

(ع ت ل)

اَلْعَتْلُ کسی چیز کو اس جگہ سے پکڑنا جہاں اس کے سارے سرے جمع ہوتے ہوں اور اسے بزور گھسیٹنا جس طرح کہ اونٹ کی مہار پکڑ کر اسے نہایت بیدردی کے ساتھ کھینچا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے :-
فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَاءِ الْجَحِيْمِ (۴۴-۴۷) اور اسے کھینچ کر دوزخ کے اندر لے جاؤ۔
اَلْعُتُلُّ بسیار خوردہ مال کو روک کر رکھنے والا جو کسی چیز کو نہایت بے دردی سے گھسیٹتا ہو (سخت گیر) قرآن میں ہے :-
عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ (۶۸-۱۴) سخت گیر اور اس کے علاوہ بد ذات بھی۔

(ع ت و)

عَتَا۔ يَعْتُوْ۔ عُتُوًّا وَعِتِيًّا حکم عدولی کرنا قرآن میں ہے :-
فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ (۵-۴۴) تو انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی۔
وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيْرًا (۲۵-۲۱) اور (اسی بنا پر) بڑے سرکش ہو رہے ہیں۔

---

[1] قال اوس بن حجر انظر دیوانہ ۶-۴ رقم ۴۳ وفیہ فلیس بدل ولیس والاساس (عتق) والسمط ۹۰ ومجاز القرآن رقم ۸۹ والاقتضاب و اصلاح لیعقوب ۲۴۳ وا وردہ العلامہ فی باب التمثیل وقیل : ان امرا القیس اول من ابتکرہ ولمرأت الملح منہ ۱۲ ❖ ❖ ❖

عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا (۶۵-۸) اپنے پروردگار کے امر سے سرکشی کی۔
بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ (۶۷-۲۱) لیکن یہ سرکش اور نفرت میں پھنسے ہوئے ہیں۔
اور آیت کریمہ:۔
مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا (۱۹-۸) کے معنی یہ ہیں کہ میں بڑھاپے کی ایسی حالت تک پہنچ گیا ہوں جہاں اصلاح اور مداوا کی کوئی سبیل نہیں رہتی یا عمر کے اس درجہ میں دیاضتہ بھی بیکار ہوتی ہے اور لفظ ریاضت سے یہی معنی مراد ہیں جن کی طرف شاعر نے اشارہ کیا ہے[1] (الکامل)
(۳۰۶) وَمِنَ الْعَنَاءِ رِيَاضَةُ الْهَرِمِ
اور انتہائی بڑھاپے میں ریاضت دینا سراسر تکلیف دہ ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا (۱۹-۶۹) جو خدا سے سخت سرکشی کرتے تھے۔
میں بعض نے کہا ہے کہ عِتِيًّا مصدر اور بعض نے کہا ہے کہ یہ عَاتٍ کی جمع ہے اور اَلْعَاتِيْ کے معنی سنگدل اور اجڈ بھی آتے ہیں۔

(ع ث ر)

عَثَرَ، يَعْثُرُ، عَثْرًا وَعُثُوْرًا کے معنی پھسل جانے اور گر پڑنے کے ہیں مجازاً عَثَرَ عَلٰى كَذَا کے معنی کسی بات پر بغیر قصد کے مطلع ہو جانا بھی آتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
فَاِنْ عُثِرَ عَلٰى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا اِثْمًا (۵-۱۰۷) پھر اگر معلوم ہو جائے کہ انہوں نے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔
(اَعْثَرْتُهٗ عَلٰى كَذَا) اس نے فلاں کو اس چیز سے باخبر کر دیا) چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ (۱۸-۲۱) اور اس طرح ہم نے لوگوں کو ان کے حال سے باخبر کر دیا۔ یعنی لوگوں کے قصد کے بغیر ہی ہم نے ان کے حال پر مطلع کر دیا۔

(ع ث ی)

اَلْعَيْثُ وَالْعِثِيُّ (سخت فساد پیدا کرنا) بھی جَذْبٌ اور جَبْذٌ کی طرح تقریباً ہم معنی ہی ہیں لیکن عَيْثٌ کا لفظ زیادہ تر فساد حسی کے لیے بولا جاتا ہے اور اَلْعِثِيُّ کا حکمی یعنی ذہنی اور فکری فساد کے لیے آتا ہے کہا جاتا ہے عَثِيَ يَعْثٰى عِثِيًّا چنانچہ اسی سے قرآن میں ہے:۔
وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (۲-۶۰) اور ملک میں فساد اور انتشار پیدا نہ کرو۔
اور عَثَا يَعْثُوْ عُثُوًّا (باب نصر سے بھی آتا ہے اور اَلْاَعْثٰى سیاہی مائل اور سست نیز احمق آدمی کو بھی اَعْثٰى کہا جاتا ہے۔

(ع ج ب)

اَلْعَجَبُ اور اَلتَّعَجُّبُ اس حیرت کو کہتے

---

[1] وصدرہ: أتروض عرسک بعدما هرمت ..... ۔ والبیت فی السمط (۱: ۱۰۷) والبیان (۱: ۶۲) والبحتری ۳۰۴ والعیون (۲: ۳۶۹) والعقد (۲: ۳۵۴) وفیہ وتروض والحیوان (۱/۱۴، ۲/۱۰۲) وفیہ وتلوم بدل أتروض ومجموعۃ المعانی ۷۵ ومحاضرات المؤلف (۱: ۸۴) والحصری (۲: ۹۲۵) فتاریخ الطبری (۷: ۱۵۸) بغیر عزو نیبۃ للاعرابی أنظر الخبر الشطر فی طیلسینات الحمدونی والجمد فی ہواسماعیل اعلم الناس شعراً وعامۃ شعرہ فی طیلسان ابن حرب راجع طبقات ابن المعتز (۳۷۱-۳۷۲)

ہیں جو کسی چیز کا سبب معلوم نہ ہونے کی وجہ سے انسان کو لاحق ہو جاتی ہے اسی بنا پر حکماء نے کہا ہے کہ عَجَبٌ اس حیرت کو کہتے ہیں جس کا سبب معلوم نہ ہو اس لئے اللہ تعالیٰ پر تعجب کا اطلاق جائز نہیں ہے کیونکہ ذات باری تعالیٰ تو عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ہے اس بنا پر کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہے عَجِبَ عَجَبًا (س) میں نے تعجب کیا عَجَبٌ ہر وہ بات جس سے تعجب پیدا ہو اور جس جیسی چیز عام طور نہ دیکھی جاتی ہو اسے عَجِیْبٌ کہا جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَا (۱۰-۲) کیا لوگوں کو اس بات پر حیرت ہے کہ ہم نے وحی بھیجی۔ میں تنبیہ کی ہے کہ آنحضرت کی طرف وحی بھیجنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ پہلے سے سلسلہ وحی کو جانتے ہیں نیز فرمایا:۔

بَلْ عَجِبُوْا اَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ (۵۰-۲) بلکہ ان لوگوں نے تعجب کیا ہے کہ انہی میں سے ایک ہدایت کرنے والا ان کے پاس آیا۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ (۱۳-۵) اور اگر تم عجیب بات سننی چاہو تو کافروں کا یہ کہنا عجیب ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا (۱۸-۹) کہ وہ ہماری نشانیوں سے عجیب تھے۔

کے معنی یہ ہیں کہ اصحاب کہف قدرت کے عجائبات سے نہ تھے بلکہ ہماری قدرت کے نشانات ایسے بھی ہیں جو ان سے بڑھ کر اور زیادہ عجیب ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا (۷۲-۱) (کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا۔

کے معنی یہ ہیں کہ اس قرآن (وحی) کا نہ تو سبب ہی معلوم ہے اور نہ اس جیسا قرآن پہلے دیکھا ہے اور بطور استعارہ یہ لفظ ہر بھلی چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے چنانچہ محاورہ ہے۔

اَعْجَبَنِیْ کَذَا یعنی مجھے فلاں چیز اچھی معلوم ہوتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ (۲-۲۰۴) اور کوئی شخص تو ایسا ہے جس کی گفتگو ..... تم کو دلکش معلوم ہوتی ہے۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ (۹-۸۵) اور ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کرنا۔

وَیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ (۹-۲۵) اور جنگ حنین کے دن جب کہ تم کو اپنی کثرت پر غرہ تھا۔

اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ (۵۷-۲۰) اور کسانوں کو کھیتی بھلی لگتی ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

بَلْ عَجِبْتَ وَیَسْخَرُوْنَ (۳۷-۱۲) ہاں تم تو تعجب کرتے ہو اور یہ تمسخر کرتے ہیں۔

کے معنی یہ ہیں کہ دوبارہ زندہ ہونے پر پختہ یقین ہونے کی وجہ سے تمہیں ان کے انکار پر تعجب ہوتا ہے اور یہ لوگ از راہ نادانی اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ آپ کو ان کے انکار وحی پر تعجب ہوتا ہے ایک قرأت میں بَلْ عَجِبْتُ ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تعجب کو اپنی طرف منسوب کیا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ ان چیزوں سے ہے جن پر عَجِبْتُ بمعنی اَنْكَرْتُ ہو جیسا کہ فرمایا:۔

اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (۱۱-۷۳) انہوں نے کہا تم خدا کی قدرت سے انکار کرتی ہو۔

اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ (۳۸-۵) یہ تو بڑی منکر بات ہے۔
هُوَ مُعْجِبٌ بِنَفْسِهٖ وہ غرور اور خود فریبی میں مبتلا ہے۔
اَلْعَجْبُ جانور کی دم کا وہ حصہ جو سرین سے ملا ہوا ہوتا ہے۔

(ع ج ز)

عَجُزُ الْاِنْسَانِ۔ انسان کا پچھلا حصہ تشبیہ کے طور پر ہر چیز کے پچھلے حصہ کو عَجُزٌ کہہ دیا جاتا ہے۔[1] قرآن میں ہے:۔
كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (۵۴-۲۰) جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے۔
عَجْزٌ کے اصل معنی کسی چیز سے پیچھے رہ جانا یا اس کے ایسے وقت میں حاصل ہونا کے ہیں جب کہ اس کا وقت نکل جا چکا ہو جیسا کہ لفظ اَلْعَجُزُ میں مذکور ہو چکا ہے لیکن عام طور پر یہ لفظ کسی کام کے کرنے سے قاصر رہ جانے پر بولا جاتا ہے اور یہ اَلْقُدْرَةُ کی ضد ہے۔ قرآن میں ہے:۔
اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ (۵-۳۱) اے ہے مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ میں ..... ہوتا۔
اَعْجَزْتُ فُلَانًا وَعَجَّزْتُهٗ وَعَاجَزْتُهٗ کے معنی کسی کو عاجز کر دینے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ (۹-۲) اور جان رکھو کہ تم خدا کو عاجز نہیں کر سکو گے۔
وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ (۴۲-۳۱) اور تم زمین میں خدا کو عاجز نہیں کر سکتے۔
وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ (۳۴-۵) اور جنہوں نے ہماری آیتوں میں کوشش کی کہ ہمیں ہرا دیں گے۔
ایک قرأت میں مُعَجِّزِيْنَ ہے مُعٰجِزِيْنَ کی صورت میں اس کے معنی ہوں گے وہ یہ زعم کرتے ہیں کہ ہمیں بے بس کر دیں گے کیونکہ وہ یہ گمان کر چکے ہیں کہ حشر و نشر نہیں ہے کہ اعمال پر جزا و سزا مرتب ہو لہٰذا یہ باعتبار معنی آیت کریمہ۔ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا (۲۹-۴) کیا وہ لوگ جو برے کام کرتے ہیں یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہمارے قابو سے نکل جائیں گے۔ کے مترادف ہوگا اور اگر مُعَجِّزِيْنَ پڑھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ وہ آنحضرت کے متبعین کی طرف عجز کی نسبت کرتے ہیں جیسے جَهَّلْتُهٗ وَفَسَّقْتُهٗ کے معنی کسی کی طرف جہالت یا فسق کی نسبت کرنا کے ہوتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک مُعَجِّزِيْنَ بمعنی مُثَبِّطِيْنَ ہے یعنی لوگوں کو آنحضرت کی اتباع سے روکتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:۔
اَلَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (۷-۴۵) جو خدا کی راہ سے روکتے رہیں)
اور بڑھیا کو عَجُوْزٌ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ بھی اکثر امور سے عاجز ہو جاتی ہے۔
قرآن میں ہے:۔
اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ (۲۶-۱۷۱) مگر ایک بڑھیا کہ پیچھے رہ گئی۔
ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ (۱۱-۷۲) اے ہے میرے بچہ ہوگا؟ اور میں تو بڑھیا ہوں۔

---

[1] وفی النفائق (۲/۱۷۰)۔ العجز لہما والعجیزۃ للمرأۃ خاصۃ

(ع ج ف)

اَعْجَفُ (صفت) کے معنی انتہائی لاغر اور دبلا کے ہیں اس کی مؤنث عَجْفَاءُ ہے اور جمع عِجَافٌ قرآن میں ہے :۔

سَبْعٌ عِجَافٌ (۱۲-۴۳) سات دبلی ۔

در اصل یہ نَصْلٌ اَعْجَفُ سے مشتق ہے جس کے معنی پتلے اور باریک تیر کے ہیں ۔ اَعْجَفَ الرَّجُلُ اس کے مویشی دبلے ہو گئے ۔

عَجَفْتُ نَفْسِیْ عَنِ الطَّعَامِ ۔ میری طبیعت کھانے سے اچاٹ ہو گئی ۔ عَنْ فُلَانٍ اس سے دل برداشتہ ہو گئی ۔

(ع ج ل)

اَلْعَجَلَۃُ ۔ کسی چیز کو اس کے وقت سے پہلے ہی حاصل کرنے کی کوشش کرنا ، اس کا تعلق چونکہ خواہش نفسانی سے ہوتا ہے اس لئے عام طور پر قرآن میں اس کی مذمت کی گئی ہے حتیٰ کہ آنحضرت نے فرمایا (۲۹) اَلْعَجَلَۃُ مِنَ الشَّیْطَانِ (کہ جلد بازی شیطان سے ہے) قرآن میں ہے :۔

سَاُرِیْکُمْ اٰیَاتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ (۲۱-۳۷) میں تم لوگوں کو عنقریب اپنی نشانیاں دکھاؤں گا لہٰذا اس کے لئے جلدی نہ کرو ۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ (۲۰-۱۱۴) قرآن کی تلاوت کے لئے جلدی نہ کیا کرو ۔

وَمَا اَعْجَلَکَ عَنْ قَوْمِکَ (۲۰-۸۳) تو تم نے اپنی قوم سے آگے چلے آنے میں کیوں جلدی کی ۔ اور آیت کریمہ

وَعَجِلْتُ اِلَیْکَ رَبِّ لِتَرْضٰی (۲۰-۸۴) اور تیری طرف آنے میں اس لئے جلدی کی کہ تم خوش ہو ۔

میں موسیٰ علیہ السلام نے معذرت کی ہے کہ جلد بازی گو مذموم ہے مگر میں نے اچھے مقصد کے پیش نظر یہ اقدام کیا ہے اور وہ ہے رضائے الٰہی کی طلب ۔

اَتٰی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (۱۶-۱) خدا کا حکم یعنی عذاب گویا آ ہی پہنچا (کافرو) اس کے لئے جلدی مت کرو ۔

وَیَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالسَّیِّئَۃِ (۱۳-۶) اور یہ تجھ سے برائی کے جلد خواستگار ہیں (یعنی طالب عذاب ۔

لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّیِّئَۃِ قَبْلَ الْحَسَنَۃِ (۲۷-۴۶) تم بھلائی سے پہلے برائی کے لئے کیوں جلدی کرتے ہو ۔

وَیَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالْعَذَابِ (۲۲-۴۷) اور لوگ تم سے عذاب کے لئے جلدی کر رہے ہیں ۔

وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَیْرِ (۱۰-۱۱) اور اگر خدا لوگوں کی برائی میں جلدی کرتا جس طرح وہ طلب خیر میں جلدی کرتے ہیں ۔

اور آیت کریمہ :۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (۲۱-۳۷) انسان جلد بازی ہی سے بنایا گیا ہے ۔

میں بعض نے عَجَلٌ کے معنی مٹی کئے ہیں مگر یہ معنی صحیح نہیں ہیں بلکہ اس سے اس امر کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ جلد بازی انسان کی جبلت میں ودیعت کی گئی ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا :۔

---

(۱) الغائق (۱: ۷) رواہ الترمذی عن سہل بن سعد ، و وہب من انس ، کنز العمال ۳ / ۴۷۵۴۸-۵۴۸۵ وعن الحسن مرسلا لابن ابی الدنیا فی ذم الغضب (المرائطی فی مکارم الاخلاق) ، راجع احیاء العلوم تجریج العراقی (۲: ۱۶۲/۳: ۳۳) (۲) نسبہ صاحب التاج الی ابن الاعرابی قال ابوعبیدۃ العجل بمعنی الحماۃ بلسان حمیر قال الزمخشری والساعلم بصحۃ ہذا القول (۳ / ۱۱۷) ۔

وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُوْلًا (۱۷-۱۱) انسان جلد باز پیدا ہوا ہے۔

اور آیت کریمہ:۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ (۱۷-۱۸) جو شخص دنیا کی آسودگی کا خواہشمند ہو تو ہم اس میں سے جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں۔

میں اَلْعَاجِلَةَ سے دنیوی ساز و سامان مراد ہے یعنی جو شخص دنیوی ساز و سامان چاہتا ہے اسے ہم جو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں۔

عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ (۳۸-۱۶) ہم کو ہمارا حصہ حساب کے دن سے پہلے ہی دے دے۔

فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ (۴۸-۲۰) سو اس نے غنیمت کی تمہارے لئے جلدی فرمائی۔

اَلْعُجَالَةُ کھانا جو اصل کھانے سے پہلے یوں ہی کھایا جائے جیسے لُهْنَةٌ اور عَجَلْتُهُمْ وَلَهَنْتُهُمْ کے معنی عُجَالَةٌ یا لُهْنَةٌ پیش کرنے کے ہیں۔

اَلْعِجْلَةُ چھوٹا سا لوٹا جو جلدی میں رفع حاجت کے وقت ساتھ لے جایا جاتا ہے اَلْعَجَلَةُ کنویں کی گھرنی (چرخی) جس کے ذریعہ ڈول کھینچا جاتا ہے۔ اور بیل گاڑی کو بھی عَجَلَةٌ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ سرعت سے چلتی ہے۔

اَلْعِجْلُ بچھڑے کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں پھرتی پائی جاتی ہے جو بیل کی عمر تک پہنچنے پر ختم ہو جاتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

عِجْلًا جَسَدًا (۷-۱۴۸) ایک بچھڑا (بنا لیا) وہ ایک جسم تھا۔

اور وہ گائے جس کے ساتھ اس کا بچھڑا ہوا سے مُعْجِلٌ کہا جاتا ہے۔

(ع ج م)

اَلْعُجْمَةُ (ض) کے معنی ابہام اور خفا کے ہیں اور یہ اَلْإِبَانَةُ کی ضد ہے جس کے معنی واضح اور بیان کر دینا کے ہیں اور اِعْجَامٌ کے معنی ہیں مبہم کرنا اِسْتَعْجَمَتِ الدَّارُ گھر سونا ہو گیا اور اس میں جواب دینے والا کوئی نہ رہا اسی بنا پر کسی عربی نے آباد شہروں سے کنایہ کرتے ہوئے کہا خَرَجْتُ عَنْ بِلَادٍ تَنْطِقُ میں شہروں سے نکلا جو آباد تھے اَلْعَجَمُ غیر عرب کو کہتے ہیں اور اَلْعَجَمِيُّ اس کی طرف منسوب ہے اَلْأَعْجَمُ وہ آدمی جس کی زبان فصیح نہ ہو خواہ وہ عربی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ عرب لوگ عجمی کی گفتگو بہت کم سمجھتے تھے اور اَلْأَعْجَمِيُّ اسکی طرف منسوب ہے۔

اور آیت کریمہ:۔

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْأَعْجَمِيْنَ (۲۶-۱۹۸) ..... اور اگر ہم اس کو غیر اہل زبان پر اتارتے۔ میں تخفیف کے لئے یائے نسبت کو حذف کر دیا گیا ہے۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ (۴۱-۴۴) اور اگر ہم اس قرآن کو غیر (زبان) عربی میں نازل کرتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیتیں (ہماری زبان میں) کیوں کھول کر بیان نہیں کی گئیں کیا (خوب کہ) قرآن تو عجمی اور مخاطب عربی۔

وَلِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ (۱۶-۱۰۳) مگر جس کی طرف تعلیم کی نسبت کرتے ہیں اسکی زبان تو عجمی ہے

لہ کذا قال الفراء وقال ابو اسحاق (و ابن جنی) وهذا هو الصحيح

سی سے بَھِیْمَۃ (چوپایہ) کو عَجْمَاءُ کہا جاتا ہے
کیونکہ وہ ناطق کی طرح الفاظ کے ذریعہ اپنے مافی الضمیر
کو ادا نہیں کرسکتا۔
حدیث میں ہے[1]۔ (۲) جُرْحُ الْعَجْمَاءِ جُبَارٌ
(چوپایہ اگر کسی کو زخمی کر دے تو مالک پر اس کی دیت
نہیں ہے) اور دن کی نماز کو عَجْمَاءُ کہا جاتا ہے
کیونکہ اس میں قرأت بالجہر نہیں ہوتی اَعْجَمْتُ الْکَلَامَ
میں نے بات مبہم رکھی یہ اَعْرَبْتُ کی ضد ہے کبھی
اَعْجَمْتُ الْکَلَامَ کے معنی کلام سے ابہام کو دور
کرنا بھی آجاتے ہیں[2] جیسا کہ اَشْکَیْتُہٗ (شکایت
زائل کرنا) خلیل سے مروی ہے کہ حروف مقطعہ کو
حروف معجمہ کہا جاتا ہے کیونکہ یہ اعجمی یعنی گونگے ہوتے
ہیں بعض نے کہا ہے کہ خلیل کا مقصد یہ ہے کہ یہ
حروف مفرد ہونے کی صورت میں ان معانی پر دلالت
نہیں کرتے جن پر کہ مرکب ہونے کی حالت میں دلالت
کرتے ہیں[3] بَابٌ مُعْجَمٌ بند دروازہ اَلْعَجَمُ
کھجور کی گٹھلی مفرد عَجَمَۃٌ اور گٹھلی کو عَجَمَۃٌ یا تو
اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ گودا کے اندر مخفی ہوتی ہے
اور یا اس لئے کہ اس کا چبانا مشکل ہوتا ہے اور یا اس
لئے کہ کھاتے وقت اسے بھی منہ میں ڈال لیا جاتا
ہے۔ اور وہ منہ میں مخفی ہو جاتی ہے اور اَلْعَجْمُ
کے معنی چبانے کے ہیں محاورہ ہے:۔
فُلَانٌ صُلْبُ الْعَجْمِ یعنی وہ آزمائش میں سخت ہے۔

(ع د د)

اَلْعَدَدُ (گنتی) آحاد مرکبہ کو کہتے ہیں اور بعض
نے اس کے معنی ترکیب آحاد یعنی آحاد کو ترکیب
دینا بھی کئے ہیں مگر ان دونوں معنی کا مرجع ایک ہی
ہے۔ قرآن میں ہے:۔
عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ (۱۰-۵)۔۔۔۔۔ برسوں
کا شمار اور (کاموں) کا حساب۔۔۔۔ اور آیت کریمہ:۔
فَضَرَبْنَا عَلٰٓی اٰذَانِهِمْ فِی الْكَهْفِ سِنِيْنَ
عَدَدًا۔ (۱۸-۱۱) ہم نے غار میں کئی سال تک
ان کے کان پر (نیند کا) پردہ ڈالے (یعنی ان کو
سلائے) رکھا۔
کے لفظ سے کثرت تعداد کی طرف اشارہ ہے۔
اَلْعَدُّ کے معنی گنتی اور شمار کرنے کے ہیں۔
قرآن میں ہے:۔
لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا (۱۹-۹۴) اس
نے ان سب کا اپنے علم سے احاطہ اور ایک ایک
کو شمار کر رکھا ہے۔ اور آیت:۔
فَاسْئَلِ الْعَادِّيْنَ (۲۳-۱۱۳) کے معنی یہ ہیں
کہ حساب والوں سے پوچھ دیکھو۔
كَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ (۲۳-۱۱۲)
زمین میں کتنے برس رہے۔
وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا
تَعُدُّوْنَ (۲۲-۴۷) بے شک تمہارے پروردگار
کے نزدیک ایک روز تمہارے حساب کی رو سے
ہزار برس کے برابر ہے۔
اور مجازاً عَدٌّ کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا
ہے (۱) شَیْءٌ مَعْدُوْدٌ اَوْ مَحْصُوْرٌ تھوڑی
سی چیز اس صورت میں یہ اس چیز کے مقابلہ میں
استعمال ہوتا ہے جو بے شمار ہو جس کی طرف قرآن
نے "بغیر حساب" کہہ کر اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔

---

[1] ولفظہ والعجماء جرحہا جبار فی حدیث طویل رعم، وابو عوانہ) طب۔ عن عبادۃ بن الصامت والفائق ۲/۵۹ واللسان والنہایۃ (عجم)۔ [2] ای یکون الہمزۃ فیہ للسلب کما قال ابن جنی ونقل فی المحکم لذا اسد واصوب [3] وانظر بحث حروف المعجم المحکم لابن سیدہ ۱/ ۲۰۷-۲۰۹۔

اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً (۲-۸۰) چند روز کے سوا.....
میں مَعْدُوْدَۃً کے معنی چند دنوں کے ہیں کیونکہ
یہود یہ سمجھتے تھے کہ ہمیں تو صرف چند دن عذاب
ہوگا جتنے دن کہ ہم نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔
اور کبھی اس کے برعکس کثرت کے معنی میں استعمال ہوتا
ہے جیسے جَیْشٌ عَدِیْدٌ کثیر التعداد لشکر اِنَّھُمْ
لَذُوْ عَدَدٍ وہ بے شمار ہیں اس کے بالمقابل
قلیل چیز کو جسے گننے کی ضرورت نہ ہو شَیْءٌ غَیْرُ
مَعْدُوْدٍ کہا جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
فِی الْکَھْفِ سِنِیْنَ عَدَدًا (۱۸-۱۱) غار میں کئی سال
میں عَدَدًا کے دونوں معنی ہوسکتے ہیں اور اسی
سے ھٰذَا غَیْرُ مُعْتَدٍّ بِہٖ کا محاورہ ہے یعنی یہ چیز
شمار کے قابل نہایت حقیر ہے ذَلَہٗ عُدَّۃٌ
اس کے پاس مال و دولت اور اسلحہ وغیرہ بہت
سا ساز و سامان تیار رکھا ہے قرآن میں ہے۔
لَاَعَدُّوْا لَہٗ عُدَّۃً (۹-۴۶) تو اس کیلئے سامان
تیار کرتے۔
اور مَآءٌ عِدٌّ کے معنی بہت زیادہ پانی کے ہیں
جس کا ذخیرہ نہ ہو[1] اور اَلْعِدَّۃُ شمار کی ہوئی چیز۔
قرآن میں ہے:۔
وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَھُمْ (۷۴-۳۱) اور ان کا شمار
مقرر نہیں کیا۔
فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ (۲-۱۸۴) تو دوسرے
دنوں میں رکھ کر ان کا شمار پورا کرے۔
یعنی جتنے دن ماہ رمضان سے فوت ہوگئے ہوں
ان کے مطابق دوسرے دنوں میں روزے رکھ لے۔
اِنَّ عِدَّۃَ الشُّھُوْرِ (۹-۳۶) (خدا کے نزدیک)
مہینے گنتی میں.......

اور اَلْعِدَّۃُ کا لفظ عورت کی عدت پر بھی بولا
جاتا ہے یعنی وہ مدت جس کے اندر عورت دوسری
جگہ نکاح نہیں کرسکتی۔ قرآن میں ہے:۔
فَمَا لَکُمْ عَلَیْھِنَّ مِنْ عِدَّۃٍ تَعْتَدُّوْنَھَا (۳۳-۴۹)
تو تم کو کچھ اختیار نہیں کہ ان سے عدت پوری کراؤ۔
فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّۃَ (۶۵-۱)
تو ان کو عدت کے شروع میں طلاق دو اور عدت
کا شمار رکھو۔
اَلْاِعْدَادُ تیار کرنا، مہیا کرنا۔ یہ عَدٌّ سے ہے جیسے
سَقْیٌ سے اِسْقَاءٌ اور اَعْدَدْتُ ھٰذَا لَکَ کے
معنی ہیں کہ یہ چیز میں نے تمہارے لئے تیار کردی
ہے کہ تم اسے شمار کرسکتے ہو اور جس قدر چاہو
اس سے حسب ضرورت لے سکتے ہو۔ قرآن
میں ہے:۔
وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ (۸-۶۰) اور
جہاں تک ہوسکے (فوج کی جمعیت سے)....
ان کے (مقابلے کے) لئے مستعد رہو۔
اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ (۲-۲۴) (اور جو کافروں
کے لئے تیار کی گئی ہے۔
وَاَعَدَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ (۹-۱۰۰) اور اس نے ان
کے لئے باغات تیار کئے ہیں۔
اُولٰٓئِکَ اَعْتَدْنَا لَھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا (۴-۱۸)
ایسے لوگوں کے لئے ہم نے عذاب الیم تیار کر رکھا ہے
وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ کَذَّبَ (۲۵-۱۱) اور ہم نے
..... جھٹلانے والوں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی
ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
وَاَعْتَدَتْ لَھُنَّ مُتَّکَاً (۱۲-۳۱) اور ان کے
لئے ایک محفل مرتب کی۔

---

[1] وفی الحدیث قال (صلی اللہ علیہ وسلم) قیل یارسول اللہ انما اقطعت لہ الماء العد فی قصۃ استقطاع ابیض بن حمال المازنی انظر الفائق (۲/۱۶۱)

میں بعض نے کہا ہے۔ کہ اَغْتَدَّتْ بھی اسی (عَدٌّ) سے ہے اور آیت کریمہ:۔

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ (۲-۱۸۵) تم روزوں کا شمار پورا کرلو۔

کے معنی یہ ہیں کہ تم ماہ رمضان کی گنتی پوری کرلو۔

اور اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ (۲-۱۸۴) گنتی کے چند روز ...... میں ماہ رمضان کی طرف اشارہ ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَاذْكُرُوا اللهَ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ (۲-۲۰۳) اور گنتی کے دنوں میں خدا کو یاد کرو۔

میں اَيَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ سے عید قربان کے بعد کے تین دن مراد ہیں اور معلومات سے ذوالحجہ کے دس دن۔ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ سے یوم النحر اور اس کے بعد کے دو دن مراد ہیں اس صورت میں " يَوْمُ النَّحْرِ " بھی ان تین دنوں میں شامل ہوگا۔

اَلْعِدَادُ اس مقررہ وقت کو کہتے ہیں جس میں بیماری کا دورہ پڑتا ہو۔ آنحضرتؐ نے فرمایا[1]

مَا زَالَتْ اُكْلَةُ خَيْبَرَ تُعَادُّنِيْ کہ خیبر کے دن جو مسموم کھانا میں نے کھایا تھا اس کی زہر بار بار عود کرتی رہی ہے عِدَّانُ الشَّيْءِ کے معنی کسی چیز کے موسم یا زمانہ کے ہیں۔

(ع د س)

اَلْعَدَسُ مسور کو کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے۔

وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا (۲-۶۱) اور مسور اور پیاز۔

اور عَدَسَةٌ ایک قسم کی پھنسی ہے جو مسور کی شکل پر ہوتی ہے اور عَدَسْ (اسم صوت) خچر وغیرہ کو ہانکنے کی آواز کو کہتے ہیں اسی سے عَدَسَ فِي الْاَرْضِ وَهُوَ عَدُوْسٌ کا محاورہ ہے جس کے معنی زمین میں جانے کے ہیں۔

(ع د ل)

اَلْعَدَالَةُ وَالْمُعَادَلَةُ کے لفظ میں مساوات کے معنی پائے جاتے ہیں اور معنی اضافی کے اعتبار سے استعمال ہوتا ہے یعنی ایک دوسرے کے ہم وزن اور برابر ہوتا اور عَدْلٌ اور عِدْلٌ کے قریب قریب ایک ہی معنی ہیں لیکن عَدْلٌ کا لفظ معنوی چیزوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے جیسے احکام شرعیہ چنانچہ اسی معنی میں فرمایا:۔

اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا (۵-۹۵) یا اس کے برابر روزے رکھنا

اور عِدْلٌ وَعَدِيْلٌ کے الفاظ ان چیزوں کے لئے بولے جاتے ہیں جن کا ادراک حواس ظاہرہ سے ہوتا ہے جیسے وہ چیزیں جن کا تعلق

---

[1] وتمام الحدیث فہذا اوان قطعت ابھری (غریب ابی عبید ۱/۴۳) والحدیث رواہ البزار وابونعیم فی الطب وابن عدی فی الکامل من حدیث ابی ہریرۃ والحاکم وابوداؤد ومرسلاً والطبری من حدیث بریدۃ وفیہ سمت لہ امرءۃ یہودیۃ تخیبۃ والحدیث باختلاف الفاظ فی الطبرانی والدلائل لابی نعیم والطبقات لابن سعد والبیہقی فی دلائلہ والدارقطنی والکاف الشاف لابن حجر ص ۸) وایضاً مشکل القرآن للقتیبی ۱۸ والفائق ۲/۳۸) واللسان (عدد) والاضداد لابن الانباری ۹۰ والمخصص ۵/۸۸ وتاویل مختلف الحدیث والروض للسہیلی قالہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ الذی مات فیہ والحدیث یدل علی انہ مات شہیداً۔ والحدیث فی النہایۃ ۳/۱۵) وفیہ تعاودنی بدل تعادنی ۱۲

اپ تول یا وزن سے ہوتا ہے پس عَدْلٌ کے معنی دو چیزوں کا برابر ہونا کے ہیں۔ چنانچہ اسی معنی میں مروی ہے (۳۷) بِالْعَدْلِ قَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (کہ عدل ہی سے آسمان وزمین قائم ہیں) یعنی اگر عناصر اربعہ جن سے کائنات نے ترکیب پائی ہے میں سے ایک عنصر میں بھی اس کی معینہ مقدار سے کمی یا بیشی ہو جائے تو نظام کائنات قائم نہیں رہ سکتا۔

اَلْعَدْلُ۔ دو قسم پر ہے اول عدل مطلق جو عقلاً مستحسن ہوتا ہے یہ نہ تو کسی زمانہ میں منسوخ ہوا ہے اور نہ ہی کسی اعتبار سے تعدی کے ساتھ متصف ہو سکتا ہے مثلاً کسی کے احسان کے بدلہ میں اس پر احسان کرنا اور جو تمہیں تکلیف نہ دے اسے ایذا رسانی سے باز رہنا وغیرہ۔

دوم عدل شرعی جسے شریعت نے عدل کہا ہے اور یہ منسوخ بھی ہو سکتا ہے جیسے قِصَاص جنایات کی دیت اور مال مرتد کی اصلی وغیرہ چنانچہ آیات:۔ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (۲-۱۹۴) پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی وہ تم پر کرے ویسی ہی تم اس پر کرو۔ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (۴۲-۴۰) اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے۔ میں زیادتی اور برائی کی سزا کا کام بھی زیادتی اور برائی ہی قرار دیا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (۱۶-۹۰) خدا تم کو انصاف اور احسان کرنے کا ۰۰۰۰ حکم دیتا ہے۔ میں عدل کے یہی معنی مراد ہیں کیونکہ کسی چیز کے برابر اس کا بدلہ دینے کا نام عَدْلٌ ہے یعنی نیکی کا بدلہ نیکی سے اور برائی کا بدلہ برائی سے اور نیکی کے مقابلہ میں زیادہ نیکی اور شر کے مقابلہ میں مسامحت سے کام لینے کا نام احسان ہے اور لفظ عدل واحد جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے رَجُلٌ عَدْلٌ عَادِلٌ وَرِجَالٌ عَدْلٌ شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۳۰۲) فَهُمْ رِضًا وَّهُمْ عَدْلٌ

وہ راضی رہنے والے اور عادل ہیں۔

دراصل عَدْلٌ کا لفظ مصدر ہے چنانچہ آیت:۔ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (۶۵-۲) اور اپنے میں سے دو منصف مردوں کو گواہ بنا لو۔ میں عَدْلٌ کے معنی عَدَالَةٌ ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (۴۲-۱۵) اور مجھے حکم ہوا کہ تم میں انصاف کروں۔ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا (۵-۸) ۰۰۰۰ اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر

---

[1] قطعة من بيت لزهير في قصيدة له في مدح هرم بن سنان والحارث بن عوف المريين والقصيدة في ديوانه ٩٧-١١٥ و تكملة البيت بمتى يشتجر قوم يقل سرواتهم - هم بيننا . . . والبيت في ديوانه ١٠٧ والاضداد للسجستاني ٥٧ ومجاز القرآن ٢٧ ارقم ٢٠٩ ومختار الشعر الجاهلي (١: ١٦١) والعقد الثمين ٩٠ وشرح السبع لابن الانباري ٢٨٧ واضداد ابي الطيب ٤٢ قال وهذا اي اطلاق المصدر على الواحد والجمع مشهور في المصادر خاصة ١٢

امادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو۔
اور آیت کریمہ:۔
وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ (۴-۱۲۹)
اور تم خواہ کتنا ہی چاہو عورتوں میں ہرگز برابری نہیں کر سکو گے۔
میں انسان کے طبعی میلان کی طرف اشارہ ہے کہ تمام بیویوں سے برابر درجہ کی محبت اس کی قدرت سے باہر ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً (۴-۳) اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ سب عورتوں سے یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت کافی ہے۔
میں عدل سے نان و نفقہ اور ازدواجی تعلقات میں برابری مراد ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا (۵-۹۵) اس کے برابر روزے رکھنا۔
میں عَدْل سے مراد یہ ہے کہ وہ روزے طعام سے فدیہ کے برابر ہوں کیونکہ فدیہ میں مساوات کے معنی ملحوظ ہوں تو اسے بھی عَدْلٌ کہہ دیا جاتا ہے۔ اور[1] (۳۳) لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ۔ میں بعض نے کہا ہے کہ عَدْلٌ کا لفظ فریضہ سے کنایہ ہے مگر اس کے اصل معنی وہی ہیں جو ہم بیان کر چکے ہیں اور صَرْفٌ کا لفظ نافِلَةٌ سے اور یہ اصل فرض سے بڑھ کر کام کرنے کا نام ہے لہذا یہ باہم تقابل کے اعتبار سے عدل اور احسان کے ہم مثل ہیں اور لَا يُقْبَلُ مِنْهُ کے معنی یہ ہیں کہ اس کے پاس کسی قسم کی نیکی نہیں ہوگی جو بدل کی جائے اور آیت:۔
بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ (۶-۱۵۰) کے معنی یہ ہیں کہ وہ دوسروں کو خدا کی مثل اور نظیر قرار دیتے ہیں۔
لہٰذا یہ آیت:۔
وَهُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ (۱۶-۱۰۰) کے ہم معنی ہوگی بعض نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ وہ افعال الہیہ کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں بعض نے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے عدول کرنا مراد لیا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ (۲۷-۶۰) بلکہ یہ لوگ رستے سے الگ ہو رہے ہیں۔
بھی اسی معنی پر محمول ہو سکتی ہے یعنی اس کے معنی يَعْدِلُونَ بِهِ کے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ عَدَلَ عَنِ الْحَقِّ سے مشتق ہو جس کے معنی حق سے ہٹ جانا کے ہیں۔
أَيَّامٌ مُعْتَدِلَاتٌ معتدل زمانہ یعنی جب رات دن برابر ہوتے ہیں۔
عَادَلَ بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ اس نے دو چیزوں کے درمیان موازنہ کیا عَادَلَ الْأَمْرَ کسی معاملہ میں پھنس گیا اور کسی ایک جانب فیصلہ نہ کر سکا اور جب کسی شخص کی زندگی سے مایوسی ہو جائے تو اس کے متعلق کہا جاتا ہے:۔
وُضِعَ عَلَى يَدَيْ عَدْلٍ یعنی اب وہ زندہ نہیں رہ سکتا[2]۔

---

[1] متفق علیہ من حدیث علیؓ و فی مسند عبدالرزاق العدل الفریضۃ و من حدیث انسؓ و ابی ہریرۃ رواہ مسلم والبخاری و فی ابی داؤد من حدیث ابی ہریرۃ راجع الانصاف ۷ والنہایہ ۴/۰۳۶ واللسان (صرف) والغریب للقتبی ۱۱ ۳ [2] قال ابن الکلبی ہو العدل بن جزء بن سعد العشیرۃ وکان ولی شرط تبع وکان تبع اذا اراد قتل رجل دفعہ الیہ فقال الناس "وضع علی یدی عدل" ثم قیل لکل شیء ییأس منہ انظر للکلمۃ ادب الکاتب ۴۳ واساس البلاغۃ واللسان (عدل) والمیدانی ۴۰۰ ۲

(ع د ن)

عَدْنٌ (ن ض) کے معنی کسی جگہ قرار پکڑنے اور ٹھہرنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔
عَدَنَ بِمَکَانِ کَذَا یعنی اس نے فلاں جگہ قیام کیا۔ قرآن میں ہے:۔
جَنّٰتُ عَدْنٍ (۱۳-۲۴) یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات۔
اسی سے اَلْمَعْدِنُ (کان) ہے کیونکہ کان بھی جواہرات کے ٹھہرنے اور پلنے جلنے کی جگہ ہوتی ہے حدیث میں ہے[1] (۳۴) اَلْمَعْدِنُ جُبَارٌ کہ اگر کوئی شخص کان میں گر کر مر جائے تو کان کن پر اس کی دیت نہیں ہے۔

(ع د و)

اَلْعَدْوُ کے معنی حد سے بڑھنے اور باہم ہم آہنگی نہ ہونا ہیں اگر اس کا تعلق دل کی کیفیت سے ہو تو یہ عَدَاوَۃٌ اور مُعَادَاۃٌ کہلاتی ہے اور اگر رفتار سے ہو تو اسے عَدْوٌ کہا جاتا ہے اور اگر عدل وانصاف میں خلل اندازی کی صورت میں ہو تو اسے عُدْوَانٌ اور عَدْوٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (۶-۱۰۸) کہ یہ بھی کہیں خدا کو بے ادبی سے بے سمجھے برا نہ کہہ بیٹھیں۔
اور اگر اس کا تعلق کسی جگہ کے اجزاء کے ساتھ ہو تو اسے عَدْوَاءٌ کہہ دیتے ہیں جیسے مَکَانٌ ذُوْ عَدْوَاءٍ ناہموار مقام چنانچہ مُعَادَاۃٌ سے اشتقاق کے ساتھ کہا جاتا ہے رَجُلٌ عَدُوٌّ وَقَوْمٌ عَدُوٌّ اور یہ واحد جمع دونوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (۷-۲۴) (اب تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔
مگر کبھی اس کی جمع عِدًی وَاَعْدَاءٌ بنا لیتے ہیں قرآن میں ہے:۔
يَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَاءُ اللّٰهِ (۴۱-۱۹) جس روز خدا کے دشمن دوزخ کی طرف چلائے جائیں گے۔
اَلْعَدُوُّ دو قسم پر ہے ایک دشمن تو وہ ہوتا ہے جو قصد وارادہ سے دشمنی کرتا ہے جیسے فرمایا۔
وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ ...... (۴-۹۲) اور اگر مقتول تمہارے دشمنوں کی جماعت سے ہو۔
جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ...... (۲۵-۳۱) ہم نے گنہگاروں میں سے ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا۔
اور دوسری آیت میں ہے:۔
عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ (۶-۱۱۲) شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا تھا۔
اور دوسرا دشمن وہ ہے جو قصد وارادہ سے تو دشمنی نہیں کرتا لیکن اس کی حالت ایسی ہوتی ہے جس سے انسان کو ایسے ہی تکلیف پہنچتی ہے جیسے دشمن سے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ (۲۶-۷۷) وہ میرے دشمن ہیں لیکن خدائے رب العالمین (میرا دوست ہے)
اور انسان کی اولاد کے متعلق فرمایا۔

---

[1] راجع لتخریج الحدیث (ع ج م)

عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ .... (۶۴-۱۴)
تمہارے دشمن (بھی) ہیں سوان سے بچتے رہو۔
اور عَدْوٌ (دوڑنا) کے متعلق شاعر نے کہا ہے[ل] (الطویل)
(۳۰-۴) فَعَادٰى عِدَاءً بَيْنَ ثَوْرٍ وَنَعْجَةٍ
اس نے ایک ہی دوڑ میں وحشی بیل اور نیل گائے کا شکار کر لیا۔
تَعَادَتِ الْمَوَاشِيْ مویشی ایک دوسرے کے پیچھے دوڑے رَاَيْتُ عِدَاءَ الْقَوْمِ میں نے لوگوں کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں دوڑتے ہوئے دیکھا۔
اَلْاِعْتِدَاءُ کے معنی حق سے تجاوز کرنا کے ہیں۔
قرآن میں ہے:

وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا (۲-۲۳۱)
اور اس نیت سے ان کو نکاح میں نہ رہنے دینا چاہیئے کہ انہیں تکلیف دو اور ان پر زیادتی کرو۔
وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ (۴-۱۴) اور جو خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کریگا اور اس کی مقررہ کردہ حدود سے آگے بڑھیگا۔
اِعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ (۲-۶۵) جو تم میں سے ہفتے کے دن میں حد سے تجاوز کر گئے تھے۔
یعنی انہوں نے ہفتے کے دن مچھلیوں کا شکار حلال سمجھ کر حد سے تجاوز کیا۔
تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا (۲-۲۲۹)
یہ خدا کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں ان سے باہر نہ نکلو۔
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ (۲۳-۷) وہ (خدا کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانیوالے ہیں۔
فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ (۲-۱۷۸) جس نے اس کے بعد زیادتی کی ..... اور آیت کریمہ:۔
بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ (۲۶-۱۶۶)
میں عٰدُوْنَ کے معنی ہیں (۱) حد سے تجاوز کرنے والے اور یا (۲) دشمنی رکھنے والے اور یا (۳) اپنے مرتبہ سے تجاوز کرنے والے اس تیسری صورت میں یہ عَدَا طَوْرَهٗ (اس نے اپنے مرتبہ سے تجاوز کیا) کے محاورہ سے مشتق ہوگا۔ اور آیت کریمہ:۔
وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (۲-۱۹۰) مگر زیادتی نہ کرنا کہ خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔
میں ابتداءً ظلم و زیادتی کرنا مراد ہے نہ کہ کسی سے بدلہ لینے میں حد سے تجاوز کرنا۔ جس کا ذکر کہ آیت کریمہ:۔
فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (۲-۱۹۴)
پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی وہ تم پر کرے ویسی ہی تم اس پر کرو۔

[ل] قال امرؤ القیس وآخرہ:۔ دراکا ولم ینضح بماء فیغسل۔ ای انہ ادرکہما سریعًا وعقرہما قبل ان یعرق والبیت فی اللسان (عدو) ودیوانہ ۱۰۳ (صنعۃ السندوبی) ومختار الشعر الجاہلی ۱۳ والبیت من ابیات المعانی راجع المعانی للقتبی (۱۲-۱۳) وفی مختار الشعر الجاہلی واللسان ایضًا العلقمۃ فی بائیتہ راجع دیوانہ ۶۶ وتمامہ: وبین شبوب کالہشیمۃ قریب وفی روایۃ وبین شبوب کالقضیمۃ... ولنسبۃ فی المحکم (عدی) الی امرئ القیس وہو الصحیح والبیت ایضًا فی ابن ولاد ۸۳ وشرح المقصورۃ الدریدیۃ فی مجموعۃ لامیۃ العرب ۸۲ والجمہرۃ ۲۰ والعقد الثمین ۹۴ والسیوطی ۴۳ والقالی (۲: ۲۲۶) شرح السبع لابن الانباری ۹۹۶ ویروی ایضًا فعادیتہ منہ... وکان عدائی ان رکبت علی بالی۔ وفیہ صنعۃ التبلیغ انظر التبریزی علی العشر ۴۶

میں پایا جاتا ہے یعنی اس کی زیادتی کے مطابق بدلہ
دو اور ظلم و زیادتی میں پہل کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا۔
وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى
الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۵-۲) نیکی اور پرہیزگاری
کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور
گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔
اور عدوان یعنی زیادتی کا بدلہ لینے کو بھی قرآن نے
عدوان کہا ہے حالانکہ یہ جائز ہے جیسے فرمایا:۔
فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ (۲-۱۹۳) تو
ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں کرنی چاہیے۔
وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ
نُصْلِيهِ نَارًا (۴-۳۰) اور جو تعدی اور ظلم سے
ایسا کرے گا ہم اس کو عنقریب جہنم میں داخل
کریں گے۔ اور آیت کریمہ:۔
فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ (۲-۱۷۳)
ہاں جو ناچار ہو جائے بشرطیکہ خدا کی نافرمانی نہ کرے
اور حد ضرورت سے باہر نہ نکل جائے۔
میں بَاغٍ سے وہ شخص مراد ہے جو لذت اندوزی
کے لئے مردار کا گوشت کھانے کی خواہش کرتا
ہے اور عَادٍ سے مراد وہ شخص ہے جو قدر کفایت
سے تجاوز کرتا ہے بعض نے بَاغٍ کے معنی خلیفہ
وقت کا باغی اور عَادٍ سے وہ شخص مراد لیا ہے جو
عجز و نیاز کرنے والوں کے طریق سے تجاوز کرنے
والا ہو[1] اور یہ عَدَى طَوْرَهُ سے مشتق ہے جس
کے معنی ہیں اپنے رتبہ سے تجاوز کرنے والا اور
اسی سے تَعْدِيَةٌ فِي الْفِعْلِ ہے اور علم نحو میں
فعل کے تَعْدِيَة سے مراد ہوتا ہے فعل کا اپنے
فاعل سے گزر کر مفعول تک پہنچ جانا اور مَا
عَدَا کا لفظ استثناء کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ
الْقُصْوَىٰ (۸-۴۲) جس وقت تم (مدینے سے)
قریب کے ناکے پر تھے اور کافر بعید کے ناکے پر۔
میں عُدْوَةُ الدُّنْيَا سے مدینہ کی جانب کا کنارہ
مراد ہے جو حد قریب سے کچھ دور تھا۔

(ع ذ ب)

مَاءٌ عَذْبٌ کے معنی خوش گوار اور ٹھنڈا
پانی کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ (۲۵-۵۳) ایک کا پانی
شیریں اور خوشگوار ہے۔
أَعْذَبَ الْقَوْمُ لوگوں کو شیریں پانی ملنے لگا۔
الْعَذَابُ سخت تکلیف دینا عَذَّبَهُ تَعْذِيبًا
اسے عرصہ دراز تک عذاب میں مبتلا رکھا۔ قرآن میں ہے:۔
لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا (۲۷-۲۱) میں اسے
سخت سزا دوں گا۔
وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَ
كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ
اور خدا ایسا نہ تھا کہ جب تک تم ان میں تھے
انہیں عذاب دیتا اور نہ ایسا تھا کہ وہ بخشش
مانگیں اور انہیں عذاب دے (۸-۳۳)
یعنی بذریعہ عذاب کے ان کا استیصال نہیں
کرے گا۔ اور آیت کریمہ:۔
وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ (۸-۳۴) اور

[1] ذکر ابو حیان فی بحرہ (۱/۴۸۱-۴۸۴) تسعۃ اقوال فی تفسیر الآیۃ والسید المرتضیٰ فی امالیہ (۱: ۲۱۵-۲۱۹) خمسۃ اقوال ورجح الطبری القول الثانی (۲: ۳۱۳)

اب ان کے لئے کون سی وجہ ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ دے۔

کے معنی یہ ہیں کہ اب انہیں نہ تیغ کرنے کا وقت آگیا ہے۔ اور فرمایا :۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ (۱۷-۱۵) اور ہم ...... عذاب نہیں دیا کرتے۔

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ (۲۶-۱۳۸) اور ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ (۳۷-۱۰) اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۲-۱۰) اور ...... ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔

وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ (۱۵-۵۰) اور یہ کہ میرا عذاب بھی درد دینے والا عذاب ہے۔

لفظ عَذَابٌ کی اصل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ عَذَبَ (ض) الرَّجُلُ کے محاورہ سے مشتق ہے یعنی اس نے (پیاس کی شدت کی وجہ سے) کھانا اور نیند چھوڑ دی اور جو شخص اس طرح کھانا اور سونا چھوڑ دیتا ہے اسے عَاذِبٌ وَعَذُوْبٌ کہا جاتا ہے لہٰذا اَلتَّعْذِيْبُ کے اصلی معنی ہیں کسی کو بھوکا اور بیدار رہنے پر اکسانا اور بعض کے نزدیک یہ عَذْبٌ (شیریں) سے مشتق ہے لہٰذا عَذَّبْتُهٗ کے معنی ہیں میں نے اسے زندگی کی لذت اور خوشگواریوں سے محروم کر دیا جیسا کہ مَرَّضْتُهٗ (میں نے اس سے مرض کو دور کیا) اور قَذَّيْتُهٗ میں نے اس کی آنکھ سے تنکا نکالا۔

بعض نے کہا ہے کہ دراصل اَلتَّعْذِيْبُ کے معنی ہیں کسی کو کوڑے کے عَذَبَہ یعنی سرکے ساتھ متواتر مارنا۔ چنانچہ بعض علمائے لغت نے تَعْذِيْبٌ کے معنی ہی مارنا لکھے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ مَاءٌ عَذَبٌ کے محاورہ سے ماخوذ ہے یعنی مکدر پانی جس کے اوپر کوڑا کرکٹ پڑا ہوا ہو اس بنا پر عَذَّبْتُهٗ کے معنی ہیں میں نے اس کی زندگی کے چشمۂ صافی کو مکدر کر دیا اس سے زندگی کی راحت دور کر دی عَذَبَةُ السَّوْطِ کوڑے کا سرا۔ عَذَبَةُ اللِّسَانِ زبان کا سرا عَذَبَةُ الشَّجَرِ درخت کا سرا۔

(ع ذ ر)

اَلْعُذْرُ ایسی کوشش جس سے انسان اپنے گناہوں کو مٹا دینا چاہے اس میں اَلْعُذْرُ اور اَلْعُذُرُ دو لغت ہیں اور عُذْرٌ کی تین صورتیں ہیں۔

اول یہ کہ کسی جرم کے ارتکاب سے قطعاً انکار کر دے دوم یہ کہ ارتکاب جرم کی ایسی وجہ بیان کرے جس سے اس کی براءت ثابت ہوتی ہو۔ سوم یہ کہ اقرار جرم کے بعد آئندہ اس جرم کا ارتکاب نہ کرنے کا وعدہ کر لے عذر کی اس تیسری صورت کا نام توبہ ہے جس سے ثابت ہوا کہ توبہ عذر کی ایک قسم ہے لہٰذا ہر توبہ کو عُذْرٌ کہہ سکتے ہیں مگر ہر عذر کو توبہ نہیں کہہ سکتے اِعْتَذَرْتُ اِلَيْهِ میں نے اس کے سامنے عذر بیان کیا عَذَرْتُهٗ میں نے اس کا عذر قبول کر لیا۔ قرآن میں ہے :۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ (۹-۹۴) تو تم سے عذر کریں گے۔

قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا (۹-۹۴) ان سے کہہ دو کہ عذر مت کرو۔

اَلْمُعْذِرُ جو اپنے آپ کو معذور سمجھے مگر در اصل وہ معذور نہ ہو۔ قرآن میں ہے :۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ (۹-۹۰) عذر کرتے ہوئے (تمہارے پاس آئے)۔

ایک قرأت میں مُعْذِرُوْنَ ہے یعنی عذر پیش کرنے والے۔ ابن عباسؓ کا قول ہے :۔

لَعَنَ اللّٰهُ الْمُعَذِّرِيْنَ وَرَحِمَ الْمُعْذِرِيْنَ[1] یعنی جھوٹے عذر پیش کرنے والوں پر خدا کی لعنت ہو اور جو واقعی معذور ہیں ان پر رحم فرمائے اور آیت کریمہ:۔

مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ (۷-۱۶۴) تمہارے پروردگار کے سامنے معذرت کر سکیں۔

میں مَعْذِرَةً عَذَرْتُ کا مصدر ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ میں اس سے درخواست کرتا ہوں کہ میرا عذر قبول فرمائے اَعْذَرَ اس نے عذر خواہی کی اپنے آپ کو معذور ثابت کر دیا۔ کہا گیا ہے[2] اَعْذَرَ مَنْ اَنْذَرَ یعنی جس نے ڈر سنا دیا وہ معذور ہے بعض نے کہا ہے کہ عُذْر اصل میں عَذِرَةً سے ماخوذ ہے جس کے معنی نجاست اور گندگی کے ہیں[3] اور اسی سے جو چیز اختنہ میں کاٹا جاتا ہے اسے عُذْرَةٌ کہا جاتا ہے[4] اور عَذَرْتُ الصَّبِيَّ کے معنی ہیں میں نے لڑکے کا ختنہ کر دیا گویا اسے ختنہ کی نجاست سے پاک دیا اسی طرح عَذَرْتُ فُلَانًا کے معنی ہیں میں نے اسے معاف دے کر اس سے گناہ کی نجاست کو دور کر دیا جیسا کہ غَفَرْتُ لَهٗ کے معنی ہیں میں نے اس کا گناہ چھپا دیا اور لڑکے کے ختنہ کے ساتھ تشبیہ دے کر لڑکی کے پردہ بکارت کو بھی عُذْرَةٌ کہا جاتا ہے اور عَذَرْتُهَا کے معنی ہیں میں نے اس کے پردہ بکارت کو زائل کر دیا اور بچے کے حلق کے درد کو بھی عُذْرَةٌ کہا جاتا ہے اسی سے عُذِرَ الصَّبِيُّ ہے جس کے معنی بچہ کے درد حلق میں مبتلا ہونے کے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے[5] (   )

(۳۰۵) غَمْزَ الطَّبِيْبِ نَغَانِغَ الْمَعْذُوْرِ

جیسا کہ طبیب درد حلق میں مبتلا بچے کا گلا دباتا ہے۔ اور مُعْتَذِرٌ عذر خواہی کرنے والے کی مناسبت سے اِعْتَذَرَتِ الْمِيَاهُ پانی کے سرچشمے منقطع ہو گئے اور اِعْتَذَرَتِ الْمَنَازِلُ مکانوں کے نشانات مٹ گئے۔ وغیرہ محاورات استعمال ہوتے ہیں اور عَذِرَةٌ (یعنی نجاست کے اعتبار) سے کہا جاتا ہے۔

اَلْعَاذِرُ وہ عورت جسے استحاضہ کا خون آرہا ہو عَذَوَّرٌ۔ بدخلق آدمی در اصل عَذِرَةٌ کے معنی مکانات کے سامنے کا کھلا میدان ہیں اس کے بعد اس نجاست کو عَذِرَةٌ کہنے لگے ہیں جو اس میدان میں پھینکی جاتی ہے۔

(ع ت ر)

اَلْمُعْتَرُّ وہ ہے جو کچھ لینے کے لئے تمہارے سامنے آئے قرآن میں ہے :۔

وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ (۲۲-۳۶) اور

---

[1] انظر ملکلتہ المیدانی رقم ۴۹۶۲ [2] ومنہ قیل للعنا را العذرۃ لالقاء النجاستہ فیہا وفی الحدیث: مالکم لا تنظفون فدرا تکم وفی الحدیث ایضًا الیہود انتن خلق اللہ فدرہ الفائق (۲/۲۲) [3] وفی الحدیث ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معذورًا قال فی الفائق (۲/۴۳) ای مسرورًا ای قطعت سرتہ [4] قالہ جریر وصدرہ: غمز ابن مرۃ یا فرزدق کینہا۔ والبیت فی جل المعاجم (عذر۔کین، نغع) ودیوانہ ۳۰۳ والاقتضاب ۱۴۳ والاشتقاق ۵۳۹ والخزانہ (۱: ۴۸۱) وفی المطبوع نغائع (بالمہملۃ) مصحف ۱۲

قناعت سے بیٹھے رہنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ۔

عَرَّہٗ یَعُرُّہٗ کے معنی ہیں بخشش طلب کرنے کے لئے کسی کے سامنے آنا۔

اِعْتَرَرْتُ بِكَ حَاجَتِيْ میں نے اپنی ضرورت تمہارے سامنے پیش کی۔ اَلْعَرُّ وَالْعُرُّ خارش کی بیماری کو کہتے ہیں جو بدن کو عارض ہو جاتی ہے اس مناسبت سے مَعَرَّةٌ کا لفظ ہر قسم کی مضرت پر بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

فَتُصِيبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ (۴۸-۲۶)
مبادا انہیں ان کی طرف سے بے خبری میں کوئی نقصان پہنچ جائے۔

اَلْعِرَارُ اس سنسناہٹ کو کہتے ہیں جو تیز ہوا کے چلنے سے پیدا ہوتی ہے پھر تشبیہاً نر شتر مرغ کی آواز کو بھی عِرَارٌ کہا جاتا ہے عَارَّ الظَّلِيمُ شتر مرغ نے آواز کی۔ اَلْعَرْعَرُ (شمشاد کی قسم کا) ایک درخت جو ہوا کے چلنے سے گونجتا ہے عَرْعَارِ ایک قسم کا بچوں کا کھیل (جس میں وہ یہ کلمہ بولتے ہیں تاکہ دوسرے بچے اپنے چھپنے کی جگہ سے باہر نکل آئیں)۔

(ع ر ب)

اَلْعَرَبُ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کو کہتے ہیں اَلْاَعْرَابُ دراصل یہ عَرَبٌ کی جمع ہے مگر یہ لفظ بادیہ نشین لوگوں کے ساتھ مختص ہو چکا ہے قرآن میں ہے:۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا (۴۹-۱۴) بادیہ نشین نے آکر کہا ہم ایمان لے آئے۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا (۹-۹۷)
دیہاتی لوگ سخت کافر اور سخت منافق ہیں۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (۹-۹۹) اور بعض دیہاتی ایسے ہیں کہ خدا پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ اَعْرَابٌ کی جمع اَعَارِيْبُ آتی ہے کسی شاعر نے کہا ہے[1] (الوافر)

(۳۰۷) اَعَارِيْبُ ذَوُوْ فَخْرٍ بِاِفْكٍ
وَاَلْسِنَةٍ لِطَافٍ فِي الْمَقَالِ

اعرابی جو جھوٹے فخر کے مدعی ہیں اور گفتگو میں نرم زبان رکھتے ہیں۔

اَلْاَعْرَابِيُّ یہ اَعْرَابٌ کا مفرد ہے اور عرف میں بادیہ نشین پر بولا جاتا ہے اَلْعَرَبِيُّ فصیح فصاحت سے بیان کرنے والا اَلْاِعْرَابُ کسی بات کو واضح کر دینا۔ اَعْرَبَ عَنْ نَفْسِهٖ اس نے بات کو وضاحت سے بیان کر دیا حدیث میں ہے[2] (۳۵)
اَلثَّيِّبُ تُعْرِبُ عَنْ نَفْسِهَا کہ ثیب اپنے دل کی بات صاف صاف بیان کر سکتی ہے۔

اِعْرَابُ الْكَلَامِ کلام کی فصاحت کو واضح کرنا علمائے نحو کی اصطلاح میں اِعْرَابٌ کا لفظ ان حرکات وسکنات پر بولا جاتا ہے جو کلموں کے آخر میں یکے بعد دیگرے حسب عوامل بدلتے رہتے ہیں۔ اَلْعَرَبِيُّ واضح اور فصیح کلام کو کہتے ہیں چنانچہ فرمایا:۔

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (۱۲-۲) واضح اور فصیح قرآن (نازل کیا)
بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (۲۶-۱۹۵) فصیح

---

[1] البیت فی الحماسۃ مع آخر بغیر عزو راجع المرزوقی ۶۴۸ [2] انظر للحدیث الفائق (۲: ۶۵) تخفیف الراء وتشدیدہا راجع غریب ابی عبید (۱: ۱۶۲-۱۶۳) وفی درجہ) فی النکاح والحاکم ۴/۱۹۲

عربی زبان میں ....

فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا (۴۱-۳) جس کی آیات کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں یعنی فصیح قرآن۔

مَا بِالدَّارِ عَرِیْبٌ گھر میں کوئی نہیں ہے اِمْرَأَۃٌ عَرُوْبَۃٌ وہ عورت جو اپنے خاوند سے محبت اور پاک بازی کو ظاہر کرنے والی ہو۔ اس کی جمع عُرُبٌ ہے۔ قرآن میں ہے:۔

عُرُبًا اَتْرَابًا (۵۶-۳۸) (اور شوہروں کی) پیاریاں اور ہم عمر۔

اور عَرَّبْتُ عَلَیْہِ کے معنی کسی کو اس کی غلطی بتانے کے ہیں حدیث میں ہے (۳۶) عَرِّبُوْا عَلَی الْاِمَامِ (امام قرأت میں غلطی کرے تو اسے بتا دو) اَلْمُعْرِبُ عربی گھوڑے کا مالک جیسا کہ خارش زدہ کو مُجْرِبٌ کہا جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

حُکْمًا عَرَبِیًّا (۱۳-۳۷) کے معنی واضح اور فصیح کتاب کے ہیں جو حق کو ثابت اور باطل کو غلط ثابت کر دکھائے۔

بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی کریم اور بلند مرتبہ کے ہیں اور یہ عُرُبًا اَتْرَابًا کے محاورہ سے ماخوذ ہے اور اس کے وہی معنی ہیں جو کہ کِتَابٌ کَرِیْمٌ کے ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ عَرَبِیًّا بمعنی مُعْرِبٌ ہے اور یہ عَرِّبُوْا عَلَی الْاِمَامِ کے محاورہ سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ہیں پہلی کتابوں کے احکام کو منسوخ کرنے والا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ عربی نبی کی طرف منسوب ہے اور عَرَبِیٌّ کی طرف نسبت کے وقت بھی عَرَبِیٌّ ہی کہا جائے گا یعنی تلفظ میں منسوب اور منسوب الیہ ایک ہی ہیں یَعْرُبُ اس شخص کا نام ہے جس نے سب سے پہلے سریانی زبان کو عربی میں منتقل کیا اس لئے اس کا نام ہی یعرب مشہور ہو گیا۔

(ع ر ج)

اَلْعُرُوْجُ کے معنی اوپر چڑھنا کے ہیں[1] قرآن میں ہے:۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ اِلَیْہِ (۷۰-۴) جس کی طرف روح (الامین) اور فرشتے چڑھتے ہیں۔

فَظَلُّوْا فِیْہِ یَعْرُجُوْنَ (۱۵-۱۴) اور وہ اس میں چڑھنے بھی لگیں۔

اور مَعَارِجُ کے معنی سیڑھیوں کے ہیں اس کا مفرد مَعْرَجٌ (اور معراج) ہے۔ قرآن میں ہے:۔

مِنَ اللّٰہِ ذِی الْمَعَارِجِ (۷۰-۳) (سیڑھیوں والے خدا کی طرف سے (نازل ہوگا)۔

اور شب معراج کو بھی لَیْلَۃُ الْمِعْرَاجِ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں دعائیں اوپر چڑھتی ہیں جیسا کہ آیت کریمہ:۔

اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ (۳۵-۱۰) اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں۔

میں اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

عَرَجَ عُرُوْجًا وَعَرَجَانًا (ہموار زمین پر) ایسے چلنا جیسے کوئی شخص سیڑھیاں چڑھ رہا ہو جیسا کہ دَرَجَ کا لفظ اس شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جو دَرَجٌ یعنی سیڑھی پر چڑھنے والے کی طرح چلے عَرِجَ (س) مستقل طور پر لنگڑا ہونا اور ضَبُعٌ (کفتار) کو عَرْجَاءُ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ خِلْقَۃً لنگڑا ہوتا ہے اور تَعَارَجَ کے معنی تکلف لنگڑا کر

[1] تذکرہ ابو الطیب الحلبی فی الاضداد (۲: ۴۹۸-۴۹۹)

چلنے کے ہیں جیسا کہ تَجۡنا لَعۡ کے معنی بتکلف سیری ظاہر کرنا کے ہوتے ہیں اسی سے استعارتًا شاعر نے کہا ہے[1] (البسیط)

(۳۳۷) عَرِّجۡ قَلِیۡلًا عَنۡ مَدَی غَلۡوَائِکَا

اَلۡعَرَجُ اونٹوں کا بڑا گلہ گویا وہ اپنی کثرت کے اعتبار سے اوپر چڑھ چکا ہے۔

(ع ر ج ن)

اَلۡعُرۡجُوۡنُ کھجور کے خوشے کی ڈنڈی جو خشک ہو کر خمیدہ ہو جاتی ہے[2]۔ قرآن میں ہے:۔

حَتّٰی عَادَ کَالۡعُرۡجُوۡنِ الۡقَدِیۡمِ (۳۶-۳۹) یہاں تک کہ کھجور کے خوشے کی پرانی ٹیڑھی ڈنڈی کی طرح ہو جاتا ہے۔

(ع ر ش)

اَلۡعَرۡشُ اصل میں چھت والی چیز کو کہتے ہیں اس کی جمع عُرُوۡشٌ ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوۡشِهَا (۲-۲۵۹) اور اس کے مکانات اپنی چھتوں پر گرے پڑے تھے۔

اسی سے عَرَشۡتُ (ن) اَلۡکَرۡمَ وَعَرَّشۡتُهٗ کا محاورہ ہے جس کے معنی انگور کی بیلوں کے لئے بانس وغیرہ کی ٹٹیاں بنانا کے ہیں اور ٹٹیوں پر چڑھائی ہوئی بیل کو مُعَرَّشٌ بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

مَعۡرُوۡشٰتٍ وَّغَیۡرَ مَعۡرُوۡشٰتٍ (۶-۱۴۱) ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے اور جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے ہوئے۔

وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ (۱۶-۶۸) اور درختوں میں اور ان سے جنہیں ٹٹیوں پر چڑھاتے ہیں۔

وَمَا کَانُوۡا یَعۡرِشُوۡنَ (۷-۱۳۶) جو ٹٹیوں پر چڑھاتے تھے۔

ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ یَعۡرِشُوۡنَ کے معنی یَبۡنُوۡنَ ہیں یعنی جو وہ عمارتیں بنانے تھے[3] اِعۡتَرَشَ الۡعِنَبُ انگور کی بیل کے لئے بانس وغیرہ کی ٹٹی بنانا۔ اَلۡعَرِیۡشُ چھولداری جس کی ہیئت انگور کی ٹٹی سے ملتی جلتی ہے اسی سے عَرَّشۡتُ الۡبِئۡرَ ہے جس کے معنی کنویں کے اوپر چھولداری سی بنانا کے ہیں بادشاہ کے تخت کو بھی اس کی بلندی کی وجہ سے عَرۡشٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَرَفَعَ اَبَوَیۡهِ عَلَی الۡعَرۡشِ (۱۲-۱۰۰) اور اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا۔

اَیُّکُمۡ یَاۡتِیۡنِیۡ بِعَرۡشِهَا (۲۷-۳۸) کوئی تم میں سے ایسا ہے ..... کہ ملکہ کا تخت میرے پاس لے آئے۔

نَکِّرُوۡا لَهَا عَرۡشَهَا (۲۷-۴۱) اس کے تخت کی صورت بدل دو۔

اَهٰکَذَا عَرۡشُکِ (۲۷-۴۲) کہ آپ کا تخت بھی اسی طرح کا ہے۔

---

[1] قالہ ابراہیم بن العباس الصولی وصدرہ: اباجعفر خف بنوۃ لعدصولۃ وفی سطایۃ قصر بدل عرج والبیت فی الشعراد ۲۴ والصداقۃ ۳۵ والاغانی (۹: ۲۱) والادیاد (۱: ۴۲) ونزہۃ الجلیس (۲: ۲۶۷) والوفیات (۲: ۵۶) والطرائف ۱۶۱ شعر ابراہیم رقم ۱۴۲ والعقد (۲: ۳۵۶) وفیہ البیت: اباجعفر عرج علی خلطائکا واقصر قلیلاً عن مدی غلوائکا والمحاضرات للمولف (۱۷۵:۱) وفیہ دولۃ لعدصولۃ وابن عبیر نسبۂ الی علی بن الجہم انہ کتب الی ابن الزیاد وفی روایۃ العیون ا ر ۲۳۷ والعقد الفرید بہ اباجعفر عرج علی خلطائکا۔ واقصر قلیلا من مدی غلوائکا ۱۲

[2] فنونہ اصلیۃ ووزنہ فعلول کذا فی القاموس قال الزجاج ہذہ فعلون ونونہ زائدۃ راجع الروح ۲۳ر۲۰

[3] راجع مجازہ (۱: ۲۲۷)

اور بطور کنایہ عَرْش کا لفظ عزت، غلبہ اور سلطنت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ محاورہ ہے:۔
فُلَانٌ ثُلَّ عَرْشُهٗ (یعنی فلاں کی عزت جاتی رہی)
مروی ہے (۳) کہ کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا تو ان سے دریافت کیا کہ پروردگار نے تیرے ساتھ کیا کیا؟ تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا اگر خدا اپنی رحمت سے میری دستگیری نہ کرتا لَثُلَّ عَرْشِیْ تو میں ذلیل ہوجاتا۔

اور عرش الٰہی سے صرف نام کی حد تک ہم واقف ہیں اور اس کی حقیقت انسان کے فہم سے بالاتر ہے اور وہ بادشاہ کے عرش کی طرح نہیں ہے جیسا کہ عوام خیال کرتے ہیں کیونکہ اس صورت میں تو عرش باری تعالیٰ کا حامل قرار پائے گا نہ کہ محمول، حالانکہ ذات الٰہی اس سے بالاتر ہے (کہ کوئی چیز اسے اٹھائے) جیسا کہ خود قرآن میں ہے:۔
اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ (۳۵-۴۱) خدا ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے رکھتا ہے کہ اپنی جگہ سے ہٹ نہ جائیں اگر وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو خدا کے سوا کوئی ایسا نہیں جو ان کو تھام سکے۔

بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ عَرْش سے فَلَكُ الْاَعْلٰی (فلک الافلاک) اور کُرْسی سے فلک الکواکب یعنی آٹھواں آسمان مراد ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا (۳۶) مَا السَّمٰوٰتُ السبع وَالْاَرَضُوْنَ السبع فی جنب الکرسی الا کحلقۃ ملقاۃ فی ارض فلاۃ" کہ سات آسمانوں اور سات زمینوں کی مثال کرسی کے مقابلہ میں ایسی ہی ہے جیسے بیابان میں ایک انگوٹھی پڑی ہوئی ہو اور یہی حیثیت عرش کے مقابلہ میں کرسی کی ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ (۱۱-۷) اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا۔
میں متنبہ کیا ہے کہ عرش جب سے وجود میں آیا ہے پانی کے اوپر ہی رہا ہے۔ اور آیات:۔
ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ (۸۵-۱۵) عرش کا مالک بڑی شان والا۔
رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ (۴۰-۱۵) مالک درجات عالی اور صاحب عرش ہے۔
اور ان کے ہم معنی دیگر آیات میں بعض نے کہا ہے کہ ان سے حق تعالیٰ کی سلطنت اور حکومت کی طرف اشارہ ہے ورنہ ان کے یہ معنی نہیں ہے کہ عرش باری تعالیٰ کا ٹھکانا اور مسکن ہے۔

(ع ر ض)

اَلْعَرْضُ (کسی چیز کی چوڑائی) یہ اَلطُّوْل کی ضد ہے اصل میں اس کا استعمال اجسام کے متعلق ہوتا ہے اس کے بعد غیر اجسام کے متعلق بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ (۴۱-۵۱) تو لمبی لمبی دعائیں کرنے لگتا ہے۔

اور عَرْضٌ خاص کر ایک جانب اور کنارہ کو کہتے ہیں عَرْضُ الشَّیْءِ اس کی ایک جانب

---

۳۵ سیاتی فی (کرسی) وہناک الموعد لتخریجہ انشاء اللہ تعالیٰ ۱۲

ظاہر ہوگئی عَرَضْتُ الْعُوْدَ عَلَی الْاِنَاءِ برتن پر لکڑی کو چوڑی جانب سے رکھا۔

اِعْتَرَضَ الشَّیْئُ فِیْ حَلْقِهٖ وہ چیز اس کے حلق میں اٹک گئی۔ اِعْتَرَضَ الْفَرَسُ فِیْ مَشْیِهٖ گھوڑا اپنے سر اور سینے کو ایک جانب ٹیڑھا کرکے چلا فِیْهِ عُرْضِیَّةٌ اس میں منہ زوری ہے۔

عَرَضْتُ الشَّیْئَ عَلَی الْبَیْعِ میں نے اسے فروخت کے لئے پیش کیا۔ عَرَضْتُ الشَّیْئَ عَلٰی فُلَانٍ اَوْ لِفُلَانٍ میں نے فلاں کے سامنے وہ چیز پیش کی۔ چنانچہ فرمایا:۔

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِكَةِ (۲-۳۱) پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔

وَعُرِضُوْا عَلٰی رَبِّكَ صَفًّا (۱۸-۴۸) اور سب تمہارے پروردگار کے سامنے صف باندھ کر لائے جائیں گے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ (۳۳-۷۲) ہم نے (بار) امانت پیش کیا۔

وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ یَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِیْنَ عَرْضًا (۱۸-۱۰۰) اور اس روز جہنم کافروں کے سامنے لائیں گے۔

وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَی النَّارِ (۴۶-۲۰) اور جس روز کافر دوزخ کے سامنے کئے جائیں گے

عَرَضْتُ الْجُنْدَ لشکر کا جائزہ لیا۔

اَلْعَارِضُ وہ چیز جو تمہارے سامنے آئے خاص طور پہ بادل (جو افق پر پھیلا ہوا ہو) جیسے فرمایا:۔

هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا (۴۶-۲۴) یہ تو بادل ہے جو ہم پر برس کر رہے گا۔

نیز اَلْعَارِضُ کا لفظ عارضہ مرض پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے:۔ بِهٖ عَارِضٌ مِّنَ الْمَرَضِ اسے بیماری کا عارضہ ہے اور کبھی بمعنی رخسار آجاتا ہے جیسے اَخَذَ مِنْ عَارِضَیْهِ (اس نے اس کے رخسار پکڑ لئے) اور کبھی بمعنی دانت اسی سے ان دانتوں کو جو ہنستے وقت ظاہر ہوتے ہیں اَلْعَوَارِضُ کہا جاتا ہے اور کنایہ کے طور پر عمدہ گو اور فصیح شخص کو فُلَانٌ شَدِیْدُ الْعَارِضَةِ کہا جاتا ہے بَعِیْرٌ عَرُوْضٌ اونٹ جو منہ میں دونوں طرف سے کانٹے چبا کر کھاتا ہو۔

اَلْعُرْضَةُ جو کسی چیز کے سامنے آکر آڑ بن جائے۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَیْمَانِكُمْ (۲-۲۲۴) اور خدا کے نام کو اپنی قسموں کے لئے آڑ نہ بناؤ۔

بَعِیْرٌ عُرْضَةٌ لِّلسَّفَرِ وہ اونٹ جو سفر کے لئے تیار کیا گیا ہو۔ اَعْرَضَ اس نے اپنی ایک جانب ظاہر کی اَعْرَضَ لِیْ كَذَا کسی چیز کا اس طرح سامنے آنا کہ اس کے پکڑنے پر قدرت ہو جائے۔ اَعْرَضَ عَنِّیْ اس نے مجھ سے روگردانی کی اعراض کیا۔ قرآن میں ہے:۔

ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا (۳۲-۲۲) تو وہ ان سے منہ پھیر لے۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ (۴-۶۳) تم ان سے اعراض برتو اور نصیحت کرتے رہو۔

وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ (۷-۱۹۹) اور جاہلوں سے کنارہ کرلو۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ (۲۰-۱۲۴) اور جو

میری نصیحت سے منہ پھیرے گا۔
وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ (۲۱-۳۲) اس پر بھی
وہ ہماری نشانیوں سے منہ پھیر رہے ہیں۔
اور کبھی قرآن کی بنا پر اس کے بعد عَنْ کو حذف
کر دیتے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے:۔
إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ (۲۴-۴۸)
ان میں سے ایک فریق منہ پھیر لیتا ہے۔
ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ
(۳-۲۳) تو ایک فریق ان میں سے کج ادائی
کے ساتھ منہ پھیر لیتا ہے۔
فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ (۳۴-۱۶) تو انہوں
نے شکر گزاری سے منہ پھیر لیا پس ہم نے ان
پر...... چھوڑ دیا۔ اور آیت کریمہ:۔
وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ (۳-۱۳۳)
اور بہشت... جس کا عرض ارض وسماء کے برابر ہے۔
کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں عَرْضٌ کا
لفظ الطُّولُ کی ضد ہے اور اس کی کئی صورتیں
ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ عالم آخرت میں جنت کی
چوڑائی اتنی ہوگی جتنی کہ اس عالم میں آسمانوں اور
زمین کی چوڑائی ہے کیونکہ عالم آخرت کی صفت
میں تو قرآن نے کہا ہے۔
يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَ
السَّمٰوٰتُ (۱۴-۴۸) جس دن یہ زمین دوسری
زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان۔
اور یہ عین ممکن ہے کہ عالم آخرت کے ارض وسماء
اس دنیا کے ارض وسماء سے وسیع اور کشادہ ہوں

چنانچہ مروی ہے[1] (۳۸) ان يهوديا سأل عمرؓ عن
هذه الآية فقال:۔ فاين النار؟ فقال عمرؓ
اذا جاء الليل فاين النهار؟ کہ ایک یہودی
نے حضرت عمرؓ سے اس آیت کے متعلق سوال
کیا اور کہا کہ اگر جنت ہی اتنی وسیع ہوگی) تو
دوزخ کس جگہ پر ہوگی؟ تو حضرت عمرؓ نے جواباً
پوچھا جب رات آجاتی ہے تو دن کہاں ہوتا ہے؟
اور بعض نے کہا ہے عرض سے مراد وسعت
ہے اور یہ وسعت پیمائش کے اعتبار سے مراد
نہیں ہے بلکہ مسرت اور خوشی کے اعتبار سے
جس طرح کہ اس کے برعکس دنیا کے متعلق کہا
جاتا ہے:۔ الدُّنْيَا عَلَىٰ فُلَانٍ حَلْقَةُ خَاتَمٍ
وَكِفَّةُ حَابِلٍ (کہ فلاں پر تو دنیا انگشتری کے
حلقہ اور شکاری کے پھندے کی طرح تنگ
ہوگئی ہے اسی طرح ایک اور محاورہ ہے:۔
سَعَةُ هٰذِهِ الدَّارِ كَسَعَةِ الْأَرْضِ (کہ اس
گھر کی وسعت روئے زمین کی وسعت کے
برابر ہے) بعض نے کہا ہے کہ یہاں عَرْضٌ کا لفظ
الْعَرْضُ لِلْبَيْعِ کے محاورہ سے ماخوذ ہے[2] چنانچہ جب
کوئی چیز کسی قسم کے سامان کے عوض بیچ دی جاتی
ہے تو کہا جاتا ہے بِيعَ كَذَا بِالْعَرْضِ كَذَا (کہ یہ چیز
اتنے) سامان کے عوض فروخت کی گئی) لہذا آیت
میں بھی عَرْضُهَا کے معنی عوض اور بدلہ کے ہیں جیسے
محاورہ ہے عَرْضُ هٰذَا الثَّوْبِ كَذَا وَكَذَا (کہ اس
کپڑے کی قیمت اتنی اور اتنی ہے
اَلْعَرَضُ ہر وہ چیز جسے ثبات نہ ہو۔ اسی اعتبار

---

[1] رواه ابن جرير بخلافه: طرف وفيه ان ناس من اليهود وفي مسند احمد روى مرفوعا وايضا في ابن جرير وايضا اجاب به ابن عباس وفي مسند البزار مرفوعا من ابن جرير سند ابن جرير)

[2] قال ابو عبيدة يقال جمع متاع الدنيا عرض بفتح الراء واما العرض بسكون الراء فهو ما سوى الدنانير والدراهم راجع المجمل لابن فارس (ماخوذ من فتح القدير للشوكاني ۱/۱۰۵)

سے علمائے کلام کی اصطلاح میں اَلْعَرَض کا لفظ
س چیز پر بولا جاتا ہے جو جَوْھَر کے بغیر قائم نہ رہ
سکے جیسے رنگ ذائقہ وغیرہ اور دنیا کی بے ثباتی کی
رف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے:۔
لدُّنْیَا عَرَضٌ حَاضِرٌ کہ دنیا تو پیش افتادہ سازو
سامان کا نام ہے ا قرآن میں ہے:۔
ترِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَاللّٰہُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ
(۸-۶۷) تم لوگ پیش افتادہ سازوسامان کے طالب
ہو اور خدا آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے۔
اخُذُوْنَ عَرَضَ ھٰذَا الْاَدْنٰی (۷-۱۶۹) اس
نیا کی مال ودولت لیتے ہیں۔
انْ یَّاْتِھِمْ عَرَضٌ مِّثْلُہٗ (۷-۱۶۹) اگر ان کے
سامنے (بھی) ویسا ہی مال آجاتا۔۔۔۔۔
ور آیت کریمہ:۔
لَوْ کَانَ عَرَضًا قَرِیْبًا (۹-۴۲) کے معنی یہ ہیں
اگر کوئی فائدہ آسانی سے حاصل ہونے کی توقع ہوتی۔
التَّعْرِیْضُ پہلودار بات کرنا جو سچ جھوٹ اور
ظاہر وباطن دونوں معنی پر محمول ہوسکتی ہو اور آیت:۔
وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِہٖ
مِنْ خِطْبَۃِ النِّسَآءِ (۲-۲۳۵) اگر تم کنایہ کی
باتوں میں عورتوں کو نکاح کا پیغام بھیجو۔۔۔۔۔ تو
تم پر کچھ گناہ نہیں۔
میں بعض نے کہا ہے کہ نکاح کے پیغام میں تعریض
کی صورت یہ ہے کہ عورت سے مثلاً کہا جائے تم
بہت خوبصورت ہو پسندیدہ نظر ہو وغیرہ۔

(ع ر ف)

اَلْمَعْرِفَۃُ وَالْعِرْفَانُ کے معنی ہیں کسی
چیز کی علامات وآثار پر غوروفکر کرکے اس کا
ادراک کرلینا یہ علم سے اخص یعنی کم درجہ رکھتا
ہے اور یہ اَلْاِنْکَار کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے یہی
وجہ ہے فُلَانٌ یَعْرِفُ اللّٰہَ تو کہا جاتا ہے مگر
تعدیہ بیک مفعول کی صورت میں فُلَانٌ یَعْلَمُ
اللّٰہَ استعمال نہیں ہوتا کیونکہ انسان ذات الٰہی
کا علم حاصل نہیں کرسکتا البتہ کائنات اور آثار
قدرت پر غوروفکر کرکے اس کی صفات کا
اندازہ لگایا جاسکتا ہے اسی طرح اللّٰہ یَعْرِفُ
کَذَا نہیں کہتے کیونکہ مَعْرِفَۃ کا درجہ
علم سے کمتر ہوتا ہے اور لفظ معرفت اس
ادراک پر بولا جاتا ہے جو غوروفکر کے بعد
حاصل ہوتا ہے جس سے ذات باری تعالٰے
بلند وبرتر ہے۔ دراصل معرفت کا لفظ عَرَفْتُ
کَذَا سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں میں نے
اس کی بو پالی اور یا اَصَبْتُ عَرْفَہٗ (میں نے
اس کے رخسار پر مارا) سے یہ لفظ پہچاننے کے
معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
فَلَمَّا جَآءَھُمْ مَّا عَرَفُوْا کَفَرُوْا بِہٖ (۲-۸۹)
پھر جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب ان
کے پاس آپہنچی تو اس سے کافر ہوگئے۔
فَعَرَفَھُمْ وَھُمْ لَہٗ مُنْکِرُوْنَ (۱۲-۵۸)
تو یوسف نے ان کو پہچان لیا اور وہ ان کو نہ
پہچان سکے۔
فَلَعَرَفْتَھُمْ بِسِیْمٰھُمْ (۴۷-۳۰) اور تم
ان کے چہروں سے ہی پہچان لیتے۔
یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ (۲-۱۴۶)
اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو
پہچانا کرتے ہیں۔
مَعْرِفَۃ کے مقابلہ میں اِنْکَار اور عِلْم کے مقابلہ

میں لفظ جَھَالَۃٌ استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰہِ ثُمَّ یُنْکِرُوْنَھَا (۱۶-۸۳) یہ خدا کی نعمتوں سے واقف ہیں مگر (واقف ہو کر) ان سے انکار کرتے ہیں۔
اور ایک گروہ (یعنی صوفیہ کرام) کی اصطلاح میں عَارِفٌ کا لفظ خاص کر اس شخص پر بولا جاتا ہے جسے عالم ملکوت اور ذات الٰہی اور اس کے ساتھ حسن معاملہ کے متعلق خصوصی معرفت حاصل ہو۔
عَرَّفَہٗ کَذَا فلاں نے اسے اس چیز کا تعارف کروا دیا۔ قرآن میں ہے:۔
عَرَّفَ بَعْضَہٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ (۶۶-۳) تو پیغمبر نے کچھ بات تو بتا دی اور کچھ نہ بتائی۔
تَعَارَفُوْا انہوں نے باہم ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ قرآن میں ہے:۔
لِتَعَارَفُوْا (۴۹-۱۳) تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔
یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَھُمْ (۱۰-۴۵) آپس میں ایک دوسرے کو پہچان بھی لیں گے۔
عَرَّفَہٗ کسی چیز کو خوشبودار کر دیا معطر بنا دیا چنانچہ جنت کے بارے میں عَرَّفَھَا لَھُمْ (۴۷-۶) فرمایا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنت کو خوشبو سے بسا دیا ہے اور ان کیلئے آراستہ کر رکھا ہے اور بعض نے اس کے معنی توصیف کرنا، شوق دلانا اور اس کی طرف رہنمائی کرنا بھی بیان کئے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔
فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ (۲-۱۹۸) جب تم میدان عرفات سے واپس ہونے لگو۔
میں "عرفات" سے میدان عرفات مراد ہے۔ بعض نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ اس میدان میں آدم علیہ السلام اور حوا کا باہم دنیا میں پہلی دفعہ تعارف ہوا تھا اس لئے عرفات کہا جاتا ہے اور بعض کا قول ہے کہ اس میدان میں دعا اور عبادت کے ذریعہ لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتے ہیں اس لئے اسے عرفات کہا جاتا ہے۔
اَلْمَعْرُوْفُ ہر اس قول یا فعل کا نام ہے جس کی خوبی عقل یا شریعت سے ثابت ہو اور مُنْکَرٌ ہر اس بات کو کہا جائے گا جو عقل و شریعت کی رو سے بری سمجھی جائے۔ قرآن میں ہے:۔
یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (۳-۱۱۴) اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے۔
وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (۳۳-۳۲) اور دستور کے مطابق ان سے بات کیا کرو۔
یہی وجہ ہے کہ جُوْدٌ (سخاوت) میں اعتدال اختیار کرنے کو بھی مَعْرُوْفٌ کہا جاتا ہے کیونکہ اعتدال عقل و شریعت کے اعتبار سے قابل ستائش ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَمَنْ کَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْکُلْ بِالْمَعْرُوْفِ (۴-۶) اور جو بے مقدور ہو وہ مناسب طور پر یعنی بقدر خدمت کچھ لے لے۔
اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَۃٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ (۴-۱۱۴) ہاں (اس شخص کی مشورت اچھی ہو سکتی ہے) جو خیرات یا نیک بات ۔۔۔۔ کہے۔
وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ (۲-۲۴۱) اور مطلقہ کو بھی دستور کے مطابق نان و نفقہ دینا چاہیئے۔
یعنی اعتدال اور احسان کے ساتھ۔ نیز فرمایا:۔
فَاَمْسِکُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ

تو یا تو ان کو اچھی طرح سے زوجیت میں رہنے دو اور اچھی طرح سے علیحدہ کردو۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ (۲-۲۶۳) نرم بات اور درگزر کرنا صدقہ سے بہتر ہے۔

یعنی نرم جواب دے کر لوٹا دینا اور فقیر کے لئے دعا کرنا اس صدقہ سے بہتر ہے جس پر احسان جتلایا جائے۔

اَلْعُرْفُ وہ نیک بات جس کی اچھائی کو سب تسلیم کرتے ہوں قرآن میں ہے:۔

وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ (۷-۱۹۹) اور نیک کام کرنے کا حکم دو۔

عُرْفُ الْفَرَسِ گھوڑے کی ایال عُرْفُ الدِّيْكِ مرغ کی کلغی جَاءَ الْقَطَا عُرْفًا قطا جانور آگے پیچھے یکے بعد دیگرے آئے اسی سے قرآن میں ہے:۔

وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا (۷۷-۱) ہواؤں کی قسم جو متواتر چلتی ہیں۔

اَلْعَرَّافُ یہ کَاهِنٌ کے ہم معنی ہے مگر عَرَّافٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والی باتوں کی خبر دے اور کَاهِنٌ اسے کہتے ہیں جو گزشتہ واقعات کے متعلق اطلاع دے اَلْعَرِيْفُ اسے کہتے ہیں جو لوگوں کو جانتا پہچانتا اور ان کا تعارف کراتا ہو۔ شاعر نے کہا ہے[1] (الکامل)

(۳۰۸) بَعَثُوْا اِلَیَّ عَرِيْفَهُمْ يَتَوَسَّمُ

وہ میرے پاس اپنا عریف بھیجیں گے جو پہچان کر لے گا۔

اور عَرُفَ فُلَانٌ عَرَافَةً کے معنی عریف بننے کے ہیں اس لئے عَرِيْفٌ مشہور سردار کو کہا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے[2] (البسیط)

(۳۰۹) بَلْ كُلُّ قَوْمٍ وَاِنْ عَزُّوْا وَاِنْ كَثُرُوْا
عَرِيْفُهُمْ بِاَثَافِي الشَّرِّ مَرْجُوْمٌ

ہر قوم خواہ کتنی ہی باعزت اور تعداد میں زیادہ کیوں نہ ہو مگر ان کے سردار بھی شرورِ زمانہ سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

يَوْمُ عَرَفَةَ جس روز حجاج میدان عرفہ میں وقوف کرتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ (۷-۴۶) اور اعراف پر کچھ آدمی ہوں گے۔

میں اَلْاَعْرَافُ سے وہ دیوار مراد ہے جو جنت اور دوزخ کے درمیان حائل ہے۔

اَلْاِعْتِرَافُ (انتعال) کے معنی اقرار کے ہیں اصل میں اس کے معنی گناہ کا اعتراف کرنے کے ہیں۔ اس کی ضد جُحُوْدٌ یعنی انکار کرنا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْبِهِمْ (۶۷-۱۱) پس وہ اپنے گناہ کا اقرار کریں گے۔

فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا (۴۰-۱۱) ہم کو اپنے گناہوں کا اقرار ہے۔

(ع ر م)

اَلْعَرَامَةُ کے معنی مزاج کی تندی اور درشتی

---

[1] اولہ: أَوَكُلَّمَا وَرَدَتْ عُكَاظَ قَبِيلَةٌ ... والبیت فی اللسان والحکم والتاج (عرف) ونسبہ الی طریف بن مالک العنبری وقیل طریف بن عمرو کما فی الاقتضاب ۴۲۳ والاشباہ (۴: ۱۰۱) والبحر (۵ / ۴۶۳) والکتاب (۲: ۲۱۵) والشنتمری وعزاہ لطریف بن تمیم العنبری

[2] قالہ علقمۃ بن عبدۃ الفحل وفی اللسان (عرف)، کل حی بدل کل قوم وقال کرمانی بدل وان کثیروا والبیت من کلمۃ مفضلیۃ (۲: ۱۹۷)، وفی منتہی الطلب (۱: ۲۷-۲۹) والشعراء (۸۹۴-۵۰۲) ومختار الشعر الجاہلی (۱: ۲۴۷) ودیوانہ ۱۲۹ والصناعتین ۳۰۰ والحیوان (۶: ۴۹۴) والمحاضرات للمؤلف (۴: ۹۰۰) وفی روایۃ وکل قوم وکرمو ابدل کثروا ذکرہ العسکری فی امثلہ دعوی الاستعارۃ۔

کے ہیں۔ جس کا اثر انسان کے عمل پر ظاہر ہو کہا جاتا ہے عَرَمَ فُلَانٌ فلاں سخت مزاج ہو گیا چنانچہ ایسے شخص کو عَارِمٌ کہا جاتا ہے۔
اسی سے عُرَامُ الْجَیْشِ ہے جس کے معنی لشکر کی تندی و تیزی اور کثرت کے ہیں اور آیت کریمہ:۔
فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ (۳۴-۱۶) کے بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ ہم نے ان پر سخت سیلاب بھیجا اور بعض نے اَلْعَرِم کے معنی بند کئے ہیں اور بعض نے اَلْعَرِمِ سے جنگلی چوہا مراد لیا ہے اور اس سیلاب کو اس کی طرف اس لئے منسوب کیا ہے کہ چوہوں نے اس بند میں نقاب ڈالے تھے اور وہ بند ٹوٹ گیا تھا۔

(ع ر و ی)

عَرِيَ مِنْ ثَوْبِهٖ يَعْرٰى ننگا ہونا چنانچہ برہنہ اور ننگے شخص کو عَارٍ وَعُرْيَانٌ کہا جاتا ہے قرآن میں ہے:۔
اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى (۲۰-۱۱۸) یہاں تم نہ بھوکے رہو گے اور نہ ننگے۔
هُوَ عُرْوٌ مِنَ الذَّنْبِ وہ گناہ سے عاری ہے اَخَذَهٗ عُرَوَاءُ برہنگی کی وجہ سے اس پر کپکپی طاری ہو گئی۔ اور انسان کے ان اعضاء کو جو عام طور پر ننگے رہتے ہیں جیسے چہرہ ہاتھ اور پاؤں اَلْمَعَارِيْ کہا جاتا ہے چنانچہ محاورہ ہے۔ فُلَانٌ حَسَنُ الْمُعَرّٰى فلاں کے ننگے اعضاء خوبصورت ہیں۔ جیسا کہ حَسَنُ الْمُحَسَّرِ وَالْمُجَرَّدِ کا محاورہ ہے اَلْعَرَاءُ کھلی جگہ جہاں کوئی چیز آڑ کے لئے نہ ہو جیسے فرمایا:۔
فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَاۗءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ (۳۷-۱۴۵) پھر ہم نے اسے جبکہ وہ بیمار تھے کھلے میدان میں ڈال دیا۔
اَلْعُرَىٰ (اسم مقصور) کنارہ اور جانب کو کہتے ہیں اور عَرَاهُ وَاعْتَرَاهُ اس کے سامنے آیا اس کی جانب قصد کیا۔ قرآن میں ہے:۔
اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْۗءٍ (۱۱-۵۴) کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تجھ پر مصیبت ڈال دی ہے۔
اَلْعُرْوَةُ۔ ہر وہ چیز جسے پکڑ کر کوئی لٹک جائے اور آیت کریمہ:۔
فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى (۲-۲۵۶) تو اس نے مضبوط حلقہ ہاتھ میں پکڑا۔
میں (ایمان باللہ کو) بطور تمثیل کے "مضبوط حلقہ" سے تعبیر فرمایا ہے۔ نیز عُرْوَة یا عَلْقَه ایک قسم (کی خاردار جھاڑی یا پیلو کی قسم) کے درخت کو بھی کہتے ہیں جو اونٹوں کے لئے آخری سہارا ہوتا ہے اَلْعُرِيُّ وَالْعَرِيَّةُ سرد ہوا جو انسان کو لگ جاتی ہے۔ نیز اَلْعَرِيَّةُ کھجور کا وہ درخت جو بیع سے مستثنیٰ کیا گیا ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ عَرِيَّةٌ کھجور کے اس درخت کو کہتے ہیں جس کا پھل اس کے مالک نے کسی محتاج کو ہبہ کر دیا ہو شرعًا اس درخت کے پھل کو خشک کھجوروں کے عوض بیچنا جائز ہے بعض کہتے ہیں کہ عَرِيَّة کھجور کے اس درخت کو کہتے ہیں جو کسی آدمی کے باغ میں دوسرے کی ملکیت ہو اور اس کے آنے جانے سے باغ کے مالک کو تکلیف ہوتی ہو تو شریعت نے خشک کھجوروں کے عوض اس کا پھل خریدنے کی اجازت دی ہے۔

اس کی جمع عَرَایَا ہے اور آنحضرت نے بیع عَرَایَا کی رخصت دی تھی۔ (۳۹)

(ع ز ز)

اَلْعِزَّۃُ اس حالت کو کہتے ہیں جو انسان کو مغلوب ہونے سے محفوظ رکھے یہ اَرْضٌ عَزَازٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی سخت زمین کے ہیں۔ تَعَزَّزَ اللَّحْمُ گوشت سخت ہو گیا اور گتھ گیا گویا وہ سخت زمین میں پڑا ہے جس تک رسائی مشکل ہے جیسا کہ تَظَلَّفَ کے معنی ظَلِفٌ یعنی سخت زمین میں چلے جانا کے ہیں۔ قرآن میں ہے۔

اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (۴-۰۴) کیا یہ ان کے ہاں عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ عزت تو سب خدا ہی کی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (۶۳-۸) حالانکہ عزت خدا کی ہے اور اس کے رسول کی اور مومنوں کی۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ ..... (۳۷-۱) تمہارا پروردگار جو صاحب عزت ہے اس سے پاک ہے۔

اَلْعِزَّۃُ کبھی باعث مدح ہوتی ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیات سے ظاہر ہوتا ہے اور کبھی باعث مذمت جیسا کہ کفار کے متعلق فرمایا:۔

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ (۳۸-۲) مگر جو کافر ہیں وہ غرور اور مخالفت میں ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جو عزت اللہ رسول اور مسلمانوں کو حاصل ہے وہ دائمًا باقی رہنے والی ہے اور یہی عزت حقیقی ہے مگر کفار کو عزت حقیقی حاصل نہیں ہے بلکہ وہ بتکلف اپنے آپ کو قوی اور غالب ظاہر کر رہے ہیں جیسا کہ آنحضرت نے فرمایا (۴۰) کہ جو عزت اللہ تعالے سے حاصل نہ ہو وہ سراسر ذلت ہے" اسی معنی میں فرمایا:۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا (۱۹-۸۱) یعنی اللہ کے سوا انہوں نے معبود بنا رکھے ہیں کہ ان کے ذریعہ عذاب سے محفوظ رہ سکیں اور آیت کریمہ:۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا (۳۵-۱۰) کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص معزز بننا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ اللہ تعالے کے ہاں سے عزت حاصل کرے کیونکہ ہر قسم کی عزت خدا ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے کبھی عزت کا لفظ حمیت اور غلط خود داری کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔

اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ (۲-۲۰۶) تو غرور اس کو گناہ میں پھنسا دیتا ہے۔ میں عزت کے معنی حمیت کے ہیں۔

اَلْعَزِيْزُ وہ ہے جو غالب ہو اور مغلوب نہ ہو۔ قرآن میں ہے:۔

اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۲۹-۲۶) بے شک وہ غالب حکمت والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ (۱۲-۸۸) اے عزیز ہمیں اور ہمارے اہل و عیال کو بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔

اَعَزَّہٗ (افعال) کے معنی کسی کو عزت بخشنے کے ہیں)

---

۳۹ والحدیث فی اختلاف الفاظہ فی الموطا ۲ / ۱۲۵ والرسالۃ للشافعی رقم ۹۰۹ وتحقیق التخریج لاحمد شاکر مصری واختلاف الحدیث ۲۱۹ واصحاب الکتب السنۃ راجع ذخائر المواریث رقم ۱۹۶۱

قرآن میں ہے:۔

تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ (۳-۲۶)
جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کر دے۔

عَزَّ عَلَیَّ کَذَا مجھ پر یہ بات نہایت ہی گراں گذری۔ قرآن میں ہے۔

عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ (۹-۱۲۸) تمہاری تکلیف ان پر گراں گزرتی ہے۔

اور عَزَّہٗ کَذَا کے معنی ہیں فلاں اس پر غالب آگیا چنانچہ مثل مشہور ہے۔ مَنْ عَزَّ بَزَّ (جس کی لاٹھی اسی کی بھینس) قرآن میں ہے:۔

وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ (۳۸-۲۳) اور گفتگو میں مجھ پر غالب آگیا ہے۔

بعض نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ وہ گفتگو اور جھگڑا کرنے میں مجھ سے زیادہ باعزت بن بیٹھا ہے۔

عَزَّ الْمَطَرُ الْاَرْضَ بارش زمین پر غالب آگئی۔

عَزَّ الشَّیْءُ کسی چیز کا نادر اور کمیاب ہونا چنانچہ اسی اعتبار سے کہا گیا ہے۔

کُلُّ مَوْجُوْدٍ مَمْلُوْلٌ وَکُلُّ مَفْقُوْدٍ مَطْلُوْبٌ کہ ہر موجود چیز سے انسان اکتا جاتا ہے اور ہر نایاب چیز کی تلاش کی جاتی ہے شَاۃٌ عَزُوْزٌ بکری کا دودھ کم ہوگیا اور آیت کریمہ:۔

اِنَّہٗ لَکِتَابٌ عَزِیْزٌ (۴۱-۴۱) یہ تو ایک عالی رتبہ کتاب ہے۔

کے معنی یہ ہیں کہ اس جیسی کتاب کا کہیں سے حاصل کرنا اور پایا جانا نہایت دشوار ہے۔

اَلْعُزّٰی ایک بت کا نام ہے۔ قرآن میں ہے:۔

اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی (۵۳-۱۹) بھلا تم لوگوں نے لات اور عزیٰ کو دیکھا۔

وَاسْتُعِزَّ بِفُلَانٍ فلاں مرض یا موت سے مغلوب ہوگیا۔

(ع ز ب)

اَلْعَازِبُ وہ آدمی جو گھاس کی تلاش میں اپنے اہل وعیال سے دور نکل جائے عَزَبَ یَعْزِبُ وَیَعْزُبُ (ض ن) دور نکل جانا پوشیدہ ہو جانا۔ قرآن میں ہے:۔

وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّکَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّۃٍ (۱۰-۶۱) اور تمہارے پروردگار سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

لَا یَعْزُبُ عَنْہُ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ (۳۴-۳) ذرہ بھر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔

رَجُلٌ عَزَبٌ کنوارا بے زن مرد۔

عَزَبَ عَنْہُ حِلْمُہٗ اس کی عقل جاتی رہی۔

عَزَبَ طُہُوْرُہَا اس کا خاوند غائب ہوگیا۔

قَوْمٌ مُعْزِبُوْنَ وہ لوگ جن کے اونٹ چرنے کے لئے دور نکل گئے ہوں۔

ایک حدیث میں ہے[1] (۱۴۴) مَنْ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ فِیْ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا فَقَدْ عَزَبَ کہ جس نے چالیس دن میں قرآن پاک ختم کیا اس نے بہت دیر کی۔

(ع ز ر)

اَلتَّعْزِیْرُ اس مدد کو کہتے ہیں جو جذبہ تعظیم

---

[1] قال فی الفائق (۲: ۳۷) ومعناہ نفقد العہد بادراکہ ابطأ فی تلاوتہ والحدیث فی الترمذی عن ابن عمرو وعن ابن عمرو لفظہ: اقرء القرآن فی اربعین انظر کنز العمال ج ۱ رقم ۲۷۷۴ و ۲۸۱۹

کے ساتھ ہو قرآن میں ہے:۔

وَتُعَزِّرُوْهُ (۴۸-۹) اور اس کی مدد کرو۔

وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ (۵-۱۲) اور ان کی مدد کرو گے۔

اَلتَّعْزِيْرُ (ایضاً) کسی کو حد شرعی سے کم سزا دینا یہ بھی دراصل پہلے معنی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے کیونکہ تادیبی سزا بھی درحقیقت اس شخص کی اصلاح کے لئے ایک قسم کی مدد ہوتی ہے فرق صرف یہ ہے کہ پہلے معنی کا تعلق کسی مضر چیز کو روکنے سے ہوتا ہے اور تادیب میں کسی شخص کو مضر چیز سے روکا جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کسی کو مضر چیز سے روک دینا بھی اس کی مدد میں شامل ہے۔[1]

اسی بنا پر آنحضرت نے فرمایا (۱۴۲) اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا اپنے بھائی کی مدد کرو، وہ ظالم ہو یا مظلوم یہ سنکر ایک شخص نے عرض کی اے اللہ کے رسول مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے مگر اس کے ظالم ہونے کی صورت میں اس کی مدد کرنے کے کیا معنی ہیں آنحضرت نے فرمایا اسے ظلم سے روک دو۔ اور آیت کریمہ:۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُنِ ابْنُ اللّٰهِ (۹-۳۰) اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں۔
میں عزیر ایک پیغمبر کا نام ہے۔

(ع ز ل)

اَلْاِعْتِزَالُ کے معنی ہیں کسی چیز سے کنارہ کش ہو جانا عام اس سے کہ وہ چیز کوئی پیشہ ہو یا کوئی بات وغیرہ ہو جس سے بری الذمہ ہونے کا اعلان کیا جائے نیز وہ علیحدگی بذریعہ بدن کے ہو یا بذریعہ دل کے دونوں قسم کی علیحدگی پر بولا جاتا ہے عَزَلْتُهٗ وَاعْتَزَلْتُهٗ وَتَعَزَّلْتُهٗ میں نے اس کو علیحدہ کیا فَاعْتَزَلَ چنانچہ وہ علیحدہ ہو گیا۔ قرآن میں ہے:۔

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ (۱۸-۱۶) اور جب تم نے ان مشرکوں سے اور جن کی یہ خدا کے سوا عبادت کرتے ہیں ان سے کنارہ کر لیا۔

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ (۴-۹۰) پھر اگر وہ تم سے جنگ کرنے سے کنارہ کشی کریں اور لڑیں نہیں۔

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۱۹-۴۸) اور میں تم سے اور جنکو تم خدا کے سوا پکارتے ہو کنارہ کرتا ہوں۔

فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ (۲-۲۲۲) سو... عورتوں سے کنارہ کش رہو۔ شاعر نے کہا ہے[3] (الکامل)

---

[1] ذهب ابو الطيب في اضداده (۵۰۹) الى من الاضداد ويأتي بمعنى التعظيم والتعزير عن الفراء ياتي بمعنى التعليم ومنه قول سعد بن ابي وقاص ثم اصبحوا لا اهل الكوفة يعزرونني اللسان (عزر) والنهايه ۳ / ۱۰۴ [2] متفق عليه من حديث انس وذكره ابن حبان في ... ۸ / ۴ عن حديث ابن عمر والدارمي وابن عساكر عن جابر والمستدرك والترمذي عن انس (راجع الفتح الكبير للنبهاني ۱ : ۲۸۰-۲۸۱) [3] قاله الاحوص بن محمد بن عاصم بن ابي الافلح حمي الدبر الانصاري في قصيدة له يمدح فيها عمر بن عبد العزيز وتمامه، عقدا لعذي به الفؤاد موكل ... المطبوع ... محزنة في اللسان والمحكم (عزل) التغزل بدل التعزل والروايتين لها محل والبيت في الاغاني (۱۸ : ۱۹۷) واللآلي مع السمط ۲۵۹ والخزانة (۱ : ۸۰۴ / ۲) والثمار ۲۵۳ والمنتخبات (۱ : ۱۰۵) وكنايات الجرجاني ۸۳ والشنتمري (۱ : ۱۹۰) والعقد الفريد (۴ : ۶۳۳) والعيني (۱ : ۱۰۱) والمرزوقي ۹ ۳۵ واختلف في عاكمة لبدا شيع الكلام عليه الاستاذ الميمني في السمط واجاد والقصة في المعارف ۸۷ اوتعلق بالبيت قصة المعدل مع المنصور راجع المعاهد والبيت تمثل به ابن المقفع وقد ربيت ما لمجوس فجر مقتله راجع الامالي للمرتضى (۱ : ۱۳۵) ومحاضرات الادباء (۳ : ۲۰۷) والخزانة ۱ : ۴۸ ۲ / ۳ : ۵۹ بحد الحمري (۱ : ۶۰۴ / ۲) وانشده ايضاً يحيى بن خالد كما في الثمار ۵۳ ۲ والبحالعلا ردما اليه ۱۵۳ - ۱۵۴ *

(۳۱۰) یَا بَیْتَ عَاتِکَۃَ الَّتِیْ اَتَعَزَّلُ
اے بیت عاتکہ جس میں کنارہ کش رہتا ہوں۔
اور آیت کریمہ:۔
اِنَّھُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ (۲۶-۲۱۲) وہ
(آسمانی باتوں کے) سننے (کے مقامات سے)
الگ کر دیئے گئے ہیں۔
کے معنی یہ ہیں کہ گو اس سے پہلے شیاطین آسمان
سے باتیں سن لیا کرتے تھے مگر اب انہیں سننے سے
روک دیا گیا ہے۔
اَلْاَعْزَلُ (۱) غیر مسلح (۲) چوپایہ جس کی دم ایک
جانب جھکی ہوئی ہو (۳) بادل بغیر بارش کے۔
اَلسِّمَاکُ الْاَعْزَلُ ستارہ جو اکیلا طلوع
کرتا ہے جیسا کہ غیر مسلح شخص ہوتا ہے مگر اس کے
بالمقابل اَلسِّمَاکُ الرَّامِحُ اس ستارہ کو کہا
جاتا ہے جس کے ساتھ دوسرا ستارہ ہوتا ہے
جو اس کے لئے بمنزلہ نیزہ کے ہے۔

(ع ز م)

اَلْعَزْمُ وَالْعَزِیْمَۃُ کسی کام کو قطعی اور
حتمی طور پر کرنے کا ارادہ کرنا عَزَمْتُ الْاَمْرَ
وَعَزَمْتُ عَلَیْہِ وَاعْتَزَمْتُ میں نے اس
کام کو قطعی طور پر کرنے کا ارادہ کر لیا۔ قرآن میں ہے:۔
فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ (۳-۱۵۹) جب
کسی کام کا عزم مصمم کر لو تو خدا پر بھروسہ رکھو۔
وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَۃَ النِّکَاحِ (۲-۲۳۵) اور
۔۔۔۔۔ نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرنا۔
وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ (۲-۲۲۷) اور اگر
طلاق کا ارادہ کر لیں۔
اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (۳۱-۱۷)
بیشک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔
وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا (۲۰-۱۱۵) اور ہم نے
ان میں صبر و ثبات نہ پایا۔
یعنی جس بات کا انہیں حکم دیا گیا تھا اس کی حفاظت
کرنے اور اسے بجا لانے میں ثابت قدم نہ پایا۔
اَلْعَزِیْمَۃُ ایک قسم کا گنڈہ اور تعویذ جس
میں اس خیال سے گرہیں لگائی جاتی تھیں کہ گویا
شیطان کو ایذا رسانی سے روک دیا گیا ہے
عَزِیْمَۃٌ کی جمع عَزَائِمُ آتی ہے۔

(ع ز و)

اَلْعِزَۃُ۔ گروہ۔ جماعت۔ اس کی جمع
بحالت رفعی میں عِزُوْنَ اور بحالت نصبی
اور جری میں عِزِیْنَ (۷۰-۳۷) آتی ہے اور
اس کے معنی ہیں جماعتیں جو متفرق ہوں اصل
میں یہ عَزَوْتُہٗ فَاعْتَزٰی سے مشتق ہے جس
کے معنی ہیں میں نے اسے منسوب کیا چنانچہ وہ منسوب
ہوگیا گویا عِزَۃٌ ایسی جماعت کو کہتے ہیں جس
کے افراد بلحاظ نسب یا بلحاظ مدد کے ایک
دوسرے کی طرف منسوب ہوتے ہیں اسی سے
اَلْاِعْتِزَاءُ فِی الْحَرْبِ ہے جس کے معنی کسی
شخص کا لڑائی میں اپنا نسب بیان کرنا اور آنا
ابْنُ فُلَانٍ وَصَاحِبُ فُلَانٍ کہنا یعنی یہ کہ میں
فلاں کا بیٹا یا اس کا ساتھی ہوں مروی ہے (۴۲)
کہ مَنْ تَعَزّٰی بِعَزَاءِ الْجَاہِلِیَّۃِ فَاَعِضُّوْہُ بِھَنِ

لہ رواہ الحاکم فی المستدرک وابن حبان فی زوائدہ ۷۳۶ بحذف لفظ "بھن ابیہ" والطبرانی والضیاء والترمذی عن ابی والرویانی
فی الافراد وراجع کنز العمال ج ۱ رقم ۹۲، ۳/۲۹۳، ۲/۳۰۴ وغریب ابی عبید ۱/۳۰۱ والاحادیث فی ذم التفاخر بالآباء کثیرۃ

اَبِیْہِ یعنی جو شخص اہل جاہلیت کی طرح اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرے اسے کہو کہ اپنے باپ کا مقام ستر کاٹ کھلئے۔
بعض اہل لغت کا خیال ہے کہ عِزِیْنَ کا لفظ عَزَا عَزَاءً فَھُوَ عِزٍ سے مشتق ہے جس کے معنی صبر و تسلی حاصل کرنے کے ہیں اس اعتبار سے عِزَۃٌ اس جماعت کو کہتے ہیں جس کے افراد ایک دوسرے سے تسلی حاصل لیتے ہوں۔

(ع س س)

اَلْعَسْعَسَۃُ وَالْعِسَاسُ کے معنی تاریکی ہلکی ہونے کے ہیں یہ کیفیت رات کی دونوں طرفوں میں ہوتی ہے یعنی جب رات آنے والی ہو یا جانے والی ہو اس لئے آیت کریمہ :۔
وَاللَّیْلِ اِذَا عَسْعَسَ (۸۱-۱۷) میں عَسْعَسَ کے معنی رات کے آنے اور جانے دونوں ہو سکتے ہیں۔
اَلْعَسُّ وَالْعَسَسُ رات کے وقت مشتبہ لوگوں کی تلاش میں پھرنا کے ہیں اور رات کے وقت پہرہ دینے والے آدمی کو عَاسٌّ یا عَسَّاسٌ کہا جاتا ہے اس کی جمع عُسُسٌ ہے مثل مشہور ہے[1] (
کَلْبٌ عَسَّ خَیْرٌ مِنْ اَسَدٍ رَبَضَ یعنی رات کے وقت شکار کی تلاش کرنے والا کتا بیٹھ رہنے والے شیر سے بہتر ہے۔
اَلْعَسُوْسُ وہ عورت جو رات کو بدمعاشی کے لئے پھرتی رہتی ہو۔ اَلْعُسُّ بڑا پیالہ جمع عِسَاسٌ۔

(ع س ر)

اَلْعُسْرُ کے معنی تنگی اور سختی کے ہیں یہ یُسْرٌ (آسانی، فارغ البالی) کی ضد ہے قرآن میں ہے :۔
فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (۹۴-۵،۶) یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔
اَلْعُسْرَۃُ تنگ دستی، تنگ حالی۔ قرآن میں ہے :۔
فِیْ سَاعَۃِ الْعُسْرَۃِ (۹-۱۱۷) مشکل کی گھڑی میں۔
وَاِنْ کَانَ ذُوْ عُسْرَۃٍ (۲-۲۸۰) اور اگر قرض لینے والا تنگدست ہو۔
اور اَضَاقَ فُلَانٌ کی طرح اَعْسَرَ فُلَانٌ کے معنی ہیں وہ مفلس اور تنگ حال ہو گیا تَعَاسَرَ الْقَوْمُ لوگوں نے معاملہ کو الجھانے کی کوشش کی قرآن میں ہے :۔
وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَہٗ اُخْرٰی (۶۵-۶) اور اگر باہم ضد (اور نااتفاقی) کرو گے تو بچے کو اس کے (باپ کے) کہنے سے کوئی اور عورت دودھ پلائے گی۔
یَوْمٌ عَسِیْرٌ سخت دن۔ قرآن میں ہے :۔
وَکَانَ یَوْمًا عَلَی الْکَافِرِیْنَ عَسِیْرًا (۲۵-۲۶) اور وہ دن کافروں پر (سخت) مشکل ہوگا۔
یَوْمٌ عَسِیْرٌ عَلَی الْکَافِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ (۷۴-۹-۱۰) مشکل کا دن (یعنی) کافروں پر آسان نہ ہوگا۔
عَسَرَنِی الرَّجُلُ تنگدستی کے وقت کسی چیز کا مطالبہ کرنا۔

(ع س ل)

اَلْعَسَلُ شہد کو کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے :۔

---

[1] راجع للمثل المیدانی رقم ۴۴۳۰ والاتباع لابی الطیب ۷۱ وفیہ من کلب بدل من اسد والمثل یقال للحث علی الکسب ۔

مِنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى (۴۷-۱۵) صاف کردہ شہد کی .... اور کنایہ کے طور پر جماع کو عُسَيْلَةٌ کہا جاتا ہے حدیث میں ہے[1] (۴۴) حَتّٰى تَذُوْقِي عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوْقَ عُسَيْلَتَكِ جب تک تم دونوں ایک دوسرے سے جماع کی لذت حاصل نہ کر لو اس وقت تک پہلے خاوند سے نکاح کی اجازت نہیں ہے۔

اَلْعَسَلَانُ نیزے کا مضبوط ہونا، دوڑ کے وقت اعضا کا ہلنا عام طور پر اَلْعَسَلَانُ کا لفظ بھیڑیے کی تیز رفتاری کے لیے استعمال ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے۔ مَرَّ يَعْسِلُ وَيَنْسِلُ بھیڑیا تیزی سے دوڑتا ہوا گزرا۔

(ع س ی)

عَسٰى[2] کے معنی توقع اور امید ظاہر کرنا کے ہیں۔ اکثر مفسرین نے قرآن پاک میں اس کی تفسیر لازم معنی یعنی یقین سے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں طمع اور رجا کا استعمال صحیح نہیں ہے مگر یہ ان کی کوتاہ نظری ہے۔ کیونکہ جہاں کہیں قرآن میں عسیٰ کا لفظ آیا ہے وہاں اس کا تعلق انسان کے ساتھ ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ لہٰذا آیت کریمہ:۔

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ (۷-۱۲۹) کے معنی یہ ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ سے امید رکھو کہ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اسی طرح فرمایا:۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ (۵-۵۲) سو قریب ہے کہ خدا فتح بھیجے۔

عَسٰى رَبُّهٗ اِنْ طَلَّقَكُنَّ (۶۶-۵) اگر پیغمبر تم کو طلاق دے دیں تو عجب نہیں کہ ان کا پروردگار

وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (۲-۲۱۶) مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ (۴۷-۲۲) تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ۔

هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ ...... (۲-۲۴۶) کہ اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے تو عجب نہیں ......

فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (۴-۱۹) اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور خدا اس میں بہت سی بھلائی پیدا کر دے۔

اَلْمُعْسِيَانُ شتر مادہ جس کا دودھ منقطع ہو گیا ہو اور اس کے لوٹ آنے کی امید ہو۔

عَسَى الشَّيْءُ يَعْسُوْ کسی چیز کا سخت ہو جانا۔

عَسَى اللَّيْلُ يَعْسُوْ رات کا تاریک ہو جانا۔

(ع ش ر)

اَلْعَشَرَةُ دس اَلْعُشْرُ دسواں حصہ

اَلْعِشْرُوْنَ بیسواں اَلْعِشْرُ (مویشیوں کا دسویں دن پانی پر وارد ہونا) قرآن میں ہے:۔

---

[1] قال صلی اللہ علیہ وسلم لامرأۃ رفاعۃ حین طلقہا ثلاثا فذکرت عبد الرحمٰن بن الزبیر والحدیث فی السنۃ وایضا الشافعی فی الرسالۃ رقم ۴۹ بتحقیق احمد شاکر والام ۵/۲۲۹ واختلاف الحدیث ۴ ص ۱۳ علی ہامش الجزء السابع من الام وایضا المجازات النبویۃ للشریف الرضی (۲۸۲-۲۸۳)

[2] کلمۃ عسیٰ عدۃ العلماء من الاضداد وقال ابن عباس ہی واجبۃ من اللہ انظر اضداد ابی الطیب ۴۸۷ ولیعلم ایضا ان کل ما فی القرآن من عسیٰ علی وجہ الخبر فہو موحد علی تاویل عسیٰ الامر کذا وما کان علی الاستفہام فانہ یجمع کما فی الایات ثم الافصح ان یکون بعدہا ان وبدائم یکن علی عکس کاد فانہ الافصح فیہ عدم کون ان، راجع للبحث الصاحبی ۵۶ وابن ہشام (۱۶۴-۱۶۵)

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ (۲-۱۹۶) یہ پوری دس ہوئے
عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ (۸-۶۵) بیس آدمی ثابت قدم۔
تِسْعَةَ عَشَرَ (۷۴-۳۰) انیس (داروغے)
عَشَرْتُهُمْ اَعْشِرُهُمْ میں ان میں دسواں بن گیا عَشَرْتُهُمْ ان سے عُشْر یعنی مال کا دسواں حصہ وصول کیا۔
عَشَّرْتُهُمْ میں نے ان کے مویشی دس بنا دیئے یعنی پہلے نو تھے ان میں ایک اور شامل کرکے دس بنا دیا مِعْشَارُ الشَّیْءِ دسواں حصہ۔ قرآن میں ہے:۔
وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَا اٰتَیْنٰهُمْ (۳۴-۴۵) اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا تھا یہ اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے۔
نَاقَةٌ عُشَرَاءُ دس ماہ کی حاملہ اونٹنی اس کی جمع عِشَارٌ آتی ہے قرآن میں ہے:۔
وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (۸۱-۴) اور جب دس ماہ کی گابھن (حاملہ) اونٹنیاں بیکار ہو جائیں گی۔
جَاءُ عُشَارٰی وہ دس دس افراد پر مشتمل ٹولیاں بن کر آئے۔
اَلْعُشَارِیُّ ہر وہ چیز جو دس ہاتھ لمبی ہو۔
اَلْعِشْرُ اونٹوں کو پانی نہ پلانے کی مدت (نو دن)
اِبِلٌ عَوَاشِرُ نو دن کے پیاسے اونٹ۔
قِدْرٌ اَعْشَارٌ ٹوٹا ہوا پیالہ دراصل اَعْشَارٌ کا لفظ اس چیز پر بولا جاتا ہے جو ٹوٹ کر دس ٹکڑے ہو گیا ہو اسی سے شاعر نے بطور استعارہ کہا ہے۔ (الطویل)

(۳۱۱) بِسَهْمَیْكِ فِیْ اَعْشَارِ قَلْبٍ مُقَتَّلِ[1]
تم اپنی دو نگاہوں (کے دونوں تیر) سے میرے شکستہ دل کے ٹکڑوں پر مارنا چاہتی ہو
اَلْعَشُوْرُ کے معنی گدھے کی آواز کے ہیں کیونکہ گدھا جب آواز کرتا ہے تو دس مرتبہ آواز کرتا ہے
اَلْعَشِیْرَةُ انسان کے باپ کی طرف سے قریبی رشتہ دار پر مشتمل جماعت کیونکہ ان سے انسان کثرت عدد حاصل کرتا ہے۔ گویا وہ اس کے لئے بمنزلہ عدد کامل کے ہیں کیونکہ عشرۃ کا عدد ہی کامل ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِیْرَتُكُمْ (۹-۲۴) اور عورتیں اور خاندان کے آدمی۔
لہذا عَشِیْرَةٌ انسان کے رشتہ داروں کی اس جماعت کا نام ہے جن سے انسان کثرت (قوت) حاصل کرتا ہے۔ عَاشَرْتُهٗ کے معنی ہیں کہ گویں رشتہ دامادی میں اس کے لئے بمنزلہ عَشَرَة کے ہو گیا۔ قرآن میں ہے:۔
وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۴-۱۹) اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔
اَلْعَشِیْرُ مل کر رہنے والا خواہ رشتہ دار ہو یا اجنبی۔

ع ش و (ی)

اَلْعَشِیُّ زوال آفتاب سے لے کر طلوع فجر تک کا وقت قرآن میں ہے:۔
اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰهَا (۷۹-۴۶) گویا دنیا میں

---

[1] قال امرؤ القیس فی لامیتہ المشہورۃ صدرہ:۔ وما ذرفت عیناک الا لتضربی۔ شرح المعلقات لابن الانباری رقم ۲۲ والتبریزی ۲۲ واللسان والمحکم (عشر قتل) والمحاضرات ۲/۹۱ ودیوانہ ۲۶ والعقد الثمین ۱۴۷ والصناعتین ۲۵۶ ومختار الشعر الجاہلی ۱۔ والجمہرۃ للقرشی ۵۰ والعمدۃ (۱: ۲۷۷) وفیہ لتقدحی بدل لتضربی فی باب التمثیل وقیل ان امرء القیس اول من ابتکرہ والمیات اعلم منہ ۱۲

صرف ایک شام یا صبح رہے تھے۔
اَلْعَشَاءُ (ممدود) مغرب سے عشا کے وقت تک اور مغرب اور عشا کی نمازوں کو اَلْعِشَاءَان کہا جاتا ہے اور اَلْعَشَا (رتوندی) تاریکی جو آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے رَجُلٌ اَعْشٰى جیسے رتوندی کی بیماری ہو اس کی مؤنث عَشْوَاءُ آتی ہے۔ مثل مشہور ہے[1]
هُوَ يَخْبِطُ خَبْطَ عَشْوَاءَ وہ اندھی اونٹنی کی طرح ہاتھ پاؤں مارتا ہے یعنی بلا سوچے سمجھے معاملات سرانجام دیتا ہے۔ عَشَوْتُ النَّارَ میں نے رات کو آگ کا قصد کیا۔
عُشْوَةٌ (بروزن شُعْلَةٌ) آگ کا شعلہ جو رات کے وقت دور سے دکھائی دے عَشِيَ عَنْ کَذَا کسی چیز سے آنکھیں بند کرلینا۔ اندھا ہوجانا قرآن میں ہے:۔
وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ (۴۳-۳۶)
اور جو کوئی خدا کی یاد سے آنکھیں بند کرے۔
اَلْعَوَاشِيْ رات کو چرنے والے اونٹ اور اس کا واحد عَاشِيَةٌ ہے اسی سے کہا گیا ہے[2] (مثل)
اَلْعَاشِيَةُ تُهَيِّجُ الْآبِيَةَ کہ رات کو چرنے والا اونٹ نہ چرنے والے کو رغبت دلاتا ہے یعنی جو اونٹ چارہ نہ کھاتا ہو وہ بھی اسے دیکھ کر چرنے لگ جاتا ہے۔
اَلْعَشَاءُ شام کا کھانا اَلْعِشَاءُ (بکسر العین) عشا کی نماز عَشَيْتُ میں نے رات کا کھانا کھایا عَشَّيْتُهُ اسے رات کا کھانا کھلایا مشہور ہے:۔
عَشِّ وَلَا تَغْتَرَّ یعنی رات کو اپنے اونٹ چرا لو تو غافل نہ رہو۔

(ع ص ب)

اَلْعَصَبُ کے معنی بدن کے پٹھے جو جوڑوں کو ملائے ہوئے ہیں لَحْمٌ عَصِبٌ بہت پٹھوں والا گوشت۔
اَلْمَعْصُوْبُ دراصل لوہے کو کہتے ہیں جو پٹھے (رگ تانت) کے ساتھ بندھا ہوا ہو۔ پھر عام مضبوطی کے ساتھ باندھنے پر عَصَبٌ کا لفظ بولا جاتا ہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں[3]
لَاَعْصِبَنَّكُمْ عَصْبَ السَّلِمَةِ میں تمہیں سلمہ درخت کی طرح باندھ کر چھوڑوں گا۔
فُلَانٌ شَدِيْدُ الْعَصَبِ مَعْصُوْبُ الْخَلْقِ فلاں کے جوڑ بند مضبوط ہیں يَوْمٌ عَصِيْبٌ سخت دن یہاں عَصِيْبٌ کے معنی ہیں سخت بمعنی فاعل بھی ہوسکتا ہے اور بمعنی مفعول (مَعْصُوْبٌ) بھی گویا اس کے بدن کے اطراف کو یک جا کر کے رسی کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے جس میں وہ گھرے ہوئے ہیں اور نجات کی صورت نظر نہیں آتی جیسا کہ سخت دن کو كَفَّةٌ حَابِلٍ یا حَلْقَةٌ خَاتَمٍ کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔

---

[1] یضرب المثل للمتهافت فی الشیٔ المیدانی ۲/ ۴۱۴ [2] قالہ زید بن سیم الشیبانی انظر المثل والخبر المیدانی رقم ۱۱۷، ۲۲۱۱، ۹۰۴ ۲ وفیہ خبر طویل والحیوان ۵/ ۱۲۲ وعیون الاخبار (۳: ۲۲۵) واللسان (۱۱۱) والجمهرۃ للعسکری ۵۴ ومعناہ اذا رأت الآبیۃ التی تعفی اصاحبتها الرعی رعت معها [3] قالہ الحجاج حین خطب الناس بالکوفۃ اللسان (عصب) وفی المیدانی (۲/ ۹۱) قالہ زید بن سیم الشیبانی وفیہ خبر طویل قال المیدانی ۲/ ۱۷۱ یضرب للبخیل یستخرج منہ الشیٔ علی کرہ وفی الکامل ۹۰۷، ۴۰۴ لاحزم منکم حزم السلمۃ وایضا راجع ابی الطیب ۵۰۲ والعقد الفرید ۴/ ۹ وعیون الاخبار ۲/ ۲۴۴ وصبح الاعشی والخطبۃ بطولها فی البیان والتبیین (۲/ ۳۰۸-۳۱۰)

اَلْعُصْبَۃُ وہ جماعت جس کے افراد ایک دوسرے کے حامی اور مددگار ہوں۔ قرآن میں ہے:۔
لَتَنُوْٓءُ بِالْعُصْبَۃِ (۲۸-۷۶) ایک طاقتور جماعت کو اٹھانی مشکل ہوتیں۔
وَنَحْنُ عُصْبَۃٌ (۱۲-۸) حالانکہ ہم جماعت (کی جماعت) ہیں۔
یعنی ہم باہم متفق ہیں اور ایک دوسرے کے یار و مددگار۔ اِعْصَوْصَبَ الْقَوْمُ لوگ مجتمع ہو گئے۔ عَصَبُوْا بِہٖ۔ اس کا احاطہ کر لیا۔
عَصَبَ الرِّیْقُ بِفَمِہٖ اس کے منہ میں تھوک خشک ہو گئی اور بول نہ سکا گویا اس کی زبان کو تانت کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے۔
عَصْبٌ ایک قسم کی یمنی منقش چادر۔
اَلْعِصَابَۃُ کے معنی پٹی یا پگڑی کے ہیں تَعَمَّمَ کی طرح اِعْتَصَبَ کے معنی بھی پگڑی باندھنا آتے ہیں۔
اَلْمَعْصُوْبُ اونٹنی کہ جب تک اس کے پاؤں باندھ کر اسے نہ دوہا جائے دودھ نہ دے۔
اَلْعَصِیْبُ پھیپھڑا کیونکہ وہ بھی انتڑیوں کے ساتھ لپٹا ہوتا ہے۔

(ع ص ر)

اَلْعَصْرُ یہ عَصَرْتُ الشَّیْءَ کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں نچوڑنا اَلْمَعْصُوْرُ وہ چیز جسے نچوڑا گیا ہو اَلْعُصَارَۃُ شیرہ جو نچوڑ کر نکال لیا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
اِنِّیْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا (دیکھتا کیا ہوں) کہ شراب (کے لئے انگور) نچوڑ رہا ہوں۔
وَفِیْہِ یَعْصِرُوْنَ (۱۲-۴۹) اور لوگ اس میں رس نچوڑیں گے۔
یعنی اس میں خیر و برکت حاصل ہو گی۔ ایک قرأت میں یُعْصَرُوْنَ ہے یعنی اس سال خوب بارش ہو گی اِعْتَصَرْتُ مِنْ کَذَا کے معنی کسی چیز سے خیر و برکت حاصل کرنا کے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے[1] (السریع)

(۳۱۲) وَاِنَّمَا الْعَیْشُ بِرُبَّانِہٖ
وَاَنْتَ مِنْ اَفْنَانِہٖ مُعْتَصِرٌ

زندگی کا لطف تو اٹھتی جوانی کے ساتھ ہے جب کہ تم اس کی شاخوں سے رس نچوڑتے ہو۔
اور آیت کریمہ:۔
وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا (۷۸-۱۴)
اور نچوڑنے بادلوں سے موسلا دھار مینہ برسایا۔
میں مُعْصِرَات سے مراد بادل ہیں جو پانی نچوڑتے یعنی گراتے ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مُعْصِرَات ان بادلوں کو کہا جاتا ہے جو اِعْصَار کے ساتھ آتے ہیں اور اِعْصَار کے معنی ہیں گرد و غبار والی تند ہوا۔ قرآن میں ہے:۔
فَاَصَابَہَآ اِعْصَارٌ (۲-۲۶۶) تو ناگہاں اس باغ پر ..... بگولا چلے۔
اَلْاِعْتِصَارُ کے معنی کسی چیز کو دبا کر اس سے رس نچوڑنے کے ہیں اسی سے عُصْرٌ وَعَصَرٌ ہے۔ جس کے معنی جائے پناہ کے ہیں اَلْعَصْرُ وَالْعِصْرُ

---

[1] قالہ ابن احمر فی القالی والمحی، واللسان: غیر ما مقتفر بدل معتصر ورباں العیش حداثۃ واولہ والبیت فی اللسان (ربب) والمحکم (عصر) والمحی ۹/۱۲ والمعانی للقتیبی ۷۶۶ والسمط ۵۵۵ والقالی (۱: ۲۴۳) وابن درید (۱: ۲۷۷) وخصائص ابن جنی (۱: ۲۲۴) قال البکری معناہ انما الصبا والعیش باولہ وجدتہ ازمان انت معتصر من افنانہ وقبلہ وھو اول الشعر: قد بکرت عاذلتی بکرۃ۔ تزعم انی بالصبا مشتہر ۱۲

وقت اور زمانہ اس کی جمع عُصُوْرٌ ہے قرآن میں ہے۔
وَالْعَصْرِ o اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (۱۰۳-۱، ۲)
زمانہ کی قسم کہ انسان نقصان میں ہے۔
اَلْعَصْرُ کے معنی اَلْعَشِیُّ بھی آتے ہیں یعنی زوال آفتاب سے غروب شمس تک کا زمانہ اسی سے صَلٰوۃُ الْعَصْرِ (نماز عصر) ہے۔ اَلْعَصْرَانِ صبح شام (رات دن) اور یہ اَلْقَمَرَانِ کی طرح ہے جس کے معنی ہیں چاند اور سورج اَلْمُعْصِرُ وہ عورت جسے حیض آجائے اور جوانی کی عمر کو پہنچ گئی ہو۔[1]

(ع ص ف)

اَلْعَصْفُ وَالْعَصِیْفَۃُ کھیتی کے پتے جو کاٹ لئے جاتے ہیں نیز خشک نباتات جو ٹوٹ کر چورہ چورہ ہو جائے۔ قرآن میں ہے:۔
وَالْحَبُّ ذُوالْعَصْفِ (۵۵-۱۱) اور اناج چھلکے کے اندر ہوتا ہے۔
کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ (۱۰۵-۵) جیسے کھایا ہوا بھس ہو۔
رِیْحٌ عَاصِفٌ وَعَاصِفَۃٌ وَمُعْصِفَۃٌ تند ہوا جو ہر چیز کو توڑ کر بھس کی طرح بنا دے اور مجازاً عَصَفَتْ بِھِمُ الرِّیْحُ کے معنی ہیں وہ ہلاک اور برباد ہو گئے

(ع ص م)

اَلْعَصْمُ کے معنی روکنے کے ہیں قرآن میں ہے:۔
لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ (۱۱-۴۳)
آج خدا کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں۔ بعض نے لَا عَاصِمَ کے معنی لَا مَعْصُوْمَ بھی کئے ہیں[2] یعنی آج اللہ کے حکم سے کوئی بچ نہیں سکے گا اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ عربی زبان میں عَاصِم بمعنی مَعْصُوْم آجاتا ہے بلکہ یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ عَاصِم اور مَعْصُوْم لازم ملزوم ہیں یعنی ایک کا حصول دوسرے کے حصول کو مستلزم ہے۔ اس لئے لفظ عاصم بول کر معصوم مراد لیا گیا ہے۔
مَا لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ عَاصِمٍ (۱۰-۲۷) اور کوئی ان کو خدا سے بچانے والا نہ ہو گا۔
اَلْاِعْتِصَامُ کسی چیز کو پکڑ کر مضبوطی سے تھام لینا قرآن میں ہے۔
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا (۳-۱۰۳) اور سب مل کر خدا کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا
وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰہِ (۳-۱۰۱) اور جس نے خدا کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑ لیا۔
اِسْتَعْصَمَ وہ باز رہا گویا اس نے ایسی چیز طلب کی جس کے ذریعہ برائی کے ارتکاب سے بچ جائے لہٰذا فَاسْتَعْصَمَ (۱۲-۳۲) کے معنی ہیں اس نے ایسی چیز تلاش کی جو برائی کے ارتکاب سے اس کی حفاظت کرے بچالے اور آیت کریمہ:۔
وَلَا تُمْسِکُوْا بِعِصَمِ الْکَوَافِرِ (۶۰-۱۰) میں عِصَمٌ کا واحد عِصْمَۃٌ ہے اور عِصْمَۃٌ کے معنی عقد نکاح کے ہیں پس آیت کے معنی یہ ہیں

---

[1] وفی الفائق ۲/۷۹ عن ابن عباس: کان وجیۃ اذا قدم لم تبق معصر الا خرجت الیہ لانہ کان مفرط الجمال ۲ ؎ ؎ ؎

[2] وقد عدہ العلماء من الاضداد ۲/۵۰۶۔

جو عورتیں مسلمان نہیں ہونا چاہتیں انہیں مت روکو بلکہ عقدِ نکاح سے آزاد کر دو۔)

اَلْعِصَامُ مشک کی رسی یا تسمہ جس کے ساتھ اس کا منہ باندھا جاتا ہے اور عِصْمَۃُ الْاَنْبِیَاءِ کے معنی انبیاء کی حفاظت کے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقوں سے انبیاء کی حفاظت کی ہے۔ اول یہ کہ ان کو صاف شفاف جوہر سے پیدا کیا دوم انہیں جسمانی اور روحانی فضائل سے آراستہ کیا سوم ان کی مدد کی انہیں استقلال بخشا ان پر اپنی طرف سے سکینت نازل کی ان کے دلوں کی حفاظت کی اور انہیں اپنی توفیق خاص سے نوازا قرآن میں ہے:۔

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (۵-۶۷) اور خدا تم کو لوگوں سے بچا رکھے گا۔

اَلْعِصْمَۃُ بازو بند کے مثل ایک قسم کا حلقہ۔

اَلْمِعْصَمُ کلائی اور بازو بند کی مناسبت سے جانور کی کلائی کی سفیدی کو بھی عِصْمَۃٌ[1] کہا جاتا ہے جیسا کہ اس کے پاؤں کی سفیدی کو اِلتَّحْجِیْل کہہ دیا جاتا ہے اسی معنی کے لحاظ سے بز کوہی کو غُرَابٌ اَعْصَمُ کہتے ہیں کیونکہ اس کے پنجے سفید ہوتے ہیں اور باقی تمام بدن سیاہ یا سرخ ہوتا ہے۔

ع ص و (ی)

اَلْعَصَا (لاٹھی) یہ اصل میں ناقص واوی ہے کیونکہ اس کا تثنیہ عَصَوَانِ اور جمع عِصِیٌّ آتی ہے عَصَوْتُہٗ میں نے اسے لاٹھی سے مارا عَصَیْتُ بِالسَّیْفِ تلوار کو لاٹھی کی طرح دونوں ہاتھ سے پکڑ کر مارا۔ قرآن میں ہے:۔

اَلْقِ عَصَاکَ (۲۷-۱۰) اپنی لاٹھی ڈال دو۔

فَاَلْقٰی عَصَاہُ (۷-۱۰۷) موسیٰ نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی۔

قَالَ ھِیَ عَصَایَ (۲۰-۱۸) انہوں نے کہا یہ میری لاٹھی ہے۔

فَاَلْقَوْا حِبَالَھُمْ وَعِصِیَّھُمْ (۲۰-۲۶) تو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں۔

اَلْقٰی فُلَانٌ عَصَاہُ کسی جگہ پر پڑاؤ ڈالنا کیونکہ جو شخص سفر سے واپس آتا ہے وہ اپنی لاٹھی ڈال دیتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے[2]

(۳۱۴) وَاَلْقَتْ عَصَاھَا وَاسْتَقَرَّ بِھَا النَّوٰی

(فراق نے اپنی لاٹھی ڈال دی اور جم کر بیٹھ گیا۔)

عَصٰی عِصْیَانًا کے معنی اطاعت سے نکل جانے کے ہیں دراصل اس کے معنی ہیں اس نے

---

[1] وفی الحدیث (فی المختلفۃ المتبرجات) قال رسول اللہ لا یدخل الجنۃ منھن الا مثل الغراب الاعصم ای الغالیات الا نادر وفی آخرہ المرءۃ الصالحۃ مثل الغراب الاعصم (راجع الفائق والنھایۃ عصم)

[2] قالہ معقر بن اوس بن حمار البارقی وتمامہ: کما قر عینا بالایاب المسافر۔ فی المطبوع واستقرت والتصویب من المراجع والبیت فی التاج والصحاح والمحکم (عصی) من قصیدتہ المختارۃ وراجع للبیت المحاضرات للمؤلف (۲/۴۸: ۱۱۹) والمتوقف ۱۲۸ وروایت فی طراز المجالس للخفاجی ۲۳۱۱ البیت۔ لراشد بن عبد ربہ قال وکان من شعراء الصحابہ ومن شعرہ قصیدۃ اولھا: صحا القلب عن سلمی واقصر شاؤہ۔ وردت علیہ ما نفتہ تماضر۔ تم فی الکتاب نفسہ ۴۸ نسبۃ الخفاجی الی معقر بن الحارث البارقی وکذا فی العقد (۲: ۳۰۳، ۵۲) البیت معزو الی راشد والصواب انہ للمعقر راجع العقد (۳: ۴۶-۵۶) والاشتقاق ۴۸۱ والبیت ایضا فی تاریخ الطبری (۴: ۲/۱۱۵ : ۲۶۶) وقالہ ای عائشۃ تمثلت بہ عندما بلغھا قتل علی (فی المعجم) وتمثل بہ المنصور حینما بلغہ خبر ہزیمۃ ابراہیم وفی المیدانی ۲: ۲۰۷ لما بویع ابو العباس بالخلافۃ قام خطیبا فسقط القضیب من یدہ فتطیر فقام رجل فاخذ القضیب ودفعہ الیہ انشد البیت وترجمۃ الشاعر فی الخزانۃ (۲: ۲۹۱)

لاٹھی (عصا) سے اپنا بچاؤ کیا۔ قرآن میں ہے:۔

وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی (۲۰-۱۲۱) اور آدمؑ نے اپنے پروردگار کے حکم کے خلاف کیا تو (وہ اپنے مطلوب سے) بے راہ ہو گئے۔

وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ (۴-۱۴) اور جو خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا۔

آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ (۱۰-۹۱) (جواب ملا کہ) اب (ایمان لاتا ہے) حالانکہ تو پہلے نافرمانی کرتا رہا۔ اور اس شخص کے متعلق جو جماعت سے علیحدگی اختیار کرے کہا جاتا ہے فُلَانٌ شَقَّ الْعَصَا۔

(ع ض ض)

اَلْعَضُّ: کسی چیز کو دانت سے پکڑ لینا یا کاٹنا قرآن میں ہے:۔

عَضُّوْا عَلَیْکُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ (۳-۱۱۹) تم پر غصے سے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ (۲۵-۲۷) اور جس دن ناعاقبت اندیش ظالم اپنے ہی ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھائیگا۔ میں ندامت سے کنایہ ہے کیونکہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کام پر انتہا درجہ پشیمان ہوتا ہے تو دانت سے اپنے ہاتھ کاٹنے لگتا ہے۔

اَلْعُضُّ: کھجور کی گٹھلی۔ خاردار جھاڑی جسے اونٹ کھاتے ہیں۔

اَلتَّعَاضُّ: جانوروں کا ایک دوسرے کو دانتوں سے کاٹنا۔ رَجُلٌ مُعِضٌّ: اپنے کام میں نہایت کوشش کرنے والا آدمی۔ گویا وہ اسے دانتوں سے پکڑے ہوئے ہے اور کام کی نوعیت کے اعتبار سے کبھی یہ لفظ بطور تعریف استعمال ہوتا ہے اور کبھی بطور مذمت۔

هُوَ عِضُّ سَفَرٍ: وہ سفر پر بہت قدرت رکھتا ہے۔

هُوَ عِضٌّ فِی الْخُصُوْمَۃِ: وہ جھگڑنے میں نہایت فصیح اور سخنور ہے۔

زَمَنٌ عَضُوْضٌ: خشک سال۔

اَلْعَضُوْضُ: ایک قسم کی کھجور جو دشواری کے ساتھ چبا کر کھائی جاتی ہے۔

(ع ض د)

اَلْعَضُدُ (بازو): ہاتھ کا کہنی سے لیکر کندھے تک کا حصہ عَضَدْتُہٗ میں نے اس کے بازو پر مارا اسی سے استعارہ کے طور پر کہا جاتا ہے:۔ عَضَدْتُ الشَّجَرَ بِالْمِعْضَدِ میں نے ہنسیا سے درخت کو کاٹا جَمَلٌ عَاضِدٌ: نر شتر جو مادہ کے بازو کو پکڑ کر جفتی کرنے کے لئے اسے بٹھا لیتا ہے اور عَضَدْتُہٗ کے معنی کسی کا بازو پکڑنے اور اسے سہارا دینے کے ہیں اور یَدٌ کی طرح بطور استعارہ عَضُدٌ کا لفظ بھی مددگار کے معنی میں آجاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَمَا کُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّیْنَ عَضُدًا (۱۸-۵۱) اور میں ایسا نہیں تھا کہ گمراہ کرنیوالوں کو مددگار بناتا۔

رَجُلٌ اَعْضَدُ: پتلے بازو کا آدمی عُضِدَ: بازو کے درد میں مبتلا ہونا مُعَضَّدٌ: وہ آدمی جس کے بازو پر نشان ہو ایسے نشان کو عِضَادٌ کہا جاتا ہے اور مِعْضَدٌ کے معنی بازوبند کے ہیں۔ اَعْضَادُ الْحَوْضِ: حوض کے جانب (میں جو پشتہ اس کی حفاظت کے لئے بنا دیا جاتا ہے) جو اس کے لئے بازو کا کام دیتے ہیں۔

(ع ض ل)

اَلْعَضْلَةُ پٹھا جس کے ساتھ سخت گوشت ہو رَجُلٌ عَضِلٌ وہ شخص جو گوشت سے گتھا ہوا ہو عَضَلْتُهٗ میں نے اسے عَضَلٌ یعنی پٹھے کی تانت کے ساتھ باندھ دیا جیسا کہ عَصَبْتُهٗ اس کے بعد مجازاً یہ لفظ "سختی سے روک دینا" کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ قرآن میں ہے۔
فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ (۲-۲۳۲) تو ان کو دوسرے شوہروں کے ساتھ ...... نکاح کرنے سے مت روکو۔
اس آیت کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ اس کے مخاطب ان کے پہلے خاوند ہیں اور بعض نے اولیاء یعنی سرپرست مراد لئے ہیں اور سختی میں عَضَلَة کے ساتھ تشبیہ دے کر کہا جاتا ہے عَضَّلَتِ الدَّجَاجَةُ بِبَيْضِهَا مرغی پر انڈہ دینا دشوار ہو گیا عَضَّلَتِ الْمَرْءَةُ بِوَلَدِهَا عورت زچگی کی تکلیف میں مبتلا ہو گئی۔ شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۳۱۴) تَرَى الْاَرْضَ مِنَّا بِالْفَضَاءِ مَرِيْضَةً
مُعَضِّلَةً مِنَّا بِجَمْعٍ عَرَمْرَمٍ

زمین ہمارے لشکر جرار کی وجہ سے اس عورت کی طرح بے چین نظر آتی ہے جو زچگی کے مرض میں مبتلا ہو۔

دَاءٌ عُضَالٌ لاعلاج مرض جس سے شفایاب ہونا مشکل ہو اَلْعُضْلَةُ بڑی مصیبت۔

ع ض ہ (و)

اَلْعِضَةُ کے معنی چیز کا ٹکڑا کے ہیں اس کی جمع عِضُوْنَ وَعِضِيْنَ ہے جیسا کہ ثُبَةٌ اور ظُبَةٌ کی جمع ثُبُوْنَ وَظُبُوْنَ آتی ہے[2]۔ اسی سے اَلْعُضْوُ وَالْعِضْوُ ہے جس کے معنی بدن کا ایک حصہ یا ٹکڑا کے ہیں اور عَضَّيْتُهٗ تَعْضِيَةً کے معنی ہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دینا اعضا کو کاٹ کر الگ الگ کر دینا۔ الکسائی فرماتے ہیں کہ عِضَةٌ کی اصل عُضْوٌ بھی ہو سکتی ہے اور عِضَةٌ بھی جس کے معنی جادو کے ہیں[3]۔ لہٰذا بعض کے نزدیک عِضَةٌ کی اصل بھی عِضْهَةٌ ہی ہے کیونکہ اس کی تصغیر عُضَيْهَةٌ آتی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کی اصل عِضْوَةٌ ہے کیونکہ اس کا تثنیہ عِضَوَانِ آتا ہے ایک روایت میں ہے[4] (۲۱۴)
لَا تَعْضِيَةَ فِي الْمِيْرَاثِ کہ ترکہ کی تقسیم کے وقت ایسی چیز کو کاٹ کر تقسیم نہ کیا جائے جس کے کاٹنے سے وارثوں کو نقصان پہنچتا ہو مثلاً تلوار وغیرہ کہ اسے کاٹ کر دو ٹکڑے نہ کئے جائیں۔ قرآن میں ہے:-
جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ (۱۵-۹۱) جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، یعنی کسی نے

---

[1] قالہ اوس بن حجر والبیت فی اللسان والحکم (عضل) والسمط ۸۱۴ والمیدانی (۲: ۲۳) والمعانی للقتبی۔ ۸۹ والشعراء ۱۰۱ والخزانۃ (۳: ۹۵۴) والبیت ایضا من کلمۃ فی دیوانہ ۲۷ ومجموعۃ المعانی ۸۶ وتہذیب الالفاظ ۴۹، ۲۴۴ [2] وکذا ثبۃ جمعہ ثبین (الطبری ۱۴/ ۶۵) [3] ومنہ فی الحدیث لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العاضہۃ والمستعضہۃ اللسان (عضہ) [4] راجع للحدیث الفائق (۲/ ۸۱) والنہایہ (عضی) وتمامۃ الا ما حمل القسم رواہ البیہقی عن ابی بکر بن حزم مرسلا وراجع کنز العمال ج ۱۱ رقم ۳۰۳۳ ولمعنی الحدیث غریب ابی عبید

کہا کہ جادو ہے بعض نے اسے پہلے لوگوں کی کہانیاں اور قصے وغیرہ کہا[1] بعض مفسرین نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ انہوں نے بعض باتیں مان لیں اور بعض کا انکار کر دیا جس کی طرف کہ آیت اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (۲-۸۵) میں اشارہ پایا جاتا ہے[2] کہ الکتاب کے کچھ حصہ کو مانتے ہو اور اس کے کچھ حصہ کا انکار کرتے ہو چنانچہ ایسے لوگوں کے بالمقابل مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔ تُؤْمِنُوْنَ بِالْکِتٰبِ کُلِّہٖ (۳-۱۱۹) کہ تم سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔

(ع ط ف)

اَلْعَطْفُ (ن) کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی چیز کا ایک سرا دوسرے کی طرف موڑ دیا جائے مثلاً رسی، درخت کی ٹہنی وغیرہ کو دوہرا کرنے کو عَطْفٌ کہا جاتا ہے اور عِطَافٌ کے معنی دو تہوں والی چادر کے ہیں۔ عِطْفَا الْاِنْسَانِ انسان کے دونوں پہلو یعنی سر سے لے کر سرین تک کے دونوں جانب کیونکہ بدن کے اس حصہ کو آسانی سے موڑا جا سکتا ہے ثَنْیُ عِطْفِہٖ کے معنی ہیں اعراض کرنا اور دور ہونا جیسا کہ نَاٰی بِجَانِبِہٖ وَصَعَّرَ بِخَدِّہٖ وغیرہ محاورات ہیں جب یہ لفظ عَلٰی کے واسطہ سے متعدی ہو تو اس کے معنی کسی پر مائل ہونے اور شفقت کرنا آتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے:۔ عَطَفَ عَلَیْہِ وَثَنَاہُ عَاطِفَۃٌ رَحِمٌ طَیِّبَۃٌ عَاطِفَۃٌ عَلٰی وَلَدِھَا نَاقَۃٌ عَطُوْفٌ عَلٰی بَوِّھَا وغیرہ اور جب تعدیہ بواسطہ عن ہو تو اس کے معنی اعراض کرنا اور دور ہونا ہوتے ہیں جیسے عَطَفْتُ عَنْ فُلَانٍ میں نے فلاں سے اعراض کیا۔

(ع ط ل)

اَلْعَطَلُ (س) زیور سے خالی ہونا یا مزدور کا بیکار ہونا کہا جاتا ہے عَطِلَتِ الْمَرْأَۃُ عورت زیور سے خالی ہو گئی ایسی عورت کو عُطُلٌ اور عَاطِلٌ کہا جاتا ہے اسی سے قَوْسٌ عُطُلٌ ہے یعنی وہ کمان جس پر تانت نہ ہو عَطَّلْتُہٗ مِنَ الْحُلِیِّ اَوِ الْعَمَلِ میں نے اسے زیور یا کام سے خالی کر دیا فَتَعَطَّلَ چنانچہ وہ خالی ہو گیا بیکار ہو گیا۔ قرآن میں ہے:۔ وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَۃٍ (۲۲-۴۵) اور بہت سے کنوئیں بیکار پڑے ہیں۔

اور جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اس جہاں کا کوئی صانع نہیں ہے جس نے اسے محکم اور آراستہ کیا ہے انہیں مُعَطِّلَۃٌ کہا جاتا ہے عَطَّلَ الدَّارَ گھر کو ویران کر دیا عَطَّلَ الْاِبِلَ اونٹ بغیر محافظ کے چھوڑ دیئے ان کو بیکار سمجھ کر چھوڑ دیا[3]

(ع ط و)

اَلْعَطْوُ (ن) کے معنی ہیں لینا پکڑنا اور

---

[1] ذکرہ القتبی فی غریبہ ۲۳۹ وابو عبیدۃ فی مجازہ واختارہ الطبری ۱۴/۷۶ وقال وذالک اولی التاویلات ۱۲ [2] نسبہ الطبری الی ابن عباس وسعید بن جبیر وغیرہ والک ۱۴/۶۴-۶۶) وابن کثیر (۲/۵۵۸ [3] وفی القرآن ثانی عطفہ (۲۲-۹)
[4] وفی القرآن اذا العشار عطلت (۸۱-۴) والیضا انا اعطیناک الکوثر (۱۰۸-۱)

اَلْمُعَاطَاۃُ باہم لینا دینا۔ اَلْاِعْطَاءُ (افعال) قرآن میں ہے[1]:۔
حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ (۹-۲۹) یہاں تک کہ ..... جزیہ دیں۔
اور اَلْعَطِيَّةُ وَالْعَطَاءُ خاص کر اس چیز کو کہتے ہیں جو محض تفضلاً دی جائے چنانچہ فرمایا:۔
هٰذَا عَطَاؤُنَا (۳۸-۹) یہ ہماری بخشش ہے۔
فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا (۹-۵۸) اگر ان کو اس میں سے (خاطر خواہ مل جائے تو خوش رہیں اور اگر اس قدر نہ ملے۔
اَعْطَى الْبَعِيْرُ اونٹ مطیع ہو گیا دراصل اس کے معنی ہیں اونٹ نے منہ زوری اور سرتابی چھوڑ دی اور اپنا سر سوار کے سامنے جھکا دیا۔
ظَبْيٌ عَطُوٌّ وَّعَاطٍ وہ ہرن جو درخت کے پتے کھانے کے لئے اپنا سر اوپر اٹھائے ہوئے ہو۔

(ع ظ م)

اَلْعَظْمُ کے معنی ہڈی کے ہیں اس کی جمع عِظَامٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔
عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا .... (۲۳-۱۴) ہڈیاں (بنائیں) پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا۔
ایک قرأت میں دونوں جگہ عَظْمٌ ہے اور اسی سے عَظْمَةُ الذِّرَاعِ ہے جس کے معنی بازو کا موٹا حصہ کے ہیں عَظْمُ الرَّحْلِ بغیر تنگ کے پالان کی لکڑی عَظُمَ الشَّيْءُ کے اصل معنی کسی چیز کی ہڈی کے بڑا ہونے کے ہیں مجازاً ہر چیز کے بڑا ہونے پر بولا جاتا ہے خواہ اس کا تعلق حس سے ہو یا عقل سے اور عام اس سے کہ وہ مادی چیز ہو یا معنوی۔ قرآن میں ہے:۔
عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (۲۶-۱۸۹) بڑے (سخت) دن کا عذاب (تھا)۔
قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ (۳۸-۶۷) کہہ دو کہ وہ ایک سخت حادثہ ہے۔
عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ (۷۸-۱) یہ لوگ کس چیز کی نسبت پوچھتے ہیں کیا بڑے حادثہ کی نسبت؟۔
عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (۴۳-۳۱) ان دو بستیوں (یعنی مکہ اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر ......
اور عظیم کا لفظ جب اجسام کے متعلق استعمال ہوتا ہے تو ایسے جسم کے متعلق بولا جاتا ہے جسکے اجزاء متصل ہوں مگر اس کے بالمقابل کثیر کا لفظ افراد پر بولا جاتا ہے جو ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں مگر کبھی عظیم کا لفظ بھی افراد کثیرہ پر بولا جاتا ہے جیسے جَيْشٌ عَظِيْمٌ بھاری لشکر مَالٌ عَظِيْمٌ زیادہ مال اس صورت میں عَظِيْمٌ کے معنی كَثِيْرٌ ہوتے ہیں۔ اور بڑے حادثہ کو عَظِيْمَةٌ کہا جاتا ہے اَلْاِعْظَامَةُ وَالْعِظَامَةُ گدے کی مثل ایک چیز جسے عورت اپنے سرین بڑے ظاہر کرنے کیلئے ان پر باندھ لیتی ہے۔

(ع ف ف)

اَلْعِفَّةُ نفس میں ایسی حالت کا پیدا ہو جانا

---

[1] وایضاً التعاطی الاخذ بغیر حق کما قال فی قاتل ناقۃ صالح :. فتعاطی فعقر (۵۴-۲۹)۔

جسکے ذریعہ وہ غلبۂ شہوت سے محفوظ رہے اَلْمُتَعَفِّفُ زبردستی سے اپنے اندر ایسی حالت پیدا کرنے والا اصل میں اس کے معنی تھوڑی سی چیز پر قناعت کرنے کے ہیں۔ جو بمنزلہ عُفَافَةٌ یا عُفَّفَةٌ یعنی بچی کھچی چیز کے ہو یا بمنزلہ عَفْعَفٌ یعنی پیلوں کے ہو اَلاِسْتِعْفَافُ عفت طلب کرنا کسی چیز سے پرہیز کرنا قرآن میں ہے:۔

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ (۴-۶) اور جو شخص آسودہ حال ہو اس کو ایسے مال سے قطعی طور پر پرہیز رکھنا چاہیے۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا (۲۴-۳۳) اور جو نکاح کا مقدور نہیں رکھتے انہیں چاہیے کہ اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔

(ع ف ر)

اَلْعِفْرِيْتُ جنوں میں سے عفریت اس جن کو کہا جاتا ہے جو نہایت موذی اور شریر ہو۔ قرآن میں ہے:۔

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ (۲۷-۳۹) جنات میں سے ایک موذی اور شریر جن نے کہا۔

پھر جس طرح کبھی شریر انسان کو شیطان کہہ دیا جاتا ہے اس طرح استعارۃً انسان کو عِفْرِيْتٌ بھی کہہ دیتے ہیں۔ چنانچہ عِفْرِيْتٌ نِفْرِيْتٌ کا محاورہ ہے (نفریت تابع مہمل ہے) ابن قتیبہ کہتے ہیں[2] کہ اَلْعِفْرِيْتُ کے معنی قوی ہیکل کے ہیں۔

اصل میں عِفْرِيْتٌ کا لفظ اَلْعَفَرُ سے ہے جس کے معنی مٹی کے ہیں اور عَافَرَهٗ کے معنی ہیں اسے پچھاڑ کر مٹی میں لت پت کر دیا اور رَجُلٌ شَرٌّ وَشِمْرٌ کی طرح رَجُلٌ عِفْرٌ یعنی کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں چالاک اور شریر آدمی لَيْثُ عِفَرِّيْنَ گرگٹ کی شکل کا ایک جانور ہے جو سوار پر حملہ کر کے اسے نیچے گرا لیتا ہے عِفْرِيَةُ الدِّيْكِ اَوِ الْحُبَارٰی مرغ یا حباری کے سر کے بال کلغی)

(ع ف و)

اَلْعَفْوُ کے معنی کسی چیز کو لینے کا قصد کرنے کے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے۔

عَفَاهُ وَاعْتَفَاهُ کسی کے پاس جو کچھ ہے وہ لینے کا قصد کیا عَفَتِ الرِّيْحُ الدَّارَ ہوا نے گھر کے نشانات مٹا دیئے اسی معنی کے لحاظ سے شاعر نے کہا ہے[3] ( )

(۳۱۵) اَخَذَ الْبِلٰى اٰيَاتِهَا

بوسیدگی لے اس کے نشانات مٹا ڈالے۔

عَفَتِ الدَّارُ گھر کے نشانات مٹ گئے گویا ان آثار نے از خود مٹ جانے کا قصد کیا عَفَا النَّبْتُ وَالشَّجَرُ نباتات اور درخت بڑھ گئے جیسا کہ اَخَذَ النَّبْتُ فِى الزِّيَادَةِ کا محاورہ ہے یعنی پودے نے بڑھنا شروع کیا۔

عَفَوْتُ عَنْهُ کے معنی ہیں میں نے اس سے درگزر کرتے ہوئے اس کا گناہ مٹا دینے کا قصد کیا لہٰذا یہاں اصل میں اس کا مفعول ترک کر دیا گیا ہے اور عَنْ کا متعلق مخذوف ہے ای قَصَدْتُ

---

[1] انظر الکلمۃ الاتباع لابی الطیب ۹ و القالی ۲/۲۱۷ والمخصص ۱۴/۳۷ والمزہر ۱/۱۸۰ [2] ابوجعفر احمد بن عبداللہ بن مسلم قتیبۃ المتوفی سنہ ۳۲۲ھ معجم الادباء (۲/۱۶۰) [3] لم اجدہ ورجلی

اِذَا اللّٰہَ ذَنْبِہٖ صَادِ قًا عَنْہُ میں عَفْوٌ کے معنی گناہ سے درگزر کرنا کے ہیں۔ قرآن میں ہے :۔

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ مگر جو درگزر کرے اور معاملے کو درست کرلے (۴۲-۴۰)

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (۲-۲۳۷) اور اگر تم ہی اپنا حق چھوڑ دو تو یہ پرہیزگاری کی بات ہے۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْکُمْ (۲-۵۲) پھر اس کے بعد ہم نے تم کو معاف کر دیا۔

اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَۃٍ مِّنْکُمْ (۹-۶۶) اگر ہم تم میں سے ایک جماعت کو معاف کر دیں۔

فَاعْفُ عَنْھُمْ (۵-۱۳) تو ان کی خطائیں معاف کردو۔ اور آیت کریمہ :۔

خُذِ الْعَفْوَ (۷-۱۹۹) (اے محمد) عفو اختیار کرو۔ میں اَلْعَفْوَ ہر اس چیز کو کہا گیا ہے جس کا قصد کرنا اور لینا آسان ہو۔ اور بعض نے اس کے معنی کئے ہیں درگزر کیجئے۔ اور آیت کریمہ :۔

وَیَسْـَٔلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ۔ (۲-۲۱۹) (اے محمدؐ) لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ خدا کی راہ میں کس طرح کا مال خرچ کریں کہہ دو جو چاہو خرچ کرو۔

میں عفو سے ہر وہ چیز مراد ہے جو ضروریات سے زائد ہو اور اس کے خرچ سے تکلیف نہ ہو اور اَعطٰی عَفْوًا اس نے اسے بے مانگے دے دیا یہاں عفوًا مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے اور حال واقع ہوا ہے یعنی بخشش کرتے وقت اس کی حالت یہ تھی کہ گویا خود لے رہا ہے اور اس میں اس عمدہ معنی کی طرف اشارہ ہے جیسے شاعر نے بیان کرتے ہوئے کہا ہے[1]

(الطویل)

(۳۱۶) کَاَنَّکَ تُعْطِیْہِ الَّذِیْ اَنْتَ سَائِلُہٗ

یعنی جب سائل اس کے پاس آتا ہے تو اس طرح خوش ہوتا ہے گویا جو چیز تم اس سے لے رہے ہو وہ اسے دے رہے ہو۔

اور دعائے ماثورہ میں ہے[2] (۳۴۳) اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ یعنی اے اللہ! تجھ سے عفو اور تندرستی طلب کرتا ہوں اور قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو عَفُوٌّ کہا ہے۔ چنانچہ فرمایا :۔

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا (۴-۴۳) بے شک خدا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

اور حدیث میں ہے[3] (۴۴) مَا اَکَلَتِ الْعَافِیَۃُ فَھُوَ صَدَقَۃٌ یعنی کھیتی سے جو کچھ پرند چرند اور ضرورت مند انسان کھا جائیں وہ صدقہ ہے۔

---

[1] وصدرہ : تراہ اذا ما جئتہ متھللاً تراہ اذا جئتہ متھللا البیت فی اللسان (ھلل) غیر منسوب قال احد مصححیہ ذہا لمحاشیۃ وفی شواہد الکشاف انہ لزہیر بن ابی سلمٰی یمدح حصن بن ابی حذیفۃ ولعلم من روایۃ انہ وصف لمعن بن زائدۃ وفی المختارات ۶۵ یمدح ہرمًا فی ۳۴ بیتًا وفی مختار الشعر الجاہلی (۱: ۶۹) فی ۴۲ بیتًا ونقد الشعر ۴۲ فی ثلاثۃ ابیات معزو الی زہیر کذا فی البحر (۲: ۵ والعمدۃ (۲: ۳۱، ۴۰) والعقد الثمین ۹۳ والحصری (۳: ۱۳۳) وخاص الخاص للثعالبی ۸۱ ۳ قال وھو امدح بیت قالتہ العرب والعقد (۱: ۲۳۴) ورسائل البلغاء ۸۲۷ والعیون (۱: ۳/۴۱: ۵۲) والسیوطی ۹۴ [2] ابن ماجۃ عن ابی ہریرۃ وفی روایۃ الحاکم والترمذی عن ابی بکر : سلوا اللّٰہ العفو والعافیۃ (الفائق ۲: ۸۰) [3] المستدرک ۳/۳۱۲ وابو داؤد (بیوع) وغریب ابی عبید (۱: ۸۴) وفی روایۃ "اصابت" انظر للحدیث الفائق (۲/۸۳) قال والعافیۃ جماعۃ ویقال للواحد عاف ۱۲

أَعْفَيْتُ كَذَا یعنی میں نے اسے بڑھنے دیا اسی سے "أَعْفُوا اللِّحَى" [1] (۴۵) یعنی ڈاڑھی کے بال بڑھنے دو۔

اَلْعِفَاءُ اون یا پرند کے پر جو بڑھ جائیں اور کسی سے دیگ مستعار لینے والا جو شوربہ اس کی دیگ میں اسے بھیجتا ہے اس شوربہ کو اَلْمُعَافِيْ کہا جاتا ہے۔

(ع ق ب)

اَلْعَقِبُ وَالْعَقْبُ پاؤں کا پچھلا حصہ یعنی ایڑی اس کی جمع أَعْقَابٌ ہے۔ حدیث میں ہے [2] (۴۵) وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ کہ وضو میں خشک رہنے والی ایڑیوں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور بطور استعارہ عَقِبٌ کا لفظ بیٹے پوتے پر بھی بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ (۴۳-۲۸)

اور یہی بات اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے۔

جَاءَ فِي عَقِبِ الشَّهْرِ مہینے کے آخری دنوں میں آیا۔ رَجَعَ عَلَى عَقِبِهِ الٹے پاؤں واپس لوٹا۔ اِنْقَلَبَ عَلَى عَقِبَيْهِ وہ الٹے پاؤں واپس لوٹا جیسے:۔ رَجَعَ عَلَى حَافِرَتِهِ کا محاورہ ہے اور جیسا کہ قرآن میں ہے:۔

فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا (۱۸-۶۴) تو وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے۔

نیز کہا جاتا ہے:۔

رَجَعَ عَوْدُهُ عَلَى بَدْئِهِ یعنی جس راستہ پر گیا تھا اسی راستہ سے واپس لوٹ آیا قرآن میں ہے:۔

وَنُرَدُّ عَلَى أَعْقَابِنَا (۶-۷۱) تو کیا ہم الٹے پاؤں پھر جائیں۔

اِنْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ (۳-۱۴۴) تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ (یعنی مرتد ہو جاؤ) اور جو الٹے پاؤں پھر جائیگا۔

نَكَصَ عَلَى عَقِبَيْهِ (۸-۴۸) تو پسپا ہو کر چل دیا۔

فَكُنْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُونَ (۲۳-۶۶) اور تم الٹے پاؤں پھر پھر جاتے تھے۔

عَقَبَهُ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلا اس کا جانشین ہوا جیسا کہ دَبَرَهُ وَقَفَاهُ کا محاورہ ہے۔

اَلْعَقَبُ وَالْعُقْبَى خاص کر ثواب یعنی اچھے بدلے پر بولے جاتے ہیں۔ جیسے فرمایا:۔

خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا (۱۸-۴۴) اس کا صلہ بہتر اور (اس کا) بدلہ اچھا ہے۔

أُولَئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ (۱۳-۲۲) یہی لوگ ہیں جن کے لئے عاقبت کا گھر ہے۔

اور عَاقِبَةٌ کا لفظ بھی ثواب کے لئے مخصوص ہے جیسے فرمایا:۔

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (۲۸-۸۳) اور انجام نیک تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

مگر یہ اضافت کی صورت میں کبھی عَقُوبَةٌ کے معنی میں بھی آجاتا ہے جیسے فرمایا:۔

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوأَى (۳۰-۱۰) پھر جن لوگوں نے برائی کی ان کا انجام بھی برا ہوا۔ اور آیت کریمہ:۔

فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ (۵۹-۱۷)

---

[1] کلمة من الحدیث رواه النسائی والمسلم (طہارة) والبخاری (اللباس) وابو داؤد (ترجل) والترمذی (آدب) والمستدرک ۱۶۲ والحدیث فی النہایة ۳ / ۲۶۲ والاضداد لابی الطیب ۲ / ۴۸۳ وعدہ من الاضداد [2] اصل الحدیث متفق علیہ من حدیث عبداللہ بن عمرو باختلاف الفاظ ابن ماجہ والنسائی وغیرہا من کتب الحدیث راجع لتخریجہا الکاف الشاف لابن حجر ص ۵۲ رقم ۴۴۴-۲ ۴۴

تو دونوں کا انجام یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں داخل ہوئے۔
یہاں عَاقِبَۃ کا لفظ استعارۃً عذاب کے لئے استعمال ہوا ہے جیسا کہ آیت کریمہ:۔
فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (۹-۳۴) ان کو اس دن کے عذاب الیم کی خوشخبری سنا دو۔
یہاں عذاب کے ساتھ بشارت کا لفظ لایا گیا ہے اور عِقَاب، عُقُوْبَۃٌ اور مُعَاقَبَۃٌ عذاب کے ساتھ مخصوص ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔
فَحَقَّ عِقَابِ (۳۸-۱۴) تو میرا عذاب ان پر واقع ہوا۔
شَدِيْدُ الْعِقَابِ (۱۳-۱۱) سخت عذاب کرنے والا۔
فَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ (۱۶-۱۲۶) اگر تم ان کو تکلیف دینی چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تکلیف تم کو ان سے پہنچی ہے۔
وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ (۲۲-۶۰) جو شخص کسی کو اتنی ہی سزا دے جتنی سزا کہ اس کو دی گئی ہے۔
اَلتَّعْقِيْبُ ایک چیز کے بعد دوسری لانا۔
عَقَّبَ الْفَرَسُ فِيْ عَدْوِهٖ گھوڑے نے ایک دوڑ کے بعد دوسری دوڑ لگائی۔ قرآن میں ہے:۔
لَهٗ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ (۱۳-۱۱) اس کے آگے اور پیچھے خدا کے چوکیدار ہیں
اور آیت کریمہ:۔
لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ (۱۳-۴۱) کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے فیصلے کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا اور نہ اس پر بحث کر سکتا ہے۔ یہ عَقَّبَ الْحَاكِمُ عَلٰى حُكْمِ مَنْ قَبْلَهٗ کے محاورہ سے ماخوذ ہے یعنی حاکم نے اپنے پیشرو حاکم کے خلاف فیصلہ دیا شاعر نے کہا ہے[1]

(۳۱۷) وَمَا يُعَقِّبُ حُكْمَ اللّٰهِ تَعْقِيْبُ

اللہ کے فیصلہ کے بعد کسی اور کا فیصلہ نہیں آسکتا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت مذکورہ میں لوگوں کو اللہ کے حکم اور اس کی مخفی حکمتوں میں خوض کرنے سے منع فرمایا گیا ہو۔ جیسا کہ قضا و قدر کے اسرار میں غور و خوض سے منع کیا گیا ہے اور آیت کریمہ:۔
وَلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ (۲۷-۱۰) میں لَمْ يُعَقِّبْ کے معنی ہیں اس نے مڑ کر پیچھے کو نہ دیکھا۔
اَلْاِعْتِقَابُ کے معنی ایک چیز کے دوسری کے بعد آنے کے ہیں جیسے شب و روز کہ یہ دونوں یکے بعد دیگرے آتے ہیں اسی سے اَلْعُقْبَۃُ ہے یعنی دو مسافروں کا یکے بعد دیگرے ایک سواری پر سوار ہونا عُقْبَۃُ الطَّائِرِ پرند کا کبھی اوپر چڑھنا اور کبھی نیچے اترنا اَعْقَبَهٗ كَذَا کسی چیز کا وارث بنا دینا ایک چیز کی جگہ دوسری چیز کو اس کا جانشین بنانا قرآن میں ہے۔
فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا (۹-۷۷) تو خدا نے ..... ان کے دلوں میں) نفاق ڈال دیا۔
شاعر نے کہا ہے[2] (الطویل)

(۳۱۸) لَهٗ طَائِفَةٌ مِّنْ جِنَّةٍ غَيْرُ مُعْقِبٍ

یعنی اسے جنون کا دورہ پڑتا ہے جس کے بعد افاقہ نہیں ہوتا۔
فُلَانٌ لَمْ يُعْقِبْ اس نے اولاد نہیں چھوڑی اور اَعْقَابُ الرَّجُلِ کے معنی آدمی کی اولاد کے ہیں اہل لغت کا قول ہے کہ اس کے تحت لڑکی کی اولاد نہیں آتی کیونکہ وہ نسبًا اس کی جانشین

---

[1] لم اجدہ فی المراجع [2] قالہ امرؤ القیس یصف فرسًا داورہ بتمضمہ فی الآدمی حتی کانہ ... والبیت فی اللسان (عقب) وفی روایۃ الدیوان ۸ وصنعۃ السندوبی بہ عشرۃ او طائف غیر معقب والبیت فی الحق الثمین ۱۰ والفائق (۱: ۱۷۶) وکتاب الخیل لابی عبیدۃ ۳۸ وفی روایۃ کانما بدل کانہ۔

نہیں ہوتی لیکن ذُرِّيَّةٌ کے لفظ میں لڑکی کی اولاد بھی داخل ہوتی ہے اِمْرَءَةٌ مِعْقَابٌ وہ عورت جو ایک بار لڑکا اور دوسری بار لڑکی جنے عَقَّبْتُ الرُّمْحَ کے معنی نیزے کو عقب یعنی پالان کے پچھلے حصہ کے ساتھ باندھ دیا۔ جیسے عَصَبْتُهٗ کے معنی ہیں میں نے اسے عَصَبٌ یعنی تانت سے باندھ دیا اَلْعَقَبَةُ پہاڑ پر چڑھنے کا دشوار گذار راستہ اس کی جمع عُقَبٌ وَعِقَابٌ ہے اور شاہین کو بھی عُقَابٌ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ شکار کا تعاقب کرتا ہے اور تشبیہ کے طور پر عِقَابٌ کا لفظ (۱) جھنڈے (۲) کوئیں کے پتھر جس پر پانی پلانے والا کھڑا ہوتا ہے اور (۳) کان کی بالی کے تاگے پر بھی بولا جاتا ہے اَلْيَعْقُوبُ نر چکور کیونکہ اس کی عادت یہ ہے کہ ایک مرتبہ دوڑنے کے بعد ٹھہر جاتا ہے اور پھر دوسری بار دوڑتا ہے۔

(ع ق د)

اَلْعَقْدُ کے معنی کسی چیز کے اطراف کو جمع کر دینے یعنی گرہ باندھنے کے ہیں یہ اصل میں تو سخت اجسام کے متعلق استعمال ہوتا ہے جیسے عَقْدُ الْحَبْلِ (رسی کی گرہ باندھنا) عَقْدُ الْبِنَاءِ وغیرہ محاورات ہیں۔ پھر بطور استعارہ معانی پر بھی بولا جاتا ہے جیسے عَقْدُ الْبَيْعِ سودے کو پختہ کرنا عَقْدُ الْعَهْدِ محکم عہد باندھنا وغیرہ چنانچہ کہا جاتا ہے۔

عَاقَدْتُهٗ وَعَقَدْتُهٗ وَتَعَاقَدْنَا وَعَقَدْتُ يَمِيْنَهٗ میں نے اس سے پختہ عہد و پیمان باندھا قرآن میں ہے:-

عَاقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ (۴-۳۳) جن لوگوں سے تم نے پختہ عہد باندھ رکھے ہوں۔

ایک قرأت میں عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ ہے نیز فرمایا:-

بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ (۵-۸۹) پختہ قسموں پر ایک قرأت میں عَقَدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ہے اسی سے لِفُلَانٍ عَقِيْدَةٌ کا محاورہ ہے جس کے معنی پختہ یقین کے ہیں اَلْعِقْدُ (گلے کا ہار) اور اَلْعَقْدُ یہ اصل میں مصدر ہیں اور بطور اسم کے استعمال ہوتے ہیں اس کی جمع عُقُوْدٌ آتی ہے چنانچہ قرآن میں ہے:-

اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (۵-۱) اپنے اقراروں کو پورا کرو۔

اَلْعُقْدَةُ نکاح، عہد و پیمان وغیرہ جو پختہ کیا جاتا ہے قرآن میں ہے:-

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ (۲-۲۳۵) اور...... نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرنا۔

عُقِدَ لِسَانُهٗ اس کی زبان پر گرہ لگ گئی فِیْ لِسَانِهٖ عُقْدَةٌ اس کی زبان میں لکنت ہے۔ قرآن میں ہے:-

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ (۲۰-۲۷) اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔

اور آیت کریمہ:-

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ (۱۱۳-۴) اور گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کی برائی سے۔[1]

میں عُقَدٌ عُقْدَةٌ کی جمع ہے یعنی وہ گرہیں جو جادوگر عورتیں لگاتی ہیں دراصل اس کے معنی عَزِيْمَةٌ کے ہیں اس لئے اس پر عُقْدَةٌ اور عَزِيْمَةٌ دونوں کا استعمال ہوتا ہے اور جادوگر کو مُعَقِّدٌ بھی کہا جاتا ہے۔

---

[1] فالمراد من النفاثات السواحر كما ذكره القتبي فی المشكل وغريبه وسائر اصحاب التفاسير (۲/۳۰۳۵۳) ؛ ؛ ؛

لَهٗ عُقْدَةُ مُلْكٍ اس کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور ہے۔

نَاقَةٌ عَاقِدَةٌ وَعَاقِدٌ وہ اونٹنی جس کی دم گرہ دار ہو جائے اور یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ وہ نر سے جفتی کی خواہش مند ہے۔

تَيْسٌ وَكَلْبٌ أَعْقَدُ نر سانڈ یا کتا جس کی دم لپٹی ہوئی ہو۔

تَعَاقَدَتِ الْكِلَابُ کتوں کا آپس میں جفتی کرنا۔

ع ق ر

اَلْعُقْرُ کے معنی حوض یا مکان کے اصل اور وسط کے ہیں اور اسے عَقْرٌ بھی کہتے ہیں حدیث میں ہے[1] (۴۶) مَا غُزِيَ قَوْمٌ فِي عُقْرِ دَارِهِمْ قَطُّ إِلَّا ذَلُّوا کہ کسی قوم پر ان کے گھروں کے وسط میں حملہ نہیں کیا جاتا مگر وہ ذلیل ہو جاتی ہیں اور قَصْرٌ یعنی محل کو عُقْرَةٌ کہا جاتا ہے۔ عَقَرْتُهٗ اس کی عُقْر یعنی جڑ پہ مارا۔ جیسا کہ رَأَسْتُهٗ کے معنی ہیں میں نے اس کے سر پر مارا اسی سے عَقَرْتُ النَّخْلَ ہے جس کے معنی ہیں میں نے کھجور کے درخت کو جڑ سے کاٹ دیا۔ عَقَرْتُ الْبَعِيْرَ اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں اسے ہلاک کر دیا عَقَرْتُ ظَهْرَ الْبَعِيْرِ اونٹ کی پشت کو زخمی کر دیا اِنْعَقَرَ ظَهْرُهٗ اس کی پیٹھ زخمی ہو گئی قرآن میں ہے:۔

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ (۱۱-۶۵) مگر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو صالحؑ نے کہا کہ اپنے گھروں میں ...... فائدہ اٹھا لو۔ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ (۵۴-۲۹) تو اس نے جسارت کر کے اونٹنی کو پکڑا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اسی سے بطور استعارہ کہا جاتا ہے۔

سَرْجٌ مُعْقِرٌ زخمی کر دینے والی زین۔

كَلْبٌ عَقُوْرٌ کاٹ کھانے والا کتا، درندہ جانور۔

رَجُلٌ عَاقِرٌ بانجھ مرد۔

امْرَأَةٌ عَاقِرٌ بانجھ عورت گویا وہ مرد کے نطفہ کو قطع کر دیتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَامْرَأَتِيْ عَاقِرٌ (۳-۴۰) اور میری بیوی بانجھ ہے۔ وَكَانَتِ امْرَأَتِيْ عَاقِرًا (۱۹-۵) اور میری بیوی بانجھ ہے۔

قَدْ عَقَرَتْ وہ بانجھ ہو گئی۔ اَلْعُقْرُ آخری بچہ بَيْضَةُ الْعُقْرِ آخری انڈا عُقَارٌ (پرانی) شراب کیونکہ وہ عقل کو قطع کر دیتی ہے۔ اَلْمُعَاقَرَةُ کے معنی ہیں شراب نوشی کا عادی ہونا اور قَصْرٌ کے ساتھ تشبیہ دے کر بکریوں کی ٹکڑی کو بھی عُقْرٌ کہا جاتا ہے۔

رَفَعَ فُلَانٌ عَقِيْرَتَهٗ فلاں نے آواز بلند کی مروی ہے کہ ایک آدمی کی ٹانگ کٹ گئی وہ چلایا تو اس وقت سے بطور استعارہ عقیرۃ کا لفظ بلند آواز کے معنی میں ہونے لگا ہے۔

عَقَاقِيْرُ جڑی بوٹیاں۔ اس کا واحد عَقَّارٌ ہے۔

ع ق ل

اَلْعَقْلُ اس قوت کو کہتے ہیں جو قبول علم کے

---

[1] قالہ علیؓ فی خطبۃ خطبہا فی نخیلۃ جالسا علی باب السدۃ حین بلغہ ان خیلا لمعاویۃ تقتل عاملہ حسان بن حسان البکری وکان علی بالانبار فقتلہ سفیان بن عوف الاسدی فی غارۃ دبیان والتبیین ۲/۲۷ والکامل للمبرد ۲۰-۲۱ والعقد الفرید ۴/۶۹-۷۰ کذا فی الاغانی ۱۵/۴۵ والصحیح ان اسمہ اشرس بن حسان البکری کما فی الطبری وخطبتہ ہذہ مشہورۃ ۱۲

لئے تیار رہتی ہے اور وہ علم جو اس قوت کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔ اسے بھی عقل کہہ دیتے ہیں چنانچہ امیر المومنین حضرت علیؓ فرماتے ہیں (رہزج)

(۱۹/۳) (۱) اَلْعَقْلُ عَقْلَانِ۔ مَطْبُوْعٌ وَمَسْمُوْعٌ

(۲) وَلَا یَنْفَعُ مَسْمُوْعٌ۔ اِذَا لَمْ یَكُ مَطْبُوْعٌ

(۳) كَمَا لَا یَنْفَعُ ضَوْءُ الشَّمْسِ وَضَوْءُ الْعَیْنِ مَمْنُوْعٌ

کہ عقل دو قسم پر ہے[1] عقل طبعی یعنی جو طبیعت میں ودیعت کی گئی ہے اور عقل سمعی یعنی وہ جو لوگوں سے باتیں سن کر حاصل ہوتی ہے۔

(۲) اگر کوئی شخص فطرۃً عقل سے کورا ہو تو سن کر حاصل کی ہوئی عقل اسے کچھ فائدہ نہیں بخشتی۔

(۳) جیسا کہ سورج کی روشنی اندھے آدمی کیلئے بے فائدہ ہوتی ہے۔

عقل کے پہلے معنی کی طرف آنحضرتؐ نے ایک حدیث میں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا[2]: (۷۴)

مَا خَلَقَ اللّٰهُ خَلْقًا اَكْرَمَ عَلَیْهِ مِنَ الْعَقْلِ

(اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو اس کے نزدیک عقل سے زیادہ باعزت ہو اور دوسرے معنی کی طرف آنحضرتؐ کے اس ارشاد میں اشارہ پایا جاتا ہے[3] (۷۴) مَا كَسَبَ اَحَدٌ شَیْئًا اَفْضَلَ مِنْ عَقْلٍ یَهْدِیْهِ اِلٰی هُدًی اَوْ یَرُدُّهٗ عَنْ رَدًی کہ کسی شخص نے اس عقل سے بڑھ کر کوئی چیز حاصل نہیں کی جو انسان کی رہنمائی کرے یا اسے ہلاکت سے بچائے چنانچہ آیت کریمہ:

وَمَا یَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (۲۹-۴۳) اور اسے تو اہل دانش ہی سمجھتے ہیں۔

میں اسی معنی کے اعتبار سے عقل کی نفی کی گئی ہے اور ہر وہ جگہ جہاں اللہ تعالیٰ نے فقدان عقل کی وجہ سے کفار کی مذمت فرمائی ہے وہاں دوسرے معنی ہی مراد ہیں جیسے فرمایا:

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ (۲-۱۷۱) جو کافر ہیں ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہ سن سکے بہرے ہیں۔ گونگے ہیں اندھے ہیں کہ کچھ سمجھ ہی نہیں سکتے۔

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں کفار سے عقل کی نفی کی گئی ہے اور جس مقام پر عقل نہ ہونے پر انسان کو غیر مکلف قرار دیا گیا ہے۔ وہاں عقل کے اول معنی کی طرف اشارہ ہے۔

دراصل اَلْعَقْلُ کے معنی روکنا اور منع کرنا ہیں جیسے عِقَالٌ یعنی پاے بند سے اونٹ کا پاؤں باندھ دینا اور دوا کے پیٹ میں قبض کرنے کو بھی عَقْلٌ کہتے ہیں۔ عَقَلَتِ الْمَرْاَۃُ شَعْرَهَا عورت نے اپنے بال باندھ لئے عَقَلَ لِسَانَهٗ اس نے اپنی زبان روک لی اسی سے حصین یعنی

---

[1] كذا فى الاحياء (۳ر۱۶) وفى ادب الدنيا والدين للما وردى ۳۱ ايضاً معزوة لعلىؓ والابيات فى روضة العقلاء للبستى بغير عزو وفى رواية رأيت العقل نوعين وتقسيم العقل من كلام سيابور بن اردشير وفيه فاخذه بعض الشعراء فقال الخ وانما نسبنا الابيات الى علىؓ لعلم احققها [2] الحديث اخرجه الترمذى الحكيم فى نوادره باسناد ضعيف والاحياء ۳ر۱۶ تخريج العراقى وباختلاف من امامة والطبرانى وابونعيم من حديث عائشة وفى رواية ابن عساكر من معاذ اقل من العقل بدل اكرم انظر كنز العمال ج۳ رقم ۱۹۱۲ او فى اللآلى ج۱ ص ۱۲۹-۱۳۲ البطرق ما خلقت خلقا احسن منك والاكرم [3] والحديث بالفاظه ذهب عن عمرؓ الا ابن ما اكتسب مكان ما كسب كنز العمال ج۳ رقم ۱۹۱۰ وفى تخريج العراقى اخرجه المحبر فى العقل۔

قلعہ کو مَعْقِلٌ کہا جاتا ہے اس کی جمع مَعَاقِلُ ہے
اور عَقْلٌ انہی تعبیر سے عَقَلْتُ الْمَقْتُوْلَ کا محاورہ
ہے جس کے معنی ہیں مقتول کی دیت ادا کرنا بعض نے
کہا ہے کہ عَقَلْتُ الْمَقْتُوْلَ کے اصل معنی ہیں ولی الدم
یعنی مقتول کے وارثوں کے گھر کے صحن میں اونٹ
باندھنا مگر بعض کہتے ہیں نہیں بلکہ اس کے معنی
خونریزی روک دینے کے ہیں پھر مطلق خون بہا کو
عَقْلٌ کہا جانے لگا ہے خواہ کوئی چیز دی جائے
اور جو رشتے دار قاتل کی طرف سے دیت کا بوجھ
اٹھاتے ہیں انہیں عَاقِلَۃٌ کہا جاتا ہے عَقَلْتُ
عَنْہُ کسی کی طرف سے خون بہا ادا کرنا ۔ دَمُہٗ
مُعْقَلَۃٌ عَلٰی قَوْمِہٖ اس کے خون بہا کا تاوان
اس کی قوم پر ہے ۔ اِعْتَقَلَہٗ بِالشَّغْرِبِیَّۃِ[1]
اسے پیچ لگا کر پچھاڑ دیا ۔
اِعْتَقَلَ رُمْحَہٗ بَیْنَ رِکَابِہٖ وَسَاقِہٖ اس
نے نیزے کو اپنی رکاب اور پنڈلی کے درمیان رکھ
لیا بعض نے کہا ہے کہ اَلْعِقَالُ کے معنی ایک سال
کے صدقہ کے ہیں چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کا قول ہے[2]
(۸۴) لَوْ مَنَعُوْنِیْ عِقَالًا لَقَاتَلْتُھُمْ کہ اگر وہ
ہمیں ایک سال کا صدقہ بھی نہ دیں گے تو میں ان
سے جنگ کروں گا اور جب کوئی شخص اونٹ
نہ لے اور ان کی بجائے نقدی وصول کرے تو عرب
کہتے ہیں اَخَذَ النَّقْدَ وَلَمْ یَاْخُذِ الْعِقَالَ مگر جب
عِقَالٌ کا لفظ صَدَقَۃٌ کے معنی میں استعمال ہوتا
ہے تو یہ یا تو عِقَالٌ بمعنی پائے بند بول کر کنایتًا
اونٹ مراد لئے جاتے ہیں اور یا اونٹ بمعہ ان کی
رسیوں کے مراد ہوتے ہیں اور یا یہ عَقَلْتُہٗ عَقْلًا
وَعِقَالًا کا مصدر ہوتا ہے جس کے معنی باندھنا کے
ہیں جیسے کِتَابٌ کہ اصل میں کَتَبْتُ کا مصدر ہے
مگر کبھی بمعنی مکتوب آجاتا ہے ۔ اسی طرح عِقَالٌ
بول کر مَعْقُوْلٌ مراد لیتے ہیں یعنی وہ جانور جو زکوٰۃ
میں وصول کیا جائے ۔
اَلْعَقِیْلَۃُ وہ خوبصورت عورت یا موتی جسے
حفاظت سے چھپا کر رکھا جاتا ہے جیسا کہ اعلیٰ
درجہ کی چیز کو عِلْقٌ مُضِنَّۃٌ کہا جاتا ہے اَلْمَعْقِلُ
(پناہ گاہ) پہاڑ یا قلعہ جس میں پناہ لی جاتی ہے اَلْعُقَّالُ
ایک بیماری جو گھوڑے کے پاؤں میں پیدا ہو جاتی
ہے اَلْعَقَلُ کے معنی چلتے وقت پاؤں کا باہم ٹکرانا
کے ہیں ۔

(ع ق م)

اَلْعُقْمُ اصل میں اس خشکی کو کہتے ہیں جو کسی
چیز کا اثر قبول کرنے سے مانع ہو چنانچہ محاورہ ہے
عَقِمَتْ مَفَاصِلُہٗ (اس کے جوڑ بند خشک ہو گئے)
دَاءٌ عُقَامٌ لا علاج مرض ۔ اَلْعَقِیْمُ (بانجھ) وہ عورت
جو مرد کا مادہ قبول نہ کرے چنانچہ کہا جاتا ہے ۔
عَقِمَتِ الْمَرْاَۃُ اَوِ الرَّحِمُ عورت بانجھ ہو گئی
یا رحم خشک ہو گیا ۔ قرآن میں ہے :۔
فَصَکَّتْ وَجْھَھَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ (۵۱-۲۹)
اور اپنا منہ پیٹ کر کہنے لگی کہ (اے ہے ایک تو) بڑھیا
(دوسرے) بانجھ ۔
اور رِیْحٌ عَقِیْمٌ (خشک ہوا) میں یہ بھی ہو سکتا
ہے کہ فعیل بمعنی فاعل ہو ۔ یعنی وہ ہوا جو بادلوں کو ساتھ
نہیں لاتی یا درخت کو باردار نہیں کرتی اور یہ بھی ہو
سکتا ہے کہ فعیل بمعنی مفعول ہو جیسا کہ اَلْعَجُوْزُ
اَلْعَقِیْمُ میں ہے اس صورت میں رِیْحٌ عَقِیْمٌ

---
[1] وفی المطبوع ورد مصحف والتصویب من المعاجم ۔ [2] کلمۃ من الحدیث فی قتال ابی بکر اصحاب الردۃ رواہ اصحاب السنۃ والحدیث فی الفائق ۲-۸۰ ۔

کے معنی ہوں گے وہ ہوا جو کسی چیز کا اثر اپنے اندر نہ رکھتی ہو چونکہ ایسی ہوا نہ کسی چیز کے اثر کو قبول کرتی ہے اور نہ کسی سے متاثر ہوتی ہے اس لئے نہ وہ کچھ دیتی ہے اور نہ ہی کسی چیز پر اثر انداز ہوتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ (۵۱-۴۱)
جب ہم نے ان پر خشک ہوا چلائی۔

یَوْمٌ عَقِیْمٌ[1] سخت دن جس میں کسی قسم کا سامانِ فرحت نہ ہو۔

(ع ك ف)

اَلْعَکُوْفُ کے معنی ہیں تعظیماً کسی چیز پر متوجہ ہونا اور اس سے وابستہ رہنا۔ اور اصطلاح شریعت میں اَلْاِعْتِکَافُ کے معنی ہیں عبادت کی نیت سے مسجد میں رہنا اور اس سے باہر نہ نکلنا۔ قرآن میں ہے:۔

وَاَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ (۲-۸۱) جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو۔

سَوَاءَ نِ الْعَاکِفُ فِیْهِ وَالْبَادِ (۲۲-۲۵) خواہ وہ وہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے۔

وَالْعٰکِفِیْنَ (۲-۱۲۵) اور اعتکاف کرنے والوں۔

نَظَلُّ لَهَا عٰکِفِیْنَ (۲۶-۷۱) اور اس کی پوجا پر قائم رہیں۔

عَکَفْتُهٗ عَلٰی کَذَا کسی چیز پر روک رکھنا

یَعْکُفُوْنَ عَلٰی اَصْنَامٍ لَّهُمْ (۷-۱۳۸) یہ اپنے بتوں کی عبادت کے لئے بیٹھے رہتے تھے۔

ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاکِفًا (۲۰-۹۷) جس معبود کی پوجا پر تو قائم اور معتکف تھا۔

وَالْهَدْیَ مَعْکُوْفًا (۴۸-۲۵) اور قربانی کے جانوروں کو بھی کر روک دیئے گئے ہیں۔

(ع ل ق)

اَلْعَلَقُ کے معنی کسی چیز میں پھنس جانے کے ہیں کہا جاتا ہے عَلِقَ الصَّیْدُ فِی الْحِبَالَةِ شکار جال میں پھنس گیا اور جب کسی کے جال میں شکار پھنس جائے تو کہا جاتا ہے اَعْلَقَ الصَّائِدُ۔ اَلْمِعْلَقُ وَالْمِعْلَاقُ ہر وہ چیز جس کے ساتھ کسی چیز کو لٹکایا جائے اسی طرح عِلَاقَةُ السَّوْطِ وَعَلَقُ الْقِرْبَةِ اس رسی یا تسمہ کو کہتے ہیں جس سے کوڑے کو یا مشک کا منہ باندھ کر اسے لٹکا دیا جاتا ہے۔

عَلَقُ الْبَکَرَةِ وہ لکڑی وغیرہ جس پر کنوئیں کی چرخی لگی رہتی ہے۔ اسی سے اَلْعُلْقَةُ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جسے سہارا کے لئے پکڑا جاتا ہے۔

عَلِقَ دَمُ فُلَانٍ بِزَیْدٍ فلاں کا خون زید کے ساتھ چمٹ گیا یعنی زید اس کا قاتل ہے۔

اَلْعَلَقُ (جونک) ایک قسم کا کیڑا جو حلق کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔ نیز جما ہوا خون اسی سے لوتھڑے کی قسم کے خون کو عَلَقَہ کہا جاتا ہے جس سے بچہ بنتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (۹۶-۲) جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے بنایا۔

اور آیت کریمہ:۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ کے آخر میں فرمایا:۔

فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً (۲۳-۱۴) پھر لوتھڑے

---

[1] راجع الآیة (۲۲-۵۵)

کی بوئی بنائی۔

اَلْعِلْقُ اس عمدہ چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ مالک کا دل چمٹا ہوا ہو اور اس کی محبت دل سے اترتی نہ ہو

اَلْعَلِیْقُ جو وغیرہ جو سفر میں جانور کے کھانے کے لئے اس پر باندھ دیتے ہیں اور اَلْعَلِیْقَۃُ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو دوسروں کے ساتھ بھیجا جائے۔

شاعر نے کہا ہے[1] (رجز)

(۳۲۰) اَرْسَلَھَا عَلِیْقَۃً وَقَدْ عَلِمْ
اَنَّ الْعَلِیْقَاتِ یُلَاقِیْنَ الرَّقَمْ

اس نے غلہ لینے کے لئے لوگوں کے ساتھ اپنا اونٹ بھیج دیا حالانکہ اسے معلوم تھا کہ دوسروں کے ساتھ بھیجے ہوئے اونٹ تکالیف سے دوچار ہوتے ہیں۔

اَلْعَلُوْقُ وہ اونٹنی جو اپنے بچے پر مہربان ہو اور اس سے لپٹی رہے اور موت کو بھی عَلُوْقٌ کہا جاتا ہے اَلْعَلْقٰی درخت جس میں انسان الجھ جائے تو اس سے نکلنا مشکل ہو عَلِقَتِ الْمَرْءَۃُ عورت حاملہ ہوگئی۔

رَجُلٌ مِعْلَاقٌ جھگڑالو آدمی جو اپنے مخالف کا پیچھا نہ چھوڑے اور اس سے چمٹا رہے۔

(ع ل م)

اَلْعِلْمُ کسی چیز کی حقیقت کا ادراک کرنا اور یہ دو قسم پر ہے اول یہ کہ کسی چیز کی ذات کا ادراک کر لینا دوم ایک چیز پر کسی صفت کے ساتھ حکم لگانا جو (فی الواقع) اس کے لئے ثابت ہو یا ایک چیز کی دوسری چیز سے نفی کرنا جو (فی الواقع) اس سے منفی ہو۔ پہلی صورت میں یہ لفظ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:۔

لَا تَعْلَمُوْنَھُمْ اَللّٰہُ یَعْلَمُھُمْ (۸-۶۰) جن کو تم نہیں جانتے اور خدا جانتا ہے۔

اور دوسری صورت میں دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے فرمایا:۔

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْھُنَّ مُؤْمِنٰتٍ (۶۰-۱۰) اگر تم کو معلوم ہو کہ مومن ہیں۔

اور آیت یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ کے آخر میں:۔ لَا عِلْمَ لَنَا (۵-۱۰۹) سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے ہوش و حواس قائم نہیں رہیں گے۔

ایک دوسری حیثیت سے علم کی دو قسمیں ہیں (۱) نظری اور (۲) عملی۔ نظری وہ ہے جو حاصل ہونے کے ساتھ ہی مکمل ہو جائے جیسے وہ علم جس کا تعلق موجودات عالم سے ہے اور علم عملی وہ ہے جو عمل کے بغیر تکمیل نہ پائے جیسے عبادات کا علم ایک اور حیثیت سے بھی علم کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) عقلی یعنی وہ علم جو صرف عقل سے حاصل ہو سکے (۲) سمعی یعنی وہ علم جو محض عقل سے حاصل نہ ہو بلکہ بذریعہ نقل و سماعت کے حاصل کیا جائے دراصل اَعْلَمْتُہٗ وَعَلَّمْتُہٗ کے ایک معنی ہیں مگر اِعْلَامٌ جلدی سے بتا دینے کے ساتھ مختص ہے اور تَعْلِیْمٌ کے معنی بار بار کثرت کے ساتھ خبر دینے کے ہیں۔ حتیٰ کہ متعلم کے ذہن میں اس کا اثر پیدا ہو جائے۔

بعض نے کہا ہے کہ تَعْلِیْمٌ کے معنی تصور کیلئے نفس کو متوجہ کرنا کے ہیں اور تَعَلُّمٌ کے معنی ایسے تصور کی طرف متوجہ ہونا کے اور کبھی تَعْلِیْمٌ کا لفظ اِعْلَامٌ کی جگہ آتا ہے جب کہ اس میں تاکید کے معنی

---

[1] قالہ الراجز والرقم الداہیۃ والمعیبنۃ (الذیل للثعالبی ۶۲ مبحث اسما رانداہیۃ) والرجز ایضا فی اصلاح المنطق ۳۴۳، ۳۴۳ والمحکم واللسان (علق)

مقصود ہوں جیسے فرمایا:۔

أَتُعَلِّمُونَ اللّٰهَ بِدِينِكُمْ (۴۹-۱۶) کیا تم خدا کو اپنی دینداری جتلاتے ہو۔

اور حسب ذیل آیات میں تَعْلِیْمٌ کا لفظ استعمال ہوا ہے جیسے فرمایا:۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (۵۵-۲،۱) خدا جو نہایت مہربان اس نے قرآن کی تعلیم فرمائی۔

عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (۹۶-۴) قلم کے ذریعہ (لکھنا) سکھایا۔

وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْا (۶-۹۲) اور تم کو وہ باتیں سکھائی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے.....

عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ (۲۷-۱۶) ہمیں خدا کی طرف سے جانوروں کی بولی سکھائی گئی ہے۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (۳-۱۶۴) اور خدا کی کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

اور آیت کریمہ:۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (۲-۳۱) اور اس نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے۔

میں آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم دینے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے آدمؑ کے اندر بولنے کی صلاحیت اور استعداد رکھ دی جس کے ذریعہ اس نے ہر چیز کے لئے ایک نام وضع کرلیا یعنی اس کے دل میں القا کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو ان کے کام سکھا دیئے ہیں جسے وہ سرانجام دیتے رہتے ہیں اور آواز دی ہے جسے وہ نکالتے رہتے ہیں اور آیت کریمہ:۔

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۔ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (۱۸-۶۵،۶۶) اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا. موسیٰ نے اس سے کہا کہ جو علم خدا کی طرف سے آپ کو سکھلایا گیا ہے اگر آپ مجھے اس میں سے کچھ رشد و ہدایت (کی باتیں) سکھا دیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں۔

کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ اس سے ایک خاص علم مراد ہے جس پر انسان از خود واقف نہیں ہو سکتا اور جب تک اللہ تعالیٰ اس پر واقف نہ فرمائے لوگ اسے قابل انکار سمجھتے ہیں۔ کیونکہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضرؑ کے ساتھ چلے تو جب تک انہوں نے ان واقعات کی حقیقت سے موسیٰؑ کو باخبر نہیں کر دیا وہ ان باتوں کا انکار ہی کرتے رہے اور بعض نے کہا ہے کہ آیت کریمہ:۔ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ (۲۷-۴۰) ایک شخص جس کو کتاب الٰہی کا علم تھا کہنے لگا۔

میں بھی علم کے یہی معنی مراد ہیں یعنی جسے علم خصوصی حاصل تھا اور آیت:۔

وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (۵۸-۱۱) اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے خدا ان کے درجے بلند کریگا۔

میں اللہ تعالیٰ کی طرف اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ مراتب علم کے اعتبار سے علماء کے بھی مختلف درجے اور مرتبے ہیں اور آیت کریمہ:۔

وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ (۱۲-۷۶) اور ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے۔

میں عَلِیْمٌ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ علم و فضل کے اعتبار سے ایک انسان دوسرے سے بڑھ کر ہے اور عَلِیْمٌ صیغہ مبالغہ لاکر اس علمی فضیلت کو بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ ہر شخص اپنے سے کم درجہ کے اعتبار سے عَلِیْمٌ ہے گو اپنے سے بلند درجہ عالم کے اعتبار سے ایسا نہیں ہے اور

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عَلِیْمٌ سے ذات باری تعالیٰ
مراد ہو گو یہ لفظ نکرہ ہے کیونکہ درحقیقت اس
صفت کے ساتھ موصوف ہونے کی اہل تو ذات
باری تعالیٰ ہی ہے اس صورت میں کُلُّ ذِیْ عِلْمٍ
سے جملہ اہل علم بحیثیت مجموعی مراد ہوں گے اور
ہر ایک بحیثیت انفرادی مراد نہیں ہوگا جیسا کہ پہلی
صورت میں تھا۔ اور آیت کریمہ:۔
عَلَّامُ الْغُیُوْبِ (۳۴-۴۸) اور وہ غیب کی باتوں
کا جاننے والا ہے۔
میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
کا علم ہر چیز پر حاوی ہے اور کوئی چیز بھی اس پر
مخفی نہیں ہے اور آیت کریمہ:۔
عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا
مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (۷۲-۲۶، ۲۷) وہی
الغیب کا جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب
کو ظاہر نہیں کرتا ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے۔
میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ
اپنے علم خصوصی سے صرف انہیں کو نوازتے ہیں
جو اس کے اولیاء کی صف میں داخل ہوں اور
اَلْعَالِمُ کا لفظ جب اللہ تعالیٰ کی صفت کی حیثیت
سے بولا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ ذات ہوتی ہے
جس پر کوئی چیز بھی مخفی نہ ہو جیسے فرمایا:۔
لَا یَخْفٰی مِنْکُمْ خَافِیَةٌ (۶۹-۱۸) اور تمہاری
کوئی پوشیدہ بات چھپی نہیں رہے گی۔
اور یہ مفہوم صرف ذات باری تعالیٰ کے حق میں
ہی صحیح ہوسکتا ہے کسی دوسرے کو اس معنی
کے ساتھ متصف کرنا صحیح نہیں ہے۔
اَلْعَلَمُ۔ ایسا نشان جس سے کوئی شے پہچانی
جاسکے جیسے عَلَمُ الطَّرِیْقِ اس نشان کو کہتے
ہیں جو راستہ کی پہچان کے لئے اس میں کھڑا
کر دیا جاتا ہے اور فوج کے جھنڈے کو عَلَمُ
الْجَیْشِ کہا جاتا ہے کیونکہ اس سے فوج کی پہچان
ہوجاتی ہے۔ چنانچہ ایک قرأت (میں عیسیٰ علیہ السلام
کو) وَاِنَّهٗ لَعَلَمٌ لِّلسَّاعَةِ (۴۳-۶۱) کہا گیا ہے
یعنی وہ قیامت کی نشانی ہیں۔ اور اسی معنی کے
اعتبار سے پہاڑ کو بھی عَلَمٌ کہا جاتا ہے۔ اس کی
جمع اَعْلَامٌ ہے قرآن میں ہے:۔
وَمِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ کَالْاَعْلَامِ (۴۲-۳۲)
اور اسی کی نشانیوں میں سے سمندر کے جہاز ہیں جو
گویا پہاڑ ہیں۔
اور دوسرے مقام پر فرمایا:۔
وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِی الْبَحْرِ کَالْاَعْلَامِ
(۵۵-۲۴) اور جہاز بھی اسی کے ہیں جو دریا میں
پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے ہوتے ہیں
نیز اوپر کے ہونٹ کے شگاف اور کپڑے کے
نقش و نگار کو بھی عَلَمٌ کہا جاتا ہے اور محاورہ
ہے:۔ فُلَانٌ عَلَمٌ فلاں مشہور و معروف ہے
جھنڈے کے ساتھ تشبیہ کے اعتبار سے
یہ معنی مراد ہوتا ہے۔
اَعْلَمْتُ کَذَا کے معنی کسی چیز پر نشان
لگانے کے ہیں اور مَعَالِمُ الطَّرِیْقِ اَوِ الدِّیْنِ
میں مَعَالِمُ کا واحد مَعْلَمٌ ہے اور مَعْلَمٌ
اس نشان کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کی پہچان ہو
سکے محاورہ ہے:۔
فُلَانٌ مَعْلَمٌ لِّلْخَیْرِ فلاں خیر و برکت کا نشان
ہے۔ اَلْعُلَّامُ مہندی اَلْعَالَمُ فلک الافلاک
اور جن جواہر و اعراض پر وہ حاوی ہے سب کو
اَلْعَالَمُ کہا جاتا ہے دراصل یہ فَاعَلٌ کے وزن

پر ہے جو اسم آلہ کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے طَابِعٌ ۔ مَا یُطْبَعُ بِہٖ ۔ خَاتَمٌ ۔ مَا یُخْتَمُ بِہٖ وغیرہ اسی طرح عَالَمٌ بھی ہے جس کے معنی ہیں مَا یُعْلَمُ بِہٖ یعنی وہ چیز جس کے ذریعہ کسی شے کا علم حاصل کیا جائے اور کائنات کے ذریعہ بھی چونکہ خدا کا علم حاصل ہوتا ہے اس لئے جملہ کائنات اَلْعَالَمُ کہلاتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ذات باری تعالٰے کی وحدانیت کی معرفت کے سلسلہ میں کائنات پر غور کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ فرمایا:۔

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۷-۱۸۵) کیا انہوں نے آسمان اور زمین کی بادشاہت پر غور نہیں کیا۔

اور اَلْعَالَمُ کی جمع (اَلْعَالَمُوْنَ) اس لئے بناتے ہیں کہ کائنات کی ہر نوع اپنی جگہ ایک مستقل عَالَمٌ کی حیثیت رکھتی ہے مثلاً عَالَمُ الْاِنْسَانِ، عَالَمُ الْمَاءِ وَعَالَمُ النَّارِ وغیرہ نیز ایک روایت میں ہے[۱] (۹۴) اِنَّ لِلّٰہِ بِضْعَۃَ عَشَرَ اَلْفَ عَالَمٍ کہ اللہ تعالیٰ نے دس ہزار سے کچھ اوپر عالم پیدا کئے ہیں باقی رہا یہ سوال کہ (واؤ نون کے ساتھ) اسے جمع سلامت کے وزن پر کیوں لایا گیا ہے (جو ذوی العقول کے ساتھ مختص ہے) تو اس کا جواب یہ ہے کہ عَالَمٌ میں چونکہ انسان بھی شامل ہیں اس لئے اس کی جمع، جمع سلامت لائی گئی ہے کیونکہ جب کسی لفظ میں انسان کے ساتھ دوسری مخلوق بھی شامل ہو تو تغلیباً اس کی جمع واؤ نون کے ساتھ بنا لیتے ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ چونکہ لفظ عَالَمٌ سے خلائق کی خاص قسم یعنی فرشتے، جن اور انسان ہی مراد ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے[۲]۔ اس لئے اس کی جمع واؤ نون کے ساتھ لائی گئی ہے امام جعفرؒ بن محمدؒ کا قول ہے[۳] کہ عَالَمِیْنَ سے صرف انسان مراد ہیں اور ہر فرد بشر کو ایک عَالَم قرار دے کر اسے جمع لایا گیا ہے۔ نیز انہوں نے کہا ہے کہ عَالَمٌ دو قسم پر ہے (۱) اَلْعَالَمُ الْکَبِیْرُ یعنی فلک دمافیہ (۲) اَلْعَالَمُ الصَّغِیْرُ یعنی انسان کیونکہ انسان کی تخلیق بھی ایک مستقل عَالَمٌ کی حیثیت سے کی گئی ہے اور اس کے اندر قدرت کے وہ دلائل موجود ہیں جو عالم کبیر میں پائے جاتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

اَوَلَمْ نَنْھَکَ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ کیا ہم نے تم کو سارے جہاں (کی حمایت وطرفداری سے) منع نہیں کیا (۱۵-۷۰)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۱-۱) سب تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (۲-۱۲۲) کے بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ تم یعنی بنی اسرائیل کو ان کی ہمعصر اقوام پر فضیلت دی اور بعض نے اس دور کے فضلاء مراد لئے ہیں جن میں سے ہر ایک نوازشات الٰہی کی بدولت بمنزلہ ایک عالم کے تھا اور ان کو عَالَمٌ سے موسوم کرنا ایسے

---

[۱] عن وہب بن منبہ وفی القرطبی ثمانیۃ عشر اقوال [۲] الفتح للشوکانی ۱/۱۷ ومن الفرار وابوعبید العالم عبادۃ عمن یعقل وہم اربعۃ امم الانس والجن والملائکۃ والشیاطین [۳] ہو ابوعبداللہ جعفر الصادق بن محمد الباقر سید بطہم فی زمنہ تدالف تلمیذہٗ جابر بن حیان الصوفی کتاباً ینتظم رسائلہ وہی خمسمائۃ رسالۃ توفی سنۃ ۱۴۸ھ راجع شذرات ۱/۲۲۰

ہی ہے جیسا کہ آیت کریمہ:۔
اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً (۱۶-۱۲۰) "بے شک حضرت ابراہیم ایک امت تھے"۔ میں حضرت ابراہیم کو اُمَّةً کہا ہے۔

(ع ل ن)

اَلْعَلَانِيَةُ ظاہر اور آشکارا یہ سِرٌّ کی ضد ہے اور عام طور پر اس کا استعمال معانی یعنی کسی بات کے ظاہر ہونے پر ہوتا ہے اور اجسام کے متعلق بہت کم آتا ہے عَلَنَ كَذَا کے معنی ہیں فلاں بات ظاہر اور آشکارا ہوگئی اور اَعْلَنْتُهٗ اَنَا میں نے اسے آشکارا کر دیا۔ قرآن میں ہے:۔
اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ (۷۱-۹) میں انہیں برملا اور پوشیدہ ہر طرح سمجھاتا رہا۔
مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (۲۸-۶۹) جو کچھ ان کے سینوں میں مخفی ہے اور جو یہ ظاہر کرتے ہیں
عِلْوَانُ الْكِتَابِ جس کے معنی کتاب کے عنوان اور سرنامہ کے ہیں، ہو سکتا ہے کہ یہ عَلَنٌ سے مشتق ہو اور عنوان سے چونکہ کتاب کے مشمولات ظاہر ہوتے ہیں اس لئے اسے عِلْوَانٌ کہہ دیا گیا ہو۔

(ع ل و)

اَلْعُلُوُّ کسی چیز کا بلند ترین حصہ یہ سُفْلٌ کی ضد ہے ان کی طرف نسبت کے وقت عُلْوِيٌّ وَ سُفْلِيٌّ کہا جاتا ہے اور اَلْعُلُوُّ بلند ہونا عَالٍ بصفت فاعل بلند عَلِيَ يَعْلٰى عَلَاءً عَلِيٌّ مگر عَلَا (فَعَلَ) کا استعمال زیادہ تر کسی جگہ کے یا جسم کے بلند ہونے پر ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ (۷۶-۲۱) ان کے بدنوں پر دیبا کے کپڑے ہوں گے۔
بعض نے عَلَا اور عَلِيَ میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ عَلَا (ن) محمود اور مذموم دونوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے لیکن عَلِيَ (س) صرف مستحسن معنوں میں بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ (۲۸-۴) فرعون نے ملک میں سر اٹھا رکھا تھا۔
لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ (۱۰-۸۳) اور فرعون ملک میں متکبر اور متغلب اور (کبر و کفر میں) حد سے بڑھا ہوا تھا۔
فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ (۲۳-۴۶) تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ سرکش لوگ تھے۔
اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ (۳۸-۷۵) کیا تو غرور میں آگیا یا اونچے درجے والوں میں تھا۔
لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ (۲۸-۸۳) جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے۔
وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (۲۳-۹۱) اور ایک دوسرے پر غالب آجاتا۔
اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ (۲۷-۳۱) کہ مجھ سے سرکشی نہ کرو۔
وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا (۱۷-۴) اور بڑی سرکشی کرو گے۔
وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (۲۷-۱۴) اور بے انصافی اور غرور سے (ان کا انکار کیا) کہ ان کے دل ان کو مان چکے تھے
اَلْعَلِيُّ کے معنی بلند اور برتر کے ہیں یہ عَلِيَ (بکسر اللام) سے مشتق ہے جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفت

واقع ہو جیسے :۔

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ (۳۴-۲۳)

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا (۴-۳۴) تو اس کے معنی ہوتے ہیں وہ ذات اس سے بلند و بالا تر ہے کہ کوئی شخص اس کا وصف بیان کرسکے بلکہ عارفین کا علم بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔

اسی بنا پر اللہ تعالےٰ نے فرمایا :۔

تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (۲۷-۶۳) یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں خدا (کی شان) اس سے بلند ہے۔

اور یہاں تَعَالٰی باب تفاعل سے ہے جس کے معنی ہیں "نہایت ہی بلند" ورنہ یہاں تکلف کے معنی مقصود نہیں ہیں جیسا کہ جب یہ لفظ انسان کے متعلق استعمال ہو تو یہ معنی مراد لئے جاتے ہیں اور آیت کریمہ :۔

وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (۱۷-۴۳) اور جو کچھ یہ بکواس کرتے ہیں اس سے (اس کا رتبہ) بہت عالی ہے۔

میں لفظ عُلُوًّا فعل تعالی کا مصدر نہیں ہے۔ جیسا کہ آیت :۔

اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا (۷۱-۱۷) اور وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (۷۳-۸) میں نَبَاتًا اور تَبْتِيْلًا مصدر (مِنْ غَيْرِ بَابِهٖ) واقع ہوئے ہیں۔

اَلْاَعْلٰى سب سے بلند اور اشرف۔ قرآن میں ہے :۔

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى .... (۷۹-۲۴) کہ تمہارا سب سے بڑا مالک میں ہوں۔

اَلْاِسْتِعْلَاءُ (استفعال) کبھی یہ مذموم غلبہ کی طلب کے لئے آتا ہے اور کبھی اس کے معنی طلب رفعت کے ہوتے ہیں اور آیت کریمہ :۔

قَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى (۲۰-۶۴) اور آج جو غالب رہا وہی کامیاب ہے۔

میں دونوں معنی مراد ہوسکتے ہیں۔ اور آیت کریمہ :۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى (۸۷-۱) (اے پیغمبر) اپنے پروردگار (جلیل القدر) کے نام کی تسبیح کرو۔ پروردگار کے اَلْاَعْلٰی ہونے کے معنی یہ ہیں اس کی ذات اس بات سے بلند ہے کہ کسی مخلوق کو اس پر قیاس کیا جائے یا اسے دوسروں کی طرح سمجھا جائے اور آیت کریمہ :۔

وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى (۲۰-۴) اور اونچے اونچے آسمان بنائے۔

عُلًى عُلْيَا کی جمع ہے اور عُلْيَا اَعْلٰی کی تانیث ہے اور معنی یہ ہیں کہ آسمان اس دنیا سے اشرف و افضل ہیں جیسے فرمایا :۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰىهَا (۷۹-۲۷) بھلا تمہارا بنانا آسان ہے یا آسمان کا؟ اسی نے اس کو بنایا۔ اور آیت کریمہ :۔

لَفِیْ عِلِّيِّيْنَ ...... (۸۳-۱۸) علیین میں ہیں۔

میں بعض نے کہا ہے کہ عِلِّيِّيْن جنت میں سب سے اعلیٰ مقام کا نام ہے جس طرح کہ سجین دوزخ میں سب سے زیادہ تکلیف دہ طبقہ کا نام ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ دراصل اس کا اطلاق جنتی لوگوں پر ہوتا ہے اور قواعد عربی کے لحاظ سے یہی معنی اَقْرَبُ اِلَى الصَّوَاب معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ جمع (جمع سالم) ذوی العقول کے ساتھ مختص ہے اور یہ عِلِّيٌّ بروزن بِطِّيْخ کی جمع ہے اور معنی یہ ہیں کہ ابرار بھی عِلِّيِّيْن لوگوں کے زمرہ میں شامل ہوں گے جیسے فرمایا :۔

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

مِنَ النَّبِيِّيْنَ (۴-۶۹) الآیۃ وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر خدا نے بڑا فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق الخ ......

اور معنی عُلُوٌّ کے لحاظ سے بلند مقام کو اور بلندی کو عَلْيَاءُ کہا جاتا ہے اور عُلِّيَّةٌ اصل میں تو عَالِيَةٌ کی تصغیر ہے لیکن عرف میں بالاخانہ کو عُلِّيَّةٌ کہا جاتا ہے اس کی جمع عَلَالِيُّ بروزن تَعَالِيْلُ ہے تَعَالَى النَّهَارُ دن بلند ہوگیا عَالِيَةُ الرُّمْحِ سِنَانٌ (بڑے نیزے) سے چھوٹا نیزہ۔

عَالِيَةُ الْمَدِيْنَةِ مدینہ کی اعلیٰ جانب اس کی جمع عَوَالٍ ہے اسی سے کہا گیا ہے۔

بُعِثَ اِلَى اَهْلِ الْعَوَالِيْ کہ اہل عوالی کو بلا بھیجا اور عَالِيَةٌ کی طرف نسبت کے وقت عُلْوِيٌّ کہا جائے گا اور عَلَاةٌ کے معنی سَنْدَانٌ یعنی نہائی کے ہیں[1] عام اس سے کہ وہ لوہے کی ہو یا پتھر کی۔

اَلْعَلْيَانُ بڑا جسیم اونٹ۔

عِلَاوَةُ الشَّيْءِ کسی چیز کے اوپر کے حصہ کو کہتے ہیں اسی سے سر اور گردن کو عِلَاوَةٌ کہا جاتا ہے نیز بوجھ کے بعد اوپر سے جو زائد بوجھ رکھا جائے اسے بھی عِلَاوَةٌ کہا جاتا ہے[2] عِلَاوَةُ الرِّيْحِ جو ہوا اوپر سے آئے اس کی ضد سُفَالَتُہٗ ہے۔

اَلْمُعَلَّى قمار بازی کا ساتواں تیر جو سب سے اشرف اور اعلیٰ ہوتا ہے۔ اُعْلُ عَنِّيْ مجھ سے دور ہوجا۔

تَعَالَ۔ اس کے اصل معنی کسی کو بلند جگہ کی طرف بلانے کے ہیں پھر عام بلانے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اصل میں عُلُوٌّ سے ہے جس کے معنی بلند مرتبہ کے ہیں لہٰذا جب کوئی شخص دوسرے کو تَعَالَ کہہ کر بلاتا ہے تو گویا وہ کسی رفعت کے حصول کی طرف دعوت دیتا ہے۔ جیسا کہ مخاطب کا شرف ظاہر کرنے کے لئے اِفْعَلْ كَذَا غَيْرَ صَاغِرٍ کہا جاتا ہے چنانچہ اسی معنی میں فرمایا:۔

قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَنَا (۳-۶۱) تو ان سے کہنا کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں ...... کو بلائیں۔

تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ (جو) بات (یکساں تسلیم کی گئی ہے اس کی) طرف آؤ۔ (۳-۶۴)

تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ (۴-۶۱) جو حکم خدا نے نازل فرمایا ہے اس کی طرف رجوع کرو اور ...... آؤ۔

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ (۲۷-۳۱) کہ مجھ سے سرکشی نہ کرو۔

تَعَالَوْا اَتْلُ (۶-۱۵۱) کہہ کہ (لوگو) آؤ میں (تمہیں) پڑھ کر سناؤں۔

تَعَلَّى بلندی پر چڑھ گیا۔ دور چلا گیا۔

کہا جاتا ہے عَلَّيْتُهٗ فَتَعَلَّى میں نے اسے بلند کیا۔ چنانچہ وہ بلند ہوگیا۔

عَلٰى

عَلٰى۔ یہ حروف جارہ سے ہے مگر کبھی بطور اسم کے استعمال ہوتا ہے جیسے عَدَتْ مِنْ عَلَيْهِ اس پر اوپر کی جانب سے حملہ کیا۔

(ع م م)

اَلْعَمُّ (چچا) باپ کا بھائی (جمع اَعْمَامٌ)

---

[1] وفی الفائق ۲/۹۲ عطاء فی ھبط آدم قال: ھبط معہ بالعلاۃ و فعلۃ من العلو [2] وذکر ابن ابی الدنیا فی العزاء وابن المنذر عن ... انہ لما نزلت الذین اذا اصابتہم مصیبۃ الآیۃ۔ قال عمر نعم العدلان ای الصلوات ورحمۃ ونعم العلاوۃ ای اولئک ہم المہتدون ؛

اَلْعَمَّۃُ (پھوپھی) باپ کی بہن (جمع عَمَّات) قرآن میں ہے:۔

اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِکُمْ (۲۴-۶۱) یا اپنے چچاؤں کے گھر سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے۔

رَجُلٌ مُعَمٌّ مُخْوَلٌ وہ شخص جس کے چچا اور ماموں یعنی ننھیال اور ددھیال کی طرف قوی ہو۔

اِسْتَعَمَّ عَمًّا وَ تَعَمَّمَہٗ کسی کو چچا بنانا اور اصل یہ عُمُوْم سے ہے جس کے معنی شامل ہونے کے ہیں اور یہ شامل ہونا باعتبار کثرت ہوتا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے:۔

عَمَّھُمْ کَذَا وَعَمَّھُمْ بِکَذَا عَمًّا وَعُمُوْمًا یعنی وہ چیز عام ہوگئی اور پبلک کو اَلْعَامَّۃ کہا جاتا ہے کیونکہ شہر میں عامی لوگوں کی اکثریت ہوتی ہے اور معنی شمول یعنی لپیٹنے کے اعتبار سے پگڑی کو اَلْعِمَامَۃ کہا جاتا ہے اور تَعَمَّمَ کے معنی سر پر پگڑی لپیٹنے کے ہیں جس طرح کہ تَقَنَّعَ وَتَقَمَّصَ کے معنی چہرہ پر پردہ ڈالنا یا قمیص پہننا کے آتے ہیں عَمَّمْتُہٗ میں نے اسے عمامہ پہنایا۔ اور کنایۃً اس کے معنی کسی کو سردار بنانا بھی آتے ہیں شَاۃٌ مُعَمَّمَۃٌ سفید سر والی بکری گویا اس کے سر پر عمامہ بندھا ہوا ہے۔ اور یہ مُقَنَّعَۃٌ وَ مُخَمَّرَۃٌ کی طرح استعمال ہوتا ہے کسی شاعر نے کہا ہے (   )

(۳۲۱) یَاعَامِرَ بْنَ مَالِكٍ یَا عَمَّا
اَفْنَیْتَ عَمًّا وَجَبَرْتَ عَمًّا

اے میرے چچا عامر بن مالک تو نے بہت سے لوگوں کو فنا کیا اور بہت سے لوگوں پر بخشش کی۔

اور آیت کریمہ:۔

عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ (۷۸-۱) (یہ) لوگ کس چیز کی نسبت پوچھتے ہیں۔

میں عَمَّ اصل میں عَنْ مَا تھا۔ اور یہ اس باب (ع م م) سے نہیں ہے۔

(ع م د)

اَلْعَمْدُ کے معنی کسی چیز کا قصد کرنے اور اس پر ٹیک لگانا کے ہیں اور اَلْعِمَادُ وہ چیز ہے جس پر ٹیک لگائی جائے یا بھروسہ کیا جائے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔

اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ (۸۹-۷) جو ارم (کہلاتے تھے اتنے) دراز قد۔

میں اَلْعِمَاد سے وہ چیزیں مراد ہیں جن پر انہیں بڑا بھروسہ تھا محاورہ ہے۔ عَمَدْتُ الشَّیْءَ کسی چیز کو سہارا دے کر کھڑا کرنا عَمَّدْتُ الْحَائِطَ دیوار کو سہارا دے کر کھڑا کیا اور اَلْعَمُوْدُ اس لکڑی (بلی) کو کہتے ہیں جس کے سہارے خیمہ کھڑا کیا جاتا ہے اس کی جمع عُمُدٌ وَعَمَدٌ آتی ہے قرآن میں ہے:۔

فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَۃٍ (۱۰۴-۹) (یعنی آگ کے) لمبے لمبے ستونوں میں۔

اور ایک قرأت میں فِیْ عُمُدٍ ہے نیز فرمایا:۔

بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (۱۳-۲) ستونوں کے بغیر ...... جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔

نیز اَلْعَمُوْدُ ہر اس لکڑی یا لوہے کو کہتے ہیں جس پر سہارا لگا کر انسان کھڑا ہوتا ہے عُمُوْدٌ

اَلصُّبْحُ صبح کی ابتدائی روشنی کیونکہ یہ بھی ایک دم ستونوں کی طرح اوپر کو اٹھتی ہے۔ عرف میں اَلْعَمْدُ وَالتَّعَمُّدُ کے معنی قصداً کوئی کام کرنا آتے ہیں اور یہ سَهْوٌ کی ضد ہے[1]۔ قرآن میں ہے:۔
وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا (۴-۹۳) اور جو کوئی شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا۔
وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ (۳۳-۵) لیکن جو قصد دل سے کرو۔ اور محاورہ ہے:۔
فُلَانٌ رَفِيْعُ الْعِمَادِ یعنی وہ دراز قامت ہے۔
اَلْعَمَدَةُ ہر اس مال وغیرہ کو کہا جاتا ہے جس پر اعتماد کیا جائے اس کی جمع عُمُدٌ ہے اور عَمِيْدٌ وہ سردار جس پر معاملات میں لوگ بھروسہ کرتے ہوں اور عَمِيْدٌ کے معنی حزین بھی آتے ہیں گویا کہ وہ غم کا مقصود ہے جس طرح بیمار کو سَقِيْم کہتے ہیں کہ وہ بیماری کا مقصود بنا ہوا ہوتا ہے وَقَدْ عَمِدَ اس نے حزن و ملال، غصہ یا بیماری کی وجہ سے درد و کرب کا اظہار کیا عَمِدَ الْبَعِيْرُ پیٹھ کے زخمی ہونے کی وجہ سے اونٹ کراہنے لگا۔

(ع م ر)

اَلْعِمَارَةُ یہ خَرَابٌ کی ضد ہے عَمَرَ اَرْضَهٗ يَعْمُرُهَا عِمَارَةً اس نے اپنی زمین آباد کی۔ قرآن میں ہے:۔
وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (۹-۱۹) اور مسجد محترم (یعنی خانہ کعبہ) کو آباد کرنا۔
کہا جاتا ہے۔ عَمَرْتُهٗ میں نے اسے آباد کیا۔ فَعَمَرَ چنانچہ وہ آباد ہوگئی اور آباد کی ہوئی جگہ کو مَعْمُوْرٌ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
وَعَمَرُوْهَا اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا (۳۰-۹) اور اس کو اس سے زیادہ آباد کیا تھا جو انہوں نے آباد کیا۔
وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ (۵۲-۴) اور آباد کئے ہوئے گھر کی۔
اَعْمَرْتُهُ الْاَرْضَ وَاسْتَعْمَرْتُهٗ میں نے اسے آباد کرنے کے لئے زمین دی۔ قرآن میں ہے:۔
وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا (۱۱-۶۱) اور اس میں آباد کیا۔
اور اَلْعَمْرُ وَالْعُمُرُ اس مدت کو کہتے ہیں جس میں بدن زندگی کے ساتھ آباد رہتا ہے اور یہ بقا سے فروتر ہے چنانچہ طَالَ عُمُرُهٗ کے معنی تو یہ ہوتے ہیں کہ اس کا بدن روح سے آباد ہے لیکن طَالَ بَقَاءُهٗ اس مفہوم کا مقتضی نہیں ہے کیونکہ اَلْبَقَاءُ تو فَنَاءٌ کی ضد ہے اور چونکہ بقاء کو عُمُر پر فضیلت ہے اس لئے حق تعالیٰ بقاء کے ساتھ تو موصوف ہوتا ہے مگر عُمُر کے ساتھ بہت کم متصف ہوتا ہے۔
اَلتَّعْمِيْرُ کے معنی ہیں بالفعل عمر بڑھانا یا زبان کے ساتھ عَمَّرَكَ اللّٰهُ کہنا یعنی خدا تیری عمر دراز کرے۔ قرآن میں ہے:۔
اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ (۳۵-۳۷) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں جو سوچنا چاہتا سوچ لیتا۔
وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖ (۳۵-۱۱) اور نہ کسی بڑی عمر والے کو عمر زیادہ دی جاتی ہے اور نہ اس کی عمر کم کی جاتی ہے۔
وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ (۲-۹۶) اگر اتنی لمبی عمر اس کو مل بھی جائے تو اسے عذاب سے تو نہیں چھڑا سکتی۔ اور آیت:۔

[1] وقد جاء فی القرآن فی مقابلۃ الخطاء کما فی (۳۳-۵، ۴-۹۳)

وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ (٣٦-٦٨) اور جس کو ہم بڑی عمر دیتے ہیں اسے خلقت میں اوندھا کر دیتے ہیں۔

حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ (٢١-٤٤) یہاں تک کہ (اسی حالت میں) ان کی عمریں بسر ہوگئیں۔

وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ (٢٦-١٨) اور تم نے برسوں ہمارے ہاں عمر بسر کی۔

اَلْعُمُرُ وَالْعَمْرُ کے ایک ہی معنی ہیں لیکن قسم کے موقعہ پر خاص کر اَلْعَمْرُ کا لفظ ہی استعمال ہوتا ہے۔ عُمُر کا لفظ نہیں بولا جاتا جیسے فرمایا:

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ (١٥-٧٢) تمہاری زندگی کی قسم وہ اپنی مستی میں ..... ۔

عَمْرَكَ اللّٰهُ خدا تمہاری عمر دراز کرے یہاں بھی چونکہ قسم کی طرح تاکید مراد ہے اس لئے لفظ عَمْر کو خاص کیا ہے۔ اَلْاِعْتِمَارُ وَالْعُمْرَةُ کے معنی ملاقات کے ہیں کیونکہ ملاقات سے بھی محبت اور دوستی کا خانہ آباد ہوتا ہے اصطلاح شریعت میں حج کے علاوہ بیت اللہ کی زیارت اور طواف وسعی کرنے کو عُمْرَة کہا جاتا ہے اور آیت کریمہ:

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ (٩-١٨) خدا کی مسجدوں کو تو ..... آباد کرتے ہیں۔

میں يَعْمُرُ کا لفظ یا تو اَلْعِمَارَة سے ہے جس کے معنی آباد اور حفاظت کرنا ہیں اور یا اَلْعُمْرَةُ سے ہے جس کے معنی زیارت کے ہیں اور یا عَمَرْتُ بِمَكَانِ كَذَا سے مشتق ہے جس کے معنی کسی جگہ ٹھہرنے کے ہیں کیونکہ عَمَرْتُ الْمَكَانَ وَعَمَرْتُ بِالْمَكَانِ دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

اَلْعِمَارَةُ کے معنی مخصوص خاندان کے ہیں اور یہ لفظ اَلْقَبِيْلَة سے اخص ہے یا اصل میں انسانوں کی اس جماعت کا نام ہے جس سے مکان کی آبادی ہوتی ہے۔ شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(٣٢٢) لِكُلِّ أُنَاسٍ مِنْ مَعَدٍّ عِمَارَةٌ

تمام لوگوں کا سلسلہ نسب بنی معد سے ملتا ہے۔

اَلْعَمَارُ عمامہ یا پھول جو قوم کا سردار اپنی سرداری کی علامت اور اس کی حفاظت کے لئے سر پر رکھتا ہے اور بطور استعارہ صرف پھولوں کو بھی عَمَارٌ کہا جاتا ہے گو بطور علامت نہ ہوں۔

اَلْمَعْمَرُ رہائشی مکان کو کہتے ہیں بشرطیکہ اس میں کوئی آباد ہو اور اَلْعَمْرَمَة رفقاء کی اس جماعت کو کہتے ہیں جو جب کسی مقام پر فروکش ہو تو مقام آباد نظر آئے۔

اَلْعُمْرٰى وہ عطیہ جو اس شرط پر دیا جائے کہ جب تک میری یا تمہاری زندگی ہے اس وقت تک اس سے فائدہ اٹھا لو اس کے بعد واپس لے لیا جائے گا جیسا کہ اَلرُّقْبٰى میں ہوتا ہے اور ایسے عطیہ کو عُمْرٰى کہنے سے اس کے مستعار ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اَلْعَمْرُ مسوڑھوں کا گوشت کیونکہ اس سے دانتوں کی درمیانی خلا پر اور آباد رہتی ہے اس کی جمع عُمُوْرٌ ہے اُمُّ عَامِرٍ گفتار۔ لکڑ بگڑ اَبُوْ عَمْرَة مفلسی۔

---

[1] قالہ الاخنس بن شہاب التغلبی الجاہلی وتمامہ: ..... عروض الیہا یلجؤون وجانب۔ الشطر فی اللسان (عمر) والمحکم (عرض) والبیت من کلمۃ مفضلیۃ ۲۷ بیتًا برقم ۴۱ معظمہا فی الحماسۃ مع المرزوقی رقم ۴۸۲ وبعضہا فی المعجم البکری ۵۰۷ والبلدان (اسم) قضدم والخلا ۴/۱۸ والبیت فی جزیرۃ العرب "للہمدانی" والسمط ۸۶۸ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

(ع م ق)

اَلْعُمْقُ۔ دراصل اس کے معنی نیچے کی طرف دوری یعنی گہرائی کے ہیں اس لئے بہت گہرے کنویں کو بِئْرٌ عَمِیْقٌ وَ مَعِیْقٌ کہا جاتا ہے۔ راستے کی صفت ہو تو اس کے معنی دور دراز راستہ کے ہوتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ (۲۲-۲۷) دور دراز راستے سے۔

(ع م ل)

اَلْعَمَلُ ہر اس فعل کو کہتے ہیں جو کسی جاندار سے ارادۃً صادر ہو یہ فعل سے اخص ہے کیونکہ فعل کا لفظ کبھی حیوانات کی طرف بھی منسوب کر دیتے ہیں جن سے بلا قصد افعال سرزد ہوتے ہیں بلکہ جمادات کی طرف بھی منسوب ہو جاتا ہے مگر عمل کا لفظ ان کی طرف بہت ہی کم منسوب ہوتا ہے صرف اَلْبَقَرُ الْعَوَامِلُ ایک ایسی مثال ہے جہاں کہ عمل کا لفظ حیوانات کے لئے استعمال ہوا ہے۔ نیز عمل کا لفظ اچھے اور برے دونوں قسم کے اعمال پر بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (۲-۲۷۷) جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ......

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ (۲۰-۱۱۲) اور جو نیک کام کرے گا۔

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (۴-۱۲۳) جو شخص برے عمل کرے گا اسے اسی (طرح) کا بدلہ دیا جائیگا۔

وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ (۶۶-۱۱) اور مجھے فرعون اور اس کے اعمال (زشت مآل) سے نجات بخشیں۔

اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (۱۱-۴۶) وہ تو ناشائستہ افعال ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ (۳۵-۱۰) اور جو برے برے مکر کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا (۹-۶۰) اور کارکنان صدقات کا حق ہے۔ میں عَامِلِیْنَ سے محکمہ زکوٰۃ کے کارندے مراد ہیں۔ جو زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے پر مقرر ہوتے ہیں اور ان کی اجرت کو عُمَالَۃ کہا جاتا ہے۔

عَامِلُ الرُّمْحِ نیزے کا وہ حصہ جو سنان (پھالا) سے متصل ہوتا ہے۔

اَلْيَعْمَلَۃُ کے معنی تیز رو اونٹنی کے ہیں یہ بھی اَلْعَمَلُ سے مشتق ہے۔

(ع م ہ)

اَلْعَمَهُ کے معنی حیرانگی کی وجہ سے کسی کام میں تردد سے کام لینا کے ہیں۔

عَمِهَ (س) صیغہ صفت فاعلی عَمِهٌ وَعَامِهٌ اور عَامِهٌ کی جمع عُمَّهٌ ہے۔ قرآن میں ہے:۔

فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (۲-۱۵) وہ اپنی شرارت و سرکشی میں پڑے بہک رہے ہیں۔

زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ (۲۷-۴) ہم نے ان کے اعمال ان کے لئے آراستہ کر دیئے تو وہ سرگرداں ہو رہے ہیں۔

اھ ویقال للناقۃ السریعۃ ناقۃ عَمِلَۃٌ ویَعْمَلَۃٌ کما قال عبد اللہ بن رواحہ: ع یا زید زید الیعملات الذبل ؛

(ع م ی)

اَلْعَمٰی یہ بصارت اور بصیرت دونوں قسم اندھے پن کے لئے بولا جاتا ہے لیکن جو شخص بصارت کا اندھا ہو اس کے لئے صرف اَعْمٰی اور جو بصیرت کا اندھا ہو اس کے لئے اَعْمٰی و عَمٍ دونوں کا استعمال ہوتا ہے اور آیت کریمہ:

اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی (۸۰-۲) کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا۔

میں اَلْاَعْمٰی سے مراد بصارت کا اندھا ہے مگر جہاں کہیں قرآن نے اَلْعَمٰی کی مذمت کی ہے وہاں دوسرے معنی یعنی بصیرت کا اندھا پن مراد لیا ہے۔ جیسے فرمایا:

صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ (۲-۱۸) یہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں۔

فَعَمُوْا وَصَمُّوْا (۵-۷۱) تو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔

بلکہ بصیرت کے اندھا پن کے مقابلہ میں بصارت کا اندھا پن۔ قرآن کی نظر میں اندھا پن ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ (۲۲-۴۶) بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔

اور آیت کریمہ:

اَلَّذِیْنَ کَانَتْ اَعْیُنُهُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِکْرِیْ (۱۸-۱۰۱) جنکی آنکھیں میری یاد سے پردے میں تھیں۔

بھی اسی معنی پر محمول ہے اور کور بصری کے متعلق فرمایا لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ (۲۴-۶۱) نہ تو اندھے پر کچھ گناہ ہے۔

اور اَعْمٰی کی جمع عُمْیٌ و عُمْیَانٌ آتی ہے چنانچہ فرمایا:

بُکْمٌ عُمْیٌ (۲-۱۸) گونگے اور اندھے ہیں۔

صُمًّا وَّعُمْیَانًا (۲۵-۷۳) اندھے اور بہرے ہو کر ۔۔۔ اور آیت کریمہ:

وَمَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا (۱۷-۷۲) جو شخص اس دنیا میں اندھا ہو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ اور نجات کے رستے سے بہت دور۔

میں پہلا اَعْمٰی صیغہ صفت مشبہ ہے اور ثانی کے متعلق بعض نے کہا ہے کہ یہ بھی صیغہ صفت مشبہ ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اَفْعَلُ مِنْ کَذَا اسم تفضیل کا صیغہ ہے کیونکہ یہ اس اَلْعَمٰی سے مشتق ہے جس کے معنی نقدان بصیرت کے ہیں اس لئے اس میں مَا اَفْعَلَهٗ وَ اَفْعَلُ مِنْ کَذَا دونوں طرح کہنا صحیح ہے مگر اس کے برعکس بعض نے آیت مذکورہ میں پہلے اَعْمٰی کو بصیرت کے اندھا پن اور دوسرے کو بصر کے اندھا پن پر محمول کیا ہے۔ یہ ابوعمرو کا قول ہے۔ اس لئے وہ پہلے اَعْمٰی میں امالہ کا قائل ہے کیونکہ یہ عَمَی الْقَلْبِ سے ہے اور دوسرے میں امالہ کے قائل نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ اسم ہے وَالْاِسْمُ اَبْعَدُ مِنَ الْاِمَالَةِ یعنی اسم میں امالہ جائز نہیں ہے[1] نیز فرمایا:

وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ

---

[1] قال الزمخشری وقد جوزوان یکون الثانی بمعنی التفضیل ومن ثم قرأ ابو عمرو الاول ممالا ای بالامالة والثانی مفخما ای بدون الامالة لان افعل التفضیل لما کان تمامه بمن کانت الفه فی حکم الواقعة فی وسط الکلام کقولک اعمالکم واما الاول فلم یتعلق به شیء فکانت الفه واقعة فی الطرف معترضة للامالة انظر الکشاف ص ۶۹۳ ج ۲ طبع الاستقامة القاهرة ۱۳۶۵ھ ۱۲

هُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى (۴۱-۴۴) اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی (یعنی بہرہ پن) ہے یہ ان کے حق میں (موجب) نابینائی ہے۔
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ (۷-۶۴) کچھ شک نہیں کہ وہ اندھے لوگ تھے۔
اور ارشاد باری تعالیٰ :۔
وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا (۱۷-۹۷) اور ہم ان کو قیامت کے دن اوندھے منہ اندھے گونگے اور بہرے بنا کر اٹھائیں گے۔
میں بصر کا اندھاپن بھی مراد ہو سکتا ہے اور دل کی بصیرت کا زائل ہونا بھی عَمِيَ عَلَيْهِ کے معنی ہیں اس پر فلاں معاملہ اس طرح غیر واضح اور مشتبہ ہو گیا کہ گویا وہ اس سے اندھا ہے (اور وہ اسے سجھائی نہیں دیتا) قرآن میں ہے :۔
فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْبَآءُ يَوْمَئِذٍ (۲۸-۶۶) تو وہ اس روز خبروں سے اندھے ہو جائیں گے۔
وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ (۱۱-۲۸) اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے رحمت بخشی ہے جس کی حقیقت تم سے پوشیدہ رکھی گئی ہے۔
اَلْعَمَآءُ بادل جہالت بعض نے کہا ہے کہ روایت[1] : اَنَّهٗ قِيْلَ اَيْنَ كَانَ رَبُّنَا قَبْلَ اَنْ خَلَقَ السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ قَالَ فِيْ عَمَآءٍ تَحْتَهٗ عَمَآءٌ وَفَوْقَهٗ عَمَآءٌ۔ آپ سے پوچھا گیا آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے پہلے ہمارا پروردگار کہاں تھا اَلْعَمَآء میں جس کے نیچے بھی عَمَآءٌ تھی اور اوپر بھی اس حالت کی طرف اشارہ ہے جس کا علم حاصل نہیں ہو سکتا اور عَمِيَّةٌ کے معنی جہالت کے ہیں اور اَلْمَعَامِيْ (مَعْمَاةٌ کی جمع ہے) اس ریگستان کو کہتے ہیں جس میں کوئی نشان راہ نہ ہو۔

(عن) (حرف)

عن۔ یہ حرف جار ہے اور اپنے مجرور سے تجاوز کو چاہتا ہے جیسے حَدَّثْتُكَ عَنْ فُلَانٍ (میں فلاں سے تمہارے سامنے بیان کر چکا ہوں) وَاَطْعَمْتُهٗ عَنْ جُوْعٍ (میں نے اسے بھوک سے کھلایا) ابو محمد البصری نے کہا ہے کہ عَنْ بلحاظ استعمال کے عَلٰی سے عام ہے کیونکہ یہ جہات ستہ میں استعمال ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ کبھی عَلٰی بھی اس کی بجائے آجاتا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[2] (الطویل)

(۳۲۳) اِذَا رَضِيَتْ عَلَيَّ بَنُوْ قُشَيْرٍ
جب بنو قشیر مجھ سے راضی ہوں۔

اسی طرح اَطْعَمْتُهٗ عَلٰى جُوْعٍ وَكَسَوْتُهٗ عَلٰى عُرْيٍ میں اگر عَنْ کی بجائے عَلٰی کہا جائے تو صحیح ہوگا۔

(ع ن ب)

اَلْعِنَبُ (انگور) یہ انگور کے پھل اور اسی

---

[1] منن الفائق ۲ / ۹۲ وزواید ابن حبان رقم ۹۳؛ تحتہ ہواء فوقہ ہواء کذا فی ابن جریر والطبرانی وابی الشیخ فی العظمۃ عن ابی رزین راجع کنز العمال رقم ۸۸ ؛ فلفظہ البواکثر ۱۲ / ۲۰۵ [2] قالہ القحیف بن سلیم العقیلی من کلمۃ یمدح فیہا حکیم بن المسیب القشیری وتمامہ : ۔ لعمر اللہ اعجبنی رضاہا ۔ وبعدہ : ۔ ولا تنبو سیوف بنی قشیر ۔ ولا تمضی الاسنۃ فی صفاہا ۔ والبیت فی اللسان (رضی) والاقتضاب ۴۳۲ والکامل ۵۳۹، ۸۲۴ وادب الکتاب ۴۰۵ والفرائد للآلوسی ۱۳۷ والبحر ۵ / ۴۶۲ والخزانۃ ۴ ، ۲۳۷ وابن عقیل ۲۰۶ وابن ہشام (۱: ۱۵۲) وامالی ابن الشجری (۲: ۲۶۹) والسیوطی ۱۴۲ ومجاز القرآن رقم ۶۳۵ ونوادر ابی زید ۱۷۶ والعینی (۳: ۲۸۲) ۱۲

بیل کے لیے بھی بولا جاتا ہے اس کا واحد عِنَبَۃٌ ہے اور جمع اَعْنَابٌ قرآن میں ہے :۔

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ (۱۶-۶۷) اور کھجور اور انگور کے میووں سے بھی ۔

جَنَّۃٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ (۱۷-۹۱) کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو ۔

وَجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ (۱۳-۴) اور انگوروں کے باغ ۔

حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا (۷۸-۳۲) یعنی باغ اور انگور

وَعِنَبًا وَّقَضْبًا وَّزَیْتُوْنًا (۸۰-۲۷، ۲۸) اور انگور اور ترکاری اور زیتون ۔

جَنَّتَیْنِ مِنْ اَعْنَابٍ (۱۸-۳۲) انگور کے دو باغ ۔

اور عِنَبَۃٌ کے معنی پھنسی کے بھی آتے ہیں جو شکل میں انگور کے دانہ کے مشابہ ہوتی ہے ۔

(ع ن ت)

اَلْمُعَانَتَۃُ یہ مُعَانَدَۃٌ کے ہم معنی ہے یعنی باہم عناد اور دشمنی سے کام لینا لیکن مُعَانَتَۃ اس سے بلیغ تر ہے کیونکہ مُعَانَتَۃٌ ایسے عناد کو کہتے ہیں جس میں خوف اور ہلاکت کا پہلو بھی ہو ۔ چنانچہ عَنَتَ فُلَانٌ ۔ یَعْنَتُ عَنَتًا اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص ایسے معاملہ میں پھنس جائے جس میں تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو قرآن میں ہے :۔

لِمَنْ خَشِیَ الْعَنَتَ مِنْکُمْ (۴-۲۵) اس شخص کو ہے جسے ہلاکت میں پڑنے کا اندیشہ ہو ۔

وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ (۳-۱۱۸) اور چاہتے ہیں کہ جس طرح ہو تمہیں تکلیف پہنچے ۔

عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ (۹-۱۲۸) (۳-۱۰۷) تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے :۔ اور آیت کریمہ :۔

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ (۲۰-۱۱۱) اور سب (کے) چہرے اس زندہ و قائم کے روبرو جھک جائیں گے ۔

میں عَنَتْ کے معنی ذلیل اور عاجز ہو جانے کے ہیں اور اَعْنَتَهٗ کے معنی تکلیف میں مبتلا کرنے کے ہیں ۔ چنانچہ فرمایا :۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَکُمْ (۲-۲۲۰) اور اگر خدا چاہتا تو تم کو تکلیف میں ڈال دیتا ۔

اور جس ہڈی کو جوڑ لگایا ہو اگر اسے کوئی صدمہ پہنچے اور وہ دوبارہ ٹوٹ جائے تو ایسے موقع پر بھی اَعْنَتَهٗ کا لفظ استعمال ہوتا ہے ۔

(ع ن د)

اَلْعَنِیْدُ کے معنی اَلْمُعْجَبُ بِمَا عِنْدَهٗ کے ہیں یعنی جو کچھ اس کے پاس ہے اس پر اترانے والا ۔

اور مُعَانِدٌ اسے کہتے ہیں جسے جو کچھ اس کے پاس ہے اس پر فخر ہو ۔ قرآن میں ہے :۔

کُلَّ کَفَّارٍ عَنِیْدٍ (۵۰-۲۴) ہر سرکش ناشکرے کو ۔

اِنَّهٗ کَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا (۷۴-۱۶) یہ ہماری آیتوں کا دشمن رہا ہے ۔

بعض کے نزدیک اَلْعُنُوْدُ کے بھی یہی معنی ہیں صرف ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ عَنِیْدٌ اسے کہتے ہیں جو (حق سے) عناد رکھے اور (اس کی) مخالفت کرے اور عَنُوْدٌ وہ ہے جو صحیح راہ سے ہٹ جائے اس لئے بَعِیْرٌ عَنُوْدٌ (وہ اونٹ جو صحیح راہ سے ہٹ کر چلے) تو بولتے ہیں مگر عَنِیْدٌ نہیں کہتے اور عُنَّدٌ عَانِدٌ کی جمع ہے اور عَنُوْدٌ کی جمع عِنْدَۃٌ اور عَنِیْدٌ کی جمع

عَنَدَ آتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اَلْعُنُوْدُ کے
معنی راستہ سے ایک جانب مائل ہوجانے کے
ہیں۔ لیکن عَنُوْدٌ خاص کر اس شخص کو کہا جاتا
ہے جو حسی راستہ سے ہٹ جائے اور عَنِیْدٌ
وہ ہے جو حکمی راہ سے ہٹا ہوا ہو عَنَدَ عَنِ الطَّرِیْقِ
اس نے راستہ سے عدول کیا۔ بعض نے کہا ہے کہ
عَانَدَ کے معنی کسی کو لازم پکڑنا بھی آتے ہیں اور
اس سے الگ ہونا بھی اور یہ دونوں وہ مختلف
اعتبار سے مشتق ہیں جیسا کہ اَلْبَیْنُ کا لفظ دو
مختلف اعتباروں سے وصل کے معنی بھی دیتا
ہے اور جدائی کے بھی۔

(عِنْدَ ظرف)

عِنْدَ یہ کسی چیز کا قرب ظاہر کرنے کے لئے
وضع کیا گیا ہے کبھی تو مکان کا قرب ظاہر کرنے
کے لئے آتا ہے اور کبھی اعتقاد کے معنی ظاہر کرتا
ہے جیسے عِنْدِیْ کَذَا اور کبھی کسی شخص
کی قرب و منزلت کے متعلق استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا۔
بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ (۳-۱۶۹) بلکہ خدا کے
نزدیک زندہ ہیں۔
اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ
(۷-۲۰۹) جو لوگ تمہارے پروردگار کے پاس
ہیں وہ ...... وہ گردن کشی نہیں کرتے۔
فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَ
النَّھَارِ (۴۱-۳۸) جو فرشتے تمہارے پروردگار
کے پاس ہیں وہ رات دن اس کی تسبیح کرتے ہیں۔
رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ (۶۶-۱۱)
اے میرے پروردگار میرے لئے بہشت میں
اپنے پاس ایک گھر بنا۔

اور اسی معنی میں اَلْمَلَائِکَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ عِنْدَ
اللّٰہِ (اللہ کے مقرب فرشتے) کا محاورہ ہے۔
وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی (۴۲-۳۶) اور جو
کچھ خدا کے ہاں ہے وہ بہتر اور قائم رہنے والا ہے۔
وَعِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (۴۳-۸۵) اور اسی
کو قیامت کا علم ہے۔
وَمَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتَابِ (۱۳-۴۳) اور
وہ شخص جس کے پاس کتاب (آسمانی) کا علم ہے۔
فَاُولٰئِکَ عِنْدَ اللّٰہِ ھُمُ الْکَاذِبُوْنَ (۲۴-۱۳)
تو خدا کے نزدیک یہی جھوٹے ہیں۔
وَتَحْسَبُوْنَهٗ ھَیِّنًا وَّھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ عَظِیْمٌ (۲۴-۱۵)
اور تم اسے ایک ہلکی بات سمجھتے تھے اور خدا کے
نزدیک وہ بڑی بھاری بات تھی۔
اور آیت کریمہ:
اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ (۸-۳۲)
اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے۔
میں عِنْدَ بمعنی حکم ہے۔

(ع ن ق)

اَلْعُنُقُ۔ گردن جمع اَعْنَاقٌ۔ قرآن میں ہے:
وَکُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَہٗ فِیْ عُنُقِهٖ
(۱۷-۱۳) اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کو (بہ
صورت کتاب) اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے۔
مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ (۳۸-۳۳)
ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔
اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْ اَعْنَاقِھِمْ (۴۰-۷۱) جب
کہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے۔ اور آیت کریمہ
فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ (۸-۱۲) کے معنی یہ
ہیں کہ ان کے سروں پر مارو اور اسی سے دراز گردن

آدمی کو رَجُلٌ اَعْنَقُ کہا جاتا ہے اِمْرَءَۃٌ عَنْقَاءُ دراز گردن عورت۔ کَلْبٌ اَعْنَقُ سفید گردن کتا۔

اَعْنَقْتُہٗ کَذَا میں نے اس کی گردن میں فلاں چیز ڈال دی اس سے بطور استعارہ اِعْتَنَقَ الْاَمْرَ کا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں کسی بات کی ذمہ داری اٹھا لینا۔ کسی مسلک کو قبول کر لینا۔

اَلْاَعْنَاقُ کے معنی رؤسائے قوم کے ہیں۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔

فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ (۲۶-۴)

پھر ان کے اکابر عاجز درماندہ ہو کر اس کے سامنے جھک جائیں۔

میں اَعْنَاق سے رؤسا اور اکابرین قوم مراد ہیں۔

تَعَنَّقَ الْاَرْنَبُ خرگوش نے گردن اٹھا کر دیکھا۔

اَلْعَنَاقُ بکری کا مادہ بچہ۔

عَنْقَاءُ مُغْرِبٌ بعض نے کہا ہے کہ ایک خیالی پرند کا نام ہے جس کا وجود دنیا میں نہیں پایا جاتا۔

(ع ن و)

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ (۲۰-۱۱۱) اور چہرے اس زندہ و قائم کے سامنے جھک جائیں گے۔ یعنی مصیبت میں گرفتار ہو کر خدا کے سامنے جھک جائیں گے اور عَنَيْتُہٗ کے معنی کسی کو مصیبت میں مبتلا کرنے کے ہیں اور عَنِيَ کے معنی مصیبت میں مبتلا ہونا یا قیدی بننا کے آتے ہیں اسی سے قیدی کو اَلْعَانِیْ کہا جاتا ہے اس کی مؤنث عَانِيَۃٌ ہے اور عَانِيَۃٌ کی جمع عَوَانٍ آتی ہے، آنحضرت نے فرمایا:[1] (۵۰)

اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَاِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَانٍ کہ عورتوں سے اچھا سلوک کرو بیشک وہ تمہارے پاس ایک طرح سے قیدی ہیں۔ محاورہ ہے:۔

عُنِيَ بِحَاجَتِہٖ فَھُوَ مَعْنِيٌّ بِھَا کسی حاجت میں مبتلا ہونا، بعض نے عَنِيَ فَھُوَ عَانٍ کہا ہے اور آیت کریمہ:۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ (۸۰-۳۷) میں ایک قراءت يَعْنِيْهِ بھی ہے یعنی اسے مصروف رکھے گی۔

اَلْعَنِيَّۃُ ایک دوا جو خارشی اونٹ پر ملی جاتی ہے۔ مثل مشہور ہے[2]:۔

عَنِيَّۃٌ تَشْفِي الْجَرَبَ در حق مرد نیک رای گویند کہ بفکر خود امور را نیک انجام دہد۔

اَلْمَعْنٰی مفہوم یا مقصود جو لفظ سے ظاہر ہوتا ہو۔ یہ عَنَتِ الْاَرْضُ بِالنَّبَاتِ کے محاورہ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں زمین نے پودے نمودار کئے۔

عَنَتِ الْقِرْبَۃُ مشک سے پانی بہہ پڑا اور جو لوگ عِنْوَانُ الْكِتَابِ کو عُنِيَ سے مشتق مانتے ہیں ان کے نزدیک یہ بھی عَنَتِ الْقِرْبَۃُ سے ماخوذ ہے اور لفظ اَلْمَعْنٰی اور التفسیر کا تقریبًا ایک ہی مفہوم ہے گو ان میں قدرے فرق پایا جاتا ہے۔

---

[1] فی الکشاف فانھن عوان فی ایدیکم الحدیث ۱/۸ ۲۵ و فی الترمذی والنسائی وابن ماجۃ من حدیث عمرو بن الاحوص فی خطبۃ حجۃ الوداع فیھا فانھن عوان عندکم وسعی البیھقی والبزار والطبری من روایۃ موسی بن عبیدۃ الزبدی واحد الضعفاء عن ابن عمر مرفوعًا: النساء عوان فی ایدیکم انظر تخریج احادیث الکشاف ص ۴۰ - الم رقم ۳۳۵ دتخریج العراقی ص ۴۱ ج ۲ ھو رواہ مسلم من حدیث جابر الطویل [2] قال المیدانی ۲/۸: العنیۃ بول البعیر یطلی بہ الاجرب والمثل یضرب للرجل الجید الرای یستشفی برأیہ فیما ینوب انظر المثل الفائق ۲/۹۷

(ع ھ د)

اَلْعَهْدُ (ض) کے معنی ہیں کسی چیز کی پیہم نگہداشت اور خبر گیری کرنا اس بنا پر اس پختہ وعدہ کو بھی عَھْدٌ کہا جاتا ہے جس کی نگہداشت ضروری ہو۔ قرآن میں ہے:۔
وَاَوْفُوْا بِالْعَھْدِ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْئُوْلًا (۱۷-۳۴) اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں ضرور پرسش ہوگی۔ یعنی اپنی قسموں کے عہد پورے کرو۔
لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ (۲-۱۲۴) کہ ظالموں کے حق میں میری ذمہ داری پوری نہیں ہوسکتی۔
وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ (۹-۱۱۱) اور خدا سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے۔
عَھِدَ فُلَانٌ اِلٰی فُلَانٍ کسی سے عہد و پیمان لیکر اسے اس پر قائم رہنے کی تاکید کرنا۔ قرآن میں ہے۔
وَلَقَدْ عَھِدْنَا اِلٰی اٰدَمَ (۲۰-۱۱۵) اور ہم نے ...... آدم سے عہد لیا تھا۔
اَلَمْ اَعْھَدْ اِلَیْکُمْ (۳۶-۶۰) ہم نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا ....
اَلَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰہَ عَھِدَ اِلَیْنَا (۳-۱۸۳) جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے ہم سے عہد لے رکھا ہے
وَعَھِدْنَا اِلٰی اِبْرَاھِیْمَ (۲-۱۲۵) اور ابراہیم ... کو کہا۔
اور عَھْدُ اللّٰہِ (خدائی عہد) سے مراد کبھی تو وہ صلاحیت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہماری عقلوں میں راسخ کردی ہے اور کبھی اس سے مراد وہ احکام ہوتے ہیں جن کا پیغمبروں نے کتاب و سنت کے ذریعہ حکم دیا ہے اور کبھی اس سے مراد وہ عبادات بھی ہوتی ہیں جن کی بجاآوری شرعاً واجب نہ ہو بلکہ ہم اپنی طرف سے اسے اپنے اوپر لازم کریں جیسے نذر وغیرہ چنانچہ آیات:۔
وَمِنْھُمْ مَّنْ عٰھَدَ اللّٰہَ (۹-۷۵) اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے عہد کیا تھا۔
اَوَکُلَّمَا عٰھَدُوْا عَھْدًا نَّبَذَہٗ فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ (۲-۱۰۰) ان لوگوں نے (جب خدا سے) عہد واثق کیا تو ان میں سے ایک فریق نے اس کو پھینک دیا۔
وَلَقَدْ کَانُوْا عٰھَدُوا اللّٰہَ مِنْ قَبْلُ (۳۳-۱۵) حالانکہ پہلے خدا سے اقرار کر چکے تھے۔
میں یہی معنی مراد ہیں اور کفار میں سے جو شخص معاہدہ کے وقت مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوا سے مُعَاھَدٌ یا ذو عہد کہا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے (۱۵)
لَا یُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِکَافِرٍ وَّلَا ذُوْ عَھْدٍ فِیْ عَھْدِہٖ کہ کسی مومن کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے اور نہ ہی کسی معاہد کو مدت عہد کے اندر مارا جائے
اور حفاظت اور پابندی کے اعتبار سے اس وثیقہ کو بھی عُھْدَۃٌ کہا جاتا ہے جو فریقین عہد و پیمان کے وقت باہم لکھ لیتے ہیں اور محاورہ ہے:۔
فِیْ ھٰذَا الْاَمْرِ عُھْدَۃٌ یعنی وہ معاملہ جس کی نگہداشت کا حکم دیا گیا ہو اور دیکھ بھال کے اعتبار سے بارش کو بھی عَھْدٌ وَعِھَادٌ کہا جاتا ہے اور رَوْضَۃٌ مَّعْھُوْدَۃٌ کے معنی ہیں وہ باغ جس پر بارش ہوئی ہو۔

(ع ھ ن)

اَلْعِھْنُ کے معنی رنگین اون کے ہیں قرآن میں ہے:۔
کَالْعِھْنِ الْمَنْفُوْشِ (۱۰۱-۵) وہ دھنی ہوئی رنگین اون کی طرح۔

ے متفق علیہ من حدیث معقل بن یسار۔ رواہ ابن ماجہ۔ عن ابن عباس رض ۱۲

یہاں صرف رنگت کے اعتبار سے پہاڑوں کو رنگدار اون کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ:۔ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ (۵۵-۳۷) تیل کی تلچھٹ کی طرح گلابی ہو جائے گا۔ میں بیان ہو چکا ہے۔

رَمْيٌ بِالْكَلَامِ عَلَى عَوَاهِنِهِ بے سوچے سمجھے بات کرنا، فکر و غور کئے بغیر بات کرنا جیسا کہ کہا جاتا ہے أَوْرَدَ كَلَامَهُ غَيْرَ مُفَسَّرٍ کہ اس نے اپنی بات کی وضاحت نہیں کی۔

(ع و ج)

اَلْعِوَجُ (ن) کے معنی کسی چیز کے سیدھا کھڑا ہونے کی حالت سے ایک طرف جھک جانے کے ہیں۔ جیسے عُجْتُ الْبَعِيْرَ بِزِمَامِهِ میں نے اونٹ کو اس کی مہار کے ذریعہ ایک طرف موڑ دیا فُلَانٌ مَا يَعُوْجُ عَنْ شَيْءٍ يَهُمُّ بِهٖ یعنی فلاں اپنے ارادے سے باز نہیں آتا۔

اَلْعَوَجُ اس ٹیڑھے پن کو کہتے ہیں جو آنکھ سے بسہولت دیکھا جا سکے جیسے کھڑی چیزوں میں ہوتا ہے مثلاً لکڑی وغیرہ اور اَلْعِوَجُ اس ٹیڑھے پن کو کہتے ہیں جو صرف عقل و بصیرت سے دیکھا جا سکے جیسے صاف میدان کی ناہمواری کو غور و فکر کے بغیر اس کا ادراک نہیں ہو سکتا یا معاشرہ میں دینی اور معاشی ناہمواریاں کہ عقل و بصیرت سے ہی ان کا ادراک ہو سکتا ہے قرآن میں ہے:۔ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ (۳۹-۲۸) (یہ) قرآن عربی (ہے) جس میں کوئی عیب (اور اختلاف) نہیں ہے۔

وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا (۱۸-۱) اور اس میں کسی طرح کی کجی (اور پیچیدگی) نہ رکھی۔ وَالَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا (۷-۴۵) جو خدا کی راہ سے روکتے اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہیں۔ . . . . .

اور کنایہ کے طور پر کج خلق آدمی کو بھی اَعْوَجُ کہا جاتا ہے۔

اَلْاَعْوَجِيَّةُ یہ اَعْوَجُ گھوڑے کی طرف منسوب ہے جو جاہلی عرب میں مشہور تھا۔

(ع و د)

اَلْعَوْدُ (ن) کسی کام کو ابتداءً کرنے کے بعد دوبارہ اس کی طرف پلٹنے کو عَوْدٌ کہا جاتا ہے خواہ وہ پلٹنا بذاتہ ہو۔ یا قول و عزم سے ہو۔ قرآن میں ہے:۔

رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ (۲۳-۱۰۷) اے پروردگار ہم کو اس میں سے نکال دے اگر ہم پھر (ایسے کام) کریں تو ظالم ہوں گے۔

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (۶-۲۸) اگر یہ (دنیا میں) لوٹائے بھی جائیں تو جن (کاموں) سے ان کو منع کیا گیا تھا وہی کرنے لگیں۔

وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ (۵-۹۵) اور جو پھر (ایسا کام) کرے گا تو خدا اس سے انتقام لیگا۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ (۳۰-۲۷) اور وہی تو ہے جو خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا۔

وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ

لے راجع (دھن) ۱

فِيهَا خَالِدُونَ (۲-۲۷۵) اور جو پھر (سود) لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے۔
وَإِنْ عُدْتُمْ عُدْنَا (۱۷-۸) اور اگر تم پھر وہی (حرکتیں) کرو گے تو ہم بھی وہی (پہلا سا سلوک) کریں گے۔
وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ (۸-۱۹) اور اگر پھر (نافرمانی) کرو گے تو ہم بھی پھر (تمہیں عذاب) کریں گے۔
أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا (۷-۸۸) یا تم ہمارے مذہب میں آجاؤ۔
إِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ (۲۳-۱۰۷) اگر ہم پھر (ایسے کام) کریں تو ظالم ہوں گے۔
إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ (۷-۸۹) اگر ہم ... تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں۔
وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا (۷-۸۹) اور ہمیں شایاں نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں۔
اور آیت کریمہ:
وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا (۵۸-۳) اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں پھر اپنے قول سے رجوع کریں۔ میں اہل ظاہر کہتے ہیں کہ يَعُودُونَ کے معنی یہ ہیں کہ عورت سے ایک مرتبہ ظہار کرنے کے بعد اگر دوبارہ اسے وہی کلمہ کہے تب اس پر کفارۂ ظہار لازم آتا ہے[1] لہٰذا ثُمَّ يَعُودُونَ کا جملہ فَإِنْ فَاءُوا کی طرح ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عَوْدٌ فِي الظِّهَارِ یہ ہے کہ ظہار کے بعد عورت سے جماع کرے[2] اور امام شافعی کے نزدیک یہاں عَوْدٌ کے معنی ہیں ظہار کے بعد عورت کو اتنی مدت تک روک رکھنا جس میں اسے طلاق دے سکتا ہو۔ لیکن طلاق نہ دے۔[3] بعض متاخرین نے کہا ہے کہ ظہار بھی ایک طرح کی قسم ہے اور اس کے معنی ہیں کہ خاوند کہے کہ اگر میں فلاں کام کروں تو میری بیوی میرے لئے ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت پھر اس کے بعد اگر وہ اس کام کا ارتکاب کرے تو وہ حانث ہو جائیگا اور آیت ظہار میں بیان کردہ کفارہ کا ادا کرنا اس پر لازم ہوگا لہٰذا آیت: ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا (۵۸-۳) کے معنی یہ ہوں گے کہ جس کام کے نہ کرنے کی انہوں نے قسم کھائی تھی اس کی طرف پلٹیں یعنی اپنی قسم توڑنا چاہیں اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے فُلَانٌ حَلَفَ ثُمَّ عَادَ یعنی اس نے وہ کام کیا جس کے نہ کرنے کی قسم کھائی تھی۔[4] اور اخفشؒ نے کہا ہے کہ لِمَا قَالُوا کا تعلق فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ سے ہے اس سے بھی اس آخری قول کی تائید ہوتی ہے نیز اخفشؒ نے کہا ہے کہ اس قسم کو توڑنے کے بعد اس پر کفارہ لازم ہوگا جیسا کہ اللہ کی قسم اٹھانے کے بعد اس پر کفارہ لازم آتا ہے[5] جو کہ آیت کریمہ:
فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ (۵-۸۹)

---

[1] قال في الطبرسي ۲۸/۷ وعن ابي العاليه وبكير بن عبدالله الاشج وهو مذهب اهل الظاهر لان لفظ العود يدل على تكرير القول ورده ابو على الفارسي راجع الطبرسي وفتح القدير للشوكاني [2] والمحلي [2] العزم على وطئها كما اروي عن قتادة وهو المشهور عن الحنفية واليه ذهب مالك وائمة البيت راجع الطبرسي وروح المعاني (۲۸/۷) [3] لان السكوت الى زمان يمكنه ان يطلق فيه ندم منه على ما ابتدأ ، وهو لعود على ما ابتدأه والحاصل ان العود بمعنى الندم كما قال ابن عباس راجع الطبرسي والروح [4] ذكره اصحاب الفروع في ذيل تعليق الظهار وهو صحيح عند الشافعية كذا في بعض الصور عند الحنفية [5] ففي الآية تقديم وتاخير وهو كثير في التنزيل الطبرسي ۲۸/۷ والروح ۲۸/۹

تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا کھلانا ہے۔ میں مذکور ہے۔

اَلْاِعَادَۃُ کے معنی لوٹانا کے ہیں مثلاً بات وغیرہ کو لوٹانا جیسے فرمایا:۔

سَنُعِیْدُھَا سِیْرَتَھَا الْاُوْلٰی (۲۰-۲۱) ہم اس کو (بھی) اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔

اَوْ یُعِیْدُوْکُمْ فِیْ مِلَّتِھِمْ (۱۸-۲۰) یا پھر اپنے مذہب میں داخل کر لیں گے۔

اَلْعَادَۃُ کسی فعل یا انفعال کو بار بار کرنا حتی کہ وہ طبعی فعل کی طرح سہولت سے انجام پا سکے اسی لئے بعض نے کہا ہے کہ عَادَۃ طبیعت ثانیہ کا نام ہے۔

اَلْعِیْدُ وہ ہے جو بار بار لوٹ کر آئے۔ اصطلاح شریعت میں یہ لفظ یوم الفطر اور یوم الاضحیٰ پر بولا جاتا ہے۔ چونکہ شرعی طور پر یہ دن خوشی کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے[1] (۵۲) اَیَّامُ اَکْلٍ وَّشُرْبٍ وَّبِعَالٍ کہ عید کے دن کھانے پینے اور جماع سے لطف اندوز ہونے کے دن ہیں اس لئے ہر وہ دن جس میں کوئی شادمانی حاصل ہو اس پر عید کا لفظ بولا جانے لگا ہے چنانچہ آیت کریمہ:۔

اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَائِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوْنُ لَنَا عِیْدًا (۵-۱۱۴) ہم پر آسمان سے خوان (نعمت) نازل فرما۔ ہمارے لئے (وہ دن) عید قرار پائے۔

میں عِیْدٌ سے شادمانی کا دن ہی مراد ہے اور اَلْعِیْدُ اصل میں (خوشی یا غم کی) اس حالت کو کہتے ہیں جو بار بار انسان پر لوٹ کر آئے اور اَلْعَائِدَۃُ ہر اس منفعت کو کہتے ہیں جو انسان کو کسی چیز سے حاصل ہو۔

اَلْمَعَادُ کے معنی لوٹنے کے ہیں اور لوٹنے کی جگہ یا زمانہ کو بھی اَلْمَعَادُ کہا جاتا ہے اور آیت کریمہ:۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ (۲۸-۸۵) (اے پیغمبر) جس (خدا) نے تم پر قرآن (کے احکام) کو فرض کیا وہ تمہیں بازگشت کی جگہ لوٹا دیگا۔

میں بعض نے کہا ہے کہ مَعَاد سے مکہ مکرمہ مراد ہے مگر اس کے صحیح معنی وہ ہیں جن کی طرف حضرت علیؓ نے اشارہ فرمایا ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے نے بھی ذکر کئے ہیں۔ کہ اس سے جنت مراد ہے۔ جس میں آنحضرت کو بالقوہ اس وقت پیدا کیا تھا جب کہ آپؐ صلب آدمؑ میں تھے پھر وہاں سے عالم دنیا میں لاکر آنحضرت کو دنیا پر جلوہ گر کیا گیا جیسا کہ آیت:۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ (۷-۱۷۲) الآیۃ میں مذکور ہے۔

اور اَلْعَوْدُ عمر رسیدہ اونٹ کو عَوْدٌ یا تو اس لئے کہتے ہیں کہ وہ سیر و عمل کا تکرار کر چکا ہوتا ہے اور یا اس لئے کہ اس پر متواتر سالہا سال گزر چکے ہوتے ہیں پہلی توجیہ کے لحاظ سے اَلْعَوْدُ (مصدر) بمعنی فاعل ہوگا۔ اور دوسرے اعتبار سے بمعنی مفعول نیز عَوْد پرانے راستہ کو بھی کہتے ہیں کیونکہ اس پر بار بار سفر ہو چکا ہوتا ہے اور عَوْدٌ سے ہی عِیَادَۃُ الْمَرِیْضِ مشتق ہے جس کے معنی تیمارداری کے ہیں

عِیْدِیَّۃٌ وہ اونٹ جو عِیْدٌ نامی سانڈ کی نسل

---

[1] الفائق ار ۵۵ والحدیث باختلاف الفاظ فی مسلم واحمد عن کعب بن مالک والدارقطنی عن انسؓ وعبداللہ بن حذافۃ السہمی والنسائی عن ابی مسعود بن الحکم عن امہ ومعناہ النہی فی ایام التشریق عن صیامہا وفی روایۃ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فی یوم العید خاصۃ الا ان المؤلف فہم ان وزانہا وذان یومی عید فاطلق الحدیث واللہ اعلم ۱۲

سے ہوں۔

اَلْعُوْدُ بعض نے کہا ہے کہ عُوْد اصل میں اس لکڑی کو کہتے ہیں جسے اگر کاٹ دیا جائے تو اس میں دوبارہ بڑھنے کی قوت ہو پھر یہ لفظ خاص کر مزمار یعنی ستار یا اس لکڑی پر بولا جانے لگا ہے جس سے دھونی دی جائے۔

(ع و ذ)

اَلْعَوْذُ (ن) کے معنی ہیں کسی کی پناہ لینا اور اس سے چمٹے رہنا۔ محاورہ ہے:۔
عَاذَ فُلَانٌ بِفُلَانٍ فلاں نے اس کی پناہ لی اس سے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ (۲-۶۷) کہ میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ نادان بنوں۔
وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ (۴۴-۲۰) اور اس بات سے کہ تم مجھے سنگسار کرو اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔
قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (۱۱۳-۱) کہو کہ میں صبح کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔
اِنِّيْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ (۱۹-۱۸) میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔
اور اَعَذْتُهٗ بِاللّٰهِ اُعِيْذُهٗ کے معنی دوسرے کو اللہ کی پناہ میں دینے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
اِنِّيْ اُعِيْذُهَا بِكَ (۳-۳۶) میں اس کو ۔ ۔ ۔ ۔ تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ اور آیت کریمہ:۔
مَعَاذَ اللّٰهِ (۱۲-۲۳) کہ خدا پناہ میں رکھے۔
کے معنی یہ ہیں کہ ہم اللہ کی پناہ لیتے ہیں اور اس قسم کے برے کام سے بچنے کے لئے اس سے مدد مانگتے ہیں کیونکہ یہ گناہ کا کام ہے جس کے ارتکاب سے ہمیں کنارہ کش رہنا چاہیئے۔

اَلْعُوْذَةُ اصل میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ کسی چیز سے بچاؤ حاصل کیا جائے اسی سے تمیمۃ یعنی تعویذ اور رُقْيَة یعنی دم جھاڑ کو عُوْذَةٌ کہا جاتا ہے اور عَوَّذَهٗ کے معنی کسی کو (خطرہ سے) بچانے کے ہیں اور ہر وہ مادہ جس نے حال ہی میں بچہ دیا ہو اسے سات دن تک عَائِذٌ کہا جاتا ہے۔

(ع و ر)

اَلْعَوْرَةُ انسان کے مقام ستر کو کہتے ہیں مگر اس کے یہ معنی کنائی ہیں اصل میں یہ عار سے مشتق ہے اور مقام ستر کے کھلنے سے بھی چونکہ عار محسوس ہوتی ہے اس لئے اسے عَوْرَة کہا جاتا ہے اور عورت کو بھی عورت اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے بے ستر رہنے کو باعث عار سمجھا جاتا ہے اسی سے بری بات کو عوراء کہا جاتا ہے۔
عَوِرَتْ عَيْنُهٗ عَوَرًا وَعَارَتْ عَيْنُهٗ عَوْرًا اسکی ایک آنکھ کی بینائی جاتی رہی عَوَّرْتُهَا میں نے اسے بھینگا کر دیا۔ اسی سے بطور استعارہ عَوَّرْتُ الْبِئْرَ کا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں مٹی ڈال ڈال کر کنوئیں کا پانی خشک کر دینا اور مجازاً نظر کی تیزی کی وجہ سے کوے کو اَلْاَعْوَرُ کہا جاتا ہے جیسے کسی لفظ کو اس کی ضد میں استعمال کر لیتے ہیں چنانچہ شاعر نے کہا ہے[1] (الخفیف)

(۳۲۴) وَصِحَاحُ الْعُيُوْنِ يُدْعَيْنَ عُوْرًا

---

[1] قال الکمیت وصدرہ، (۱) الجوار التمام ذو السر منهم ۔ ق ۔ ۔ ۔ ۔ وفی المطبوع یدعون مصحف والتصویب من الراجح والبیت فی المحاضرات للمؤلف

(۳۲۴) ب (۱) للمعانی للقتبی ۲۵۸ والجوزی اللسان والتاج (عور) بغیر عزو وقبله نطعم الجیال الهبید من الکوم ولم ندم من لشیط الجذور ا ۔

تندرست آنکھوں والے آدمی کو نکا بھینگا کہا جاتا ہے۔
اَلْعَوَارُ وَالْعَوْرَۃُ کے معنی کپڑے یا مکان وغیرہ میں شگاف کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَۃٌ وَّمَا ھِیَ بِعَوْرَۃٍ (۳۳-۱۳) کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں حالانکہ وہ کھلے نہیں تھے۔
یعنی ان میں جگہ جگہ رخنے پڑے ہوئے ہیں جن میں سے جو چاہے ان کے اندر گھس سکتا ہے اسی سے محاورہ ہے۔ فُلَانٌ یَحْفَظُ عَوْرَتَہٗ کہ فلاں اپنے خلل کی حفاظت کرتا ہے اور آیت کریمہ:۔
ثَلٰثُ عَوْرَاتٍ لَّکُمْ (۲۴-۵۸) (یہ) تین (وقت) تمہارے پردے کے ہیں۔
میں ثَلٰثُ عَوْرَاتٍ سے پردہ کے تین اوقات مراد ہیں یعنی دوپہر کے وقت، عشا کی نماز کے بعد اور صبح کی نماز سے پہلے اور آیت کریمہ:۔
لَمْ یَظْھَرُوْا عَلٰی عَوْرَاتِ النِّسَآءِ (۲۴-۳۱) (یا ایسے لڑکوں سے) جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں۔
سے مراد نابالغ لڑکے ہیں جن میں ہنوز جنسیات کے متعلق باتوں کا شعور پیدا نہ ہوا ہو۔ سَھْمٌ عَائِرٌ وہ تیر جو نامعلوم طرف سے آئے لِفُلَانٍ عَائِرَۃٌ مِنَ الْمَالِ فلاں کے پاس اتنا زیادہ مال ہے کہ اس کی فراوانی آنکھ کو حیرت زدہ اور خیرہ کر دیتی ہے[1]۔
اَلْمُعَاوَرَۃُ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی مستعار لینے کے ہیں اور اسی سے عَارِیَۃٌ بروزن فَعْلِیَۃٌ ہے۔ اسی سے کہا جاتا ہے۔ تَعَاوَرُوا الْعَوَارِیَّ استعمال کی چیزیں باہم لینا دینا بعض نے کہا ہے کہ یہ عار سے مشتق ہے چونکہ کوئی چیز مستعار دیکر اسکا واپس لینا بھی موجب عار سمجھا جاتا ہے اس لئے اسے عَارِیَۃٌ کہا جاتا ہے مثل مشہور ہے کہ عَارِیَۃٌ (مستعار لی ہوئی چیز) سے کسی نے دریافت کیا کہ کدھر جارہی ہو تو اس نے کہا میں اپنے اہل کے لئے مذمت اور عار لینے جارہی ہوں۔ بعض نے کہا ہے کہ عَارِیَۃٌ کا مادہ واوی ہے جیسا کہ تَعَاوَرْنَا کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے اور عَائِرٌ کا مادہ یائی ہے جیسا کہ عَیَّرْتُہٗ بِکَذَا کے محاورہ سے معلوم ہوتا ہے۔

(ع و ق)

اَلْعَائِقُ وہ جو لوگوں کو خیر اور بھلائی سے روکنے والا ہو لوگوں کو ان کے مقاصد سے روک کر اپنی طرف متوجہ کریں اور عَاقَہٗ عَوْقَہٗ وَاعْتَاقَہٗ اس نے اسے روک دیا قرآن میں ہے:۔
قَدْ یَعْلَمُ اللّٰہُ الْمُعَوِّقِیْنَ (۳۳-۱۸) خدا تم میں سے ان لوگوں کو بھی جانتا ہے جو لوگوں کو منع کرتے ہیں۔
یعنی جو لوگوں کو بھلے کاموں سے روکتے اور منع کرتے ہیں۔ رَجُلٌ عَوْقٌ وَعَوْقَۃٌ جو لوگوں کو بھلے کاموں سے روکے۔
یَعُوْقُ (۷۱-۲۳) قبیلہ بنی کنانہ اور حضرت نوحؑ کی قوم کے (ایک بت کا نام تھا)۔

(ع و ل)

عَالَہٗ وَغَالَہٗ کے قریب قریب ایک ہی معنی ہیں لیکن اَلْغَوْلُ کا لفظ اس چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ جو انسان کو ہلاک کر ڈالے

---

[1] انظر المثل المیدانی ۲/۲۷ و فی تاویلہ اختلاف اخترنا منہ تاویل ابی حاتم ۱۲

اور اَلْعَوْلُ ہر اس چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے جو انسان کو گرانبار کر دے اور اس کے بوجھ تلے وہ دب جائے۔ محاورہ ہے۔

مَا عَالَكَ فَهُوَ عَائِلٌ لِی کہ جو چیز تجھ پر بار ہے وہ مجھ پر بھی گراں بار ہے اور اسی سے عَوْلٌ ہے جس کے معنی حق استحقاق سے زیادہ لے کر بے انصافی کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

ذَالِكَ اَدْنیٰ اَنْ لَّا تَعُوْلُوْا۔ (۴-۳) اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے۔[1]

اور اسی سے عَالَتِ الْفَرِيْضَةُ کا محاورہ ہے جس کے معنی ترکہ کی تقسیم کے وقت وارثوں کے مقررہ حصے دینے کے بعد کچھ مال بچ جانے کے ہیں۔ اَلتَّعْوِيْلُ کے معنی کسی مشکل کام میں دوسروں پر اعتماد کرنے کے ہیں اسی سے عَوْلٌ ہے جس کے معنی بھاری مصیبت کے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے:۔

وَيْلَهٗ وَعَوْلَهٗ ہائے اس کی مصیبت اور اسی سے اَلْعِيَالُ یعنی وہ افراد جن کے اخراجات کا انسان ذمہ دار ہو جن کے بوجھ کے نیچے دبا ہوا اس کا مفرد عَيِّلٌ ہے عَالَهٗ اس نے فلاں کے اخراجات کا بوجھ اٹھایا اسی سے علیہ السلام کا فرمان ہے[2] (۵۳) اِبْدَاْ بِنَفْسِكَ ثُمَّ بِمَنْ تَعُوْلُ کہ پہلے اپنی ذات پر خرچ کرو اور پھر ان پر جن کے اخراجات تمہارے ذمہ ہیں اَعَالَ الرَّجُلُ وہ آدمی کثیر العیال ہو گیا۔

(ع و م)

اَلْعَامُ (سال) اور اَلسَّنَةُ کے ایک ہی معنی ہیں۔ لیکن اَلسَّنَةُ کا لفظ عموماً اس سال پر بولا جاتا ہے جس میں تکلیف یا خشک سالی ہو اس بنا پر قحط سالی کو سَنَةٌ سے تعبیر کر لیتے ہیں اور عَامٌ اس سال کو کہا جاتا ہے جس میں وسعت اور فراوانی ہو قرآن میں ہے:۔

عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ (۱۲-۴۹) اس کے بعد ایک ایسا سال آئیگا جس میں خوب بارش ہوگی اور لوگ اس میں نچوڑیں گے۔ اور آیت کریمہ:۔

فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا (۲۹-۱۴) تو وہ ان میں پچاس برس کم ہزار برس رہے۔

میں لفظ سَنَةٌ کو مستثنیٰ منہ اور لفظ عَامٌ کو مستثنیٰ لانے میں ایک لطیف نکتہ ہے جسے ہم اس کتاب کے بعد کسی دوسرے موقع پر بیان کریں گے انشاءاللہ

اور عَوْمٌ (ن) کے معنی پانی میں تیرنا بھی آتے ہیں چنانچہ بعض نے کہا ہے کہ سال کو بھی عَامٌ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس مدت میں سورج اپنے تمام بروج میں تیر لیتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔

---

[1] من العول المقابل للعدل یقال عال الحاکم اذا جار وعال المیزان اذا مال من جانب الی جانب وایضا عال الرجل اذا کثرت عیالہ و به قال الشافعی فی تفسیر الآیة والنقد علیه من الحریری فی درته من سوء الادب فان الشافعی اعلم باللغة منه ومن اضرابه راجع الجمل از ۴۲۶ وروح المعانی ۴/۱۷۵ وشرح الدرة للخفاجی ۲۰۵-۲۰۶ ۵۲ والخبر فی الدرة للحریری قال الخفاجی فی شرحه ۲۰۵-۲۰۶ هو بعض حدیث

[2] رواه الطبرانی والحدیث فی الاصل ملفق اما لفظ "ابدأ بنفسک" فرواه فی رصب (ن، عن جابر) وفی روایة عنه فلیبدأ بنفسه (حم، د، ت) ولم یرو الا جابر اما لفظة "وابدأ بمن تعول" فهو فی حدیث "الید العلیا خیر" وفی خیر الصدقة ما کان عن ظهر غنی" اورده هما بجمیع الطرق علی المتقی فی کنزه ج ۶ رقم ۲۱۶-۲۲۱۔

وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ (۳۶-۴۰) سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔
میں یَسْبَحُوْنَ کے لفظ سے اس توجیہ کی تائید ہوتی ہے۔

(ع و ن)

اَلْعَوْنُ (کے معنی کسی کی مدد اور پشت پناہی کرنا کے ہیں) نیز عَوْنٌ مددگار کہا جاتا ہے۔
فُلَانٌ عَوْنِیْ: یعنی فلاں میرا مددگار ہے قَدْ اَعَنْتُہٗ (افعال) میں نے اس کی مدد کی۔ قرآن میں ہے:۔
فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّۃٍ (۱۸-۹۵) تم مجھے قوت (بازو) سے مدد دو۔
وَاَعَانَہٗ عَلَیْہِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ (۲۵-۴) اور دوسرے لوگوں نے اس میں اس کی مدد کی۔
اَلتَّعَاوُنُ ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ قرآن میں ہے:۔
تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۵-۲) نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔
اَلْاِسْتِعَانَۃُ مدد طلب کرنا قرآن میں ہے:۔
اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ (۲-۴۵) صبر اور نماز سے مدد لیا کرو۔
اَلْعَوَانُ ادھیڑ عمر کو کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
عَوَانٌ بَیْنَ ذٰلِکَ (۲-۶۸) بلکہ ان کے بین بین یعنی ادھیڑ عمر کی۔
اور کبھی بطور کنایہ کے عمر رسیدہ عورت کو بھی عَوَانٌ کہہ دیا جاتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[1] (البسیط)

(۳۲۵) فَاِنْ اَتَوْکَ فَقَالُوْا اِنَّہَا نَصَفٌ
فَاِنَّ اَمْثَلَ نِصْفَیْہَا الَّذِیْ ذَہَبَا

اگر تمہارے پاس آکر کہیں کہ ادھیڑ عمر ہے تو تم کہو اس کی عمر کا بہترین حصہ تو گزر چکا ہے۔
اور استعارۃ جو جنگ کئی سال تک جاری رہے اور پرانی ہو جائے اسے بھی عَوَانٌ کہا جاتا ہے نیز پرانی کھجور کو بھی عَوَانَۃٌ کہہ دیتے ہیں۔
اَلْعَانَۃُ گور خر اس کی جمع عَانَاتٌ وَعُوْنٌ ہے اَلْعَانَۃُ موئے زہار اس کی تصغیر عُوَیْنَۃٌ ہے۔

(ع ی ب)

اَلْعَیْبُ وَالْعَابُ نقص اور خرابی، ہر وہ حالت جس سے کسی چیز میں نقص پیدا ہو جائے اور عِبْتُہٗ کے معنی ہیں میں نے اسے عیب دار کر دیا جیسے فرمایا:۔
فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَہَا (۱۸-۷۹) تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں۔
نیز عِبْتُہٗ کسی چیز کی مذمت کرنے اور اس کا عیب ظاہر کرنے پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے عِبْتُ فُلَانًا (میں نے اس کی مذمت کی)
اور عَیْبَۃٌ (بیگ) ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس میں کوئی چیز چھپا کر رکھی جائے اسی سے

---

[1] البیت۔ فی اللسان والتاج بغیر عزو وفی روایۃ اطیب بدل امثل وغبر بدل ذہبا والبیت ایضا فی المحاضرات للمؤلف (۲: ۲۰۳) والحماسۃ مع المرزوقی رقم ۸۰۰ مع آخر وفی التبریزی "وان" بدل فان واختلف فی تسویۃ نفی الحماسۃ قبلہ۔ لا تنکحن عجوزا وان اتوک بہا۔ واخلع ثیابک منہ ضعفا ہربا۔ وفی اللسان وفیہ اقواء۔ لا تنکحن عجوزا او مطلقۃ۔ ولا یسوقنہا فی حبلک القدر

علیہ السلام کا فرمان ہے[1] (۴ ۵) اَلْاَنْصَارُ كُرْشِيْ وَعَيْبَتِيْ کہ انصار میرے مخزن اسرار ہیں۔

(ع ی ر)

اَلْعِيْرُ قافلہ جو غذائی سامان لاد کر لاتا ہے اصل میں یہ لفظ غلہ بردار اونٹوں اور ان کے ساتھ جو لوگ ہوتے ہیں ان کے مجموعہ پر بولا جاتا ہے مگر کبھی اس کا استعمال صرف ان اونٹوں پر ہوتا ہے جو غذائی سامان اٹھا کر لاتے ہیں اور کبھی ان لوگوں پر بولا جاتا ہے جو کہیں سے غذائی سامان لاتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

فَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ (۱۲-۹۴) جب قافلہ مصر سے روانہ ہوا۔

اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسَارِقُوْنَ (۱۲-۷۰) کہ قافلے والو! تم تو چور ہو۔

وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا (۱۲-۸۲) اور جس قافلے میں ہم آئے۔

اور عَيْرٌ کا لفظ متعدد معنوں میں استعمال ہوتا ہے (۱) گورخر (۲) پاؤں کی پشت پر ابھری ہوئی ہڈی (۳) آنکھوں کی پتلی۔ (۴) کان کی پچھلی طرف ابھری ہوئی نرم ہڈی (۵) خس وخاشاک جو پانی کے اوپر جمع ہو جاتا ہے (۶) میخ (۷) تیر کے پھل کا درمیانی حصہ جو اوپر ابھرا ہوا ہوتا ہے الغرض گو عَيْرٌ کا لفظ ان سب معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مگر ان معانی میں باہم مناسبت بیان کرنا تکلف اور تعسف سے خالی نہیں۔

اَلْمِعْيَارُ ناپ یا تول جانچنے کا معیار۔ اسی سے محاورہ ہے عَيَّرْتُ الدَّنَانِيْرَ اشرفیوں کو کسوٹی پر پرکھنا عَيَّرْتُهُ میں نے اس کی مذمت کی۔ یہ عَارٌ سے مشتق ہے۔ تَعَايَرَ بَنُوْ فُلَانٍ انہوں نے ایک دوسرے کو عار دلائی یا ایک دوسرے کے عیب بیان کئے۔ بعض نے کہا ہے کہ دراصل تَعَايَرَ کے معنی ہیں گورخر کی طرح ایک دوسری سے دور بھاگنا اور بدکنا اور اسی سے عَادَتِ الدَّابَّةُ تَعِيْرُ کا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں جانور کا بدک کر بھاگ جانا۔ کہا جاتا ہے۔ فُلَانٌ عَيَّارٌ فلاں آوارہ گرد یا غنڈہ ہے۔

(ع ی س)

عِيْسٰى (۳-۴۵-۴۵) یہ ایک پیغمبر کا نام اور اسم علم ہے اگر یہ لفظ عربی الاصل مان لیا جائے تو ہوسکتا ہے کہ یہ اس عِيْسٌ سے ماخوذ ہو جو کہ اَعْيَسُ کی جمع ہے اور اس کی مؤنث عَيْسَاءُ ہے اور عِيْسٌ کے معنی ہیں سفید اونٹ جن کی سفیدی میں قدرے سیاہی کی آمیزش ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عَيْسٌ سے مشتق ہو جس کے معنی سانڈ کے مادہ منویہ کے ہیں اور بَعِيْرٌ اَعْيَسُ وَنَاقَةٌ عَيْسَاءُ جمع عِيْسٌ اور عَاسَهَا يَعِيْسُهَا کے معنی ہیں نر کا مادہ سے جفتی کھانا۔

(ع ی ش)

اَلْعَيْشُ خاص کر اس زندگی کو کہتے ہیں جو حیوان میں پائی جاتی ہے اور یہ لفظ اَلْحَيَاةُ سے اخص ہے کیونکہ الحیاۃ کا لفظ حیوان، باری تعالیٰ اور ملائکہ

---

[1] کلمۃ من حدیث فی الفائق ۲/ ۷ ۱۵ رواہ النسائی عن اسید بن حضیر والنسی والترمذی والبخاری ومسلم عن انس بن مالک وقال الترمذی ہذا حدیث حسن صحیح وتتمتہ: ولولا الہجرۃ لکنت امرأ من الانصار (راجع غریب ابی عبید ۱/ ۱۳۷)

سب کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ اور اَلْعَیْشُ سے لفظ اَلْمَعِیْشَۃُ ہے جس کے معنی ہیں سامان زیست کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں جن پر زندگی بسر کی جاتی ہے قرآن میں ہے:۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (۴۳-۳۲) ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا۔

مَعِیْشَۃً ضَنْكًا (۲۰-۱۲۴) اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ (۱۵-۲۰) اور ہم ہی نے تمہارے لئے اس میں زیست کے سامان پیدا کر دیئے۔

لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ .... (۷-۱۰) تمہارے لئے اس میں سامان زیست۔

اور اہل جنت کے متعلق فرمایا: فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ (۱۰۱-۷) وہ دل پسند عیش میں ہوگا۔

اور (علیہ السلام نے فرمایا[۱] (۵۵) لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَةِ کہ حقیقی زندگی تو آخرت کی زندگی ہی ہے۔

(ع ی ل)

اَلْعَیْلَةُ کے معنی فقر و فاقہ کے ہیں قرآن میں ہے:۔

وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً (۹-۲۸) اگر تم کو مفلسی کا خوف ہو۔

عَالَ الرَّجُلُ یَعِیْلُ وہ آدمی محتاج اور ضرورت مند ہو گیا۔ عَائِلٌ محتاج۔ ضرورت مند مگر اَعَالَ (افعال) جس کے معنی کثیر العیال ہونے کے ہیں اجوف واوی (ع و ل) سے ہے۔ اور آیت:۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰى (۹۳-۸) اور تجھے ضرورت مند پایا تو غنی کر دیا۔

میں عَائِلًا کے معنی ہیں تجھ سے فقر نفس کو دور کر کے تجھے غنائے اکبر عطا کی چنانچہ آپؐ نے اس غنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا[۲] (۵۶) اَلْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ (کہ اصل غنی تو نفس کی بے نیازی ہے۔ کہا جاتا ہے۔

مَا عَالَ مُقْتَصِدٌ اعتدال سے خرچ کرنے والا کبھی فقیر نہیں ہوتا۔ مگر بعض نے آیت کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی رحمت اور عفو کا محتاج پا کر تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے اور تجھے اپنی مغفرت سے بہرہ وافر عطا فرما کر غنی کر دیا۔

(ع ی ن)

اَلْعَیْنُ کے معنی آنکھ کے ہیں قرآن میں ہے:۔

اَلْعَیْنَ بِالْعَیْنِ (۵-۴۵) آنکھ کے بدلے آنکھ۔

لَطَمَسْنَا عَلٰٓی اَعْیُنِهِمْ (۳۶-۶۶) ان کی آنکھوں کو مٹا کر (اندھا) کر دیں۔

وَاَعْیُنُهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ (۵-۸۳) ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَلَكَ (۲۸-۹) (یہ) میری اور

---

[۱] الحدیث صدر البیت الذی تمثل بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الخندق الا ان فی الصحیحین:۔ لاہم ان العیش عیش الآخرۃ۔ فارحم الانصار والمہاجرہ والرجز لرجل من المسلمین ورد ی: اللہم لاخیر الاخیرۃ فانصر الانصار والمہاجرہ وفی روایۃ فاغفر وفی روایۃ فاغفر روایۃ فاکرم انظر تخریج العراقی ۲/۴/۲۷ وایضاً فی حجۃ الوداع رواہ الشافعی مرسلا والحاکم متصلا (تخریج العراقی ۴/۱۰۳)

[۲] واصل الحدیث متفق علیہ ورواہ الترمذی من حدیث ابی ہریرۃ وقال حسن صحیح ۲/۶۰ وابن حبان فی مسندہ ۲۵۲۰

تمہاری دونوں کی، آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔
کَیْ تَقَرَّ عَیْنُھَا (۲۰-۴۰) تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں
اور عَیْنٌ کے معنی شخص اور کسی چیز کا محافظ کے
بھی آتے ہیں اور فُلَانٌ بِعَیْنِیْ کے معنی ہیں۔ فلاں
میری حفاظت اور نگہبانی میں ہے جیسا کہ ھُوَ
بِمَرْأًی مِنِّیْ وَمَسْمَعٍ کا محاورہ ہے۔ قرآن میں ہے:
فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا (۵۲-۴۸) تم تو ہماری آنکھوں
کے سامنے ہو۔
تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا (۵۴-۱۴) وہ ہماری آنکھوں
کے سامنے چلتی تھی۔
وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ (۲۰-۳۹) اور اس لئے کہ
تم میرے سامنے پرورش پاؤ۔
اور اسی سے عَیْنُ اللّٰہِ عَلَیْكَ ہے جس کے
معنی ہیں اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت اور نگہداشت
فرمائے۔ یا اللہ تعالیٰ تم پر اپنے نگہبان فرشتے
مقرر کرے جو تمہاری حفاظت کریں اور اَعْیُنٌ
وَعُیُوْنٌ دونوں عین کی جمع ہیں۔ قرآن میں ہے:
وَلَا اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْ اَعْیُنُکُمْ (۱۱-۳۱)
اور نہ ان کی نسبت جن کو تم حقارت کی نظر سے
دیکھتے ہو یہ کہتا ہوں کہ۔
رَبَّنَا ھَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ
اَعْیُنٍ .... (۲۵-۷۴) اے ہمارے
پروردگار ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے دل
کا چین اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک
عطا فرما۔
اور استعارہ کے طور پر عَیْنٌ کا لفظ کئی معنوں
میں استعمال ہوتا ہے جو مختلف اعتبارات سے
آنکھ میں پائے جاتے ہیں۔
(۱) مشکیزہ کے سوراخ کو عَیْنٌ کہا جاتا ہے
کیونکہ وہ ہیئت اور اس سے پانی بہنے کے اعتبار
سے آنکھ کے مشابہ ہوتا ہے۔ پھر اس سے اشتقاق
کے ساتھ کہا جاتا ہے۔
سِقَاءٌ عَیِّنٌ وَمُتَعَیِّنٌ پانی کی مشک جس سے
پانی ٹپکتا ہو عَیَّنْتُ قِرْبَتَكَ اپنی نئی مشک میں
پانی ڈالو تاکہ تر ہو کر اس میں سلائی کے سوراخ بھر جائیں۔
(۲) جاسوس کو عَیْنٌ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ دشمن
پر آنکھ لگائے رہتا ہے جس طرح کہ عورت کو فَرْجٌ
اور سواری کو ظَھْرٌ کہا جاتا ہے کیونکہ ان دونوں
سے مقصود یہی دو چیزیں ہوتی ہیں چنانچہ محاورہ ہے۔
فُلَانٌ یَمْلِكُ کَذَا فَرْجًا وَکَذَا ظَھْرًا
(فلاں کے پاس اس قدر لونڈیاں اور اتنی سواریاں ہیں۔
(۳) عین بمعنی سونا بھی آتا ہے کیونکہ یہ جواہر میں
افضل سمجھا جاتا ہے جیسا کہ اعضاء میں آنکھ سب
سے افضل ہوتی ہے اسی سے افاضل قوم کو
اَعْیَانٌ کہا جاتا ہے اور ماں باپ دونوں کی طرف
سے حقیقی بھائیوں کو اَعْیَانُ الْاِخْوَۃِ کہا جاتا ہے۔
(۴) بعض نے کہا ہے کہ عَیْنٌ کا لفظ جب ذات
شے کے معنی میں استعمال ہو جیسے کُلُّ مَالِہٖ عَیْنٌ
تو یہ معنی مجازی ہوگا جیسا کہ غلام کو رَقَبَۃٌ (گردن)
کہہ دیا جاتا ہے اور عورت کو فَرْجٌ (شرمگاہ)
کہہ دیتے ہیں کیونکہ عورت سے مقصود ہی یہی جگہ
ہوتی ہے۔
(۵) پانی کے چشمہ کو بھی عَیْنٌ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ
اس سے پانی ابلتا ہے جس طرح کہ آنکھ سے آنسو
جاری ہوتے ہیں اور عَیْنُ الْمَاءِ سے مَاءٌ مَعِیْنٌ
کا محاورہ لیا گیا ہے۔ جس کے معنی جاری پانی کے
ہیں جو صاف طور پر چلتا ہوا دکھائی دے۔ اور
عَیْنٌ کے معنی جاری چشمہ کے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

عَيۡنًا فِيۡهَا تُسَمّٰى سَلۡسَبِيۡلًا (۷۶-۱۸) یہ بہشت میں ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل ہے۔

وَفَجَّرۡنَا الۡاَرۡضَ عُيُوۡنًا (۵۴-۱۲) اور زمین میں چشمے جاری کر دیئے۔

فِيۡهِمَا عَيۡنٰنِ تَجۡرِيٰنِ (۵۵-۵۰) ان میں دو چشمے بہ رہے ہیں۔

عَيۡنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ (۵۵-۶۶) دو چشمے ابل رہے ہیں۔

وَاَسَلۡنَا لَهٗ عَيۡنَ الۡقِطۡرِ (۳۴-۱۲) اور ان کیلئے ہم نے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا۔

فِيۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ (۱۵-۴۵) باغ اور چشموں میں۔

مِنۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ وَّزُرُوۡعٍ (۴۴-۲۵، ۲۶) باغ اور چشمے اور کھیتیاں۔

عِنۡتُ الرَّجُلَ کے معنی ہیں میں نے اس کی آنکھ پہ مارا جیسے رَأَسۡتُهٗ کے معنی ہوتے ہیں میں نے اس کے سر پر مارا اور فَأَدۡتُهٗ میں نے اس کے دل پر مارا نیز عِنۡتُهٗ کے معنی ہیں میں نے اسے نظر بد لگا دی جیسے سِفۡتُهٗ کے معنی ہیں میں نے اسے تلوار سے مارا یہ اس لئے کہ اہل عرب کبھی تو اس عضو سے فعل مشتق کرتے ہیں جس پر مارا جاتا ہے اور کبھی اس چیز سے جو مارنے کا آلہ ہوتی ہے جیسے سِفۡتُهٗ وَرَمَحۡتُهٗ چنانچہ يَدَيۡتُهٗ کا لفظ ان ہر دو معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی میں نے اسے اپنے ہاتھ سے مارا یا اس کے ہاتھ پر مارا اور عِنۡتُ الۡبِئۡرَ کے معنی ہیں کنواں کھودتے کھودتے اس کے پانی کے چشمہ تک پہنچ گیا قرآن میں ہے:۔

اِلٰى رَبۡوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيۡنٍ (۲۳-۵۰) ایک اونچی جگہ پہ جو رہنے کے لائق تھی اور بہتا ہوا پانی جاری تھا۔

فَمَنۡ يَّاۡتِيۡكُمۡ بِمَآءٍ مَّعِيۡنٍ (۶۷-۳۰) تو (سوائے خدا کے) کون ہے جو تمہارے لئے شیریں پانی کا چشمہ بہا لائے۔

بعض نے کہا ہے کہ مَعِيۡنٌ میں لفظ میم حروف اصلیہ سے ہے اور یہ مَعَنۡتُ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کا سہولت سے چلنا یا بہنا اور عَيۡن کا لفظ بطور استعارہ ترازو کے جھکاؤ پر بھی بولا جاتا ہے اور وحشی گائے کو آنکھ کی خوب صورتی کی وجہ سے اَعۡيَنُ وَعَيۡنَآءُ کہا جاتا ہے اس کی جمع عِيۡنٌ ہے پھر گاؤ ان وحشی کے ساتھ تشبیہ دے کر خوبصورت عورتوں کو بھی عِيۡنٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ عِيۡنٌ (۳۷-۴۸) جو نگاہیں نیچی رکھتی ہوں (اور) آنکھیں بڑی بڑی۔

وَحُوۡرٌ عِيۡنٌ (۵۶-۲۲) اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں۔

(ع ی ی)

اَلۡاِعۡيَآءُ کے معنی اس درماندگی اور تکان کے ہیں جو چلنے سے پیدا ہو جاتی ہے اور عِيٌّ کے معنی کسی کام یا بات کو نہ کر سکنا کے ہوتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

اَفَعَيِيۡنَا بِالۡخَلۡقِ الۡاَوَّلِ (۵۰-۱۵) کیا ہم پہلی تخلیق سے تھک گئے ہیں۔

وَلَمۡ يَعۡىَ بِخَلۡقِهِنَّ (۴۶-۳۳) اور ان کے پیدا کرنے سے تھکا نہیں اور اسی سے ہے عَيَّ فِيۡ مَنۡطِقِهٖ عِيًّا فَهُوَ عَيٌّ ہے جس کے معنی سخن سے عاجز ہونے کے ہیں رَجُلٌ عَيَايَآءُ طَبَاقَآءُ مرد جو سخن اور کام کرنے سے عاجز ہو دَآءٌ عَيَآءٌ لا علاج مرض۔

کتاب الغین

(غ ب ر)

اَلْغَابِرُ اسے کہتے ہیں جو ساتھیوں کے چلے جانے کے بعد پیچھے رہ جائے چنانچہ آیت کریمہ: اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغَابِرِيْنَ (۲۶-۱۷۱) مگر ایک بڑھیا کہ پیچھے رہ گئی۔

کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے غابرین سے عمر رسیدہ لوگ مراد ہیں اور بعض نے اس سے پیغمبر کے مخالفین لوگ مراد لئے ہیں جو (سدوم میں) پیچھے رہ گئے تھے اور لوط علیہ السلام کے ساتھ نہیں گئے تھے بعض نے عذاب الٰہی میں گرفتار ہونیوالے لوگ مراد لئے ہیں۔ علاوہ ازیں ایک مقام پر: اِلَّا امْرَءَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِيْنَ (۲۹-۳۳) بجز ان کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی۔ اور دوسرے مقام پر: قَدَّرْنَا اِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِيْنَ (۱۵-۶۰) اس کے لئے ہم نے ٹھہرا دیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جائے گی۔

فرمایا ہے اور اسی سے غُبْرَةٌ ہے جس کے معنی تھنوں میں باقی ماندہ دودھ کے ہیں اس کی جمع اَغْبَارٌ آتی ہے غُبَّرُ اللَّيْلِ رات کا بقیہ۔ غُبَّرُ الْحَيْضِ حیض کا بقیہ۔

اَلْغُبَارُ (مٹی اڑنے کے بعد جو گرد و غبار فضا میں) باقی رہ جاتا ہے اسے غبار کہا جاتا ہے یہ دُخَانٌ اور عُثَانٌ وغیرہما (فعال) کے وزن پر ہے جو کہ بقیہ شے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اَغْبَرَ الْغُبَارُ کے معنی ہیں گرد و غبار بلند ہونا اور اڑنا۔

بعض نے کہا ہے کہ غَابِرٌ کا لفظ ماضی اور باقی (مستقبل) دونوں پر بولا جاتا ہے اس قول کو صحیح مان لینے کی صورت میں یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ غبار بھی چونکہ زمین سے اٹھ کر اوپر چڑھ جاتا ہے اس لحاظ سے غَابِرٌ بمعنی ماضی آجاتا ہے اور دوڑتے ہوئے چونکہ غبار پیچھے باقی رہ جاتا ہے اس لحاظ سے غَابِرٌ بمعنی باقی یعنی مستقبل آجاتا ہے۔ اور غبار سے غَبَرَةٌ مشتق ہے اور اس کے معنی یا تو اس گرد و غبار کے ہیں جو کسی چیز پر جم جاتا ہے اور خاکستری رنگ کی چیز کو بھی غُبْرَةٌ کہا جاتا ہے اور آیت: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ (۸۰-۴۰) اور کتنے منہ ہوں گے جن پر گرد پڑی رہی ہوگی۔

میں بطور کنایہ حسرت آگیں چہرے سے مراد ہیں جو غم کے باعث افسردہ نظر آئیں گے جس طرح کہ ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا (۱۶-۵۸) میں چہرے کے سیاہ پڑنے سے غمناک ہونا مراد ہے کہا جاتا ہے

غَبَرَ، غَبَرَۃً وَاغْبَرَّ وَاغْبَارَّ غبار آلودہ ہونا اور طرفہ کے شعر[1] (الطویل)

(۳۲۶) رَأَیْتُ بَنِیْ غَبْرَاءَ لَا یُنْکِرُوْنَنِیْ

فقراء اور مہمان مجھے اجنبی خیال نہیں کرتے ہیں اور نہ اغنیاء مجھ سے ناواقف ہیں۔

میں بَنِیْ غَبْرَاءَ سے ریگستانوں میں رہنے والے لوگ مراد ہیں[2] جو ہر وقت غبار آلود رہتے ہیں جیسا کہ بنوالسبیل سے مراد مسافر ہوتے ہیں۔ اور دَاهِیَةٌ غَبْرَاءُ (بڑی مصیبت) کا محاورہ یا تو غَبَرَ الشَّیْءُ سے ماخوذ ہے جس کے معنی غبار میں واقع ہونے کے ہیں گویا مصیبت بھی انسان کو غبار آلود کر دیتی ہے (اور ہوش سنبھلنے نہیں دیتی) اور یا یہ غُبُوْرٌ سے مشتق ہے جس کے باقی رہنے کے ہیں اس اعتبار سے غَبْرَاءُ اس مصیبت کو کہا جائیگا جو باقی رہے اور گزرنے نہ پائے اور یا یہ غُبْرَۃٌ اللَّوْنِ سے مشتق ہے جس طرح کہ دَاهِیَةٌ زَبَّاءُ کا محاورہ ہے اور یا غُبْرَۃُ اللَّبَنِ سے جس کے معنی تھنوں میں بقیہ دودھ کے ہیں اور ان سابقہ اشتقاقات کے اعتبار سے غَبْرَاءُ اس مصیبت کو کہا جائے گا جو گزر جانے کے بعد بھی اپنا اثر چھوڑ جائے اور یا یہ عِرْقٌ غَبِرٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی پیہم تڑپنے والی رگ کے ہیں چنانچہ جاتا ہے (غَبِرَ الْعِرْقُ) رگ پھڑکی۔

اَلْغُبَیْرَاءُ نوع از گیاہ ریگستانی۔ ثمرہ گیاہ جو غبار کے رنگ پر ہوتا ہے۔

(غ ب ن)

اَلْغَبْنُ (ض) کے معنی باہمی معاملہ میں پوشیدہ طور پر اپنے ساتھی کا حق مارنے کے ہیں[3] اگر یہ کمی مال وغیرہ میں ہو تو غَبَنَ فُلَانٌ کہا جاتا ہے اور اگر رائے وغیرہ میں ہو تو غَبِنَ کہتے ہیں اور غَبِنْتُ کَذَا غَبْنًا کے معنی کسی چیز سے غفلت برتنے کو خسارا خیال کرنے کے ہیں اور قرآن پاک میں یَوْمُ التَّغَابُنِ (۶۴-۹) نقصان اٹھانے کا دن۔ سے یَوْمُ الْقِیَامَةِ مراد ہے کیونکہ قیامت کے روز اس مبایعت (معاملہ) میں جسکی طرف کہ آیت:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ (۲-۲۰۷) اور کوئی شخص ایسا ہے کہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (۹-۱۱۱) الآیۃ خدا نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا (۳-۷۷) جو لوگ خدا کے اقرار (کو بیچ ڈالتے ہیں) اور اپنی قسموں کو (بیچ ڈالتے ہیں اور ان) کے عوض

---

[1] فی اضداد ابی الطیب ۶۷ (باقی بمعنی الباقی والماضی والاول اکثر واعرف وعدۃ العلماء من الاضداد ۵۰ تمامہ ۔ ۔ ولا اہل ہذاک الطراف الممدد والبیت من معلقتہ المشہورۃ فی مطلعہا ، لخولۃ اطلال ببرقۃ ثہمد ۔ تلوح کباقی الوشم فی ظاہر الید قال المبرد اراد بنی غبراء للصوص والتمہور والمراد منہ الفقراء والاضیاف والبیت فی الخزانۃ (۴ : ۲۷۸) واللسان (غبر بنی) وشرح ابن الانباری (۱۹۲) والمعانی للقتبی ۴۸۴ ۲ والعشر للتبریزی ۸۰ ومختار الشعر الجاہلی (۱ : ۲۳۱) والعینی (۱ : ۱۰۴) والفائق (۲ : ۸۰) والجمہرۃ ۵۵ والعقد الثمین ۷ ۵ والانباری ۴۱۰

[3] قال الحریری الغبن باسکان الباء فی المال وبفتحہا یقع فی العقل والرائی قال الخفاجی وہذا ما ذہب الیہ بعض اہل اللغۃ ولیس المتعین ۱۲

تھوڑی قیمت حاصل کرتے ہیں۔
میں اشارہ فرمایا ہے نقصان ظاہر ہوگا اور انہیں معلوم ہو جائیگا کہ دنیا میں اس معاملہ کو جو انہوں نے اپنے خدا کے ساتھ کیا تھا، چھوڑ کر اسکی بجائے متاع دنیا حاصل کر کے انہوں نے کس قدر نقصان اٹھایا ہے کسی سے دریافت کیا گیا کہ قرآن میں قیامت کو یَوْمُ التَّغَابُنِ کیوں کہا گیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کیونکہ وہاں ان مقادیر (پیمانوں) کے خلاف اشیاء کا ظہور ہوگا جن کے مطابق وہ دنیا میں اندازہ لگایا کرتے تھے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اصل میں غَبْنٌ کے معنی کسی چیز کو چھپانے کے ہیں اور اَلْغَبَنُ (بفتح الباء) اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوئی چیز چھپائی جائے اور دلیل میں یہ شعر پیش کیا ہے[1] (المنسرح)

(۳۲۷) وَلَمْ اَرَ مِثْلَ الْفِتْیَانِ فِیْ غَبَنِ
اَلْاَیَّامِ یُنْسٰی عَوَاقِبُهَا

اس زمانے کے چھپانے میں نوجوانوں جیسا کوئی نہیں دیکھا جس کے نتائج کو بھلا دیا جاتے۔
چنانچہ مڑنے والے اعضاء جیسے بغل اور کنج ران وغیرہ کو مغابن کہا جاتا ہے کیونکہ اعضاء کے یہ حصے بھی پوشیدہ رہتے ہیں اور (نفاست پسند) عورت کو طَیِّبَةُ الْمَغَابِنِ کہا جاتا ہے۔

(غ ث و)

اَلْغُثَاءُ ہانڈی کے جھاگ اور اس کوڑا کرکٹ کو کہتے ہیں جسے سیلاب بہا کر لاتا ہے اور یہ ہر اس چیز کے لئے ضرب المثل ہے جسے (بوجہ بے سود ہونے کے) ضائع ہونے دیا جائے[2] اور اس کی کچھ بھی پرواہ نہ کی جائے۔ اسی سے کہا جاتا ہے۔ غَثَا الْوَادِیْ (ن) غُثُوًّا یعنی وادی میں کوڑا کرکٹ زیادہ ہوگیا غَثَتْ (ض) نَفْسُهٗ تَغْثِیْ غَثْیًا نًا اس کی طبیعت خراب ہوگئی۔

(غ د ر)

اَلْغَدْرُ (ض) اس کے اصل معنی کسی چیز میں خلل واقع کرنے اور اسے چھوڑ دینے کے ہیں اور تَرْکُ الْعَهْدِ یعنی بے وفائی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اسی سے فُلَانٌ غَادِرٌ (بے وفا) کا محاورہ ہے غَادِرٌ کی جمع غَدَرَةٌ ہے اور بہت بڑے بے وفا اور عہد شکن کو غُدَرُ کہا جاتا ہے۔
اَلْاَغْدَرُ وَالْغَدِیْرُ اس پانی کو کہتے ہیں جو سیلاب کسی جوہڑ میں چھوڑ جائے غَدِیْرٌ کی جمع غُدْرَانٌ وَغُدُرٌ آتی ہے اور اِسْتَغْدَرَ الْغَدِیْرُ کے معنی ہیں تالاب میں پانی جمع ہوگیا۔
غَدِیْرَةٌ لمبے بال گیسو بافتہ اس کی جمع اَلْغَدَائِرُ ہے اور غَادَرَہٗ کے معنی ہیں اس نے اسے چھوڑ دیا۔ قرآن میں ہے:۔
لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّلَا کَبِیْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا (۱۸-۴۹)
نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی (کوئی بات بھی نہیں) مگر اسے لکھ رکھا ہے۔

---

[1] قالہ عدی بن زید مناۃ والبیت فی امالی ابن الشجری وشرح الدرۃ للخفاجی ۲۰۳ وفی روایتھا: ... فی غبن الایام ینسون ما عواقبھا والبیت فی الشعراء ۵۲ والعمدۃ (۱: ۱۰۴) والاغانی (۲/ ۱۴۸) والمعانی الکبیر للقتبی ۱۲۷۰ قال وغبن الایام مایغبن منھا فینقضی ان عملوا فیہ الآخرتھم ولعلہ مایغفلوا الایکن لھم فیتم۔ فی کل حرف لسعی آدبھا ولم ارنی المراجع من رواہ بروایۃ المؤلف فاخشی ان تکون الروایۃ محرفۃ [2] وفی القرآن: فجعلنھم غثاء (۲۳-۴۱)

✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣

فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا (۱۸-۴۷) تو ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے۔

غَدَرَتِ الشَّاةُ (عَنِ الْغَنَمِ) کے معنی بکری کے دوسری بکریوں سے پیچھے رہ جانا کے ہیں اس سے صیغہ صفت فاعلی غَدِرَةٌ ہے اور غَدِرٌ اس سنگ زار زمین کو کہتے ہیں جس میں عرصہ دراز تک ویران پڑا رہنے کی وجہ سے سوراخ پڑ گئے ہوں اور اس میں اونٹ یا گھوڑا چلے تو لڑکھڑا ہو جائے اسی سے محاورہ ہے۔ مَا اَثْبَتَ غَدَرَ هٰذَا الْفَرَسِ (کہ یہ گھوڑا کس قدر ثابت قدم ہے) مَا اَثْبَتَ غَدَرَهٗ وہ کس قدر ثابت قدم ہے یہ اس شخص کے حق میں بولتے ہیں جو لغزش کے موقعہ پر ثابت قدم رہے۔

(غ د ق)

اَلْغَدَقُ کے معنی بہت زیادہ اور وافر کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا (۷۲-۱۶) تو ہم ان کے پینے کو بہت سا پانی دیتے

اور اسی سے غَدِقَتْ عَيْنُهٗ تَغْدَقُ ہے جس کے معنی آنکھ سے خوب پانی بہنا کے ہیں اور غَيْدَاقٌ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو وافر اور زیادہ ہو عام اس سے کہ پانی ہو یا گفتگو اور یا دوڑ ہو۔

(غ د و)

اَلْغُدْوَةُ وَالْغَدَاةُ کے معنی دن کا ابتدائی حصہ کے ہیں۔ قرآن میں غُدُوٌّ (غُدْوَةٌ کی جمع) کے مقابلہ میں اٰصَالٌ استعمال ہوا ہے چنانچہ فرمایا:۔

بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (۷-۲۰۵) صبح و شام یاد کرتے رہو۔

(اور غُدُوٌّ (مصدر) رَوَاحٌ کے مقابلہ میں) جیسے فرمایا:۔

غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ (۳۴-۱۲) اس کا صبح کا جانا ایک مہینہ کی راہ ہوتی ہے اور شام کا جانا بھی ایک مہینے کی۔

اور غَدَاةٌ کے مقابلہ میں عَشِيٌّ جیسے فرمایا:۔ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ (۶-۵۲) صبح و شام۔ اَلْغَادِيَةُ صبح کا بادل اَلْغَدَآءُ کھانا جو دن کے ابتدائی حصہ میں کھا لیا جائے غَدَوْتُ اَغْدُوْ کے معنی ہیں صبح سویرے روانہ ہونا یا کسی جگہ جا پہنچ جانا ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ (۶۸-۲۲) اپنی کھیتی پر سویرے ہی جا پہنچو۔

غَدًا کل آئندہ جیسا کہ آیت سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا (۵۴-۲۶) ان کو کل معلوم ہو جائے گا۔ اور دیگر آیات میں مذکور ہے[1]۔

(غ ر ر)

غَرَرْتُ (ن) فُلَانًا (فریب دینا) کسی کو غافل پاکر اس سے اپنا مقصد حاصل کرنا غِرَّةٌ بیداری کی حالت میں غفلت غِرَارٌ آنکھ کے ساتھ غفلت، اصل میں یہ غُرٌّ سے ہے جس کے معنی کسی شے پر ظاہری نشان کے ہیں۔ اسی سے غُرَّةُ الْفَرَسِ (گھوڑے کی پیشانی کی سفیدی) ہے اور غِرَارُ السَّيْفِ کے معنی تلوار کی دھار کے ہیں غِرُّ الثَّوْبِ کپڑے کی تہ اسی سے محاورہ ہے:۔

---

[1] راجع الآیات و (۱۸-۵۹) (۱۸-۲۳) (۳۱-۳۴)

رَاطُوِہٖ عَلٰی غَرِّہٖ کپڑے کو اس کی تہ پر لپیٹ دو یعنی اس معاملہ کو جوں کا توں رہنے دو غَرَّہٗ غُرُوْرًا اسے فریب دیا گویا اسے اس کی تہ پر لپیٹ دیا۔ قرآن میں ہے:۔

مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ (۸۲-۶) اے انسان تجھ کو اپنے پروردگار کرم گستر کے باب میں کس چیز نے دھوکا دیا۔

لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ (۳-۱۹۶) (اے پیغمبر) کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا تمہیں دھوکا نہ دے۔

وَمَا یَعِدُھُمُ الشَّیْطَانُ اِلَّا غُرُوْرًا (۱۷-۶۴) اور شیطان جو وعدے ان سے کرتا ہے سب دھوکا ہے۔

بَلْ اِنْ یَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُھُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا (۳۵-۴۰) بلکہ ظالم جو ایک دوسرے کو وعدہ دیتے ہیں محض فریب ہے۔

یُوْحِیْ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (۶-۱۱۳) وہ دھوکا دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے ہیں۔

وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (۳-۱۸۵) اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔

وَغَرَّتْھُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا (۶-۷۰) اور دنیا کی نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

مَا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اِلَّا غُرُوْرًا (۳۳-۱۲) کہ خدا اور اس کے رسول نے ہم سے دھوکے کا وعدہ کیا تھا۔

وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ (۳۱-۳۳) اور نہ فریب دینے والا شیطان تمہیں خدا کے بارے میں کسی طرح کا فریب دے۔

پس غرور سے مال وجاہ، خواہش نفسانی شیطان اور ہر وہ چیز مراد ہے جو انسان کو فریب میں مبتلا کرے بعض نے غُرُوْر سے مراد صرف شیطان لیا ہے کیونکہ جو چیزیں انسان کو فریب میں مبتلا کرتی ہیں شیطان ان سب سے زیادہ خبیث ہے اور بعض نے اس کی تفسیر دنیا سے کی ہے کیونکہ دنیا بھی انسان سے فریب کھیلتی ہے دھوکا دیتی ہے نقصان پہنچاتی ہے اور گذر جاتی ہے۔

اَلْغَرَرُ دھوکا۔ یہ غَرٌّ سے ہے اور (حدیث میں) بیع الْغَرَر سے منع کیا گیا ہے[1] (۵۷)

اَلْغَرِیْرُ اچھا خلق۔ کیونکہ وہ بھی دھوکے میں ڈال دیتا ہے۔ چنانچہ بوڑھے شخص کے متعلق محاورہ ہے۔ فُلَانٌ اَدْبَرَ غَرِیْرُہٗ وَاَقْبَلَ ھَرِیْرُہٗ (اس سے حسن خلق جاتا رہا اور چڑچڑاپن آگیا۔

اور غُرَّۃُ الْفَرَسِ سے تشبیہ کے طور پر مشہور معروف آدمی کو اَغَرّ کہا جاتا ہے اور مہینے کی ابتدائی تین راتوں کو غُرَرٌ کہتے ہیں کیونکہ مہینہ میں ان کی حیثیت غُرَّۃُ الْفَرَسِ کی ہوتی ہے غِرَارُ السَّیْفِ تلوار کی دھار اور غِرَارٌ کے معنی تھوڑا سا دودھ کے بھی آتے ہیں اور غَارَّتِ النَّاقَۃُ کے معنی ہیں اونٹنی کا دودھ کم ہوگیا حالانکہ اس کے متعلق یہ گمان نہ تھا کہ اسکا دودھ کم ہوجائیگا گویا کہ اس اونٹنی نے مالک کو دھوکا دیا۔

(غ ر ب)

اَلْغَرْبُ (ن) سورج کا غائب ہوجانا

---

[1] رواہ الجماعۃ الا البخاری من حدیث ابی ہریرۃ واحمد من حدیث ابن عمر وابن ماجۃ من حدیث ابن عباس وعن سہل عند الطبرانی والبیع الغرر صور وراجع النیل ۵: ۱۵۶-۱۵۷) ومنہ النبی الغرۃ تجلب الدرۃ (المیدانی ۲ر۶۲)

غَرَبَتْ تَغْرُبُ غَرْبًا وَغُرُوْبًا سورج غروب ہو گیا اور مَغْرِبُ الشَّمْسِ وَمُغَيْرِبَانُهَا (مصغر) کے معنی آفتاب غروب ہونے کی جگہ یا وقت کے ہیں[1]۔ قرآن میں ہے:۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (۷۳-۹) (وہی) مشرق اور مغرب کا مالک ہے۔

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (۵۵-۱۷) (وہی) دونوں مشرقوں اور مغربوں کا مالک ہے۔

بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ (۷۰-۴۰) مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی قسم۔

ان کے تثنیہ اور جمع لانے کی بحث پہلے گزر چکی ہے[2]۔

نیز فرمایا:۔

لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ (۲۴-۳۵) کہ نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف۔

حَتّٰى إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ۔ (۱۸-۸۶) یہاں تک کہ جب سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچا۔

اور ہر اجنبی کو غریب کہا جاتا ہے اور جو چیز اپنی ہم جنس چیزوں میں بے نظیر اور انوکھی ہو اسے بھی غَرِيْبٌ کہہ دیتے ہیں۔ اسی معنی میں آنحضرت نے فرمایا[3] (۵۸) اَلْإِسْلَامُ بَدَأَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ کہ اسلام ابتدا میں غریب تھا اور آخر زمانہ میں پھر پہلے کی طرح ہو جائے گا اور جہلا کی کثرت اور اہل علم کی قلت کی وجہ سے علماء کو غرباء کہا گیا ہے۔ اور کوے کو غُرَابٌ اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ بھی دور تک چلا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ (۵-۳۱) اب خدا نے ایک کوا بھیجا جو زمین کریدنے لگا۔

اور غَارِبُ السَّنَامِ کے معنی کوہان کی بلندی کے ہیں کیونکہ (بلندی کی وجہ سے) اس تک پہنچنا مشکل ہوتا ہے اور غَرْبُ السَّيْفِ کے معنی تلوار کی دھار کے ہیں کیونکہ تلوار بھی جسے ماری جائے اس میں چھپ جاتی ہے لہٰذا یہ مصدر بمعنی فاعل ہے۔ پھر جس طرح زبان کو تلوار کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے اسی طرح زبان کی تیزی کو بھی تلوار کی تیزی کے ساتھ تشبیہ دے کر فُلَانٌ غَرْبُ اللِّسَانِ (فلاں تیز زبان ہے) کہا جاتا ہے اور کنویں میں بُعد مسافت کے معنی کا تصور کر کے ڈول کو بھی غَرْبٌ کہہ دیا جاتا ہے اور اَغْرَبَ السَّاقِیْ کے معنی ہیں پانی پلانے والے نے ڈول پکڑا اور غَرْبٌ کے معنی سونا بھی آتے ہیں کیونکہ یہ بھی دوسری معدنیات سے قیمتی ہوتا ہے اور اسی سے سَهْمٌ غَرْبٌ کا محاورہ ہے یعنی وہ تیر جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ کدھر سے آیا ہے۔ اور بلا ارادہ کسی طرف دیکھنے کو نَظْرٌ غَرْبٌ کہا جاتا ہے اور غَرْبٌ کا لفظ بے پھل درخت پر بھی بولا جاتا ہے گویا وہ ثمرات سے دور ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ عَنْقَاءُ جانور ایک لڑکی کو اٹھا کر دور دراز لے گیا تھا۔ اس وقت سے اس کا نام عَنْقَاءُ مُغْرِبٌ اَوْ عَنْقَاءُ مُغْرِبٍ (اضافت کے ساتھ) پڑ گیا۔

اَلْغُرَابَانِ سرینوں کے اوپر دونوں جانب کے

---

[1] تصغیر مغربان [2] راجع (ش ر ق) [3] الحدیث باختلاف الفاظ فی (م، حم) عن ابی ہریرۃ (ط) ابن مسعود و انس بن مالک (طب) ابن سلمان وسہل بن سعد و ابن عباس وبمعناہ فی (ت) الترمذی عن عمرو بن عوف المزنی و ابو نصر السجزی فی الابانۃ عن عبدالرحمان بن سنۃ ونعیم بن حماد فی الفتن عن مجاہد والحکم عن سعد بن ابی وقاص (انظر کنز العمال رقم ۱۱۹۲ - ۱۱۹۵ و رقم ۱۱۹۹ و ۱۲۰۲)

اڑھے جو بیٹ میں کوے کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔
اَلْمُغْرَبُ گھوڑا جس کا کرانہ چشم سفید ہو کیونکہ اس کی آنکھ اس سفیدی میں عجیب وغریب نظر آتی ہے۔ اور آیت کریمہ :۔
غَرَابِیْبُ سُوْدٌ (۳۵-۲۷) کالے سیاہ ہیں۔ میں بعض نے کہا ہے کہ غَرَابِیْبُ کا واحد غِرْبِیْبٌ ہے اور اس کے معنی کوے کی طرح بہت زیادہ سیاہ کے ہیں جس طرح کہ اَسْوَدُ کَحَلَکِ الْغُرَابِ کا محاورہ ہے۔ (یعنی صفت تاکیدی ہے اور اس میں قلب پایا جاتا ہے اصل میں سُوْدٌ غَرَابِیْبُ ہے۔[1]

(غ ر ض)

اَلْغَرَضُ کے اصل معنی نشانہ کے ہیں پھر ہر اس غایت کو جہاں پہنچنا مقصود ہو غَرَضٌ کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع اَغْرَاضٌ آتی ہے۔
غرض دو قسم پر ہے۔ غرض ناقص جو بالذات مقصود نہ ہو بلکہ اس سے کوئی دوسری چیز مقصود ہو جیسے تونگری یا ریاست یا اس قسم کی دوسری اغراض جن کے حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرتے ہیں (۲) غرض تام جس کے بعد کسی اور چیز کا اشتیاق باقی نہ رہے جیسے جنت[2]۔

(غ ر ف)

اَلْغَرْفُ (ض) کے معنی کسی چیز کو اٹھانے اور لینے کے ہیں جیسے غَرَفْتُ الْمَاءَ اَوِ الْمَرَقَ (میں نے پانی یا شوربہ لیا) اور غُرْفَۃٌ کے معنی چلو بھر پانی کے ہیں اور اَلْغَرْفَۃُ ایک مرتبہ چلو سے پانی لینا اَلْمِغْرَفَۃُ چمچہ وغیرہ جس سے شوربہ وغیرہ نکال کر برتن میں ڈالا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے :
اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَۃً بِیَدِہٖ (۲-۲۴۹) ہاں اگر کوئی ہاتھ سے چلو بھر پانی لے لے (تو خیر)
اسی سے بطور استعارہ کہا جاتا ہے غَرَفْتُ عُرْفَ الْفَرَسِ میں نے گھوڑے کی پیشانی کے بال کاٹ ڈالے غَرَفْتُ الشَّجَرَۃَ میں نے درخت کی ٹہنیوں کو کاٹ ڈالا۔
اَلْغَرَفُ ایک قسم کا پودا (جس سے چمڑے کو دباغت دی جاتی ہے) غَرِفَتِ الْاِبِلُ اونٹ غرف کھا کر بیمار ہو گئے۔ اَلْغُرْفَۃُ بالاخانہ (جمع غُرَفٌ وَغُرُفَاتٌ قرآن میں) جنت کے منازل اور درجات کو اَلْغُرَفُ کہا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا :۔
اُولٰٓئِکَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَۃَ بِمَا صَبَرُوْا (۲۵-۷۵) ان صفات کے لوگوں کو ان کے صبر کے بدلے اونچے اونچے محل دیئے جائیں گے۔
لَنُبَوِّئَنَّھُمْ مِّنَ الْجَنَّۃِ غُرَفًا (۲۹-۵۸) ان کو ہم بہشت کے اونچے اونچے محلوں میں جگہ دیں گے۔
وَھُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ (۳۴-۳۷) اور وہ خاطر جمع سے بالاخانوں میں بیٹھے ہوں گے۔

(غ ر ق)

اَلْغَرَقُ پانی میں تہ نشین ہو جانا کسی مصیبت میں گرفتار ہو جانا۔ غَرِقَ (س) فُلَانٌ یَغْرَقُ غَرَقًا فلاں پانی میں ڈوب گیا۔ قرآن میں ہے :۔
حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَکَہُ الْغَرَقُ (۱۰-۹۰) یہاں تک کہ جب اسے غرقابی نے آلیا۔
اَغْرَقَہٗ (افعال) اس نے اسے ڈبو یا غرق کر دیا قرآن میں ہے :۔

---

[1] کذا قال النسفی راجع معجم القرآن لعبد الرؤف مصری ۱۷/۲ [2] ولیس فی القرآن من ھذا المادۃ ۱۲۰

وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ (۲-۵۰) اور ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا۔

فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا (۱۷-۱۰۳) تو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو ڈبو دیا۔

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ (۲۶-۶۶) پھر دوسروں کو ڈبو دیا۔

ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِيْنَ (۲۶-۱۲۰) پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو ڈبو دیا۔

وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ (۳۶-۴۳) اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں۔

اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا (۷۱-۲۵) غرقاب کر دیئے گئے پھر آگ میں ڈال دیئے گئے۔

فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ (۱۱-۴۳) اور وہ ڈوب گیا اور تشبیہ کے طور پر زیر بار احسان ہونے کے لئے بھی اَلْغَرَقُ کا لفظ استعمال ہوتا ہے جیسے۔ فُلَانٌ غَرِقٌ فِىْ نِعْمَةِ فُلَانٍ فلاں اس کے احسانات میں ڈوبا ہوا ہے[1]۔

(غ ر م)

اَلْغُرْمُ مفت کا تاوان یا جرمانہ (وہ مالی نقصان جو کسی قسم کی خیانت یا جنایت (جرم) کا ارتکاب کئے بغیر انسان کو اٹھانا پڑے غَرِمَ كَذَا غُرْمًا وَمَغْرَمًا فلاں نے نقصان اٹھایا اُغْرِمَ فُلَانٌ غَرَامَةً اس پر تاوان پڑ گیا۔ قرآن میں ہے:۔ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ (۵۶-۶۶) (کہ ہائے) ہم مفت تاوان میں پھنس گئے۔

فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ (۵۲-۴۰) کہ ان پر تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے۔

يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا (۹-۹۸) کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے تاوان سمجھتے ہیں۔ اور غَرِيْمٌ کا لفظ مقروض اور قرض خواہ دونوں کے لئے آتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَالْغَارِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (۹-۶۰) اور قرضداروں (کے قرض ادا کرنے) کے لئے اور خدا کی راہ میں۔

اور جو تکلیف یا مصیبت انسان کو پہنچتی ہے اسے غَرَامٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا (۲۵-۶۵) کہ اس کا عذاب بڑی تکلیف کی چیز ہے۔

یہ هُوَ مُغْرَمٌ بِالنِّسَاءِ (وہ عورتوں کا دلدادہ ہے) کے محاورہ سے ماخوذ ہے یعنی وہ شخص جو غَرِيْمٌ (قرض خواہ) کی طرح عورتوں کے پیچھے پیچھے پھرتا ہو۔ حسن فرماتے ہیں[2] كُلُّ غَرِيْمٍ مُفَارِقٌ غَرِيْمَهٗ اِلَّا النَّارُ یعنی ہر قرض خواہ اپنے مقروض کو چھوڑ سکتا ہے لیکن آگ اپنے غُرَمَاءُ کو نہیں چھوڑے گی۔

بعض نے عذاب جہنم کو غرام کہنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ عذاب ان کا اسی طرح پیچھا کرے گا گویا وہ انہیں ہلاک کرنے پر شیفتہ ہے۔

(غ ر و)

غَرِىَ بِكَذَا کے معنی کسی کے ساتھ چمٹ جانا ہیں اصل میں یہ غِرَاءٌ سے ہے اور غِرَاءٌ اس مادہ کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو دوسری کے ساتھ پیوست کی جائے اور اسی سے اَغْرَيْتُ فُلَانًا بِكَذَا کے معنی ہیں میں نے فلاں کو اس پر

---

[1] وجاء بمعنى المبالغة فى الشئ كما فى الآية والنازعات غرقا ۷۹-۱ بمعناه النزع بالمبالغة يا التقويه النازعة (راجع الكشاف ۴ ۳۰۴) ج ۳ [2] راجع لقول الحسن القرطبى ج ۱۳ ص ۷۲۔

شیفتہ کر دیا اس پر ابھارا اور اکسایا اس کے پیچھے لگا دیا۔ قرآن میں ہے :-

وَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ (۵-۱۴) تو ہم نے ان کے باہم قیامت تک کے لئے دشمنی اور کینہ ڈال دیا۔

لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ (۳۳-۶۰) تو ہم تم کو ان کے پیچھے لگا دیں گے۔

(غ ز ل)

اَلْغَزْلُ (ض) کاتے ہوئے سوت کو کہتے ہیں قرآن میں ہے :-

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا (۱۶-۹۲) اور عورت کی طرح نہ ہونا جس نے اپنا کاتا ہوا سوت ادھیڑ دیا۔

غَزَلْتُ غَزْلًا سوت کاتنا اور ہرنی کے بچہ کو غَزَالٌ کہا جاتا ہے۔

اَلْغَزَالَةُ سورج کی ٹکیہ اور کنایہ کے طور پر غَزَلٌ (س) اور مُغَازَلَةٌ کے معنی غزال یعنی ہرنوں جیسی خوبصورت عورتوں کے ساتھ عشق و محبت اور دلبستگی کی باتیں کرنا آتے ہیں۔

غَزِلَ الْكَلْبُ غَزَلًا کتے کا ہرن کو پا کر اس سے پیچھے ہٹ جانا۔

(غ ز و)

اَلْغَزْوُ کے معنی دشمن سے جنگ کرنے کے ارادہ سے نکلنا ہیں غَزَا الْعَدُوَّ غَزْوًا وہ دشمن سے جنگ کے ارادہ سے نکلا ایسے شخص کو اَلْغَازِيْ کہا جاتا ہے اس کی جمع غُزَاةٌ وَغُزًّى آتی ہے قرآن میں ہے :-

اَوْ كَانُوْا غُزًّى (۳-۱۵۶) یا وہ جہاد کرتے ہوں۔

(غ س ق)

غَسَقُ اللَّيْلِ کے معنی (ابتدائے) شب کی سخت تاریکی کے ہیں قرآن میں ہے :-

اِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ (۱۷-۷۸) رات کی تاریکی تک۔

اَلْغَاسِقُ تاریک رات[1] قرآن میں ہے :-

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ (۱۱۳-۳) اور شب تاریک کی برائی سے جب اسکی تاریکی چھا جائے۔

اور اس سے مراد رات کے وقت پیش آنے والی مصیبت یا حادثہ کے ہیں جیسے طارق (یعنی رات کے وقت آنے والا) بعض نے کہا ہے[2] کہ غَاسِقٌ چاند کو کہتے ہیں جب کہ وہ گہن لگ کر سیاہ ہو جائے اَلْغَسَّاقُ دوزخیوں کے جسموں سے بہنے والا لہو یا پیپ۔ قرآن میں ہے :-

اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا (۷۸-۲۵) مگر گرم پانی اور بہتی پیپ۔

(غ س ل)

غَسَلْتُ الشَّيْءَ غَسْلًا کے معنی کسی چیز پر پانی بہا کر اسے میل کچیل سے پاک کرنے کے

---

[1] کذا فسرہ القتبی فی غریبہ وفی الفخر ۳۲ر۱۹۴ :- وہذا قول الفراء وابی عبیدۃ وقال الزجاج الغاسق فی اللغۃ البارد وسمی اللیل غاسقا لانہ ابرد من النہار (القرطبی ۲۰ر۲۵۶) وہو قول ابن عباس وغیرہ وروی مرفوعا[2] وہذا ایضا حکاہ القتبی فی غریبہ ۳۴۳ ہ وقد نقلہ القرطبی (۲ر۷، ۲۵۵) والبحر ۸ر۵۳۱ والفخر ۳۲ر۱۹۵ واللسان (غسق) وقد روی مرفوعا (راجع النہایۃ ۳ر۱۶۱ والطبری ۳۰ر۳۵۲ والکشاف ۴ر۲۶۸ ہ والدر ۶ر۴۱۷ والشوکانی ۵۰۶ وراجع کنز العمال عن عائشۃ ج ۲ رقم ۷۳ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

ہیں اسی سے غُسْلٌ اسم ہے اور غِسْلٌ وہ چیز ہے جس کے ساتھ کپڑے کو دھویا یا نہایا جاتا ہے (جیسے صابن وغیرہ) قرآن میں ہے:
فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ الْاٰيَة (۵-۶) تو اپنے چہرے اور کہنیوں تک ہاتھ دھولیا کرو۔
اَلْاِغْتِسَالُ (افتعال) کے معنی نہانے اور تمام بدن کو دھونے کے ہیں قرآن میں ہے:
حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا (۴-۴۳) جب تک کہ غسل نہ کرلو۔
اَلْمُغْتَسَلُ نہانے کی جگہ یا نہانے کا پانی قرآن میں ہے:
هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ (۳۸-۴۲) یہ چشمہ نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو شیریں۔
اَلْغِسْلِيْنُ کے معنی دوزخیوں کے اجسام کا غسالہ (پیپ) کے ہیں قرآن میں ہے:
وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ (۶۹-۳۶) اور نہ پیپ کے سوا (ان کے) لئے کھانا ہے۔

(غ ش و)

غَشِيَهٗ غِشَاوَةً وَغِشَاءً۔ اس کے پاس اس چیز کی طرح آیا جو اسے چھپائے غِشَاوَة (اسم) پردہ جس سے کوئی چیز ڈھانپ دی جائے قرآن میں ہے:
وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً (۴۵-۲۳) اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔
[illegible] هِمْ غِشَاوَةٌ (۲-۷) اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔
[illegible] ہے: غَشِيَهٗ تَغْشِيَةً وَغَشَّيْتُهٗ۔ اسے چھپالیا۔ قرآن میں ہے:
وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ (۳۱-۳۲) اور جب ان پر لہریں چھا جاتی ہیں۔
فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ (۲۰-۷۸) تو دریا کی موجوں نے ان پر چڑھ کر انہیں ڈھانپ لیا (یعنی ڈبو دیا)۔
وَتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ (۱۴-۵۰) اور ان کے مونہوں کو آگ لپٹ رہی ہوگی۔
اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى (۵۳-۱۶) جب کہ اس بیری پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔
وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى (۹۲-۱) رات کی قسم جو دن کو چھپا لے۔
اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ (۸-۱۱) جب اس نے ... تمہیں نیند (کی چادر) اڑھا دی۔
غَشِيْتُ مَوْضِعَ كَذَا میں فلاں جگہ پر آیا اور کنایۃً عورت سے مجامعت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ غَشَاهَا وَتَغَشَّاهَا کے معنی ہیں میں نے عورت سے مجامعت کی قرآن میں ہے:
فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ (۷-۱۸۹) سو جب وہ اس سے ہم بستری کرتا ہے تو اسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے۔
یہی معنی اَلْغِشْيَانِ کے ہیں اَلْغَاشِيَةُ ہر وہ چیز جس سے دوسری چیز کو چھپایا جائے مثلاً غَاشِيَةُ السَّرْجِ چمڑا جو زین کے اوپر ڈالا جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:
اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ (۱۲-۱۰۷) کہ ان پر خدا کا عذاب نازل ہو کر ان کو ڈھانپ لے۔
میں غَاشِيَةٌ سے مراد وہ مصیبت ہے جو چاروں طرف سے ان پر چھا جائے اور گھوڑے کے جھول کی طرح انہیں ڈھانپ لے بعض نے کہا کہ لفظ غَاشِيَةٌ اصل میں اچھی چیز کیلئے استعمال ہوتا ہے مگر یہاں بطور استعارہ عذاب کے معنی میں استعمال ہوا ہے جس طرح آیت کریمہ:

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ (۷-۴۱) ایسے لوگوں کے لئے (نیچے) بچھانا بھی (آتش) جہنم کا ہوگا اور اوپر سے اوڑھنا بھی۔ میں ہے کہ یہاں مِهَادٌ (بچھونے) کے مقابل میں غَوَاشٍ کا لفظ آیا ہے جس سے جہنم کا عذاب مراد ہے اور آیت کریمہ:۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ (۸۸-۱) بھلا کو ڈھانپ لینے والی (یعنی قیامت کا) حال معلوم ہے۔ میں اَلْغَاشِيَةِ سے مراد قیامت ہے اور اس کی جمع غَوَاشٍ ہے غُشِيَ عَلٰى فُلَانٍ اس پر بیہوشی طاری ہوگئی قرآن میں ہے:۔

كَالَّذِي يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ (۳۳-۱۹) جیسے کسی پر موت سے غشی طاری ہو۔

نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ (۴۷-۲۰) جس طرح کسی پر موت کی بیہوشی طاری ہو رہی ہو۔

أَغْشَاهُ اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا قرآن میں ہے:۔

فَأَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ (۳۶-۹) ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تو یہ دیکھ نہیں سکتے۔

كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ (۱۰-۲۷) انکے موتھوں (کی سیاہی) کا یہ عالم ہوگا کہ ان پر گویا پردے اڑھا دیئے گئے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ (۷۱-۸) کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے کپڑوں سے اپنے کان بند کر لئے اور یہ کسی کی بات پر توجہ نہ دینے سے کنایہ ہوتا ہے بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد دور بھاگ نکلنا ہے جس طرح کہ شَمَّرَ ذَيْلَهُ وَأَلْقٰى ثَوْبَهُ ہے کہ اس کے معنی کسی کام کی تیاری کے آتے ہیں غَشَيْتُهُ سَوْطًا اور سَيْفًا اسے کوڑے یا تلوار سے مارا جس طرح کہ كَسَوْتُهُ اور عَمَّمْتُهُ کے معنی کسی کو کِسَاءٌ (کمبل) پہنانے اور عمامہ باندھنے کے آتے ہیں۔

(غ ص ص)

اَلْغُصَّةُ اس ہڈی کو کہتے ہیں جو حلق میں پھنس کر رہ جاتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ (۷۳-۱۳) اور گلوگیر کھانا ہے۔

(غ ض ض)

اَلْغَضُّ (ن) کے معنی کمی کرنے کے ہیں خواہ نظر اور صوت میں ہو یا کسی برتن (میں) سے کچھ کم کرنے کی صورت میں ہو قرآن میں ہے:۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ (۲۴-۳۰) مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ (۲۴-۳۱) اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ (اپنی نگاہیں) نیچی رکھا کریں۔

وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ (۳۱-۱۹) اور (بولتے وقت) آواز نیچی رکھنا۔

اور شاعر کے قول[۱] (الوافر)

۱؎ قال جریر من کلمۃ طویلۃ فی النقائض ۴۴۰ یہجو بہا عبید الشین الحصین الراعی النمیری فی قصیدتہ المشہورۃ التی تسمی الفاضحۃ وسماہا جریر الدامغۃ وتمامہ: فلا کعبا بلغت ولا کلابا۔ راجع دیوانہ ۷۵ وتفسیر الطبری (۲۱: ۲۰/ ۱۲۰) واللسان (غضض) والمحکم رصد والسمط ۸۷۱ والاقتضاب ۵۰ والکامل ۲۹۴ وامالی المرتضی (۱: ۲۸۹) والفاضل ۱۰۹ وکنایات الجرجانی ۴۷ والعقد الفرید (۲: ۷۸۴) والجمحی ۱۳۱۔ ۴۵۱ والبخلاء (۲۳۳۳) والکتاب (۲: ۱۲۰) والمعاہد (۲: ۱۹۹) والعمدۃ (۱/ ۱۲: ۱۲۰) والحصری ۶۵ والماوردی ۶۱ ومحاضرات الادباء (۲: ۲۴۱) ۱۸۹ والجمہرۃ ۵۶ والتنبیہ ۲۲ والاغانی ۷: ۳۹۔ ۵۰/ ۵۱، ۱۲۹۱۴ والحیوان ۱: ۲۵۹ والسیوطی ۱۷

(۳۲۸) نَغُضُّ الطَّرْفَ إِنَّكَ مِنْ نُمَيْرٍ
(نگاہ نیچی رکھو تو بنی نمیر سے ہے)
میں غَضّ کا لفظ بطور تحکم استعمال ہوا ہے
غَضَضْتُ السِّقَاءَ میں نے مشک سے پانی
کم کر دیا۔ اور غَضّ ایسی تر اور تازہ چیز کو کہتے
ہیں جس پر ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا ہو۔

(غ ض ب)

اَلْغَضَبُ انتقام کے لئے دل میں خون کا جوش
مارنا اسی لئے آنحضرتؐ نے فرمایا ہے[1] (۵۹) اتقوا
الغضب فانه جمرة توقد فی قلب ابن آدم
الم تروا الی انتفاخ اوداجه وحمرة عینیه۔
کہ غصہ سے بچو بے شک وہ انسان کے دل میں
دہکتے ہوئے انگارہ کی طرح ہے تم اس کی رگوں
کے پھول لینے اور آنکھوں کے سرخ ہوجانے کو نہیں
دیکھتے لیکن غضب الٰہی سے مراد انتقام (اور
عذاب) ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے۔
فَبَاءُوْا بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ (۲-۹۰) تو وہ اس
کے غضب بالائے غضب میں مبتلا ہو گئے۔
وَبَاءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (۲-۶۱) اور وہ خدا کے
غضب میں گرفتار ہو گئے۔
وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ (۲۰-۸۱) اور جس پر
میرا غصہ نازل ہوا۔
وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ (۴-۹۳) اور خدا اس پر
غضب ناک ہوگا۔ اور آیت کریمہ:
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ (۱-۷) نہ ان کے جن
پر غصے ہوتا رہا۔
میں بعض نے کہا ہے کہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ
سے یہود مراد ہیں[2] اور غَضْبَةٌ کے معنی سخت
چٹان کے ہیں۔
اَلْغَضُوْبُ بہت زیادہ غصے ہونے والا۔ یہ
سانپ اور تند مزاج اونٹنی پر بھی بولا جاتا ہے۔
بعض نے کہا ہے کہ فُلَانٌ غُضُبَّةٌ کے معنی ہیں
فلاں بہت جلد غصے ہونے والا ہے۔ بعض نے بیان
کیا ہے کہ غَضِبْتُ لِفُلَانٍ کے معنی کسی زندہ
شخص کی حمایت میں ناراض ہونا ہیں اور غَضِبْتُ
بِهٖ کے معنی کسی مردہ شخص کی حمایت کے لئے
غضب ناک ہونا۔

(غ ط ش)

وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا (۷۹-۲۹) اور اس نے
رات کو تاریک بنایا۔
یہ اصل میں رَجُلٌ اَغْطَشُ سے ہے جس کے معنی
کمزور نظر اور چندھے آدمی کے ہیں۔
فَلَاةٌ غَطْشٰى اس صحرا کو کہتے ہیں جس میں راستہ
نہ ملتا ہو۔ اَلتَّغَاطُشُ کسی چیز سے آنکھیں بند
کر لینا۔ غفلت برتنا۔

(غ ط و)

اَلْغِطَاءُ کے اصل معنی طباق وغیرہ کی قسم
کی چیز کے ہیں جو کسی چیز پر بطور سرپوش کے رکھی
جائے جیسا کہ غِشَاءٌ لباس وغیرہ کی قسم کی چیز
کو کہتے ہیں جسے کسی دوسری چیز کے اوپر ڈالا جائے
اور بطور استعارہ غِطَاءٌ کا لفظ (پردۂ) جہالت

---

[1] رواه الترمذی عن ابی سعید الخدری فی حدیث طویل راجع تخریج العراقی علی الاحیاء ۳/ ۴/ ۱۷ [2] تذئیت مرفوعاً عن ابی ذر وعن عباس من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (راجع ابن کثیر ۱: ۳۰) ۱۲

وغیرہ پر بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَآءَکَ فَبَصَرُکَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ (۵۰-۲۲) ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھا دیا تو آج تیری نگاہ تیز ہے۔

(غ ف ر)

اَلْغَفْرُ (ض) کے معنی کسی کو ایسی چیز پہنا دینے کے ہیں جو اسے میل کچیل سے محفوظ رکھ سکے اسی سے محاورہ ہے۔ اِغْفِرْ ثَوْبَکَ فِی الْوِعَاءِ اپنے کپڑوں کو صندوق وغیرہ میں ڈال کر چھپا دو۔ اِصْبَغْ ثَوْبَکَ فَاِنَّهٗ اَغْفَرُ لِلْوَسَخِ کپڑے کو رنگ لو کیونکہ وہ میل کچیل کو زیادہ چھپانے والا ہے اللہ کی طرف سے مَغْفِرَۃٌ یا غُفْرَانٌ کے معنی ہوتے ہیں بندے کو عذاب سے بچا لیا۔ قرآن میں ہے:۔
غُفْرَانَکَ رَبَّنَا (۲-۲۸۵) اے پروردگار ہم تیری بخشش مانگتے ہیں۔
اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ (۳-۱۳۳) اور اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف لپکو۔
وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ (۳-۱۳۵) اور خدا کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے۔
اور کبھی غَفَرَ لَهٗ کے معنی کسی کو ظاہری طور پر معاف کر دینا آتے ہیں خواہ دل سے معاف نہ کیا ہو یعنی درگزر کرنا جیسے فرمایا:۔
قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰہِ (۴۵-۱۴) مومنوں سے کہدو کہ جو لوگ خدا کے دنوں کی (جو اعمال کے بدلے کے لئے مقرر ہیں) توقع نہیں رکھتے ان سے درگذر کریں۔
اور اِسْتِغْفَارٌ کے معنی قول اور عمل سے مغفرت طلب کرنے کے ہیں لہٰذا آیت کریمہ:۔
اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اِنَّهٗ کَانَ غَفَّارًا (۷۱-۱۰) اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ میں صرف زبان کے ساتھ مغفرت مانگنے کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ زبان اور عمل دونوں کے ساتھ معافی طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس بنا پر بعض نے کہا ہے کہ صرف زبان سے بخشش طلب کرنا کذاب آدمیوں کا کام ہے اور یہی معنی آیت کریمہ:۔
اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (۴۰-۶۰) کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔
میں اُدْعُوْنِیْ کے ہیں قرآن میں ہے:۔
اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ (۹-۸۰) ان کے لئے بخشش مانگو یا نہ مانگو۔
وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (۴۰-۷) اور مومنوں کے لئے بخشش مانگتے رہتے ہیں۔
اور اَلْغَافِرُ وَالْغَفُوْرُ اسمائے حسنیٰ سے ہیں[1] اور ان کے معنی گناہوں کا بخشنے والا چنانچہ فرمایا:۔
غَافِرِ الذَّنْبِ (۴۰-۳) جو گناہ بخشنے والا ہے۔
اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ (۳۵-۳۰) وہ تو بخشنے والا قدر دان ہے۔
وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (۱۰-۱۰۷) اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔
اور غَفِیْرَۃٌ بمعنی غُفْرَانٌ ہے اسی سے فرمایا:۔
رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ (۱۴-۴۱) اے پروردگار (حساب کتاب کے دن) مجھے اور میرے ماں باپ ..... کو بخش دیجیو۔
اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ (۲۶-۸۲) میرے گناہ بخش دے گا۔

---

[1] وایضاً غفار کمانی الآیات (۷۱-۱۰) (۲۰-۸۲) (۳۸-۶۶) (۳۹-۵) (۴۰-۴۲) وراجع لمعناہ الغریب للقتبی (۱۴-۵)

وَاغْفِرْ لَنَا (۲-۲۸۶) اور ہمارے گناہ بخش دے۔
بعض نے کہا ہے کہ اِغْفِرُوْا ھٰذَا الْاَمْرَ بِغَفْرَتِہٖ کے معنی یہ ہیں کہ اس معاملہ کو اس طرح چھپاؤ جس طرح چھپانے کا حق ہے[1] اَلْمِغْفَرُ لوہے کا خود اَلْغِفَارَۃُ اس چیتھڑا کو کہتے ہیں جسے عورت اپنے دوپٹہ کو تیل سے بچانے کے لئے اس کے نیچے سر پر اوڑھ لیتی ہیں نیز غِفَارَۃٌ اس بادل کو کہتے ہیں جو دوسرے بادل پر چھایا ہوا ہو نیز اس ٹکڑے کو بھی جس سے کمان کے گوشہ کو لپیٹتے ہیں۔

(غ ف ل)

اَلْغَفْلَۃُ۔ اس سہو کو کہتے ہیں جو قلت تحفظ اور احتیاط کی بنا پر انسان کو عارض ہو جاتا ہے غَفَلَ (ن) اس نے غفلت سے کام لیا چنانچہ ایسے شخص کو غَافِلٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
لَقَدْ كُنْتَ فِیْ غَفْلَۃٍ مِّنْ ھٰذَا (۵۰-۲۲) بے شک تو اس سے غافل ہو رہا تھا۔
وَھُمْ فِیْ غَفْلَۃٍ مُّعْرِضُوْنَ (۲۱-۱) اور وہ غفلت میں (پڑے اس سے) منہ پھیر رہے ہیں۔
وَدَخَلَ الْمَدِیْنَۃَ عَلٰی حِیْنِ غَفْلَۃٍ مِّنْ اَھْلِھَا (۲۸-۱۵) اور وہ ایسے وقت شہر میں داخل ہوئے کہ وہاں کے باشندے بے خبر ہو رہے تھے۔
وَھُمْ عَنْ دُعَائِھِمْ غٰفِلُوْنَ (۴۶-۵) اور ان کو ان کے پکارنے کی بھی خبر نہ ہو۔
لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ ..... (۱۲-۳) بے خبر تھے۔
ھُمْ غٰفِلُوْنَ (۳۰-۷) (اور آخرت کی طرف سے) غافل ہیں۔

بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ (۲-۱۴۰) جو کچھ یہ کر رہے ہیں خدا اس سے غافل نہیں ہے۔
لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ (۴-۱۰۲) کافر اس گھات میں ہیں کہ تم ذرا اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے غافل ہو جاؤ۔
فَھُمْ غٰفِلُوْنَ (۳۶-۶) وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔
عَنْھَا غٰفِلِیْنَ (۷-۱۳۶) ان سے لاپرواہی کرتے تھے۔
اَرْضٌ غُفْلٌ وہ زمین جس پر نشان راہ نہ ہو اور ناتجربہ کار آدمی کو بھی غُفْلٌ کہا جاتا ہے اور اِغْفَالُ الْكِتَابِ کے معنی کتاب کو (نقطے) اور اعراب لگائے بغیر چھوڑ دینے کے ہیں پس آیت کریمہ۔ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِكْرِنَا (۱۸-۲۸) کے معنی یہ ہیں کہ جس کے دل کو ہم نے یوں ہی چھوڑ دیا ہے اور اس میں ایمان کا نقش نہیں بٹھایا جس طرح کہ اس کے برعکس مومنین کے دلوں کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ (۵۸-۲۲) یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے۔
بعض نے کہا ہے کہ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ کے معنی دل کو حقائق کی معرفت سے غافل کر دینا کے ہیں۔

(غ ل ل)

اَلْغَلَلُ کے اصل معنی کسی چیز کو اوپر اوڑھنے یا اس کے درمیان میں چلے جانے کے ہیں اسی سے غَلَلٌ اس پانی کو کہا جاتا ہے جو درختوں کے درمیان

[1] انظر المکتبۃ المیدانی رقم ۲۴۸۳

سے بہہ رہا ہو اور کبھی ایسے پانی کو غِیْلٌ بھی کہہ دیتے ہیں اور اِنْغَلَّ کے معنی درختوں کے درمیان میں داخل ہونے کے ہیں لہذا غُلٌّ (طوق) خاص کر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے کسی کے اعضاء کو جکڑ کر اس کے وسط میں باندھ دیا جاتا ہے اس کی جمع اَغْلَالٌ آتی ہے اور غُلَّ فُلَانٌ کے معنی ہیں اسے طوق سے باندھ دیا گیا قرآن میں ہے:۔

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ (۶۹-۳۱) اسے پکڑ لو اور طوق پہنا دو۔

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ (۴۰-۷۱) جب کہ ان کی گردنوں میں طوق..... ہوں گے۔

وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ (۷-۱۵۷) اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان (کے سر) پر (اور) گلے میں) تھے اتارتے ہیں۔

اور (کنایہ کے طور پر) کنجوس شخص کو مَغْلُوْلُ الْیَدْ کہا جاتا ہے قرآن میں ہے:۔

وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ (۱۷-۲۹) اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا (یعنی بہت تنگ) کرلو۔

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَیْدِیْهِمْ (۵-۶۴) اور یہود کہتے ہیں کہ خدا کا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا ہے (یعنی اللہ بخیل ہے) انہیں کے ہاتھ باندھے جائیں۔

یعنی وہ اللہ تعالیٰ پر بخل کا الزام لگاتے ہیں بعض نے کہا ہے کہ جب انہوں نے یہ سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا فیصلہ کردیا ہے تو کہنے لگے پھر تو اللہ کا ہاتھ مقید ہے یعنی فارغ ہونے کی وجہ سے مقید کے حکم میں ہے تو یہ آیت نازل ہوئی اور آیت کریمہ:۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا (۳۶-۸) ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال رکھے ہیں۔ سے مراد یہ ہے کہ ہم نے انہیں ہر قسم کی خیر سے محروم کر رکھا ہے جس طرح کہ ان کے قلوب پر مہر لگانا اور آنکھ و کان پر پردہ ڈالنا ذکر کیا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہاں جَعَلْنَا اگرچہ ماضی کا صیغہ ہے لیکن یہ اس سزا کی طرف اشارہ ہے جو آخرت میں انہیں دی جائے گی جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:۔

وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْٓ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (۳۴-۳۳) اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے۔

اَلْغِلَالَةُ اس کپڑے کو کہتے ہیں جو دو کپڑوں کے درمیان میں پہنا جاتا ہے چنانچہ شعار وہ کپڑا ہے جو غلالہ کے نیچے پہنا جائے مگر کبھی بطور استعارہ غِلَالَةٌ کا لفظ درع پر بھی بولا جاتا ہے جس طرح کہ دِرْعٌ کا لفظ مجازاً غلالۃ کے معنی میں آجاتا ہے۔

اور غِلٌّ کے معنی (کینہ و پوشیدہ) دشمنی کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ (۷-۴۳) اور جو کینے ان کے دلوں میں ہوں گے ہم سب نکال ڈالیں گے۔

وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (۵۹-۱۰) اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دلوں میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے۔

غَلَّ یَغِلُّ کسی کے متعلق دل میں کینہ رکھنا اور اَلْغُلُوْلُ کے معنی ہیں خیانت کرنا اور یہ غَلَّ یَغُلُّ سے ہے جس کے معنی ہیں خیانت کرنا اور اَغَلَّ (افعال) کے معنی خیانت کے ساتھ متصف

ہونے کے ہیں اور اَغْلَلْتُ فُلَانًا کے معنی دوسرے کو خیانت کے ساتھ متہم کرنیکے قرآن میں ہے:۔
وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ (۳-۱۶۱) اور کبھی نہیں ہوسکتا کہ پیغمبر (خدا) خیانت کریں۔
ایک قرأت میں اَنْ يُّغَلَّ ہے جو کہ اَغْلَلْتُهٗ سے ہے یعنی اسے خیانت کے ساتھ متہم کیا جائے۔
وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (۳-۱۶۱) اور خیانت کرنے والوں کو قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز (خدا کے روبرو) حاضر کرنی ہوگی۔
ایک روایت میں ہے[1] (۷۰) لَا اِغْلَالَ وَلَا اِسْلَالَ یعنی خیانت اور چوری نہیں ہے اور حدیث میں ہے[2] (۷۲) ثَلَاثٌ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ یعنی تین باتوں پر مومن کا دل کینہ وری سے کام نہیں لیتا۔
اور ایک روایت میں لَا يَغِلُّ ہے یعنی خیانت نہیں کرتا اَغَلَّ الْجَازِرُ وَالسَّالِخُ قصاب کا کھال کے ساتھ کچھ گوشت چھوڑ دینا یہ اِغْلَالٌ بمعنی خیانت سے ہے گویا قصاب نے کھال کے ساتھ گوشت چھوڑ کر خیانت کی تاکہ وہ گوشت لے جائے۔
اَلْغُلَّةُ وَالْغَلِيْلُ پیاس، غصہ یا محبت کی سوزش شَفَا فُلَانٌ غَلِيْلَهٗ فلاں نے اپنا غصہ نکال لیا اَلْغَلَّةُ زمین کی پیداوار اسی سے اَغَلَّتْ ضَيْعَتُهٗ ہے جس کے معنی ہیں زمین نے پیداوار دی اور مُغَلْغَلَةٌ اس پیغام یا خط کو کہا جاتا ہے جو شہر بشہر پہنچایا جائے۔ شاعر نے کہا ہے[3] (الوافر)

(۳۲۹) تَغَلْغَلَ حَيْثُ لَمْ يَبْلُغْ شَرَابٌ
وَلَا حُزْنٌ وَلَمْ يَبْلُغْ سُرُوْرٌ

اس کی محبت وہاں پہنچ گئی ہے جہاں شراب اور غم و سرور کا بھی گزر نہیں ہوسکتا۔

(غ ل ب)

اَلْغَلَبَةُ کے معنی قہر اور بالادستی کے ہیں۔ غَلَبْتُهٗ (ض) غَلَبًا وَغَلَبَةً میں اس پر مستولی اور غالب ہوگیا اسی سے صیغہ صفت فاعلی غَالِبٌ ہے۔ قرآن میں ہے:۔
الٓمّٓ ۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ (۳۰-۳۱) الم (اہل) روم مغلوب ہوگئے نزدیک کے ملک میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوجائیں گے۔
كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

---

[1] قال ابن حجر اخرجہ ابوداؤد واحمد من روایۃ الزہری عن المسور ومروان فی حدیث ورواہ الدارمی والطبرانی وابن عدی من روایۃ کثیر بن عبداللہ ورواہ ابن زنجویہ فی الاموال وابراہیم الحربی فی الغریب راجع الکاف ۳۳ [2] انظر للحدیث الفائق ۲ر۲۳۱ والنہایۃ (غلل) ورواہ الشافعی فی رسالۃ رقم ۱۱۰۲ والبیہقی فی المدخل وابن ماجۃ والدارمی عن زید بن ثابت راجع شرح الترمذی ۲ر۲۷ ۳ والمستدرک ار۸۶-۸۸ والترغیب ۱ر۶۳-۶۴) ومجمع الزوائد ار۱۳۷-۱۳۹ ونسبہا الحافظ فی تخریجہ علی الکشاف الی ابن عدی والی داؤد والاموال لابن زنجویہ والغریب لابراہیم الحربی (انظر رقم ۲۷۳) والفتح للنبہانی ۳ر۳۰۹ [3] قالہ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبۃ بن مسعود احد فقہاء السبعۃ یشبب بعثمۃ امرءتہ وقبلہ: تغلغل حب عثمۃ فی فؤادی۔ فبادیہ مع الخافی یسیر والبیت فی تاریخ الخطیب ۸ر۴۷۰ والمصارع ۲۰۱ والاصابۃ ۴ر۹۵ ونسبہ ابن کثیر (۱: ۱۲۶) الی النابغۃ فی زوجتہ عثمۃ وحکاہ عن القرطبی واللہ اعلم وتقدم فی (ضرب) رقم ۲۵۹

(۲۰-۶۵) کہ بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے خدا کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے۔

يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ (۸-۶۶) دو سو پر غالب رہیں گے

يَغْلِبُوا أَلْفًا (۸-۶۵) وہ ہزار پر غالب رہیں گے۔

لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي (۵۸-۲۱) کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے۔

لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ (۸-۴۸) کہ آج کے دن ..... کوئی تم پر غالب نہ ہوگا۔

إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ (۷-۱۱۳) اگر ہم جیت گئے۔

إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ (۲۶-۴۴) ہم ضرور غالب رہیں گے۔

فَغُلِبُوا هُنَالِكَ ..... (۷-۱۱۹) اور وہ مغلوب ہو گئے۔

أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ (۲۱-۴۴) کیا یہ لوگ غلبہ پانے والے ہیں۔

سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ (۳-۱۲) عنقریب مغلوب ہو جاؤ گے اور (آخرت میں) جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے۔

ثُمَّ يُغْلَبُونَ (۸-۳۶) اور وہ مغلوب ہو جائیں گے۔

غَلَبَ عَلَيْهِ کے معنی کسی پر مستولی ہونے کے ہیں قرآن میں ہے:۔

غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا (۲۳-۱۰۶) ہم پر ہماری کم بختی غالب ہو گئی۔

بعض نے کہا ہے کہ اصل میں غَلَبَتْ کے معنی کسی کی گردن کے موٹے حصہ کو پکڑنے یا اس پر مارنے کے ہیں اور موٹی گردن والے شخص کو أَغْلَبُ کہا جاتا ہے۔ اس کی مؤنث غَلْبَاءُ ہے اور هَضْبَةٌ غَلْبَاءُ کے معنی بلند ٹیلہ کے ہیں جیسا کہ اس معنی میں هَضْبَةٌ رَقْبَاءُ وَعَنْقَاءُ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے[1] غُلْبَاءُ کی جمع غُلْبٌ ہے (جس کے معنی گھنے باغات کے ہیں، جیسے فرمایا:۔

وَحَدَائِقَ غُلْبًا (۸۰-۳۰) اور گھنے گھنے باغ۔

(غ ل ظ)

الْغِلْظَةُ (غین کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ) کے معنی موٹاپا یا گاڑھاپن کے ہیں یہ دِقَّةٌ کی ضد ہے اصل میں یہ اجسام کی صفت ہے۔ لیکن كَبِيرٌ وَكَثِيرٌ کی طرح بطور استعارہ معانی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔

وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً چاہئے کہ وہ تم میں سختی محسوس کریں (۹-۱۲۳) میں غِلْظَةٌ کے معنی سخت مزاجی کے ہیں۔ نیز فرمایا:۔

ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ (۳۱-۲۴) پھر عذاب شدید کی طرف مجبور کر کے لیجائیں گے۔

مِنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ (۱۱-۵۸) عذاب شدید سے۔

جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (۹-۷۳) کافروں اور منافقوں سے لڑو اور ان پر سختی کرو۔

اِسْتَغْلَظَ کے معنی موٹا اور سخت ہونے کو تیار ہو جانا ہیں اور کبھی موٹا اور سخت ہو جانے پر بھی بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ (۴۸-۲۹) پھر موٹی ہوئی اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی۔

(غ ل ف)

آیت کریمہ:۔ قُلُوبُنَا غُلْفٌ (۲-۸۸) کی تفسیر

---

[1] حق الاصول حدیقۃ غلباء ہو ونسب لقولہ تعالیٰ: وحدائق غلبا (۸۰-۳۰)

میں بعض نے کہا ہے کہ یہ یعنی (غُلْفٌ) اَغْلَفُ
کی جمع ہے (اور اَغْلَفُ اس چیز کو کہتے ہیں جو غلاف
میں بند ہو، چنانچہ سَیْفٌ اَغْلَفُ کے معنی ہیں تلوار
جو غلاف یعنی نیام میں بند ہو اور غیر مختون لڑکے کو غلام اَغْلَفُ
کہا جاتا ہے اور جو چیز ختم کرتے وقت کاٹ دی جاتی ہے اسے
غُلْفَۃٌ کہتے ہیں۔ غَلَفْتُ السَّیْفَ تلوار کو نیام میں بند کر دیا
غَلَفْتُ الْقَارُوْرَۃَ شیشے پر غلاف چڑھا
دیا غَلَفْتُ الرَّحْلَ اَوِالسَّرْجَ پالان یا زین پر
چمڑا مڑھ دیا اسی طرح غَلَفْتُ اللِّحْیَۃَ بِالْحِنَّاءِ
کے معنی کسی کی داڑھی کو مہندی سے چھپا دینے کے
ہیں اور تَغَلَّفَ (تفعل) بمعنی تَخَضَّبَ آتا ہے
پس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے دل غلافوں میں
بند ہیں (اس لئے قرآن کریم کی باتیں ہماری سمجھ
میں نہیں آسکتیں، لہٰذا یہ آیت کریمہ:
قُلُوْبُنَا فِیْ اَکِنَّۃٍ (۴۱-۵) اور فِیْ غَفْلَۃٍ مِّنْ
ھٰذَا (۵-۲۲) کے ہم معنی ہوگی۔
بعض نے کہا ہے کہ یہ (غُلُفٌ) اصل میں غُلُفٌ
بضم اللام ہے جیسا کہ ایک قرأت میں ہے۔ اور
یہ اَغْلَفُ کی نہیں بلکہ غِلَافٌ کی جمع ہے جیسا
کہ کِتَابٌ کی جمع کُتُبٌ آتی ہے اور آیت کے
معنی یہ ہیں کہ ہمارے دل خود علوم و معارف کے
گنجینے اور مخزن ہیں اور ان علوم کی موجودگی میں ہم
دوسروں کے علوم سے بے نیاز ہیں لہٰذا تم سے
کسی قسم کے استفادہ کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔

(غ ل ق)

اَلْغَلَقُ وَالْمِغْلَاقُ قفل وغیرہ جس کے
دروازہ بند کیا جاتا ہے اور بعض نے وہ چیز مراد
لی ہے جس کے ساتھ اسے کھولا جاتا ہے لیکن
اگر معنی بندش کا لحاظ کیا جائے تو اسے مِغْلَقٌ
وَمِغْلَاقٌ کہا جائیگا اور کھولنے کے اعتبار
سے مِفْتَحٌ یا مِفْتَاحٌ کہا جاتا ہے اور اَغْلَقْتُ
الْبَابَ کے معنی دروازہ بند کرنے کے ہیں اور
غَلَّقْتُہٗ میں تکثیر کے معنی پائے جاتے ہیں یعنی بہت
سے دروازوں کو بند کرنا یا ایک ہی دروازے کو
احکام یعنی بڑی مضبوطی سے بند کرنا اس بنا پر
آیت کریمہ:۔
وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ (۱۲-۲۳) اور دروازے
بند کر کے۔ میں ابواب کے ساتھ فعل غَلَّقَ
لایا گیا ہے اور تشبیہ کے طور پر غَلِقَ الرَّھْنَ
غُلُوْقًا کا محاورہ بھی بولا جاتا ہے جس کے معنی
گروی چیز کو روک لینے کے ہیں[1]۔
غَلِقَ ظَھْرُہٗ دَبَرًا اونٹ کی پیٹھ کا زخم بھر گیا
اور قمار بازی کے ساتویں تیر کو مِغْلَقٌ کہا جاتا
ہے کیونکہ وہ جوئے کے باقی ماندہ تمام حصوں کو
روک لیتا ہے نَخْلَۃٌ غَلِقَۃٌ وہ کھجور جس کی
جڑیں خشک ہوگئی ہوں اور وہ پھل دینے سے
رک جائے اور غَلِقَۃٌ زہریلی قسم کے ایک
کڑوے درخت کا نام ہے۔

(غ ل م)

اَلْغُلَامُ اس لڑکے کو کہتے ہیں جس کی
مسیں بھیگ چکی ہوں محاورہ ہے غُلَامٌ بَیِّنُ
الْغُلُوْمَۃِ وَالْغُلُوْمِیَّۃِ لڑکا جو بھرپور جوانی

---

[1] وفی الحدیث لا یغلق الرھن ای لا یستحقہ المرتھن اذا لم یرد الراھن ما رھنہ فیہ وکان ھذا من فعل الجاھلیۃ فابطلہ الاسلام راجع للحدیث کنز العمال ۶: رقم ۱۱۶۲ و ۱۱۶۶ وللمعنا والزرقانی (۴: ۵-۶)

کی عمر میں ہو قرآن میں ہے :-
اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ (۱۹-۲۰) میرے ہاں لڑکا کیونکر ہوگا۔
وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَکَانَ اَبَوٰہُ مُؤْمِنَیْنِ (۱۸-۸۱) اور وہ لڑکا تھا اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے۔
وَاَمَّا الْجِدَارُ فَکَانَ لِغُلٰمَیْنِ (۱۸-۸۲) اور جو دیوار تھی سو وہ دو لڑکوں کی تھی۔
اور حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا:۔
ھٰذَا غُلٰمٌ (۱۲-۱۹) یہ تو نہایت حسین لڑکا ہے۔
غُلٰمٌ کی جمع غِلْمَۃٌ وَغِلْمَانٌ آتی ہے۔ اور اِغْتَلَمَ الْغُلٰمُ کے معنی ہیں لڑکا بالغ ہوگیا۔ عام طور پر چونکہ اس عمر میں جنسی خواہش کا غلبہ ہو جاتا ہے اس لئے غُلْمَۃٌ کا لفظ جنسی خواہش کی شدت پر بولا جاتا ہے۔ اور اِغْتَلَمَ الْفَحْلُ کے معنی ہیں سانڈ جنسی خواہش سے مغلوب ہوگیا۔

(غ ل و ی)

اَلْغُلُوُّ کے معنی کسی چیز کے حد سے تجاوز کرنے کے ہیں اگر یہ (حد سے تجاوز) اشیاء کے نرخ میں ہو تو اسے غَلَاءٌ (گرانی) کہا جاتا ہے اور قدر و منزلت میں ہو تو اسے غُلُوٌّ کہتے ہیں اور اگر تیر اپنی حد و رسے تجاوز کر جائے تو غُلُوٌّ مگر ان ہر سہ اشیاء کے متعلق فعل غَلَا یَغْلُوْ (ن) ہی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے :-
لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ (۴-۱۷۱) اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو۔
اور ہانڈی کے ابال اور جوش کھانے کو غَلْیٌ وَغَلَیَانٌ (باب ضرب) کہتے ہیں۔ اسی سے بطور استعارہ ارشاد ہے۔
طَعَامُ الْاَثِیْمِ ۔ کَالْمُھْلِ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ کَغَلْیِ الْحَمِیْمِ (۴۴-۴۵-۴۶) گنہگار کا کھانا ہے جیسے پگھلا ہوا تانبا پیٹوں میں اس طرح کھولیگا جس طرح گرم پانی کھولتا ہے۔
اور تشبیہ کے طور پر غصہ اور لڑائی کے بھڑک اٹھنے کو بھی غَلَیَان کہہ دیتے ہیں تَغَالَی النَّبْتُ (گھاس کا زیادہ ہونا اور بڑھ جانا) غَلْیٌ اور غُلُوٌّ یعنی واوی اور یائی دونوں سے آتا ہے اور غُلَوَاءُ کے معنی خود سری میں حد سے تجاوز کرنے کے ہیں اور اسی سے بطور تشبیہ جوش جوانی کو غُلَوَاءُ الشَّبَابِ کہا جاتا ہے۔

(غ م م)

اَلْغَمُّ (ن) کے بنیادی معنی کسی چیز کو چھپا لینے کے ہیں اسی سے اَلْغُمّٰی ہے جس کے معنی غبار اور تاریکی کے ہیں۔ نیز اَلْغُمّٰی جنگ کی شدت کو کہتے ہیں جو قوم پر چھا جائے اس طرح بادل کو اَلْغَمَام کہتے ہیں کیونکہ وہ سورج کی روشنی کو ڈھانپ لیتا ہے۔ قرآن میں ہے :-
اَنْ یَّاْتِیَھُمُ اللّٰہُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ (۲-۱۰۰) کہ خدا کا عذاب بادلوں کے سائبانوں میں آنازل ہو۔ اسی سے غُمَّ الْھِلَالُ (چاند ابر کے نیچے آگیا اور دیکھا نہ جاسکا) وَیَوْمٌ غَمٌّ (سخت گرم دن) وَلَیْلَۃٌ غَمَّۃٌ وَغُمّٰی (تاریک اور سخت گرم رات) وغیرہا محاورات ہیں کسی شاعر نے کہا ہے (رجز)
(۳۲۹) لَیْلَۃٌ غُمّٰی طَامِسٌ ھِلَالُھَا
تاریک رات جس کا چاند بے نور ہو۔

لہ قالہ الراجز و تمامہ ۔ اوغلتہا وکرۃ ایغالہا راجع اللسان والصحاح (غم) واصلاح یعقوب ۲۸۱

اور غُمَّةُ الْاَمْرِ کے معنی کسی معاملہ کا پیچیدہ اور مشتبہ ہونا ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً (۱۰-۷۱) پھر تمہارا معاملہ تم پر مشتبہ نہ رہے۔
یعنی پھر وہ معاملہ تمہارے لئے قلق و اضطراب کا موجب نہ ہو اور غَمٌّ و غُمَّةٌ کے ایک ہی معنی ہیں یعنی حزن و کرب جیسے كَرْبٌ وَ كُرْبَةٌ اور غِمَامَةٌ اس چیتھڑے کو کہتے ہیں جو اونٹنی کی ناک اور آنکھوں پر باندھ دیا جاتا ہے (تاکہ کسی چیز کو دیکھ یا سونگھ نہ سکے) اور نَاصِيَةٌ غَمَّاءُ پیشانی کے لمبے بال جو چہرے کو چھپالیں۔

(غ م ر)

اَلْغَمْرُ (ض) کے اصل معنی کسی چیز کے اثر کو زائل کر دینے کے ہیں۔ اسی سے غَمْرٌ غَامِرٌ اس زیادہ پانی کو کہتے ہیں جس کا سیلاب ہر قسم کے اثرات کو چھپا کر زائل کر دے شاعر نے کہا ہے (المتقارب)

(۳۳۰) وَ الْمَاءُ غَامِرٌ خِلَادَهَا[1]

اور پانی اپنے گڑھوں کو چھپانے والا تھا۔
اسی مناسبت سے فیاض آدمی اور تیز رو گھوڑے کو بھی غَمْرٌ کہا جاتا ہے جس طرح کہ تشبیہ کے طور پر اسے بَحْرٌ کہہ دیا جاتا ہے اور غَمْرَةٌ اس پانی کثیر کو کہتے ہیں جس کی اتھاہ نظر نہ آئے۔ اور یہ اس جہالت کے لئے ضرب المثل ہے جو آدمی پر چھا جاتی ہے اور قرآن نے فَاَغْشَيْنَاهُمْ وغیرہ الفاظ سے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے قرآن میں ہے:۔
فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ (۲۳-۵۴) تو ان کو.... ان کی غفلت ہی میں رہنے دو۔
اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ (۵۱-۱۱) جو بے خبری میں بھولے ہوئے ہیں۔
اور غَمَرَات کے معنی شدائد کے ہیں (کیونکہ وہ بھی انسان پر ہجوم کرکے اسے بدحواس کر دیتے) ہیں فرمایا:۔
فِيْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ (۶-۹۳) (جب) موت کی سختی میں۔
اور ناتجربہ کار آدمی کو بھی غَمْرٌ کہا جاتا ہے۔ وَالْجَمْعُ اَغْمَارٌ نیز غِمْرٌ کے معنی پوشیدہ کینہ کے بھی آتے ہیں۔ وَالْجَمْعُ غُمُوْرٌ اور غَمَرٌ کے معنی چربی کی بدبو کے آتے ہیں جو تمام چیزوں کی بو پر غالب آجاتی ہے غَمِرَتْ يَدُهٗ اس کا ہاتھ میلا ہوگیا غَمِرَ عِرْضُهٗ اس کی عزت پر بٹہ لگ گیا محاورہ ہے۔
دَخَلَ فِيْ غُمَارِ النَّاسِ وَ خُمَارِهِمْ وہ لوگوں کے ہجوم میں داخل ہوگیا۔
اَلْغُمْرَةُ زعفران سے تیار کیا ہوا ملا جو چہرے پر ملتے ہیں تَغَمَّرْتُ بِالطِّيْبِ میں نے (اپنے چہرہ پر) زعفرانی خوشبو ملی اور پانی پینے کے چھوٹے پیالے کو غُمَرٌ کہا جاتا ہے اسی سے تَغَمَّرْتُ

---

[1] لم اجدہ بہذا اللفظ وفی مجالس ثعلب (۱: ۲۲۲) والاقتضاب ۳۷۴ والمعانی للقتبی ۴۴۲: والليل غامر جدادها۔ کذا فی اللسان (جدد) والمعرب للجوالیقی وبکسا وہذا البیت لاعشی یصف خمارا طرقہ لابتیاع الخمر فاوقد سراجا۔ والليل قد غرای ستر جدادا لحنبار ای الخیوط المعقدۃ او اسفلہا واولہ۔ اضاء مظلمۃ بالسراج۔ وبعدہ: دراھمنا کلہا جیدۃ۔ فلاتحبسنہا بتنقادها والقصیدہ فی دیوانہ (۵۷-۷۱) فاخشی ان یکون البیت مصحفا فی المطبوع ۔

ہے جس کے معنی تھوڑا سا پانی پینے کے ہیں اور کسی شخص کو مُغَامِرٌ اس وقت کہتے ہیں جب کہ وہ اپنے آپ کو لڑائی کی آگ میں جھونک دے اور یہ یا تو دشمن کی صفوں میں گھسنے کے لیے ہوتا ہے جیسا کہ فُلَانٌ یَخُوْضُ الْحَرْبَ کا محاورہ ہے اور یا ناتجربہ کاری کی وجہ سے اور اس صورت میں اسے مُغَامِرٌ کہنا ایسے ہی ہے جیسا کہ اناڑی آدمی کو ھَوْج وغیرہ کہا جاتا ہے۔

(غ م ز)

اَلْغَمْزُ (ن) کے اصل معنی کسی کی عیب جوئی کرتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ یا پلک سے اشارہ کرنے کے ہیں اور اسی سے مَا فِیْ فُلَانٍ غَمِیْزَۃٌ ہے ...... یعنی اس میں کوئی ایسا عیب نہیں ہے جس کی طرف اشارہ کیا جا سکے اور غَمِیْزَۃٌ کی جمع غَمَائِزُ آتی ہے (اَلتَّغَامُزُ) باہم کسی کے عیوب کی طرف ہاتھوں یا آنکھوں سے اشارہ کرنا قرآن میں ہے:۔
وَاِذَا مَرُّوْا بِھِمْ یَتَغَامَزُوْنَ (۸۳-۳۰) اور جب ان کے پاس سے گزرتے ہیں تو حقارت سے اشارہ کرتے ہیں۔
اصل میں یہ غَمَزْتُ الْکَبْشَ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی مینڈھے کے بدن کو دبا کر دیکھنے کے ہیں کہ اس میں چربی ہے یا نہیں جس طرح کہ عَبَطْتُہٗ کا محاورہ ہے۔

(غ م ض)

اَلْغَمْضُ (ض) کے اصل معنی نیند کے جھونکا کے ہیں چنانچہ محاورہ ہے۔ مَا ذُقْتُ غُمْضًا وَ لَا غِمَاضًا یعنی چشم من یکدم نخفتہ اسی مناسبت سے نرم اور نشیبی زمین کو غَامِضَۃٌ وَ غَمْضَۃٌ کہا جاتا ہے اور دَارٌ غَامِضَۃٌ اس سرائے کو کہتے ہیں جو شارع عام پر نہ ہو۔
غَمَّضَ عَیْنَہٗ وَ اَغْمَضَھَا کے معنی آنکھ کو بند کر لینے کے ہیں اور بطور استعارہ تغافل اور تساہل برتنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے قرآن میں ہے:۔
وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْہِ اِلَّا اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْہِ (۲-۲۶۷) تو بجز اس کے کہ لیتے وقت آنکھیں بند کر لو ان کو کو کبھی نہ لو۔

(غ ن م)

اَلْغَنَمُ بکریاں۔ قرآن میں ہے:۔
وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْھِمْ شُحُوْمَھُمَا (۶-۱۴۶) اور گایوں اور بکریوں سے ان کی چربی حرام کر دی تھی۔
اَلْغُنْمُ کے اصل معنی کہیں سے بکریوں کا ہاتھ لگنا۔ اور ان کو حاصل کرنے کے ہیں پھر یہ لفظ ہر اس چیز پر بولا جانے لگا ہے۔ جو دشمن یا غیر دشمن سے حاصل ہو۔ قرآن میں ہے:۔
وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ (۸-۴۱) اور جان رکھو کہ جو چیز تم کفار سے لوٹ کر لاؤ۔
فَکُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا (۸-۶۹) جو مال غنیمت تم کو ملا ہے اسے کھاؤ کہ تمہارے لئے حلال طیب ہے۔
اَلْمَغْنَمُ مال غنیمت اس کی جمع مَغَانِمُ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔
فَعِنْدَ اللّٰہِ مَغَانِمُ کَثِیْرَۃٌ (۴-۹۴) سو خدا کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں۔

(غ ن ی)

اَلْغِنٰی (تونگری، بے نیازی) یہ کئی قسم پر ہے
کلی طور پر بے نیاز ہوجانا اس قسم کی غنا سوائے
اللہ کے کسی کو حاصل نہیں ہے چنانچہ آیت کریمہ:۔
وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (۲۲-۲۴) اور
بے شک خدا بے نیاز اور قابل ستائش ہے۔
اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ
(۳۵-۱۵)...... تم سب خدا کے محتاج ہو اور خدا
بے پرواہ سزاوار حمد وثنا ہے۔ میں بھی اللہ تعالیٰ
کے غنی ہونے سے یہی معنی مراد ہیں۔
۲۔ قدرے محتاج ہونا اور سا تمیسر پر قانع رہنا
چنانچہ آیت کریمہ:۔
وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰی (۹۳-۸) اور تنگ
دست پایا تو غنی کردیا۔
میں اَغْنٰی سے اس قسم کی غنا مراد ہے اور اس قسم
کی غنا (یعنی قناعت) کے متعلق آنحضرت نے
فرمایا (۲) الغنٰی غِنَی النفس۔ کہ غنی درحقیقت
قناعت نفس کا نام ہے اور غنیٰ کے تیسرے معنی
کثرت ذخائر کے ہیں اور لوگوں کی ضروریات کے
لحاظ سے اس کے مختلف درجات ہیں جیسے فرمایا:۔
وَمَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ (۴-۶) جو شخص آسودہ
حال ہو اس کو ایسے مال سے قطعی طور پر پرہیز رکھنا چاہیئے۔
اَلَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِیَاءُ (۹-۹۳)
جو دولت مند ہیں اور پھر تم سے اجازت طلب کرتے ہیں۔
لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ
فَقِیْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِیَاءُ (۳-۱۸۱) خدا نے ان
لوگوں کا قول سن لیا ہے جو کہتے ہیں۔ خدا فقیر
ہے اور ہم امیر ہیں۔
یہ بات انہوں نے اس وقت کہی جب کہ اللہ تعالیٰ
نے آیت کریمہ:۔
مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (۲-۲۴۵)
کوئی ہے کہ خدا کو قرض حسنہ دے۔ نازل فرما کر
ان سے صدقات وخیرات کا مطالبہ کیا اور آیت کریمہ:۔
یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ
(۲-۲۷۳) کہ نامانگنے کی وجہ سے ناواقف شخص
ان کو غنی خیال کرتا ہے۔
کے معنی یہ ہیں کہ وہ بظاہر قانع اور بے نیاز بنتے
ہیں اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرنے
کی وجہ سے ناواقف لوگ انہیں تونگر خیال کرتے
ہیں چنانچہ ایسے ہی لوگوں کے متعلق آنحضرت
نے حضرت معاذ رضی اللہ کو حکم دیا: (۳)
خُذْ مِنْ اَغْنِیَاءِهِمْ وَرُدَّ فِیْ فُقَرَاءِهِمْ کہ ان کے
اغنیاء سے صدقات وصول کرکے وہاں کے فقراء
میں تقسیم کردو اور حقیقت یہ ہے کہ نفس قانع نہ
ہو تو مال ودولت کے باوجود بھی انسان فقیر ہی
رہتا ہے (جیسا کہ شاعر نے کہا ہے (
(۳۳۱) وَقَدْ یَكْثُرُ الْمَالُ وَالْاِنْسَانُ مُفْتَقِرٌ
اور کبھی مال کی فراوانی کے باوجود انسان محتاج ہی
نظر آتا ہے۔
محاورہ ہے:۔
غَنِیْتُ بِكَذَا غِنْیَانًا وَغَنَاءً وَاسْتَغْنَیْتُ
وَتَغَنَّیْتُ وَتَغَانَیْتُ مالدار یا بے نیاز
ہونا۔ قرآن میں ہے:۔

---

(۱) رواہ مسلم ۱/۳۷۰ طبع انصاری ہند والترمذی عن حدیث ابی ہریرۃ وقال حدیث حسن صحیح صفحہ ۶ ج ۲) (۲) رواہ الشیخان والترمذی والنسائی عن حدیث عبداللہ بن عباس فنظر الصحیح صفحہ ۱۹۶ ج ۱ والترمذی صفحہ ۳ ج ۱ ومسلم صفحہ ۳ ج ۱ والنسائی صفحہ ۲۵۱ ج ۱ (۳) انظر ایضاً فی المحاضرات للمؤلف (۱۲۱:۲ ۵) بغیر عزو ۱۲۔

وَاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۚ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ (۶۴-۶) اور خدا نے بھی بے پروائی کی اور خدا بے پرواہ اور سزاوار حمد (وثنا) ہے۔

اور اَغْنَانِی کَذَا اور اَغْنٰی عَنْهُ کَذَا کسی چیز کا کافی ہونا اور فائدہ بخشنا۔ قرآن میں ہے:۔

مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ (۶۹-۲۸) میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا۔

مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ (۱۱۱-۲) نہ تو اس کا مال ہی اس کے کچھ کام آیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا۔ (۳-۹) نہ توان کا مال ہی خدا کے عذاب سے انہیں بچاسکے گا اور نہ ان کی اولاد ہی کچھ کام آئیگی

مَآ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا کَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ (۲۶-۲۰۷) تو جو فائدے یہ اٹھاتے رہے ہیں ان کے کسی کام نہ آئیں گے۔

لَا تُغْنِیْ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ (۳۶-۲۳) انکی سفارش مجھے کچھ بھی فائدہ نہ دے سکے گی۔

وَلَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ (۷۷-۳۱) اور نہ لپٹ سے بچاؤ۔

اور اَلْغَانِیَةُ اس عورت کو کہا جاتا ہے جو اپنے خاوند کے سبب زینت سے بے نیاز ہو بعض نے کہا ہے کہ غَانِیَةٌ اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے ذاتی حسن وجمال کی وجہ سے خارجی زیبائش و آرائش سے بے نیاز ہو۔ غَنِیَ فِیْ مَکَانِ کَذَا۔ کسی جگہ مدت دراز تک اقامت کرنا گویا وہ دوسری جگہوں سے بے نیاز ہے قرآن میں ہے:۔ کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا (۷-۹۲) گویا وہ ان میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے۔

اَلْمَغْنٰی یہ اسم مصدر اور ظرف مکان دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔

غَنّٰی اُغْنِیَّةً وَغِنَاءً (تَغَنّٰی) گیت گانا[1] بعض نے کہا ہے کہ کبھی (تَغَنّٰی) بمعنی اِسْتَغْنٰی بھی آجاتا ہے چنانچہ فرمان نبوی[2] (۴۴) مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ (جو شخص قرآن کے ساتھ اکتفا نہ کرے) میں لَمْ یَتَغَنَّ بمعنی لَمْ یَسْتَغْنِ ہی ہے یعنی جو شخص قرآن کے ساتھ دوسروں سے بے نیاز نہ رہے۔

غ و ث (غ ی ث)

اَلْغَوْثُ کے معنی مدد اور اَلْغَیْثُ کے معنی بارش کے ہیں اور اِسْتَغَثْتُهٗ (استفعال) کے معنی کسی کو مدد کے لئے پکارنے یا اللہ تعالےٰ سے بارش طلب کرنا آتے ہیں جب کہ اس کے معنی مدد طلب کرنا ہو تو اس کا مطاوع اَغَاثَنِیْ آئیگا مگر جب اس کے معنی بارش طلب کرنا ہو تو اس کا مطاوع غَاثَنِیْ آتا ہے اور غَوَّثْتُ میں نے اس کی مدد کی یہ بھی غَوْثٌ سے مشتق ہے جس کے معنی مدد ہیں قرآن میں ہے:۔

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ (۸-۹) جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کرتے تھے۔

---

[1] واختنا ر انذار لمعنیٰ ابوعبید القاسم بن سلام در اجع غریبہ) والحدیث من روایۃ عبداللہ بن نہیک وفی معناہ بحث راجع امالی المرتضیٰ (۱: ۳۱-۳۴) ولتخریج الحدیث انظر الکنز للمتقی رقم ۲۰۰۰ ثم فی رقم ۲۴۹۸ و تخریج الکشاف للحافظ ابن حجر رقم ۲۴۲ و الفتح الکبیر للنبہانی ۳/ ۲۴۷ قال البیہقی فی سننہ الکبریٰ من کتاب الشہادات عن الشافعی معناہ لقرءۃ تحزینا ولیس معناہ الاستغناء علی ما قالوا وقد کرھہ بعض الفقہاء التحدث لہذ الحدیث کراہۃ ان یتاول بالحان مکروھۃ راجع المحاضرات للاصبہانی (۴/ ۳۴) ÷

فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ (۲۸-۱۵) تو جو شخص ان کی قوم میں سے تھا اس نے دوسرے شخص کے مقابلے میں جو موسیٰؑ کے دشمنوں میں سے تھا موسیٰؑ سے مدد طلب کی۔ اور آیت کریمہ:۔

وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ کَالْمُهْلِ (۱۸-۲۹) اور اگر فریاد کریں گے تو ایسے کھولتے ہوئے پانی سے ان کی دادرسی کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح گرم ہوگا۔

میں یَسْتَغِیْثُوْا غَوْثٌ (مدد مانگنا) سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور غَیْثٌ (پانی مانگنا) سے بھی اسی طرح یُغَاثُوْا (فعل مجہول) کے بھی دونوں معنی ہو سکتے ہیں پہلی صورت میں یہ اَغَاثَ یعنی (باب افعال) سے ہوگا دوسری صورت میں غَاثَ، یَغِیْثُ سے اور آیت کریمہ:۔

کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُهٗ (۵۷-۲۰) جیسے بارش کہ اس سے کھیتی اگتی اور کسانوں کو کھیتی بھلی لگتی ہے۔

میں غَیْثٌ کے معنی بارش ہیں چنانچہ کہ شاعر نے کہا ہے[1] ( )

(۳۳۲) سَمِعْتُ النَّاسُ یَنْتَجِعُوْنَ غَیْثًا
فَقُلْتُ لِصَیْدَحَ انْتَجِعِیْ بِلَالًا

میں نے سنا ہے کہ لوگ بارش کے مواضع تلاش کرتے ہیں تو میں نے اپنی اونٹنی صیدح سے کہا تم بلال کی تلاش کرو۔

(غ و ر)

اَلْغَوْرُ کے معنی نشیبی زمین کے ہیں محاورہ ہے غَارَ الرَّجُلُ وَاَغَارَ نشیبی زمین میں چلا جانا غَارَتْ عَیْنُهٗ غَوْرًا وَغُؤُوْرًا آنکھ کا اندر دھنس جانا قرآن میں ہے:۔

مَآؤُکُمْ غَوْرًا (۶۷-۳۰) تمہارا پانی بہت زیادہ زمین کے نیچے اتر جائے۔

اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا (۱۸-۴۱) یا اس کا پانی زمین کے اندر اتر جائے۔

اَلْغَارُ کے معنی غار کے ہیں (ج اَغْوَارٌ وَغِیْرَانٌ) قرآن میں ہے:۔

اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ (۹-۴۰) جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے۔

اور کنایہ کے طور پر فرج و بطن یعنی پیٹ اور شرمگاہ کو غَارَانِ (تثنیہ) کہا جاتا ہے اور مَغَارٌ کا لفظ غَوْرٌ کی طرح اسم مکان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (جمع مَغَارَاتٌ) قرآن میں ہے:۔

لَوْ یَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا (۹-۵۷) اگر ان کو کوئی بچاؤ کی جگہ (جیسے قلعہ) یا (غار و مغاک یا زمین کے اندر) گھسنے کی جگہ مل جائے۔

اور غَارَتِ الشَّمْسُ غِیَارًا کے معنی سورج غروب ہو جانے کے ہیں۔ کسی شاعر نے کہا ہے[2] (الطویل)

(۳۳۳) هَلِ الدَّهْرُ اِلَّا لَیْلَةٌ وَنَهَارُهَا
وَاِلَّا طُلُوْعُ الشَّمْسِ ثُمَّ غِیَارُهَا

---

[1] قاله ذو الرمة فی مدح بلال بن ابی بردة والصیدح اسم ناقته والبیت فی اللسان (غیث) والمحکم (صدح) والکامل ۲۹۶ وشواهد الکشاف ۸۸ الدرة للخفاجی ۲۳۵ وطرز المجالس ۸۵ وفی البیت شاهد ان فعل السمع متعدی الی مفعولین ویدخل علی المبتدا والخبر مثل علم وروی برفع الناس علی الحکایة ای یقول فیهم کذا وبنصبه علی المفعولیة والمبحث فی المطولات ونظیره وجدت الناس اخبر تقله بهاد السکتة [2] البیت من مطلع قصیدة لابی ذؤیب الهذلی فی دیوانه ۲۰ وانظر اللسان (غور) والاقتضاب ۸۷ وابن عقیل رقم ۱۶۸ ومجالس ثعلب ۵۸۳

وزمانہ دن رات کی گردش اور سورج کے طلوع و غروب ہونے کا نام ہے)
غَوْرٌ کے معنی پست زمین میں چلے جانے کے ہیں وَاَغَارَ عَلَی الْعَدُوِّ اِغَارَةً وَّ غَارَةً کے معنی دشمن پرلوٹ مارنے کے قرآن میں ہے:۔
فَالْمُغِيْرَاتِ صُبْحًا (۱۰۰-۳) پھر صبح کو چھاپہ مارتے ہیں۔
اور اس سے مراد گھوڑے ہیں (جو صبح کو دشمن پر چھاپہ مارتے ہیں)

(غ و ص)

اَلْغَوْصُ کے معنی پانی میں غوطہ لگا کر کوئی چیز نکال لانے کے ہیں اور جو شخص کسی پیچیدہ مسئلہ کی تہ تک پہنچ جاتے یا نیچے کی تہ سے کوئی چیز نکال لائے اسے غَائِصٌ کہا جاتا ہے اسی سے غواص صیغہ مبالغہ ہے جس کے معنی غوطہ خور کے ہیں۔
وَالشَّيَاطِيْنَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَّغَوَّاصٍ (۳۸-۳۷)
اور شیاطین کو بھی (ان کے زیر فرمان کیا) وہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے۔
وَمِنَ الشَّيَاطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ (۲۱-۸۲)
اور شیاطین (کی جماعت کو بھی ان کے تابع کر دیا تھا کہ ان) میں سے بعض ان کے لئے غوطہ مارتے تھے۔
میں پانی کے اندر سے موتی نکالنے والے غوطہ خور ہی مراد نہیں ہیں بلکہ نادر کام کرنے والے اور عجیب وغریب صنعتیں ایجاد کرنے والے بھی ان میں داخل ہیں۔

(غ و ل)

اَلْغَوْلُ کسی کو اس طرح ہلاک کر دینا کہ اس کا پتہ بھی نہ چل سکے غَالَ يَغُوْلُ غَوْلًا وَاغْتَالَهٗ اِغْتِيَالًا اس نے اسے ہلاک کر دیا اسی سے سِعْلَاةٌ (چڑیل) کو غُوْلٌ کہا جاتا ہے (غَوْل درد سر سے مستی) قرآن نے جنت کی شراب کی صفت بیان کرتے ہوئے لَا فِيْهَا غَوْلٌ (۳۷-۴۷)
نہ اس سے درد سر ہوگا۔
کہہ کر اس سے ہر اس عیب کی نفی کر دی ہے جس کی طرف آیت:۔
وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (۲-۲۱۹) (ان میں نقصان بڑے ہیں۔ اور آیت:۔
رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ (۵-۹۰) ناپاک اعمال شیطان سے ہیں سو ان سے بچتے رہنا۔
میں اشارہ فرمایا ہے۔

(غ و ی)

اَلْغَيُّ۔ اس جہالت کو کہتے ہیں جو غلط اعتقاد پر مبنی ہو۔ کیونکہ جہالت کبھی تو کسی عقیدہ پر مبنی ہوتی ہے اور کبھی عقیدہ کو اس میں داخل نہیں ہوتا پہلی قسم کی جہالت کا نام غَيٌّ (گمراہی) ہے قرآن میں ہے:۔
مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى (۵۳-۲) کہ تمہارے رفیق (محمدؐ) نہ رستہ بھولے ہیں اور نہ بھٹکے ہیں۔
وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ (۷-۲۰۲)
اور ان (کفار) کے بھائی انہیں گمراہی میں کھینچے جاتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔
فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (۱۹-۵۹) سو عنقریب ان کو گمراہی (کی سزا) ملے گی۔
میں غَيٌّ سے عذاب مراد ہے اور عذاب کو غَيٌّ اس لئے کہا ہے کہ گمراہی عذاب کا سبب بنتی ہے لہذا

عذاب کو "غَیٌّ" کہنا مجازی ہے یعنی کسی شے کو اس کے سبب نام سے موسوم کر دینا جیسا کہ نبات کو نَدٰی (طراوت) کہہ دیتے ہیں بعض نے آیت کے یہ معنی کئے ہیں کہ یہ لوگ عنقریب ہی اپنی گمراہی کا نتیجہ اور ثمرہ پالیں گے مگر مآل کے لحاظ سے دونوں معنی ایک ہی ہیں (رَغَاوٍ بھٹک جانے والا گمراہ جمع غَاوُوْنَ وَغَاوِیْنَ جیسے فرمایا:۔

وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغَاوِیْنَ (۲۶-۹۱) اور دوزخ گمراہوں کے سامنے لائی جائی گی۔

وَالشُّعَرَاءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُوْنَ (۲۶-۲۲۴) اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں۔

رَالْغَوِیُّ. گمراہ غلط رو۔ جیسے فرمایا:۔

اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ (۲۸-۱۸) کہ تو تو صریح گمراہ ہے۔

اور آیت کریمہ:۔

وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی (۲۰-۱۲۱) اور آدم نے اپنے پروردگار کے حکم کے خلاف کیا (تو وہ اپنے مطلوب سے) بے راہ ہوگئے۔

میں غَوٰی کے معنی یہ ہیں کہ آدم نے جہالت کا ارتکاب کیا اور بعض نے اس کے معنی خَابَ کئے ہیں یعنی انہوں نے سراسر نقصان اٹھایا۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۳۳۴) وَمَنْ یَّغْوِ لَا یَعْدَمْ عَلَی الْغَیِّ لَائِمًا

اور اگر ناکام ہوجائے تو ناکامی پر بھی ملامت کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔

بعض نے غَوٰی کے معنی فَسَدَ عَیْشُهٗ کئے ہیں یعنی اس کی زندگی تباہ ہوگئی اور یہ غَوِیَ الْفَصِیْلُ وَغَوٰی جیسے هَوِیَ وَهَوٰی۔ سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ہیں اونٹ کے بچے نے بہت زیادہ دودھ پی لیا جس سے اسے بدہضمی ہوگئی" اور آیت کریمہ:۔

اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْ (۱۱-۳۴) اور اگر خدا یہ چاہے کہ تمہیں گمراہ کرے۔

میں یُغْوِیَكُمْ سے مراد گمراہی کی سزا دینے کے ہیں اور بعض نے اس کے معنی گمراہی کا حکم لگانا بھی کئے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

قَالَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَغْوَیْنَا اَغْوَیْنٰهُمْ كَمَا غَوَیْنَا تَبَرَّاْنَاۤ اِلَیْكَ (۲۸-۶۳) (تو جن لوگوں پر) عذاب کا حکم ثابت ہوچکا ہوگا وہ کہیں گے کہ ہمارے پروردگار یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا اور جس طرح ہم خود گمراہ تھے اسی طرح انہیں گمراہ کیا تھا۔

میں بتایا گیا ہے کہ کفار قیامت کے دن اعلان کریں گے کہ ہم نے ان کے ساتھ انتہائی مخلصانہ سلوک کیا تھا جو کہ ایک انسان اپنے دوست سے کرسکتا ہے کیونکہ انسان کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے دوست کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو وہ کہیں گے

---

[1] فی المعجم للمرزبانی ۵:۔ البیت للمرقش الاصغر (ربیعہ بن سلیمان بن سعد بن مالک) وھو ابن اخی المرقش الاکبر وعم طرفۃ بن العبد اولہ: فمن یلق خیرا یحمد الناس امرہ ۔۔۔۔۔۔ انظر اللسان (غوی) والمفضلیات ۸۱۱ والبیت من شواھد الطبری (۱۶: ۱۰۱) والخزانۃ (۱: ۱۶۴) والاغانی (۵: ۱۸۵) والشعر والشعراء ۱۰۷ والحماسۃ للبحتری ۲۳۶ والمرزبانی ۲۰۱ وشعراء الجاھلیۃ ۳۲۹ والانصاف ۱۱۸ والمرتضٰی (۱: ۲۴۱، ۲: ۶۷) والبحر (۱: ۲۰۱، ۲: ۳۲۶) واصلاح یعقوب ۳۰۲ وقبلہ:۔ امن حلم اصبحت تنکث واجما۔ وقد تعتری الاحلام من کان نائما۔ والبیت ایضا فی الحصری (۳: ۱۱) والعقد الفرید (۲: ۱۸۶) والسیوطی ۱۵۹ والفائق (۲: ۱۰۱) ❊ ❊ ❊ ❊

کہ ہم نے انہیں اپنی طرف سے فائدہ پہنچایا اور انہیں اپنے جیسا سمجھا تھا اور یہی معنی آیت :۔
فَاَغْوَیْنٰکُمْ اِنَّا کُنَّا غٰوِیْنَ (۳۷-۳۲) ہم نے تم کو بھی گمراہ کیا اور ہم خود بھی گمراہ تھے۔ کے ہیں۔
فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَھُمْ فِی الْاَرْضِ وَ لَاُغْوِیَنَّھُمْ ..... (۱۵-۳۹) جیسا کہ تم نے مجھے رستے سے الگ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں کے لئے (گناہوں کو) آراستہ کر دکھاؤں گا اور ان۔ کو بہکاؤں گا۔

(غ ی ب)

اَلْغَیْبُ (ض) غَابَتِ الشَّمْسُ وَغَیْرُھَا کا مصدر ہے جس کے معنی کسی چیز کے نگاہوں سے اوجھل ہو جانے کے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے۔
غَابَ عَنِّیْ کَذَا (فلاں چیز میری نگاہ سے اوجھل ہو گئی۔ قرآن میں ہے۔
اَمْ کَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ (۲۷-۲۰) کیا کہیں غائب ہو گیا ہے۔
اور ہر وہ چیز جو انسان کے علم اور حواس سے پوشیدہ ہو اس پر غیب کا لفظ بولا جاتا ہے یعنی غیب بمعنی غائب ہے۔ قرآن میں ہے :۔
وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (۲۷-۷۵) اور آسمانوں اور زمین میں کوئی پوشیدہ چیز نہیں ہے مگر (وہ) کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔
اور کسی چیز کو غَیْبٌ یا غَآئِبٌ لوگوں کے لحاظ سے کہا جاتا ہے ورنہ باری تعالیٰ سے تو کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے جیسے فرمایا :۔

لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ (۳۴-۳) ذرہ بھر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں (نہ) آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔
لہٰذا آیت کریمہ :۔
عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ (۶-۷۳) وہی پوشیدہ اور ظاہر (سب) کا جاننے والا ہے۔
میں اَلْغَیْبُ وَالشَّهَادَةُ سے مراد وہ اشیاء ہیں جو انسان کے علم و حواس سے پوشیدہ ہیں اور جو اس کے سامنے موجود ہیں اور آیت کریمہ :۔
یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (۲-۳) غیب پر ایمان لاتے ہیں۔
میں الغیب سے وہ تمام اشیاء اور حقائق مراد ہیں جو انسانی حواس سے ماوراء ہیں اور بداہت عقل سے ان کا علم نہیں ہو سکتا بلکہ انبیاء علیہ السلام کے خبر دینے سے ہی ان کا علم ہوتا ہے اور انہیں نہ ماننے کی وجہ سے انسان ملحد ہو جاتا ہے[۱] اور جن لوگوں نے غیب سے قرآن یا تقدیر مراد لی ہے تو انہوں نے اس کے جزوی مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے اور بعض نے یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے معنی یہ کئے ہیں کہ تم سے غائب ہونے کی حالت میں بھی وہ ایمان لاتے ہیں[۲] یعنی وہ ان منافقوں کی طرح نہیں ہیں جن کے متعلق ارشاد ہے کہ
وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (۲-۱۴) اور جب اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور (پیروان محمد سے) تو ہنسی کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل آیات :۔

۱؎ وھو قول جمہور المفسرین کما فی الروح ۲؎ ھو اختیار ابی مسلم الاصفہانی فعلی ہذا قولہ بالغیب صفۃ المؤمنین (راجع الفخر ۲/۲۷)

اَلَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ (۲۵-۱۸) جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ..... ہیں۔
مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ (۵۰-۳۳) جو خدا سے بن دیکھے ڈرتا ہے۔
وغیرہا میں بھی غیب کے معنی خلوت اور تنہائی کے ہیں۔
وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۱۶-۷۷) اور آسمانوں اور زمین کا علم خدا ہی کو ہے۔
اَطَّلَعَ الْغَيْبَ (۱۹-۷۸) کیا اس نے غیب کی خبر پالی ہے۔
فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا (۷۲-۲۶) اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا۔
لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (۲۷-۶۵) کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں خدا کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے۔
تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ (۱۱-۴۹) یہ (حالات) منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں۔
وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ (۳-۱۷۹) اور اللہ تم کو غیب کی باتوں سے مطلع نہیں کریگا۔
اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (۵-۱۱۶) بیشک تو علام الغیوب ہے۔
اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (۳۴-۴۸) میرا پروردگار اوپر سے حق اتارتا ہے (اور وہ) غیب کی باتوں کا جاننے والا ہے۔
اَغَابَتِ الْمَرْأَةُ وہ عورت جس کا خاوند اس کے پاس موجود نہ ہو۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔
حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (۴-۳۴) اور ان کے پیٹھ پیچھے خدا کی حفاظت میں (مال و آبرو کی) خبرداری کرتی ہیں
کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے خاوندوں کی عدم موجودگی میں وہ کام نہیں کرتیں جسے وہ برا سمجھتے ہوں۔
اَلْغِيْبَةُ کے معنی کسی انسان کی عدم موجودگی میں اس کے اس عیب کو بیان کرنے کے ہیں جو اس میں موجود تو ہو لیکن اس کا ذکر کرنا اس پر ناگوار گزرے قرآن میں ہے:۔
وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا (۴۹-۱۲) اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔
اَلْغَيَابَةُ کے معنی نشیبی زمین کے ہیں اور اسی سے گھنے جنگل کو غَابَةٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ (۱۲-۱۰) کسی کنوئیں کی گہرائی میں ...... ایک محاورہ ہے:۔
هُمْ يَتَشَاهَدُوْنَ اَحْيَانًا وَيَتَغَايَبُوْنَ اَحْيَانًا
کہ وہ کبھی ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی چھپ جاتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔
وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ کے معنی یہ ہیں کہ ......
(وہ یونہی اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں اور) نگاہ وبصیرت سے اس کا ادراک نہیں کرتے۔[1]

(غ ی ر)

غَيْرٌ۔ کا لفظ کئی طرح پر استعمال ہوتا ہے (1) محض نفی کے لئے یعنی اس سے کسی دوسرے معنی کا اثبات مقصود نہیں ہوتا جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ غَيْرِ قَائِمٍ یعنی میں ایسے آدمی کے پاس سے گزرا جو کھڑا نہیں تھا۔ قرآن میں ہے:۔
وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى

(۱) راجع للغیث (غوث)

مِّنَ اللّٰهِ (۲۸-۵۰) اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے

وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ (۴۳-۱۸) اور جھگڑے کے وقت بات نہ کر سکے۔

۲ بمعنی اِلَّا جو مستثنیٰ کے لئے آتا ہے۔ اس صورت میں یہ نکرہ کی صفت بن سکتا ہے۔ جیسے مَرَرْتُ بِقَوْمٍ غَيْرِ زَيْدٍ یعنی میں زید کے علاوہ دوسری قوم کے پاس سے گزرا۔ قرآن میں ہے:۔

مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرِي (۲۸-۳۸) میں تمہارا اپنے سوا کسی کو خدا نہیں جانتا۔

مَا لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ (۷-۶۵) اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ (۳۵-۳) کیا خدا کے سوا کوئی اور خالق (اور رازق) ہے۔

۳ کسی چیز سے صرف اس کی صورت یعنی وصف کی نفی کرنے کے لئے آتا ہے۔ جیسے اَلْمَاءُ إِذَا كَانَ حَارًّا غَيْرُهُ إِذَا كَانَ بَارِدًا۔ کہ پانی گرم ہونے کی حالت میں ٹھنڈے کا غیر ہوتا ہے قرآن میں ہے۔

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا (۴-۵۶) جب ان کی کھالیں گل (اور جل) جائیں گی تو اور کھالیں بدل دیں گے۔

۴ یہ کہ وہ نفی ذات کو بھی شامل ہو۔ جیسے فرمایا:۔

الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ (۶-۹۳) آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی اس لئے کہ تم خدا پر جھوٹ بولا کرتے تھے۔ یعنی باطل بہتان باندھا کرتے تھے۔

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (۲۸-۳۹) اور وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحق مغرور ہو رہے تھے۔

أَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْغِي رَبًّا (۶-۱۶۴) کیا میں خدا کے سوا اور پروردگار تلاش کروں۔

وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ (۹-۳۹، ۴۷-۳۸) اور تمہاری جگہ اور لوگ پیدا کر دے گا۔

ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هٰذَا (کہ یا تو) اس کے سوا کوئی اور قرآن (بنا) لاؤ (۱۰-۱۵)

اور تَغْيِيرٌ کا لفظ بھی دو طرح استعمال ہوتا ہے ایک صرف کسی چیز کی صورت کو بدلنا جیسے غَيَّرْتُ دَارِي یعنی میں نے اپنے گھر کی شکل و صورت بدل دی۔ دوم کسی دوسری چیز سے تبدیل کر لینا جیسے غَيَّرْتُ غُلَامِي وَدَابَّتِي یعنی میں نے اپنا غلام یا جانور دوسرے سے تبدیل کر لیا۔ قرآن میں ہے:۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (۱۳-۱۱) خدا اس نعمت کو جو کسی قوم کو حاصل ہے نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت کو نہ بدلیں۔

اور لفظ غَيْرٌ اور مُخْتَلِفٌ میں معنوی لحاظ سے فرق یہ ہے کہ غیر کا مفہوم لفظ مختلف سے زیادہ عام ہے کیونکہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ چیز دوسری کی غیر ہے تو ان دونوں چیزوں کا بلحاظ جوہر کے مختلف ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ تغایر فی الوصف کی صورت میں ایک کو دوسری کا غیر کہا جا سکتا ہے مگر ایک چیز کو دوسری سے مختلف اس صورت میں کہا جا سکتا ہے جب کہ ان دونوں میں تغایر بلحاظ جوہر کے پایا جائے۔ پس اس سے

---

۱ کذا لآیۃ فی الاصل وانما هو نقلہ من المصحح دون لفظ یلی انما جاء فی (۱۰-۱۵) ولکن هنا کـ یستخلفنو علی الستبدل ۱۲

واضح ہوتا ہے کہ ہر جگہ مختلفین کو متغائرین تو کہہ سکتے ہیں مگر ہر موقعہ پر متغایرین کو مختلفین نہیں کہہ سکتے۔

(غ ی ض)

غَاضَ (ض) اَلشَّیْءُ غَیْضًا وَغَاضَہٗ غَیْرُہٗ یہ نَقَصَ کی طرح لازم ومتعدی دونوں طرح آتا ہے۔ لہٰذا اس کے معنی کسی چیز کو کم کرنے یا اس کے از خود کم ہونے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَغِیْضَ الْمَآءُ (۱۱-۴۴) تو پانی خشک ہو گیا۔
وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ (۱۳-۸) اور پیٹ کے سکڑنے۔ یعنی وہ نطفہ جسے بگاڑ کر رحم اس پانی کی طرح ضائع کر دیتے ہیں جسے زمین اپنے اندر جذب کر لیتی ہے (اور وہ پینے کے کام نہیں آتا)
اَلْغَیْضَۃُ وہ جگہ جہاں پانی ٹھہرے اور زمین اسے اپنے اندر جذب کر لے لَیْلَۃٌ غَائِضَۃٌ تاریک رات۔

(غ ی ظ)

اَلْغَیْظُ کے معنی سخت غصہ کے ہیں۔ یعنی وہ حرارت جو انسان اپنے دل کے دوران خون کے تیز ہونے پر محسوس کرتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِکُمْ (۳-۱۱۹) کہہ دو کہ (بدبختو) غصے میں مر جاؤ۔ غَاظَہٗ (کسی کو غصہ دلانا) لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ (۴۸-۲۹) تاکہ کافروں کی جی جلائے۔
اور اللہ تعالیٰ نے سخت غصہ کے وقت نفس کو روکنے کا حکم دیا ہے اور جو لوگ اپنے غصہ کو پی جاتے ہیں ان کی تحسین فرمائی ہے چنانچہ فرمایا:۔ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ (۳-۱۳۴) اور غصے کو روکتے۔
اور اگر غیظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو تو اس سے انتقام لینا مراد ہوتا ہے جیسے فرمایا:۔ وَاِنَّھُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ (۲۶-۵۵) اور یہ ہمیں غصہ دلا رہے ہیں۔
یعنی وہ اپنی مخالفانہ حرکتوں سے ہمیں انتقام پر آمادہ کر رہے ہیں اور تَغَیُّظٌ کے معنی اظہار غیظ کے ہیں جو کبھی ایسی آواز کے ساتھ ہوتا ہے جو سنائی دے جیسے فرمایا:۔ سَمِعُوْا لَھَا تَغَیُّظًا وَّزَفِیْرًا (۲۵-۱۲) تو اس کے جوش غضب اور چیخنے چلانے کو سنیں گے۔

کِتَابُ الْفَاء

(ف ء د)

اَلْفُؤَادُ کے معنی قلب یعنی دل کے ہیں مگر قلب کو فؤاد کہنا معنی تفؤد یعنی روشن ہونے کے لحاظ سے ہے محاورہ ہے فَادْتُ اللَّحْمَ گوشت کو آگ پر بھون لینا لحمٌ فَئِیْدٌ آگ میں بھنا ہوا گوشت ۔ قرآن میں ہے :۔

مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی (۵۳-۱۱) جو کچھ انہوں نے دیکھا ان کے دل نے اس کو جھوٹ نہ جانا۔

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ (۱۷-۳۶) کہ کان اور آنکھ اور دل ....

فُؤَادٌ کی جمع اَفْئِدَۃٌ ہے قرآن میں ہے :۔

فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ (۱۴-۳۷) لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں۔

وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے ۔

وَاَفْئِدَتُھُمْ ھَوَآءٌ (۱۴-۴۳) اور ان کے دل (مارے خوف کے) ہوا ہو رہے ہوں گے ۔

نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ (۱۰۴-۷-۶) وہ خدا کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر جا لپٹیگی۔

اَفْئِدَۃٌ کی تخصیص سے اس کی شدت تاثیر پر تنبیہ کی ہے جس کی وضاحت اس کے بعد علوم قرآن پر کتابوں میں سے کسی کتاب میں بیان کی جائے گی۔

(ف ت ء)

مَا فَتِئْتُ وَمَا فَتَئْتُ افعال کَانَ (بمعنی مَازِلْتُ) میں اس کام کو برابر کرتا رہا۔ قرآن میں ہے :۔

تَفْتَؤُا تَذْکُرُ یُوْسُفَ (۱۲-۸۵) آپ یوسف کو اسی طرح یاد کرتے ہی رہو گے۔

(ف ت ح)

اَلْفَتْحُ کے معنی کسی چیز سے بندش اور پیچیدگی کو زائل کرنے کے ہیں اور یہ ازالہ دو قسم پر ہے ایک وہ جس کا آنکھ سے ادراک ہو سکے جیسے ۔ فَتَحَ الْبَابَ (دروازہ کھولنا) اور فَتَحَ الْقُفْلَ (قفل کھولنا) اور فَتَحَ الْمَتَاعَ (اسباب کھولنا قرآن میں ہے :۔

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَھُمْ (۱۲-۶۵) اور جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا ۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ (۱۵-۱۴) اور اگر ہم آسمان کا کوئی دروازہ ان پر کھول دیتے ۔

دوم جس کا ادراک بصیرت سے ہو جیسے :۔

فَتۡحُ الۡھَمِّ (یعنی ازالۂ غم) اس کی چند قسمیں ہیں

(۱) وہ جس کا تعلق دنیوی زندگی کے ساتھ ہوتا ہے جیسے مال وغیرہ دے کر غم واندوہ اور فقر و احتیاج کو زائل کر دینا۔ جیسے فرمایا :-

فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُکِّرُوۡا بِہٖ فَتَحۡنَا عَلَیۡھِمۡ اَبۡوَابَ کُلِّ شَیۡءٍ (۶-۴۴) پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی۔ فراموش کر دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ یعنی ہر چیز کی فراوانی کر دی۔ نیز فرمایا :-

لَفَتَحۡنَا عَلَیۡھِمۡ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ (۷-۹۶) تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات کے دروازے کھول دیتے۔

یعنی انہیں ہر طرح سے آسودگی اور فارغ البالی کی نعمت سے نوازتے۔ (۲) علیم و معارف کے دروازے کھولنا جیسے محاورہ ہے :-

فُلَانٌ فَتَحَ مِنَ الۡعِلۡمِ بَابًا مُّغۡلَقًا فلاں نے علم کا بند دروازہ کھول دیا۔ یعنی شبہات کو زائل کر کے ان کی وضاحت کر دی۔ اور آیت کریمہ :-

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا۔ (۴۸-۱) (اے محمدؐ) ہم نے تم کو فتح دی اور فتح بھی صریح و صاف۔

میں بعض نے کہا ہے یہ فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ نہیں بلکہ اس سے علوم و معارف اور ان ہدایات کے دروازے کھولنا مراد ہے جو کہ ثواب اور مقامات محمودہ تک پہنچنے کا ذریعہ بنتے ہیں اور آنحضرتؐ کیلئے غفران ذنوب کا سبب بنے۔

اَلۡفَاتِحَۃُ ہر چیز کے مبدء کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ اس کے مابعد کو شروع کیا جائے اسی وجہ سے سورۃ فاتحہ کو فَاتِحَۃُ الۡکِتَابِ کہا جاتا ہے۔ اِفۡتَتَحَ فُلَانٌ کَذَا فلاں نے یہ کام شروع کیا فَتَحَ عَلَیۡہِ کَذَا کسی کو کوئی بات بتانا اور اس پر اسے ظاہر کر دینا قرآن میں ہے :-

اَتُحَدِّثُوۡنَھُمۡ بِمَا فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیۡکُمۡ (۲-۷۶) جو بات خدا نے تم پر ظاہر فرمائی ہے وہ تم ان کو ... بتائے دیتے ہو۔

مَا یَفۡتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ (۳۵-۲) جو لوگوں کیلئے ... کھولدے۔

فَتَحَ الۡقَضِیَّۃَ فِتَاحًا یعنی اس نے معاملے کا فیصلہ کر دیا اور اس سے مشکل اور پیچیدگی کو دور کر دیا۔ قرآن میں ہے :-

رَبَّنَا افۡتَحۡ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَ قَوۡمِنَا بِالۡحَقِّ وَاَنۡتَ خَیۡرُ الۡفٰتِحِیۡنَ۔ (۷-۸۹) اے ہمارے پروردگار ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

اسی سے اَلۡفَتَّاحُ الۡعَلِیۡمُ (۳۴-۲۶) ہے یعنی خوب فیصلہ کرنے والا اور جاننے والا یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ سے ہے کسی شاعر نے کہا ہے[1] (الوافر)

(۳۳۵) وَاِنِّیۡ مِنۡ فُتَاحَتِکُمۡ غَنِیٌّ

اور میں تمہارے فیصلہ سے بے نیاز ہوں۔

---

[1] ہذا ہو المناسب لقولہ تعالیٰ بعد ولیغفر لک اللہ الآیۃ [2] والصحیح بانی بدل وانی وادلہ :- الا ابلغ بنی عصم رسولا ... وفی روایۃ بنی عمرو بدل بنی عصم وفی روایۃ المحکم (فتح) اصدرہ :- الا من مبلغ عمراً رسولاً- وفی الاساس :- الا ابلغ بنی وہب رسولاً- وفی روایۃ اللسان غنی بدل غنی وفی روایۃ القالی وانی بدل وانی من" والبیت کما تری اختلافاً فی روایتہا ایضاً انما اختلف فی عزوہ فنسبہ صاحب اللسان الی الاسعر الجعفی وفی زیادات الجمہرۃ (۱: ۳) منسوب لاعشیٰ قیس لکن الاعشی مصحف من الاسعر ونسبہ ابن السیرافی الی شویعر الجعفی وفی الحماسۃ الصغریٰ لابی تمام (۲: ۴) ان البیت لمحمد بن حمران الی حمران وابو حمران اسمہ مرثد بن حمران ولعل محمد مصحف والبیت فی اصلاح المنطق ۲۱۲ و تہذیبہ (۱: ۸۸) وتاج العروس (۴: ۳) وذیل مجازات القرآن لشریف الرضی والطبری (۹: ۲) والسمط ۹۲۷ والقرطبی (۱۳: ۹) واللسان والتاج (فتح، فتا) ومجاز القرآن لابی عبیدۃ (۱: ۲۲۰، ۲: ۸۷) وشواہد الکشاف ۵ وفی روایتہ: الا ابلغ بنی حمران انی عن عواذکم نہی فی ۹ ابیات راجع السمط ؛

بعض کے نزدیک فُتَاحَۃٌ فا کے ضمہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ صحیح ہے[1] اور آیت کریمہ:۔
اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ (۱۱۰-۱) جب اللہ کی مدد آپہنچی اور فتح حاصل ہوگئی۔
میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اَلْفَتْحُ سے نصرت، کامیابی اور حکم مراد ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ علوم ومعارف کے دروازے کھول دینا مراد ہو اسی معنی میں فرمایا:۔
نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ (۶۱-۱۳) (یعنی تمہیں خدا کی طرف سے مدد (نصیب ہوگی) اور فتح عنقریب (ہوگی)
فَعَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ (۵-۵۲) تو قریب ہے کہ خدا فتح بھیجے
وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی ھٰذَا الْفَتْحُ (۳۲-۲۸) اور کہتے ہیں ..... یہ فیصلہ کب ہوگا۔
قُلْ یَوْمَ الْفَتْحِ (۳۲-۲۹) کہدو کہ فیصلے کے دن .....
یعنی حکم اور فیصلے کے دن بعض نے کہا ہے کہ اَلْفَتْحُ سے قیامت بپا کرکے ان کے شک وشبہہ کو زائل کرنے کا دن مراد ہے اور بعض نے یوم عذاب مراد لیا ہے جسے وہ طلب کیا کرتے تھے۔
اَلْاِسْتِفْتَاحُ کے معنی غلبہ یا فیصلہ طلب کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَاءَکُمُ الْفَتْحُ (۸-۱۹) (کافرو) اگر تم (محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر) فتح چاہتے ہو تو تمہارے پاس فتح آچکی۔
یعنی اگر تم کامیابی یا فیصلہ طلب کرتے ہو تو وہ آچکا ہے اور یا یہ معنی ہیں کہ اگر تم مبدء خیرات طلب کرتے ہو تو آنحضرت کی بعثت سے تمہیں مل چکا ہے اور آیت کریمہ:۔
وَکَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (۲-۸۹) اور وہ پہلے ہمیشہ کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے۔
میں یَسْتَفْتِحُوْنَ کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں۔
(۱) آنحضرت کی بعثت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے فتح طلب کرتے تھے (۲) وہ آنحضرت کی بعثت کے متعلق کبھی لوگوں سے دریافت کرتے تھے اور کبھی کتب سماویہ سے اس پر استدلال کرتے تھے (۳) وہ آنحضرت کے ذکر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے تھے (۴) وہ کہا کرتے تھے کہ آنحضرت کے ذریعہ ہمیں بت پرستوں پر غلبہ حاصل ہوگا۔
اَلْمِفْتَحُ وَالْمِفْتَاحُ (کنجی) وہ چیز جس کے ساتھ کسی چیز کو کھولا جائے اس کی جمع مَفَاتِحُ ومَفَاتِیْحُ آتی ہے اور آیت وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ (۶-۵۹) اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔
میں مَفَاتِحُ سے وہ وسائل مراد ہیں جن کے ذریعہ اس غیب تک رسائی ہوتی ہے جس کا ذکر آیت فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (۷۲-۲۶) اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے۔
میں ہے اور آیت کریمہ:۔
مَا اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْءُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ (۲۸-۷۶) اتنے خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں

---

[1] والصحیح بالضمۃ والکسرۃ فانہ فی اصلاح یعقوب ۱۲: فی باب الفعالۃ والفِعالۃ

ایک طاقتور جماعت کو اٹھانی مشکل ہوتی ہیں۔
یہں مَفَاتِحُ سے بعض کے نزدیک خزانوں کی چابیاں مراد ہیں اور بعض نے خزانے ہی مراد لئے ہیں۔
عام طور پر بَابٌ فَتْحٌ کے معنی مَفْتُوْحٌ کے آتے ہیں اور یہ غَلْقٌ کی ضد ہے۔ ایک روایت میں ہے۔
مَنْ وَجَدَ بَابًا غَلْقًا وَجَدَ اِلٰی جَنْبِہٖ بَابًا فَتْحًا۔ کہ جس سے ایک دروازہ بند ہو جائے تو اس کے لئے دوسرا دروازہ کھلا ہے اور بعض کے نزدیک فَتْحٌ بمعنی وَاسِعٌ ہے۔

(ف ت ر)

اَلْفُتُوْرُ کے معنی تیزی کے بعد ٹھہرنے سختی کے بعد نرم اور قوت کے بعد کمزور پڑجانا کے ہیں۔
قرآن میں ہے:۔
یَآ اَھْلَ الْکِتَابِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ عَلٰی فَتْرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ (۵-۱۹) اے اہل کتاب پیغمبروں کے آنے کا سلسلہ جو ایک عرصے تک منقطع رہا تو اب تمہارے پاس ہمارے پیغمبر آ گئے ہیں۔
یعنی سلسلۂ رسالت کے منقطع اور ماند پڑ جانے کے بعد آنحضرت تشریف لے آئے ہیں آیت کریمہ۔
لَا یَفْتُرُوْنَ (۲۱-۲۰) کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہمیشہ عبادت میں سرگرم رہتے ہیں اور کبھی سست نہیں پڑتے اور ایک روایت میں ہے (۱)
اِنَّ لِکُلِّ عَالِمٍ شِرَّۃً وَلِکُلِّ شِرَّۃٍ فَتْرَۃً فَمَنْ فَتَرَ اِلٰی سُنَّتِیْ فَقَدْ نَجَا وَاِلَّا فَقَدْ ھَلَکَ کہ ہر عالم میں تیزی ہوتی ہے اور ہر تیزی کے بعد فترۃ یعنی سکون ہوتا ہے تو جو شخص میری سنت سے سکون حاصل کریگا وہ نجات یافتہ ہے ورنہ نہ وہ ہلاک ہوگا پس لِکُلِّ شِرَّۃٍ فَتْرَۃً میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ باطل میں پہلے پہل تو جوش ہوتا ہے مگر جلد ہی مضمحل ہو جاتا ہے اور حق کی سلطنت کبھی ذلیل یا کمزور نہیں ہوتی۔ اور مَنْ فَتَرَ اِلٰی سُنَّتِیْ کے معنی سنت نبوی کی پناہ میں سکون حاصل کرنے کے ہیں۔
اَلطَّرْفُ الْفَاتِرُ نگاہ مست اور یہ اچھی صفت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔
اَلْفِتْرُ انگشت شہادت اور انگوٹھے کے درمیان کا فاصلہ اور شَبَرْتُہٗ بشبری کی طرح فَتَرْتُہٗ بِفَتْرِیْ کا محاورہ ہے جس کے معنی انگوٹھا اور انگشت شہادت کے ساتھ کسی چیز کو ناپنے کے ہیں۔

(ف ت ق)

اَلْفَتْقُ (ض) کے معنی دو متصل چیزوں کو الگ الگ کر دینے کے ہیں اور یہ رَتْقٌ کی ضد ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا (۲۱-۳۰) آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے تو ہم نے ان کو جدا جدا کر دیا۔
اَلْفَتْقُ وَالْفَتِیْقُ صبح کو کہتے ہیں کیونکہ وہ دنیا کی سے نمودار ہوتی ہے۔
اَفْتَقَ الْقَمَرُ چاند کا بادل سے ظاہر ہونا۔
نَصْلٌ فَتِیْقُ الشَّفْرَتَیْنِ بھالا جس کی دو شاخیں ہوں گویا ایک کو دوسری سے پھاڑ کر بنایا گیا ہے۔
جَمَلٌ فَتِیْقٌ اونٹ جس کا چمڑا موٹاپے کی وجہ سے پھٹ گیا ہو اور یہ فَتِقَ (س لازم) فَتْقًا سے ہے۔

(ف ت ل)

فَتَلْتُ الْحَبْلَ فَتْلًا کے معنی رسی کو بل دینے کے ہیں اور بٹی ہوئی رسی کو مَفْتُوْلٌ کہا جاتا ہے۔ اور کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں جو باریک سا ڈورا ہوتا ہے اسے بھی فَتِیْلٌ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ رسی کی شکل وصورت پر ہوتا ہے (عربی زبان میں یہ حقیر شے کے لئے ضرب المثل ہے) جیسے فرمایا:۔

وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا (۴-۴۹) اور ان پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

فَتِیْلٌ اصل میں اس تاگے یا میل کو کہتے ہیں جو دو انگلیوں میں پکڑ کر بٹی جاتی ہے اور یہ حقیر چیز کے لئے ضرب المثل ہے۔

نَاقَةٌ فَتْلَاءُ الذِّرَاعَیْنِ مضبوط بازؤں والی اونٹنی

(ف ت ن)

اَلْفَتْنُ[1] دراصل فَتَنَ کے معنی سونے کو آگ میں گلانے کے ہیں تاکہ اس کا کھرا کھوٹا ہونا معلوم ہو جائے اس لحاظ سے کسی انسان کو آگ میں ڈالنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

یَوْمَ هُمْ عَلَی النَّارِ یُفْتَنُوْنَ (۵۱-۱۳) جب ان کو آگ میں عذاب دیا جائے گا۔ اور اس کا اطلاق نفس عذاب پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔

ذُوْقُوْا فِتْنَتَکُمْ (۵۱-۱۴) اپنی شرارت کا مزہ چکھو۔ یعنی عذاب کا مزہ چکھو۔ جیسے آیت کریمہ:۔

کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ (۴-۵۶) جب ان کی کھالیں گل (اور جل) جائیں گی تو ہم اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ (ہمیشہ) عذاب کا مزہ (چکھتے رہیں۔

میں لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ سے تعبیر فرمایا ہے اور آیت اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا (۴۰-۴۶) یعنی آتش جہنم پر پیش کئے جاتے ہیں۔

میں اسی عذاب کو عرض علی النار کہا ہے۔

اور کبھی فتنہ کا لفظ اس چیز پر بھی بولا جاتا ہے جو عذاب کا باعث بنتی ہو جیسے فرمایا:۔

اَلَا فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا (۹-۴۹) دیکھو! یہ آفت میں پڑ گئے ہیں۔

اور کبھی اس کے معنی امتحان اور آزمائش کرنے کے آتے ہیں۔ جیسے فرمایا:۔

وَفَتَنَّاكَ فُتُوْنًا (۲۰-۴۰) اور ہم نے تمہاری کئی بار آزمائش کی۔

اور بلاء کی طرح فتنہ کا لفظ بھی تکلیف اور آسائش دونوں قسم کی حالت پر بولا جاتا ہے۔ جن میں انسان کو مبتلا کرکے اس کی آزمائش کی جاتی ہے (اور اس کے صبر وشکر کا امتحان کیا جاتا ہے) لیکن شدت کے معنی میں اس کا استعمال زیادہ ظاہر اور اکثر ہی ہے چنانچہ قرآن نے دونوں قسم کے فتنہ کے متعلق فرمایا ہے۔

وَنَبْلُوْکُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَةً (۲۱-۳۵) اور ہم تم لوگوں کو سختی اور آسودگی میں آزمائش کے طور پر مبتلا کرتے ہیں۔

اور تکلیف کے متعلق فرمایا:۔

اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ (۲-۱۰۲) ہم تو ذریعہ آزمائش ہیں۔

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (۲-۱۹۱) اور دین سے گمراہ کرنے کا) فساد قتل وخون ریزی سے کہیں بڑھ کر ہے۔

---

[1] انظر للفظ الفتنة ومعانیها المختلفة فی القرآن الفتح الباری (۱۶/ ۱۱۸)

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (۲-۱۹۳) اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہو حتیٰ کہ فساد نابود ہو جائے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا (۹-۴۹) اور ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے تو اجازت ہی دیجئے اور آفت میں نہ ڈالئے دیکھو یہ آفت میں پڑ گئے ہیں۔

یعنی مجھے بلا اور تکلیف میں نہ ڈالئے حالانکہ وہ یہی بات کہنے کی وجہ سے مصیبت اور عذاب میں گرفتار ہو رہے ہیں۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ (۱۰-۸۳) تو موسیٰ پر کوئی ایمان نہ لایا مگر اس کی قوم میں سے چند لڑکے اور وہ بھی فرعون اور اس کے اہل دربار سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں وہ ان کو آفت میں نہ پھنسا دے۔

یعنی ایسا نہ ہو کہ انہیں مصیبت اور عذاب میں ڈال دے۔

وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ (۵-۴۹) اور ان سے بچتے رہنا کہ ۔۔۔۔ یہ کہیں تم کو بہکا نہ دیں۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ (۱۷-۷۳) قریب تھا کہ یہ کافر لوگ تم کو اس سے بچلا دیں۔

یعنی تجھے وحی کے احکام سے برگشتہ کر کے مصیبت اور شدت میں مبتلا نہ کر دیں۔

فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ (۵۷-۱۴) تم نے خود اپنے تئیں بلا میں ڈالا۔

یعنی اپنے آپ کو بلا اور عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اور اسی معنی میں فرمایا:۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً (۸-۲۵) اور اس فتنے سے ڈرو جو خصوصیت کے ساتھ انہیں لوگوں پر واقع نہ ہو گا جو تم میں گنہگار ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (۸-۲۸) اور جان رکھو کہ تمہارا مال اور اولاد بڑی آزمائش ہے۔

میں اموال و اولاد کو فتنہ قرار دیا ہے کیونکہ ان کے سبب سے انسان مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اور آیت کریمہ:۔

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ (۶۴-۱۴) تمہاری عورتوں اور اولادوں میں سے بعض تمہارے دشمن بھی ہیں۔

میں بعض ازواج اور اولاد کو دشمن قرار دیا ہے کیونکہ بعض اوقات ان سے اس طرح اذیت پہنچتی ہے جس طرح کہ دشمن سے پہنچتی ہے اور آیت کریمہ:۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ (۳-۱۴) لوگوں کو ان کی خواہشوں کی چیزیں یعنی عورتیں اور بیٹے ۔۔۔۔۔۔ بڑی زینت دار معلوم ہوتی ہیں۔

میں عورتوں اور بیٹوں کو زینت قرار دیا ہے۔ کیونکہ لوگ ان کو باعث زینت خیال کرتے ہیں۔

نیز قرآن میں ہے:۔

الٓمّٓ ○ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (۲۹-۱) کیا لوگ یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے اور انکی آزمائش نہیں کی جائے گی۔

یعنی انہیں آزمائش میں ڈال کر اچھے اور برے کو

الگ الگ نہیں کیا جائیگا جیسے دوسری مقام پر فرمایا:۔
لِیَمِیْزَ اللّٰہُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ (۸-۳۷)
تاکہ خدا ناپاک کو پاک سے الگ کر دے ۔

اور آیت کریمہ:۔
اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّھُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَّرَّۃً اَوْ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ وَلَا ھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ (۹-۱۲۶) کیا یہ دیکھتے نہیں کہ یہ ہر سال ایک یا دو بار بلا میں پھنسا دیے جاتے ہیں۔ پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں۔
میں اس ابتلا کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر کہ آیت۔
وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ (۲-۱۵۵) الآیۃ اور ہم کسی قدر خوف ...... سے تمہاری آزمائش کریں گے۔ میں پایا جاتا ہے اور آیت کریمہ:۔
وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ (۵-۷۱) اور یہ خیال کرتے تھے کہ (اس سے ان پر) کوئی آفت نہیں آئے گی۔
میں بھی فِتْنَۃٌ اسی معنی پر محمول ہے۔

فِتْنَۃٌ کا لفظ بلا، مصیبت، قتل، عذاب وغیرہ، افعال کریہہ پر بولا جاتا ہے اور یہ ان افعال سے ہے جن کا اسناد اللہ تعالیٰ اور بندے دونوں کی طرف ہوتا ہے لیکن جب اس کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے مقتضائے حکمت کے مطابق آزمائش وامتحان مراد ہوتا ہے۔ اور جب اس کا اسناد انسان کی طرف ہو تو اس کے برعکس معنی مراد ہوتے ہیں اس لئے مختلف انواع کے فتنوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جا بجا انسان کی مذمت کی ہے چنانچہ فرمایا:۔
وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (۲-۱۹۱) اور دین سے گمراہ کرنا (فساد) قتل و خونریزی سے کہیں بڑھ کر ہے۔
اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ (۸۵-۱۰) جن لوگوں نے مومن مردوں .... کو تکلیفیں دیں۔
مَآ اَنْتُمْ عَلَیْہِ بِفٰتِنِیْنَ (۳۷-۱۶۲) خدا کے خلاف بہکا نہیں سکتے۔
یعنی گمراہ کرنے والے نہیں ہو۔ اور آیت کریمہ:۔
بِاَیِّکُمُ الْمَفْتُوْنُ (۶۸-۶) کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے۔
میں بقول اخفش مَفْتُوْنٌ بمعنی فتنہ ہے جس طرح کہ لَیْسَ لَہٗ مَعْقُوْلٌ وَخُذْ مَیْسُوْرَہٗ وَدَعْ مَعْسُوْرَہٗ میں معقول مَیْسُوْرٌ وَمَعْسُوْرٌ بمعنی عقل، یُسْر اور عُسْر ہیں تو آیت کی اصل بِاَیِّکُمُ الْفُتُوْنُ ہے۔

بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ بِاَیِّکُمْ میں باء زائدہ ہے جیسا کہ آیت وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا میں ہے لہٰذا یہ اصل میں اَیُّکُمُ الْمَفْتُوْنُ ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
وَاحْذَرْھُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْکَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکَ (۵-۴۹) اور ان سے بچتے رہنا کہ کسی حکم سے جو خدا نے تم پر نازل فرمایا ہے یہ کہیں تم کو بہکا دیں۔
میں اَنْ یَّفْتِنُوْکَ کے معنی ہیں یَخْدَعُوْکَ اس لیے عَنْ (صلہ) کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔

(ف ت ی)

اَلْفَتٰی کے معنی نوجوان کے ہیں اس کی مونث فَتَاۃٌ اور مصدر فَتَاءٌ ہے بعدہ کنایہ کے طور پر یہ دونوں لفظ (فَتًی اور فَتَاۃٌ) غلام اور لونڈی کے معنی میں استعمال ہونے لگے ہیں۔ قرآن میں ہے۔

تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ (۱۲-۳۰) اپنے غلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی تھی۔

جس طرح نوجوان آدمی کو فتیٌ کہا جاتا ہے اسی طرح نوجوان اونٹ پر فتِیٌّ (فعیل) بولا جاتا ہے فتیٌ کی جمع فِتْیَۃٌ وَفِتْیَانٌ اور فَتَاۃٌ کی جمع فَتَیَاتٌ آتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

مِنْ فَتَیٰتِکُمُ الْمُؤْمِنٰتِ (۴-۲۵) تو مومن لونڈیوں میں سے......

وَلَا تُکْرِهُوْا فَتَیٰتِکُمْ عَلَی الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا (۲۴-۳۳) اور اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تو.... بدکاری پر مجبور نہ کرنا۔

وَقَالَ لِفِتْیٰنِهٖ (۱۲-۶۲) اور یوسف نے اپنے خادم سے کہا۔

اِذْ اَوَی الْفِتْیَۃُ اِلَی الْکَهْفِ (۱۸-۱۰) جب وہ جوان غار میں جا رہے۔

اِنَّهُمْ فِتْیَۃٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ (۱۸-۱۳) وہ کئی نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے۔

اور کسی مشکل مسئلہ کے جواب کو فُتْیَا وَ فَتْوٰی کہا جاتا ہے۔

اِسْتَفْتَاہُ کے معنی فتوی طلب کرنے اور اَفْتَاہُ (افعال) کے معنی فتوی دینے کے ہیں جیسے فرمایا:۔

وَیَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْکُمْ فِیْهِنَّ۔ (اے پیغمبر) لوگ تم سے (یتیم) عورتوں کے بارے میں فتوی طلب کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ خدا تم کو ان کے (ساتھ نکاح کرنے کے) معاملے میں فتوی (اجازت) دیتا ہے (۴-۱۲۷)

فَاسْتَفْتِهِمْ (۳۷-۱۱) تو ان سے پوچھو....

اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ (۲۷-۳۲) میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو۔

(ف ج ج)

اَلْفَجُّ دو پہاڑوں کے درمیان کشادگی کو کہتے ہیں اس کے بعد وسیع راستہ کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ اس کی جمع فِجَاجٌ ہے قرآن میں ہے:۔

مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ (۲۲-۲۷) دور دراز راستوں سے۔

فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا (۲۱-۳۱) اس میں کشادہ رستے۔

اَلْفَجَجُ انسان کے دونوں گھٹنوں کے درمیان کشادگی ہونا اور ایسے آدمی کو جس کے گھٹنوں میں کشادگی ہو اَفَجُّ کہتے ہیں۔

اسی سے حَافِرٌ مُفَجَّجٌ ہے۔ یعنی وہ گھوڑا جس کی ٹانگوں کے درمیان کشادگی ہو اور خام زخم کو جُوْجٌ فِجٌّ کہا جاتا ہے۔

(ف ج ر)

اَلْفَجْرُ کے معنی کسی چیز کو وسیع طور پر پھاڑنے اور شق کر دینے کے ہیں۔ جیسے محاورہ ہے فَجَرَ الْاِنْسَانُ السِّکْرَ اس نے بند میں وسیع شگاف ڈال دیا فَجَرْتُهٗ فَانْفَجَرَ میں نے پانی کو پھاڑ کر بہایا تو وہ بہ گیا فَجَّرْتُهٗ فَتَفَجَّرَ شدت کے ساتھ پانی کو پھاڑ کر بہایا۔ قرآن میں ہے۔

وَفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا (۵۴-۱۲) اور زمین میں چشمے جاری کر دیئے۔

وَفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا (۱۸-۳۳) اور دونوں میں ہم نے ایک نہر بھی جاری کر رکھی تھی۔

فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا (۱۷-۹۱) اور اس

کے بیچ میں نہریں بہا نکالو۔
حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْبُوْعًا (۱۷-۹۰)
جب تک کہ ہمارے لئے زمین میں سے چشمہ جاری (نہ) کر دو۔
اور ایک قراءت میں تُفَجِّرَ (بصیغہ تفعیل) ہے۔
فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا (۲-۶۰)
تو پھر اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔
اور اسی سے صبح کو فجر کہا جاتا ہے کیونکہ صبح کی روشنی بھی رات کی تاریکی کو پھاڑ کر نمودار ہوتی ہے۔ قرآن میں ہے۔
وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ (۸۹-۲۷) فجر کی قسم اور دس راتوں کی۔
إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا (۱۷-۷۸)
کیونکہ صبح کے وقت قرآن پڑھنا موجب حضور (ملائکہ) ہے۔
بعض نے کہا ہے کہ فجر دو قسم پر ہے ایک فجر کاذب جو بھیڑیئے کی دم کی طرح (مستطیل) روشنی سی نمودار ہوتی ہے دوم فجر صادق جس کے ساتھ نماز روزہ وغیرہ کے احکام تعلق رکھتے ہیں۔
چنانچہ قرآن میں ہے:
حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى الَّيْلِ ج (۲-۱۸۷) یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورا کرو۔

اَلْفُجُوْرُ کے معنی دین کی پردہ دری یعنی نافرمانی کرنے کے ہیں۔ اس کا باب فَجَرَ يَفْجُرُ فُجُوْرًا فَهُوَ فَاجِرٌ (بدکار) ہے اور فَاجِرٌ کی جمع فُجَّارٌ وَفَجَرَةٌ ہے۔ قرآن میں ہے:۔
كَلَّا إِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ (۸۳-۷)
سن رکھو کہ بدکاروں کے اعمال سجین میں ہیں۔
إِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ (۸۲-۱۴) اور بدکار دوزخ میں۔
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ (۸۰-۴۲)
یہ کفار بدکردار ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔
بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ (۷۵-۵)
مگر انسان چاہتا ہے کہ آگے کو خود سری کرتا جائے۔ یعنی وہ زندگی اس لئے چاہتا ہے کہ اس میں فسق و فجور کا ارتکاب کرے۔ بعض نے اس کے معنی لِيُذْنِبَ فِيْهَا (تاکہ اس میں گناہ کرے) کئے ہیں اور بعض نے اس کے یہ معنی کئے ہیں کہ انسان گناہ کرتا ہے اور دل میں کہتا ہے کہ کل توبہ کر لوں گا۔ لیکن پھر تائب نہیں ہوتا تو یہ سراسر فجور ہے کیونکہ وہ عہد کر کے اسے توڑ ڈالتا ہے اور کاذب کو فاجر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ کذب بیانی بھی فجور کی ایک قسم ہے۔ چنانچہ ایک دعا میں ہے[1] (۶۵) وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ یعنی جو تجھے جھٹلاتا ہے اسے ہم ترک کرتے ہیں۔ بعض نے مَنْ يَّفْجُرُكَ کے معنی مَنْ يَّتَبَاعَدُ عَنْكَ کئے ہیں یعنی جو تجھ سے علیحدہ اور دور ہوتا ہے۔

[1] کلمۃ فی قنوت الوتر عن عبدالرحمن بن العزی قال صلیت خلف عمر بن الخطاب الصبح الحدیث وفی آخر حدیث زعم عبید انہما سورتان من القرآن فی مصحف عبداللہ بن مسعود وایضاً قنت بلولا الکلمات عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما راجع کنز العمال ۸/۵۲) و ایضا المروزی فی الصلاۃ والطبرانی فی الدعاء ، ان علی بن ابی طالب حدثنی انہ من القرآن

أَيَّامُ الْفِجَارِ خانہ جنگی کے ایام جو عربوں میں واقع ہوئے۔

(ف ج و)

اَلْفَجْوَةُ دو چیزوں کے درمیان کشادگی۔ کھلی جگہ قرآن میں ہے:۔
وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ (۱۸-۱۷) اور وہ اس کے میدان میں تھے۔
یعنی وسیع میدان میں تھے۔ اسی سے قَوْسٌ فَجْاءُ وَ فَجْوَاءُ ہے یعنی کمان جو کھنچی ہوئی حالت میں ہو۔ رَجُلٌ اَفْجَى جس کے دونوں پنڈلیوں کے درمیان فاصلہ ہو۔

(ف ح ش)

اَلْفُحْشُ وَالْفَحْشَاءُ وَالْفَاحِشَةُ اس قول یا فعل کو کہتے ہیں جو قباحت میں حد سے بڑھا ہوا ہو۔ قرآن میں ہے:۔
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ (۷-۲۸) کہ خدا بے حیائی کے کام کرنے کا حکم ہرگز نہیں دیتا۔
وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (۱۶-۹۰) اور بے حیائی اور نامعقول کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے (اور) تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔
وَمَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (۳۳-۳۰) تم میں سے جو کوئی صریح ناشائستہ (الفاظ کہہ کر رسول اللہ کو ایذا دینے کی) حرکت کرے گی۔
اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ (۲۴-۱۹) اور جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی (یعنی تہمت بدکاری کی خبر) پھیلے۔
اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ (۷-۳۳) کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حرام کیا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (۴-۱۹) ہاں اگر وہ کھلے طور پر بدکاری کی مرتکب ہوں۔
میں فَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ سے مراد زنا ہے اسی طرح آیت کریمہ:۔
وَاللَّاتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَائِكُمْ (۴-۱۵) عورتوں میں سے جو بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں۔ میں بھی فاحشہ سے مراد بدکاری ہے۔
فَحُشَ فُلَانٌ برا ہونا۔ اسی سے شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۳۳۶) عَقِيْلَةَ مَالِ الْفَاحِشِ الْمُتَشَدِّدِ
یعنی سخت بخیل آدمی کے نفیس مال کو منتخب کر کے، فنا کرتی ہے تو فاحش متشدد سے بخل میں حد سے بڑھا ہوا شخص مراد ہے۔
اور بہت زیادہ فحش کام کرنے والے کو مُتَفَحِّشٌ

---

[1] قال طرفة بن العبد البكري في معلقته المشهورة لخولة اطلال ۔ ۔ ۔ ۔ وصدر البيت: ارى الموت يعتام الكرام ويصطفي۔ والبيت في الطبري (۳: ۲۷۹) واللسان (عيم) لكن في رواية مال الباخل بدل مال الفاحش والنفوس بدل الكرام والبيت في مختار الشعر الجاهلي (۱: ۳۳۲) ومجاز القرآن لابي عبيدة (۱: ۲۰۸) رقم ۴۶۹ وذيل الامالي للمرتضى (۱: ۸۲) س وذيل المشكل للقتبي ۵۸ ومحولا على الطبري واللسان والتاج (عدم، فحش)، والمحكم (عيم) والكامل ۱۴۳ وشواهد الكشاف ۲۹ وتاريخ الطبري (۵: ۳۸) في خمسة ابيات والبحر (۲: ۳۱۹/۸: ۵۰۵) واضداد ابي الطيب ۷۰۰ والمعلقة في ديوانه ۲۱ - ۳۷ والبيت في ۳۱ والجمهرة للقرشي ۱۴۹-۱۶۰) و البيت في ۱۶۷ والعقد الثمين ۵۸ وابن الانباري ۲۰۰ وابن الشجري في اماليه (۱: ۲۱۱) والسيوطي ۲۷۱ وشرح العشر للتبريزي ۸۵

کہا جاتا ہے۔

(ف خ ر)

اَلْفَخْرُ (ن) کے معنی ان چیزوں پر اترانے کے ہیں جو انسان کے ذاتی جوہر سے خارج ہوں مثلاً مال وجاہ وغیرہ اور اسے فَخَرٌ (بفتح الخا) بھی کہتے ہیں اور فخر کرنے والے کو فَاخِرٌ کہا جاتا ہے اور فَخُوْرٌ وَ فَخِیْرٌ صیغہ مبالغہ ہیں یعنی بہت زیادہ اترانے والا۔ قرآن میں ہے:۔
اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (۳۱-۱۸) کہ خدا کسی اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا۔
فَخَرْتُ فُلَانًا عَلٰی صَاحِبِہٖ اَفْخَرُہٗ فَخْرًا ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا اور ہر نفیس چیز کو فَاخِرٌ کہا جاتا ہے ثَوْبٌ فَاخِرٌ قیمتی کپڑا اور جس اونٹنی کے تھن تو بڑے بڑے ہوں مگر دودھ بہت کم دے اسے فخور کہتے ہیں[۱]۔
اَلْفَخَّارُ مٹکوں کو کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ٹھوکا لگانے سے اس طرح زور سے بولتے ہیں جیسے کوئی کوئی بہت زیادہ فخر کر رہا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ (۵۵-۱۴) ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی مٹی سے ۔۔۔۔۔۔

(ف د ی)

اَلْفِدٰی وَالْفِدَاءُ کے معنی کسی کی جانب سے کچھ دیکر اسے مصیبت سے بچا لینا کے ہیں قرآن میں ہے:۔
فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَاءً (۴۷-۴) پھر اس کے بعد یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دینا چاہیے یا کچھ مال لے کر۔
چنانچہ محاورہ ہے فَدَیْتُہٗ بِمَالِیْ میں نے کچھ خرچ کر کے اسے مصیبت سے بچا لیا فَدَیْتُہٗ بِنَفْسِیْ میں نے اپنی جان کے عوض اسے چھڑا لیا فَادَاہُ بکذا۔ اس نے کچھ دے کر اسے چھڑا لیا قرآن میں ہے:۔
وَاِنْ یَّاْتُوْکُمْ اُسٰرٰی تُفَادُوْھُمْ (۲-۸۵) اور اگر وہ تمہارے پاس قید ہو کر آئیں تو بدلہ دے کر انہیں چھڑا بھی لیتے ہو۔
تَفَادٰی فُلَانٌ مِنْ فُلَانٍ کسی کا فدیہ دے کر اس کو چھڑا لینا۔
وَفَدَیْنَاہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ (۳۷-۱۰۷) اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا۔
اِفْتَدٰی کے معنی خود اپنے کو مال کے عوض چھڑانے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ (۲-۲۲۹) رہائی پانے کے بدلے میں ۔۔۔۔۔۔۔
وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ لَافْتَدَوْا بِہٖ (۱۳-۱۸) (تو وہ سب کے سب) اور ان کے ساتھ ہی اتنے اور (نجات کے) بدلے میں صرف کر ڈالیں۔
لَافْتَدَتْ بِہٖ (۱۰-۵۴) تو (عذاب سے بچنے کے لئے سب) دے ڈالے۔
لِیَفْتَدُوْا بِہٖ (۵-۳۶) تاکہ ۔۔۔۔ بدلہ دیں ۔۔۔
وَلَوِ افْتَدٰی بِہٖ (۳-۹۱) اگر ۔۔۔ بدلے میں ۔۔۔ دیں
لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍ بِبَنِیْہِ (۷۰-۱۱) کہ کسی طرح اس دن کے عذاب کے بدلے میں (سب کچھ) دے ڈالے یعنی بیٹے ۔۔۔۔۔۔۔
اور جو مال کسی عبادت میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے

---

[۱] فی المطبوع کثیرۃ الدر والتصویب من المراجع ۔

خرچ کر کے انسان خود اپنے کو گناہ سے بچاتا ہے اسے بھی فِدْيَةٌ کہا جاتا ہے جیسا کہ کفارہ یمین اور صوم کے متعلق فرمایا:۔

فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ (۲-۱۹۶) تو اس کے بدلے روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔

فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ (۲-۱۸۴) اس کے بدلے محتاج کو کھانا کھلا دیں۔

(ف ر ر)

اَلْفَرُّ وَالْفِرَارُ اس کے اصل معنی ہیں جانور کی عمر معلوم کرنے کے لئے اس کے دانتوں کو کھولنا اسی سے فَرَّ الدَّهْرُ جَذَعًا کا محاورہ ہے۔ یعنی زمانہ اپنی پہلی حالت پر لوٹ آیا۔ اور اسی سے اِفْتِرَارٌ ہے جس کے معنی ہنسنے میں دانتوں کا کھل جانے کے ہیں۔ فَرَّ مِنَ الْحَرْبِ فِرَارًا میدان کارزار چھوڑ دینا۔ لڑائی سے فرار ہو جانا قرآن میں ہے:۔

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ (۲۶-۲۱) تو میں تم سے بھاگ گیا۔

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ (۷۴-۵۱) یعنی شیر سے ڈر کر بھاگ جاتے ہیں۔

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا (۷۱-۶) لیکن میرے بلانے سے اور زیادہ گریز کرتے رہے۔

لَنْ يَنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ (۳۳-۱۶) (اے پیغمبر!) کہ اگر تم ..... بھاگتے ہو تو بھاگنا تم کو فائدہ نہ دے گا۔

فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ (۵۱-۵۰) تو تم خدا کی طرف بھاگ چلو۔

أَفْرَرْتُهُ کسی کو بھگا دینا۔

رَجُلٌ فَرٌّ وَفَارٌّ۔ بھاگنے والا۔

اَلْمَفَرُّ (مصدر) کے معنی بھاگنا (ظرف مکان) جائے فرار (ظرف زمان) بھاگنے کا وقت چنانچہ آیت:۔

أَيْنَ الْمَفَرُّ (۷۵-۱۰) کہ (اب) کہاں بھاگ جاؤں۔ کے معنی تینوں طرح ہو سکتے ہیں۔

(ف ر ت)

اَلْفُرَاتُ کے معنی شیریں یا نہایت شیریں پانی کے ہیں اور یہ واحد جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَأَسْقَيْنَاكُمْ مَاءً فُرَاتًا (۷۷-۲۷) اور تم لوگوں کو میٹھا پانی پلایا۔

هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ (۲۵-۵۳) ایک کا پانی شیریں ہے پیاس بجھانے والا۔

(ف ر ث)

اَلْفَرْثُ جو کچھ جانور کی اوجھڑی کے اندر ہوتا ہے اسے فرث کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا (۱۶-۶۶) گوبر اور لہو میں سے کس طرح خالص دودھ.....

فَرَثْتُ كَبِدَهُ میں نے اس کے جگر کو پارہ پارہ کر دیا۔

أَفْرَثَ فُلَانٌ أَصْحَابَهُ فلاں نے اپنے ساتھیوں کو ایسی مصیبت میں مبتلا کر دیا جو بمنزلہ فَرْث کے تھی (یعنی ریزہ ریزہ کر دینے والی)۔

(ف ر ج)

اَلْفَرْجُ وَالْفُرْجَةُ کے معنی دو چیزوں کے درمیان شگاف کے ہیں۔ جیسے دیوار میں شگاف یا دونوں ٹانگوں کے درمیان کی کشادگی اور کنایہ کے طور پر فرج کا لفظ شرمگاہ پر بولا جاتا ہے اور

کثرت استعمال کی وجہ سے اسے حقیقی معنی سمجھا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (۲۱-۹۱) اور ان (مریم) کو بھی یاد کرو) جنہوں نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔
لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ (۲۳-۵) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔
وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ (۲۴-۳۱) اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔
اور استعارہ کے طور پر سرحد اور ہر خطرہ کی جگہ کو فَرْجٌ کہا جاتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اسلامی دور حکومت میں فَرْجَانِ کا لفظ ترک اور سوڈان پر بولا جاتا تھا۔ اور آیت کریمہ:۔
وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ (۵۰-۶) اور اس میں کہیں شگاف تک نہیں۔
میں فُرُوْجٌ بمعنی شگاف ہے اور آیت کریمہ:۔
وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ (۷۷-۹) اور جب آسمان پھٹ جائے۔
میں فُرِجَتْ بمعنی اُنْشَقَّتْ ہے یعنی جب آسمان شق ہو جائے گا۔
اَلْفَرَجُ کے معنی غم دور ہونے کے ہیں چنانچہ محاورہ ہے فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْكَ اللہ تجھ سے غم کو دور کرے اور قَوْسٌ فَرْجٌ اس کمان کو کہتے ہیں جس کے دونوں گوشے کشادہ ہوں جیسا کہ تانت سے علیحدہ ہونے کی حالت میں اور جو شخص اپنا بھید نہ چھپائے اس کو فُرُجٌ کہا جاتا ہے اور فَرَجٌ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی شرمگاہ پر ستر یعنی پردہ نہ ہو۔
فَرَارِیْجُ الدَّجَاجِ مرغی کے چوزے کیونکہ وہ انڈوں سے نکلتے ہیں اور چوزوں والی مرغی کو مُفْرِجٌ کہا جاتا ہے۔ اَلْمُفْرَجُ وہ قتیل جس سے لوگ دور ہو جائیں اور اس کے قاتل کا علم نہ ہو سکے۔

(ف ر ح)

اَلْفَرَحُ کے معنی کسی فوری یا دنیوی لذت پر انشراح صدر کے ہیں۔ عموماً اس کا اطلاق جسمانی لذتوں پر خوش ہونے کے معنی میں ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ (۵۷-۲۳) اور جو تم کو اس نے دیا ہو اس پر اترایا نہ کرو۔
وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (۱۳-۲۶) اور (کافر) لوگ دنیا کی زندگی پر خوش ہو رہے ہیں۔
ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ (۴۰-۷۵) یہ اس کا بدلہ ہے کہ تم ...... خوش ہوا کرتے تھے۔
حَتّٰىٓ اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا (۶-۴۴) یہاں تک کہ جب ان چیزوں سے جو ان کو دی گئی تھی خوب خوش ہو گئے۔
فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ (۴۰-۸۳) تو جو علم (اپنے خیال میں) ان کے پاس تھا اس پر اترانے لگے۔
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ (۲۸-۷۶) کہ خدا اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
اور قرآن پاک میں صرف دو آیتیں یعنی.... فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (۱۰-۵۸) تو چاہیے کہ لوگ اس سے خوش ہوں۔
وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ (۳۰-۴) اور اس روز مومن خوش ہو جائیں گے۔
ایسی ہیں جن میں فرح کا لفظ پسندیدہ معنی

میں استعمال ہوا ہے۔

مِفْرَاحٌ بہت زیادہ اترانے والا۔ شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۳۳۷) وَلَسْتُ بِمِفْرَاحٍ إِذَا الْخَيْرُ مَسَّنِي
وَلَا جَازِعٍ مِنْ صَرْفِهِ الْمُتَقَلِّبِ

نہ تو میں خیر حاصل ہونے سے اتراتا ہوا اور نہ ہی زمانہ کے حوادثات پر جزع فزع کرتا ہوں۔

محاورہ ہے۔ مَا يَسُرُّنِي بِهٰذَا الْأَمْرِ مُفْرِحٌ أَوْ مَفْرُوحٌ بِهٖ مجھے اس امر سے کچھ بھی خوشی نہیں رَجُلٌ مُفْرَحٌ وہ آدمی جو قرض کے نیچے دب گیا ہو۔ حدیث میں ہے (۷۲) لَا يُتْرَكُ فِي الْإِسْلَامِ مُفْرَحٌ[2] یعنی اسلام میں کسی کو مُفْرَحٌ یعنی مقروض نہیں چھوڑا جائے گا گویا اِفْرَاحٌ کا لفظ فرحت کے حاصل ہونے اور زائل کرنے دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اِشْكَاءٌ کا لفظ جلب شکوئی و ازالہ آں کے معنی میں آتا ہے اور مقروض سے بھی چونکہ اس کی خوشی زائل ہو جاتی ہے اس لئے اسے مُفْرَحٌ کہا جاتا ہے اسی بنا پر کہا گیا ہے لَا غَمَّ إِلَّا غَمُّ الدَّيْنِ کہ اصل غم تو قرض کا غم ہے۔

(ف ر د)

اَلْفَرْدُ (اکیلا) اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ دوسری نہ ملائی گئی ہو یہ لفظ وِتْر (طاق) سے عام اور وَاحِدٌ سے خاص ہے اس کی جمع فُرَادَىٰ ہے قرآن میں ہے:۔

رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا (۲۱-۸۹) پروردگار مجھے اکیلا نہ چھوڑ۔

اور اللہ تعالیٰ کے متعلق فرد کا لفظ بولنے میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ وہ تنہا ہے اس کے بر عکس باقی اشیاء جوڑا جوڑا پیدا کی گئی ہیں جس پر کہ آیت وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ (۵۱-۴۹) اور ہر چیز کی ہم نے دو قسمیں بنائیں۔ میں تنبیہ پائی جاتی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اللہ کے فرد ہونے کے معنی یہ ہیں کہ دوسروں سے بے نیاز ہے جیسا کہ آیت:۔

غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ..... (۳-۹۷) اہل عالم سے بے نیاز ہے۔

میں اس پر تنبیہ کی ہے اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ ذات باری تعالیٰ اپنی واحدانیت میں منفرد ہے تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ ذات ہر قسم کی ترکیب اور مجانست سے مبرا ہے اور جملہ موجودات کے برعکس ہے۔ اور فرید کے معنی واحد یعنی اکیلا اور تنہا کے ہیں۔ اس کی جمع فُرَادَىٰ آتی ہے جیسے اَسِيْرٌ کی جمع اُسَارَىٰ ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ (۶-۹۴) اور جیسا

---

[1] قالہ صاریۃ العبدی انظر العقد (۱: ۱۱۶) وفی روایۃ سترنی بدل مسنی وفی العیون (۱: ۲۷۶) البیت للبعیث واخری فیہ: (۱: ۲۸۱) انہ لتابط شرا انظر البیسر ۹۴ والمعانی للقتبی ۱۵۱۱
[2] الحدیث فی النہایۃ (فرح) والحدیث اخرجہ الطبرانی فی الکبیر راجع کنز العمال ۳۸۴ عن کثیر بن عبداللہ عن ابیہ عن جدہ وفی مجمع بحار الانوار مفرج بالجیم و معناہ من لا عشیرۃ لہ والفائق ۲/۱۲۶ ولفظ المفرج ذکرہ العلماء فی الاضداد ومعناہ المسرور وایضا المثقل بالدین ۔ راضداد ابی الطیب ۲۲ وابن الانباری ۱۹۰ ولمعناہ انظر غریب ابی عبید ۱۲

ہم نے تم کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا ایسا ہی آج اکیلے ہمارے پاس آئے[1]۔

(ف ر ش)

اَلْفَرْشُ (ن ض) کے اصل معنی کپڑے کو بچھانے کے ہیں لیکن بطور اسم کے ہر اس چیز کو جو بچھائی جائے فرش و فراش کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا (۲-۲۲)
جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا ۔۔۔ بنایا۔ یعنی قابل رہائش بنایا اور سا سے ابھرا ہوا نہیں بنایا جس پر سکونت ناممکن ہو اور اَلْفِرَاش کی جمع فُرُشٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ (۵۶-۳۴) اور اونچے اونچے فرشوں میں۔
فُرُشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ (۵۵-۵۴)
ایسے بچھونوں پر جن کے استر اطلس کے ہیں۔۔۔۔
اور فَرْشٌ سے مراد وہ جانور بھی ہوتے ہیں جو بار برداری کے قابل نہ ہوں جیسے فرمایا:۔
وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا (۶-۱۴۳)
چوپایوں میں سے بڑی عمر کے جو بار برداری کے کام آتے ہیں اور چھوٹی عمر کے جو بار برداری کا کام نہیں دیتے اور زمین میں لگے ہوئے (یعنی چھوٹے چھوٹے) بھی۔
اور کنایہ کے طور پر فِرَاش کا لفظ میاں بیوی میں سے ہر ایک پر بولا جاتا ہے چنانچہ آنحضرت نے فرمایا[2]: (۲۷) اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ کہ بچہ خاوند کا ہے۔
اور محاورہ ہے۔ فُلَانٌ کَرِیْمُ الْمَفَارِشِ یعنی اس کی بیگمات اعلیٰ مرتبہ کی ہیں۔
اَفْرَشَ الرَّجُلُ صَاحِبَهٗ اس نے اپنے ساتھی کی غیبت اور بدگوئی کی۔ اَفْرَشَ عَنْهُ کسی چیز سے رک جانا (اَلْفَرَاشَةُ پروانہ تتلی وغیرہ) اس کی جمع اَلْفَرَاش آتی ہے قرآن میں ہے:۔
کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ (۱۰۱-۴) جیسے بکھرے ہوئے پتنگے۔
اور تشبیہ کے طور پر تالے کے کنڈے کو بھی فَرَاشَةُ الْقُفْلِ کہا جاتا ہے نیز فَرَاشَة کے معنی برتن میں تھوڑا سا پانی کے بھی آتے ہیں۔

(ف ر ض)

اَلْفَرْضُ (ض) کے معنی سخت چیز کو کاٹنے اور اس میں نشان ڈالنے کے ہیں مثلاً فَرَضَ الْحَدِیْدَ لوہے کو کاٹا فَرْضُ الْقَوْسِ کمان کا چلہ فَرْضُ الزَّنْدِ چقماق کا ٹکڑا اور فُرْضَةُ الْمَاءِ کے معنی دریا کا دہانہ کے ہیں اور آیت کریمہ:۔
لَاَ تَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا (۴-۱۱۸) میں تیرے بندوں سے (غیر خدا کی نذر دلوا کر مال کا) ایک مقرر حصہ لے لیا کروں گا۔
میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں مفروض کے معنی معین کے ہیں اور بعض نے کاٹ کر الگ کیا ہوا

---

[1] وتمام الحدیث وهاهنا انظر الحدیث النهایة ۱/۵۳۳ والفائق ۲/۲۰۱ واللسان (حجر) هنا والجملة الثانیة فقط فی اضداد ابی الطیب ۱۱۷ واصل الحدیث متفق علیه و رواه ابو داؤد والترمذی وابن ماجة عن عائشة انظر للتفصیل کنز العمال
[2] رقم ۷۰۲-۷ رقم ۱۳۳۶ عن ابن مسعود والفتح الکبیر للنبهانی ۳-۳۰۸ ونزادة ابی حیان

مراد لیا ہے اور فَرَضَ بمعنی ایجاب (واجب کرنا) آتا ہے مگر واجب کے معنی کسی چیز کے بلحاظ وقوع اور ثبات کے قطعی ہونے کے ہیں اور فرض کے معنی بلحاظ حکم کے قطعی ہونے کے۔ قرآن میں ہے:۔

سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا (۲۴-۱) (یہ) ایک سورۃ ہے جس کو ہم نے نازل کیا اور اس (کے احکام) کو فرض کر دیا۔

یعنی اس پر عمل کرنا فرض کر دیا[1]۔ نیز فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ (۲۸-۸۵) (اے پیغمبر) جس نے تم پر قرآن (کے احکام) کو فرض کیا ہے......

یعنی اس پر عمل کرنا تجھ پر واجب کیا ہے اور اسی سے جو نفقہ وغیرہ حاکم کسی کے لئے مقرر کر دیتا ہے اسے بھی فَرَضَ کہا جاتا ہے اور ہر وہ مقام جہاں قرآن میں فَرَضَ عَلٰی (علیٰ کے ساتھ) آیا ہے اس کے معنی کسی چیز کے واجب اور ضروری قرار دینے کے ہیں اور جہاں فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ (لام کے ساتھ) آیا ہے تو اس کے معنی کسی چیز سے بندش کو دور کرنے اور اسے مباح کر دینے کے ہیں چنانچہ فرمایا:۔

مَا کَانَ عَلَی النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ (۳۳-۳۸) پیغمبر پر اس کام میں کچھ تنگی نہیں جو خدا نے ان کے لئے مقرر کر دیا۔

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَکُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِکُمْ (۶۶-۲) خدا نے تم لوگوں کے لئے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِیْضَةً (۲-۲۳۶) لیکن مہر مقرر کر چکے ہو۔

کے معنی یہ ہیں چونکہ تم ان کے لئے مہر مقرر اور اپنے اوپر لازم کر چکے ہو اور یہی معنی فَرَضَ لَهٗ فِی الْعَطَاءِ کے ہیں (یعنی کسی کے لئے عطا سے حصہ مقرر کر دینا) اسی بنا پر عطیہ اور فرض کو بھی فَرْضٌ کہا جاتا ہے اور فَرَائِضُ اللّٰهِ سے مراد وہ احکام ہیں جن کے متعلق قطعی حکم دیا گیا ہے اور جو شخص علم فرائض کا ماہر ہو اسے فَارِضٌ وَفَرَضِیٌّ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

فَمَنْ فَرَضَ فِیْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ (۲-۱۹۷) تو جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کرے تو حج (کے دنوں) میں نہ عورتوں سے اختلاط رکھے نہ کوئی برا کام کرے اور کسی سے جھگڑے۔

یعنی جس نے فریضہ حج کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہو اور اس کی پختہ نیت کر لی ہو یہاں پر فرض کی نسبت انسان کی طرف کرنے میں اس بات پر دلیل ہے کہ اس کا وقت مقرر کرنا انسان کا کام ہے (کہ میں امسال حج کروں گا یا آئندہ سال) اور زکوٰۃ میں جو چیز وصول کی جاتی ہے اس پر بھی فریضہ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ اِلٰی قَوْلِهٖ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ (۹-۶۰) صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات) تو مفلسوں...... کا حق ہے (یہ) خدا کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔

اسی بنا پر مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے ایک عامل کی طرف خط لکھا اور اس میں ارقام فرمایا[2] (۶۷)

---

[1] وعن مکرمۃ قدرنا فیہا الحدود وفی قراءۃ بالتشدید عن ابن کثیر وابی عمرو (مجمع البیان للطبرسی ۵ / ۶) [2] وکتاب ابی بکر الصدیق فی الصدقات مروی عن انس فی (حم) واموال ابی عبید (خ، د، ن) وابن جریر وابن الجارود وابن خزیمۃ والطحاوی راجع کنز العمال ۶ جز رقم ۲۲۶۱

هٰذِهٖ فَرِيْضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِيْ فَرَضَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ کہ یہ یعنی جو مقادیر لکھی جاتی ہیں فریضہ زکوٰۃ ہے۔ جو رسول اللہ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔

اَلْفَارِضُ عمر رسیدہ گائے یا بیل۔ قرآن میں ہے:۔
لَا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ (۲-۶۸) نہ بوڑھا ہو اور نہ بچھڑا۔

بعض نے کہا ہے کہ بیل کو فارض اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین کو پھاڑتا یعنی جوتتا ہے اور یا اس لئے کہ اس پر سخت کاموں کا بوجھ ڈالا جاتا ہے اور یا اس لئے کہ گائے کی زکوٰۃ میں تبیع اور مُسِنَّةٌ لیا جاتا ہے اور تبیع کا لینا تو بعض حالتوں میں جائز ہوتا ہے اور بعض احوال میں ناجائز لیکن مُسِنَّةٌ کی ادائیگی ہر حال میں ضروری ہوتی ہے اس لئے مُسِنَّةٌ کو فَارِضَةٌ کہا گیا ہے اس توجیہ کی بنا پر فَارِضٌ کا لفظ مصطلحات اسلامیہ سے ہوگا۔

(ف ر ط)

فَرَطَ يَفْرُطُ (ن) کے معنی تقدمًا آگے بڑھ جانے کے ہیں اسی سے فَارِطٌ ہے جس کے معنی ڈول وغیرہ درست کرنے کے لئے قافلہ سے پہلے پانی پر جانے والا کے ہیں اور اسے فَرَطٌ بھی کہا جاتا ہے اسی سے آنحضرت نے فرمایا[1]۔ (۶۲)
اَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں گا۔

اور چھوٹے بچے پر جنازے کی دعا میں کہا جاتا ہے[2] (۶۹) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا اے اللہ اسے ہمارے لئے میر سامان بنا۔ اور آیت کریمہ:۔
اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَا (۲۰-۴۵) کہ وہ کہیں ہم سے زیادتی نہ کرے۔

فَرَسٌ فَرَطٌ۔ تیز رفتار گھوڑا جو دوسرے گھوڑوں کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جائے۔

اَلْاِفْرَاطُ کے معنی حد سے بہت زیادہ تجاوز کر جانے کے ہیں[3] اور تَفْرِيْطٌ کے معنی فرط یعنی تقدم میں کوتاہی کرنے کے چنانچہ محاورہ ہے:۔
مَا فَرَّطْتُ فِيْ كَذَا میں نے فلاں معاملہ میں کوتاہی نہیں کی۔ قرآن میں ہے:۔
مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ (۶-۳۸) ہم نے کتاب (یعنی لوح محفوظ میں) کسی چیز کے لکھنے میں کوتاہی نہیں کی۔
مَا فَرَّطْتُ فِيْ جَنْبِ اللّٰهِ (۳۹-۵۶) اس تقصیر پر افسوس ہے جو میں نے خدا کے حق میں کی۔
مَا فَرَّطْتُمْ فِيْ يُوْسُفَ (۱۲-۸۰) تم یوسف کے بارے میں قصور کر چکے ہو۔

اَفْرَطْتُ الْقِرْبَةَ مشکیزہ کو پانی سے خوب بھر دیا۔ قرآن میں ہے:۔
وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (۱۸-۲۸) اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا۔
یعنی افراط و تفریط میں حد سے بڑھا ہوا ہے۔

---

[1] الحدیث فی الفائق ۱/۲۵۶ و النہایۃ ۳/۲۱۱ وغریب ابی عبید ۱: ۴۴) وابن حبان فی زوائدہ رقم ۱۸۵۸ من حدیث قیس بن ابی حازم مرسلا والحدیث فی البخاری (فتن، رقاق، طہارۃ، فضائل) راجع الفتح الکبیر ۱: ۲۷۵ [2] ای فی الصلوٰۃ علی المولود رواہ البیہقی من حدیث ابی ہریرۃ انظر النیل ۴/۶۹ وغریب ابی عبید واللسان والتاج (فرط) [3] وفی القرآن وانہم مفرطون (۱۶-۶۲)

(ف ر ع)

فَرْعُ الشَّجَرِ کے معنی درخت کی شاخ کے ہیں اس کی جمع فُرُوْعٌ آتی ہے۔ اور آیت کریمہ:۔ وَ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ (۱۴-۲۴) اور شاخیں آسمان میں۔

میں فَرْعُهَا کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ بلحاظ طول کے اسے فِي السَّمَآءِ کہا ہو جیسے محاورہ ہے فَرَعَ كَذَا (یعنی لمبا ہو جانا) اور سر کے بالوں کو بلندی اور طول کی وجہ سے فَرْعٌ کہا جاتا ہے۔

رَجُلٌ أَفْرَعُ گھنے اور لمبے بالوں والا اس کی مؤنث فَرْعَاءُ اور جمع فُرْعٌ آتی ہے اور کہا جاتا ہے۔

فَرَعْتُ الْجَبَلَ پہاڑ کی چوٹی پر چلا جانا فَرَعْتُ رَأْسَهٗ بِالسَّيْفِ اس کا سر تلوار سے قلم کر دیا۔ تَفَرَّعْتُ فِي بَنِي فُلَانٍ میں نے ان کے اونچے خاندان میں شادی کر لی۔ دوم یہ کہ عرض یعنی پھیلاؤ کے لحاظ سے اسے فِي السَّمَآءِ کہا ہو اور یہ تَفَرَّعَ كَذَا سے ہو جس کے معنی پھیل جانے کے ہیں اور مسئلہ کی جزئیات کو فروع کہا جاتا ہے۔ اور فُرُوْعُ الرَّجُلِ کے معنی اولاد کے بھی ہیں۔

(ف ر ع ن)

فِرْعَوْنُ۔ یہ علم عجمی ہے اور اس سے سرکشی کے معنی لے کر کہا جاتا ہے تَفَرْعَنَ فُلَانٌ کہ فلاں فرعون بنا ہوا ہے جس طرح کہ ابلیس سے أَبْلَسَ وَتَبَلَّسَ وغیرہ مشتقات استعمال ہوتے ہیں اور اسی سے سرکشوں کو فَرَاعِنَة (جمع فرعون کی) اور اَبَالِسَة (جمع ابلیس کی) کہا جاتا ہے۔

(ف ر غ)

اَلْفَرَاغُ یہ شغل کی ضد ہے۔ اور فَرَغَ (ن) فُرُوْغًا خالی ہونا فَارِغٌ خالی۔ قرآن میں ہے:۔ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فَارِغًا (۲۸-۱۰) اور موسیٰ کی ماں کا دل بے صبر ہو گیا۔

یعنی خوف کی وجہ سے گویا عقل سے خالی ہو چکا تھا.... جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[1] (الوافر)

(۳۳۸) كَاَنَّ.....=.....جُؤْجُؤَهٗ هَوَاءٌ

گویا..... اس کا سینہ ہوا ہو رہا تھا۔

اور بعض نے فَارِغًا کے معنی موسیٰ علیہ السلام کے خیال سے خالی ہونا کئے ہیں یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کا خیال ان کے دل سے بھلا دیا حتیٰ کہ وہ مطمئن ہو گئیں اور موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈال دینا انہوں نے گوارا کر لیا بعض نے فَارِغًا کا معنی اس کی یاد کے سوا باقی چیزوں سے خالی ہونا بھی کئے ہیں۔ جیسا کہ اس کے بعد کی آیت:۔ وَاِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا (۲۸-۱۰) اگر ہم ان کے دل کو مضبوط نہ کرتے تو قریب تھا کہ وہ اس قصے کو ظاہر کر دیں۔ سے معلوم ہوتا ہے اور اسی سے فرمایا:۔ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ (۹۴-۷) تو جب

---

[1] قطعۃ من کلمۃ لزہیر والبیت بتمامہ:۔ کان الرحل منہا فوق صعل من الظلمان جؤجؤہ ہواءٌ۔ والبیت فی اللسان (ہوا) والکامل ۲۸۷ ومختار الشعر الجاہلی (۱: ۱۹۳) والبحر (۵: ۳۰۰) وغریب القرآن للقتیبی ودیوانہ ۶۳ والحیوان (۴: ۳۹۸) والعقد الثمین ۷۶ والعیون (۲: ۶۹) والمعانی للقتیبی ۳۳۵

فارغ ہوا کرو، عبادت میں محنت کیا کرو۔
سَنَفْرُغُ لَکُمْ اَیُّهَا الثَّقَلٰنِ (۵۵-۳۱) اے دونوں جماعتو ہم عنقریب تمہاری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔
اور اَفْرَغْتُ الدَّلْوَ کے معنی ڈول سے پانی بہا کر اسے خالی کر دینا کے ہیں چنانچہ آیت کریمہ:۔
اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا (۲-۲۵۰) ہم پر صبر کے دہانے کھول دے بھی اسی سے مستعار ہے
ذَهَبَ دَمُهٗ فِرْغًا۔ اس کا خون رائیگاں گیا۔
فَرَسٌ فَرِیْغٌ وسیع قدم اور تیز رفتار گھوڑا گویا وہ دوڑ کر پانی کی طرح بہا رہا ہے۔
ضَرْبَةٌ فَرِیْغَةٌ وسیع زخم جس سے خون زور سے بہہ رہا ہو۔

(ف ر ق)

اَلْفَرْقُ وَالْفَلْقُ کے قریب قریب ایک ہی معنی ہیں لیکن معنی انشقاق یعنی پھٹ جانا کے لحاظ سے فلق کا لفظ بولا جاتا ہے اور معنی انفصال یعنی الگ الگ ہونے کے لحاظ سے فرق۔ قرآن میں ہے:۔
وَاِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ (۲-۵۰) اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا کو پھاڑ دیا۔
اور اَلْفِرْقُ (۲۶-۶۳) کے معنی الگ ہونے والا ٹکڑا کے ہیں۔ اسی سے فِرْقَةٌ (۹-۱۲۲) ہے جس کے معنی لوگوں کا گروہ یا جماعت کے ہیں۔ اور طلوع فجر پر فرق اور فلق دونوں لفظ بولے جاتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
فَانْفَلَقَ فَکَانَ کُلُّ فِرْقٍ کَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ (۲۶-۶۳) تو دریا پھٹ گیا اور ہر ایک ٹکڑا یوں ہو گیا کہ گویا بڑا پہاڑ ہے۔
اور فَرِیْقٌ اس جماعت کو کہتے ہیں جو دوسروں سے الگ ہو۔ قرآن میں ہے:۔
وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْکِتٰبِ (۳-۷۸) اور اہل کتاب میں بعض ایسے ہیں کہ کتاب تورات کو زبان مروڑ مروڑ کر پڑھتے ہیں۔
فَرِیْقًا کَذَّبُوْا وَفَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ (۵-۷۰) ایک جماعت کو جھٹلا دیتے اور ایک جماعت کو قتل کر دیتے تھے۔
فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ (۴۲-۷) ایک فریق بہشت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں۔
اِنَّهٗ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْ عِبَادِیْ (۲۳-۱۰۹) میرے بندوں میں ایک گروہ تھا۔۔۔۔
اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ (۱۹-۷۳) دونوں فریق میں سے۔۔۔ کس کے۔
وَتُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًا مِّنْکُمْ مِّنْ دِیَارِهِمْ (۲-۸۵) اور اپنے میں سے بعض لوگوں کو۔۔۔۔۔ وطن سے نکال بھی دیتے ہو۔
وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ (۲-۱۴۶) مگر ایک فریق ان میں سے سچی بات کو۔۔۔۔ چھپا رہا ہے۔
اور فَرَقْتُ بَیْنَ الشَّیْئَیْنِ کے معنی دو چیزوں کو الگ الگ کر دینے کے ہیں خواہ وہ علیحدگی نظر سے محسوس ہو رہی ہو یا اس کا تعلق بصیرت سے ہو۔ قرآن میں ہے:۔
فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ (۵-۲۵) تو ہم میں اور ان نافرمان لوگوں میں جدائی کر دے۔

فَالْفَارِقٰتِ فَرْقًا (۷۷-۴) پھر وہ اشیاء کے درمیان فرق کردیتے ہیں۔
یعنی وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اشیاء کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔
فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ (۴۴-۴) اسی رات میں تمام حکمت کے کام فیصل کئے جاتے ہیں۔
میں بھی يُفْرَقُ اسی معنی پر محمول ہے اور حضرت عمرؓ کو فاروق اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ حق کو باطل سے جدا کرنے والے تھے اور آیت کریمہ:۔
وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ (۱۷-۱۰۶) اور ہم نے قرآن کو جزو جزو کرکے نازل کیا ہے۔
کے معنی ہیں کہ ہم نے قرآن میں تمام احکام کھول کھول کر بیان کردیئے ہیں اور بعض نے فَرَقْنٰهُ کے معنی متفرق طور پر نازل کرنا بھی لکھے ہیں۔
اَلتَّفْرِيْقُ اصل میں تکثیر کے لئے ہے اور کسی چیز کے شیرازہ اور اتحاد کو زائل کردینے پر بولا جاتا ہے جیسے فرمایا:۔
مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ (۲-۱۰۲) جس سے میاں بیوی میں جدائی ڈال دیں۔
فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (۲۰-۹۴) کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا۔ اور آیت کریمہ:۔
لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (۲-۲۸۵) اور کہتے ہیں کہ ہم اس کے پیغمبروں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔ نیز آیت:۔
لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ (۳-۸۴) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔
میں اَحَدٍ کا لفظ چونکہ حرف نفی کے تحت واقع ہونے کی وجہ سے جمع کے معنی میں ہے لہٰذا تفریق کی نسبت اس کی طرف جائز ہے اور آیت کریمہ:۔
اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ (۶-۱۵۹) جن لوگوں نے اپنے دین میں بہت سے رستے نکالے۔
میں ایک قراءت فَارَقُوْا ہے اور فِرَاقٌ و مُفَارَقَةٌ کا لفظ عام طور پر اجسام کے ایک دوسرے سے الگ ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ (۱۸-۷۸) اب مجھ میں اور تجھ میں علیحدگی۔ اور آیت کریمہ:۔
وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ (۷۵-۲۸) اس (جان بلب) نے سمجھا کہ اب سب سے جدائی ہے۔
کے معنی یہ ہیں کہ اسے یقین ہوجاتا ہے کہ بس اب دنیا سے مفارقت کا وقت قریب آپہنچا ہے اور آیت کریمہ:۔
وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (۴-۱۵۰) اور خدا اور اس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں۔
کے معنی یہ ہیں کہ وہ ظاہر تو یہ کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں مگر حکم الٰہی کی مخالفت کرکے اس کے پیغمبروں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور آیت کریمہ:۔
وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ (۴-۱۵۲) اور ان میں کسی میں فرق نہ کیا۔
کے معنی یہ ہیں کہ وہ تمام پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں۔
اَلْفُرْقَانُ یہ فَرْقٌ سے ابلغ ہے کیونکہ یہ حق اور باطل کو الگ الگ کردینا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور یہ رَجُلٌ قُنْعَانٌ (یعنی وہ آدمی جس کے حکم پر قناعت کی جائے) کی طرح اسم صفت ہے مصدر نہیں ہے اور

"فَرَق" کا لفظ عام ہے جو حق کو باطل سے الگ کرنے کے لئے بھی آتا ہے اور دوسری چیزوں کے متعلق بھی استعمال ہوتا ہے اور آیت کریمہ:۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا (۸-۲۹) مومنو اگر تم خدا سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لئے امر فارق پیدا کر دیگا (یعنی تم کو ممتاز کر دے گا۔ یہں فرقان سے مراد یہ ہے کہ وہ تمہارے دلوں کے اندر نور اور توفیق پیدا کر دیگا جس کے ذریعہ تم حق و باطل میں امتیاز کر سکو گے تو گویا یہاں فرقان کا لفظ ایسے ہی ہے جیسا کہ دوسری جگہ سکینۃ اور روح کے الفاظ ہیں اور قرآن نے یوم الفرقان اس دن کو کہا ہے جس روز کہ حق و باطل اور صحیح و غلط کے مابین فرق اور امتیاز ظاہر ہوا چنانچہ آیت:۔
وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ (۸-۴۱) اور اس (نصرت) پر ایمان رکھتے ہو جو (حق و باطل میں) فرق کرنے کے دن نازل فرمائی۔ میں یوم الفرقان سے جنگ بدر کا دن مراد ہے کیونکہ وہ (تاریخ اسلام میں) پہلا دن ہے جس میں حق و باطل میں کھلا کھلا امتیاز ہو گیا تھا۔
اور کلام الہٰی (وحی) بھی فرقان ہوتی ہے کیونکہ وہ حق اور باطل عقائد میں فرق کر دیتی ہے سچی اور جھوٹی باتوں اور اچھے برے اعمال کو بالکل الگ الگ بیان کر دیتی ہے اس لئے قرآن کریم تورات اور انجیل کو فرقان سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ تورات کے متعلق فرمایا:۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ (۲۱-۴۸) اور ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو (ہدایت اور گمراہی میں) فرق کر دینے والی.... عطا کی۔
تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ (۲۵-۱) وہ خدائے عزوجل بہت ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا۔
وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ (۲-۵۳) اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور معجزے عنایت کئے۔
وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ اور ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو معجزے دیئے (۲۱-۴۸)
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ (۲-۱۸۵) روزوں کا مہینہ رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن (اول اول) نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور جس میں ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور (حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے۔
الْفَرَقُ کے معنی خوف کی وجہ سے دل کے پراگندہ ہو جانے کے ہیں اور دل کے متعلق اس کا استعمال ایسے ہی ہے جس طرح کہ صَدْعٌ و شَقٌّ کا لفظ استعمال ہوتا ہے قرآن میں ہے:۔
وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ (۹-۵۶) اصل یہ ہے کہ یہ ڈرپوک لوگ ہے۔
اور فَرُوقٌ وَفَرُوقَةٌ کے معنی ڈرپوک مرد یا عورت کے ہیں (وَيَسْتَوِي فِيهِ التَّذْكِيرُ وَالتَّأْنِيثُ) اور اسی سے اس اونٹنی کو جو درد زہ کی وجہ سے بدک کر دور بھاگ جائے۔ فَارِقٌ یا فَارِقَةٌ کہا جاتا ہے اور تشبیہ کے طور پر اس بدلی کو بھی فَارِقٌ کہا جاتا ہے جو دوسری بدلیوں سے علیحدہ ہو۔

۱؎ وفی المطبوع الکتاب مصحف والا لتنکرت الآیۃ واللہ اعلم ۱۲

اَلْاَفْرَقُ (۱) وہ مرغ جس کی کلغی شاخ در شاخ ہو (۲) وہ گھوڑا جس کا ایک سرین دوسرے سے اونچا ہو۔
اَلْفَرِيْقَةُ دودھ میں پکائی ہوئی کھجور۔
اَلْفَرُوْقَةُ گردوں کی چربی۔

(ف ر ہ)

اَلْفَرِهُ (صفت مشبہ) اترانے والا اور نَاقَةٌ مُفْرِهَةٌ اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے جو چست اور پھرتیلے بچے دے (اس سے اسم فاعل فَارِهٌ ہے) قرآن میں ہے:۔
وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فَارِهِيْنَ (۲۶-۱۴۹) اور تکلف سے پہاڑوں میں تراش تراش کر گھر بناتے ہو۔
میں فَارِهِيْنَ کے معنی حَاذِقِيْنَ (یعنی ماہر اور ہنرمند) کے ہیں اور فَرِهٌ کی جمع فُرْهَةٌ ہے یہ انسان اور دیگر حیوانات کے لئے استعمال ہوتا ہے ایک قرأت میں فَرِهِيْنَ ہے جو فَارِهِيْنَ کے ہم معنی ہے اور بعض نے (دونوں) کے معنی اَشِرِيْنَ (اترانے والے) بھی کئے ہیں۔

(ف ر ی)

اَلْفَرْيُ (ن) کے معنی چمڑے کو سینے اور درست کرنے کے لئے اسے کاٹنے کے ہیں اور اِفْرَاءٌ (افعال) کے معنی اسے خراب کرنے کے لئے کاٹنے کے۔
اِفْتِرَاءٌ (افتعال) کا لفظ اصلاح اور فساد دونوں کے لئے آتا ہے لیکن اس کا زیادہ تر استعمال افساد ہی کے معنوں میں ہوتا ہے اسی لئے قرآن پاک میں جھوٹ شرک اور ظلم کے موقعوں پر استعمال کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا:۔
وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا (۴-۴۸) جس نے خدا کا شریک مقرر کیا اس نے بڑا بہتان باندھا۔
اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (۴-۵۰) دیکھو یہ خدا پر کیسا جھوٹ (طوفان) باندھتے ہیں۔
اور کذب کے متعلق فرمایا:۔
افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا (۶-۱۴۰) اور خدا پر افترا کرکے ..... وہ بے شبہ گمراہ ہیں۔
وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (۵-۱۰۳) بلکہ کافر خدا پر جھوٹ افترا کرتے ہیں۔
اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ (۱۱-۳۵) کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) نے قرآن اپنے دل سے بنا لیا ہے۔
وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (۱۰-۶۰) اور جو لوگ خدا پر افترا کرتے ہیں وہ ..... کیا خیال رکھتے ہیں؟
اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۱۰-۳۷) کہ خدا کے سوا کوئی اس کو اپنی طرف سے بنا لائے۔
اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ (۱۱-۵۰) تم (شرک کرکے خدا پر) محض بہتان باندھتے ہو
اور آیت کریمہ:۔
لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا (۱۹-۲۷) یہ تو تم نے برا کام کیا۔
میں بعض نے کہا ہے کہ فَرِيًّا کے معنی عظیم بات کے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی عجیب بات کے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے

معنی من گھڑت اور بنائی ہوئی بات کے ہیں لیکن مآل کے اعتبار سے یہ تمام اقوال ایک ہی ہیں۔

(ف ز ز)

اَلْاِسْتِفْزَازُ۔ ہلکا سمجھنا گھبرا دینا اور جگہ سے مٹا دینا قرآن میں ہے۔
وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ (۱۷-۶۴) اور ان میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکاتا رہ۔
فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (۱۷-۱۰۳) تو اس نے چاہا کہ انہیں گڑبڑا کر سرزمین (مصر) میں سے نکال دے۔
اور فَزَّنِیْ فُلَانٌ کے معنی ہیں اس نے مجھے پریشان.... کر کے میری جگہ سے مٹا دیا اور گائے کے بچہ کو فَزٌّ کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں خفت یعنی سبکی پائی جاتی ہے جس طرح کہ اس میں عجلت (جلد بازی) کا تصور کر کے اسے عِجْلٌ کہا جاتا ہے۔

(ف ز ع)

اَلْفَزَعُ۔ انقباض اور وحشت کی اس حالت کو کہتے ہیں جو کسی خوفناک امر کی وجہ سے انسان پر طاری ہو جاتی ہے یہ جَزَعٌ کی ایک قسم ہے اور خِفْتُ مِنَ اللّٰهِ کا محاورہ تو استعمال ہوتا ہے لیکن فَزِعْتُ مِنْهُ کہنا صحیح نہیں ہے اور آیت کریمہ:۔
لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ (۲۱-۱۰۳) ان کو (اس دن کا) بڑا بھاری غم غمگیں نہیں کرے گا۔
میں فَزَعُ الْاَكْبَرُ سے دوزخ میں داخل ہونے کا خوف مراد ہے۔ نیز فرمایا:۔
فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ (۲۷-۸۷) تو جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں سب گھبرا اٹھیں گے۔
وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ (۲۷-۸۹) اور ایسے لوگ (اس روز) گھبراہٹ سے بے خوف ہوں گے۔
حَتّٰى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ (۳۴-۲۳) یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے اضطراب دور کر دیا جائے گا۔
یعنی ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جائے گی فَزِعَ اِلَيْهِ کے معنی گھبراہٹ کے وقت کسی سے فریاد کرنے اور مدد مانگنے کے ہیں اور فَزِعَ لَهٗ کے معنی مدد کرنے کے[1]۔ شاعر نے کہا ہے[2] (البسیط)

(۳۳۹) وَكُنَّا اِذَا مَا اَتَانَا صَارِخٌ فَزِعٌ

یعنی جب کوئی فریاد چاہنے والا گھبرا کر ہمارے پاس آتا۔

---

[1] ومنہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم للانصار: انکم لتقلون عند الطمع وتکثرون عند الفزع انظر للکلمۃ الکامل للمبرد ۴۶ واضداد ابی الطیب ۱/ ۵۔۴۴ وعدۃ العلماء من الاضداد [2] قالہ سلامۃ بن الجندل وتمامہ: . . . کان الصراخ لہ قرع الظنابیب والبیت من قصیدۃ مفضلیۃ (۱: ۱۱۷-۱۲۲) والشعراء النصرانیۃ ۴۸۶-۴۹۰ وراجع للبیت اضداد الاصمعی ۴۵ وابن السکیت ۲۰۸ واللسان (طنب) واضداد ابی الطیب ۴۳۱، ۴۰۵ والمعانی للقتبی ۳۴۹ ودیوانہ ۱۱ والسمط ۴۷ والمزہر فی (۱: ۱۳۰) والمیدانی (۲: ۳۹۳) والبحر (۵: ۴۴۲) والکامل ۴۴ ویستشہد من ہذا المعنی ان لفظ "مفزع" فی معنی اغاث فالفظ من الاضداد۔

بعض نے فَزِعٌ کے معنی مستغیث کئے ہیں تو یہ لفظ فزع کے اصل معنی نہیں ہیں بلکہ معنی مقصود کی تشریح ہے۔

(ف س ح)

اَلْفُسْحُ وَالْفَسِیْحُ کے معنی وسیع جگہ کے ہیں اور تَفَسَّحَ کے معنی وسیع ہونے کے۔ چنانچہ محاورہ ہے۔
فَسَّحْتُ مَجْلِسَهٗ میں نے اس کے لئے محفل میں جگہ کر دی تو وہ اس میں کھل کر بیٹھ گیا۔ قرآن میں ہے:۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ (۵۸-۱۱) اے مومنو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کھل کر بیٹھو تو کھل کر بیٹھ جایا کرو خدا تم کو کشادگی بخشے گا۔
اسی سے فَسَّحْتُ لِفُلَانٍ اَنْ يَّفْعَلَ كَذَا کا محاورہ ہے جس کے معنی وَسَّعْتُ لَهٗ کے ہیں هُوَ فِيْ فُسْحَةٍ مِّنْ هٰذَا الْاَمْرِ وہ اس معاملہ میں آزاد ہے۔

(ف س د)

اَلْفَسَادُ یہ فَسَدَ (ن) اَلشَّیْءُ فَهُوَ فَاسِدٌ کا مصدر ہے اور اس کے معنی کسی چیز کے حد اعتدال سے تجاوز کر جانا کے ہیں عام اس سے کہ وہ تجاوز کم ہو یا زیادہ یہ اصل میں صلاح کی ضد ہے اور نفس، بدن اور ہر اس چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے جو حالت استقامت سے نکل چکی ہو اور اَفْسَدَ کے معنی کسی چیز کا توازن بگاڑنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (۲۳-۷۱) تو آسمان و زمین ۔ ۔ ۔ سب درہم برہم ہو جائیں۔
لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (۲۱-۲۲) اگر آسمان و زمین میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے۔
ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (۳۰-۴۱) خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا۔
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (۲-۲۰۵) اور خدا فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا۔
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ (۲-۱۱) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ ڈالو۔
اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ (۲-۱۲) دیکھو! یہ بلاشبہ مفسد ہیں۔
لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ (۲-۲۰۵) تاکہ اس میں فتنہ انگیزی کرے اور کھیتی کو اور (انسانوں اور حیوانوں کی) نسل کو نابود کر دے۔
اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا (۲۷-۳۴) کہ بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں۔
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ (۱۰-۸۱) بیشک خدا شریروں کے کام سوارا نہیں کرتا۔
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ (۲-۲۲۰) اور خدا خوب جانتا ہے کہ خرابی کرنے والا کون ہے اور اصلاح کرنے والا کون۔

(ف س ر)

اَلْفَسْرُ (ض ن) کے معنی کسی چیز کی معنوی صفت کو ظاہر کرنے کے ہیں اسی سے تَفْسِرَۃٌ ہے جس کے معنی قارورہ کی تشخیص کے ہیں اور (مجازاً) قارورۃ (پیشاب کی بوتل) کو تفسرۃ کہدیتے ہیں۔ التفسیر بھی الفسر کے ہم معنی ہے مگر اس میں مبالغہ کے معنی پائے جاتے ہیں اور (عرف میں) تفسیر کا لفظ کبھی تو مفرد اور غریب الفاظ کی تشریح اور وضاحت پر بولا جاتا ہے اور کبھی خاص کر تاویل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ تاویل الرؤیا (خواب کی تعبیر) کی بجائے تفسیر الرؤیا کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے اور آیت کریمہ:

وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا (۲۵-۳۳) اور خوب مشرح۔ میں بھی تفسیر بمعنی تاویل استعمال ہوا ہے۔

(ف س ق)

فَسَقَ فُلَانٌ کے معنی کسی شخص کے دائرہ شریعت سے نکل جانے کے ہیں یہ فَسَقَ الرُّطَبُ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی گدری کھجور کے اپنے چھلکے سے باہر نکل آنے کے ہیں (شرعاً) فسق کا مفہوم کفر سے اعم ہے کیونکہ فسق کا لفظ چھوٹے اور بڑے ہر قسم کے گناہ کے ارتکاب پر بولا جاتا ہے اگرچہ عرف میں بڑے گناہوں کے ارتکاب پر بولا جاتا ہے اور عام طور پر فَاسِقٌ کا لفظ اس شخص کے متعلق استعمال ہوتا ہے جو احکام شریعت کا التزام اور اقرار کرنیکے بعد تمام یا بعض احکام کی خلاف ورزی کرے اور کافر حقیقی پر فَاسِقٌ کا لفظ اس لئے بولا جاتا ہے کہ وہ حکم عقل یا فطرت کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ قرآن میں ہے:

فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (۱۸-۵۰) تو اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا۔

فَفَسَقُوْا فِيْهَا (۱۷-۱۶) تو وہ نافرمانیاں کرتی ہیں۔

وَاَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُوْنَ (۳-۱۱۰) اور اکثر نافرمان ہیں۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا (۳۲-۱۸) بھلا جو مومن ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو نافرمان ہے۔

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ (۲۴-۵۵) اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بدکار ہیں۔

یعنی جو نعمت الٰہی کی ناشکری کریگا وہ دائرہ طاعت سے خارج سمجھا جائیگا۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰهُمُ النَّارُ (۳۲-۲۰) اور جنہوں نے نافرمانی کی ان کے رہنے کے لئے دوزخ ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (۶-۴۹) اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کی نافرمانیوں کے سبب انہیں عذاب ہوگا۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ (۹-۲۴) اور خدا نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ (۹-۶۷) بے شک منافق نافرمان ہیں۔

وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْا (۱۰-۳۳) اسی طرح خدا کا ارشاد

نافرمانوں کے حق میں ثابت ہو کر رہا۔
اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا (۳۲-۱۸)
بھلا جو مومن ہو وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو نافرمان ہو۔
یہاں فسق کا لفظ ایمان کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فَاسِق "کافر" سے اعم ہے مگر ظالِمٌ فاسِق سے بھی عام ہے چنانچہ فرمایا۔
وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ إِلٰى قوله وَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ (۲۴-۴) اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر بدکاری کا الزام لگائیں ..... اور یہی بدکار ہیں۔
اور چوہیا کو اس کی خباثت اور فسارت کی بنا پر فُوَيْسِقَةٌ کہا جاتا ہے بعض نے کہا ہے کہ اس کے بار بار اپنے بِل سے باہر نکلنے کی وجہ سے اسے فُوَيْسِقَةٌ کہتے ہیں۔ آنحضرتؐ کا فرمان ہے (۷) اُقْتُلُوا الْفُوَيْسِقَةَ فَإِنَّهَا تُوْهِي السِّقَاءَ وَتُضْرِمُ الْبَيْتَ عَلٰى أَهْلِهِ کہ چوہیا کو مار ڈالو کیونکہ وہ پانی کی مشک میں سوراخ کر ڈالتی ہے اور گھروں میں آگ لگا دیتی ہے۔
ابن الاعرابی کا قول ہے کہ فاسق کا لفظ صرف قرآن کریم نے انسانوں کے لئے استعمال کیا ہے ورنہ جاہلیت میں یہ لفظ انسانوں کے لئے اس معنی میں نہیں بولا جاتا تھا بلکہ گدری کھجور کے متعلق فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ عَنْ قِشْرِهَا کا محاورہ استعمال ہوتا تھا۔

(ف ش ل)

اَلْفَشَلُ (س) کے معنی کمزوری کے ساتھ بزدلی کے ہیں قرآن میں ہے:۔
حَتّٰى إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ (۳-۱۵۲) یہاں تک کہ تم نے ہمت ہار دی اور حکم (پیغمبر) میں جھگڑا کرنے لگے۔
فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (۸-۴۶) تو تم بزدل ہو جاؤگے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا۔
لَفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ (۸-۴۳) تو تم لوگ جی چھوڑ دیتے اور (جو) معاملہ (درپیش تھا) اس میں جھگڑنے لگتے۔
تَفَشَّلَ الْمَاءُ پانی بہہ پڑا۔

(ف ص ح)

اَلْفُصْحُ کے معنی کسی چیز کے ہر قسم کی آمیزش سے پاک ہونے ہیں اصل میں اس کا استعمال دودھ کے خالص ہونے پر ہوتا ہے چنانچہ محاورہ ہے۔
فَصُحَ اللَّبَنُ وَأَفْصَحَ دودھ کے اوپر سے جھاگ اتار کر اسے بالکل صاف کر لینے کے ہیں اور جس دودھ کے اوپر سے جھاگ اتار کر اسے بالکل صاف کر لیا جائے اسے مُفْصِحٌ یا فَصِيْحٌ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ مروی ہے[1] (الوافر) (۳۴۰) وَتَحْتَ الرَّغْوَةِ اللَّبَنُ الْفَصِيْحُ جھاگ کے نیچے خالص دودھ ہوتا ہے۔

---

[1] قاله نضلة السلمي في يوم غول واوله :۔ ولم يخشوا مصالته عليهم وفي رواية المصرع بدل الشيح والبيت في الكامل ۸۱ في خمسة واللسان (فصح) وفي مجالس ثعلب ۸ لرجل من بني سليم وفي البيان للجاحظ (۳ : ۲۴۸) لابي محجن السلمي وفي مجموع المعاني (۵۵) الفضل السهمي وفيه ابسالته بدل مصالته۔

اور اسی سے فَصُحَ الرَّجُلُ کا محاورہ مستعار ہے جس کے معنی کسی شخص کے خوش گفتار ہونے کے ہیں اور اَفْصَحَ کے معنی خالص عربی زبان میں گفتگو کرنے کے ہیں اور بعض نے اس کے برعکس کہا ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے بعض نے کہا ہے کہ فَصِیْحٌ نَاطِقٌ (یعنی انسان فرشتے وغیرہ) کو کہتے ہیں اور اَعْجَمِیٌّ کے معنی غیر ناطق (یعنی چوپایہ وغیرہ) کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا (۲۸-۳۴) اور ہارون جو میرا بھائی ہے اس کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے۔
اسی سے اَفْصَحَ الصُّبْحُ کا محاورہ مستعار ہے جس کے معنی صبح کے روشن اور نمودار ہونے کے ہیں اور اَفْصَحَ النَّصَارٰی کے معنی عیسائیوں کے ایسٹر کی عید (یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دوبارہ زندہ ہونے کا تہوار) منانے کے ہیں۔

(ف ص ل)

اَلْفَصْلُ کے معنی دو چیزوں میں سے ایک کو دوسری سے اسی طرح علیحدہ کر دینے کے ہیں کہ ان کے درمیان فاصلہ ہو جائے اسی سے مُفَاصِلُ (جمع مَفْصَلٌ) ہے جس کے معنی جسم کے جوڑ کے ہیں اور فَصَلْتُ الشَّاۃَ کے معنی بکری کے جوڑ کاٹ کر الگ الگ کر دینے کے ہیں۔ فَصَلَ الْقَوْمُ عَنْ مَکَانِ کَذَا قوم کا کسی جگہ سے روانہ ہونا۔ قرآن میں ہے:۔
وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ (۱۲-۹۴) اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا۔
اور یہ اقوال اور اعمال دونوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے جیسے قرآن میں ہے:۔
اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ مِیْقَاتُهُمْ اَجْمَعِیْنَ (۴۴-۴۰) کچھ شک نہیں کہ فیصلے کا دن سب کے اٹھنے کا دن ہے۔
هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ (۷۷-۳۸) یہی فیصلے کا دن ہے۔
یعنی آج اللہ تعالیٰ حق کو باطل سے الگ کر دیگا اور لوگوں کے درمیان (انصاف سے) فیصلہ کر دیا جائے گا چنانچہ اسی معنی میں فرمایا:۔
یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ ..... (۱۲-۱۷) (ان سب) میں ...... فیصلہ کر دے گا۔
وَهُوَ خَیْرُ الْفَاصِلِیْنَ (۶-۵۷) اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔
اور فَصْلُ الْخِطَابِ (۳۸-۲۰) کے معنی فیصلہ کن بات کے ہیں اور یہی معنی حُکْمٌ فَیْصَلٌ و لِسَانٌ مِفْصَلٌ کے ہیں۔
اَلتَّفْصِیْلُ واضح کر دینا کھولکر بیان کر دینا چنانچہ فرمایا:۔
وَکُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِیْلًا (۱۷-۱۲) اور ہم نے ہر چیز کی (بخوبی) تفصیل کر دی ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
الٓرٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ (۱۱-۱) یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں اور خدائے حکیم وخبیر کی طرف سے بہ تفصیل بیان کر دی گئی ہیں۔
میں آیت کریمہ:۔
تِبْیَانًا لِکُلِّ شَیْءٍ وَّرَحْمَةً (۱۶-۸۹) کہ (اس میں) ہر چیز کا بیان (مفصل) ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت ..... ہے۔
کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

فَصِیْلَۃُ الرَّجُلِ آدمی کا خاندان جو اس سے الگ ہوتا ہے جیسے اولاد وغیرہ۔ قرآن میں ہے:۔

وَفَصِیْلَتِہِ الَّتِیْ تُؤْوِیْہِ (۷۰-۱۳) اور اپنا خاندان جس میں وہ رہتا تھا۔

اَلْفِصَالُ کے معنی بچے کا دودھ چھڑانا کے ہیں قرآن میں ہے:۔

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا (۲-۲۳۳) اور اگر دونوں (یعنی ماں باپ) آپس کی رضامندی ..... سے بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں۔

وَفِصَالُهٗ فِیْ عَامَیْنِ (۳۱-۱۴) اور (آخرکار) دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے۔

اسی سے اَلْفَصِیْلُ (یعنی دودھ چھڑایا ہوا بچہ) ہے لیکن یہ خاص کر اونٹ کے بچہ پر بولا جاتا ہے

اَلْمُفَصَّلُ قرآن پاک کی آخری منزل کو کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں چھوٹی چھوٹی سورتوں میں تمام قصے الگ الگ بیان کئے گئے ہیں۔

اَلْفَوَاصِلُ اواخر آیات۔

اور فَوَاصِلُ الْقِلَادَۃِ ان بڑے موتیوں کو کہا جاتا ہے جو ہار کے اندر چھوٹے موتیوں کے درمیان فاصلہ کے لئے ڈال دیئے جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے۔(۱)

مَنْ اَنْفَقَ نَفَقَۃً فَاصِلَۃً فَلَہٗ مِنَ الْاَجْرِ کَذَا یعنی جس نے اتنا زیادہ خرچ کیا جس سے حق وباطل کے درمیان فاصلہ ہوجائے تو اس کے لئے اتنا اور اتنا اجر ہے۔

(ف ض ض)

اَلْفَضُّ کے معنی کسی چیز کو توڑنے اور ریزہ ریزہ کرنے کے ہیں جیسے فَضَضْتُ خَتْمَ الْکِتَابِ خط کی مہر کو توڑنا اسی سے اِنْفَضَّ الْقَوْمُ وغیرہ کا محاورہ مستعار ہے جس کے معنی متفرق اور منتشر ہوجانے کے ہیں قرآن میں ہے:۔

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَۃً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْا اِلَیْهَا (۶۲-۱۱) اور جب یہ لوگ سودا بکتا یا تماشا ہوتا دیکھتے ہیں تو ادھر بھاگ جاتے ہیں۔

لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ (۳-۱۵۹) تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔

اَلْفِضَّۃُ (۳-۱۴) چاندی یعنی وہ ادنیٰ جوہر جس کے ذریعہ لین دین کیا جاتا ہے۔

دِرْعٌ فَضْفَاضَۃٌ وَفَضْفَاضٌ فراخ زرہ۔

(ف ض ل)

اَلْفَضْلُ کے معنی کسی چیز کے اقتصاد (متوسط درجہ) سے زیادہ ہونا کے ہیں اور یہ دو قسم پر ہے (۱) محمود جیسے علم وحلم وغیرہ کی زیادتی (۲) مذموم جیسے غصہ کا حد سے بڑھ جانا۔ لیکن عام طور اَلْفَضْلُ اچھی باتوں پر بولا جاتا ہے۔ اور اَلْفُضُوْلُ بری باتوں میں اور جب فضل کے معنی ایک چیز کے دوسری پر زیادتی کے ہوتے ہیں تو اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) برتری بلحاظ جنس کے جیسے جنس حیوان کا جنس نباتات سے افضل ہونا۔

(۲) برتری بلحاظ نوع کے جیسے نوع انسان کا دوسرے حیوانات سے برتر ہونا جیسے فرمایا:۔

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ ..... وَفَضَّلْنٰهُمْ

---

(۱) انظر تحریف الصحاح للجوہری (فصل) وفی (حم رع والشاشی) من عبیدۃ بن الجراح فاصلۃ بالنضا والمعجمۃ انظر کنز العمال ۶: رقم ۲۲۹۸

عَلٰی کَثِیۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِیۡلًا (۱۷-۷۰) اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی ..... اور اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت دی۔

(۳) فضیلت بلحاظ ذات مثلاً ایک شخص کا دوسرے شخص سے برتر ہونا اول الذکر دونوں قسم کی فضیلت بلحاظ جوہر ہوتی ہے۔ جن میں ادنیٰ ترقی کرکے اپنے سے اعلیٰ کے درجہ کو حاصل نہیں کر سکتا۔ مثلاً گھوڑا اور گدھا کہ یہ دونوں انسان کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے۔ البتہ تیسری قسم کی فضیلت من حیث الذات چونکہ کبھی عارضی ہوتی ہے اس لئے اس کا اکتساب عین ممکن ہے چنانچہ آیات کریمہ:۔

وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعۡضَکُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ فِی الرِّزۡقِ (۱۶-۷۱) اور خدا نے رزق (ودولت) میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

لِتَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکُمۡ (۱۷-۱۲) تاکہ تم اپنے پروردگار کا فضل (یعنی روزی) تلاش کرو۔

میں یہی تیسری قسم کی فضیلت مراد ہے جسے محنت اور سعی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اور آیت کریمہ:۔

بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعۡضَہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ (۴-۳۴) اس لئے کہ خدا نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے۔ میں انسان کے ان ذاتی امتیازات کی طرف اشارہ ہے جس کے ساتھ اسے خاص طور پر نوازا جاتا ہے مثلاً مال وجاہ عزت اور قوت وغیرہ نیز فرمایا:۔

وَلَقَدۡ فَضَّلۡنَا بَعۡضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعۡضٍ (۱۷-۵۵) اور ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت بخشی

فَضَّلَ اللّٰہُ الۡمُجٰہِدِیۡنَ عَلَی الۡقٰعِدِیۡنَ (۴-۹۵) خدا نے ..... جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر کہیں زیادہ فضیلت بخشی ہے۔

اور ہر اس عطیہ کو جو دینے والے پر لازم نہیں ہوتا وہ فضل کہلاتا ہے جیسے فرمایا:۔

وَاسۡئَلُوا اللّٰہَ مِنۡ فَضۡلِہٖ (۴-۳۲) اور خدا سے اس کا فضل (وکرم) مانگتے رہو۔

ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ (۵-۵۴) یہ خدا کا فضل ہے۔

ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ... (۳-۷۴) بڑے فضل کا مالک ہے۔ اور اسی معنی میں فرمایا۔

قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰہِ (۱۰-۵۸) کہہ دو کہ (یہ کتاب) خدا کے فضل سے ہے۔

وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰہِ (۴-۸۳) اور اگر ... خدا کا فضل نہ ہوتا۔

(ف ض ی)

اَلۡفَضَاءُ کے معنی وسیع جگہ کے ہیں اور اسی سے اَفۡضٰی بِیَدِہٖ اِلٰی کَذَا کا محاورہ ہے جسکے معنی کسی جگہ پر اطمینان پہنچ جانے کے ہیں اور اَفۡضٰی اِلَی امۡرَءَتِہٖ عورت سے جماع کرلینے کنایہ ہوتا ہے اور یہ خَلَا بِہَا کے محاورہ سے زیادہ صریح ہے۔ قرآن میں ہے:

وَقَدۡ اَفۡضٰی بَعۡضُکُمۡ اِلٰی بَعۡضٍ (۴-۲۱) تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو۔

شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۳۴۱) طَعَامُہُمۡ فَوۡضٰی فَضًا فِیۡ رِحَالِہِمۡ

---

[1] قالہ المعذل بن عبداللہ البکری احد بنی قیس بن ثعلبۃ (المعجم للمرزبانی ۳۸۸ والشعراء ۲۹/۸۳)، یمدح العتیک رہط انس بن زید العتکی فی خمسۃ ابیات وعجزہ ، ولا یحسنون السر الا تنادیا (فی اللسان (فضا فیض) ولا یحسبون السوء ..... والبیت فی الحماسۃ بشرح المرزوقی رقم ۱۹۷ فی خمسۃ وابن ولاد ۹۵ ۝

ان کے گھروں میں طعام منتشر اور بکھرا پڑا ہے۔

(ف ط ر)

اَلْفَطْرُ (ن ض) اس کے اصل معنی کسی چیز کو (پہلی مرتبہ) طول میں پھاڑنے کے ہیں چنانچہ محاورہ ہے۔ فَطَرَ فُلَانٌ كَذَا فَطْرًا کسی چیز کو پھاڑ ڈالنا۔ اَفْطَرَ هُوَ فُطُوْرًا روزہ افطار کرنا اِنْفَطَرَ اِنْفِطَارًا پھٹ جانا اور آیت کریمہ:۔
هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ (۶۷-۳) بھلا تجھ کو کوئی شگاف نظر آتا ہے۔
میں فُطُوْرٌ کے معنی خلل اور شگاف کے ہیں اور یہ پھاڑنا کبھی کسی چیز کو بگاڑنے اور کبھی بنی بر مصلحت ہوتا ہے چنانچہ فرمایا:۔
اَلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا (۷۳-۱۸) (اور) جس سے آسمان پھٹ جائیگا یہ اس کا وعدہ (پورا) ہو کر رہے گا۔
فَطَرْتُ الشَّاةَ میں نے بکری کو دو انگلیوں سے دوہا۔ فَطَرْتُ الْعَجِيْنَ آٹا گوندھ کر فوراً روٹی پکانا (اسی سے فِطْرَةٌ ہے جس کے معنی تخلیق کے ہیں اور فَطَرَ اللّٰهُ الْخَلْقَ کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی تخلیق اسطرح کی ہے کہ اس میں کچھ کرنے کی استعداد موجود ہے پس آیت کریمہ:۔
فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰-۳۰) اور خدا کی فطرت کو جس پر لوگوں کو پیدا کیا (اختیار کیے رہو)
میں اس معرفت الٰہی کی طرف اشارہ ہے جو تخلیقی طور پر انسان کے اندر ودلیعت کی گئی ہے لہٰذا فطرۃ اللہ سے معرفت الٰہی کی استعداد مراد ہے جو انسان کی جبلت میں پائی جاتی ہے چنانچہ آیت:۔
وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (۴۳-۸۷) اور اگر تم ان سے پوچھو کہ ان کو کس نے پیدا کیا تو بول اٹھیں گے کہ خدا نے۔
میں اسی قوت معرفت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۳۵-۱) سب تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔
اَلَّذِيْ فَطَرَهُنَّ (۲۱-۵۶) جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔
وَالَّذِيْ فَطَرَنَا (۲۰-۷۲) اور جس نے ہم کو پیدا کیا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
اَلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ (۷۳-۱۸) (اور) جس سے آسمان پھٹ جائے۔
میں ہو سکتا ہے کہ انفطار سے اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر فیضان ہوگا۔ وہ اسے قبول کرلے گا۔
اَلْفِطْرُ روزہ افطار کرنا۔ کہا جاتا ہے۔ فَطَرْتُهٗ وَاَفْطَرْتُهٗ وَاَفْطَرَ هُوَ یعنی لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور كَمْأَةٌ (کھمبی) کو فُطْرٌ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ زمین کو پھاڑ کر باہر نکلتی ہے۔

(ف ظ ظ)

اَلْفَظُّ کے معنی بدمزاج کے ہیں اور یہ اس فَظٌّ سے مستعار ہے جس کے معنی اونٹ کے اوجھڑی میں جمع رہنے والا پانی کے ہیں جو سخت ضرورت کے وقت بادل نخواستہ پیا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ (۳-۱۵۹) اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے۔

(ف ع ل)

اَلْفِعْلُ کے معنی کسی اثر انداز کی طرف سے اثر اندازی کے ہیں۔ عام اس سے کہ وہ تاثیر عمدگی کے ساتھ ہو یا بغیر عمدگی کے ہو اور علم سے ہو یا بغیر علم کے قصداً کی جائے یا بغیر قصد کے پھر وہ تاثیر انسان کی طرف سے ہو یا دوسرے حیوانات اور جمادات کی طرف سے ہو یہی معنی لفظ عمل کے ہیں۔ مگر لفظ صُنْع ان دونوں سے اخص ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے[1]۔ قرآن میں ہے:۔

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ (۲-۱۹۷) اور جو نیک کام تم کرو گے وہ خدا کو معلوم ہو جائیگا۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا (۴-۳۰) اور جو تعدی و ظلم سے ایسا کرے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (۵-۶۷) اے پیغمبر جو ارشادات خدا کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو اور اگر ایسا نہ کیا تو تم خدا کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے۔

یعنی اگر تم نے یہ حکم نہ پہنچایا تو گویا تم نے تبلیغ کی ہی نہیں۔ اور جس پر فاعل اپنا فعل کرتا ہے اسے مُنْفَعِلٌ اور مفعول کہا جاتا ہے۔

بعض نے مفعول اور منفعل میں یہ فرق کیا ہے کہ فاعل کے فعل کے اعتبار سے اسے مفعول کہا جاتا ہے اور فعل کا اثر . . . قبول کر لینے کے لحاظ سے اسے منفعل کہا جاتا ہے پس مفعول منفعل سے اعم ہے کیونکہ منفعل تو اس اثر کو بھی کہا جاتا ہے جو فاعل سے صادر تو ہو مگر اس نے اس کے ایجاد کا ارادہ نہ کیا ہو جیسے خجالت کی سرخی جو کسی انسان کو دیکھ کر عارض ہو جاتی ہے اور طرب جو رقص و سرود کے سننے سے حاصل ہوتا ہے یا عاشق اپنے معشوق کو دیکھ کر بلا اختیار وجد میں آجاتا ہے۔ اس اعتبار سے ہر فعل کو انفعال کہہ سکتے ہیں۔ بجز ابداع کے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی جانب منسوب ہوتا ہے کیونکہ ابداع کے معنی عدم سے وجود میں لانے کے ہیں اور یہ کسی جوہر یا عرض پر عمل کا نام نہیں ہے بلکہ جوہر کو وجود میں لانے کا نام ہے۔

(ف ق د)

اَلْفَقْدُ کے معنی ہیں کسی چیز کے وجود کے بعد اس کا نہ پایا جانا . . . . . اور یہ عدم سے اخص ہے کیونکہ عَدَمٌ فَقْدٌ کو بھی کہتے ہیں۔ اور کسی چیز کے سرے سے موجود نہ ہونے کو بھی قرآن میں ہے۔

مَاذَا تَفْقِدُوْنَ۔ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ۔ (۱۲-۷۱، ۷۲) تمہاری کیا چیز کھوئی گئی ہے وہ بولے کہ بادشاہ کے پانی پینے کا گلاس کھو گیا۔

اور تفقد کے معنی تعہد یعنی کسی چیز کی دیکھ بھال کرنے کے ہیں لیکن اصل میں تَفَقُّدٌ کے معنی کسی چیز کے گم ہونے کو معلوم کر لینے کے ہیں اور تَعَهُّدٌ عہد متقدم (پرانی ملاقات) کو پہچان لینے کے ہیں۔

قرآن میں ہے۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ (۲۷-۲۰) انہوں نے جانوروں

---

[1] راجع (ص ن ع م) (ع م ل)

کا جائزہ لیا۔
اور فَاقِرٌ اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کا لڑکا یا خاوند فوت ہوگیا ہو۔

(ف ق ر)

اَلْفَقْرُ کا لفظ چار طرح پر استعمال ہوتا ہے۔
۱۔ زندگی کی بنیادی ضروریات کا نہ پایا جانا اس اعتبار سے انسان کیا کائنات کی ہر شئے فقیر و محتاج ہے۔ چنانچہ اسی معنی میں فرمایا:۔
یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ (۳۵-۱۵) لوگو! تم سب خدا کے محتاج ہو۔
اور الانسان میں اسی قسم کے احتیاج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔
وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ (۲۱-۸) اور ہم نے ان کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ کھانا نہ کھائیں۔
۲۔ ضروریات زندگی کا کما حقہ پورا نہ ہونا چنانچہ اس معنی میں فرمایا:۔
لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا ...... مِنَ التَّعَفُّفِ (۲-۲۷۳) تو ان حاجتمندوں کے لئے جو خدا کے راہ میں رکے بیٹھے ہیں۔
اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (۲۴-۳۲) اگر وہ مفلس ہونگے تو خدا ان کو اپنے فضل سے خوشحال کر دے گا۔
اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِیْنِ (۹-۶۰) صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات) تو مفلسوں اور محتاجوں ..... کا حق ہے۔
۳۔ فَقْرُ النَّفْسِ یعنی مال کی ہوس چنانچہ فقر کے اس معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت نے فرمایا (۱)
كَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّكُوْنَ كُفْرًا۔ کچھ تعجب نہیں کہ فقر کفر کی حد تک پہنچا دے اس کے بالمقابل غنی کے معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اَلْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ کہ غنا تو نفس کی بے نیازی کا نام ہے۔ اور اسی معنی میں حکماء نے کہا ہے۔
مَنْ عَدِمَ الْقَنَاعَةَ لَمْ یُفِدْهُ الْمَالُ غِنًی جو شخص قناعت کی دولت سے محروم ہو اسے مالداری کچھ فائدہ نہیں دیتی۔
۴۔ اللہ تعالیٰ کی طرف احتیاج جس کی طرف آنحضرت نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا (۲)
اَللّٰهُمَّ اَغْنِنِیْ بِالْاِفْتِقَارِ اِلَیْكَ وَلَا تُفْقِرْنِیْ بِالْاِسْتِغْنَآءِ عَنْكَ (اے اللہ مجھے اپنا محتاج بنا کر غنی کر اور اپنی ذات سے بے نیاز کر کے فقیر نہ بنا) اسی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔
رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ

---

۱ اخرجہ ابو مسلم الکشی فی سننہ والبیہقی فی الشعب من روایۃ یزید الرقاشی عن انس مرفوعاً ویزید ضعیف وتمام الحدیث وکاد الحسد یغلب القدر رواہ ابن عدی فی الکامل ورواہ الطبرانی فی الاوسط بلفظ وکادت الحاجۃ ان یکون کفرا وفیہ ایضا ضعف نعم ورد فی النسائی عن ابی سعید الخدری انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول: اللہم انی اعوذ بک من الکفر والفقر الحدیث راجع تخریج العراقی علی الاحیاء ۳/۲۲۳ و ۲۰۳/۸ والمقاصد للسخاوی رقم ۷۸۹ ۲ متفق علیہ من حدیث ابی ہریرۃ وللدیلمی بلا سند رفعہ عن انس: الغنی غنی النفس والفقر فقر النفس ورواہ العسکری من حدیث ابی ذر ولشکی فیہ القلب بدل النفس وفی معناہ اشعار لیعقوب الکندی نقلہ السخاوی فی المقاصد رقم ۷۳۲ ۔

(۲۸-۲۴) کہ پروردگار میں اس کا محتاج ہوں کہ تو مجھ پر اپنی نعمت نازل فرمائے۔

اسی معنی میں شاعر نے کہا ہے[1] ( )

(۲۲۴) وَيُعْجِبُنِي فَقْرِي إِلَيْكَ وَلَمْ يَكُنْ
لِيُعْجِبَنِي لَوْلَا مَحَبَّتُكَ الْفَقْرُ

(مجھے تمہارا محتاج رہنا اچھا لگتا ہے اگر تمہاری محبت نہ ہوتی تو یہ بھلا معلوم نہ ہوتا)

اور اس معنی میں اِفْتَقَرَ فَهُوَ مُفْتَقِرٌ وَفَقِيرٌ استعمال ہوتا ہے اور فَقُرَ کا لفظ اگرچہ قیاس کے مطابق ہے۔ لیکن لغت میں مستعمل نہیں ہوتا۔

اَلْفَقِيرُ دراصل اس شخص کو کہتے ہیں جس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹی ہوئی ہو چنانچہ محاورہ ہے:۔ فَقَرَتْهُ فَاقِرَةٌ یعنی مصیبت نے اس کی کمر توڑ دی اَفْقَرَكَ الصَّيْدُ فَارْمِهِ یعنی شکار نے تجھے اپنی کمر پر قدرت دی ہے لہذا تیر ماریئے بعض نے کہا ہے کہ یہ اَلْفُقْرُ سے ہے جس کے معنی حُفْرَة یعنی گڑھے کے ہیں اور اسی سے فقیر ہر اس گڑھے کو کہتے ہیں جس میں بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔

فَقَرْتُ لِلْفَسِيْلِ میں نے پودا لگانے کے لئے گڑھا کھودا شاعر نے کہا ہے[2] (الرجز)

(۲۲۳) مَا لَيْلَةُ الْفَقِيرِ إِلَّا شَيْطَانُ

کہ فقیر میں رات بھی شیطان کی مثل ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں الفقیر ایک کنویں کا نام ہے۔

فَقَرْتُ الْخَرَزَ میں نے منکوں میں سوراخ کیا۔ اَفْقَرْتُ الْبَعِيرَ اونٹ کی ناک چھید کر اس میں مہار ڈالنا۔

(ف ق ع)

اَصْفَرُ فَاقِعٌ کے معنی گہرے زرد رنگ کے ہیں اور یہ اصفر کی تاکید ہے جس طرح اَسْوَدُ حَالِكٌ میں حَالِكٌ کا لفظ اَسْوَدُ کی تاکید بن کر استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ (۲-۶۹)، گہرا زرد رنگ۔

فَقْعٌ ایک قسم کی کھمبی ہے جس کے ساتھ ذلیل آدمی کو تشبیہ دے کر کہا جاتا ہے۔ هُوَ اَذَلُّ مِنْ فَقْعٍ بِقَاعٍ وہ جنگل کی کھمبی سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ خلیل نے کہا ہے کہ شراب کو فُقَّاع اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس پر جھاگ ابھر آتی ہے اور تشبیہ کے طور پر پانی کے بلبلے کو بھی فَقَاقِيعُ الْمَاءِ بولتے ہیں۔

(ف ق ہ)

اَلْفِقْهُ کے معنی علم حاضر سے علم غائب تک پہنچنے کے ہیں اور یہ علم سے اخص ہے۔ قرآن میں ہے:۔ فَمَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا (۴-۷۸) ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔

وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُونَ (۱۷-۴۴) لیکن تم . . . . نہیں سمجھتے۔

عِلْمُ الْفِقْهِ احکام شریعت کے جاننے کا نام ہے فَقُهَ الرَّجُلُ فَقَاهَةً فقیہ بن جانا فَقِهَ فِقْهًا وَفَقِهَهُ کسی چیز کو سمجھ لینا۔

---

[1] لم اجدہ فی المراجع ۱۲ ۞ ۞ [2] قالہ الراجز وبعدہ، مجنونۃ تودی بروح الانسان دفی الفائق ۱۲ : ۳۴۴، یعقل الانسان والرجز فی اللسان والصحاح (فقر) اوالجنان ۸۴ ه وفی البلدان (فقر)، ۱۰ مجزوہ تودی قرح الاسنان ۞ ۞ ۞

تَفَقَّہَ علم فقہ حاصل کر کے اس میں تخصیص حاصل کرلینا۔ قرآن میں ہے:۔
لِیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ (۹-۱۲۲) تاکہ دین (کا علم سیکھتے اور اس) میں سمجھ پیدا کرتے۔

(ف ك ك)

اَلْفَكُّ اس کے اصل معنی جدا کر دینے کے ہیں جیسے فَكُّ الرَّھْنِ گروی چیز کو چھڑانا فَكُّ الرَّقَبَةِ گردن کا آزاد کرنا۔ اور آیت کریمہ:۔
فَكُّ رَقَبَةٍ (۹۰-۱۳) کسی کی گردن کا چھڑانا۔
میں بعض نے کہا ہے کہ غلام کو آزاد کرانا مراد ہے اور بعض نے کہا ہے کہ کلمات طیبہ اور اعمال صالحہ کے ذریعہ انسان کا اپنے آپ اور دوسروں کو عذاب الٰہی سے آزاد کرانا مراد ہے۔ لیکن دوسروں کو بھی آزاد کرا سکتا ہے جب پہلے اپنے آپ کو رہا کر والے ورنہ جو شخص خود ہدایت یافتہ نہیں ہے وہ دوسروں کو کب ہدایت کر سکتا ہے جیسا کہ ہم اپنی کتاب "مکارم الشریعہ" میں اس کی وضاحت کر چکے ہیں:۔
اَلتَّفَكُّكُ کے معنی کمزوری کی وجہ سے شانہ کے اپنی جگہ سے ہٹ جانے کے ہیں۔ اور دونوں چیزوں کے ملنے کی جگہ کو فَكَّانِ کہا جاتا ہے اور آیت کریمہ:۔
لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ مُنْفَكِّیْنَ (۹۸-۱) جو لوگ کافر ہیں (یعنی) اہل کتاب اور مشرک وہ کفر سے باز آنے والے نہ تھے۔
میں مُنْفَكِّیْنَ کے معنی یہ ہیں کہ (البینۃ کے آنے تک ان میں اختلاف نہیں تھا بلکہ سب گمراہی پر متفق تھے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا:۔
كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً (۲-۲۱۳) (پہلے تو سب) لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا۔
مَا انْفَكَّ یَفْعَلُ كَذَا وہ برابر ایسے کرتا رہا۔

(ف ك ر)

اَلْفِكْرَةُ اس قوت کو کہتے ہیں جو علم کو معلوم کی طرف لے جاتی ہے اور تَفَكُّرٌ کے معنی نظر عقل کے مطابق اس قوت کو جولانی دینے کے ہیں۔ اور غور و فکر کی استعداد صرف انسان کو دی گئی ہے دوسرے حیوانات اس سے محروم ہیں اور تَفَكَّرَ فِیْهِ کا لفظ صرف اسی چیز کے متعلق بولا جاتا ہے جس کا تصور دل (ذہن) میں حاصل ہو سکتا ہو اسی لئے مروی ہے[1] (۴۷)
تَفَكَّرُوْا فِیْ آلَاءِ اللّٰهِ وَلَا تَفَكَّرُوْا فِی اللّٰهِ
کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور قدرتوں پر تو غور کیا کرو لیکن خدا کی ذات میں کبھی غور نہ کرو (کہ وہ کیسی ہے) کیونکہ اس کا تصور انسانی ذہن میں نہیں آ سکتا اور وہ صورت کے ساتھ متصف ہونے سے منزہ ہے۔ قرآن میں ہے:۔
اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا فِیْ اَنْفُسِھِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ (۳۰-۸) کیا انہوں نے اپنے دل

---

[1] الحدیث فی اللسان (۱۱) و (ابوالشیخ ظس عدہب - عن ابن عمر وفیہ الفرات بن نافع متروک و تقدم فی (ال و) وفی روایۃ عن ابن عباس بتفکروا فی خلق اللہ ولا تفکروا فی اللہ فانکم لا تقدرون قدرہ رواہ فی الحلیۃ باسناد ضعیف والاصبہانی فی الترغیب والترہیب من وجہ آخر اصح منہ وفی ابن ابی شیبۃ فی کل شیئ مدل فی آلاء اللہ قال السخاوی فی المقاصد رقم ۳۴۲ واسانیدہا ضعیفۃ لکن اجتماعہا یکتسب قوۃ والمعنی صحیح وراجع ایضاً تخریج العراقی علی الاحیاء (۴: ۴۳۴)

میں غور نہیں کیا کہ خدا نے آسمانوں کو... پیدا کیا ہے۔
اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ (۷-۸۴) کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے رفیق (محمد) کو کسی طرح کا بھی جنون نہیں ہے۔
اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ (۳۰-۲۱) جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لئے ان باتوں میں بہت سی نشانیاں ہیں۔
یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ۔ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (۲-۲۱۹/۲۲۰) تاکہ تم سوچو (یعنی) دنیا اور آخرت (کی باتوں) میں۔
رَجُلٌ فِکِّیْرٌ (بہت زیادہ غور و فکر کرنے والا)
بعض ادباء کا خیال ہے کہ لفظ فِکْرٌ دراصل فَرْکٌ سے مقلوب ہے لیکن فکر کا لفظ معانی کے متعلق استعمال ہوتا ہے جس کے معنی معاملہ کی تہ تک پہنچنے کے لئے اس کے بارے میں چھان بین کرنے کے ہیں۔

(ف ک ہ)

اَلْفَاکِهَةُ۔ بعض نے کہا ہے کہ فَاکِهَة کا لفظ ہر قسم کے میوہ جات پر بولا جاتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ انگور اور انار کے علاوہ باقی میوہ جات کو فَاکِهَة کہا جاتا ہے۔ اور انہوں نے ان دونوں کو اس لئے مستثنیٰ کیا ہے کہ (قرآن میں) ان دونوں کو فاکہہ پر عطف کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فاکہہ کے غیر ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَفَاکِهَةٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوْنَ (۵۶-۲۰) اور میوے جس طرح کے ان کو پسند ہوں۔
وَفَاکِهَةٍ کَثِیْرَةٍ (۵۶-۲۰) اور میوہ ہائے کثیرہ (کے باغوں) میں۔
وَفَاکِهَةً وَّاَبًّا (۸۰-۳۱) اور میوے اور چارہ۔
فَوَاکِهُ وَهُمْ مُّکْرَمُوْنَ (۳۷-۴۲) (یعنی) میوے اور ان کا اعزاز کیا جائیگا۔
وَفَوَاکِهَ مِمَّا یَشْتَهُوْنَ (۷۷-۴۲) اور میووں میں جو ان کو مرغوب ہوں۔
اَلْفُکَاهَةُ خوش طبعی کی باتیں خوش گپی۔
اور آیت کریمہ:۔
فَظَلْتُمْ تَفَکَّهُوْنَ (۵۶-۶۵) اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ گے۔
بعض نے تَفَکَّهُوْنَ کے معنی خوش طبعی کی باتیں بنانا لکھے ہیں اور بعض نے فروٹ تناول کرنا۔
اسی طرح آیت کریمہ:۔
فَاکِهِیْنَ بِمَا اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ (۵۲-۱۸) جو کچھ ان کے پروردگار نے ان کو بخشا اس کی وجہ سے خوش حال۔۔۔۔
میں فَاکِهِیْنَ کی تفسیر میں بھی دونوں قول منقول ہیں۔

(ف ل ح)

اَلْفَلْحُ کے معنی پھاڑنا کے ہیں مثل مشہور ہے اَلْحَدِیْدُ بِالْحَدِیْدِ یُفْلَحُ لوہا لوہے کو کاٹتا ہے اس لئے فَلَّاحٌ کسان کو کہتے ہیں۔ (کیونکہ وہ زمین کو پھاڑتا ہے) اور فَلَاحٌ کے معنی کامیابی اور مطلب وری کے ہیں اور یہ دو قسم پر ہے دنیوی اور اخروی۔ فلاح دنیوی ان سعادتوں کو حاصل کرلینے کا نام ہے جن سے دنیوی زندگی خوشگوار بنتی ہو یعنی بقاء، مال اور عزت و دولت۔ چنانچہ شاعر نے اسی

معنی کے مدنظر کہا ہے[1] (مخلع البسیط)

(۲۴۴) اَفْلِحْ بِمَا شِئْتَ فَقَدْ یُدْرَكُ بِالضُّعْفِ وَقَدْ یُخْدَعُ الْاَرِیْبُ

جس طریقہ سے چاہو خوش عیشی کرو کبھی کمزور کامیاب ہو جاتا ہے اور چالاک دھوکا کھا جاتا ہے۔

اور فلاح اخروی چار چیزوں کے حاصل ہو جانے کا نام ہے بقا بلا فنا، غنا بلا فقر، عزت بلا ذلت، علم بلا جہل اسی لئے کہا گیا ہے[2] (۷۵) لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَةِ کہ آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے اور اسی فلاح کے متعلق فرمایا۔

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ (۲۹-۶۴) اور زندگی کا مقام تو آخرت کا گھر ہے۔

اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۵۸-۲۲) (اور) سن رکھو کہ خدا ہی کا لشکر مراد حاصل کرنے والا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (۸۷-۱۴) بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (۹۱-۹) جس نے اپنے نفس یعنی روح کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچ گیا۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (۲۳-۱) بے شک ایمان والے رستگار ہو گئے۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۲-۱۸۹) تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (۲۳-۱۱۷) کچھ شک نہیں کہ کافر رستگاری نہیں پائیں گے۔

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۷-۸) وہ نجات پانے والے ہیں۔

اور آیت کریمہ:۔

وَقَدْ اَفْلَحَ الْیَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى (۲۰-۶۴) اور آج جو غالب رہا وہی کامیاب ہوا۔

میں یہ بھی صحیح ہے کہ انہوں نے فلاح دنیوی مراد لی ہو بلکہ یہی معنی (بلحاظ قرآن) اقرب الی الصحت معلوم ہوتے ہیں۔

اور سحور یعنی طعام سحر کو بھی "فلاح" کہا گیا ہے کیونکہ اس وقت حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کی آواز بلند کی جاتی ہے اور اذان میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے معنی یہ ہیں کہ اس کامیابی کی طرف آؤ جو نماز کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقدر کر رکھی ہے اور حدیث[3] (۷۶) حَتّٰی خَشِیْنَا اَنْ یَّفُوْتَنَا الْفَلَاحُ (حتیٰ کہ فلاح کے فوت ہو جانے کا ہمیں اندیشہ ہوا) میں بھی فلاح سے مراد وہ کامیابی ہے جو صلاۃ عشا ادا کرنے کی وجہ سے ہمارے لئے مقدر کی گئی ہے۔

---

[1] وأوله: حتی تری جباجبا تطرح وهو فی الصحاح والتاج (فلح)، والقرطبی ۱ / ۱۵۸ وقد ذهب مثلاً انظر المیدانی رقم ۱۳ والفرائد ۱ / ۱۸ وشرح المعلقات لابن الانباری ۱۸ وفیه اوله: قد علمت خیلك این الصحیح ولم اراحد انسبه - قاله عبید بن الابرص فی قصیدة من الهجز والبسیط فی ۴۸ بیتا وکثیر منها جاء علی مخلع وکثیر منها مختلف الوزن والشاعر لا یحسن القریض قال فیه المعری: وقد یخطی الرأی المرؤ وهو حازم - کما اختل فی وزن القریض عبید - والبیت فی الجمهرة ۱۴۷ والشعر والشعراء (۱: ۲۲۶) والغریب للقتیبی ۳۹ ومجاز القرآن (۱: ۳۰) والقرطبی (۱: ۱۵۸) والطبری (۱: ۱۰۸) واللسان والمحکم (فلح) وفیها بالنوك مهمل بالضعف وابن خالویه فی اعرابه ۱۰۰ والحیوان (۳: ۸۹) فی خمسة ابیات وفی روایة فقد یبلغ بدل یدرك ۱۲ [2] رواه الشیخان عن انس و فی الباب عن سهل وقد مر ۱۲ [3] انظر للحدیث الفائق ۲ / ۲۷۴ واصحاب السنن ۱۲

(ف ل ق)

اَلْفَلْقُ (ض) کے معنی کسی چیز کو پھاڑنے اور اس کے ایک ٹکڑے کو دوسرے سے الگ کرنے کے ہیں۔ محاورہ ہے:۔
فَلَقْتُہٗ میں اسے پھاڑ دیا فَانْفَلَقَ چنانچہ وہ چیز پھٹ گئی۔ قرآن میں ہے:۔
فَالِقُ الْاِصْبَاحِ (۶-۹۶) وہی رات کے اندھیرے سے صبح کی روشنی پھاڑ نکالتا ہے۔
اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی (۶-۹۵) بیشک خدا ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑ کر ان سے درخت وغیرہ اگاتا ہے۔
فَانْفَلَقَ فَکَانَ کُلُّ فِرْقٍ کَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ (۲۶-۶۳) تو دریا پھٹ گیا اور ہر ایک ٹکڑہ یوں ہو گیا گویا بڑا پہاڑ ہے۔
اور دو ٹیلوں کے درمیان پست جگہ کو بھی فَلَقٌ کہا جاتا ہے اور آیت کریمہ:۔
قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (۱۱۳-۱) کہو کہ میں صبح کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔
میں فَلَقٌ سے مراد صبح ہے بعض نے کہا ہے کہ اس سے نہریں مراد ہیں جن کا کہ آیت:۔
اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَہَا اَنْہٰرًا (۲۷-۶۱) بھلا کس نے زمین کو قرارگاہ بنایا اور اس کے بیچ نہریں بنائیں۔
میں تذکرہ پایا جاتا ہے۔ اور بعض نے وہ کلمہ مراد لیا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تعلیم دی تھی اور انہوں نے اس کی برکت سے سمندر پھاڑ دیا تھا اور فِلْقٌ بمعنی مَفْلُوْقٌ ہے جس طرح نِقْضٌ بمعنی مَنْقُوْضٌ اور نِکْثٌ بمعنی مَنْکُوْثٌ آتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ فِلْقٌ اور فَیْلَقٌ کے معنی تعجب کے ہیں اور دو پہاڑوں کی درمیانی جگہ کو فَلِیْقٌ وَفَالِقٌ کہا جاتا ہے اور اونٹ کی دو کہان کے درمیانی حصہ کو کو بھی فَلِیْقٌ وَفَالِقٌ کہتے ہیں۔

(ف ل ک)

اَلْفُلْکُ کے معنی سفینہ یعنی کشتی کے ہیں اور یہ واحد و جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن دونوں میں اصل کے لحاظ سے اختلاف ہے فُلْکٌ اگر مفرد کے لئے ہو تو یہ بروزن قُفْلٌ ہوگا۔ اور اگر بمعنی جمع ہو تو حُمْرٌ کی طرح ہوگا۔
قرآن میں ہے:۔
حَتّٰی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْکِ (۱۰-۲۲) یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو۔
وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ (۲-۱۶۴) اور کشتیوں (اور جہازوں) میں جو دریا میں .... رواں ہیں۔
وَتَرَی الْفُلْکَ فِیْہِ مَوَاخِرَ (۱۶-۱۴) اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں دریا میں پانی کو پھاڑتی چلی جاتی ہیں۔
وَجَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْفُلْکِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْکَبُوْنَ (۴۳-۱۲) اور تمہارے لئے کشتیاں اور چار پائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔
اور فَلَکٌ کے معنی ستاروں کا مدار (مَجْرٰی) کے ہیں اور اسے فُلْکٌ یعنی کشتی نما ہونے کی وجہ سے فلک کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ (۳۶-۴۰) سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔

اور فَلْكَةُ الْمِغْزَلِ کے معنی چرخے کا دم کرہ کے ہیں اور اسی سے فَلَكَ ثَدْيُ الْمَرْءَةِ کا محاورہ ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں عورت کی چھاتی کے دم کرہ کی طرح ابھر آنے کے ہیں اور فَلَكْتُ الْجَدْيَ کے معنی بکری کے بچے کی زبان پھاڑ کر اس میں پھرکی سی ڈال دینے کے ہیں تاکہ وہ اپنی ماں کے پستانوں سے دودھ نہ چوس سکے۔

(ف ل ن)

فُلَانٌ وَفُلَانَةٌ انسانوں کے ناموں کے لئے بطور کنایہ بولا جاتا ہے اور اَلْفُلَانُ وَالْفُلَانَةُ (یعنی الف لام کے ساتھ) انسان کے علاوہ دوسرے حیوانات کے لئے بطور کنایہ استعمال ہوتا ہے قرآن میں ہے:-
يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا (۲۵-۲۸) ہائے شامت کاش! میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا۔ آیت میں تنبیہ پائی جاتی ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص باطل پرستی میں اپنے دوستوں اور آشناؤں کا ساتھ دینے پر اظہار ندامت کریگا اور کہے گا کاش! میں فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا لہٰذا یہ اس آیت کے ہم معنی ہے۔
اَلْاَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ (۴۳-۶۷) جو آپس میں دوست ہیں اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر پرہیزگار (کہ باہم دوست ہی رہینگے)

(ف ن ن)

اَلْفَنَنُ کے معنی اس شاخ کے ہیں جس پر تر و تازہ پتے ہوں اس کی جمع اَفْنَانٌ آتی ہے پس آیت کریمہ:-
ذَوَاتَا اَفْنَانٍ (۵۵-۴۸) ان دونوں میں بہت سی شاخیں (یعنی قسم قسم کے میووں کے درخت ہیں)۔ کے معنی ہری بھری شاخوں والے درختوں کے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے انواع و اقسام کے درخت مراد ہوں۔

(ف ن د)

اَلْفَنَدُ کے معنی رائے کی کمزوری کے ہیں اس سے اَلتَّفْنِيْدُ (تفعیل) ہے جس کے معنی کسی کو کمزور رائے یا فاتر العقل بتانے کے ہیں قرآن میں ہے:-
لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ (۱۲-۹۴) اگر مجھ کو یہ نہ کہو کہ بوڑھا بہک گیا ہے۔
بعض نے اس کے معنی تَلُوْمُوْنِىْ یعنی ملامت کے لکھے ہیں لیکن اس کے اصل معنی وہی ہیں جو ہم نے بیان کئے ہیں اور اَلْاِفْنَادُ (افعال) کے معنی بہکی بہکی باتیں کرنے کے ہیں۔ اور فَنَدٌ اصل میں پہاڑ کی چوٹی کو کہتے ہیں اور اسی سے بوڑھے کھوسٹ کو فَنَدٌ کہا جاتا ہے (کیونکہ وہ بھی عمر کی انتہا کو پہنچ چکا ہوتا ہے)۔

(ف ھ م)

اَلْفَهْمُ انسان کی اس ذہنی قوت کا نام ہے جس سے وہ مطالب کو بہتری اور عمدگی کے ساتھ اخذ کر لیتا ہے اور فَهِمْتُ كَذَا کے معنی کسی چیز کو اچھی طرح سمجھ لینے کے ہیں اور آیت کریمہ:-
فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ (۲۱-۷۹) ہم نے فیصلہ

۱؎ کذا ذکرہ صاحب التاج والمحیط وانظر ایضًا الکشاف ۱۲

کرنے کا طریقہ سلیمانؑ کو سمجھا دیا۔
یں تفہیم کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوت فہم میں اضافہ کر دیا جس کے ذریعہ انہوں نے نزاع کی حقیقت کو پالیا اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کی حقیقت ان کے قلب پر القا کر دی۔
اَفْهَمْتُهٗ کے معنی کسی کو کچھ سمجھا دینے کے ہیں اور استفہام کے معنی کسی چیز کے سمجھنے کی طلب کے ہیں۔

(ف و ت)

اَلْفَوْتُ (ن) ہاتھ سے نکل جانا کسی چیز کا انسان سے اتنا دور ہو جانا کہ اس کا حاصل کر لینا اس کے لئے دشوار ہو۔ چنانچہ فرمایا:۔
وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ (٦٠-١١) اور اگر تمہاری عورتوں میں سے کوئی عورت تمہارے ہاتھ سے نکل کر کافروں کے پاس چلی جائے۔
لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ (٥٧-٢٣) تاکہ جو مطلب تم سے فوت ہو گیا ہے۔ اس کا غم نہ کھایا کرو۔
وَلَوْ تَرٰى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ (٣٤-٥١) اور کاش تم دیکھو جب یہ گھبرا جائیں گے تو عذاب سے بچ نہیں سکیں گے۔
یعنی جس عذاب سے وہ گھبرائیں گے اس سے بچ نہیں سکیں گے۔ محاورہ ہے۔
هُوَ مِنِّيْ فَوْتَ الرُّمْحِ وہ میرے نیزے کی دسترس سے باہر ہے۔
جَعَلَ اللّٰهُ رِزْقَهٗ فَوْتَ فَمِهٖ (اللہ اس کا رزق اس کی دسترس سے باہر کر دے یعنی رزق سامنے نظر آئے لیکن منہ تک نہ پہنچ سکے (بددعا)
اسی سے اِفْتِيَاتٌ (افتعال) ہے اور اس کے معنی کسی ایسے شخص سے مشورہ کے بغیر کوئی کام کرنے کے ہیں جس سے مشورہ ضروری ہو۔
اَلتَّفَاوُتُ (تفاعل) کے معنی دو چیزوں کے اوصاف مختلف ہونے کے ہیں گویا ایک کا وصف دوسری کو یا ہر ایک کا وصف دوسری کو فوت کر رہا ہے قرآن میں ہے۔
مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ (٦٧-٣) کیا تو (خدا) رحمٰن کی آفرینش میں کچھ نقص دیکھتا ہے؟ یعنی اس میں کوئی بات بھی حکمت کے خلاف نہیں ہے۔

(ف و ج)

اَلْفَوْجُ کے معنی تیزی سے گزرنے والی جماعت کے ہیں اس کی جمع اَفْوَاجٌ ہے۔ قرآن میں ہے:۔
كُلَّمَا اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ (٦٧-٨) جب اس میں ان کی کوئی جماعت ڈالی جائے گی۔
فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ (٣٨-٥٩) (یہ) ایک فوج (ہے جو تمہارے ساتھ) داخل ہوگی۔
فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ...... (١١٠-٢) غول کے غول خدا کے دین میں ......

(ف و ر)

اَلْفَوْرُ کے معنی سخت جوش مارنے کے ہیں یہ لفظ آگ کے بھڑک اٹھنے پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور ہانڈی اور غصہ کے جوش کھانے پر بھی۔ قرآن میں ہے۔
وَهِيَ تَفُوْرُ (٦٧-٧) اور وہ جوش مار رہی ہو گی

وَفَارَ التَّنُّوْرُ (۱۱-۴۰) اور تنور جوش مارنے لگا۔
شاعر نے کہا ہے[1] (المتقارب)
(۳۴۵) وَلَا الْعِرْقُ فَارَا
اور نہ اس کی رگوں میں گرہ یا نفخ ظاہر ہوتا ہے۔
محاورہ ہے :۔
فَارَ فُلَانٌ مِنَ الْحُمّٰى يَفُوْرُ فلاں کو زور کا بخار ہے اور ہانڈی کے ابال کو فَوَّارَةٌ کہا جاتا ہے پھر تشبیہ کے طور پر پانی کے ابلتے ہوئے چشمہ کو بھی فَوَّارَةُ الْمَاءِ کہتے ہیں۔ ایک محاورہ ہے :۔
فَعَلْتُ كَذَا مِنْ فَوْرِيْ میں نے جوش میں ایسا کیا یعنی سکون امر سے قبل یہ کام کیا۔ قرآن میں ہے :۔
وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا (۳-۱۲۵) اور کافر تم پر جوش کے ساتھ دفعۃً حملہ کر دیں۔
اَلْفَارُ چوہیا۔ اس کی جمع فِيْرَانٌ آتی ہے پھر شکل میں مشابہت کی وجہ سے نافہ مشک کو بھی فَارَةُ الْمِسْكِ کہا جاتا ہے۔
مَكَانٌ فَئِرٌ بہت چوہوں والی زمین۔

(ف و ز)

اَلْفَوْزُ کے معنی سلامتی کے ساتھ خیر حاصل کر لینے کے ہیں۔ قرآن میں ہے :۔
ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ (۸۵-۱۱) یہی بڑی کامیابی ہے۔
فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (۳۳-۷۱) تو بے شک بڑی مراد پائیگا۔
ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ (۴۵-۳۰) یہی صریح کامیابی ہے۔
دوسری جگہ پر اَلْعَظِيْمُ ہے (۴۵-۵۷)
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (۹-۲۰) اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔
اَلْمَفَازَةُ تفاؤل کے طور پر ریگستان کو مَفَازَةٌ کہا جاتا ہے۔ نیز کامیابی کا ذریعہ ہونے کے لحاظ سے بھی بیابان کو مَفَازَةٌ کہتے ہیں[2] کیونکہ بیابان جس طرح ہلاکت کا سبب ہوتا ہے اسی طرح کبھی کامیابی کا بھی سبب بنتا ہے لہذا ان دونوں معنی کے لحاظ سے اسے کبھی قَفْرٌ اور کبھی مَفَازَةٌ کہا جاتا ہے۔
بعض نے کہا ہے کہ لفظ مَفَازَةٌ فَوَّزَ الرَّجُلُ سے مشتق ہے جس کے معنی ہلاک ہو جانے کے ہیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ لغت میں فَوَّزَ بمعنی هَلَكَ آتا ہے تو یہ بھی معنی فوز کے لحاظ سے ہے کیونکہ مرنے کے بعد انسان دنیا کے پھندے سے نجات پا لیتا ہے لہذا موت اگر ایک لحاظ سے ہلاکت ہے تو دوسرے لحاظ سے باعث نجات بھی ہے۔ اسی بنا پر مثل مشہور ہے۔ مَا اَحَدٌ اِلَّا وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لَّهٗ کہ موت ہر ایک کے لئے بہتر ہے۔ یہ دنیا کے اعتبار سے ہے۔ لیکن اگر اخروی نعمتوں سے ہم آغوش ہونیگا

---

[1] قطعة من قول العوف بن عطية بن الخرع يصف فرسًا والبيت بتمامه۔ لها رسغ أيد مكرب فلا العظم واه ولا العرق فار ومعناه اي لايظهر بعرته نفخ او عقد يقال : فارت عروقه تفور فورا وذاكره من الفرس وفي المعاني للقتيبي اي لم يكن بها دار فتودج فيفور الدم وقطع الودج كالفصد للانسان والبيت في اللسان (فور) وكتاب الخيل لابي عبيد ۱۰۹ و ۱۸۵ والمعاني الكبير للقتيبي (۱ : ۱۶۳)
[2] وقد عد العلماء لفظ "المفازة" من الاضداد لكن المؤلف حمله على المجاز والاستعارة الاضداد لابي الطيب (۲ : ۵۵-۵۶)

لحاظ کیا جائے تو موت بہت بڑی کامیابی ہے۔
چنانچہ قرآن میں ہے:۔
فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (۳-۱۸۵) تو جو شخص آتش جہنم سے دور رکھا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچ گیا۔
اور آیت کریمہ:۔
فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ (۳-۱۸۸) ان کی نسبت خیال نہ کرنا کہ وہ عذاب سے رستگار ہو جائیں گے۔
میں مَفَازَةٌ فَازَ کا مصدر ہے اور فَوْزٌ اسم ہے یعنی یہ مت سمجھو کہ یہ عذاب سے رہائی حاصل کر لیں گے اور آیت کریمہ:۔
اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا (۷۸-۳۱) بے شک پرہیزگاروں کے لئے کامیابی ہے۔
میں مَفَازًا فَوْزٌ سے اسم ظرف ہے یعنی متقین کے لئے کامیابی کا مقام ہے پھر اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا حَدَائِقَ وَاَعْنَابًا الآیۃ (۷۸-۳۲) (یعنی) باغ اور انگور وغیرہ۔
اور آیت کریمہ:۔
وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ اِلٰى قَوْلِهٖ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (۳۳-۷۱) تو بیشک بڑی مراد پائیگا۔
کے معنی یہ ہیں کہ وہ دنیوی ساز و سامان کی حرص کرتے ہیں اور غنیمت وغیرہ حاصل کر لینے کو ہی بڑی کامیابی سمجھتے ہیں۔

(ف و ض)

فَوَّضَ (الی) کے معنی کوئی معاملہ کسی کے سپرد کر دینے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَى اللّٰهِ (۴۰-۴۴) اور میں اپنا کام خدا کے سپرد کرتا ہوں۔
یعنی میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں اصل میں یہ مَالُهُمْ فَوْضٰى بَيْنَهُمْ کے محاورہ سے مشتق ہے[1] یعنی ان کا مال سب میں مشترک ہے، شاعر نے کہا ہے (الطویل)
(۳۴۶) طَعَامُهُمْ فَوْضٰى فَضًا فِي رِحَالِهِمْ
ان کے گھروں میں طعام منتشر اور بکھرا پڑا ہے۔
اور اسی سے شَرِكَةُ مُفَاوَضَةٍ ہے یعنی کمپنی جس میں سب کے حصص مساوی ہوں۔

(ف و ق)

فَوْقٌ یہ مکان، زمان، جسم، عدد اور مرتبہ کے متعلق استعمال ہوتا ہے اور کئی معنوں میں بولا جاتا ہے اوپر جیسے فرمایا:۔
وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ (۲-۶۳) اور کوہ طور کو تم پر اٹھا کھڑا کیا۔
مِنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ (۳۹-۱۶) ان کے اوپر تو آگ کے سائبان ہوں گے۔
وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا (۴۱-۱۰) اور اسی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے۔
اس کی ضد تحت ہے جس کے معنی نیچے کے ہیں چنانچہ فرمایا:۔
قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ (۶-۶۵) کہہ دو کہ وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اوپر کی طرف سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے

[1] قد مر تخریجہ فی (ف ض ی)

سے عذاب بھیجے۔

۲ صعود یعنی بلندی کی جانب کے معنی میں اس کی ضد اسفل ہے جس کے معنی پستی کی جانب کے ہیں چنانچہ فرمایا:۔
إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ (۳۳-۱۰) جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی جانب سے تم پر چڑھ آئے۔

۳ کسی عدد پر زیادتی کے معنی ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے جیسے فرمایا:۔
فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ (۴-۱۱) اگر اولاد صرف لڑکیاں ہی ہوں (یعنی دو یا) دو سے زیادہ۔

۴ جسمانیت کے لحاظ سے بڑا یا چھوٹا ہونے کے معنی دیتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔
مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا (۲-۲۶) مچھر یا اس سے بڑھ کر کسی چیز (مثلاً مکھی۔ مکڑی) کی مثال بیان فرمائے۔
میں بعض نے کہا ہے کہ فَمَا فَوْقَهَا سے مچھر سے بڑی چیز کی طرف اشارہ ہے جیسے مکڑی جس کی کہ دوسری جگہ مثال بیان کی گئی ہے اور بعض نے فوق بلحاظ صغر مراد لیا ہے یعنی مچھر سے بھی چھوٹا اور جنہوں نے اس کی تفسیر ما دونہا سے کی ہے ان کی مراد بھی یہی ہے بعض اہل لغت نے اس سے یہ سمجھ لیا ہے کہ فوق بمعنی دون بھی استعمال ہوتا ہے اور اسے اضداد میں شمار کیا ہے مگر یہ محض ان کی خام خیالی ہے۔

۵ بلحاظ فضیلت دنیوی کے استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا:۔
وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ اور ایک دوسرے پر درجے بلند کئے۔

اور کبھی فضیلت اخروی کے لحاظ سے آتا ہے جیسے فرمایا:۔
وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (۲-۲۱۲) لیکن جو پرہیزگار ہیں وہ قیامت کے دن ان پر فائق ہوں گے۔
فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا (۳-۵۵) کافروں پر فائق۔

۶ فوقیت بمعنی غلبہ اور تسلط کے جیسے فرمایا:۔
وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ (۶-۱۸) اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔
مِنْ فِرْعَوْنَ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ (۷-۱۲۷) فرعون سے اور بے شبہ ہم ان پر غالب ہیں۔

اور فَوْقٌ کے لفظ سے فَاقَ فُلَانٌ غَيْرَهُ يَفُوقُ کا محاورہ ہے جس کے معنی دوسرے پر بازی لے جانے کے ہیں لہٰذا یہ فوق بمعنی فضیلت سے مشتق ہے۔ اور فُوْقٌ سے فُوقُ السَّهْمِ کا محاورہ مشتق ہے جس کے معنی سوفار تیر کے ہیں اور سَهْمٌ أَفْوَقُ کے معنی پر شکستہ سوفار کے ہیں۔
اَلْإِفَاقَةُ (افعال) کے معنی نشہ یا غشی کے بعد ہوش میں آنے یا مرض کے بعد ہوش میں آنے یا مرض کے بعد کمزوری سے قوت کی طرف لوٹ آنے کے ہیں نیز إِفَاقَةٌ کے معنی دودھ دوہنے کے بعد دودھ کا پھر تھنوں میں لوٹ آنا بھی آتے ہیں اور جو دودھ تھنوں میں لوٹتا ہے اسے فُوَقَةٌ کہا جاتا ہے اور ایک دفعہ تھنوں سے دودھ دوہنے کے بعد پھر ان میں دودھ لوٹنے تک جو وقفہ ہوتا ہے اسے فواق کہا جاتا ہے اور آیت کریمہ:۔
مَا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ (۳۸-۱۵) جس میں شروع

ہوئے پیچھے) کچھ وقفہ نہیں ہوگا۔
جس کے معنی راحت کے ہیں اور بعض نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ دوبارہ دنیا کی طرف لوٹنا نہیں ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا ہے[1] کہ اگر فُوَاق بضم الفاء پڑھا جائے تو یہ فُوَاقُ النَّاقَةِ کے محاورہ سے مشتق ہوگا اور بعض نے کہا ہے کہ فتحہ اور ضمہ فاء دونوں کے ایک ہی معنی ہیں[2] جیسے جَمَامٌ وَجُمَامٌ اور بعض نے کہا ہے کہ اِسْتَفِقْ نَاقَتَكَ کے معنی یہ ہیں کہ اپنی اونٹنی کو چھوڑ دو تاکہ اس کے تھنوں میں دودھ اتر آئے اور فَوِّقْ فَصِيلَكَ کے معنی ہیں کہ اونٹ کے بچہ کو کچھ وقفہ کے بعد دودھ پلاؤ۔ ظَلَّ يَتَفَوَّقُ الْمَحْضَ وہ دن بھر وقفوں کے ساتھ دودھ بلوتا رہا۔ شاعر نے کہا ہے[3] (البسیط)

(۳۴۷) حَتّٰى اِذَا فِيْقَةٌ فِيْ ضَرْعِهَا اجْتَمَعَتْ

حتیٰ کہ جب اس کے تھنوں میں دودھ دوبارہ جمع ہوگیا۔

(ف و م)

اَلْفُوْمُ گیہوں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ فوم اصل میں ثوم ہی ہے (یعنی فاء ثاء سے بدل دی گئی ہے)، جیسا کہ جدث وجدف میں ہے اور اس کے معنی لہسن کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا (۲-۶۱) اور گیہوں اور مسور۔

(ف و ہ)

اَفْوَاهٌ۔ فَمٌ کی جمع ہے اور فَمٌ اصل میں فَوَهٌ ہے اور قرآن پاک میں جہاں کہیں بھی قول کی نسبت فم یعنی منہ کی طرف کی گئی ہے وہاں دروغ گوئی کی طرف اشارہ ہے اور اس پر تنبیہ ہے کہ وہ صرف زبان سے ایسا کہتے ہیں ان کے اندرون اس کے خلاف ہیں جیسے فرمایا:۔
ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ (۳۳-۴) یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں۔
كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ (۱۸-۵) بات جو ان کے منہ سے نکلتی ہے۔
يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ (۹-۸) یہ منہ سے تو تمہیں خوش کردیتے ہیں۔ لیکن ان کے دل ان باتوں کو قبول نہیں کرتے۔
فَرَدُّوْا اَيْدِيَهُمْ فِيْ اَفْوَاهِهِمْ (۱۴-۹) تو انہوں نے اپنے ہاتھ ان کے مونہوں پر رکھ دیئے (کہ خاموش رہو)۔
مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ (۵-۴۱) کچھ تو ان میں سے منہ سے کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں۔ لیکن ان کے دل مومن نہیں ہیں۔
يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ (۳-۱۶۷) منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہیں۔
اور اسی سے فَمُ النَّهْرِ کی طرح فُوْهَةُ النَّهْرِ کا محاورہ ہے جس کے معنی نہر کے دہانے کے ہیں اور اَفْوَاهُ الطِّيْبِ۔ ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جو خوشبو کے لئے ڈالی جائیں۔ اس کا واحد فُوْهٌ ہے۔

---

[1] انظر مجاز ۲/۱۷۹، [2] کما یفہم من تفسیر الفراء حیث قال: مالہا من راحۃ وافاقۃ قرء الحسن وعاصم واہل المدینۃ فواق بالفتح ہی لغۃ جیدۃ وبالضم حمزہ والاعمش والکسائی راجع الطبری [3] قالہ الاعشی بن میمون فی قصیدتہ یمدح فیہا ہوذۃ بن علی الحنفی ولم یلبس التاج معدی غیرہ والبیت ال ۳۳ من قصیدتہ وتمامہ: جارت لترضع شق النفس لو رضعا والبیت من شواہد الطبری (۲۳/۱۳۴)

(ف ی ء)

اَلْفَیْئُ وَالْفَیْئَۃُ کے معنی اچھی حالت کی طرف لوٹ آنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ فَاِنْ فَآءَتْ (۴۹-۹) یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع لائے۔ پس جب وہ رجوع لائے۔

فَاِنْ فَآءُوْا (۲-۲۲۶) اگر (اس عرصے میں قسم سے) رجوع کرلیں۔

اور اسی سے فَاءَ الظِّلُّ ہے جس کے معنی سایہ کے (زوال کے بعد) لوٹ آنے کے ہیں اور فَیْئٌ اس سایہ کو کہا جاتا ہے۔ (جو زوال کے بعد) لوٹ کر آتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

یَتَفَیَّؤُا ظِلٰلُہٗ (۱۶-۴۸) جنکے سائے ... لوٹتے ہیں۔

اور جو مال غنیمت بلا مشقت حاصل ہو جائے اسے بھی فَیْئٌ کہا جاتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ (۵۹-۷) جو مال خدا نے اپنے پیغمبر کو ..... دلوایا۔

مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلَیْکَ (۳۳-۵۰) جو خدا نے تمہیں (کفار سے بطور مال غنیمت) دلوائی ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ مال غنیمت کو فیٔ بمعنی سایہ کے ساتھ تشبیہ دے کر فے کہنے میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ دنیا کا بہترین سامان بھی بمنزلہ ظل زائل کے ہے شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۳۴۸) اَمَاوِیَّ اَلْمَالُ اَفْیَاءُ الظِّلَالِ عَشِیَّۃً

اے ماوی مال شام کے ڈھلتے ہوئے سایہ کی طرح ہے۔

دوسرے شاعر نے کہا ہے[2]:

(۳۴۹) اِنَّمَا الدُّنْیَا کَظِلٍّ زَائِلٍ

کہ دنیا زائل ہونے والے سایہ کی طرح ہے۔

اَلْفِئَۃُ اس جماعت کو کہتے ہیں جس کے افراد تعاون اور تعاضد کے لئے ایک دوسرے کیطرف لوٹ کر آئیں[3]۔ قرآن میں ہے:۔

اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا (۸-۴۵) (جب کفار کی) کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو۔

کَمْ مِّنْ فِئَۃٍ قَلِیْلَۃٍ غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیْرَۃً (۲-۲۴۹) بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے ..... بڑی جماعت پر فتح حاصل کی۔

فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا (۳-۱۳) دو گروہوں میں جو (جنگ بدر میں) آپس میں بھڑ گئے۔

فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ (۴-۸۸) کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ۔

مِنْ فِئَۃٍ یَّنْصُرُوْنَہٗ کوئی جماعت اس کی مددگار (نہ) ہوسکی (۲۸-۸۱)

فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ (۸-۴۸) جب یہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابلے میں صف آرا ہوئیں۔

(ف ی ض)

فَاضَ الْمَآءُ کے معنی کسی جگہ سے پانی اچھل کر بہ نکلنا کے ہیں (اور آنسوں کے بہنے کے لئے بھی آتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

تَرٰٓی اَعْیُنَھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ (۵-۸۳) تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔

اور اَفَاضَ اِنَآءَہٗ کے معنی برتن کو لبالب بھر دینے

---

[1] قالہ حاتم الطائی وقد مرفی (ا د ی)؛ [2] لم اجدہ [3] ذکرہ اصحاب المعاجم ایضا لفظۃ "الفئۃ" فی (ف ء ی)

کے ہیں حتیٰ کہ پانی اس سے نیچے گرنے لگے اور اَفْضْتُهُ کے معنی اوپر سے گرانے اور بہانے کے ہیں جیسے فرمایا:۔
اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَاءِ (۷-۵۰) کہ کسی قدر ہم پر پانی بہاؤ۔
اسی سے فَاضَ صَدْرُهٗ بِالسِّرِّ جس کے معنی بھید ظاہر کرنے کے ہیں اور سخی آدمی کو فَیَّاضٌ کہا جاتا ہے اور اسی سے اَفَاضُوْا فِی الْحَدِیْثِ کا محاورہ مستعار ہے جس کے معنی باتوں میں مشغول ہو جانے اور چرچا کرنے کے ہیں چنانچہ فرمایا:۔
لَمَسَّکُمْ فِیْمَا اَفَضْتُمْ فِیْهِ (۲۴-۱۴) تو جس بات کا تم چرچا کرتے تھے اس کی وجہ سے تم پر . . . . . نازل ہوتا۔
هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ (۴۶-۸) وہ اس گفتگو کو خوب جانتا ہے جو تم اس کے بارے میں کرتے ہو۔
اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ (۱۰-۶۱) جب اس میں مصروف ہوتے ہو۔
اور حَدِیْثٌ مُسْتَفِیْضٌ کے معنی منتشر یعنی عام پھیلی ہوئی بات کے ہیں اور فَیْضٌ کے معنی کثیر پانی کے ہیں۔ چنانچہ محاورہ۔
اَعْطَاهُ غَیْضًا مِنْ فَیْضٍ یعنی اسے زیادہ مال میں سے تھوڑا سا دیا۔ اور ارشاد باری تعالیٰ:۔
فَاِذَا اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ (۲-۱۹۸) اور جب عرفات سے واپس ہونے لگو۔
اور آیت کریمہ:۔
ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ (۲-۱۹۹) پھر جہاں سے اور لوگ واپس ہوں وہیں سے تم بھی واپس ہو۔
میں اِفَاضَةٌ کے معنی مجمع کثیر کے یکبارگی لوٹنے کے ہیں اور یہ فیضان الماء یعنی پانی کا زور سے بہہ نکلنا، کے ساتھ تشبیہ دے کر بولا جاتا ہے۔
اَفَاضَ بِالْقِدَاحِ تیر گھمانا۔
اَفَاضَ الْبَعِیْرُ بِجِرَّتِهٖ اونٹ کا جگالی پھینکنا
دِرْعٌ مُفَاضَةٌ کشادہ زرہ گویا پہننے والے پر اسے بہا دیا گیا ہے جس طرح کہ دِرْعٌ مُسَنَّوْنَةٌ کے معنی بھی وسیع زرہ کے ہیں جو کہ سَنَنْتُ بمعنی صَبَبْتُ سے مشتق ہے۔

(ف ی ل)

اَلْفِیْلُ ہاتھی جمع فِیَلَةٌ وَفُیُوْلٌ۔
قرآن میں ہے:۔
اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِیْلِ۔ (۱۰۵-۱) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔
رَجُلٌ فِیْلُ الرَّاْیِ وَفَالُ الرَّاْیِ کمزور رائے آدمی۔
اَلْمُفَایَلَةُ ایک قسم کا کھیل جس میں بچے کوئی چیز مٹی میں چھپا دیتے ہیں پھر اس مٹی کو مٹھیاں بھر بھر تقسیم کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ کس کے حصہ میں آتی ہے اور فَائِلٌ سرین کے گڑھے یا گوشت کے نیچے ایک رگ کا نام ہے۔

کتاب القاف

(ق ب ح)

اَلْقَبِیْحُ اس چیز کو کہتے ہیں جس کے دیکھنے سے آنکھ کو نفرت ہو اور اعمال واحوال میں سے اس عمل اور حالت کو کہتے ہیں جس سے طبیعت کو کراہت ہو کہا جاتا ہے:۔
قَبُحَ قَبَاحَةً (ک) فَھُوَ قَبِیْحٌ اور آیت کریمہ:۔
مِنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ (۲۸-۴۲) میں مقبوحین سے بد حال لوگ مراد ہیں اور اس سے کفار کی صفات ذمیمہ کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں وہ پلید اور گندے رہتے ہیں اور آخرت میں سیاہ رو گربہ چشم ہوں گے اور اغلال وسلاسل میں جکڑ کر انہیں گھسیٹا جائے گا۔ الغرض اس قسم کی مذموم صفات مراد ہیں جن کے ساتھ قیامت کے دن متصف ہوں گے۔
قَبَحَهُ اللّٰهُ عَنِ الْخَیْرِ اللہ اسے خیر سے دور کرے۔ اَلْقَبِیْحُ بازو کی ہڈی جس کا نصف کہنی کے ساتھ متصل ہوتا ہے۔

(ق ب ر)

اَلْقَبْرُ کے معنی میت کو دفن کرنے کی جگہ کے ہیں اگر یہ قَبَرْتُهُ (ضرب ونصر) کا مصدر ہو تو اس کے معنی میت کو قبر میں دفن کرنے کے ہوتے ہیں۔ اور اَقْبَرْتُهُ کے معنی کسی کیلئے قبر مہیا کرنے کے ہیں تاکہ اسے دفن کیا جائے جیسے اَسْقَیْتُهُ کے معنی پینے کے لئے پانی مہیا کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
ثُمَّ اَمَاتَهُ فَاَقْبَرَهُ (۸۰-۲۱) پھر اس کو موت دی۔ پھر قبر میں دفن کرایا۔
بعض نے اَقْبَرَهُ کے معنی یہ کئے ہیں کہ اسے الہام کردیا کہ کس طرح میت کو دفن کیا جائے۔ اَلْمَقْبُرَةُ وَالْمَقْبَرَةُ (قبرستان) جمع مَقَابِرُ قرآن میں ہے:۔
حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (۱۰۲-۲) یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔
یہ موت سے کنایہ ہے اور آیت کریمہ:۔
اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ (۱۰۰-۹) کہ جو مردے قبروں میں ہیں وہ باہر نکال لئے جائیں گے۔ میں حیات بعد الممات یعنی موت کے بعد زندہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ دلوں کے اسرار ظاہر کردینے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب تک انسان دنیا میں رہتا ہے اس کے بھید مستور رہتے ہیں گویا قبر میں مدفون ہیں۔ تو یہاں قبور سے مجازاً اول مراد

ہیں۔ بعض نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ جب موت کی وجہ سے جہالت کا پردہ اٹھ جائے گا گویا کافر اور جاہل جب تک دنیا میں رہتے ہیں جہالت کی قبروں میں مدفون رہتے ہیں چونکہ مرنے کے بعد وہ جہالت دور ہو جاتی ہے۔ تو گویا وہ قبر جہالت سے دوبارہ زندہ کرکے نکالے گئے ہیں۔ جیسا کہ مروی ہے اَلْاِنْسَانُ نَائِمٌ فَاِذَا مَاتَ انْتَبَهَ کہ انسان دنیا میں سویا رہتا ہے جب موت آکر دستک دیتی ہے تو اس کی آنکھیں کھلتی ہیں اور اسی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ۔

مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (۳۵-۲۲)

اور تم ان کو جو قبروں میں مدفون ہیں نہیں سنا سکتے۔ یعنی یہ لوگ جہالت کے گڑھے میں گرنے کی وجہ سے مردوں کے حکم میں ہیں۔

(ق ب س)

اَلْقَبَسُ آگ کا شعلہ یا اس کی چنگاری جو شعلہ سے لی جائے قرآن میں ہے۔

اَوْ اٰتِیْکُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ (۲۷-۷) یا سلگتا ہوا انگارہ تمہارے پاس لاتا ہوں۔

اور اَلْقَبْسُ (مصدر) وَالْاِقْتِبَاسُ کے معنی بڑی آگ سے کچھ آگ لینے کے ہیں۔ مجازاً علم و ہدایت کی طلب پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے: ۔

اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ (۵۷-۱۳)

ہماری طرف نظر شفقت کیجئے کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کرلیں۔

اَقْبَسْتُهٗ نَارًا اَوْ عِلْمًا میں نے اسے آگ دی یا علم سکھایا۔

اَلْقَبِیْسُ وہ سانڈھ جو تیزی کے ساتھ مادہ کو حاملہ کردے گویا سرعت میں وہ شعلہ کی طرح ہے۔

(ق ب ص)

اَلْقَبْصُ (ض) کے معنی چٹکی سے کوئی چیز لینے کے ہیں اور جو چیز چٹکی سے لی گئی ہو اسے قَبْصٌ وَقَبِیْصَةٌ کہا جاتا ہے اس لئے قبیص حقیر چیز کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور آیت: ۔ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً (۲۰-۹۶) تو میں نے ایک مٹھی بھر لی۔ میں ایک قراءت فَقَبَصْتُ قَبْصَةً (صاد مہملہ) کے ساتھ بھی ہے۔

قَبُوْصٌ سبک رفتار اور چست گھوڑا جو دوڑتے وقت صرف سم ہی زمین پر لگائے۔ اور تیز رفتار گھوڑے پر اس کا اطلاق مجازی ہے جیسا کہ مجازاً سرعت رفتاری کے لئے قَبْصٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

(ق ب ض)

اَلْقَبْضُ کے معنی کسی چیز کو پورے پنجے کے ساتھ پکڑنے کے ہیں جیسے قَبَضَ السَّیْفَ وغیرہ تلوار کو پکڑنا۔ قرآن میں ہے: ۔

فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ (۲۰-۹۶)

تو میں نے فرشتے کے نقش پا سے مٹی کی ایک مٹھی بھر لی۔

قَبَضَ الْیَدَ عَلَی الشَّیْءِ کے معنی مٹھی میں لے لینے کے ہیں اور قَبْضُهَا عَنِ الشَّیْءِ کے معنی کسی چیز کو پکڑنے سے ہاتھ سکیڑ لینے کے ہیں۔ اسی مفہوم کے لحاظ سے مال خرچ کرنے سے ہاتھ روک لینے کو بھی قبض کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے: ۔

وَیَقْبِضُوْنَ اَیْدِیَهُمْ (۹-۶۷) اور خرچ کرنے

سے) ہاتھ بند کئے رہتے ہیں۔
یعنی خرچ نہیں کرتے۔ اور استعارہ کے طور پر کسی چیز کے حاصل کر لینے کو بھی قبض کہا جاتا ہے اگرچہ اسے ہاتھ سے نہ پکڑا جائے جیسے محاورہ ہے:۔
قَبَضْتُ الدَّارَ مِنْ فُلَانٍ یعنی اسے اپنے تصرف میں لے لیا۔ قرآن میں ہے:۔
وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (۳۹-۶۷)
اور قیامت کے دن تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے تصرف میں ہوگی اور کسی کا ملک نہیں ہوگا۔ اور آیت کریمہ:۔
ثُمَّ قَبَضْنَاهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيْرًا (۲۵-۴۶)
پھر ہم اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔
میں سورج کے سایہ کو نقل کرنے کی طرف اشارہ ہے اور استعارہ کے طور پر قبض کے معنی تیز دوڑنے کے بھی آتے ہیں اس لحاظ سے کہ گویا دوڑنے والا زمین سے کسی چیز کو پکڑتا ہے اور آیت کریمہ:۔
يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ (۲-۲۴۵) (اور خدا ہی روزی کو) تنگ کرتا اور اسے وہی کشادہ کرتا ہے۔
کے معنی یہ ہیں کہ وہ[1] کبھی چھین لیتا ہے اور کبھی عطا کر دیتا ہے۔ یا ایک[2] قوم سے چھین لیتا ہے اور دوسری کو عطا کر دیتا ہے۔ یا یہ[3] کہ وہ کبھی جمع کرتا ہے اور کبھی بکھیر دیتا ہے اور[4] یا اس کے معنی زندہ کرنے اور مارنے کے ہیں۔ کیونکہ کبھی قبض موت سے کنایہ ہوتا ہے چنانچہ محاورہ ہے:۔
قَبَضَهُ اللّٰهُ اللہ نے اس کی روح قبض کر لی
اسی معنی میں آنحضرت[5] نے فرمایا (۷۷) مَا مِنْ آدَمِيٍّ اِلَّا وَقَلْبُهٗ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ کہ ہر آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان میں ہے یعنی انسان کے سب سے اشرف جزء پر اللہ تعالیٰ کو تصرف حاصل ہے تو دوسرے اعضاء پر بالاولیٰ تصرف حاصل ہوگا۔
رَاعِيْ قُبْضَةٍ منتظم چرواہا۔
اَلْاِنْقِبَاضُ کے معنی اطراف یعنی ہاتھ پاؤں سمیٹ لینے کے ہیں اور ترک تبسط یعنی بے تکلفی چھوڑ دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

(ق ب ل)

قَبْلُ یہ تقدم متصل اور منفصل دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس کی ضد بَعْدُ ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ دونوں تقدم متصل کے لئے آتے ہیں اور ان کا ضد دُبُرٌ و دُبُرٌ ہے یہ اس کے اصل معنی ہیں اگرچہ مجازاً ہر قسم کے تقدم پر بولا جاتا ہے پس قَبْلُ چار طرح استعمال ہوتا ہے۔
(۱) تقدم مکانی یعنی کسی مقام کا دوران سفر میں پہلے آنا اور دوسرے کا اس کے بعد آنا جیسے اصفہان سے مکہ کی طرف جاتے وقت بغداد کوفہ سے پہلے آتا ہے لیکن مکہ سے اصفہان کو جاتے وقت کوفہ بغداد سے پہلے آتا ہے۔
(۲) تقدم زمانی جیسے عَبْدُ الْمَلِكِ قَبْلَ الْمَنْصُوْرِ کہ عبدالملک کا زمانہ منصور سے پہلے کا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَاءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (۲-۹۱) تو خدا کے پیغمبروں کو پہلے ہی کیوں

---

[1] قال فی الکشاف ۱ر ۴۵ ۲۴۴: نہی قراۃ الحسن راجع ایضاً امالی ابی الطیب ۲ر ۳ ۲۴ وعلماء اللغۃ فرتعابینھما راجع غریب ابی عبید ار ۳۷)
وکمانی قولہ تعالیٰ: فرلان مقبوضۃ (۲ر۲۸۳) [2] ومعناہ فی جم ہ ک ۔ عن النواس د الفتح الکبیر للنبہانی ۲۲۵ ۶ ج ۳

قتل کیا کرتے۔

(۳) تقدم بلحاظ مرتبہ جیسے عَبْدُ الْمَلِكِ قَبْلَ الْحَجَّاجِ کہ عبد الملک حجاج سے پہلے ہے یعنی مرتبہ میں بڑا ہے۔

(۴) تقدم صناعی یعنی ترتیب تعلیمی اور فنی میں ایک چیز کا دوسری سے پہلے ہونا جیسے کہا جاتا ہے۔ تَعَلُّمُ الْهِجَاءِ قَبْلَ تَعَلُّمِ الْخَطِّ کہ حروف ہجا کی تعلیم کتابت سیکھنے سے پہلے دی جاتی ہے قرآن میں ہے:۔

مَا اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ (۲۱-۶) ان سے پہلے جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا وہ ایمان نہیں لاتی تھیں۔

قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا (۲۰-۱۳۰) سورج کے نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے۔

قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ (۲۷-۳۹) قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں۔

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ (۵۷-۱۶) (ان سے) پہلے کتابیں دی گئی تھیں۔

ان تمام آیات میں تقدم زمانی مراد ہے اور کنایہ کے طور پر قُبُلٌ وَ دُبُرٌ کا لفظ شرمگاہ پر بولا جاتا ہے اور استقبال کی طرح اِقْبَالٌ کے معنی بھی کسی کے روبرو اور اس کی طرف متوجہ ہونے کے ہیں قرآن میں ہے:۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ (۶۸-۳۰) پھر لگے ایک دوسرے کو روبرو ملامت کرنے۔

وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ (۱۲-۷۱) اور وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر۔۔۔۔۔۔

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ (۵۱-۲۹) ابراہیم کی بیوی چلاتی آئی۔

اور جو شخص ڈول کی طرف منہ کر کے اسے کنویں سے پکڑتا ہے۔ اسے قَابِلٌ اور دائی کو قَابِلَةٌ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ولادت کے وقت بچے کو پکڑتی ہے۔ قَبِلْتُ عُذْرَهٗ وَ تَوْبَتَهٗ وَ غَيْرَهٗ وَ تَقَبَّلْتُهٗ میں نے اس کا عذر اور توبہ وغیرہ قبول کر لی۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ (۲-۱۲۳) اور نہ اس سے بدلہ قبول کیا جائے۔

وَقَابِلِ التَّوْبِ (۴۰-۳) اور توبہ قبول کرنے والا۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ (۴۲-۲۵) اور وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا۔۔۔۔۔ ہے۔

اور تَقَبُّلٌ کے معنی کسی چیز کو اس طرح قبول کرنے کے ہیں کہ وہ عوض کی مقتضی ہو جیسے ہدیہ وغیرہ قرآن میں ہے:۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا (۴۶-۱۶) یہی لوگ ہیں جن کے اعمال نیک ہم قبول کریں گے۔

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (۵-۲۷) کہ خدا پرہیزگاروں ہی کی نیاز قبول فرمایا کرتا۔۔۔۔ ہے۔ میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ ہر عبادت قبول نہیں ہوتی بلکہ وہی قبول کی جاتی ہے جو مخصوص طریق سے ادا کی جائے۔ فرمایا:۔

فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ (۳-۳۵) تو اسے میری طرف سے قبول فرما۔ كَفَالَةٌ کو قُبَالَةٌ کہا جاتا ہے کیونکہ كَفَالَةٌ کے معنی مؤکل طور پر کسی چیز کو قبول کر لینے کے ہیں تو آیت فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ میں کفالت کے معنی معتبر ہیں اور لکھے ہوئے عہد کو قُبَالَةٌ کہا جاتا ہے اور آیت کریمہ:۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ (۳-۳۷) پروردگار

نے اسے پسندیدگی کے ساتھ قبول فرمایا۔
بعض نے کہا ہے کہ یہ معنی تَقَبَّلَهَا کے ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ معنی تَكَفَّلَهَا کے ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس نے درحقیقت مجھے بہت بڑی کفالت کا ذمہ دار بنادیا ہے اور پھر آیت کریمہ میں بِتَقَبُّلٍ کی بجائے بِقَبُولٍ حَسَنٍ فرمایا ہے تاکہ اس میں دونوں امر جمع ہوجائیں یعنی تقبل جو قبولیت کا اعلیٰ درجہ ہے اور قبول کرنا جو کہ رضا اور ثواب کا مقتضی ہوتا ہے۔
بعض نے کہا ہے کہ قَبُولٌ کا لفظ فُلَانٌ عَلَيْهِ قَبُولٌ کے محاورہ سے ماخوذ ہے یعنی جو اسے دیکھتا ہے اس سے محبت کرتا ہے اور آیت کریمہ:۔
كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا (۶-۱۱۲) سب چیزوں کو۔۔۔۔۔۔۔ سامنے۔
میں بعض نے کہا ہے کہ قُبُلٌ قَابِلٌ کی جمع ہے جس کے معنی سامنے کے ہیں۔ مجاہدؒ نے اس کے معنی جماعت در جماعت کئے ہیں اس صورت میں یہ قَبِيلٌ کی جمع ہوگی۔ اسی طرح آیت کریمہ:۔
أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا (۱۸-۵۵) یا ان پر عذاب سامنے آموجود ہو۔
میں بھی قُبُلًا کے معنی میں اختلاف ہے بعض نے قِبَلًا پڑھا ہے جس کے معنی عِيَانًا یعنی سامنے کے ہیں۔
اَلْقَبِيلُ یہ قبیلہ کی جمع ہے یعنی وہ جماعت جو ایک دوسرے پر متوجہ ہو۔ قرآن میں ہے:۔
وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ (۴۹-۱۳) تمہاری قومیں اور قبیلے بنائیے۔
وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا (۱۷-۹۲) اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ۔

بعض نے کہا ہے کہ یہاں قبیل بمعنی کفیل یعنی ضامن کے ہے اور یہ قَبِلْتُ فُلَانًا وَتَقَبَّلْتُ بِهِ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ضامن بننے کے ہیں۔ اور بعض نے اس کے معنی مقابلہ یعنی معاینہ کئے ہیں۔ مثل مشہور ہے:۔
فُلَانٌ لَا يَعْرِفُ قَبِيلًا مِنْ دَبِيرٍ وہ عورت کے اگلے اور پچھلے سوت میں تمیز نہیں کرسکتا یعنی بیوقوف ہے۔ اَلْمُقَابَلَةُ وَالتَّقَابُلُ کے معنی ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہونے کے ہیں خواہ وہ توجہ بذریعہ ذات کے ہو یا بذریعہ عنایت اور مروت کے ہو۔ قرآن میں ہے:۔
مُتَّكِئِينَ عَلَيْهَا مُتَقَابِلِينَ (۵۶-۱۶) آمنے سامنے تکیہ لگائے ہوئے۔
إِخْوَانًا عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ (۱۵-۴۷) بھائی بھائی تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔
لِي قِبَلَ فُلَانٍ كَذَا کے معنی ہیں میرے فلاں کی جانب اتنے ہیں اور یہ عِنْدَهُ کے ہم معنی ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ (۶۹-۹) اور فرعون اور جو لوگ اس سے پہلے تھے سب۔۔۔۔ کرتے تھے۔
فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلَكَ مُهْطِعِينَ (۷۰-۳۶) تو ان کافروں کو کیا ہوا ہے کہ تمہاری طرف دوڑے چلے آتے ہیں۔
اور استعارہ کے طور پر قوت اور قدرت علی المقابلہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ محاورہ ہے۔ لَا قِبَلَ لِي بِكَذَا میں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ قرآن میں ہے:۔
فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا (۲۷-۳۷)

ہم ان پر ایسے لشکر سے حملہ کریں گے جس کے مقابلہ کی ان کو طاقت نہ ہوگی۔
یعنی ان کے سامنے ہونے اور مدافعت کرنے کی ان میں سکت نہیں ہوگی۔
اَلْقِبْلَۃُ اصل میں بالمقابل، آدمی کی حالت کو کہا جاتا ہے جیسے جِلْسَۃٌ وَ قِعْدَۃٌ اور عرف میں اس جہت کو قبلہ کہا جاتا ہے جس کی طرف متوجہ ہوکر نماز پڑھی جاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔
فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا (۲-۱۴۴) سو ہم تم کو ایسے قبلہ کی طرف جس کو تم پسند کرتے ہو متوجہ ہونے کا حکم دیں گے۔
اور قَبُوْلٌ کے معنی پُروا کی ہوا کے ہیں اور اسے قَبُوْلٌ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ قبلہ کی جانب متوجہ ہوتی ہے اور سر کی ہڈیوں کے ملنے کی جگہ کو قَبِيْلَۃٌ کہا جاتا ہے اور مُقَابَلَۃٌ اس بکری کو کہا جاتا ہے جس کا کان سامنے کی جانب سے کٹا ہوا ہو۔ اور قِبَالُ النَّعْلِ کے معنی جوتے کا تسمہ کے ہیں۔
قَابَلْتُ النَّعْلَ جوتے کو تسمہ لگانا۔
اَلْقَبَلُ پاؤں کے پنجہ کا اندر کی جانب مڑا ہوا ہونا
اَلْقَبَلَۃُ ایک قسم کا منکا جس کے متعلق ساحروں کا خیال ہے کہ وہ باہم محبت کا کام دیتا ہے اسی سے قُبْلَۃٌ ہے جس کے معنی بوسہ کے ہیں اس کی جمع قُبَلٌ آتی ہے اور قَبَّلْتُہٗ تَقْبِيْلًا کے معنی بوسہ دینے کے ہیں[1]۔

(ق ت ر)

اَلْقَتْرُ (ن) کے معنی بہت ہی کم خرچ کرنے اور بخل کرنے کے ہیں۔ یہ اِسْرَافٌ کی ضد ہے اور یہ دونوں صفات مذمومہ سے ہیں قرآن میں ہے۔
وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا..... (۲۵-۶۷)
بلکہ اعتدال کے ساتھ نہ ضرورت سے زیادہ نہ کم۔
اسی سے صفت مشبہ کا صیغہ قَتُوْرٌ و مُقْتِرٌ آتا ہے اور آیت کریمہ :-
وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا (۱۷-۱۰۰) اور انسان دل کا بہت تنگ ہے۔
میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ انسان فطرۃً کنجوس واقع ہوا ہے جیسے فرمایا :-
وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ (۴-۱۲۸) اور طبیعتیں تو بخل کی طرف مائل ہوتی ہیں۔
قَتَرْتُ الشَّيْءَ وَاَقْتَرْتُہٗ وَقَتَّرْتُہٗ کے معنی کسی چیز کو کم کرنے کے ہیں اور مُقْتِرٌ بمعنی فقیر ہے قرآن میں ہے :-
وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ (۲-۲۳۶) اور تنگدست اپنی حیثیت کے مطابق۔
اصل میں یہ قُتَارٌ و قَتَرٌ سے ہے جس کے معنی اس دھوآں کے ہیں جو کسی چیز کے بھونے یا لکڑی کے جلنے سے اٹھتا ہے گویا مُقْتِرٌ اور مُقَتِّرٌ بھی ہر چیز سے دھوئیں کی طرح لیتا ہے اور آیت کریمہ :-
تَرْهَقُهُمْ قَتَرَةٌ (۸۰-۴۱) اور سیاہی چڑھ رہی ہوگی۔
میں قَتَرَۃٌ غَبَرَۃٌ کی طرح ہے مراد دھوئیں کی طرح سیاہی اور افسردگی ہے جو جھوٹ کی وجہ سے چہرہ پر چھا جاتی ہے۔
اَلْقُتْرَۃُ شکاری کی کمین گاہ جو انسان کی بو کو بھی

---

[1] انظر فی القبلۃ لطائف وظرائف (محاضرات الادباء ۳/۱۲۰-۱۲۲)

شکار تک نہیں پہنچنے دیتی۔ کیونکہ شکاری کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس کی بو بھی شکار تک نہ پہنچے تاکہ شکار بھاگ نہ جائے۔

رَجُلٌ قَاتِرٌ کمزور آدمی۔ گویا وہ ضعف میں دھوئیں کی طرح ہے جیسا کہ کمزور آدمی کو ھُوَ ھَبَاءٌ[1] کہا جاتا ہے۔

اِبْنُ قَتْرَۃَ ایک باریک اور چھوٹا سا سانپ۔

اَلْقَتِیْرُ زرہ کی میخوں کے سرے۔

(ق ت ل)

اَلْقَتْلُ (ن) الموت کی طرح اس کے معنی بھی جسم سے روح کو زائل کرنے کے ہیں لیکن موت اور قتل میں فرق یہ ہے کہ اگر اس فعل کو سرانجام دینے والے کا اعتبار کیا جائے تو اسے قتل کہا جاتا ہے اور اگر صرف روح کے فوت ہونے کا اعتبار کیا جائے تو اسے موت کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ (۳-۱۴۴) بھلا اگر یہ مر جائیں یا مارے جائیں۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ (۸-۱۷) تم لوگوں نے ان (کفار) کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے انہیں قتل کیا۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ (۸۰-۱۷) انسان ہلاک ہو جائے۔

اور آیت کریمہ:۔

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ (۵۱-۱۰) انکل دوڑانے والے ہلاک ہوں۔

میں بعض نے کہا ہے کہ یہ بددعا کے لئے ہے اور قتل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے معنی (لعن) و قتل کے معنے ہیں اور آیت کریمہ:۔

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (۲-۵۴) اور اپنے تئیں ہلاک کر ڈالو۔

کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل کر دو اور بعض نے خواہشات نفسانی کا قلع قمع کر دینا مراد لیا ہے اسی سے بطور استعارہ کہا جاتا ہے۔

قَتَلْتُ الْخَمْرَ بِالْمَاءِ میں نے شراب میں پانی ملا دیا (جس سے اس کا جوش ٹھنڈا ہو گیا)

قَتَلْتُ فُلَانًا وَقَتَّلْتُهٗ میں نے اسے ذلیل کر دیا۔ شاعر نے کہا ہے[2] (البسیط)

(۳۵۰) كَاَنَّ عَيْنَيَّ فِیْ غَرْبَیْ مُقَتَّلَةٍ

گویا میری دونوں آنکھیں بھرے ہوئے ڈول میں رکھی ہوئی ہیں۔

قَتَلْتُ كَذَا عِلْمًا میں نے اچھی طرح جان لیا۔ اور آیت کریمہ:۔

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا (۴-۱۵۷) اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا۔

کے معنی یہ ہے کہ انہیں مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے کا یقین نہیں تھے۔

اَلْمُقَاتَلَةُ کے معنی جنگ کرنے اور کسی کے درپے قتل ہونے کے ہیں قرآن میں ہے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (۲-۱۹۳) اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہنا کہ فساد نابود ہو جائے۔

وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا (۵۹-۱۲) اور اگر ان سے جنگ ہوئی۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ (۹-۱۲۳) (اپنے نزدیک کے رہنے والے) کافروں سے جنگ کرو۔

[1] دمامۃ: من النعام تلقی جنۃ سحقًا۔ قالہ زہیر وقدمر تحریجہ (ج ق) والبیت ایضًا فی المحکم (سحق)، [2] راجع (ق ت ن) ۱۲

وَمَنْ یُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیُقْتَلْ (۴-۷۴)
اور جو شخص خدا کی راہ میں جنگ کرے پھر شہید ہو جائے۔

بعض نے کہا ہے کہ قِتْلٌ کے معنی دشمن اور ہمسر کے ہیں مگر اس کے اصل معنی مُقَاتِلٌ یعنی لڑنے والا کے ہیں اور آیت کریمہ:۔

قَاتَلَھُمُ اللّٰہُ (۹-۳۰) خدا ان کو ہلاک کرے۔

بعض کے نزدیک جملہ دعائیہ ہے کہ اللہ ان پر لعنت کرے اور بعض نے اس کے معنی قتل کر دینا کے لکھے ہیں۔ لیکن اصل میں یہ باب مفاعلہ سے ہے اور معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے لڑائی کے در پے ہو رہے ہیں اور جو اللہ سے جنگ کرے گا وہ مغلوب ہوگا جیسے فرمایا:۔

وَاِنَّ جُنْدَنَا لَھُمُ الْغَالِبُوْنَ (۳۷-۱۷۳) اور ہمارا لشکر غالب رہے گا۔

اور آیت کریمہ:۔

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ (۶-۱۵۱) اور ناداری (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔

کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ اس میں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے نہیں بلکہ عزل کے ذریعہ نطفے کو ضائع کرنے اور اسے بے محل ڈالنے سے منع فرمایا ہے اور بعض کا قول ہے کہ اس میں اولاد کو ایسے کاموں میں مشغول رکھنے سے منع کیا ہے جو ان کو حصول علم اور ایسے کاموں میں کوشش کرنے سے روک رکھیں جو ابدی زندگی کے حصول کا ذریعہ بنتے ہیں کیونکہ جاہل اور غافل لوگ آخرت سے مردوں کی طرح بے خبر رہتے ہیں اسی بنا پر آیت:۔

اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ (۱۶-۲۱) (وہ لاشیں ہیں بے جان۔

میں انہیں مردے کہا ہے اور یہی معنی آیت:۔

وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ (۴-۳۰) اور اپنے آپ ہلاک نہ کرو۔ کے ہیں کیونکہ اس کے بعد:۔

وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا (اور جو تعدی و ظلم سے ایسا کرے گا) فرمایا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَہٗ مِنْکُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ (۵-۹۵) جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارنا اور جو تم میں سے جان بوجھ کر اسے مارے تو (یا تو اس کا) بدلہ (دے) اور وہ یہ ہے کہ اسی طرح کا چارپایہ۔

میں ذبح کی بجائے لفظ قتل اس لئے ذکر کیا ہے کہ یہ سب الفاظ سے اعم ہے اور اس میں متنبہ کیا ہے کہ احرام کی حالت میں شکار کی جان لینا بہمہ وجوہ ممنوع ہے۔

اَقْتَلْتُ فُلَانًا میں نے اسے قتل کے لئے پیش کیا اِقْتَتَلَہُ الْجِنُّ وَالْعِشْقُ اسے عشق یا جن نے قتل کر ڈالا۔ اور یہ لفظ ان دونوں کے علاوہ کسی اور کے ساتھ استعمال نہیں ہوتا اور اِقْتِتَالٌ بمعنی مُقَاتَلَۃٌ بھی آتا ہے جیسے فرمایا:۔

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا (۴۹-۹) مومنوں میں سے ۔۔۔۔ آپس میں لڑ پڑیں۔

(ق ح م)

اَلْاِقْتِحَامُ کے معنی کسی خوفناک جگہ میں گھس جانے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَۃَ (۹۰-۱۱) مگر وہ گھاٹی پر سے ہو کر نہ گزرا۔

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ (۳۸-۵۹) یہ ایک فوج ہے جو ..... داخل ہو گی۔

تَقَحَّمَ الْفَرَسُ فَارِسَهٗ گھوڑا اپنے سوار کو لے کر خطرناک جگہ میں جا گھسا۔

تَقَحَّمَ فُلَانٌ نَفْسَهٗ فِیْ کَذَا اس نے اپنے تئیں بے سوچے سمجھے خطرہ میں ڈال دیا۔

مَقَاحِیْمُ (واحد مِقْحَامٌ) بے خطر کسی خوفناک امر میں گھس جانے والے بشاعر نے کہا ہے[1] (

(۳۵۱) مَقَاحِیْمُ فِی الْاَمْرِ الَّذِیْ یُتَجَنَّبُ

وہ قابل اجتناب یعنی خوفناک امور میں بے دھڑک گھسنے والے ہیں ..... ایک روایت میں یَتَهَیَّبُ ہے۔

(ق د د)

اَلْقَدُّ کے معنی کسی چیز کو طول میں قطع کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

اِنْ کَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ (۱۲-۲۶) اگر اس کا کرتہ آگے سے پھٹا ہو۔

وَاِنْ کَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ (۱۲-۲۷) اور اگر کرتہ پیچھے سے پھٹا ہو۔

اَلْقِدُّ بمعنی مَقْدُوْدٌ ہے اور اسی سے انسان کے قد و قامت کو قَدٌّ کہا جاتا ہے جیسا کہ۔

تَقْطِیْعُ الْاِنْسَانِ (انسان کا قد و قامت) کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔

قَدَدْتُ اللَّحْمَ کے معنی گوشت کے پارچے بنانے کے ہیں اور کٹے ہوئے گوشت کو قَدِیْدٌ کہا جاتا ہے۔

اَلْقِدَدُ اس کا واحد قِدَّةٌ ہے اور اس کے معنی مختلف طرق اور مذاہب کے ہیں جیسے فرمایا

کُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا (۷۲-۱۱) ہمارے کئی طرح کے مذاہب ہیں۔

اور قِدَّةٌ کے معنی لوگوں کی ٹولی اور گروہ کے بھی آتے ہیں جیسے قِطْعَةٌ اِقْتَدَّ الْاَمْرَ کسی کام کی تدبیر کرنا جیسا کہ:۔

فَصَلَ وَحَزَمَ الْاَمْرَ کا محاورہ ہے۔

(ق د)

یہ حرف تحقیق ہے اور فعل کے ساتھ مخصوص ہے علماء نحو کے نزدیک یہ حرف توقع ہے اور اصل میں جب یہ فعل ماضی پر آئے تو تجدد اور حدوث کے معنی دیتا ہے جیسے فرمایا:۔

قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا (۱۲-۹۰) خدا نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔

قَدْ کَانَ لَکُمْ اٰیَةٌ فِیْ فِئَتَیْنِ (۳-۱۳) تمہارے لئے دو گروہوں میں ..... (قدرت خدا کی عظیم الشان) نشانی تھی۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ ..... (۵۸-۱) خدا نے ..... سن لی۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (۴۸-۱۸) (اے پیغمبر) ..... تو خدا ان سے خوش ہوا۔

لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَی النَّبِیِّ (۹-۱۱۷) بیشک خدا نے پیغمبر پر مہربانی کی۔

اور چونکہ یہ فعل ماضی پر تجدد کے لئے آتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے اوصاف ذاتیہ کے ساتھ استعمال نہیں ہوتا۔ لہٰذا "قَدْ کَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا" کہنا صحیح نہیں ہے اور آیت:۔

قَدْ عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَرْضٰی (۷۳-۲۰) اس نے جانا کہ تم میں بعض بیمار بھی

---

[1] لم اجد قائلہ والبیت فی المحاضرات۔

ہوتے ہیں۔
میں قَدْ لفظ اگرچہ عَلِمَ پر داخل ہوا ہے لیکن معنوی طور پر اس کا تعلق مرض کے ساتھ ہے جیسا کہ "مَا عَلِمَ اللّٰهُ زَيْدًا يَخْرُجُ" میں نفی کا تعلق خروج کے ساتھ ہے۔ اور اس کی تقدیر یوں ہے قَدْ يَمْرَضُونَ فِيمَا عَلِمَ اللّٰهُ "وَمَا يَخْرُجُ زَيْدٌ فِيمَا عَلِمَ اللّٰهُ" اگر قَدْ فعل مستقبل پر داخل ہو تو تقلیل کا فائدہ دیتا ہے یعنی کبھی وہ فعل واقع ہوتا ہے اور کبھی واقع نہیں ہوتا اور آیت کریمہ:۔
قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا (۲۴-۶۳) خدا کو یہ لوگ معلوم ہیں جو تم میں سے آنکھ بچا کر چل دیتے ہیں۔
کی تقدیر یوں ہے قَدْ يَتَسَلَّلُونَ أَحْيَانًا فِيمَا عَلِمَ اللّٰهُ تو یہ آیت بھی ماسبق کی طرح موؤل ہوگی اور قد کا تعلق تسلل کے ساتھ ہوگا۔
قَدْ وَقَطْ یہ دونوں اسم فعل بمعنی حَسْبُ کے آتے ہیں جیسے محاورہ ہے قَدْنِي كَذَا وَقَطْنِي كَذَا اور قَدِي (بدون نون وقایہ) کا محاورہ بھی حکایت کیا گیا ہے فراء نے قَدْنِي اور قَدْكَ پر قیاس کر کے قَدْ زَيْدًا بھی حکایت کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ قَدْ (اسم فعل) اسم ظاہر کے ساتھ استعمال نہیں ہوتا بلکہ صرف اسم مضمر کے ساتھ آتا ہے۔

(ق د ر)

اَلْقُدْرَةُ (قدرت) اگر یہ انسان کی صفت ہو تو اس سے مراد وہ قوت ہوتی ہے جس سے انسان کوئی کام کر سکتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ عاجز نہیں ہے اور اللہ کے سوا کوئی دوسری ہستی معنوی طور پر قدرت کاملہ کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتی اگرچہ لفظی طور پر ان کی طرف نسبت ہو سکتی ہے اس لئے انسان کو مطلقاً هُوَ قَادِرٌ کہنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ تقیید کے ساتھ هُوَ قَادِرٌ عَلَى كَذَا کہا جائیگا لہذا اللہ کے سوا ہر چیز قدرت اور عجز دونوں کے ساتھ متصف ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ایسی ہے جو ہر لحاظ سے عجز سے پاک ہے۔
اَلْقَدِيرُ اسے کہتے ہیں جو اقتضائے حکمت کے مطابق جو چاہے کر سکے اور اس میں کمی بیشی نہ ہونے دے۔ لہذا اللہ کے سوا کسی کو قدیر نہیں کہہ سکتے۔ قرآن میں ہے:۔
وَهُوَ عَلَى جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ (۴۲-۲۹) اور وہ جب چاہے ان کے جمع کر لینے پر ۔۔۔۔ ۔۔۔ قادر ہے۔
اور یہی معنی تقریباً مقتدر کے ہیں جیسے فرمایا:۔
عِنْدَ مَلِيكٍ مُقْتَدِرٍ (۵۴-۵۵) ہر طرح کی قدرت رکھنے والے بادشاہ کی بارگاہ میں۔
فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُقْتَدِرُونَ (۴۳-۴۲) ہم ان پر قابو رکھتے ہیں۔
لیکن مقتدر کے ساتھ کبھی انسان بھی متصف ہو جاتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے متعلق مقتدر کا لفظ استعمال ہو تو یہ قدیر کے ہم معنی ہوتا ہے اور جب انسان کا وصف واقع ہو تو اس کے معنی تکلف سے قدرت حاصل کرنے والا کے ہوتے ہیں۔ محاورہ ہے:۔
قَدَرْتُ عَلَى كَذَا قُدْرَةً کہ میں نے فلاں چیز پر قدرت حاصل کر لی۔ قرآن میں ہے:۔
لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِمَّا كَسَبُوا (۲-۲۶۴)

(اسی طرح یہ ریاکار) لوگ اپنے اعمال کا کچھ بھی صلہ نہیں لے سکیں گے۔

اَلْقَدْرُ وَالتَّقْدِیْرُ کے معنی کسی چیز کی کمیت کو بیان کرنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ قَدَرْتُہٗ وَقَدَّرْتُہٗ اور قَدَّرَہٗ (تفعیل) کے معنی کسی کو قدرت عطا کرنا بھی آتے ہیں محاورہ ہے۔

قَدَّرَنِی اللّٰہُ عَلٰی کَذَا وَقَوَّانِی عَلَیْہِ اللہ نے مجھے اس پر قدرت عطا فرمائی پس "تقدیر الٰہی" کی دو صورتیں ہیں ۱۔ اللہ تعالیٰ کا اشیاء کو قدرت بخشنا ۲۔ یا اللہ تعالیٰ کا اشیاء کو مقدار مخصوص اور طرز مخصوص پر بنانا جیسا کہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے اس لئے کہ فعل الٰہی دو قسم پر ہے اول ایجاد بالفعل یعنی ابتداء ہی سے کسی چیز کو ایسا کامل وجود عطا کرنا کہ جب تک مشیت الٰہی اس کے فنا یا تبدیل کی مقتضی نہ ہو اس میں کمی بیشی نہ ہو سکے جیسے اجرام سماویہ اور ومافیہا کی تخلیق (کہ ان میں تا قیامت کسی قسم کا تغیر نہیں ہوگا) دوم یہ کہ اصول اشیاء کو بالفعل اور ان کے اجزاء کو بالقوۃ وجود عطا فرمانا اور ان کو اس انداز کے ساتھ مقدر کرنا کہ اس کے خلاف ظہور پذیر نہ ہو سکیں جیسا کہ خرما کی گٹھلی کے متعلق تقدیر الٰہی یہ ہے کہ اس سے خرما کا درخت ہی اگتا ہے اور سیب یا زیتون کا درخت نہیں اگ سکتا اسی طرح انسان کی منی سے انسان ہی پیدا ہوتا ہے دوسرے جانور پیدا نہیں ہو سکتے۔ پس تقدیر الٰہی کے دو معنی ہوئے ایک یہ کہ کسی چیز کے متعلق نفی یا اثبات کا حکم لگانا کہ یوں ہوگا اور یوں نہیں ہوگا۔ عام اس سے کہ وہ حکم بر سبیل وجوب ہو یا بر سبیل امکان چنانچہ آیت:۔

قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا (۶۵-۳) خدا نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

میں یہی معنی مراد ہیں دوم کسی چیز پر قدرت عطا کرنے کے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُوْنَ (۷۷-۲۳) پھر اندازہ مقرر کیا اور ہم کیا ہی خوب اندازہ مقرر کرنے والے ہیں۔

میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ اللہ کا ہر حکم قابل ستائش ہے۔ اور یہ آیت:۔

قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا (۶۵-۳) خدا نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

کے ہم معنی ہے اور اس میں ایک قرات فَقَدَّرْنَا (تشدید دال) کے ساتھ بھی ہے اور اس کے معنی یا تو حکم کرنے کے ہیں اور یا اعطاء قدرت کے اور آیت کریمہ:۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَیْنَکُمُ الْمَوْتَ ہم نے تم میں مرنا ٹھہرا دیا۔

میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ موت مقدر کرنے والا چونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہے اس لئے یہ بھی عین حکمت کے مطابق ہے اور مجوس کا یہ زعم غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے اور ابلیس مارتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

اِنَّا اَنْزَلْنَاہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کرنا شروع کیا۔

میں لیلۃ القدر سے خاص رات مراد ہے جسے امور مخصوصہ کی انجام دہی کے لئے اللہ نے مقرر کر رکھا ہے۔ نیز فرمایا:۔

اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ (۵۴-۴۹) ہم نے ہر چیز اندازہ مقرر کے ساتھ پیدا کی ہے۔

اور آیت کریمہ:۔

وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ (۷۳-۲۰) اور خدا تو رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے اس نے معلوم کیا کہ تم اس کو نباہ نہ سکو گے۔

میں سلسلہ لیل و نہار کے اجراء کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ ان کے اوقات کی معرفت حاصل کرنا اور پھر اوقات معینہ میں حق عبادات ادا کرنا کسی کے لئے ممکن نہیں ہے اور آیت کریمہ:۔

مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ نطفے سے بنایا پھر اس کا اندازہ مقرر کیا (۸۰-۱۹)

میں ان قویٰ کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے نطفہ میں بالقوۃ ودیعت کر رکھے ہیں اور وہ وقتاً فوقتاً صورت کا لباس پہن کر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا (۳۳-۳۸) اور خدا کا حکم ٹھہر چکا ہے۔

میں قدر کے لفظ سے ان امور کی طرف اشارہ ہے جن کا فیصلہ ہو چکا ہے اور وہ لوح محفوظ میں لکھے جا چکے ہیں جن کی طرف کہ آنحضرت نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔ (۲۸)

فَرَغَ رَبُّكُمْ مِنَ الْخَلْقِ وَالْاَجَلِ وَالرِّزْقِ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ خلق، عمر اور رزق سے فارغ ہو چکا ہے اور مَقْدُوْر کے لفظ سے ان امور کی طرف اشارہ ہے جو وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ جن کی طرف کہ آیت:۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ (۵۵-۲۹) وہ ہر روز کام میں مصروف رہتا ہے۔ میں اشارہ فرمایا ہے اسی معنی میں فرمایا:۔

وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (۱۵-۲۱) اور ہم ان کو بمقدار مناسب اتارتے رہتے ہیں۔

ابو الحسن نے کہا ہے کہ یہ قَدَرٌ وَقَدْرٌ (بفتح الدال وسکونہا) دونوں طرح بولا جاتا ہے چنانچہ محاورہ ہے خُذْ بِقَدَرِ كَذَا وَقَدْرِ كَذَا (کہ اتنی مقدار میں لے لو) وَفُلَانٌ يُخَاصِمُ بِقَدَرٍ وَقَدْرٍ اور آیت کریمہ:۔

عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ (۲-۲۳۶) (یعنی مقدور والا اپنے مقدور کے مطابق دے اور تنگدست اپنی حیثیت کے مطابق۔

میں قَدَرٌ کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص اپنی مقدور کے مطابق اخراجات ادا کرے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى (۸۷-۳) اور جس نے (اس کا) اندازہ ٹھہرایا (پھر اس کو) رستہ بتایا۔

کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو وہ کچھ عطا فرمایا جس میں اس کی مصلحت ہے اور اسے تعلیمی یا تسخیری طور پر ان چیزوں کی طرف ہدایت کردی ہے جن میں اس کی نجات مضمر ہے جیسے فرمایا:۔

اَلَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (۲۰-۵۰) جس نے ہر چیز کو اس کی شکل وصورت بخشی پھر راہ دکھائی۔

جب "تقدیر" کا فاعل انسان ہو تو اس کے دو معنی ہوتے ہیں ایک تقدیر محمود یعنی عقل و فکر کے مطابق کسی امر پر غور و فکر کرنا اور پھر اس خاکہ کے مطابق کسی کام کو سرانجام دینا۔ دوم تقدیر مذموم کہ انسان اپنی تمنا اور خواہش کے پیمانہ کے مطابق کسی امر پر غور و فکر کرے اور عقل و فکر سے کام نہ لے جیسے فرمایا:۔

له وفی روایۃ ابن عساکر عن انس مرفوعاً فرغ اللہ عن اربع من الخلق الخ وفی روایۃ الطبرانی عن ابی الدرداء من خمس من اجله ورزقه و اثره ومضجعه وشقی اوسعید وراجع کنز العمال نمبر ۴۹۴-۹۶ والفتح الکبیر للنبہانی (۲/۲۶۶)

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ. فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (۷۴-۱۸، ۱۹) اس نے فکر کیا اور تجویز کی یہ مارا جائے اس نے کیسی تجویز کی۔

اور استعارہ کے طور پر قدرۃ اور مقدور کے معنی حالت اور وسعت مالی کے بھی آتے ہیں اور قَدَرٌ کے معنی اس معین وقت یا مقام کے بھی ہوتے ہیں جو کسی کام کے لئے مقرر ہو چکا ہو چنانچہ فرمایا:۔

اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (۷۷-۲۲) ایک معین وقت تک۔ نیز فرمایا:۔

فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا (۱۳-۱۷) پھر اس سے اپنے اپنے اندازے کے مطابق نالے بہ نکلے۔ یعنی نالے اپنے اپنے ظرف کے مطابق بہ نکلتے ہیں ایک قرأت میں بِقَدْرِهَا ہے جو بمعنی تقدیر یعنی اندازہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے ہے اور آیت کریمہ:۔

وَغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ (اور کوشش کے ساتھ سویرے ہی جا پہنچے) گویا کھیتی پر قادر ہیں۔ میں قٰدِرِيْنَ کے معنی قَاصِدِيْنَ کے ہیں یعنی جو وقت انہوں نے مقرر کر رکھا تھا۔ اندازہ کرتے ہوئے اس وقت پر وہاں جا پہنچے اور یہی معنی آیت کریمہ:۔

فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ (۵۴-۱۲) تو پانی ایک کام کے لئے جو مقدر ہو چکا تھا جمع ہو گیا۔ میں مراد ہیں۔ اور قَدَرْتُ عَلَيْهِ الشَّيْءَ کے معنی کسی پر تنگی کر دینے کے ہیں گویا وہ چیز اسے معین مقدار کے ساتھ دی گئی ہے اس کے بالمقابل بغیر حساب (یعنی بے اندازہ) آتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ (۶۵-۷) اور جس کے رزق میں تنگی ہو۔ یعنی جس پر اس کی روزی تنگ کر دی گئی ہو۔ نیز فرمایا:۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ (۱۳-۲۶) خدا جس پر چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ (۲۱-۸۷) اور خیال کیا کہ ہم ان پر تنگی نہیں کریں گے۔

اور ایک قرأت میں لَّنْ نُّقَدِّرَ عَلَيْهِ ہے اور اسی سے لفظ اَقْدَرُ مشتق ہے جس کے معنی کوتاہ گردن آدمی کے ہیں اور اَقْدَرُ اس گھوڑے کو بھی کہتے ہیں جس کے دوڑتے وقت پچھلے پاؤں ٹھیک اس جگہ پڑیں جہاں اگلے پاؤں پڑے تھے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (۳۹-۶۷) ان لوگوں نے خدا کی قدر شناسی جیسی کرنی چاہیئے تھی نہیں کی۔

یعنی یہ لوگ اس کی حقیقت کو نہیں پا سکے اور پھر اس امر پر تنبیہ کی ہے کہ وہ اس کی کنہہ کا ادراک بھی کیسے کر سکتے ہیں جب کہ اس کی شان یہ ہے کہ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (۳۹-۶۷) اور قیامت کے دن تمام زمین اس کی مٹھی میں ہو گی۔

اور آیت کریمہ:۔

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ (۳۴-۱۱) کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑو۔

میں قَدِّرْ فِي السَّرْدِ کے معنی یہ ہیں کہ مضبوط اور محکم زرہیں بناؤ۔

اور مِقْدَارُ الشَّيْءِ اس وقت یا زمانہ وغیرہ کو کہا

جاتا ہے جو کسی چیز کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔ قرآن میں ہے :۔

فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ۔ (۷۰-۴) اور اس روز (نازل ہوگا) جس کا اندازہ پچاس ہزار برس کا ہوگا۔ اور آیت کریمہ :۔

لِئَلَّا یَعْلَمَ اَھْلُ الْکِتٰبِ اَلَّا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰہِ (۵۷-۲۹) (یہ باتیں) اس لئے (بیان کی گئی ہیں) کہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ خدا کے فضل پر کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے۔

پر بحث تاویل کے ساتھ مختص ہے (یعنی اس میں تاویل سے چارہ نہیں ہے)

اَلْقِدْرُ (دیگ) برتن جس میں گوشت پکایا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا :۔

وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ (۳۴-۱۳) اور دیگیں جو ایک ہی جگہ رکھی ہیں۔

اور قَدَرْتُ اللَّحْمَ کے معنی ہانڈی میں گوشت پکانے کے ہیں اور ہنڈیا میں پکائے ہوئے گوشت کو قَدِیْرٌ کہا جاتا ہے۔

اَلْقُدَارُ (قصاب) وہ شخص جو اونٹ کو نحر (ذبح) کرکے دیگ میں اس کا گوشت پکاتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے[1] (الکامل)

(۳۵۱) ضَرْبَ الْقُدَارِ نَقِیْعَۃَ الْقُدَّامِ

جیسا کہ قصاب سفر سے آنے والے کی خوشی میں دعوت کے لئے گوشت کاٹتا ہے۔

(ق د س)

اَلتَّقْدِیْسُ کے معنی اس تطہیر الٰہی کے ہیں جو کہ آیت وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (۳۳-۳۳) اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے۔

میں مذکور ہے۔ کہ اس کے معنی تطہیر بمعنی ازالۂ نجاست محسوسہ کے نہیں ہے اور آیت کریمہ :۔

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ (۲-۳۰) اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔

کے معنی یہ ہیں کہ ہم تیرے حکم کی بجا آوری میں اشیاء کو پاک و صاف کرتے ہیں اور بعض نے اس کے معنی :۔ نُصَدِّقُکَ بِالتَّقْدِیْسِ بھی لکھے ہیں یعنی ہم تیری تقدیس بیان کرتے ہیں۔ اور آیت کریمہ :۔

قُلْ نَزَّلَہٗ رُوْحُ الْقُدُسِ (۱۶-۱۰۲) کہہ دو کہ اس کو روح القدس ..... لے کر نازل ہوئے ہیں۔

میں روح القدس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قدس یعنی قرآن حکمت اور فیض الٰہی لے کر نازل ہوتے تھے۔ جس سے نفوس انسانی کی تطہیر ہوتی ہے۔ اور البیت المقدس کو بیت مقدس اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ نجاست شرک سے پاک صاف ہے

---

[1] قالہ مہلہل بن ربیعہ وأولہ: وانا لنضرب بالصوارم ہامہا وفی روایۃ بالسیوف رؤسہم ہل بالصوارم ہامہا۔ راجع للبیت الامالی للمرتضی (۱: ۲۵۲ / ۲: ۲۸) وتہذیب الالفاظ ۶۲۵ والبخلاء ۲۱۵ والفاخرہ ۹۸ والمخصص (۴: ۱۲۰) واللسان (قدر، نقع، قدم) والاشتقاق ۳۲۳ والمقاییس (۵: ۶۶، ۴۲۷) والمرزوقی ۱۰۲۵ ونظام الغریب ۲۴۲ والمعانی للقتبی ۳۳۷ و البیت ثالث ثلاثۃ فی دیوانہ (۷۰-۱) وراجع لمعناہ المرزوقی والاشتقاق وکتاب النوادر لابی مسحل (۱: ۳۷-۳۹) والشاعر اسمہ امرؤ القیس او عدی بن ربیعہ جاہلی ترجمتہ فی الشعراء ۲۵۷-۲۵۹ والمرزبانی ۴۲۸ والآمدی ۱۱ والاغانی (۴: ۱۴۰-۱۵۱) والالی (۲۶-۲۷، ۱۱۱-۱۱۲) والعینی (۴: ۳۱۲، ۲۱۲) وشواہد المغنی ۲۲۵

اسی طرح آیت کریمہ:۔
یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَۃَ الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ (۵-۲۱) تو بھائیو! تم ارض مقدس (یعنی ملک شام) میں جسے خدا نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے۔ داخل ہو۔
میں ارض مقدسہ کے معنی پاک سرزمین کے ہیں۔ اور حَظِیْرَۃُ الْقُدُسِ سے بعض کے نزدیک جنت اور بعض کے نزدیک شریعت مراد ہے اور یہ دونوں قول صحیح ہیں۔ کیونکہ شریعت بھی ایک ایسا حظیرہ یعنی احاطہ ہے جس میں داخل ہونے والا پاک وصاف ہو جاتا ہے۔

(ق د م)

اَلْقَدَمُ انسان کا پاؤں جمع اَقْدَامٌ۔ قرآن میں ہے:۔
وَیُثَبِّتَ بِہِ الْاَقْدَامَ (۸-۱۱) اس سے تمہارے پاؤں جمائے رکھے۔
اسی سے تقدم کا لفظ لیا گیا ہے جو کہ تاخر[1] کی ضد ہے اور تقدم چار قسم پر ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں[1]۔ اور قَدِیْمٌ حَدِیْثٌ کی ضد ہے اور اس کے معنی پرانی چیز کے ہیں (یہ تقدم زمانی سے ہے) اور کبھی تقدم بلحاظ مرتبہ کے ہوتا ہے جیسے:۔ فُلَانٌ مُتَقَدِّمٌ عَلٰی فُلَانٍ۔ یعنی فلاں اس سے اشرف ہے۔ اور کبھی متقدم اس چیز کو کہا جاتا ہے جس پر دوسری چیز کا وجود موقوف ہو جیسے اَلْوَاحِدُ مُتَقَدِّمٌ عَلَی الْعَدَدِ کہ واحد عدد پر متقدم ہے کیونکہ واحد کے بغیر عدد کا وجود ناممکن ہے۔ اَلْقِدَمُ کے معنی کسی چیز کے زمانہ ماضی میں موجود ہونے کے ہیں اس کے بالمقابل بقاء ہے جس کے معنی زمانہ مستقبل میں موجود رہنے کے آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وصف میں یَا قَدِیْمَ الْاِحْسَانِ تو آیا ہے۔ لیکن کہیں بھی قرآن اور آثار صحیحہ سے قَدِیْمٌ کے لفظ کا اسمائے حسنیٰ سے ہونا ثابت نہیں ہے البتہ علمائے متکلمین اسے بطور صفت الٰہی کے استعمال کرتے ہیں عموماً اَلْقَدِیْمُ کا لفظ تقدم باعتبار زمانہ یعنی پرانی چیز کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ (۳۶-۳۹) کھجور کی پرانی شاخ کی طرح۔ اور آیت کریمہ:۔
لَھُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّھِمْ (۱۰-۲) ان کے پروردگار کے ہاں ان کا سچا درجہ ہے۔
میں قَدَمَ صِدْقٍ سے سابقہ فضیلت مراد ہے۔ اور یہ اسم مصدر ہے اور قَدَّمْتُ کَذَا کے معنی پہلے سے کوئی کام کر چکنے یا بھیجنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰکُمْ صَدَقٰتٍ (۵۸-۱۳) کیا تم اس سے کہ پیغمبر کے کان میں کوئی بات کہنے سے پہلے خیرات دیا کرو، ڈر گئے ہو۔
لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَھُمْ اَنْفُسُھُمْ (۵-۸۰) انہوں نے جو کچھ اپنے واسطے آگے بھیجا ہے برا ہے۔
بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ (۲-۹۵) جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں۔
اور قَدَمْتُ فُلَانًا اَقْدُمُہٗ کے معنی کسی کے آگے آگے جانے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
یَقْدُمُ قَوْمَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (۱۱-۹۸) وہ قیامت

---
[1] دیکھئے (اخر)

کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا۔
اور آیت کریمہ :۔
لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (۴۹-۱) خدا اور اس کے رسول سے پہلے نہ بول اٹھا کرو۔
کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ لَا تُقَدِّمُوْا بمعنی لَا تَتَقَدَّمُوْا کے ہے اور اس کے اصل معنی یہ ہیں۔ کہ قول و حکم میں پیغمبر سے سبقت نہ کرو بلکہ وہی کام کرو جس کا تمہیں حکم دیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ کے مکرم بندوں یعنی فرشتوں کا کردار بیان کرتے ہوئے فرمایا۔
لَا یَسْبِقُوْنَہٗ بِالْقَوْلِ۔ (۲۱-۲۷) اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے۔
اور آیت کریمہ :۔
لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ (۱۶-۶۱) ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔
کے معنی یہ ہیں کہ وہ تقدم و تاخر کا ارادہ بھی نہیں کر سکیں گے۔ اور آیت کریمہ :۔
وَنَکْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَھُمْ (۳۶-۱۱) جو کچھ وہ آگے بھیج چکے ہیں اور جو ان کے (پیچھے) نشان (رہ گئے) ہیں ہم ان کو قلم بند کر لیتے ہیں۔
میں مَا قَدَّمُوْا سے مراد وہ اعمال ہیں جو وہ پہلے کر چکے ہیں۔
قَدَّمْتُ اِلَیْہِ بِکَذَا پہلے سے کسی چیز کے متعلق کہہ رکھنا اور قَدَّمْتُ بِہٖ وقت حاجت سے پہلے کسی کام کے متعلق آگاہ کرنا۔ اور اسی سے آیت کریمہ :۔
وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْکُمْ بِالْوَعِیْدِ (۵۰-۲۸) ہم تمہارے پاس پہلے ہی عذاب کی وعید بھیج چکے تھے۔
ہے اور قُدَّامٌ خَلْفٌ کی ضد ہے اس کی تصغیر قُدَیْدِمَۃٌ آتی ہے۔

رَکِبَ فُلَانٌ مَقَادِیْمَہٗ وہ سیدھا چلا گیا یعنی ادھر ادھر مڑ کر نہیں دیکھا۔
قَادِمَۃُ الرَّحْلِ کجاوہ کا اگلا حصہ قَادِمَۃُ الْاَظْلَاعِ (جانور کا اگلا پستان یا پستان کا سرا۔ قَادِمَۃُ الْجَنَاحِ پرندے کے بازو کا اگلا حصہ۔ مُقَدَّمَۃُ الْجَیْشِ لشکر کا اگلا حصہ (ہراول دستہ)
اَلْقُدُمُ دلیر سے آگے بڑھنے والا آدمی۔ تیشہ ان تمام الفاظ میں معنی تقدم معتبر ہے۔

(ق ذ ف)

اَلْقَذْفُ (ض) کے معنی دور پھینکنا کے ہیں پھر معنی بُعد کے اعتبار سے دور دراز منزل کو منزل قذف و قذیف کہا جاتا ہے اسی طرح دور دراز شہر کو بَلْدَۃٌ قَذِیْفَۃٌ بول لیتے ہیں ... اور آیت کریمہ :۔
فَاقْذِفِیْہِ فِی الْیَمِّ (۲۰-۳۹) پھر اس (صندوق) کو دریا میں ڈال دو۔
کے معنی دریا میں پھینک دینے کے ہیں۔ نیز فرمایا۔
وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الرُّعْبَ (۳۳-۲۶) اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی۔
بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَی الْبَاطِلِ (۲۱-۱۸) بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر کھینچ مارتے ہیں۔
یَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ (۳۴-۴۸) وہ اوپر سے حق اتارتا ہے اور وہ غیب کی باتوں کا جاننے والا ہے۔
وَیُقْذَفُوْنَ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا (۳۷-۸) اور ہر طرف سے (ان پر انگارے) پھینکے جاتے ہیں (یعنی) وہاں سے نکال دینے کو۔
اور رَمْیٌ کی طرح قَذْفٌ کا لفظ بھی بطور استعارہ

گالی دینے اور عیب لگانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے[1]

(ق ر ر)

قَرَّ فِی مَکَانِہٖ یَقِرُّ قَرَارًا (ض) کے معنی کسی جگہ جم کر ٹھہر جانے کے ہیں اصل میں یہ قُرٌّ سے ہے جس کے معنی سردی کے ہیں جو کہ سکون کو چاہتی ہے جیسا کہ اس کے برعکس حَرٌّ (گرمی) حرکت کو چاہتی ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ (۳۳-۳۳) اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو۔
میں ایک قراءت وَقِرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ اصل میں اِقْرِرْنَ ہے ایک راء کو تخفیف کے لئے حذف کر دیا گیا ہے جیسا کہ آیت:۔ فَظَلْتُمْ تَفَکَّھُوْنَ میں ظَلْتُمْ اصل میں ظَلَلْتُمْ ہے اور ایک لام کو تخفیفًا حذف کر دیا گیا ہے)
اَلْقَرَارُ (اسم) (ٹھہرنے کی جگہ) قرآن میں ہے۔
جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا (۴۰-۶۴) جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا۔
اور جنت کے متعلق فرمایا:۔
ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِیْنٍ (۲۳-۵۰) جو رہنے کے لائق اور جہاں نتھرا ہوا پانی جاری تھا پناہ دی)
اور جہنم کے متعلق فرمایا:۔
وَبِئْسَ الْقَرَارُ (۱۴-۲۹) اور وہ برا ٹھکانا ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَالَھَا مِنْ قَرَارٍ (۱۴-۲۶) زمین کے اوپر ہی سے اکھیڑ کر پھینک دیا جائے۔ اس کو ذرا بھی قرار نہیں۔ میں . . . . .

قرار کے معنی ثبات کے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے[2] (۳۵۲) وَلَا قَرَارَ عَلٰی زَاْرٍ مِنَ الْاَسَدِ یعنی شیر کے دھاڑنے پر امن (چین) حاصل نہیں ہو سکتا۔
اور یَوْمَ النَّحْرِ سے بعد کے دن کو یَوْمُ الْقَرِّ کہا جاتا ہے کیونکہ لوگ اس روز منیٰ میں ٹھہر رہتے ہیں۔
اِسْتَقَرَّ فُلَانٌ قرار پکڑنے کا قصد کرنا۔ اور کبھی بمعنی قَرَّ (قرار پکڑنا) بھی آجاتا ہے جیسے استجاب بمعنی اَجَابَ چنانچہ جنت کے متعلق فرمایا:۔
خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِیْلًا (۲۵-۲۴) ٹھکانا بھی بہتر ہوگا اور مقام استراحت بھی عمدہ ہوگا
اور جہنم کے متعلق فرمایا:۔
اِنَّھَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا (۲۵-۶۶) اور دوزخ ٹھہرنے کی بہت بری جگہ ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ (۶-۹۸) تمہارے لئے ایک ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک سپرد ہونے کی۔ میں ابن مسعودؓ کے نزدیک مُسْتَقَرٌّ سے مراد زمین میں ٹھہرنا ہے اور مُسْتَوْدَعٌ سے مراد قبریں ہیں۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ مُسْتَقَرٌّ سے مراد تو زمین ہی ہے لیکن مُسْتَوْدَعٌ سے مراد دنیا ہے۔ الحاصل ہر وہ حالت جس سے انسان منتقل ہو جائے وہ مُسْتَقَرٌّ تام نہیں ہو سکتا۔
اَلْاِقْرَارُ (افعال) کے معنی کسی چیز کو ٹھہرا دینے کے ہوتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی (۲۲-۵) اور ہم جس کو چاہتے ہیں ایک میعاد مقرر

---

[1] وتقذف المحصنات منساہ رمیھن بالزنا الاالقی القرآن ویرمون (۲۴-۴) [2] قالہ النابغۃ فی والبیتہ وصدرہ نبئت ان اباقابوس اوعدنی۔ . . . . والبیت فی دیوانہ واللسان (زئیس) وخاص الخاص ثعالبی ۹۷ والعشر للتبریزی ۳۰۲ والسیوطی ۲۸، ۸۵

تک پیٹ میں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔
اور کبھی اس کے معنی ثابت کرنا بھی آجاتے ہیں اور اقرار کبھی دل سے ہوتا ہے اور کبھی زبان سے اور کبھی ان دونوں سے۔ توحید اور دیگر ایمانیات کے بارے میں صرف زبان سے اقرار کرلینا کافی نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے ساتھ دل سے بھی اقرار نہ کرے۔ اقرار کی ضد انکار آتی ہے اور جحود صرف زبان سے انکار کردینے پر بولا جاتا ہے خواہ دل سے اسے تسلیم ہی کیوں نہ کرتا ہو جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے[1]۔ قرآن میں ہے۔
ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ (۲-۸۴) پھر تم نے اقرار کرلیا اور تم اس بات کے گواہ ہو۔
ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا (۳-۸۱) پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے۔ تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی (اور عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا ذمہ لیا۔ انہوں نے کہا ہاں ہم نے اقرار کیا۔
قَرَّتْ لَيْلَتُنَا تَقِرُّ رات کا ٹھنڈا ہونا۔
یَوْمٌ قَرٌّ (ٹھنڈا دن) لَیْلَةٌ قِرَّةٌ ٹھنڈی رات۔
قُرَّ فُلَانٌ فلاں کو سردی لگ گئی اور مَقْرُوْرٌ کے معنی ٹھنڈ زدہ آدمی کے ہیں۔ مثل مشہور ہے[2]۔
حِرَّةٌ تَحْتَ قِرَّةٍ یہ اس شخص کے حق میں بولتے ہیں جو اپنے ضمیر کے خلاف بات کرے۔
قَرَرْتُ الْقِدْرَ اَقُرُّهَا میں نے ہانڈی میں ٹھنڈا پانی ڈالا۔ اور اس پانی کو قَرَارَةٌ یا قِرَدَةٌ کہا جاتا ہے۔

اُقْتُرَّ فُلَانٌ اِقْتِرَارًا یہ تَبَرَّدَ کی طرح ہے جس کے معنی ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے کے ہیں۔
قَرَّتْ عَیْنُهٗ تَقِرُّ آنکھ کا ٹھنڈا ہونا مراد خوشی حاصل ہونا ہے، قرآن میں ہے:۔
كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا (۲۰-۴۰) تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔
اور جسے دیکھ کر انسان کو خوشی حاصل ہو اسے قُرَّةُ عَیْنٍ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَلَكَ (۲۸-۹) یہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔
رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ (۲۵-۷۴) اے ہمارے پروردگار ہمیں بیویوں کی طرف سے دل کا چین اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرما۔
بعض نے کہا ہے کہ یہ اصل میں قُرٌّ بمعنی سردی سے ہے لہٰذا قَرَّتْ عَیْنُهٗ کے معنی آنکھ کے ٹھنڈا ہو کر خوش ہوجانے کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے۔ کہ قَرَّتْ عَیْنُهٗ کے معنی خوش ہونا اس لئے آتے ہیں کہ خوشی کے آنسو ٹھنڈے ہوتے ہیں اور غم کے آنسو چونکہ گرم ہوتے ہیں اس لئے بددعا کے وقت اَسْخَنَ اللّٰهُ عَیْنَهٗ کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ قَرَارٌ سے مشتق ہے اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز بخشے جس سے اس کی آنکھ کو سکون حاصل ہو یعنی اسے دوسری چیز کی حرص نہ رہے۔
اَقَرَّ بِالْحَقِّ حق کا اعتراف کرنا۔ تَقَرَّرَ الْاَمْرُ عَلٰى كَذَا کسی امر کا حاصل ہوجانا۔
اَلْقَارُوْرَةُ شیشہ جمع قَوَارِیْرُ...
قرآن میں ہے:۔

---

[1] راجع (جحد) [2] اللسان (حر، قر) قال وانما كسر والحرة لمكان القرة والمثل ايضاً فى الحيوان ۵/۱۰۷ نیز المیدانی ۱۲

قَوَارِيْرَ مِنْ فِضَّةٍ (۷۶-۱۶) اور شیشے بھی چاندی کے۔
صَرْحٌ مُمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيْرَ یہ ایسا محل ہے
جس میں (نیچے بھی) شیشے جڑے ہوئے ہیں (۲۷-۴۴)
یعنی شیشے کا بنا ہوا ہے۔

(ق ر ء)

قَرَءَتِ الْمَرْءَةُ وَقَرَءَتِ الدَّمَ وَاَقْرَءَتْ
عورت کو حیض آنا اور قَرَءَتِ الْجَارِيَةُ استبراء رحم کرنا
اَلْقُرْءُ کے اصل معنی طہر سے حیض میں داخل ہونے
کے ہیں اور چونکہ یہ لفظ طہر اور حیض دونوں کا جامع
ہے اس لئے دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ
قاعدہ یہ ہے کہ جو اسم دو چیزوں کے لئے بحیثیت
مجموعی وضع کیا گیا ہو وہ ہر ایک پر انفراداً بھی بولا
جا سکتا ہے[1] مثلاً لفظ مَائِدَةٌ کہ دستر خوان اور
کھانا دونوں کے مجموعہ کے لئے وضع کیا گیا ہے
مگر ہر ایک پر انفراداً بھی بولا جاتا ہے لہٰذا قُرْءٌ
نہ صرف حیض کا نام ہے اور نہ صرف طہر کا (بلکہ
دونوں کے لئے وضع کیا گیا ہے) اس کی دلیل یہ
ہے کہ جس عورت کو حیض نہ آتا ہو اسے ذَاتُ قُرْءٍ
نہیں کہا جاتا اور ایسے ہی حائض جسے متواتر خون
آ رہا ہو اور نُفَسَاءُ (صاحب نفاس) کو بھی
ذَاتُ قُرْءٍ نہیں کہتے اور آیت کریمہ:۔
يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ (۲-۲۲۸)
تین حیض تک اپنے تئیں روکے رہیں۔
میں ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ کے معنی تین مرتبہ طہر سے حالت
حیض کی طرف منتقل ہونے کے ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ
نے فرمایا[2] (۸۱)
اَقْعُدِيْ عَنِ الصَّلٰوةِ اَيَّامَ اَقْرَائِكِ کہ حیض
کے دنوں میں نماز ترک کر دے۔
یہ محاورہ ایسے ہی ہے جیسے کسی کو کہا جائے اِفْعَلْ
كَذَا اَيَّامَ وُرُوْدِ فُلَانٍ کہ فلاں آدمی کی آمد کے
دنوں یہ اور یہ کام کرو تو یہاں بھی ایام کا لفظ استعمال
ہوا ہے حالانکہ ورود تو ایک ساعت میں ہو جاتا
ہے۔ بعض اہل لغت کا قول ہے کہ قُرْءٌ کا لفظ
قَرْءٌ سے مشتق ہے جس کے معنی جمع کرنے کے
ہیں۔ تو انہوں نے زمانہ طہر اور زمانہ حیض کو جمع
کرنے کے معنی کا اعتبار کیا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے
ذکر کر چکے ہیں۔ کیونکہ زمانہ طہر میں خون رحم میں
جمع ہوتا رہتا ہے۔
اَلْقِرَاءَةُ کے معنی حروف وکلمات کو ترتیل
میں جمع کرنے کے ہیں کیونکہ ایک حروف کے
بولنے کو قراءت نہیں کہا جاتا اور نہ یہ عام ہر چیز
کے جمع کرنے پر بولا جاتا ہے۔ لہٰذا اَجْمَعْتُ الْقَوْمَ
کی بجائے قَرَءْتُ الْقَوْمَ کہنا صحیح نہیں ہے۔
اَلْقُرْاٰنُ۔ یہ اصل میں کفران ورجحان کی طرح
مصدر ہے چنانچہ فرمایا:۔
اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ۔ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ
فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ (۷۵-۱۷، ۱۸) اس کا جمع کرنا
اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے جب ہم وحی پڑھا
کریں تو تم (اس کو سنا کرو) اور پھر اسی طرح
پڑھا کرو۔
حضرت ابن عباسؓ نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ جب

---

[1] وعلی ہذا الاطلاق کلاہما مجاز الخ فعدۃ العلماء من الاضداد (راضداد ابی الطیب ۱/ ۵-۶-۷ ۵) [2] قالہ صلی اللہ علیہ وسلم لام حبیبۃ بنت جحش او فاطمۃ بنت ابی جیش وکلا الحدیثین باختلاف الفاظہما اخرجہما اصحاب السنن (راجع العون ۱-۱۱۲ او الزرقانی علی الموطا ۱-۱۲۲) انظر للبحث عن لفظ القرآن مجاز ابی عبیدۃ من ۱-۳ وعلیہ سلک البخاری فی صحیحہ فتح الباری ۸/ ۳۴۰-۳۳۹)

ہم قرآن تیرے سینہ میں جمع کر دیں تو اس پر عمل کرو لیکن عرف میں یہ اس کتاب الٰہی کا نام ہے جو آنحضرت پر نازل کی گئی اور یہ اس کتاب کے لئے بمنزلہ علم بن چکا ہے جیسا کہ توراۃ اس کتاب الٰہی کو کہا جاتا ہے جو حضرت موسٰی علیہ السلام پر نازل ہوئی اور انجیل اس کتاب کو کہا جاتا ہے جو حضرت عیسٰی پر نازل کی گئی۔ بعض علماء نے قرآن کی وجہ تسمیہ یہ بھی بیان کی ہے کہ قرآن چونکہ تمام کتب سماویہ کے ثمرہ کو اپنے اندر جمع کئے ہوئے ہے بلکہ تمام علوم کے ماحصل کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے اس لئے اس کا نام قرآن رکھا گیا ہے جیسا کہ آیت :۔

وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ (۱۲-۱۱۱) اور ہر چیز کی تفصیل کرنے والا۔ اور آیت کریمہ :۔

تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ (۱۶-۸۹) کہ اس میں ہر چیز کا بیان مفصل ہے۔

میں اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ نیز فرمایا :۔

قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ (۳۹-۲۸) یہ قرآن عربی ہے جس میں کوئی عیب (اور اختلاف) نہیں۔

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ (۱۷-۱۰۶) اور ہم نے قرآن کو جزو جزو کر کے نازل کیا تاکہ تم لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سناؤ۔

فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ (۱۷-۴۱) اس قرآن میں .... اور آیت کریمہ :۔

وَقُرْآنَ الْفَجْرِ (۱۷-۷۸) اور صبح کو قرآن پڑھا کرو میں قرآن کے معنی تلاوت قرآن کے ہیں۔

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ (۵۶-۷۷) یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے۔

أَقْرَأْتُ فُلَانًا کے معنی کسی کو کچھ پڑھانے کے ہیں۔ چنانچہ فرمایا :۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ (۸۷-۶) ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ فراموش نہ کرو گے۔

اور تَقَرَّأْتُ بمعنی تَفَهَّمْتُ ہے (یعنی میں نے اسے اچھی طرح سے سمجھ لیا)

قَارَأْتُهُ (مفاعلۃ) باہم مذاکرہ کرنا یا کتاب کا سبق دہرانا۔

(ق ر ب)

اَلْقُرْبُ وَالْبُعْدُ یہ دونوں ایک دوسرے کے مقابلہ میں استعمال ہوتے ہیں۔ محاورہ ہے :۔ قَرُبْتُ مِنْهُ أَقْرُبُ وَقَرَّبْتُهُ أَقْرَبُهُ قُرْبًا وَقُرْبَانًا کسی کے قریب جانا اور مکان زمان، نسبی تعلق، رتبہ حفاظت اور قدرت سب کے متعلق استعمال ہوتا ہے چنانچہ قرب مکانی کے متعلق فرمایا :۔

وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ (۲-۳۵) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا نہیں تو ظالموں میں داخل ہو جاؤ گے۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ (۶-۱۵۲) اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ (۱۷-۳۲) اور زنا کے پاس بھی نہ جانا۔

فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا (۹-۲۸) تو اس برس کے بعد وہ خانہ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں۔ اور آیت کریمہ :۔

وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ .... (۲-۲۲۲) ان سے مقاربت نہ کرو۔ میں جماع سے کنایہ ہے۔

فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ (۵۱-۲۷) اور کھانے کے لئے ان کے آگے رکھ دیا۔

اور قرب زمانی کے متعلق فرمایا:۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ (۲۱-۱) لوگوں کا حساب (اعمال کا وقت نزدیک آپہنچا۔

اِنْ اَدْرِیْ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ (۲۱-۱۰۹) اور مجھ کو معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ عنقریب آنے والی ہے یا اس کا وقت دور ہے۔

اور قرب نسبی کے متعلق فرمایا:۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى (۴-۸) اور جب میراث کی تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتے دار آجائیں۔

اَلْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ (۴-۷) ماں باپ اور رشتے دار۔

وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (۶-۱۵۲) گو وہ تمہارا رشتے دار ہی ہو۔

وَلِذِی الْقُرْبٰى (۸-۴۱) اور اہل قرابت کا۔

وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى (۴-۳۶) اور رشتے دار ہمسایوں

یَتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ (۹۰-۱۵) یتیم رشتے دار کو۔۔۔۔

اور قرب بمعنی رتبہ کے اعتبار سے کسی کے قریب ہونا کے متعلق فرمایا:۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ (۴-۱۷۲) اور نہ مقرب فرشتے (عار سمجھتے ہیں۔

اور عیسٰی علیہ السلام کے متعلق فرمایا:۔

وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ (۳-۴۵) (اور جو) دنیا اور آخرت میں آبرو اور (خدا کے) خاصوں میں سے ہوگا۔

عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ (۸۳-۲۸) وہ ایک چشمہ ہے جس میں سے (خدا کے) مقرب پئیں گے۔

فَاَمَّا اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ (۵۶-۸۸) پھر اگر وہ خدا کے مقربوں میں سے ہے۔

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ (۷-۱۱۴) (فرعون نے) کہا ہاں (ضرور) اور اس کے علاوہ تم مقربوں میں داخل کر لئے جاؤ گے۔

وَقَرَّبْنٰهُ نَجِیًّا (۱۹-۲) اور باتیں کرنے کے لئے نزدیک بلایا۔

اور اَلْقُرْبَةُ کے معنی قرب حاصل کرنے کا ذریعہ، کے بھی آتے ہیں جیسے فرمایا:۔

قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ (۹-۹۹) اس کو خدا کی قربت کا ذریعہ۔

اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ (۹-۹۹) دیکھو وہ بے شبہ ان کے لئے (موجب) قربت ہے۔

تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى (۳۴-۳۷) کہ تم کو ہمارا مقرب بنا دیں۔

اور رعایت و نگہبانی کے متعلق فرمایا:۔

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (۷-۵۶) کچھ شک نہیں کہ خدا کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔

فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (۲-۱۸۶) میں تو تمہارے پاس ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا پکارتا ہے تو میں اسکی دعا قبول کرتا ہوں۔

اور قرب بمعنی قدرۃ فرمایا:۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (۵۰-۱۶) اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

اور آیت کریمہ:۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ (۵۶-۸۵) اور ہم اس مرنے والے سے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں۔

میں بھی یہ ممکن ہے کہ قرب بلحاظ قدرت مراد ہو۔
اَلْقُرْبَانُ (نیاز) ہر وہ چیز جس سے اللہ کی قرب جوئی کی جائے اور عرف میں قربان بمعنی نَسِیْکَۃٌ یعنی ذَبِیْحَۃٌ آتا ہے اس کی جمع قَرَابِیْنُ ہے۔
قرآن میں ہے:۔
اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا (۵-۲۷) جب ان دونوں نے خدا کی جناب میں کچھ نیازیں چڑھائیں۔
حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ (۳-۱۸۳) جب تک کوئی پیغمبر ہمارے پاس ایسی نیاز نہ لے کر آئے...
... اور آیت کریمہ:۔
قُرْبَانًا اٰلِھَۃً (۴۶-۲۸) تقرب خدا کے سوا معبود بنایا تھا)
میں قُرْبَان کا لفظ قُرْبَانُ الْمَلِکِ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی بادشاہ کا ہم نشین اور ندیم خاص کے ہیں اور یہ واحد و جمع دونوں پر بولا جاتا ہے اور یہاں چونکہ جمع کے معنی میں ہے اس لئے "اٰلِھَۃً" بلفظ جمع لایا گیا ہے۔
اَلتَّقَرُّبُ ایسی چیز کا قصد کرنا جس سے دوسرے کے ہاں قدر و منزلت حاصل ہو۔
اور اللہ تعالیٰ کا کسی بندہ کے قریب ہو جانا باعتبار مکان کے نہیں ہوتا بلکہ اس پر فضل و کرم اور فیض (خاص) جاری کرنا مراد ہوتا ہے۔ اس لئے مروی ہے (۹)، کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ باری تعالیٰ کیا تو قریب ہے کہ میں تجھ سے مناجات کروں یا دور ہے کہ میں تمہیں پکاروں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ اگر میں تیرے لئے دوری معین کر دوں تو وہاں تک پہنچ نہیں سکے گا اور اگر قرب معین کر دوں تو تجھے اس پر قدرت نہیں ہوگی۔ چنانچہ فرمایا:۔
وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (۵۰-۱۶) اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔
اور کسی بندہ کے مقرب الٰہی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ بہت سی ایسی صفات اپنے اندر پیدا کرے ... جن کے ساتھ ذات الٰہی متصف ہوتی ہے گو وہ صفات انسان میں اس درجہ نہ پائی جائیں جس درجہ میں کہ ذات الٰہی میں وہ صفات متحقق ہوتی ہیں۔ مثلاً انسان علم و حکمت حلم و رحمت اور بے نیازی ایسی صفات اپنے اندر پیدا کر لے اور یہ ان کے اضداد یعنی جہالت ...، طیش و غضب اور احتیاج نفسانی کی میل کچیل سے پاک ہونے کے بعد حاصل ہوتی ہیں اور یہ قرب جسمانی کے قبیل سے نہیں ہے بلکہ قرب روحانی ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت نے فرمایا[1] (۸۰)
مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْہِ ذِرَاعًا
کہ جو شخص بالشت بھر میرے قریب ہوتا ہے۔ تو میں ایک ذراع یعنی ہاتھ بھر اس کے قریب ہو جاتا ہوں اور نیز ایک روایت میں ہے کہ تقرب الٰہی حاصل کرنے لئے فرائض کی ادائیگی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ اور بندہ فرائض کے بعد نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ ......
اور آیت کریمہ:۔

---

[1] متفق علیہ من حدیث ابی ہریرۃ والحدیث باختلاف الفاظ فی المستدرک وابن ماجۃ عن ابی ہریرۃ وانس وابی ذر وابی سعید والطبرانی عن سلمان وابی ذر وابو نعیم عنہ وابن خازن فی الترغیب عن ابن عباس (راجع کنز العمال ۱۱۴۳-۱۱۳۸ و ۱۱۴۸-۱۱۴۴) وتخریج العراقی علی الاحیاء (۹/۲)۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ (۶-۱۵۲) اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا۔

یہں لَا تَقْرَبُوْا کے لفظ میں جو بلاغت پائی جاتی ہے۔ وہ مَا دَلُوْا کے لفظ سے پیدا نہیں ہو سکتی! کیوں کہ کسی چیز کو لینے سے منع کرنے کی بنسبت اس کے قریب جانے سے منع کرنے میں زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے اسی لیئے فرمایا: وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (۲-۳۵) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا۔ اور آیت کریمہ:۔

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ (۲-۲۲۲) اور جب تک پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو۔

میں قرب جماع سے کنایہ ہے۔ نیز فرمایا:۔

لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى (۱۷-۳۲) اور زنا کے پاس بھی نہ جانا۔

اَلْقِرَابُ (مصدر) بمعنی مقاربت شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۳۵) فَاِنَّ قِرَابَ الْبَطْنِ يَكْفِيْكَ مِلْؤُهٗ

قَدَحٌ قَرْبَانُ تقریباً بھرا ہوا پیالہ۔

اور قِرْبَانُ الْمَرْءَةِ عورت سے مجامعت کرنا۔

تَقْرِيْبُ الْفَرَسِ گھوڑے کا ٹھونکی دوڑنا ایک رفتار جو دوڑ کے قریب ہوتی ہے۔ اَلْقُرَابُ قریب۔

فَرَسٌ لَاحِقُ الْاَقْرَابِ گھوڑا جس کی تہی گاہیں پچکی ہوئی ہوں۔

اَلْقِرَابُ تلوار کی نیام بعض کا قول ہے کہ قراب نیام کو نہیں کہتے بلکہ نیام کے اوپر کے چمڑے کو کہا جاتا ہے اس کی جمع قُرُبٌ ہے اور قَرَبْتُ السَّيْفَ وَاَقْرَبْتُهٗ کے معنی تلوار کو نیام کے اندر بند کرنے کے ہیں۔

رَجُلٌ قَارِبٌ آدمی جو پانی کے قریب پہنچ جائے۔

لَيْلَةُ الْقَرَبِ عرب لوگ اونٹ چراتے چراتے پانی کی طرف چلے جاتے جب ان کے اور پانی کے درمیان ایک شب کا سفر باقی رہ جاتا تو عجلت سے سفر کرتے لہذا اس رات کو لَيْلَةُ الْقَرَبِ کہتے چنانچہ اسی سے اَقْرَبُوْا اِبِلَهُمْ کا محاورہ ہے۔ جس کے معنی لَيْلَةُ الْقَرَبِ میں اونٹوں کو پانی کی طرف ہنکانے کے ہیں۔

اَلْمُقْرِبُ۔ حاملہ عورت جو قریب الولادت ہو۔

(ق ر ح)

اَلْقَرْحُ (بفتح القاف) کسی خارجی اثر سے ہونے والے زخم کو قَرْحٌ کہا جاتا ہے اور اندرونی طور پر پیدا ہونے والے زخم (جیسے پھنسی وغیرہ کا زخم) کو قُرْحٌ۔ قَرَحْتُهٗ (ف) کے معنی زخمی کرنے کے ہیں۔ مگر کبھی لازم بھی آتا ہے جیسے قَرِحَ قَلْبُهٗ (اس کا دل زخمی ہو گیا) وَاَقْرَحْتُهٗ اسے زخمی کیا، وَقَرِحَ (س) زخمی ہو جانا۔ کبھی قَرْحٌ کا لفظ زخم اور قُرْحٌ اس درد والم

---

[1] قالہ ہلال بن خثعم وتمامہ: ویکفیک عورات الامور اجتنابہا والبیت فی امالی المرتضیٰ (۱: ۳۷۵) والحیوان (۱: ۳۸۲) فی اربعۃ والبغدادی ۲-۲۰۳ وروی لقیس بن خطیم وفی العیون (۳: ۱۸۲) لبشار بن بشر ولکنہ مجہول ولم یعرف ہذا الاسم ای شاعر وفی حماسۃ البحتری (طبع ادریا) البیت لزیاد بن منقذ التمیمی وفی مجموعۃ المعانی لراتع بن خیصہ وفی روایتہ لسوءات الامور بدل عورات الامور کما فی الاحیا للغزالی (۳: ۴۰۳) فی ثلاثۃ ابیات وفیہ قصۃ ابی محمد الیزیدی مع ہارون وفی الحماسۃ لابن الشجری والمعانی للقتبی والاٰلی (ملاۃ) بالنصب علی التمییز وہو الصواب وفی المطبوع یکفیک بالموحدۃ مصحف ۱۲

پر بولا جاتا ہے جو زخم کی وجہ سے ہو قرآن میں ہے۔
مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ (۳-۱۷۲) باوجود زخم کھانے کے۔
اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ (۳-۱۴۰) اگر تمہیں زخم (شکست) لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی ایسا زخم لگ چکا ہے۔
ایک قرأت میں قُرْحٌ بضمہ قاف ہے۔
اَلْقَرْحَانُ وہ شخص جو کبھی چیچک وطاعون (جدری) وغیرہ بیماری میں بتلا نہ ہوا ہو۔
فَرَسٌ قَارِحٌ گھوڑا جس کے ناب (دانت جو سب دانتوں سے آخر میں نکلتے ہیں) ظاہر ہو گئے ہوں ناقہ قَارِحَةٌ اَقْرَحُ گھوڑا جس کی پیشانی میں سفید نشان ہو۔ رَوْضَةٌ قَرْحَاءُ سبزہ زار جس کے وسط میں سفید پھول ہوں گویا وہ اَقْرَحُ گھوڑے کے مشابہ ہے (اِقْتَرَحْتُ الْجَمَلَ کسی اونٹ پر پہلے پہل سواری کرنا اِقْتَرَحْتُ كَذَا عَلٰى فُلَانٍ کسی کے سامنے پہلی مرتبہ کسی رائے کا اظہار کرنا۔ اِقْتَرَحْتُ بِئْرًا میں نے کنوئیں سے خالص پانی نکالا اَرْضٌ قَرَاحٌ او سرزمین جس میں نہ گھاس ہو اور نہ پانی۔ اَلْقَرِيْحَةُ پہلا پانی جو کنوئیں سے نکالا جاتا ہے اور اسی سے قَرِيْحَةُ الْاِنْسَانِ مستعار ہے جس کے معنی انسان کی طبیعت کے ہیں۔

(ق ر د)

اَلْقِرْدُ بندر اس کی جمع قُرُوْدٌ وَقِرَدَةٌ ہے۔ اور آیات کریمہ:۔
كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ (۲-۶۵) ذلیل وخوار بندر ہو جاؤ۔
وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ (۵-۶۰) اور جن کو ان میں سے بندر ...... بنا دیا۔
کو بعض نے ظاہری معنی پر حمل کیا ہے یعنی انہیں سچ مچ بندر بنا دیا گیا تھا بعض نے کہا ہے کہ ان کے اخلاق وا طوار بندروں ایسے ہو گئے تھے۔ نہ کہ وہ سچ مچ بندر بنا دیئے گئے تھے[1]۔
اَلْقُرَادُ چیچڑی۔ جمع قِرْدَانٌ۔
صُوْفٌ قَرِدٌ۔ الجھی ہوئی اون (جو کاتی نہ جاسکے) اسی سے تہ برتہ چھلے ہوئے بادل کو سَحَابٌ قَرِدٌ کہا جاتا ہے۔
اَقْرَدَ چیچڑی کی طرح زمین کے ساتھ چمٹ جانا قَرَدَ چیچڑی کی طرح ساکن ہو جانا۔ اور قَرَّدْتُ الْاِبِلَ کے معنی اونٹ سے چیچڑ دور کرنے کے ہیں۔ (والمالۃ ماخذ) جیسے تَمَّيْتُ وَمَرَّضْتُ کا محاورہ ہے۔ اور استعارہ کے طور پر قَرَّدَ کے معنی چاپلوسی کے ذریعہ کسی کو دھوکا دینا بھی آتے ہیں چنانچہ محاورہ ہے۔ فُلَانٌ يُقَرِّدُ فُلَانًا۔ فلاں مدارات سے اسے فریب دے رہا ہے اور پستان کے سرے کو قُرَاد کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی شکل بھی چیچڑ جیسی ہوتی ہے۔

(ق ر ض)

اَلْقَرْضُ (کترنا) یہ قطع کی ایک قسم ہے پھر جس طرح کسی جگہ سے گذرنے اور تجاوز کرنے کے لئے قَطَعَ الْمَكَانَ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے اس طرح قَرَضَ الْمَكَانَ بھی کہتے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ .....

[1] كذا قال مجاہد المعنى الاول ذہب اليه ابن عباس وغيره راجع انوار التنزيل واسرار التاويل للبيضاوی ۱۱

(۸۱-۱۷) اور جب غروب ہو تو اس سے بائیں طرف کترا جائے۔
یعنی غروب کے وقت انہیں ایک جانب چھوڑتا ہوا گزر جاتا ہے۔
اور قَرْض اس مال کو بھی کہتے ہیں جو کسی کو اس کی ضرورت پوری کرنے کے لئے دیا جائے اس شرط پر کہ وہ واپس مل جائیگا۔ قرآن میں ہے:۔
مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (۲-۲۴۵) کوئی ہے کہ خدا کو قرض حسنہ دے۔
اور شعر گوئی۔۔۔ کو بھی مُقَارَضَۃ کہا جاتا ہے اور شِعْر کو بطور استعارہ قَرِیْض کہا جاتا ہے جس طرح کہ نَسْج اور حَوْک کے الفاظ اس معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

(ق ر ط س)

اَلْقِرْطَاسُ۔ ہر وہ چیز جس پر لکھا جائے قرآن میں ہے:۔
وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ (۶-۷) اور اگر ہم تم پر کاغذ میں لکھی لکھائی کتاب نازل کرتے۔
قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِيْ جَاءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ (۶-۹۱) کہو کہ جو کتاب موسیٰ لیکر آئے تھے اسے کس نے نازل کیا تھا جو لوگوں کے لئے نور اور ہدایت تھی اور جسے تم نے علیحدہ علیحدہ اوراق میں نقل کر رکھا ہے۔

(ق ر ع)

اَلْقَرْعُ (ف) کے اصل معنی ایک چیز کو دوسری چیز پر مارنے کے ہیں اسی سے قَرَعْتُهٗ بِالْمِقْرَعَةِ کا محاورہ ہے جس کے معنی کوڑے سے سرزنش کرنے کے ہیں اور قیامت کے حادثہ کو قَارِعَةٌ کہا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ (۶۹-۴) (وہی) کھڑکھڑانے والی (جس کو ثمود اور عاد (دونوں) نے جھٹلایا۔
اَلْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ (۱۰۱-۱، ۲) کھڑکھڑانے والی کیا ہے۔

(ق ر ف)

اَلْقَرْفُ وَالْاِقْتِرَافُ کے اصل معنی درخت سے چھال اتارنے اور زخم سے چھلکا کریدنے کے ہیں اور جو چھال یا چھلکا اتارا جاتا ہے۔ اسے قِرْف کہا جاتا ہے اور بطور استعارہ اِقْتَرَفَ (افتعال) کمانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے خواہ وہ کسب اچھا ہو یا برا جیسے فرمایا:۔
سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ (۶-۱۲۰) وہ عنقریب اپنے کیئے کی سزا پائیں گے۔
وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ (۶-۱۱۴) اور جو کام وہ کرتے تھے وہی کرنے لگیں۔
وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا (۹-۲۴) اور مال جو تم کماتے ہو۔
لیکن اس کا بیشتر استعمال برے کام کرنے پر ہوتا ہے اسی بنا پر محاورہ ہے اَلْاِعْتِرَافُ يُزِيْلُ الْاِقْتِرَافَ کہ اعتراف جرم اجرم کو مٹا دیتا ہے۔
قَرَفْتُ فُلَانًا بِكَذَا میں نے فلاں پر تہمت لگائی۔
اور آیت کریمہ:۔ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ (۶-۱۱۳) کو بعض نے اسی معنی پر حمل کیا ہے۔ فُلَانٌ قَرَفَنِيْ فلاں نے

مجھ پر تہمت لگائی۔
رَجُلٌ مُقْرِفٌ دوغلا آدمی۔
قَارَفَ فُلَانٌ اَمْرًا اس نے بڑے کام کا ارتکاب کیا۔

(ق ر ن)

اَلْاِقْتِرَانُ۔ اِزْدِوَاجٌ کی طرح اِقْتِرَانٌ کے معنی بھی دو یا دو سے زیادہ چیزوں کے کسی معنی میں باہم مجتمع ہونے کے ہیں۔ قرآن میں ہے۔
اَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ (۴۳-۵۳) یا یہ ہوتا کہ فرشتے جمع کر اس کے ساتھ آتے۔
قَرَنْتُ الْبَعِيْرَ مَعَ الْبَعِيْرِ دو اونٹوں کو ایک رسی کے ساتھ باندھ دینا اور جس رسی کے ساتھ ان کو باندھا جاتا ہے اسے قَرَنٌ کہا جاتا ہے اور قَرَّنْتُهٗ (تفعیل) میں مبالغہ کے معنی پائے جاتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ (۳۸-۳۸) اور اوروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔
اور وہ آدمی جو دوسرے کا ہم عمر ہو یا بہادری، قوت اور دیگر اوصاف میں اس کا ہم پلہ ہو اسے اس کا قِرْنٌ کہا جاتا ہے اور ہم پلہ یا ہم سر کو قرین بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے۔
فُلَانٌ قِرْنُ فُلَانٍ اَوْ قَرِيْنُهٗ فلاں اس کا ہم عمر یا ہم سر ہے۔ قرآن میں ہے:۔
اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ (۳۷-۵۱) کہ میرا ایک ہم نشین تھا۔
وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ (۵۰-۲۳) اور اس کا ہم نشین (فرشتہ) کہے گا یہ (اعمال نامہ) میرے پاس تیار ہے۔

یہاں قرین سے مراد وہ فرشتہ ہے جسے دوسری جگہ شَهِيْدٌ (گواہ) کہا ہے۔
قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ (۵۰-۲۷) اس کا ساتھی (شیطان) کہے گا کہ اے ہمارے پروردگار میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا۔
فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (۴۳-۳۶) تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔
قَرِيْنٌ کی جمع قُرَنَاءُ ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ (۴۱-۲۵) اور ہم نے شیطان کو ان کا ہم نشین مقرر کر دیا۔
ایک زمانہ کے لوگ یا امت کو قَرْنٌ کہا جاتا ہے اس کی جمع قُرُوْنٌ ہے قرآن میں ہے:۔
وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (۱۰-۱۳) اور تم سے پہلے ہم کئی امتوں کو ... ہلاک کر چکے ہیں۔
وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ (۱۷-۱۷) اور ہم نے ... بہت امتوں کو ہلاک کر ڈالا۔
وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ (۱۹-۷۴-۹۸) اور ہم نے ان سے پہلے بہت امتیں ہلاک کر دیں۔
وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا (۲۵-۳۸) اور ان کے درمیان اور بہت سی جماعتوں کو بھی ....
ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ (۲۳-۳۱) پھر ان کے بعد ہم نے ایک اور جماعت پیدا کی۔
قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ (۲۳-۴۲) اور جماعتیں ....
اَلْقَرُوْنُ (بفتح القاف) کے معنی نفس کے بھی آتے ہیں کیونکہ وہ بھی جسم کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے نیز قَرُوْنٌ وہ اونٹ ہے جو چلتے وقت پچھلے پاؤں اگلے پاؤں کی جگہ پر رکھے گویا وہ ان کو باہم ملا رہا ہے۔
قَرَنٌ۔ ترکش جب کہ کمان کے ساتھ بندھا ہوا

ہو نَاقَۃٌ قَرُوْنٌ وہ اونٹنی جس کے پچھلے نفن باہم ملے ہوئے ہوں۔

اَلْقِرَانُ۔ حج اور عمرہ کو جمع کرنا اور مطلق دو چیزوں کے جمع کرنے پر بھی بولا جاتا ہے۔

قَرْنٌ جانور کا سینگ۔ کَبْشٌ اَقْرَنُ سینگوں والا مینڈھا مونث قَرْنَاءُ تشبیہ کے طور پر عورت کے عَفْلَۃ کو بھی قَرْنٌ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ سینگ کی شکل کا ایک مادہ ہوتا ہے جس سے مرد کے عضو مخصوص کو مجامعت کے وقت اس طرح تکلیف محسوس ہوتی ہے گویا اسے سینگ چبھ رہا ہے۔

قَرْنُ الْجَبَلِ۔ پہاڑ کا ابھرا ہوا حصہ۔ قَرْنُ الْمَرْءَۃِ عورت کے گیسو قَرْنُ الْمِرْآۃِ۔ آئینے کا فریم۔

قَرْنُ الْفَلَاۃِ جنگل کا کنارہ قَرْنُ الشَّمْسِ۔ آفتاب کا کنارہ قَرْنُ الشَّیْطَانِ شیطان کے سینگ الغرض ان تمام محاورں میں قَرْنٌ کا لفظ بطور تشبیہ کے استعمال ہوا ہے۔ اور ذُوالْقَرْنَیْنِ ایک مشہور بادشاہ کا لقب تھا جس کا قصہ سورہ کہف ۹۳ تا ۹۸ میں مذکور ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا[۱]

اِنَّ لَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَاِنَّکَ لَذُوْ قَرْنَیْھَا کہ جنت میں تمہارے لئے ایک مکان مخصوص ہے اور تم اس امت کے ذوالقرنین ہو یعنی بلحاظ مرتبہ کے اس امت میں ذوالقرنین کی شل ہو۔

(ق ر ی)

اَلْقَرْیَۃُ وہ جگہ جہاں لوگ جمع ہو کر آباد ہو جائیں تو بحیثیت مجموعی ان دونوں کو قریہ کہتے ہیں اور جمع ہونے والے لوگوں اور جگہ پر انفرادًا بھی قریہ بولا جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَاسْئَلِ الْقَرْیَۃَ (۱۲-۸۲) اور ۔۔۔۔ بستی سے دریافت کر لیجئے۔

میں اکثر مفسرین نے اہل کا لفظ محذوف مان کر قریہ سے وہاں کے باشندے مراد لئے ہیں لیکن بعض مفسرین نے کہا ہے کہ قَرْیَۃٌ کے معنی ہی باشندوں کے ہیں لہٰذا اہل کا لفظ محذوف ماننے کی ضرورت نہیں چنانچہ اسی معنی میں فرمایا:۔

وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا قَرْیَۃً کَانَتْ اٰمِنَۃً مُّطْمَئِنَّۃً (۱۶-۱۱۲) اور خدا ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو ہر طرح امن چین سے بستی تھی۔

وَکَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ ھِیَ اَشَدُّ قُوَّۃً مِّنْ قَرْیَتِکَ (۴۷-۱۳) اور بہت سی بستیاں تمہاری بستی سے ۔۔۔۔ زور و قوت میں کہیں بڑھ کر تھیں۔

اور آیت کریمہ:۔

وَمَا کَانَ رَبُّکَ لِیُھْلِکَ الْقُرٰی (۱۱-۱۱۷) اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں کہ بستیوں کو ۔۔۔۔ تباہ کر دے۔

میں اَلْقُرٰی ایک خاص شہر کا نام ہے اسی طرح آیت کریمہ:۔

وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ مِّنْ اَھْلِ الْقُرٰی (۱۲-۱۰۹) اور ہم نے تم سے پہلے بستیوں کے رہنے والوں میں سے مرد ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔

میں بھی اَلْقُرٰی شہر کا نام ہے۔ نیز فرمایا:۔

رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ الظَّالِمِ اَھْلُھَا (۴-۷۵) اے ہمارے پروردگار ہم کو اس شہر

---

[۱] الحدیث فی الفائق ۲ ر ۳۴۷ وغریب ابی عبید ۳ ر ۷۸ ونظیرہ فی قرینہا یعود الی الامۃ والعود الی المضمر اکثر فی القرآن وکلام العرب ۱۲

سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال کر کہیں اور لے جا۔

حکایت کی گئی ہے کہ ایک قاضی علی بن حسینؓ کے پاس آیا علی بن حسینؓ نے اس سے دریافت کیا کہ آیت:۔ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً (۳۴-۱۸) اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی ایک دوسرے کے متصل دیہات بنائے تھے۔

کے متعلق تمہارے علماء کا کیا خیال ہے تو اس نے کہا کہ وہ اَلْقُرٰی سے مکہ مراد لیتے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ تم نہیں جانتے کہ اس سے وہاں کے لوگ مراد ہیں تو میں (قاضی) نے کہا کہ کتاب اللہ میں اس کی کوئی دلیل بھی ہے۔ جہاں قریۃ سے مراد لوگ ہوں اس پر انہوں نے فرمایا کہ تم نے آیت کریمہ:۔ وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ ..... (۶۵-۸) اور بہت سی بستیوں کے رہنے والوں نے اپنے پروردگار اور اس کے پیغمبروں کے احکام کی سرکشی کی۔

نہیں پڑھی (یعنی یہاں قریۃ سے لوگ مراد ہیں) وَتِلْكَ الْقُرَى أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا (۱۸-۵۹) اور یہ بستیاں (جو ویران پڑی ہیں) جب انہوں نے (کفر سے) ظلم کیا تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ (۲-۵۸) اور جب ہم نے ان سے کہا اس گاؤں میں داخل ہو جاؤ۔

قَرَيْتُ الْمَاءَ فِي الْحَوْضِ میں نے حوض میں پانی جمع کیا۔ ....

قَرَيْتُ الضَّيْفَ قِرًى میں نے مہمان کی مہمانی کی۔

قَرَى الشَّيْءَ فِي فَمِهِ منہ میں کوئی چیز جمع کرنا۔

قَرَيَانُ الْمَاءِ پانی جمع ہونے کی جگہ۔

(ق س س)

اَلْقَسُّ وَالْقِسِّيسُ کے معنی رؤسائے نصاریٰ میں سے خدا پرست عالم کے ہیں چنانچہ فرمایا:۔ ذٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا (۵-۸۲)

یہ اس لئے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی۔ اصل میں قَسٌّ کے معنی رات کے وقت کسی چیز کی جستجو کرنے کے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے:۔ تَقَسَّسْتُ أَصْوَاتَهُمْ بِاللَّيْلِ میں نے رات کے وقت ان کی آوازوں کی جستجو کی۔

اَلْقَسْقَاسُ وَالْقَسْقَسُ کے معنی رات کے وقت رہنمائی کرنے والے کے ہیں۔

(ق س ر)

اَلْقَسْرُ (ن) کے معنی غلبہ اور تسلط کے ہیں۔ قَسَرْتُهُ وَاقْتَسَرْتُهُ میں نے اسے مجبور کیا۔

اسی سے اَلْقَسْوَرَةُ ہے جس کے معنی شیر کے ہیں نیز تیر انداز اور شکاری کو بھی قسورۃ کہتے ہیں چنانچہ آیت کریمہ:۔ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ (۷۴-۵۱) یعنی شیر سے ڈر کر بھاگ جاتے ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ قسورۃ سے مراد شیر ہے اور بعض نے تیرانداز اور بعض نے شکاری مراد لیا ہے[1]۔

---

[1] و فی الطبری ذہب الی الاول ابوہریرۃ و ابن عباس و زید بن اسلم و الی الثانی عکرمۃ و مجاہد و الی الثالث سعید بن جبیر دانظر الطبری ۲۹ / ۱۶۹)

(ق س ط)

اَلْقِسْطُ (اسم) نصف و نصفۃ کی طرح قسط بھی مبنی بر عدل حصہ کو کہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ (۱۰-۴) تاکہ ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے۔

وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ (۵۵-۹) اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو۔

اور قسط کے معنی دوسرے کا حق مارنا بھی آتے ہیں اس لئے یہ ظلم اور جور کے معنی میں استعمال ہوتا ہے

اَلْقَسَطُ پاؤں میں ٹیڑھا پن یہ اَفْحَجُ کی ضد ہے جس کے معنی پاؤں کے اگلے حصہ کی جانب سے ان کے نزدیک اور ایڑیوں کی جانب سے دور ہونے کے ہیں۔

اَلْاِقْسَاطُ اس کے اصل معنی کسی کو اس کا حق دینے کے ہیں اسی چیز کا نام انصاف ہے اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ قَسَطَ الرَّجُلُ (فَھُوَ قَاسِطٌ) کے معنی ظلم کرنے اور اَقْسَطَ کے معنی انصاف کرنے کے ہیں[1] قرآن میں ہے۔

وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَکَانُوْا لِجَھَنَّمَ حَطَبًا (۷۲-۱۵) اور گنہگار ہوئے وہ دوزخ کا ایندھن بنے۔

وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (۴۹-۹) اور انصاف سے کام لو کہ خدا انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

تَقَسَّطْنَا بَیْنَنَا ہم نے کسی چیز کو آپس میں برابر تقسیم کر لیا۔

چنانچہ اَلْقِسْطَاسُ ترازو کو کہتے ہیں اور لفظ میزان کی طرح اس سے بھی عدل و انصاف کے معنی مراد لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ (۱۷-۳۵) اور جب تول کر دو۔ تو ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو۔

(ق س م)

اَلْقَسْمُ وَالْقِسْمَۃُ (ض) کے معنی کسی چیز کے حصے کرنے اور بانٹ دینے کے ہیں مثلاً قِسْمَۃُ الْمِیْرَاثِ ترکہ کو وارثوں کے درمیان تقسیم کرنا قِسْمَۃُ الْغَنِیْمَۃِ مال غنیمت تقسیم کرنا چنانچہ قرآن میں ہے:۔

لِکُلِّ بَابٍ مِّنْھُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ (۱۵-۴۴) ہر ایک دروازے کے لئے ان میں سے جماعتیں تقسیم کر دی گئیں ہیں۔

وَنَبِّئْھُمْ اَنَّ الْمَاءَ قِسْمَۃٌ بَیْنَھُمْ (۵۴-۲۸) اور ان کو آگاہ کر دو کہ ان میں پانی کی باری مقرر کر دی گئی ہے۔

اِسْتَقْسَمْتُہٗ کے معنی کسی سے تقسیم چاہنا ہیں اور کبھی یہ بمعنی تَقَسَّمَ (تقسیم کرنا) بھی آتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِکُمْ فِسْقٌ (۵-۳) اور یہ بھی کہ پانسوں سے قسمت معلوم کرو یہ سب گناہ کے کام ہیں۔

رَجُلٌ مُّنْقَسِمُ الْقَلْبِ وہ آدمی جس کا دل تفکرات سے پریشان ہو گویا تفکرات نے اس کے دل کو تقسیم کر لیا ہے یہ مُتَوَزِّعُ الْخَاطِرِ و مُشْتَرِکُ اللُّبِّ کی طرح کا محاورہ ہے۔

اَقْسَمَ (افعال) کے معنی حلف اٹھانے کے ہیں یہ دراصل قَسَامَۃٌ سے مشتق ہے اور قَسَامَۃ ان قسموں کو کہا جاتا ہے جو اولیائے مقتول پر تقسیم کی

---

[1] وبہ صرح ابن السکیت فی الاقتضاب وابو عبیدۃ فی اضدادہ (البحر المحیط ۲/۳۵۱-۳۵۲)

جاتی ہیں پھر مطلق قسم کے معنی استعمال ہونے لگا ہے[1]۔ قرآن میں ہے:۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ (۱۶-۳۸) اور یہ خدا کی سخت سخت قسمیں کھاتے ہیں۔

أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ (۷-۴۹) کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھایا کرتے تھے۔

لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (۷۵-۱،۲) ہم کو روز قیامت کی قسم اور نفس لوامہ کی۔

فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ (۷۰-۴۰) ہمیں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی قسم۔

إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ (۶۸-۱۷) جب انہوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ہم صبح ہوتے اس کا میوہ توڑ لیں گے۔

فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ (۵-۱۰۶) اور دونوں خدا کی قسمیں کھائیں۔

المقاسمۃ والتقاسم باہم قسمیں اٹھانا قرآن میں ہے۔

وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ (۷-۲۱) اور ان کو قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیرخواہ ہوں۔

قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ (۲۷-۴۹) کہنے لگے کہ خدا کی قسم کھاؤ۔

وَفُلَانٌ مُقَسَّمُ الْوَجْهِ وَقَسِيمُ الْوَجْهِ کے معنی خوبرو کے ہیں اور الْقَسَامَةُ بمعنی حسن اصل میں قِسْمَةٌ سے ہے گویا ہر عضو کو اس کے مناسب حسن سے بہرہ ور کیا ہے اسلئے ان میں یگانگت ہو گئی ہے اور عدم تناسب نظر نہیں آتا بعض نے کہا ہے کہ خوب رو کو مُقَسَّمٌ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے حسن سے نظر کو تقسیم کر لیتا ہے یعنی نظر جسم کے کسی ایک حصہ پر جم کر نہیں رہ جاتی بلکہ ہر عضو کی طرف بار بار منتقل ہوتی رہتی ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ (۱۵-۹۰) جس طرح ان لوگوں پر نازل کیا جنہوں نے تقسیم کر دیا۔ میں مقتسمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو مکہ کی مختلف گھاٹیوں میں بٹ کر بیٹھ گئے تھے۔ تاکہ نووارد لوگوں کو اسلام سے روکیں اور رسول اللہ تک پہنچنے نہ دیں۔ بعض کے نزدیک وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ کے خلاف سازش کرنے پر قسمیں کھائی تھیں[2]۔

(ق س و)

الْقَسْوَةُ کے معنی سنگ دل ہونے کے ہیں یہ اصل میں حَجَرٌ قَاسٍ سے ہے جس کے معنی سخت پتھر کے ہیں۔

الْمُقَاسَاةُ سختی جھیلنا۔ قرآن میں ہے:۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ (۲-۷۴) پھر ... تمہارے دل سخت ہو گئے۔

فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ (۳۹-۲۲) پس ان پر افسوس ہے جن کے دل خدا کی یاد سے سخت ہو رہے ہیں۔

وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ (۲۲-۵۳) اور جن کے دل سخت ہیں۔

---

[1] ایضاً قسم یطلق علی الدلیل والشہادۃ کما فی قولہ تعالیٰ: وانہ لقسم لو تعلمون عظیم (۵۶-۷۶) [2] وبہ قال مقاتل واختارہ البیضاوی وقال ابن عباس وعکرمۃ المراد بہ اہل الکتاب وقال زید بن اسلم المراد منہ قوم صالح تقاسموا علی تبییت ... المقتسمین والتفصیل فی الطبری والقرطبی۔

وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قَاسِيَةً (۵-۱۳) اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔

ایک قرأت میں قَسِيَّةً ہے[1] یعنی ان کے دل خالص نہیں ہیں یہ دِرْهَمٌ قَسِيٌّ سے مشتق ہے جس کے معنی کھوٹے درہم کے ہیں جس میں رسکہ کی ملاوٹ کی وجہ سے صلابت پائی جائے۔ شاعر نے کہا ہے[2] (والبسط)

(۳۵۴) صَاحَ الْقَسِيَّاتُ فِيْ اَيْدِي الصَّيَارِيْفِ

کھوٹے درہم صرافوں کے ہاتھ میں آواز دیتے ہیں۔

(ق ش ع ر)

اَلْقُشَعْرِيْرَةُ رونگٹے کھڑے ہونا۔ قرآن میں ہے:۔ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ (۳۹-۲۳) جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔ اس سے ان کے بدنوں پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔

(ق ص ص)

اَلْقَصُّ کے معنی نشان قدم پر چلنے کے ہیں۔ محاورہ ہے۔ قَصَصْتُ اَثَرَهٗ یعنی میں اس کے نقش قدم پر چلا اور قَصَصٌ کے معنی نشان کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا (۱۸-۶۴) تو وہ اپنے اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے۔

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ (۲۸-۱۱) اور اس کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جا۔

اسی سے قَصِيْصٌ ہے جس کے معنی اس باقی ماندہ گھاس کے ہیں جس سے کھوج لگایا جا سکے۔

قَصَصْتُ ظُفْرَهٗ میں نے اس کے ناخن تراشے۔

اَلْقَصَصُ کے معنی اخبار متتبعہ کے ہیں قرآن میں ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ (۳-۶۲) یہ تمام بیانات صحیح ہیں۔

فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ (۱۲-۱۱۱) ان کے قصے میں ...... عبرت ہے۔

وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ (۲۸-۲۵) اور ان سے اپنا ماجرا بیان کیا۔

نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ (۱۲-۳) ہم تمہیں ایک اچھا قصہ سناتے ہیں۔

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ (۷-۷) پھر اپنے علم سے ان کے حالات بیان کریں گے۔

يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (۲۷-۷۶) بنی اسرائیل کے سامنے ..... بیان کر دیتا ہے۔

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ (۷-۱۷۶) تو ان سے یہ قصہ بیان کر دو۔

اَلْقِصَاصُ کے معنی خون کا بدلہ دینے کے ہیں چنانچہ فرمایا:۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ (۲-۱۷۹) حکم قصاص میں تمہاری زندگی ہے۔

وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ (۵-۴۵) سب زخموں کا اسی طرح بدلہ ہے۔

---

[1] وہی قراءۃ اہل الکوفۃ ۱۲ ۔ قال ابو زبید الطائی فی قصیدۃ یرثی بہا عثمان بن عفان الخلیفۃ و صدرہ لہا صواہل فی صم السلام کما۔ والسلام معناہ الصخر والبیت من شواہد الطبری (۶ : ۱۵۵) واللسان (قسا) والامالی (۱ : ۲۶) واللآلی (۱ : ۲۸) والبحر (۳ : ۴۴۵) والمعانی ۴ - ۱۲۰ ولبعض الابیات من الرثاء ایضا فی اللسان (امر) وراجع السمط (۱ : ۴۹) ۱۲

محاورہ ہے قَصَّ فُلَانٌ فُلَانًا وَضَرَبَهٗ ضَرْبًا فَأَقْصَهٗ فلاں کو مار مار کر مرنے کے قریب کر دیا۔ اَلْقَصُّ کے معنی چونہ کے ہیں۔ حدیث میں ہے[1] (۱۸۱) نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَقْصِيْصِ الْقُبُوْرِ کہ رسول اللہ نے قبروں کو گچ کرنے سے منع فرمایا۔

(ق ص د)

اَلْقَصْدُ (ض) راستہ کا سیدھا ہونا محاورہ ہے قَصَدْتُ قَصْدَهٗ میں اس کی طرف سیدھا گیا۔ اسی سے اِقْتِصَادٌ ہے اور اِقْتِصَاد دو قسم پر ہے (۱) محمود علی الاطلاق جو افراط و تفریط کے درمیان میں ہو جیسے سخاوت جو اسراف اور بخل کے مابین کو کہتے ہیں اور شجاعت جو لاپرواہی اور بزدلی کے درمیانی درجہ کا نام ہے چنانچہ اسی معنی کے لحاظ سے فرمایا:۔ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ (۳۱-۱۹) اور اپنی چال میں اعتدال کئے رہنا۔ اور اقتصاد کی اسی نوع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا الآیۃ (۲۵-۶۷) یعنی اعتدال کے ساتھ نہ ضرورت سے زیادہ نہ کم۔ (۲) قصد کا لفظ کنایہ کے طور پر ہر اس چیز پر بولا جاتا ہے جس کے محمود اور مذموم ہونے میں شبہ ہو یعنی جو نہ بالکل محمود ہو اور نہ بالکل مذموم بلکہ ان کے درمیان میں ہو مثلاً ایک چیز عدل و جور کے مابین ہو چنانچہ اسی معنی کے اعتبار سے فرمایا۔ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ (۳۵-۳۲) تو کچھ ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور کچھ میانہ رو ہیں۔

اسی طرح درمیانی مسافت پر بھی قصد کا لفظ بولا جاتا ہے۔ چنانچہ آیت وَسَفَرًا قَاصِدًا (۹-۴۲) اور سفر بھی ہلکا سا ہوتا۔ میں قَاصِدًا کے معنی معتدل سفر کے ہیں جو زیادہ دور کا نہ ہو اور بعض نے اس کا معنی سفر قریب لکھا ہے۔ لیکن اصل معنی وہی ہیں جو ہم نے بیان کر دیئے ہیں۔ اَقْصَدَ السَّهْمُ تیر کا لگ کر فوراً ہلاک کر دینا۔ گویا اس نے اپنے قصد کو پالیا۔ شاعر نے کہا ہے[2] (الکامل)

(۳۵۵) فَاَصَابَ قَلْبَكَ غَيْرَ اَنْ لَّمْ يُقْصِدِ

وہ تیرے دل پر لگا لیکن اس نے قتل نہیں کیا۔

اِنْقَصَدَ الرُّمْحُ کے معنی نیزہ ٹوٹ جانے کے ہیں اور تَقَصَّدَ بمعنی تَكَسَّرَ کے ہے۔

قَصَدَ الرُّمْحُ نیزہ توڑ دیا۔

نَاقَةٌ قَصِيْدٌ گوشت سے گتھی ہوئی اونٹنی۔

اَلْقَصِيْدُ کم از کم سات اشعار کی نظم۔

(ق ص ر)

اَلْقِصَرُ یہ طول کی ضد ہے اور یہ دونوں اسمائے نسبتی سے ہیں جو ایک دوسرے پر قیاس کے ذریعہ سمجھے جاتے ہیں۔

قَصُرْتُ کَذَا کے معنی کسی چیز کو کوتاہ کرنیکے

---

[1] رواہ احمد فی مسندہ ۶/۲۹۹ من روایۃ ام سلمۃ وفی معناہ روایات فی السنن (مجمع الزوائد ۳/۶۱) [2] قالہ النابغۃ فی قصیدۃ فی وصف المتجردۃ امرأۃ نعمان مطلعہا: أمن آل میۃ رائح او مغتدی۔ عجلان ذا زاد وغیر مزود و صدر البیت: فی اثرہا بینۃ امنک بسہما والقصیدۃ فی دیوانہ ۴۳-۳۹ والبیت فی مختار الشعر الجاہلی (۱/۱۰) واللسان (قصد) والعقد الثمین ۹ وفی ۲۳ بیتا والجنی (۱: ۸۰)

ہیں اور تقصیر کے معنی کوتاہی اور سستی کے ہیں اور قَصَرْتُ کَذَا کے معنی سکیڑنے اور کسی چیز کے بعض اجزاء کو بعض کے ساتھ ملانے کے بھی آتے ہیں۔ اسی سے قَصْر بمعنی محل ہے اس کی جمع قُصُوْرٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَقَصْرٍ مَّشِيْدٍ (۲۲-۴۵) اور بہت سے محل۔

وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا (۲۵-۱۰) نیز تمہارے لئے محل بنا دے گا۔

اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ (۷۷-۳۲) اس سے آگ کی اتنی (بڑی بڑی) چنگاریاں اٹھتی ہیں۔ جیسے محل۔

بعض نے کہا ہے کہ قَصْر جمع ہے اور اس کے معنی درخت کی جڑوں کے ہیں۔ اس کا واحد قَصْرَةٌ ہے جیسے جَمْرَةٌ وَجَمْرٌ اور ان شراروں کو قَصْر کے ساتھ تشبیہ دینا ایسے ہی ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ان کو۔

كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ (۷۷-۳۳) گویا زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔

کہا ہے اور قَصَرْتُهٗ کے معنی محل میں داخل کرنے کے ہیں اور اسی سے ارشاد الٰہی ہے۔

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ (۵۵-۷۲) وہ حوریں ہیں جو خیموں میں مستور ہیں۔

قَصَرَ الصَّلٰوةَ بموجب رخصت شرعی کے نماز کے بعض ارکان کو ترک کر کے اسے کم کر کے پڑھنا۔ قرآن میں ہے:۔

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ (۴-۱۰۱) تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو۔

قَصَرْتُ اللِّقْحَةَ عَلٰى فَرَسِيْ اونٹنی کا دودھ اپنی گھوڑی کے لئے مخصوص کر دیا۔

قَصَرَ السَّهْمُ عَنِ الْهَدَفِ۔ تیر کا نشانے تک نہ پہنچنا۔

اِمْرَاَةٌ قَاصِرَةُ الطَّرْفِ وہ عورت جو نا جائز نظر اٹھا کر نہ دیکھے۔ قرآن میں ہے:۔

فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ (۲۷-۴۸) ان میں نیچی نگاہ والی عورتیں ہیں۔

تَقْصِيْرُ شَعْرِهٖ بال کتروانا۔ قرآن میں ہے:۔

مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ (۴۸-۲۷) اپنے سر منڈوا کر اور بال کتروا کر۔

قَصَرَ فِيْ كَذَا کسی کام میں سستی کرنا۔

قَصَرَ عَنْهُ کسی کام کے کرنے سے عاجز ہونا۔

اَقْصَرَ عَنْهُ باوجود قدرت کے کوئی کام کرنے سے باز رہنا۔

اِقْتَصَرَ عَلٰى كَذَا تھوڑی چیز پر اکتفا کرنا۔

اَقْصَرَتِ الشَّاةُ بوڑھا ہونے کی وجہ سے بکری کے دانتوں کے اطراف کا کوتاہ ہو جانا۔

اَقْصَرَتِ الْمَرْءَةُ چھوٹے قد کی اولاد جننا

تِقْصَارٌ چھوٹا سا ہار۔

اَلْقَوْصَرَةُ کھجور ڈالنے کی زنبیل جو کھجور کے پتوں یا نرکل کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔

(ق ص ف)

اَلْقَاصِفُ (باد سخت شکنندہ) تیز اور سخت ہوا۔ جو درختوں اور عمارتوں کو توڑتی ہوئی چلی جائے۔ قرآن میں ہے:۔

فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ پھر تم پر تیز ہوا چلا دے۔

۱؎ ومنہ قولہ تعالیٰ ثم لا یقصرون (۷-۲۰۲)

رَعْدٌ قَاصِفٌ بڑے زور کی گرج جس کی آواز میں تکسر ہو اسی سے مَعَازِف یعنی آلات موسیقی کی آواز کو قَصْفٌ کہا جاتا ہے اور مجازاً ہر قسم کی لہو کو قَصْفٌ کہہ دیتے ہیں ۔

(ق ص م)

اَلْقَصْمُ (ض) کے معنی ہلاک کرنے اور کسی چیز کو توڑ دینے کے ہیں۔ قرآن میں ہے ۔
وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً (۲۱-۱۱) اور ہم نے بہت سی بستیوں کو جو ستمگار تھیں ہلاک کر مارا ۔
یعنی انہیں توڑ مروڑ کر ریزہ ریزہ اور ہلاک کر دیا۔ اور ہلاکت کو قَاصِمَةُ الظَّهْرِ کہا جاتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ۔
وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰى (۲۸-۵۹) اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتے ۔
اَلْقُصَمُ وہ آدمی جو ہر منفادمت کرنے والے کو توڑ ڈالے ۔

(ق ص و)

اَلْقَصْىُ کے معنی بُعد یعنی دوری کے ہیں اور قَصِیٌّ بعید کو کہا جاتا ہے محاورہ ہے :۔
قَصَوْتُ عَنْهُ میں اس سے دور ہوا ۔ اَقْصَيْتُهُ میں نے اسے دور کر دیا ۔ اَلْمَكَانُ الْاَقْصٰى دور دراز جگہ ۔ اَلنَّاحِيَةُ الْقُصْوٰى دور یا کنارہ اسی سے قرآن میں ہے :۔
وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى (۲۸-۲۰) اور ایک شخص شہر کی پرلی طرف سے دوڑتا ہوا آیا ۔
اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى (۱۷-۱) مسجد اقصی یعنی بیت المقدس تک ۔
میں المسجد الاقصی سے مراد بیت المقدس ہے اور اسے اَلْاَقْصٰى مخاطبین یعنی آنحضرت ؐ اور صحابہ کرام کے مقام سکونت کے اعتبار سے کہا ہے ۔ کیونکہ وہ مدینہ سے دور تھی ۔
وَاِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى (۸-۴۲) جس وقت تم (مدینے سے) قریب کے ناکے پر تھے اور کافر بعید کے ناکے پر ۔
تَصَوَّتُ الْبَعِیْرَ کے معنی اونٹ کا کان قطع کرنے کے ہیں اور کان کٹی اونٹنی کو نَاقَةٌ قَصْوَاءُ کہا جاتا ہے اور اس معنی میں بَعِیْرٌ اَقْصٰى کا محاورہ بھی منقول ہے قَصِيَّةٌ اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے جو کام کاج سے دور رکھی گئی ہو (اصیل اونٹنی)

(ق ض ض)

قَضَضْتُهُ فَانْقَضَّ میں نے اسے گرایا تو وہ گر پڑا ۔
اِنْقَضَّ الْحَائِطُ دیوار گر پڑی ۔ قرآن میں ہے ۔
يُرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ (۱۸-۷۷) وہ (جھک کر) گرا چاہتی تھی (خضر نے) اس کو سیدھا کر دیا ۔
اَقَضَّ عَلَيْهِ مَضْجَعُهٗ خواب گاہ کا کنکر آلود ہونا (بے چینی کی وجہ سے نیند نہ آنا)

(ق ض ب)

اَلْقَضْبُ (اسم) کے معنی لمبے اور پھیلے

ل کما فی قولہ تعالٰی۔ مکانًا قصیا (۱۹-۲۲)

ہوئے درخت کے ہیں. مگر آیت کریمہ:۔

فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا (۸۰-۲۷، ۲۸)

پھر ہم ہی نے اس میں اناج اگایا اور انگور اور ترکاری ۔ میں قضب سے مراد تازہ گھاس اور ترکاریاں ہیں[1]۔

اَلْمَقَاضِبُ وہ زمین جہاں ساگ پات وغیرہ اگتا ہو۔

اَلْقَضِيْبُ بمعنی قضب ہے لیکن درخت کی تر و تازہ شاخوں کو قَضِيْبٌ اور سبزی ترکاری وغیرہ کو قَضْبٌ کہا جاتا ہے۔ نیز اَلْقَضْبُ (مصدر) کے معنی سبزی ترکاری اور تر و تازہ شاخوں کو قطع کرنا بھی آتے ہیں ایک روایت میں ہے[2] (۸۲)

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَاٰى فِىْ ثَوْبٍ تَصْلِيْبًا قَضَبَهٗ کہ آنحضرت جب کسی کپڑے میں صلیب کے نشانات دیکھتے تو اسے قطع کر دیتے۔

سَيْفٌ قَاضِبٌ وَقَضِيْبٌ قاطع تلوار۔

یہ فعیل بمعنی فاعل ہے اور اس سے پہلی مثال میں بمعنی مفعول اس طرح نَاقَةٌ قَضِيْبٌ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو اونٹوں سے الگ کر لی گئی ہو اور قضیب ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کاٹ کر جدا کر دی گئی ہو اور جو چیز غیر مہذب یعنی کانٹ چھانٹ کر درست نہ کی گئی ہو اسے مقتضب کہا جاتا ہے اور اسی سے اقتضب حدیثا کا محاورہ ہے جس کے معنی فی البدیہہ بات کہنے کے ہیں۔

(ق ض ی)

اَلْقَضَاءُ کے معنی قولاً یا عملاً کسی کام کا فیصلہ کر دینے کے ہیں اور قضاء قولی و عملی میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں[3]۔ قضاء الٰہی اور قضاء بشری چنانچہ قضاء الٰہی کے متعلق فرمایا۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ (۱۷-۲۳)

اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

وَقَضَيْنَا اِلٰى بَنِىْ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ (۱۷-۴)

اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل سے کہدیا تھا...۔

یہاں قضاء سے مراد قطعی طور پر اطلاع دینے اور حکما فیصلہ کر دینے کے ہیں یعنی ہم نے انہیں اطلاع دے دی اور وحی کے ذریعہ قطعی طور پر حکم دے دیا تھا۔ اور آیت کریمہ:۔

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ (۱۵-۶۶) اور ہم نے لوط کی طرف وحی بھیجی کہ ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہوتے کاٹ دی جائے گی۔

میں بھی یہی معنی مراد ہے۔

فعلاً قضاء الٰہی کے متعلق فرمایا:۔

وَاللّٰهُ يَقْضِىْ بِالْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَىْءٍ (۴۰-۲۰) اور خدا سچائی کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کچھ بھی حکم نہیں دے سکتے۔

---

[1] قال فی الکشاف والقضب الرطبۃ وفی الصحاح القضبۃ والقضب الرطب قال بعض الفضلاء القضب ہو المسمی فی مصر بالبرسیم الحجازی (الکشاف وذیلہ ۴ر۷۰۴) [2] الحدیث فی الفائق ۲ر۱۷۵ وغریب ابی عبید (۱: ۳۲) و باختلاف الفاظہ فی ابی داؤد وعن عائشۃ راجع کنز العمال ۸ رقم ۵۹۹ [3] وذکر الفخر (۲۰، ۱۵۳) للفظ القضاء ثلاثۃ معان (۱) بمعنی الحکم والامر کما فی (۱۷-۲۳) و (۲) بمعنی الخبر والاعلام (۱۷-۴) و (۳) بمعنی صفۃ الفعل اذا تم کما فی (۴۱-۱۲) کذا فی البخاری۔

اور آیت کریمہ:۔

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ (۴۱-۱۲)

پھر دو دن میں سات آسمان بنائے . . .

میں اللہ تعالیٰ کے ایجاد ابداعی اور اس سے فارغ ہونے کی طرف اشارہ ہے جیسے فرمایا:۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۲-۱۱۷) وہی آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔

اور آیت کریمہ[1]:۔

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ (۴۲-۱۴) اگر ایک وقت مقرر تک کے لئے بات نہ ٹھہر چکی ہوتی تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا۔

میں قُضِيَ بمعنی فُصِلَ ہے یعنی ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور قضاء البشری بذریعہ قول جیسے قَضَى الْحَاكِمُ بِكَذَا۔ حاکم نے فلاں فیصلہ کیا۔ کیونکہ حاکم ہمیشہ زبان کے ساتھ فیصلہ دیتا ہے اور قضاء البشری بذریعہ فعل کے متعلق فرمایا۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ (۲-۲۰۰) پھر جب حج کے تمام ارکان پورے کر چکو۔

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ (۲۲-۲۹) پھر چاہئے کہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں اور نذریں پوری کریں۔

اور نیز فرمایا:۔

ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ (۲۸-۲۸) مجھ میں اور آپ میں یہ عہد پختہ ہوا کہ میں جونسی مدت چاہوں پوری کر دوں پھر مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا (۳۳-۳۷) پھر جب زید نے اس سے کوئی حاجت متعلق نہ رکھی۔

ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ (۱۰-۷۱) پھر وہ کام میرے حق میں کر گزرو۔

یعنی تم میرے متعلق اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنالو۔ اور آیت کریمہ:۔

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (۲۰-۷۲) تو آپ کو جو حکم دینا ہو دے دیجئے اور آپ جو حکم دے سکتے ہیں وہ صرف اسی دنیا کی زندگی میں دے سکتے ہیں۔

اور اسی طرح شعر[2] (الطویل)

(۳۵۶) قَضَيْتَ اُمُوْرًا ثُمَّ غَادَرْتَ بَعْدَهَا

تم نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے امور سرانجام دیئے۔ پھر اس کے بعد . . . . چھوڑ دیئے ہیں، میں دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔

یعنی قضاء قولی بھی اور قضاء فعلی بھی۔

اور کبھی قضاء سے موت مراد ہوتی ہے جیسے کہا جاتا ہے قُلَانٌ قَضٰى نَحْبَهٗ یعنی اس نے اپنے

---

[1] زِدْتُ من المصحح فالصواب الی اجل بدل لولا اجل ۱۲ [2] قالہ شاعر فی رثاء عمرؓ وتمامہ: بوائج فی اکمامھا لم تفتق وفی روایۃ بوائق بدل بوائج والشعر مما اختلف فی قائلہ نسبہ ابو تمام للشماخ بن ضرار وتابعہ الحصری فی زہرۃ (۴: ۱۱۵) وابن درید فی اشتقاقہ ۹۹ اوکذا فی اللسان والصحاح (بوج) والبیت لیس فی دیوان شماخ ونسبہ الجاحظ فی البیان (۳: ۳۶۴) وابو الطیب فی ابدالہ (۱: ۲۴) لمزرد بن ضرار الغطفانی اخا الشماخ الاکبر (۱: ۱۳۶ / ۲۳۱) وفی الاغانی (۸: ۱۰۲) والفائق (۱: ۶۲) الی الجن والبیت فی الطبری (۱: ۵۰۹) والمشکل للقتبی ۲۴۳ والبحر (۵: ۳۵۵) بغیر عزو قال فی ذیل الامال، والصحیح انہ لجزء اخی الشماخ راجع المرزوقی رقم ۳۰۸ والیہ نسب ابن درید فی الاشتقاق فی ۲۸۴ وشماخ ہذا اسمہ معقل بن ضرار راجع لترجمتہ والاغانی (۸: ۹۷-۱۰۴) والمؤتلف ۱۳۸ واللآلی ۵۸-۵۹ والخزانۃ (۱: ۵۱۶) والشعراء ۲۸۴ والاشتقاق ۱۷۴

÷ ÷ ÷ ÷

دنیاوی امور جو اس کے ساتھ مخصوص تھے پورے کر لئے یعنی فوت ہو گیا۔ چنانچہ آیت کریمہ :-
فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ
(۳۳-۲۳) تو ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں۔

کے بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ انہوں نے اپنی نذر پوری کر لی۔ کیونکہ انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا کہ وہ جان قربان کر دیں گے اور کبھی بھی دشمنوں سے شکست کھا کر نہیں بھاگیں گے۔ مگر بعض نے اس کے معنی فوت ہو جانا بھی کئے ہیں۔ اور آیت کریمہ :-
ثُمَّ قَضٰى اَجَلًا وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ (۶-۲)
پھر مرنے کا ایک وقت مقرر کر دیا اور ایک مدت اس کے ہاں اور مقرر ہے۔

میں بعض نے کہا ہے کہ اجل اول سے دنیاوی زندگی مراد ہے اور ثانی سے موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا مراد ہے اور ارشاد الٰہی :-
يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ (۶۹-۲۷) اے کاش موت (ابد الآباد کے لئے میرا کام) تمام کر چکی ہوتی۔
وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ (۴۳-۷۷)
اور پکاریں گے کہ اے مالک تمہارا پروردگار ہمیں موت دے دے۔

میں بھی موت سے کنایہ ہے۔ نیز فرمایا :-
فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ (۳۴-۱۴) پھر جب ہم نے ان کے لئے موت کا حکم صادر کیا تو کسی چیز سے ان کا مرنا معلوم نہ ہوا مگر گھن کے کیڑے سے۔

قَضَى الدَّيْنَ قرض ادا کرنا۔

اور اِقْتِضَاءٌ کے معنی قرض کی واپسی کا مطالبہ کرنے ہیں۔ اور اسی سے ھٰذَا يَقْتَضِيْ كَذَا محاورہ ہے اور آیت کریمہ :-
لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ (۱۰-۱۱) تو ان کی عمر کی میعاد پوری ہو چکی ہوتی۔

کے معنی یہ ہیں کہ ان کی دنیاوی زندگی کی میعاد پوری کر دی جاتی۔

قَضَاءُ الٰہی قَدَرٌ (تقدیر) سے اخص ہے۔ کیونکہ قضاء کے معنی تقدیر کو قطعی کر دینے کے ہیں لہذا قَدَرٌ (بمعنی تقدیر ہے اور قضاء اس کا فیصلہ کرنے کا نام ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ قَدَرٌ (بمنزلہ اس چیز کے ہے جو ماپ کے لئے تیار کی گئی ہو۔ اور قضاء بمنزلہ ناپنے کے ہے جیسا کہ مروی ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے ملک شام سے بوجہ طاعون کے واپسی کا ارادہ کیا تو ابوعبیدہؓ نے کہا[1] (۸۳/۲) اَتَفِرُّ مِنَ الْقَضَاءِ (کیا تم قضاء الٰہی سے بھاگ رہے ہو) تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اَفِرُّ مِنْ قَضَاءِ اللّٰهِ اِلٰى قَدَرِ اللّٰهِ کہ میں قضاء الٰہی سے تقدیر الٰہی کی طرف بھاگتا ہوں۔ تو اس میں تنبیہ ہے کہ تقدیر جب تک قضا کے مرحلہ میں داخل نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے (دعا وغیرہ کے وسیلہ سے) روک دے لیکن جب اللہ تعالیٰ قضا یعنی قطعی فیصلہ کر دے تو کسی حیلہ سے اسے روکنا ممکن نہیں ہوتا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے۔

[1] رواہ البخاری ۲/۸۵۳ (طبعہ ہند) من حدیث عبد اللہ بن عباس وعبد الرحمن بن عامر لکن لفظہ نفر من قدر اللہ الی قدر اللہ واصل الحدیث متفق علیہ۔

وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا (۱۹-۲۱) اور یہ کام مقرر ہو چکا ہے۔
کَانَ عَلٰی رَبِّکَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا (۱۹-۷۱) یہ تمہارے پروردگار پر لازم اور مقرر ہے۔
اور اسی طرح آیت کریمہ:۔
وَقُضِیَ الْاَمْرُ (۱۱-۴۴) اور کام تمام کر دیا گیا۔ میں قُضِیَ کے معنی فُصِلَ کے ہیں یعنی قطعی فیصلہ کر دیا گیا کہ اس کی تلافی نہیں ہو سکتی اسی طرح فرمایا:۔
فَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا (۲-۱۱۷) اور جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے۔
اور ہر وہ قول جس میں نفع یا اثبات قطعی کا حکم پایا جائے اسے قَضِیَّۃ کہا جاتا ہے اسی لئے یہ صدق و کذب کے ساتھ متصف ہوتا ہے اور اسی بنا پر بعض نے کہا ہے کہ تجربہ خطرناک امر ہے اور قضاء مشکل یعنی کسی چیز کے متعلق یہ فیصلہ کرنا کہ یہ یوں ہے یا یوں نہیں ہے نہایت ہی مشکل امر ہے حدیث میں ہے آنحضرت نے فرمایا (۴۸) عَلِیٌّ اَقْضَاکُمْ کہ علیؓ تم سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں۔۱؎

(ق ط ط)

اَلْقِطُّ حصہ حساب کا رجسٹر قرآن میں ہے:۔
وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ (۳۸-۱۶) اور کہتے ہیں کہ ہمارے پروردگار ہم کو ہمارا حصہ حساب کے دن سے پہلے ہی دے دے۔
اَلْقِطُّ اصل میں صحیفہ کو کہتے ہیں پھر جو چیز (یعنی حکم وغیرہ) لکھا گیا ہو اور جس چیز میں لکھا گیا ہو دونوں کو قِطٌّ کہنے لگے ہیں اور کبھی صرف اس (فیصلہ وغیرہ) کو قِطٌّ کہا جاتا ہے جو کسی چیز پر لکھا گیا ہو جیسا کہ کلام کو کتاب کہا جاتا ہے اگرچہ وہ لکھی ہوئی نہ ہو۔۲؎
اصل میں قِطٌّ اس چیز کو کہا جاتا ہے جو عرض میں قطع کی گئی ہو جیسا کہ (اس کے بالمقابل) قَدٌّ اس چیز کو کہا جاتا ہے جو طول میں قطع کی گئی ہو۔ پھر (محاورہ میں) اس معین حصہ کو (بھی) قِطٌّ کہا جاتا ہے جو کاٹ کر الگ کر لیا گیا ہو چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے آیت مذکورہ میں یہی معنی مراد لئے ہیں۔
مَا رَاَیْتُہٗ قَطُّ میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا تو قَطُّ سے خاص زمانہ مراد ہے۔
قَطْنِیْ (اسم فعل) مجھے کافی ہے۔۳؎

(ق ط ر)

اَلْقُطْرُ کے معنی جانب اور طرف کے ہیں اس کی جمع اَقْطَارٌ ہے قرآن میں ہے:۔
اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۵۵-۳۳) اگر تمہیں قدرت ہو کہ آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ۔
وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَیْہِمْ مِّنْ اَقْطَارِہَا (۳۳-۱۴)

۱؎ عن ابن عباس فی حدیث مرفوع وفی عبدالرزاق عن قتادۃ مرسلاً وعن انس اخرجہا البغوی فی شرح السنۃ والمصابیح وفی معناہ احادیث رواہا اصحاب السنن (المقاصد رقم ۱۴۲) وایضاً قال عمر فیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی اقضانا وابی اقرؤنا (المستدرک ۳/۳۰۵) ۲؎ وعند اکثر اہل التفسیر المراد منہ صحیفۃ الاعمال وقال قتادۃ المراد منہ نصیب العذاب وعن سعید بن جبیر نصیب من الجنۃ (راجع الطبری ۲۳/۱۳۵-۱۴۲) ۳؎ قال فی التنبیہ ۱۶۱-۱۶۲ تاتی قط بمعنی حسب وکفی تقول قط عبداللہ درہم وقطنی درہم وعند اہل البصرۃ تکون مضافاً الی ما بعدہا تقول قط عبداللہ درہم وحینئذ تکون مخففۃ ومثقلۃ واما فی الزمان والعدد فلا تاتی الا مثقلۃ ۱۲

اور اگر فوجیں اطراف مدینہ سے ان پر آ داخل ہوں۔

قَطَّرَهٗ تَقْطِيْرًا کسی کو پہلو پر گرا دینا۔

اسی سے قَطَرَ الْمَطَرُ کا محاورہ ہے جس کے معنی بارش برسنے کے ہیں اور اسی وجہ سے بارش کو قَطْرٌ کہا جاتا ہے۔

تَقَاطَرَ الْقَوْمُ لوگ بارش کے قطروں کی طرح پیہم آئے۔ اسی سے اونٹوں کی قطار کو قطار کہا جاتا ہے مثل مشہور ہے[1]

اَلنِّقَاضُ يُقَطِّرُ الْجَلَبَ یعنی توشہ ختم ہو جائے تو عمدہ اونٹ بھی فروخت کے لئے منڈی میں لے جاتے ہیں۔

اَلْقَطِرَانُ کے معنی پگھلی ہوئی رال یا گندھک کے ہیں قرآن میں ہے

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ (۱۴-۵۰) ان کے کرتے گندھک کے ہوں گے۔

ایک قرات میں قِطْرٍ آنٍ ہے جس کے معنی پگھلے ہوئے گرم تانبے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا (۱۸-۹۶) (اب) میرے پاس تانبا لاؤ کہ اس پر پگھلا کر ڈال دوں یہاں قِطْرًا کے معنی پگھلا ہوا تانبا کے ہیں۔

(ق ط ع)

اَلْقَطْعُ کے معنی کسی چیز کو علیحدہ کر دینے کے ہیں خواہ اس کا تعلق حاسۂ بصر سے ہو جیسے اجسام وغیرہ یا بصیرت سے ہو۔ جیسے معنوی چیزیں۔ چنانچہ اسی سے اعضاء کا قطع کرنا۔ قرآن میں ہے

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ (۷-۱۲۴) میں پہلے تو تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسرے طرف کے پاؤں کٹوا دونگا۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (۵-۳۸) اور جو چوری کرے مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔

وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (۴۷-۱۵) اور ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائیگا تو انکی انتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا۔

اور اسی سے قطع ثوب ہے جیسے فرمایا:۔

فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ جو کافر ہیں ان کے لئے آگ کے کپڑے قطع کئے جائیں گے (۲۲-۱۹)

اور قطع طریق کے دو معنی آتے ہیں (۱) راستہ طے کرنا (۲) رہزنی کرنا۔ جیسے فرمایا:۔

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ (۲۹-۲۹) تم کیوں (لذت کے ارادے سے) لونڈوں کی طرف مائل ہوتے اور مسافروں کی رہزنی کرتے ہو۔

یہاں قطع سبیل کے وہی معنی ہیں جس کی طرف کہ آیت اَلَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (۱۱-۱۹) جو خدا کے رستے سے روکتے ہیں۔

اور آیت:۔

فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ (۲۹-۳۸) اور ان کو سیدھے رستے سے روک دیا۔

میں اشارہ فرمایا ہے اور راہ گیروں کو لوٹنے پر قطع اس لئے بولا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے لوگ راہ چلنا چھوڑ دیتے ہیں۔ تو گویا یہ راستہ کو قطع

---

[1] وفی المطبوع الانفاض والتصویب من الاصول راجع المثل (جلب) والمشکل للقتبی ۲۰ ومجمع الامثال ۲/۱۲۲ ومعناہ افلح بالک قیل انہ سطرق الافساد قال فی اللسان (نفض) وکان ثعلب یفتح النون ویقول معناہ الجدب یسکن فی مجاصبہ ۳۰۴ قال والنقاض مضم النون

کرنا ہے قَطْعُ الْمَاءِ بِالسَّبَاحَةِ پیراکی کے ذریعہ پانی عبور کرنا قَطْعُ الْوَصْلِ تعلق قطع کر لینا۔ قَطْعُ الرَّحِمِ رشتہ کاٹ لینا یا احسان کو روک لینا قرآن میں ہے:۔

وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ (۴۷-۲۲) اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو۔

وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ (۲-۲۷) اور جس چیز (یعنی رشتہ قرابت) کے جوڑ رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے اس کو قطع کر ڈالتے ہیں۔

اور آیت کریمہ:۔

ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ (۲۲-۱۵) پھر اس سے اپنا گلا گھونٹ لے پھر دیکھے۔۔۔۔۔۔۔

کے معنی بعض نے رسی کاٹ دینا کئے ہیں تاکہ وہ زمین پر گر پڑے اور بعض نے کہا ہے کہ گلے میں پھانسی ڈال کر زندگی کو قطع کر دینا مراد ہے اور یہی معنی حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہیں۔

قَطْعُ الْاَمْرِ کے معنی کسی کام کا فیصلہ کرنے کے ہیں اسی سے فرمایا:۔

مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا (۲۷-۳۲) میں کسی کام کو فیصل کرنے والی نہیں۔

اور آیت کریمہ:۔

لِيَقْطَعَ طَرَفًا (یہ خدا نے) اس لئے (کیا) کہ کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک۔۔۔۔ کر دے۔

کے معنی کفار کی ایک جماعت کو ہلاک کر دینے کے ہیں قَطْعُ دَابِرِ الْاِنْسَانِ کے معنی نوع انسانی کو فنا کر دینے کے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (۶-۴۵) غرض ظالم لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی۔

اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ (۱۵-۶۶) تو ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہوتے کاٹ دی جائے گی اور آیت کریمہ:۔

اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ (۹-۱۱۰) مگر یہ کہ ان کے دل پاش پاش ہو جائیں۔

میں تقطع قلوب سے مر جانا مراد ہے اور یا اس سے مراد ایسی توبہ کرنے کے ہیں کہ اپنی کوتاہیوں پر ندامت کی وجہ سے انسان کا دل پارہ پارہ ہو جائے۔

قِطْعٌ مِّنَ اللَّيْلِ کے معنی رات کے ایک حصہ کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ (۱۱-۸۱) تو کچھ رات رہے سے اپنے گھر والوں کو لے کر چل دو۔

اَلْقَطِيْعُ بکریوں کا ریوڑ جمع قُطْعَانٌ۔

یہ معنی قطع سے مشتق ہے جیسا صِرْمَةٌ اور فِرْقَةٌ وغیرہ الفاظ کے معنی جماعت کے آتے ہیں اور ان میں قطع کا معنی پایا جاتا ہے۔

اَلْقَطِيْعُ کے معنی کوڑا بھی آتے ہیں۔ محاورہ ہے۔ اَصَابَ بِئْرَهُمْ قُطْعٌ (گرمی کی وجہ سے) ان کے کنوئیں کا پانی ختم ہو گیا۔

مَقَاطِعُ الْاَوْدِيَةِ وادیوں کے سرے۔

(ق ط ف)

قَطَفْتُ (ض) الثَّمَرَ قَطْفًا کے معنی پھل چننا کے اور درخت سے توڑے ہوئے پھل کو قِطْفٌ کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع قُطُوْفٌ آتی ہے قرآن میں ہے:۔

قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ (۶۹-۲۳) جن کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے۔

قَطَفَتِ الدَّابَّةُ قَطْفًا۔ جانور کا آہستہ چلنا اور ایسے جانور کو قَطُوْفٌ کہا جاتا ہے اور جانور کے

متعلق اس کا استعمال صرف تشبیہ اور استعارہ کے طور پر ہوتا ہے۔ یعنی دابۃ کو قَاطِفٌ (پھل چننے والا) کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے جیسا کہ نقص کے ساتھ کوئی چیز متصف ہوتی ہے۔ وَقَدْ تقدم ذکرہ
اَقْطَفَ الْکَرْمُ انگور چننے کا موسم قریب آگیا۔ اور جو انگور پک کر زمین پر گر پڑیں انہیں قِطَافَۃ کہا جاتا ہے اور یہ قِفَایَۃ کی طرح ہے۔

(ق ط م ر)

اَلْقِطْمِیْرُ (نقطہ سپید بر پشت دانہ کرخرما از دسے روید) قرآن میں ہے:۔
وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ مَا یَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ (۳۵-۱۳) اور جن لوگوں کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے نقطہ سپید کے برابر بھی تو کسی چیز کے مالک نہیں۔
قِطْمِیْرٌ کے معنی اس ہلکے سے سپید نقطہ کے ہیں جو گٹھلی پر ہوتا ہے۔ یہ حقیر اور بے قدر چیز کے لئے ضرب المثل ہے۔

(ق ط ن)

اَلْیَقْطِیْنُ گیاہ بے ساق مثل درخت کدو و مانند آں۔ قرآن میں ہے:۔
وَاَنْبَتْنَا عَلَیْہِ شَجَرَۃً مِّنْ یَقْطِیْنٍ (۳۷-۱۴۶) اور ان پر کدو کا درخت اگایا۔
اَلْقُطْنُ روئی قَطَنُ الْحَیَوَانِ میاں دوران۔

(ق ع د)

اَلْقُعُوْدُ یہ قِیَامٌ (کھڑا ہونا) کی ضد ہے اس سے قَعْدَۃٌ صیغہ مرۃ ہے یعنی ایک بار بیٹھنا اور قِعْدَۃٌ (بکسرہ قاف) بیٹھنے کی حالت کو کہتے ہیں اور اَلْقُعُوْدُ قَاعِدٌ کی جمع بھی ہے جیسے فرمایا:۔
فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا (۴-۱۰۳) تو کھڑے اور بیٹھے ..... ہر حال میں خدا کو یاد کرو۔
اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا (۳-۱۹۱) جو کھڑے اور بیٹھے ..... ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں۔
اَلْمَقْعَدُ کے معنی جائے قیام کے ہیں اس کی جمع مَقَاعِدُ ہے قرآن میں ہے:۔
فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ (۵۴-۵۵) (یعنی) پاک مقام میں ہر طرح کی قدرت رکھنے والے بادشاہ کی بارگاہ میں۔
یعنی نہایت پرسکون مقام میں ہوں گے اور آیت کریمہ:۔
مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ (۳-۱۲۱) لڑائی کیلئے مورچوں پر۔ میں لڑائی کے مورچے مراد ہیں جہاں سپاہی جم کر لڑتے ہیں اور کبھی کسی کام میں سستی کرنے والے کو بھی قَاعِدٌ کہا جاتا ہے جیسے فرمایا:۔
لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ (۴-۹۵) جو مسلمان (گھروں میں) بیٹھ رہتے (اور لڑنے سے جی چراتے) ہیں اور کوئی عذر نہیں رکھتے۔
اسی سے رَجُلٌ قُعَدَۃٌ ضُجَعَۃٌ کا محاورہ ہے جس کے معنی بہت کاہل اور بیٹھے رہنے والے آدمی کے ہیں نیز فرمایا:۔
فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاھِدِیْنَ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا (۴-۹۵) خدا نے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر درجے میں فضیلت بخشی ہے۔

اور کبھی تَعَدَ لَہٗ کے معنی کسی چیز کے لئے گھات لگا کر بیٹھنے اور انتظار کرنے کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

لَاَقْعُدَنَّ لَھُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ (۷-۱۶) میں بھی سیدھے رستے پر ..... بیٹھوں گا۔

نیز فرمایا:۔

اِنَّا ھٰھُنَا قَاعِدُوْنَ (۵-۲۴) ہم یہیں بیٹھے رہینگے یعنی یہاں بیٹھ کر انتظار کرتے رہینگے۔ اور آیت کریمہ:۔

عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ (۵۰-۱۷) جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں۔

میں قَعِیْدٌ سے مراد وہ فرشتہ ہے جو ہر وقت اعمال کی نگرانی کرتا رہتا ہے اور انسان کے اچھے برے اعمال داس کے نامۂ اعمال میں) درج کرتا رہتا ہے یہ واحد و جمع دونوں پر بولا جاتا ہے۔ نیز جو وحشی جانور پیچھے سے آتا ہے اور اس سے برا شگون لیا جاتا ہے اسے بھی قَعِیْدٌ کہا جاتا ہے اور یہ نَطِیْحٌ کی ضد ہے۔

قَعِیْدَكَ اللّٰهُ وَقِعْدَكَ اللّٰهُ یعنی میں اللہ تعالیٰ سے تیری حفاظت کا سوال کرتا ہوں۔

اَلْقَاعِدَۃُ وہ عورت جو عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے نکاح اور حیض کے قابل نہ رہی ہو اس کی جمع قَوَاعِدُ ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ (۲۴-۶۰) اور بڑی عمر کی عورتیں

اور مُقْعَدٌ اس شخص کو بھی کہا جاتا ہے جو ملازمت سے سبکدوش ہو چکا ہو اور اپاہج آدمی جو چل پھر نہ سکے اسے بھی مُقْعَدٌ کہہ دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے مجازاً مینڈک کو بھی مُقْعَدٌ کہا جاتا ہے اس کی جمع مُقْعَدَاتٌ ہے اور ابھری ہوئی چھاتی پر بھی ثَدْیٌ مُقْعَدٌ کا لفظ بولا جاتا ہے اور کنایۃً کے طور پر کمینے اور خسیس اطوار آدمی پر بھی مُقْعَدٌ کا اطلاق ہوتا ہے۔ قَوَاعِدُ الْبِنَاءِ عمارت کی بنیادیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ (۲-۱۲۷) اور جب ابراہیم ..... بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے۔

قَوَاعِدُ الْھَوْدَجِ (ہودج) وہ لکڑیاں جو اس کے لئے بمنزلہ بنیاد کے ہوتی ہیں۔

(ق ع ر)

تَعَرَ الشَّیْئُ کے معنی کسی چیز کی گہرائی کی انتہا کے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

كَاَنَّھُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ (۵۴-۲۰) کہ گویا اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں۔

میں نخل منقعر سے کھجور کے وہ درخت مراد ہیں جن کی جڑیں زمین کی گہرائی تک چلی گئی ہوں اور بعض نے کہا ہے کہ اِنْقَعَرَتِ الشَّجَرَۃُ کے معنی درخت کے زمین کی گہرائی سے اکھڑ جانے کے ہیں اور بقول بعض اس کے معنی زمین کی گہرائی تک چلے جانے کے ہیں اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح زمین کی گہرائی تک چلے جانے والے نخلہ کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے تو اس کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا یہی مثال ان لوگوں کی ہے کہ ان کا کوئی نام و نشان باقی نہیں رہے گا۔

لے بل القاعد بغیر ھاء یقال: قعدت عن الحیض فہی قاعد درا جع اضداد ابی الطیب ۵۸۳) والجمع القواعد ۱۲ ؎ ومنہا القواعد جمع قاعدۃ وفی صفۃ المرأۃ جمع قاعد بغیر ھاء ۱۲

قَصْعَةٌ قَعِيرَةٌ گہرا پیالہ قَعَّرَ فُلَانٌ فِی
کَلَامِہٖ حلق سے آواز نکالنا جیسا کہ جبڑے
سے آواز نکالنے کو شَدَّقَ کہا جاتا ہے۔

(ق ف ل)

اَلْقُفْلُ تالا جمع اَقْفَالٌ محاورہ ہے:۔
اَقْفَلْتُ الْبَابَ میں نے دروازے کو قفل
لگا دیا اور تمثیل کے طور پر ہر اس چیز کو قفل
کہا جاتا ہے جو کسی کام سے مانع اور رکاوٹ
بنے۔ چنانچہ محاورہ ہے۔ فُلَانٌ مُقْفَلٌ عَنْ
کَذَا فلاں کو اس کام سے روک دیا گیا ہے۔
قرآن میں ہے:۔
اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا (۴۷-۲۴) یا ان کے
دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔
اور کنجوس آدمی کو جس طرح مغلول الیدین کہا
جاتا ہے اسی طرح مَقْفُوْلُ الْیَدَیْنِ بھی کہہ
دیتے ہیں۔
اَلْقُفُوْلُ سفر سے واپس لوٹنا اور سفر سے واپس
آنے والی جماعت کو قافلہ کہا جاتا ہے۔
اَلْقَفِیْلُ خشک چیز کو کہتے ہیں اس لیے کہ
خشک ہونے کی وجہ سے اس کے اجزا ایک
دوسرے کی طرف لوٹ آتے ہیں اور یا اس
لیے کہ صلابت کی وجہ سے گویا اس پر قفل لگ
جاتا ہے۔ محاورہ ہے:۔
قَفَلَ النَّبَاتُ نباتات خشک ہو گئی۔
قَفَلَ الْفَحْلُ مستی سے سانڈھ کا دبلا ہو جانا۔

(ق ف و)

اَلْقَفَا کے معنی گدی کے ہیں اور قَفَوْتُہٗ
کے معنی کسی کی گدی پر مارنا اور کسی کے
پیچھے پیچھے چلنا یہ دونوں محاورے استعمال ہوتے ہیں
قَفَوْتُ اَثَرَہٗ واقْتَفَیْتُہٗ کے معنی کسی کے
پیچھے چلنے کے ہیں دوسرے کا مصدر اِقْتِفَاءٌ
ہے۔ جس کے اصل معنی کسی کی قفا کا اتباع کرنے
کے ہیں۔ لیکن کنایہ کے طور پر کسی کی غیبت
اور عیب جوئی کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا
ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ (۱۷-۳۶)
اور اے بندے! جس چیز کا تجھے علم نہیں اس
کے پیچھے نہ پڑ۔
یعنی محض قیافہ اور ظن سے کام نہ لو بعض کے
نزدیک قیافہ کا لفظ بھی اقتفاء سے مقلوب
ہے۔ جیسے جَذَبَ وَجَبَذَ اور یہ (قیافہ) ایک
فن ہے۔ اور قَفَّیْتُہٗ کے معنی کسی کو دوسرے
کے پیچھے لگانے کے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَقَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ (۲-۸۷) اور ان
کے پیچھے یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجتے رہے۔
اَلْقَافِیَۃُ مصرعہ کے جزو اخیر کو کہا جاتا ہے
جس کے حرف روی کی ہر شعر میں رعایت
رکھی جاتی ہے۔
اَلْقَفَاوَۃُ وہ کھانا جس سے مہمان کی آؤ
بھگت کی جائے۔

(ق ل ل)

اَلْقِلَّۃُ والکثرۃ۔ بلحاظ اصل وضع کے
صفات عدد سے ہیں جیسا کہ عِظَم اور صِغَر
صفات اجسام سے ہیں بعد کثرت و قلت اور
عظم و صغر میں سے ہر ایک دوسرے کی جگہ

بطور استعارہ استعمال ہونے لگا ہے اور آیت کریمہ۔
ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَآ اِلَّا قَلِیْلًا (۳۳-۶۰)
پھر وہاں تمہارے پڑوس میں نہیں رہ سکیں گے مگر تھوڑے دن۔
میں قَلِیْلًا سے عرصۂ قلیل مراد ہے۔ اسی طرح فرمایا۔
قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا (۷۳-۲) رات کو قیام کرو، مگر تھوڑی رات۔
وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا (۳۳-۱۶) اور اس وقت تم بہت ہی کم فائدہ اٹھاؤگے۔
نُمَتِّعُهُمْ قَلِیْلًا (۳۱-۲۴) ہم ان کو تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے۔
اور آیت کریمہ :۔
مَا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِیْلًا (۳۳-۲۰) تو لڑائی نہ کریں مگر کم۔
قَلِیْلًا مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی قِتَالًا قَلِیْلًا اور آیت کریمہ :۔
وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِیْلًا (۵-۱۳) اور تھوڑے آدمیوں کے سوا ہمیشہ ان کی (ایک نہ ایک) خیانت کی خبر پاتے رہتے ہو۔
قَلِیْلًا سے مراد تھوڑی سی جماعت اور یہی معنی آیت کریمہ :۔
اِذْ یُرِیْكَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا (۸-۴۳) اس وقت خدا نے تمہیں خواب میں کافروں کو تھوڑی تعداد میں دکھایا۔
وَیُقَلِّلُكُمْ فِیْٓ اَعْیُنِهِمْ (۸-۴۴) اور کافروں کو تمہاری نظروں میں تھوڑا کرکے دکھاتا تھا۔
میں مراد ہیں اور شاعر کے قول[۱] (السریع)

(۳۵۷) وَلَسْتَ بِالْاَكْثَرِ مِنْهُمْ حَصًى
وَاِنَّمَا الْعِزَّةُ لِلْكَاثِرِ

اور تم تعداد میں ان سے زیادہ نہیں ہو اور عزت صرف کثیر التعداد کے لئے ہے۔
کے پیش نظر کبھی قلت کا لفظ بطور کنایہ ذلت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ اسی معنی میں فرمایا۔ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِیْلًا فَكَثَّرَكُمْ (۷-۸۶) اس وقت کو یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے تو خدا نے تم کو جماعت کثیر بنا دیا۔
اور آیت کریمہ :۔
وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ (۳۴-۱۳) اور میرے بندوں میں شکر گزار تھوڑے ہیں۔
اور آیت :۔
وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ (۳۸-۲۴) اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔
میں قلیل کا لفظ بطور عزت و احترام کے استعمال ہوا ہے اس لئے کہ جتنی کوئی چیز زیادہ عزیز القدر ہو اتنی ہی کمیاب ہوتی ہے اور آیت کریمہ :۔
وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (۱۷-۸۵) اور تم لوگوں کو بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔
میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ مَآ اُوْتِیْتُمْ سے مستثنیٰ ہو یعنی تم میں سے بہت کم لوگ ایسے ہیں جنہیں اس کا علم دیا گیا ہے اور یہ بھی کہ قَلِیْلًا مصدر محذوف کی صفت ہو یعنی تمہیں اس کے متعلق علم قلیل یعنی تھوڑا (سا علم) دیا گیا ہے۔ اور آیت کریمہ :۔
وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا (۲-۴۱) اور میری آیتوں (میں تحریف کرکے ان) کے بدلے تھوڑی

---

[۱] قالہ الاعشیٰ المیمون فی روایۃ ہبتم بعل منہ والبیت فی التاج واللسان دکش راجع تخریجہ (ک ث ر)

سی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت) نہ حاصل کرو۔
یہں قلیل سے مراد دنیوی مال ومتاع ہے کیونکہ دنیوی مال ومتاع خواہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو اخروی نعمتوں کے مقابلہ میں جو حق تعالیٰ نے متقین کیلئے تیار کی ہیں نہایت ہی حقیر ہے اسی بناء پر فرمایا:۔
قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ۔ کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے (۴-۷۷)
اور کبھی قلیل کا لفظ بول کر نفی کے معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ جیسے قَلَّمَا يَفْعَلُ فُلَانٌ كَذَا کہ فلاں ایسا کام نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ نفی کیطرح اس کے بعد بھی استثناء لانا صحیح ہوتا ہے جیسے قَلَّمَا يَفْعَلُ كَذَا اِلَّا قَاعِدًا اَوْ قَائِمًا اَوْ مَا يَجْرِي مَجْرَاهُ۔ اور بعض نے آیت کریمہ:۔
قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ (۶۹-۴۱) لیکن تم لوگ بہت ہی کم ایمان لاتے ہو۔
کو بھی اسی معنی پر محمول کیا ہے یعنی وہ ایمان ہی نہیں لاتے" اور بعض نے اس کے معنی تُؤْمِنُونَ اِيمَانًا قَلِيلًا کے ہیں یعنی وہ بہت کم ایمان لاتے ہیں اور ایمان قلیل سے مراد صرف زبان کے ساتھ اقرار اور سطحی سی معرفت حاصل کرنے کے ہیں جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔
وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ (۱۲-۱۰۶) اور یہ اکثر خدا پر ایمان نہیں رکھتے مگر اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔
اَقْلَلْتُ كَذَا کے معنی کسی چیز کو ہلکا پانے کے ہیں کبھی یہ ہلکا سمجھنا محض حکمی ہوتا ہے۔
اَقْلَلْتُ مَا اَعْطَيْتَنِي یعنی میں نے تمہارے دیئے ہوئے کو حقیر سمجھا اور کبھی اس شئے کی قوت کے اعتبار سے ہوتا ہے جیسے فرمایا:۔
اِذَا اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا (۷-۵۷) جب وہ بھاری بھاری بادلوں کو اٹھا لاتی ہے۔
یہاں اقلت کہہ کر اشارہ فرمایا ہے کہ وہ بادل جن کو اٹھا کر لاتی ہے اگرچہ فی نفسہ بھاری ہوتے ہیں مگر ہوا کی قوت کے اعتبار نہایت ہلکے ہیں۔
اِسْتَقْلَلْتُهُ کسی چیز کو حقیر خیال کرنا جیسے اِسْتَخْفَفْتُهُ کسی چیز کو ہلکا خیال کرنا۔
اَلْقُلَّةُ ہر چیز کا بالائی حصہ۔ اور قُلَّةُ الْجَبَلِ پہاڑ کی چوٹی کو کہتے ہیں کیونکہ باقی پہاڑ کے مقابلہ میں وہ قلیل سی ہوتی ہے۔
تَقَلْقَلَ الشَّيْءُ کے معنی کسی چیز کے مضطرب ہونے کے ہیں اور تَقَلْقَلَ الْمِسْمَارُ میخ کا مضطرب ہونا، قَلْقَلَة سے مشتق ہے جس کے معنی کسی چیز کی حرکت کی آواز کو حکایت کرنے کے ہیں۔

(ق ل ب)

قَلْبُ الشَّيْءِ کے معنی کسی چیز کو پھیرنے اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹنے کے ہیں جیسے قَلَبْتُ الثَّوْبَ (کپڑے کو الٹنا) اور قَلْبُ الْاِنْسَانِ کے معنی انسان کو اس کے راستہ سے پھیر دینے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ (۲۹-۲۱) اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔
اَلْاِنْقِلَابُ کے معنی پھر جانے کے ہیں ارشاد ہے۔
اِنْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ (۳-۱۴۴) تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ (یعنی مرتد ہو جاؤ)
وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ (۳-۱۴۴) اور جو الٹے

پاؤں پھر جائے گا۔
اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ (۲۶-۵۰) ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔
اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ (۲۶-۲۲۷) کہ کونسی جگہ لوٹ جاتے ہیں۔
وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓی اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ (۸۳-۳۱) اور جب اپنے گھر کو لوٹتے تو اتراتے ہوئے لوٹتے۔
بعض نے کہا ہے کہ انسان کے دل کو بھی قلب اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ کثرت سے الٹتا پلٹتا رہتا ہے اور قلب کا لفظ بول کر اوصاف قلبی مراد لئے جاتے ہیں جیسے علم، شجاعت، روح وغیرہ چنانچہ آیت کریمہ:۔
وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ (۳۳-۱۰) اور دل (مارے دہشت کے) گلوں تک پہنچ گئے۔
میں قلوب سے ارواح مراد ہیں اور آیت کریمہ:۔
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ (۵۰-۳۷) جو شخص دل (آگاہ) رکھتا ہے ..... اس کے لئے اس میں نصیحت ہے۔
میں قلب سے مراد علم وفہم ہے۔ نیز فرمایا:۔
وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ (۶-۲۵) اور ہم نے ان کے دلوں پر تو پردے ڈال دیئے ہیں کہ اس کو سمجھ نہ سکیں۔
وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ (۹-۸۷) ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے تو یہ سمجھتے ہی نہیں
اور آیت کریمہ:۔
لِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ (۳-۱۲۶) اس لئے کہ تمہارے دلوں کو اس سے تسلی ہو۔
میں قلوب کے مطمئن ہونے سے ان میں بہادری کا ثابت ہونا اور خوف کا زائل ہونا مراد ہے۔ چنانچہ اس کے برعکس خوف کے طاری ہونے کے متعلق فرمایا:۔
وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ (۳۳-۲۶) اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی۔
اور آیت کریمہ:۔
ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ (۳۳-۵۳) یہ تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے بہت پاکیزگی کی بات ہے:۔
میں اَطْهَرُ سے جالب عفت ہونا مراد ہے۔ نیز فرمایا:۔
هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ (۴۸-۴) وہی تو ہے جس نے مومنوں کے دلوں پر تسلی نازل فرمائی۔
اور آیت کریمہ:۔ وَقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى (۵۹-۱۴) مگر ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔
میں شَتّٰى کے معنی متفرق ہونے کے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔
وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (۲۲-۴۶) بلکہ دل جو سینوں میں ہیں (وہ) اندھے ہوتے ہیں۔
کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ قلوب سے مراد عقلیں ہیں اور بعض نے روحیں مراد لی ہیں۔ لیکن عقل کبھی اندھی نہیں ہوتی لہذا تعمٰی کی قلوب کی طرف نسبت مجازی ہوگی جیسا کہ آیت کریمہ:
وَتَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (۲-۱۲۵ میں مجازا) جاری ہونے کی نسبت انہار کی طرف کی گئی ہے حالانکہ انہار جاری نہیں ہوتیں بلکہ ان میں پانی جاری ہوا کرتا ہے۔ تَقْلِيْبُ الشَّيْءِ کے معنی کسی چیز کی حالت کو متغیر کر دینے کے

ہیں جیسے فرمایا:۔ یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ (۳۳-۶۶) جس دن ان کے منہ آگ میں الٹائے جائیں۔
اور تَقْلِیْبُ الْاُمُوْرِ کے معنی کسی کام کی تدبیر اور اس میں غور و فکر کرنے کے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ (۹-۴۸) اور بہت سی باتوں میں تمہارے لئے الٹ پھیر کرتے رہے ہیں۔
اور اللہ تعالٰی کے دلوں اور بصیرتوں کو پھیر دینے سے ان کے آراء کو تبدیل کر دینا مراد ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ (۶-۱۱۰) اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے۔
اور تَقْلِیْبُ الْیَدِ پشیمانی سے کنایہ ہوتا ہے کیونکہ عام طور پر نادم آدمی کا یہی حال ہوتا ہے (کہ وہ اظہار ندامت کے لئے اپنے ہاتھ ملنے لگ جاتا ہے) قرآن میں ہے:۔
فَاَصْبَحَ یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ (۱۸-۴۲) تو ...... (حسرت سے) ہاتھ ملنے لگا۔
شاعر نے کہا ہے[1] (   )
(۳۵۸) کَمَغْبُوْنٍ یَعَضُّ عَلٰی یَدَیْهِ
تَبَیَّنَ غَبْنُهٗ بَعْدَ الْبِیَاعِ
جیسے خسارہ اٹھانے والا آدمی تجارت میں خسارہ معلوم کر لینے کے بعد اپنے ہاتھ کاٹنے لگتا ہے۔
اور تقلب (تفعل) کے معنی پھرنے کے ہیں۔ ارشاد ہے:۔
وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ (۲۶-۲۱۹) اور نمازیوں میں تمہارے پھرنے کو بھی۔
اَوْ یَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ (۱۶-۴۶) یا ان کو چلتے پھرتے پکڑ لے وہ (خدا کو) عاجز نہیں کر سکتے۔
رَجُلٌ قُلَّبٌ بہت زیادہ حیلہ گر اور ہوشیار آدمی جو معاملات میں الٹ پھیر کرنے کا ماہر ہو۔
اَلْقُلَابُ دل کی ایک بیماری (جو اونٹ کو لگ جاتی ہے)
مَا بِهٖ قَلَبَةٌ یعنی وہ تندرست ہے اسے کسی قسم کا عارضہ نہیں ہے جو پریشانی کا موجب ہو[2]
اَلْقَلِیْبُ۔ پرانا کنواں جو صاف نہ کیا گیا ہو۔
اَلْقُلْبُ ایک خاص قسم کا کنگن۔

(ق ل د)

اَلْقَلْدُ کے معنی رسی وغیرہ کو بل دینے کے ہیں۔ جیسے قَلَدْتُ الْحَبْلَ (میں نے رسی بٹی) اور بٹی ہوئی رسی کو قَلِیْدٌ یا مَقْلُوْدٌ کہا جاتا ہے اور قِلَادَةٌ اس بٹی ہوئی چیز کو کہتے ہیں جو گردن میں ڈالی جاتی ہے جیسے ڈورا اور چاندی وغیرہ کی زنجیر اور مجازاً تشبیہ کے طور پر ہر اس چیز کو جو گردن میں ڈالی جائے یا کسی چیز کا احاطہ کرے قِلَادَةٌ کہا جاتا ہے اور اسی سے تَقَلَّدَ سَیْفَهٗ کا محاورہ ہے۔ کیونکہ وہ بھی قلادۃ کی طرح گردن میں ڈال کر لٹکائی جاتی ہے۔ جیسے وِشَاحٌ (ہار) سے تَوَشَّحَ بِهٖ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے اور قَلَّدْتُهٗ سَیْفًا کے معنی کسی کی گردن میں تلوار باندھنے یا تلوار سے اس کی گردن مارنے کے ہیں۔ قَلَّدْتُهٗ عَمَلًا کوئی کام کسی کے ذمہ لگا دینا۔

---

[1] ق الرقیس بن ذریح والبیت فی اللسان (بیع) وفی محاضرات الادباء (۲/۱۰۰-۱۰۱) فی ثلاثۃ بغیر عزو ۱۲
[2] انظر ادب الکاتب ۳۴۳ ۱۲

قَلَّدْتُهُ هِجَاءً کسی پر ہجو کو لازم کر دینا۔
اور آیت کریمہ :۔
لَهُ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۳۹-۶۳)
اسی کے پاس آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں۔
میں مقالید سے مراد وہ چیز ہے جو ساری کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ بعض نے اس سے خزانے اور بعض نے کنجیاں مراد لی ہیں لیکن ان سب سے اللہ تعالٰے کی اس قدرت اور حفاظت کی طرف اشارہ ہے، جو تمام کائنات پر محیط ہے۔

(ق ل م)

اَلْقَلْمُ (مصدر ض) اس کے اصل معنی کسی سخت چیز کو تراشنے کے ہیں۔ اس لئے ناخن، بانس کی گرہ اور سرکنڈے وغیرہ کے تراشنے پر قَلْمٌ کا لفظ بولا جاتا ہے اور تراشیدہ چیز کو قِلْمٌ کہا جاتا ہے تو قَلَمٌ بمعنی مَقْلُوْمٌ ہے جیسے نِقْضٌ بمعنی مَنْقُوْضٌ آتا ہے۔
اور (عرف میں) خاص کر لکھنے کے آلہ اور قرعہ اندازی کے تیر پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اس کی جمع اَقْلَامٌ ہے۔ قرآن میں ہے :۔
نٓ۔ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ (۶۸-۱) قلم کی اور جو (اہل قلم) لکھتے ہیں اس کی قسم۔
وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ (۳۱-۲۷) اور اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں (سب کے سب) قلم ہوں۔ اور آیت کریمہ :۔
اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ (۳-۴۴) جب وہ لوگ اپنے قلم (بطور قرعہ) ڈال رہے تھے۔
میں اَقْلَامٌ سے قرعہ اندازی کے تیر مراد ہیں[1]۔
اور آیت کریمہ :۔
اَلَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (۹۶-۴) جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔
میں تنبیہ پائی جاتی ہے کہ انسان کو کتابت کی تعلیم دینا اللہ تعالٰی کا بہت بڑا احسان ہے اور جو حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ جبریل علیہ السلام سے وحی اخذ کرتے تھے اور جبریلؑ میکائیل سے وہ اسرافیل سے اور اسرافیل لوح محفوظ سے اور لوح محفوظ قلم سے تو یہاں قلم سے سرّ الٰہی کی طرف اشارہ ہے جس کی تحقیق کا یہاں موقع نہیں ہے۔
اَلْاَقْلِيْمُ۔ ربع مسکون کا ساتواں حصہ۔ علماء ہیئت کی تحقیق کے مطابق زمین کے سات حصے ہیں۔ اور ہر حصہ پر اقلیم کا لفظ بولتے ہیں اس کی جمع اَقَالِيْمُ ہے۔

(ق ل ی)

اَلْقِلٰی کے معنی شدت بغض کے ہیں قَلَاهُ (ماضی) اور يَقْلِيْهِ وَيَقْلُوْهُ مضارع دونوں طرح آتا ہے۔
قرآن میں ہے :۔
مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى (۹۳-۳) (اے محمدؐ) تمہارے پروردگار نے نہ تو تم کو چھوڑا اور نہ تم سے ناراض ہوا۔
اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ (۲۶-۱۶۸) میں

---

[1] کذا قال عطاء ونقل عن ابن عباس ومجاہد وابن جریج ان المراد بہا الاقلام التی کانوا یکتبون بہا التوراۃ وکانت من نحاس انظر الفیوضات الالٰہیۃ ص۳۱۵ ج۱ والطبری ص۲۶۳ ج۳

تمہارے کام کا سخت دشمن ہوں۔
اگر اسے واوی فَلْوٌ سے مشتق مانا جائے جس کے معنی دَفْعٌ کے ہیں تو یہ قَلَتِ النَّاقَةُ بِرَاكِبِهَا قَلْوًا۔ (ناقہ نے سوار کو گرا دیا) وَقَلَوْتُ بِالْقُلَةِ (میں نے گلی کو پھینکا) وغیرہ محاورات سے مشتق ہوگا۔ اور جس چیز سے دل بوجہ بغض یا ناپسندیدہ ہونے کے اس طرح گھن کھائے گویا اسے پھینک رہا ہے تو اسے مَقْلُوٌّ کہا جائیگا۔ اور اگر ناقص یائی سے مشتق مانا جائے تو یہ قَلَيْتُ الْبُسْرَ وَالسَّوِيْقَ عَلَى الْمِقْلَاةِ کے محاورہ سے ماخوذ ہوگا جس کے معنی مِقْلَاةٌ (فرائی پین) میں کھجور اور ستو ڈال کر تلنے کے ہیں۔

(ق م ح)

اَلْقُمْحُ۔ خلیل نے کہا ہے کہ قَمْحٌ اس گیہوں کو کہتے ہیں جو پکنے کے وقت سے لے کر ذخیرہ اندوزی تک بالی کے اندر ہی رکھا جائے اور اس گیہوں سے جو ستو بنایا جاتا ہے اسے قَمِيْحَةٌ کہا جاتا ہے۔
اور ستو کی مناسبت سے کوئی چیز پھانکنے کے لئے سر اوپر اٹھانے کو اَلْقَمْحُ (ف) کہتے ہیں پھر محض سر اٹھانے پر (خواہ کسی وجہ سے ہو) قَمْحٌ کہا جانے لگا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے قَمَحَ الْبَعِيْرُ اونٹ نے (سیری کے بعد حوض سے) سر اوپر اٹھا لیا۔ اَقْمَحْتُ الْبَعِيْرَ میں نے اونٹ کا سر اونچا کر کے پچھلی جانب باندھ دیا۔ اور آیت کریمہ:۔
فَهُمْ مُقْمَحُوْنَ (۳۶-۸) تو ان کے سر الل رہے ہیں۔ میں تشبیہ اور تمثیل کے طور پر ان کو مُقْمَحُوْنَ کہا گیا ہے۔ اور اس سے مقصود قبول حق سے ان کی سرتابی اور سرکشی اور راہ خدا میں خرچ کرنے سے ان کے انکار کو بیان کرنا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ قیامت کے دن ان کی اس حالت کی طرف اشارہ ہے جس کا تذکرہ آیت:۔
اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ (۴۰-۷۱) جب کہ ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی۔ میں پایا جاتا ہے۔

(ق م ر)

اَلْقَمَرُ۔ چاند جب پورا ہو رہا ہو تو اسے قمر کہا جاتا ہے اور یہ حالت تیسری رات کے بعد ہوتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ چاند کو قمر اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ستاروں کی روشنی کو خیرہ کر دیتا ہے اور ان پر غالب آجاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا (۱۰-۵) وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا۔
وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ (۳۶-۳۹) اور چاند کی (بھی) ہم نے منزلیں مقرر کر دیں۔
وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (۵۴-۱) اور چاند شق ہو گیا۔
وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا (۹۱-۲) اور چاند کی جب اس کے پیچھے نکلے۔
كَلَّا وَالْقَمَرِ (۷۴-۳۲) ہاں ہاں (ہمیں) چاند کی قسم۔
اَلْقَمْرَاءُ چاند کی روشنی۔ چاندنی۔ تَقَمَّرْتُ فُلَانًا چاندنی رات میں کسی کے پاس جانا۔

---

[1] یقال قمرہ ای غلب علیہ فی القمار

قَمِرَتِ الْقِرْبَةُ چاند کی روشنی سے پانی کی مشک خراب ہو گئی۔
حِمَارٌ اَقْمَرُ چاند کے رنگ یعنی سبزی مائل سفید رنگ کا گدھا۔
قَمَرْتُ فُلَانًا کَذَا میں نے فلاں کو اس چیز سے دھوکا دیا۔

(ق م ص)

اَلْقَمِیْصُ قمیص، کرتہ۔ جمع قُمُصٌ وَاَقْمِصَةٌ وَقُمْصَانٌ قرآن میں ہے:۔
اِنْ کَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ (۱۲-۲۶) اگر اس کا کرتہ آگے سے پھٹا ہو۔
وَاِنْ کَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ (۱۲-۲۷) اور اگر کرتہ پیچھے سے پھٹا ہو۔
تَقَمَّصَهٗ قمیص پہننا۔ قَمَصَ (ن۔ض) اَلْبَعِیْرُ اونٹ کا جست کرنا۔
اَلْقُمَاصُ اونٹ کا ایک مرض جو اسے چین سے کھڑا ہونے نہیں دیتا اور اسی سے لفظ قَامِصَةٌ ہے جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے[1] (۸۵)

(ق م ط ر)

اَلْقَمْطَرِیْرُ سخت۔ قرآن میں ہے:۔
عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا جو (چہروں کو) کریہہ المنظر اور دلوں کو سخت (مضطر) کر دینے والا۔ (۷۶-۱۰)
قَمْطَرِیْرٌ ایک لغت میں قماطیر بھی ہے۔

(ق م ع)

اَلْمَقَامِعُ (مفرد مِقْمَعٌ) ہتھوڑے۔
قرآن میں ہے:۔
وَلَهُمْ مَقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ (۲۲-۲۱) اور ان (کے مارنے ٹھوکنے) کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے۔
مَقَامِعُ کا واحد مِقْمَعٌ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے پیٹ پیٹ کر کسی کو مطیع اور مقہور کیا جائے اسی سے محاورہ ہے۔
قَمَعْتُهٗ فَانْقَمَعَ میں نے اسے روکا تو وہ رک گیا۔
اور اَلْقِمَعُ وَالْقِمْعُ (قیف) وہ چیز ہے جس کے ذریعہ کوئی (سیال) چیز (بوتل وغیرہ میں) ڈالی جائے۔ تاکہ نیچے نہ گرنے پائے۔ حدیث میں ہے[2] (۸۶)
وَيْلٌ لِاَقْمَاعِ الْقَوْلِ یعنی ان پر افسوس ہے جو اپنے کان لوگوں کی باتیں سننے کے لئے قیفیں بنائے رکھتے ہیں یعنی دوسروں کی باتیں سننے کے درپے رہتے ہیں۔
اَلْقَمَعُ ذباب ازرق کیونکہ اسے مار کر دور بھگایا جاتا ہے تَقَمَّعَ الْحِمَارُ گدھے کا مکھی کو دھتکارنا۔

(ق م ل)

اَلْقُمَّلُ چھوٹی مکھیاں۔ قرآن میں ہے:۔
وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ (۷-۱۳۳) اور چھوٹی مکھیاں اور مینڈک اور خون۔
اَلْقَمْلُ کے معنی ہیں جوں اور رَجُلٌ قَمِلٌ اس

---

[1] روی عن علی انہ قضیٰ فی القارصۃ والقامصۃ والواقصۃ بالدیۃ اثلاثا راجع للقصۃ النہایۃ [2] الکلمۃ من الحدیث فی الفائق ۲ر۳۸۴ والنہایۃ (قمع) قال فی الفائق معناہ ای لا ینجع فیہم الوعظ کالاقماع التی لاتعی شیئا مما یفرغ فیہا ۱۲

آدمی کو کہتے ہیں جس کے جوئیں پڑ جائیں اور اسی سے چھپنے سے بدصورت مرد یا عورت کو قَمِلٌ یا قَمِلَۃٌ کہا جاتا ہے گویا وہ جوں یا چھوٹی مکھی کی طرح ہے۔

(ق ن ت)

اَلْقُنُوْتُ (ن) کے معنی خضوع کے ساتھ اطاعت کا التزام کرنے کے ہیں اس بنا پر آیت کریمہ۔ وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ (۲-۲۳۸) اور خدا کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔
میں بعض نے قانتین کے معنی طائعین کئے ہیں[1] یعنی اطاعت کی حالت میں اور بعض نے خاضعین یعنی خشوع اور خضوع کے ساتھ اسی طرح آیت کریمہ۔ کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوْنَ (۲-۱۱۶) سب اس کے فرمانبردار ہیں۔ میں بعض نے قٰنِتُوْنَ کے معنی خَاضِعُوْنَ کئے ہیں اور بعض نے طَائِعُوْنَ (فرمانبردار) اور بعض نے سَاکِتُوْنَ یعنی خاموش اور چپ چاپ اور اس سے بالکل خاموش ہو کر کھڑے رہنا مراد نہیں ہے بلکہ عبادت گذاری میں خاموشی سے ان کی مراد یہ ہے جیسا کہ آنحضرت نے فرمایا[2] (۸۷)
"کہ نماز تلاوت قرآن اور اللہ کی تسبیح و تحمید کا نام ہے اور اس میں کسی طرح کی انسانی گفتگو جائز نہیں ہے"۔ اسی بنا پر جب آپ سے پوچھا گیا کہ کونسی نماز افضل ہے تو آپ نے فرمایا[3] (۸۸) طُوْلُ الْقُنُوْتِ یعنی عبادت میں ہمہ تن مصروف ہو جانا اور اس کے ماسوا سے توجہ پھیر لینا قرآن میں ہے:۔ اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ کَانَ اُمَّۃً قَانِتًا (۱۶-۱۲۰) بے شک حضرت ابراہیم لوگوں کے امام اور خدا کے فرمانبردار تھے۔ اور مریم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:۔ وَکَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ (۶۶-۱۲) اور فرمانبرداروں میں سے تھیں۔
اَمَّنْ ھُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا (۳۹-۹) یا وہ جو رات کے وقتوں میں زمین پر پیشانی رکھ کر اور کھڑے ہو کر عبادت کرتا ہے۔
اُقْنُتِیْ لِرَبِّکِ (۳-۴۳) اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرنا۔
وَمَنْ یَّقْنُتْ مِنْکُنَّ لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (۳۳-۳۱) اور جو تم میں سے خدا اور اسکے رسول کی فرمانبردار رہے گی۔
وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ (۳۳-۳۵) اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں۔
فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ (۴-۳۴) تو جو نیک بیبیاں ہیں وہ مردوں کے حکم پر چلتی ہیں۔

(ق ن ط)

اَلْقُنُوْطُ (مصدر) کے معنی بھلائی سے مایوس ہونے کے ہیں اور یہ قَنَطَ (ض) وَقَنِطَ (س) قُنُوْطًا

---

[1] وفی المستدرک عن ابی سعید: کل حرف فی القرآن یذکر فیہ القنوت فھو الطاعۃ (کنز العمال ۲ رقم ۷۷)، [2] رواہ ابوداود و النسائی فی حدیث طویل ومسلم فی صحیحہ انظر العون (۱: ۳۴۹-۳۵۱) ورواہ الترمذی عن جابر (۱: ۵۱)، والحدیث فی اللسان (قنت) و مشکل القرآن للقتبی ۳۵۰ ونسبہ المتقی فی الکنز الی الابانۃ لابی نصر عبد اللہ بن سعید بن حاتم السجزی رقم ۷۷، [3] الحاکم فی المستدرک والترمذی بسلم وابن ماجۃ عن جابرؓ والطبرانی عن ابی موسیٰ وعن عمرو بن عبیدۃ وعن عمرو بن قتادۃ اللیثی والحدیث فی الکشاف ۳/۲۴۴ والفائق ۲/۱۸۵ قال الحافظ فی تخریجہ علی الکشاف: وفی روایۃ الطحاوی طول القیام (راجع رقم ۳۱۸)

یعنی ہر دو ابواب سے استعمال ہوتا ہے قرآن میں ہے:
فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ (۱۵-۵۵) آپ مایوس نہ ہوجیے۔
وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ (۱۵-۵۶) خدا کی رحمت سے (میں مایوس کیوں ہونے لگا۔ اس سے) مایوس ہونا تو گمراہوں کا کام ہے۔
يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (۳۹-۵۳) اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔
وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ اور اگر تکلیف پہنچتی ہے تو ناامید ہوجاتا ہے اور آس توڑ بیٹھتا ہے (۴۱-۴۹) اور کبھی قنط کا لفظ فرح کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا:
اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ (۳۰-۳۶) تو ناامید ہوکر رہ جاتے ہیں۔

(ق ن ع)

اَلْقَنَاعَةُ کے معنی ضروریات زندگی میں سے تھوڑی سی چیز پر راضی ہوجانے کے ہیں اور یہ قَنِعَ (س) يَقْنَعُ قَنَاعَةً سے ہے کیونکہ قَنَعَ (ف) يَقْنَعُ قُنُوْعًا کے معنی سوال کرنے کے ہیں۔ لہذا آیت کریمہ:
وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ (۲۲-۳۶) اور قناعت سے بیٹھے رہنے والوں اور سوال کرنیوالوں کو بھی کھلاؤ۔ میں بعض نے کہا ہے کہ قانع سے مراد وہ سائل ہے جو باصرار سوال نہ کرے اور جو کچھ مل جائے اسی پر راضی ہوجائے شاعر نے کہا ہے[1] (الوافر)

(۳۵۹) لَمَالُ الْمَرْءِ يُصْلِحُهُ فَيُغْنِي
مَفَاقِرَهُ اَعَفُّ مِنَ الْقُنُوْعِ

وہ مال جو انسان کی حالت درست رکھے اور احتیاج سے بچائے وہ سوال کرنے سے بہر حال بہتر ہے۔
اَقْنَعَ رَأْسَهُ اس نے اپنے سر کو اونچا کیا۔ قرآن میں ہے: مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ (۱۴-۴۳) سر اٹھائے ہوئے۔
بعض نے کہا ہے کہ یہ اصل میں قِنَاعٌ سے مشتق ہے اور قِنَاعٌ اس چیز کو کہتے ہیں جس سے سر ڈھانکا جائے اس سے قَنِعَ (س) کے معنی ہیں اس نے اپنے فقر کو چھپانے کے لئے سر پر قناع اوڑھ لیا اور قَنَعَ (ف) کے معنی سوال کرنے کے لئے سر کھولنے یعنی لوگوں کے سامنے احتیاج ظاہر کرنے کے ہیں جیسا کہ خَفِيَ (س) کے معنی چھپنے اور خَفَى (ف) کے معنی خفاء کو دور کرنے یعنی ظاہر ہونے کے ہیں اور رَجُلٌ مَقْنَعٌ کا محاورہ قَنَاعَةٌ سے ہے یعنی وہ آدمی جس کی شہادت کو کافی سمجھا جائے۔ اس کی جمع مَقَانِعُ ہے۔ شاعر نے کہا ہے[2] (الطویل)

(۳۶۰) شُهُوْدِيْ عَلٰى لَيْلٰى عُدُوْلٌ مَقَانِعُ

اور لیلی پر عادل اور پسندیدہ لوگ میرے گواہ ہیں

---

[1] قال شماخ بن ضرار فی ابیات یخاطب امرتہ عاتبتہ من قصیدۃ فی دیوانہ ۵۶-۶۲ والبیت فی اللسان والمحکم (قنع) والاضداد للاصمعی ۵۰ والسجستانی ۷ ولابن السکیت ۲۰۳ ولابن الانباری مع اخر ۶۶-۶۷ واضداد لابی الطیب ۵۷۹ والصاحبی (۱۶۸-۱۹۰) والمعانی للقتبی (۲۹ ، ۹۹۴ ، ۲۳۳) والطبری ۱۷/۱۰۹ والبحر ۶/۳۶۴ وتہذیب الالفاظ لابن النحاس ۱۰ ومجاز ابی عبیدۃ (۲/۵) والجمہرۃ (۳: ۱۳۲) والقرطبی (۱۲/۴۶) والمیدانی (۱:۴۲۵) والاشتقاق ۳۵۶
[2] قال البعیث وصدرہ اینت لیلی بالخلا ولم یکن۔ والبیت فی اللسان (قنع) والاشباہ النحویہ (۴: ۲۲) لکن فیہ خلا رجل بالخلا وشہود بدون الاضافۃ وہی روایۃ الکامل ۹۵۳ والمحاضرات للمؤلف ۸۷ والبیت ایضا فی الثقالی (۱: ۱۹۳) والبلدان رسم: (تعاقع) فی ستۃ ابیات والحکم (قنع) واضداد لابی الطیب ۵۸۰ وبعدہ:۔ وماکل ما منتک نفسک خالیا۔ یکون وللاکل الہوٰی انت تابع ۱۲

تھے جن کی شہادت پر قناعت ہو سکے۔
اور قِنَاعٌ سے تَقَنَّعَتِ الْمَرْءَةُ کا محاورہ ہے جس کے معنی برقعہ اوڑھنے کے ہیں۔
اور اس کے ساتھ تشبیہ دے کر کہا جاتا ہے:۔
تَقَنَّعَ الرَّجُلُ مرد نے سر پر خود رکھا۔ قَنَّعْتُ رَأْسَهٗ بِالسَّيْفِ اَوِ السَّوْطِ کسی کے سر پر تلوار یا کوڑا مارنا۔

(ق ن و)

اَلْقِنْوُ کے معنی (کھجور یا انگور کے) خوشے کے ہیں اس کا تثنیہ قِنْوَانِ اور جمع قِنْوَانٌ آتی ہے قرآن میں ہے:۔
قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ (۶-۹۹) لٹکے ہوئے گچھے۔
اور قَنَاةٌ (نیزے کی لکڑی) بھی ٹہنی ہونے میں قِنْوٌ کے مشابہ ہے لیکن وہ قنات (نالی) جس میں پانی بہتا ہے اسے طول میں نیزے کی لکڑی کے ساتھ تشبیہ دے کر قَنَاةٌ کہا جاتا ہے۔
بعض نے کہا ہے کہ یہ دراصل قَنَيْتُ الشَّيْءَ سے مشتق ہے جس کے معنی کسی چیز کا ذخیرہ جمع کرنے کے ہیں اور نالی میں بھی چونکہ پانی کا ذخیرہ جمع رہتا ہے اس لئے اسے قَنَاةٌ کہا جاتا ہے۔
بعض نے کہا ہے کہ یہ قَانَاهُ کے محاورہ سے مشتق ہے جس کے معنی مل جل جانے کے ہیں۔
شاعر نے کہا ہے [1] (الطویل)

(۱۶۳) كَبِكْرِ الْمُقَانَاةِ الْبَيَاضِ بِصُفْرَةٍ
اس کا رنگ شتر مرغ کے تازہ انڈے جیسا ہے جس کی سفیدی میں ہلکی سی زردی کی ملاوٹ ہوتی ہے۔
اور قنا جس کے معنی ناک کے بانسے کے اوپر اٹھنے اور اس کی نوک کے جھکی ہوئی ہونے کے ہیں۔ یہ معنی قنا بمعنی نیزہ سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ وہ ہیئت میں اس کے مشابہ ہوتی ہے۔ محاورہ ہے:۔
رَجُلٌ اَقْنٰى وَامْرَءَةٌ قَنْوَاءُ وہ مرد یا عورت جس کی ناک درمیان سے اٹھی ہوئی ہو اور اس کے نتھنے تنگ ہوں۔

(ق ن ی)

اَلْاِقْنَاءُ (افعال) کے معنی غنی کر دینے کے ہیں قرآن میں ہے:۔
وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى (۵۳-۴۸) اور یہ کہ وہی دولت مند بناتا اور مفلس کرتا ہے۔
یہ اِقْنَاءٌ (افعال) سے ہے جس کے معنی اتنا مال دینے کے ہیں کہ احتیاج باقی نہ رہے یا یہ قُنْيَةٌ سے ہے اور اس کے معنی ذخیرہ کیا ہوا مال بخشنے کے ہیں [2]۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اَقْنٰى کے معنی اَرْضٰى یعنی راضی کرنا کے ہیں [3]۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی رضا و اطاعت کا خزانہ بخش دیا اور یہ غنا مادی (غنا بالمال) سے بڑھ کر ہے۔
اور قِنْيَةٌ کی جمع قِنْيَاتٌ آتی ہے اور قَنَيْتُ كَذَا اور اِقْتَنَيْتُهٗ کے معنی کسی چیز کو لازم پکڑنے کے ہیں اسی سے شاعر نے کہا ہے [4] (

---

[1] قاله امرؤ القيس في لاميته يصف جليبته: وتمامه: غذاها نمير الماء غير محلل۔ راجع البيت ديوانه ۱۰ (صنعة السندوبي) والجمهرة ۹۸ والمعاني للقتيبي ۳۷۱ والعمدة (۱: ۹۸) والجرد: ۳۶ ومختار الجاهلي ۱۱ والاشباه (۳: ۲۱۵) واللسان (قنى) وغريب القرآن للقتيبي ۳۰۷ والعقد الثمين ۸۴ والمعلقات مع الانباري ۷۰ والتبريزي ۳۵ وفيه ضبط اعرابه [2] قال ابن كثير وعليه يدور كلام كثير من المفسرين واختاره ابن جرير ورواه عن ابي صالح ص۵۵ ج ۲۷ [3] رواه ابن ابي حاتم عن ابن عباس ونقل فيه اقوالا آخر ص۵۶ ج ۲۷ [4] قاله حاتم الطائي وأوله:۔ اذا قل مالي او نكبت بنكبة والبيت في اللسان (قنى) ۱۲

(۳۶۲) فَتَنَیْتُ حَیَائِیْ عِفَّةً وَتَکَرُّمًا
تو میں بوجہ عفت وکرم کی وجہ سے حیا کی چادر اوڑھ لیتا ہوں۔

(ق ھ ر)

اَلْقَھْرُ کے معنی کسی پر غلبہ پاکر اسے ذلیل کرنے کے ہیں اور ان دونوں (یعنی غلبہ اور تذلیل) میں سے ہر ایک معنی میں علیحدہ علیحدہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ (۶-۱۸) اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔
وَھُوَ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ (۱۳-۱۶) اور وہ یکتا اور زبردست ہے۔
وَاِنَّا فَوْقَھُمْ قَاھِرُوْنَ (۷-۱۲۷) اور بے شبہ ہم ان پر غالب ہیں۔
فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْھَرْ (۹۳-۹) تو تم بھی یتیم پر ستم نہ کرو۔ یعنی اسے ذلیل نہ کرو۔
اَقْھَرَہٗ کسی پر ایسے شخص کو مسلط کرنا جو اسے ذلیل کردے۔
اَلْقَھْقَرٰی پچھلے پاؤں لوٹنا۔

(ق و ب)

اَلْقَابُ کے معنی کمان کے درمیانی حصہ (مقبض) سے لے کر ایک گوشہ کمان تک کے فاصلہ کے ہیں اور قوس کی طرف اضافت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے چنانچہ فرمایا:۔
فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (۵۳-۹) تو دو کمانوں کے قاب کے فاصلہ پر یا اس سے بھی کم۔

(ق و ت)

اَلْقُوْتُ غذا جس سے سد رمق ہوسکے اس کی جمع اَقْوَاتٌ ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَقَدَّرَ فِیْھَا اَقْوَاتَھَا (۴۱-۱۰) اور اس میں سب سامان معشیت مقرر کیا۔
قَاتَہٗ یَقُوْتُہٗ قَوْتًا کے معنی غذا کھلانے کے ہیں، اور اَقَاتَہٗ یُقِیْتُہٗ کے معنی ایسی چیز دینے کے ہیں جس سے وہ قوت حاصل کرسکے۔ حدیث میں ہے[1] (۸۹)
اِنَّ اَکْبَرَ الْکَبَائِرِ اَنْ یُّضِیْعَ الرَّجُلُ مَنْ یَّقُوْتُ کہ جس کی قوت انسان کے ذمہ ہو اسے ضائع کرنا سب سے بڑا گناہ ہے ایک روایت میں مَنْ یُّقِیْتُ (افعال) بھی ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ مُّقِیْتًا (۴-۸۵) اور خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔
بعض نے اس کے معنی مقتدر (یعنی قدرت رکھنے والا کئے ہیں اور بعض نے محافظ اور بعض نے شاہد یعنی حاضر رہنے والا ۔۔۔۔۔۔۔
لیکن اس کے اصل معنی یہ ہیں کہ اللہ ہر چیز کی حفاظت کرتا اور اسے روزی پہنچاتا ہے۔
اور اس میں قُوْتٌ قِیْتٌ وَقِیْتَةٌ تین لغات ہیں جیسے طُعْمٌ وَطِعْمٌ وطُعْمَةٌ چنانچہ محاورہ ہے:۔
مَالَہٗ قُوْتُ لَیْلَةٍ وَ قِیْتُ لَیْلَةٍ وَقِیْتَةُ لَیْلَةٍ اس کے پاس ایک رات کا بھی کھانا نہیں ہے

---

[1] مجمع البحار والفائق ۲/۸۹ او فیہ کفی بالرجل اثما ان یضیع من یقوت (ابوداؤد ۲۳۵) والنسائی والحدیث فی الاحیا للغزالی ولفظہ کفی بالمرء اثما ان یضیع من یعول وہو عند مسلم بلفظ آخر آخر اجہ تخریج العراقی علی الاحیاء ۲/۲۳ ؛

شاعر نے آگ کی صفت میں کہا ہے[1] (الطویل)

(۳۶۳) فَقُلْتُ لَهُ ارْفَعْهَا إِلَيْكَ وَأَحْيِهَا
بِرُوحِكَ وَاقْتَتْهُ لَهَا قِيتَةً قَدْرًا

میں نے اسے کہا کہ اسے اپنی طرف اٹھاؤ اور اس پر تھوڑا تھوڑا ایندھن لگا نرم پھونک سے اسے سلگاؤ۔

(ق و س)

اَلْقَوْسُ کمان۔ قرآن میں ہے:۔
فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ (۵۳-۹) تو دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم۔
اور کمان کی ہیئت کذائی کے لحاظ سے تَقَوَّسَ بمعنی اِنْحِنَاء آتا ہے۔ محاورہ ہے:۔
قَوَّسَ الشَّيْخُ وَتَقَوَّسَ بوڑھا خمیدہ ہو گیا۔
قَوَّسْتُ الْخَطَّ میں نے خمیدہ خط کھینچا۔ اور خمیدہ خط کو مُقَوَّسٌ کہا جاتا ہے۔
اَلْمِقْوَسُ وہ جگہ جہاں سے گھوڑ دوڑ میں گھوڑے دوڑنا شروع کرتے ہیں اور اس کے اصل معنی اس رسی کے ہیں جس سے گھوڑ دوڑ میں گھوڑوں کی صف بندی کی جاتی ہے اور پھر انہیں دوڑنے کے لئے چھوڑا جاتا ہے۔

(ق و ل)

اَلْقَوْلُ اور اَلْقِيلُ کے معنی بات کے ہیں قرآن میں ہے:۔
وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا (۴-۱۲۲) اور خدا سے زیادہ بات کا سچا کون ہو سکتا ہے۔
قَوْل کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے:۔
(۱) عام طور پر حروف کے اس مجموعہ پر قول کا لفظ بولا جاتا ہے جو بذریعہ نطق کے زبان سے ظاہر ہوتے ہیں خواہ وہ الفاظ مفرد ہوں یا جملہ کی صورت میں مفرد جیسے زَيْدٌ خَرَجَ اور مرکب جیسے زَيْدٌ مُنْطَلِقٌ وَهَلْ خَرَجَ عَمْرٌو وَنَحْوُ ذَالِكَ کبھی انواع ثلاثہ یعنی اسم فعل اور حرف میں ہر ایک کو قول کہا جاتا ہے جس طرح کہ قصیدہ اور خطبہ وغیرہما کو قول کہہ دیتے ہیں۔
(۲) جو بات ابھی ذہن میں ہو اور زبان تک نہ لائی گئی ہو اسے بھی قول کہتے ہیں اس بنا پر قرآن میں آیت کریمہ:۔
وَيَقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ (۵۸-۸) اور اپنے دل میں کہتے ہیں (اگر یہ واقعی پیغمبر ہیں تو) جو کچھ ہم کہتے ہیں خدا ہمیں اس کی سزا کیوں نہیں دیتا۔
یعنی دل میں خیال کرنے کو قول سے تعبیر کیا ہے۔
(۳) رائے خیال اور عقیدہ پر بھی قول کا لفظ بولا جاتا ہے جیسے فُلَانٌ يَقُولُ بِقَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ (فلاں ابو حنیفہؒ کی رائے کا قائل ہے)
(۴) کسی چیز پر دلالت کرنے کو قول سے تعبیر کر لیتے ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[2] (الرجز)

(۳۶۴) اِمْتَلَأَ الْحَوْضُ وَقَالَ قَطْنِي

---

[1] قالہ ذو الرمۃ وصف نارا فی قصیدۃ لہ فی دیوانہ ۴۳ طبع کمبرج ۱۹۱۹ء (تدمری) (ردح) [2] قالہ الراجز وتمامہ: مہلا رویدا قد ملأت بطني۔ بہذہ الروایۃ فی شرح الدرۃ للخفاجی ۱۳ والصحاح (قطط) والتنبیہ للبکری (۲۷) والسمط ۵۷۴ والابدال لابی الطیب (۱: ۳۷۳) وہی روایۃ النحاۃ وفی اللسان والتاج (قطط) وتہذیب اصلاح المنطق (۱: ۱۰۱) واصلاح یعقوب ۵۷، ۲۴۳ وابن الشجری (۱: ۲/۳۱۳: ۴۰) سلا بدل مہلا وفی المقاییس حسبی بدل قطنی وفی الکامل ۴۲۴ قد ختق بدل امتلا راجع ایضا الانصاف ۸۳ مجالس ثعلب (۱: ۱۵۸) والعینی ۱/۳۶۱ والطبری (۱: ۱۵۰) والفخر (۲: ۱۰۲) والمقاییس (۵: ۴۱) والمرتضی (۲: ۱۰۹) ومجازات القرآن للسید شریف الرضی ۱۲۱ ؛

حوض بھر گیا اور اس نے کہا بس! مجھے کافی ہے
(۵) کسی چیز کا صدق دل سے اعتبار کرنا اور اس کی طرف متوجہ ہونا جیسے فُلَانٌ یَقُوْلُ بِکَذَا فلاں اس کا صدق دل سے خیال رکھتا ہے۔
(۶) اہل منطق کے نزدیک قول بمعنی حد کے آتا ہے جیسے قَوْلُ الْجَوْهَرِ كَذَا۔ وَقَوْلُ الْعَرْضِ كَذَا یعنی جوہر کی تعریف یہ ہے اور عرض کی یہ۔
(۷) الہام کرنا یعنی کسی کے دل میں کوئی بات ڈال دینا جیسے فرمایا:۔
قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ (۱۸-۸۶) ہم نے کہا ذوالقرنین تم ان کو خواہ تکلیف دو۔ (یہاں قول بمعنی الہام اور القاکے ہے) کیونکہ تاریخ اور روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کو (انبیاء کی طرح) مخاطب نہیں کیا گیا بلکہ یہ بات ان کے دل میں القا کر دی گئی تھی چنانچہ اس الہام کو قول سے تعبیر کر دیا ہے۔
اور بعض نے کہا ہے کہ آیت کریمہ:۔
قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ (۴۱-۱۱) انہوں نے کہا ہم خوشی سے آتے ہیں۔
میں خطاب ظاہری نہیں تھا بلکہ ان کا یہ امتثال اور اظہار اطاعت تسخیری طریقہ سے تھا اور یہی معنی آیت کریمہ:۔
قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا (۲۱-۶۹) ہم نے حکم دیا اے آگ سرد ہو جا اور ..... (موجب سلامتی بن جا۔
میں مراد ہیں اور آیت کریمہ:۔
يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ (۳-۱۶۷) منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہیں۔

میں اَفْوَاهِهِمْ کے لفظ سے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں ان کے دل اس کی تائید نہیں کرتے اور یہ محاورہ ایسے ہی ہے جس طرح کتابت کے ساتھ ید کا لفظ ذکر کرکے اس کے جھوٹا ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔
چنانچہ قرآن میں ہے:۔
فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (۲-۷۹) تو ان لوگوں پر افسوس ہے جو اپنے ہاتھ سے تو کتاب لکھتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے آئی ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۳۶-۷) ان میں سے اکثر پر خدا کی بات پوری ہو چکی سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔
میں قول سے اللہ کا علم اور اس کا حکم مراد ہے۔
وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ (۶-۱۱۵) اور تمہارے پروردگار کی باتیں پوری ہو گئیں۔
اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۱۰-۹۶) جن لوگوں کے بارے میں خدا کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے وہ ایمان نہیں لانے کے۔
حکم عذاب کو کلمہ سے تعبیر فرمایا ہے اور آیت کریمہ:
ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ (۱۹-۳۴) یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں (اور یہ) سچی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔
میں عیسیٰ علیہ السلام کو قَوْلَ الْحَقِّ کہہ کر آیت کریمہ:۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ ...... ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنَ (۳-۵۹) اللہ کے ہاں عیسیٰ کی مثال ..... پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے۔
کے مضمون پر تنبیہ کی ہے اور عیسیٰ کو قول کہنا ایسے ہی ہے جس طرح کہ آیت کریمہ :۔
وَکَلِمَتُہٗ اَلْقٰھَا اِلٰی مَرْیَمَ (۴-۱۷۱) اور یہ کلمۂ (بشارت) تھا جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا۔
میں انہیں کلمہ کہا گیا ہے اور آیت کریمہ :۔
اِنَّکُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ (۵۱-۸) تم ایک تناقض بات میں پڑے ہوئے ہو۔
کے معنی یہ ہیں کہ بَعْث (موت کے بعد زندگی) کے معاملہ میں تمہارے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور بَعْث کو جو درحقیقت مقول فیہ ہے (مجازاً) قول کہہ دیا ہے۔ جیسا کہ مذکور چیز کو ذکر کہہ دیا جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ :۔
اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ وَمَا ھُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِیْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ (۶۹-۴۰، ۴۱) یہ قرآن فرشتے عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔ لیکن تم لوگ بہت ہی کم ایمان لاتے ہو۔
میں قرآن کو رسول یعنی حضرت جبریل کا قول کہنا بنا بر مجاز ہے کیونکہ جو پیغام کسی رسول کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے اس کی نسبت رسول اور مرسل دونوں کی طرف صحیح ہوتی ہے یعنی کبھی مجازاً اسے قول رسول کہہ دیتے ہیں اور کبھی بنا بر حقیقت مرسل کی طرف نسبت کر دیتے ہیں اگر اس پر یہ شبہ وارد ہو کہ اس اصل کی بنا پر تو شعر یا خطبہ کی نسبت بھی ان کے راوی کی طرف صحیح ہونی چاہیئے جس طرح کہ ان کی نسبت قائل کی طرف ہوتی ہے تو ہم کہیں گے کہ بیشک آپ شعر یا خطبہ کو قول راوی کہہ سکتے لیکن اسے شعر راوی یا خطبہ راوی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ شعر کا اطلاق قول کی خاص شکل و صورت پر ہوتا ہے اور اس شکل و صورت کے ڈھالنے میں راوی کا کوئی دخل نہیں ہے مگر قول کی نسبت راوی اور مروی عنہ دونوں کی طرف ہو سکتی ہے اور آیت کریمہ :۔
اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ (۲-۱۵۶) جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔
میں صرف زبان کے ساتھ اِنَّا لِلّٰہِ الخ کہنا مراد نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ اعتقاد و عمل کا ہونا بھی ضروری ہے۔
اَلْمِقْوَلُ کے معنی زبان کے ہیں اور محاورہ میں رَجُلٌ مِقْوَلٌ وَمِنْطِیْقٌ وَقَوَّالٌ وَقَوَّالَۃٌ کے معنی زبان دراز آدمی کے ہیں۔
اَلْقِیْلُ حمیری بادشاہوں کا لقب ہوتا تھا اور انہیں قَیْلٌ یا تو اس لئے کہا جاتا تھا کہ ان کی ہر بات پر اعتماد کیا جاتا تھا اور اس کی اقتداء کی جاتی تھی اور یا اس لئے کہ ان میں ہر ایک اپنے آباء کی روش پر چلتا تھا اور یہ تَقَیَّلَ فُلَانٌ اَبَاہٗ (گفتار میں اپنے باپ کے مشابہ ہونا) کے محاورہ سے مشتق ہے جس طرح کہ یمن کے ہر) بادشاہ کو تُبَّعٌ کہا جاتا تھا۔ کیونکہ ہر بادشاہ اپنے فیصلوں میں اپنے سے پیشرو کی اقتداء کرتا تھا۔
اصل میں یہ واوی ہے کیونکہ اس کی جمع اقوال آتی ہے جیسے مَیِّتٌ کی جمع اَمْوَاتٌ آتی ہے۔
نیز یہ قَیِّلٌ کا مخفف ہے جیسے مَیْتٌ وَمَیِّتٌ

اور جو لوگ اس کی جمع اَقْیَالٌ بناتے ہیں تو یہ (اقوال جمع قول سے) فرق کرنے کے لئے ہے جس طرح کہ (عید کی جمع) اَعْیَادٌ ہے پھر اس سے فعل مشتق کر کے تَقَیَّلَ اَبَاہُ کہہ دیتے ہیں جس طرح کہ (عید کے لفظ سے) تَعَیَّدَ کہا جاتا ہے۔

اِقْتَالَ قَوْلًا۔ ایسی بات کہنا جو فائدہ یا نقصان کا باعث بنے اور کبھی اِقْتَال بھی اِحْتَکَمَ آتا ہے جیساکہ شاعر نے کہا ہے[1] (الخفیف)

(۳۶۵) یَأْبَی حُکُوْمَةَ الْمُقْتَالِ

کسی زبردستی حاکم بننے والے کی حکومت کو نہیں مانتا۔

اَلْقَالُ وَالْقَالَةُ وہ بات جو نشر ہو جائے۔

خلیل نے کہا ہے کہ کبھی قَالَ بمعنی قَائِلٌ بھی آ جاتا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے۔

اَنَا قَالَ کَذَا یعنی میں اس کا قائل ہوں[2]۔

(ق و م)

قَامَ یَقُوْمُ قِیَامًا فَھُوَ قَائِمٌ۔۔۔۔ کھڑا ہونا قَائِمٌ کی جمع (بھی) قِیَامٌ آتی ہے اور اِقَامَةٌ کے معنی دوسرے کو کھڑا کرنے کے ہیں اور اَقَامَ بِالْمَکَانِ اِقَامَةً کے معنی کسی جگہ قیام کرنے کے ہیں اور قیام کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے:۔

(۱) کسی شخص کا تسخیری طور پر یا اپنے ارادے سے کھڑا ہونا۔

(۲) قِیَامٌ لِلشَّیْءِ یعنی شے کی حفاظت اور نگہبانی کرنا۔

(۳) کسی کام کا پختہ ارادہ کر لینا۔

تسخیری طور پر کھڑا ہونے کے معنی میں فرمایا:۔

مِنْھَا قَائِمٌ وَّحَصِیْدٌ (۱۱-۱۰۰) ان میں سے بعض تو باقی ہیں اور بعض تہس نہس ہو گئے ہیں۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَةٍ اَوْ تَرَکْتُمُوْھَا قَائِمَةً عَلٰٓی اُصُوْلِھَا (۵۹-۵) کھجور کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو خدا کے حکم سے تھا۔

اور قیام اختیاری کے معنی میں فرمایا:۔

اَمَّنْ ھُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا (۳۹-۹) یا وہ جو رات کے وقتوں میں زمین پر پیشانی رکھ کر اور کھڑے ہو کر عبادت کرتا ہے۔

اور آیت کریمہ:۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا۔ (۳-۱۹۱) جو کھڑے اور بیٹھے۔۔۔۔۔ ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں۔

اور نیز آیت:۔

وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا اور وہ لوگ اپنے پروردگار کے آگے سجدہ کر کے (عجز و ادب سے) کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں۔

میں قِیَامٌ قَائِمٌ کی جمع ہے اور کسی چیز کی حفاظت اور مراعات کے معنی میں فرمایا:۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ (۴-۳۴) مرد عورتوں پر حاکم اور محافظ ہیں۔

کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ (۵-۸)

---

[1] قالہ الاعشیٰ فی قصیدۃ (فی ۷۵ بیتا یمدح فیھا الاسود بن المنذر اللخمی وصدرہ: ولمثل الذی جمعت لریب الدہ۔۔۔ ہر ۔۔۔۔ والبیت فی اللسان والمحکم (حکم) والمعانی للقتبی ۹۲۳ وفی المطبوع تابی بالتاء والصواب بالیاء کما فی المراجع وفی دیوانہ ۶۸ (من الغدر بدل لریب الدھر۔
[2] وایضا ولو تقول علینا بعض الاقاویل (۶۹-۴۴) معناہ النسبۃ الی احد القول کذبا وزورا۔

انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لئے سچی گواہی دو۔
قَائِمًا بِالْقِسْطِ (۳-۱۷) جو انصاف پر قائم ہیں۔
أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ۔ (۱۳-۳۳) تو کیا جو خدا ہر متنفس کے اعمال کا نگہبان ہے۔
یہاں بھی قَائِمٌ بمعنی حافظ ہے۔ نیز فرمایا:۔
لَيْسُوا سَوَاءً مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ (۳-۱۲) یہ بھی سب ایک جیسے نہیں ہیں۔ ان اہل کتاب میں کچھ لوگ حکم خدا پر قائم بھی ہیں۔
اور آیت کریمہ:۔
إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا۔ (۳-۷۵) تو جب تک اس کے سر پر ہر وقت کھڑے نہ رہو۔
میں قَائِمًا کے معنی برابر مطالبہ کرنے والے کے ہیں اور قِيَام بمعنی عزم کے متعلق فرمایا:۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ (۵-۶) مومنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو۔
اور آیت کریمہ:۔
وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ (۲-۳) اور آداب کے ساتھ نماز پڑھتے ...... ہیں۔
میں يُقِيمُونَ کے معنی نماز پر دوام اور اس کے ارکان کی حفاظت کرنے کے ہیں۔
اور قِيَام و قِوَام اس چیز کو بھی کہتے ہیں جس کے سہارے کوئی چیز قائم رہ سکے جس طرح کہ عِمَادٌ اور سِنَادٌ اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو سہارا لگا دیا جائے۔ قرآن میں ہے:۔
وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا (۴-۵) اور بے عقلوں کو ان کا مال جسے خدا نے تم لوگوں کے لئے سبب معیشت بنایا مت دو۔
یعنی ان کو تمہاری بقا کا سبب بنایا اسی طرح آیت:۔
جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ (۵-۹۷) خدا نے عزت کے گھر (یعنی) کعبے کو موجب امن مقرر فرمایا۔
میں بیت اللہ کے قِيَامًا لِّلنَّاسِ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کی دنیا اور آخرت کی اصلاح اور درستگی بیت اللہ کے ساتھ وابستہ ہے۔
اصم[1] کا قول ہے کہ یہاں قِيَامًا بمعنی قَائِمًا ہے یعنی اس کی یہ حیثیت کبھی منسوخ نہیں ہوگی اور ایک قرأت میں قِيَمًا ہے جو بمعنی قِيَامًا ہے اور بعض اسے قِيمَةٌ کی جمع بتاتے ہیں لیکن یہ توجیہ بے معنی سی ہے۔
اور محاورہ میں قَامَ كَذَا و ثَبَتَ و رَكَزَ کے ایک ہی معنی آتے ہیں۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔
وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى (۲-۱۲۵) اور حکم دیا کہ جس مقام پر حضرت ابراہیمؑ کھڑے ہوئے تھے اس کو نماز کی جگہ بنالو۔
میں لفظ مقام بھی اسی محاورہ سے ماخوذ ہے۔
قَامَ فُلَانٌ مَقَامَ فُلَانٍ کے معنی کسی کے قائم مقام ہونے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
فَآخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيَانِ (۵-۱۰۷) تو جن لوگوں کا انہوں نے حق مارنا چاہا تھا ان میں سے ان کی جگہ اور دو گواہ کھڑے ہوں۔

---

[1] هو ابو بكر عبد الرحمٰن بن كيسان الاصم المتوفى سنہ ۲۲۴ھ اقدم شيوخ المعتزلہ وفي الفهرست ۵۷ ان لہ كتابا في تفسير القرآن وفي لسان الميزان (۳: ۴۲۷) الاصم المعتزلي صاحب المقالات في الاصول ولہ تفسير عجيب انظر الملل وذيلہ (۱: ۳۶)

اور آیت کریمہ :- دِينًا قِيَمًا (۶-۱۶۲) یعنی دین صحیح ہے۔
میں قِيَمًا بھی ثابت و مقوم کے معنی میں ہے یعنی
ایسا دین جو لوگوں کے معاشی اور اخروی معاملات
کی اصلاح کرنے والا ہے ایک قرأت میں قِيَمًا
مخفف ہے جو قیام سے ہے اور بعض نے
کہا ہے کہ یہ صفت کا صیغہ ہے جس طرح کہ قَوْمٌ
عِدًى، مَكَانٌ سِوًى، لَحْمٌ زِيًّى، مَاءٌ
رِوًى ہیں عِدًى سِوًى اور زِيًّى وغیرہ اسمائے
صفات ہیں اور اسی معنی میں فرمایا۔
ذَالِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (۹-۳۶) یہی دین ہمارا
سیدھا راستہ ہے۔
وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا قَيِّمًا (۱۸-۱) اور اس
میں کسی طرح کی کجی اور پیچیدگی نہ رکھی بلکہ سیدھی
(اور سلیس اتاری ہے)
اور آیت کریمہ :- وَذَالِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ
(۹۸-۵) یہی سچا دین ہے۔
میں قَيِّمَة سے مراد امت عادلہ ہے جس کی طرف
آیت کریمہ :-
كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ (۳-۱۱۰) تم سب سے بہتر ہو
اور آیت :-
كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ
(۴-۱۳۵) انصاف پر قائم رہو اور خدا کے
لئے سچی گواہی دو۔
میں اشارہ پایا جاتا ہے اور آیت کریمہ :-
يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ
(۹۸-۲،۳) جو پاک اوراق پڑھتے ہیں جن میں
مستحکم آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔
میں صُحُفًا مُّطَهَّرَةً سے قرآن پاک کی طرف

اشارہ ہے۔ اور فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ کے
معنی یہ ہیں کہ قرآن پاک تمام کتب سماویہ کے
مطالب پر حاوی ہے کیونکہ قرآن پاک
تمام کتب متقدمہ کا ثمرہ اور نچوڑ ہے اور آیت :-
اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (۲-۲۵۵)
خدا وہ معبود برحق ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت
کے لائق نہیں۔ زندہ ہمیشہ رہنے والا۔
میں قَيُّوْم اسمائے حسنیٰ سے ہے یعنی ذات الٰہی
ہر چیز کی نگران اور محافظ ہے اور ہر چیز کو اس
کی ضروریات زندگی بہم پہنچاتی ہے جیسا کہ فرمایا۔
اَلَّذِيْۤ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى
(۲۰-۵۰) جس نے ہر چیز کو اس کی شکل و صورت
بخشی پھر راہ دکھائی۔
اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ
(۱۳-۳۳) تو کیا جو (خدا) ہر متنفس کے اعمال
کا نگران ہے۔
قَيُّوْمٌ بروزن فَيْعُوْلٌ اور قَيَّامٌ بروزن
فَيْعَالٌ ہے جیسے دَيُّوْنٌ وَدَيَّانٌ۔
اَلْقِيَامَةُ سے مراد وہ ساعت (گھڑی) ہے
جس کا ذکر کہ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ (۴۰-۴۶)
اور جس روز قیامت برپا ہوگی۔
يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۸۳-۶)
جس دن تمام لوگ رب العالمین کے سامنے
کھڑے ہوں گے۔
وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً (۱۸-۳۶) اور
نہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت برپا ہو۔
وغیرہ آیات میں پایا جاتا ہے۔ اصل میں قیامۃ
کے معنی انسان کے یکبارگی قیام یعنی کھڑا ہونے

کے ہیں اور قیامت کے یکبارگی وقوع پذیر ہونے پر تنبیہ کرنے کے لئے لفظ قیام کے آخر میں ھاء (ۃ) کا اضافہ کیا گیا ہے[1]۔

اَلْمُقَامُ: یہ قیام سے کبھی بطور مصدر میمی اور کبھی بطور ظرف مکان اور ظرف زمان کے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

اِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْکُمْ مُّقَامِیْ وَتَذْکِیْرِیْ (۱۰-۷۱) اگر تم کو میرا رہنا اور ..... نصیحت کرنا ناگوار ہو۔

وَذٰلِکَ لِمَنْ خَافَ مُقَامِیْ وَخَافَ وَعِیْدِ (۱۴-۱۴) یہ اس شخص کے لئے ہے جو قیامت کے روز میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ (۵۵-۴۶) اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھِیْمَ مُصَلًّی (۲-۱۲۵) اور حکم دیا کہ جس مقام پر حضرت ابراہیمؑ کھڑے ہوئے اس کو نماز کی جگہ بنا لو۔

فِیْہِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ (۳-۹۷) اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔

وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ (۴۴-۲۶) اور کھیتیاں اور نفیس مکان۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍ (۴۴-۵۱) بے شک پرہیزگار لوگ امن کے مقام میں ہوں گے۔

خَیْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِیًّا (۱۹-۷۳) مکان کس کے اچھے اور مجلس کس کی بہتر ہیں۔

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ (۳۷-۱۶۴) ہم میں سے ہر ایک کا ایک مقرر مقام ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِکَ (۲۷-۳۹) قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں میں اس کو آپ کے پاس حاضر کرتا ہوں۔

کی تفسیر میں اخفش نے کہا ہے کہ یہاں مقام بمعنی مَقْعَد یعنی نشستگاہ کے ہیں اگر اخفش کا مقصد اس سے یہ ہے کہ مقام اور مقعد بالذات ایک ہی چیز کے دو نام ہیں صرف نسبت الی الفاعل کے لحاظ سے دونوں میں فرق پایا جاتا (یعنی ایک ہی جگہ کو کسی شخص کے وہاں کھڑے ہونے کے لحاظ سے مقام اور بیٹھنے کے اعتبار سے مقعد کہا جاتا ہے جس طرح کہ صَعُوْدٌ اور حَدُوْدٌ کے الفاظ ہیں (کہ ایک ہی جگہ کو اوپر چڑھنے کے لحاظ سے صعود اور اس سے نیچے اترنے کے لحاظ سے حدود کہا جاتا ہے) تو یہ بجا ہے اور اگر ان کا مقصد یہ ہے کہ لغت میں مقام بمعنی مقعد آتا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ اور بعض نے المقامۃ کے معنی جماعت بھی کئے ہیں۔ چنانچہ شاعر نے کہا ہے[2] (الطویل)

(۳۶۶) وَفِیْھِمْ مَقَامَاتٌ حِسَانٌ وُجُوْھُھُمْ

اور ان میں خوبرو لوگوں کی جماعتیں ہیں ..... مگر

---

[1] ولفاعبر من اتیانہا بلفظ بغتۃ راجع (۶-۳۰) (۷-۱۸۷) (۲۱-۴۰) (۲۲-۵۵) (۴۳-۶۶) (۴۷-۱۸)

[2] قالہ زہیر یمدح سنان بن الحارثۃ وتمامہ: واندیۃ ینتابہا القول والفعل۔ والبیت فی دیوانہ مع شرح الاعلم الشنتمری ۵ (طبع لیدن) وشواہد الکشاف ۹۰ والعمدۃ (۲: ۱۳۴) والصناعتین ۱۰۲ ومختار الشعر الجاہلی (۱: ۱۲۳) ونقد الشعر ۳۲ فی سبعۃ ابیات والبحر المحیط (۶: ۲۰۸) (۸: ۱۹۱) والعقد الثمین ۹۱ والعقد الفرید (۱: ۳۸۸) والسیوطی ۱۰۸

یہ بھی دراصل ظرف مکان ہے اگرچہ (مجازاً) اصحاب مقام مراد ہیں جس طرح کہ ۱؎ (الکامل)

(۳۶۷) وَاسْتَبَّ بَعْدَكَ يَا كُلَيْبُ الْمَجْلِسُ

اے کلیب تیرے بعد لوگ ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے ہیں۔

میں مجلس سے اہل مجلس مراد ہیں۔

اَلْاِسْتِقَامَةُ (استفعال) کے معنی استہ کے خط مستقیم کی طرح سیدھا ہونے کے ہیں اور تشبیہ کے طور پر راہ حق کو بھی ...... صراط مستقیم کہا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (۱-۵) ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا (۶-۱۵۴) اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے۔

اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۱۱-۵۶) بے شک میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے۔

اور کسی انسان کی استقامت کے معنی سیدھی راہ پر چلنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (۴۱-۳۰) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار خدا ہے پھر وہ اس پر قائم رہے۔

فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ (۱۱-۱۱۲) سو (اے پیغمبر) جیسا کہ تم کو حکم ہوتا ہے اس پر...... قائم رہو۔

فَاسْتَقِيْمُوْا اِلَيْهِ (۴۱-۶) تو سیدھے اس کی طرف متوجہ رہو۔

اَلْاِقَامَةُ (افعال) فی المکان کے معنی کسی جگہ پر ٹھہرنے اور قیام کرنے کے ہیں اور اقامۃ الشیئ (کسی چیز کی اقامت) کے معنی اس کا پورا پورا حق ادا کرنے کے ہوتے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے:۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ (۵-۶۸) کہو کہ اے اہل کتاب جب تک تم توراۃ اور انجیل ...... کو قائم نہ رکھو گے کچھ بھی راہ پر نہیں ہو سکتے۔ یعنی جب تک کہ علم و عمل سے ان کے پورے حقوق ادا نہ کرو۔ اسی طرح فرمایا:۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ (۵-۶۶) اور اگر وہ توراۃ اور انجیل کو...... قائم رکھتے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں جہاں کہیں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے یا نمازیوں کی تعریف کی گئی ہے۔ وہاں اقامۃ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ جس میں اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ نماز سے مقصود محض اس کی ظاہری ہیئت کا ادا کرنا ہی نہیں ہے بلکہ اسے جملہ شرائط کے ادا کرنا مراد ہے اسی بنا پر کئی ایک مقام پر اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اور الْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ ۲؎ کہا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

۱؎ قالہ مہلہل بن ربیعہ یرثی اخاہ کلیبا وصدرہ کما فی امالی القالی (۱: ۹۵) نبئت ان النار بعدک اوقدت۔ والشطر فی مجالس ثعلب ۳۲ والبیت فی الحماسۃ مع المرزوقی رقم ۳۱۵ والمختارات ۴۲ واللآلی ۲۹۸ وفیہا صدرہ بروایۃ ابن السکیت، وذہب الخیار من المعاشر کلہم۔ والبیت فی الحصری ۴/ ۴۳ر ۲: ۱۷۹) فی ثلاثۃ وفی الصناعتین ۳۰۲ والمجالس ۴۸۵ وامالی ابن الشجری (۱: ۵۲):۔ اودی بدل ذہب فی خمسۃ والبیت الیکانی البحر (۱: ۱۱۳) ومحاضرات المؤلف (۱: ۷۵ / ۲: ۴۰۰) وانظر العقد (۳: ۱۰۱) والعقد فی ایام العرب والاغانی (۴: ۱۳۹ - ۱۵۱) ۲؎ الآیۃ ۳۵ من سورۃ الحج بعدہ قراءۃ ابن مسعود وبحذف النون بالاضافۃ قراءۃ ابی عمرو وابن ابی اسحاق والحسن وبحذف النون ونصب الصلوۃ راجع ابو حیان (۶: ۳۶۹)

وَإِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى (۴-۱۴۲)
اور جب یہ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر۔
میں قَامُوْا اِقَامَةٌ سے نہیں بلکہ قیام سے مشتق ہے جس کے معنی عزم اور ارادہ کے ہیں اور آیت:۔ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ (۱۴-۴۰) اے پروردگار! مجھ کو (ایسی توفیق عنایت) کر کہ نماز پڑھتا رہوں۔
میں دعا ہے کہ الٰہی! مجھے نماز کو پورے حقوق کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرما اور آیت کریمہ:۔ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ (۹-۵) پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے . . . . لگیں۔
کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں اِقَامَة سے نماز کا ادا کرنا مراد نہیں ہے بلکہ اس کے معنی اس کی فرضیت کا اقرار کرنے کے ہیں۔
اَلْمُقَامُ یہ مصدر میمی، ظرف مکان، ظرف زمان اور اسم مفعول کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ لیکن قرآن میں صرف مصدر میمی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا (۲۵-۶۶)
اور دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت بری جگہ ہے۔
اور مُقَامَةٌ (بضم المیم) بمعنی اقامت ہے جیسے فرمایا:۔
اَلَّذِيْ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ (۳۵-۳۵) جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ کے رہنے کے گھر میں اتارا
یہاں جنت کو دَارُ الْمُقَامَةِ کہا ہے جس طرح کہ اسے دَارُ الْخُلْدِ اور جَنّٰتِ عَدْنٍ بھی کہا ہے۔

اور آیت کریمہ:۔
لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا (۳۳-۱۳)
یہاں تمہارے لئے ٹھہرنے کا مقام نہیں ہے تو لوٹ چلو۔
میں مَقَامُ کا لفظ قیام سے ہے یعنی تمہارا کوئی ٹھکانا نہیں ہے اور ایک قرأت میں مُقَام (بضم المیم) اَقَامَ سے ہے اور کبھی اِقَامَة سے معنی دوام مراد لیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔
عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (۵-۳۷) ہمیشہ کا عذاب۔
اور ایک قرأت میں آیت کریمہ:۔
اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ (۴۴-۵۱)
بے شک پرہیزگار لوگ امن کے مقام میں ہوں گے۔ مقام بضم میم ہے۔ یعنی ایسی جگہ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔
تَقْوِيْمُ الشَّيْءِ کے معنی کسی چیز کو سیدھا کرنے کے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔
لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (۹۵-۵) کہ ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا۔
اس میں انسان کے عقل و فہم قد و قامت کی راستی اور دیگر صفات کی طرف اشارہ ہے جن کے ذریعہ انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے اور وہ اس کے تمام عالم پر مستولی اور غالب ہونے کی دلیل بنتی ہیں۔
تَقْوِيْمُ السِّلْعَةِ سامان کی قیمت لگانا۔
اَلْقَوْمُ۔ یہ اصل میں صرف مردوں کی جماعت پر بولا جاتا ہے جس میں عورتیں شامل نہ ہوں۔ چنانچہ فرمایا:۔
لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ . . . . (۴۹-۱۱)

کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے۔
اور شاعر نے کہا ہے[1] (الوافر)
(۳۶۸) أَقَوْمٌ آلُ حِصْنٍ أَمْ نِسَاءٌ
کہ آل حصن مرد ہیں یا عورتیں ؟ ۔
اور قرآن پاک میں عموماً مرد عورتیں سبھی مراد لئے گئے ہیں لیکن اصل میں یہ مردوں کی جماعت پر بولا جاتا ہے جس پر کہ آیت :۔
اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ الْآيَة (۴-۳۴)
مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔
میں (بھی) تنبیہ پائی جاتی ہے۔

(ق و ی)

اَلْقُوَّةُ یہ کبھی قدرت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا :۔
خُذُوْا مَا اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ (۲-۶۳) اور حکم دیا کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی اس کو زور سے پکڑے رہو۔
اور کبھی[2] قوت بمعنی استعداد اور صلاحیت کے آتا ہے جو کسی چیز کے اندر پائی جاتی ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ نَوَاة (یعنی کھجور کی گٹھلی) بالقوۃ کھجور کا درخت ہے یعنی اس میں کھجور کا درخت بننے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔
اور کبھی[3] قوت بدنی کے متعلق استعمال ہوتا ہے اور کبھی[4] قوت قلبی کے لئے اور کبھی[5] کبھی خارجی معاون چیزیں مراد ہوتی ہیں اور کبھی[6] قوت بمعنی قدرت الہیہ کے آتا ہے چنانچہ بدنی قوت کے متعلق فرمایا :۔
مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (۴۱-۱۵) ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے۔
فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ (۱۸-۹۵) تم مجھے قوت (بازو) سے مدد دو۔
یہاں قوت سے بدنی قوت مراد ہے۔ کیونکہ انہوں نے خارجی مدد کی پیش کش کو مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ کہہ کر ٹھکرا دیا تھا اور قوت قلبی کے متعلق فرمایا :۔
يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ (۱۹-۱۲) اے یحییٰ ہماری کتاب کو زور سے پکڑے رہو۔ یعنی پورے عزم اور حوصلہ کے ساتھ کتاب الہٰی پر عمل کرو اور خارجی معاون کے معنی میں فرمایا :۔
لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً (۱۱-۸۰) اگر مجھ میں تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی۔
چنانچہ بعض نے اس جگہ قوت سے فوجی یا مالی طاقت مراد لی ہے۔ نیز فرمایا :۔
نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ (۲۷-۳۳) ہم بڑے زور آور اور سخت جنگجو ہیں۔
اور قوۃ بمعنی قدرت الہیہ کے متعلق فرمایا :۔

---

[1] قال زهير بن ابی سلمی فی هجاء بيت من كلب من بنی سليم فی قصيدة لمطلعها: عفا من آل فاطمة الجواء فيمن فالقوادم فالحساء راجع اللسان (حصن)، وديوانه ۱۵۹ مع شرح الاعلم الشنتمری وشواهد الكشاف ۴ ومختار الشعر الجاهلی (۱: ۱۹۵) والبحر المحيط (۵: ۸۳/۸: ۱۱۲) والطبری (۲۶-۹۳) والعمدة (۲: ۴۶) فی باب التشكك (۱۶۱) وابن هشام رقم ۵۵، ۲۳۹ والعجز والعقد الثمين ۷۷ وامالی ابن الشجری (۲: ۳۳۴) (۱: ۲۲۴) والصاحبی ۱۸۹ والمعاهد (۲: ۵۲) والمعانی الكبير ۹۳ والسيوطی ۴۴، ۱۴۱ وفی صنعة تجاهل العارف انظر قانون البلاغة ۹۵ فی ضمن رسائل البلغاء ۲۵ وفی الكشاف القوم الرجال خاصة لانهم القوام بامور النساء قال الله تعالى الرجال قوامون على النساء ۴-۳۴ قال فی الطبری ۲۶/۹۳: وهو قول الخليل ۱۲

اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (۲۵-۵۷) بے شک خدا قوی (اور) غالب ہے۔
وَکَانَ اللّٰہُ قَوِیًّا عَزِیْزًا (۳۳-۲۵) اور خدا طاقت ور اور زبردست ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
اِنَّ اللّٰہَ ھُوَالرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّۃِ الْمَتِیْنِ (۵۱-۵۸) خدا ہی تو رزق دینے والا زور آور اور مضبوط ہے۔
میں قوت کا لفظ عام معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی یہ قدرت الٰہی اور اس قدرت کو بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو عطا کی ہے اور آیت کریمہ۔
وَیَزِدْکُمْ قُوَّۃً اِلٰی قُوَّتِکُمْ (۱۱-۵۲) اور تمہاری طاقت پر طاقت بڑھائے گا۔
میں اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو ان کی استعداد کے مطابق قسما قسم کی قوت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور آیت:۔
ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ (۸۱-۲۰) جو صاحب قوت مالک عرش کے ہاں اونچے درجے والا۔
میں ذِیْ قُوَّۃٍ سے حضرت جبرئیل مراد ہیں اور اسے لفظ مفرد اور نکرہ کے ساتھ ذی قُوَّۃٍ کہنے سے اس بات پر تنبیہ مقصود ہے کہ مَلَأُ اَعْلٰی کے لحاظ سے اس کی قوت کم درجہ کی ہے۔ اور پھر آیت کریمہ:۔
عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی (۵۳-۵) ان کو نہایت قوت والے نے سکھلایا۔
میں ان کو جمع معرف بلام الجنس کے ساتھ متصف کر کے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ عالم سفلی اور اہل دنیا کے لحاظ جنہیں وہ تعلیم دیتا ہے وہ بہت بڑی قوت اور قدرت عظیمہ کا مالک ہے۔
قوت بمعنی استعداد و صلاحیت عام طور پر علمائے فلاسفہ استعمال کرتے ہیں اور ان کے نزدیک اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ایک شخص میں صلاحیت موجود ہو لیکن وہ بالفعل اسے استعمال نہ کر رہا ہو جیسے فُلَانٌ کَاتِبٌ بِالْقُوَّۃِ (فلاں کاتب بالقوہ ہے) یعنی وہ لکھنا تو جانتا ہے لیکن اس وقت بالفعل لکھنے میں مشغول نہیں ہے اور دوسرے معنی فُلَانٌ کَاتِبٌ بِالْقُوَّۃِ کے یہ ہوتے ہیں کہ اس میں کتابت سیکھنے کی صلاحیت ہے۔ نہ کہ وہ فن کتابت جانتا ہے۔
مَفَازَۃٌ یعنی ریگستان کو قَوَاءٌ[1] کہا جاتا ہے اور اَقْوَی الرَّجُلُ کے معنی کسی آدمی کے قِوَاء یعنی بیابان میں چلے جانے کے ہیں۔ پھر تَفَرُّ یعنی بیابان سے فَقْر کا معنی لے کر اَقْوَی الرَّجُلُ کا محاورہ افتقر یعنی محتاج اور نادار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔
وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ (۵۶-۷۳) اور محتاج اور ضرورتمندوں کے لئے سامان آسائش بنایا ہے۔
میں مُقْوِیْنَ کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے

(ق ی ض)

القیض کے معنی انڈے کے اوپر کا چھلکا کے ہیں اور چھلکا چونکہ اس کے باقی ماندہ اجزاء پر محیط اور مستولی ہوتا ہے لہٰذا اس سے قَیَّضَ (فعل) کسی چیز پر غالب اور مستولی ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

---

[1] اقوی من الاضداد (ابو الطیب ۵۷۶) ویحتمل ان یکون من اقوی الرجل اذا حصل فی القوء ای المفازۃ ۲۔

وَقَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ اور ہم نے شیطانوں کو ہم نشین مقرر کر دیا ہے اسی طرح آیت کریمہ:۔
وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطَانًا (۴۳-۳۶) اور جو کوئی خدا کی یاد سے آنکھیں بند کرلے (یعنی تغافل کرے) ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں۔
پس نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطَانًا کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس سے الگ ہوجاتے ہیں تاکہ شیطان اس پر اس طرح مسلط ہوجائے، جیسے انڈے کا اوپر کا چھلکا اپنے مافیہا پر مستولی رہتا ہے۔

(ق ی ع)

اَلْقِیْعَۃُ۔ ہموار میدان۔ قرآن میں ہے:۔
کَسَرَابٍ بِقِیْعَۃٍ (۲۴-۳۹) جیسے میدان میں ریت۔
اَلْقِیْعُ وَالْقَاعُ کے معنی ہموار زمین کے ہیں۔

اس کی جمع قِیْعَانٌ اور تصغیر قُوَیْعٌ آتی ہے اور اسی سے قَاعَ الْفَحْلُ النَّاقَۃَ کا محاورہ مستعار ہے جس کے معنی نر اونٹ کے ناقہ کے ساتھ جفتی کرنے (اور پوری طرح سوار ہوکر اس پر بیٹھ جانے) کے ہیں۔

(ق ی ل)

اَلْمَقِیْلُ۔ مقام استراحت چنانچہ آیت کریمہ:۔
اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ یَوْمَئِذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِیْلًا (۲۵-۲۴) اس دن اہل جنت کا ٹھکانا بھی بہتر ہوگا اور مقام استراحت بھی عمدہ ہوگا۔
پس مَقِیْلًا قِلْتُ قَیْلُوْلَۃً[1] کا مصدر ہے جس کے معنی دوپہر کے وقت استراحت کے لئے لیٹنے کے ہیں اور یا ظرف مکان ہے یعنی قیلولہ کی جگہ: محاورہ ہے
قِلْتُہٗ فِی الْبَیْعِ وَاَقَلْتُہٗ وَتَقَایَلَا: بیع فسخ کرنا۔

---

[1] القیلولۃ وزنہ فیعلولۃ ویختص بذوات الیاء مثل سار سیرورۃ وعاد حیدودۃ الاربعۃ احرف من ذوات الواو وہی: کینونۃ و دیمومۃ ہیعوعۃ وسیدودۃ راجع ادب الکاتب ۴۹۶ وبہ ومن القیلولۃ قولہ تعالیٰ: اَوْ ھُمْ قَائِلُوْنَ (۷-۴) ❊ ❊ ❊ ❊

کِتَابُ الْکَافِ

(ک حرف)

الکاف۔ حروف ہجا سے ہے اور تشبیہ یا تمثیل کے معنی ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے :۔
فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ (۲-۲۶۴)
تو اس (کے مال) کی مثال اس چٹان کی سی ہے۔ جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو۔
اور آیت کریمہ :۔
كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاۤءَ النَّاسِ (۲-۲۶۴)
اس شخص کی طرح جو لوگوں کو دکھاوے کے لئے مال خرچ کرتا ہے۔
میں کاف تشبیہ کے لئے نہیں ہے بلکہ تمثیل کے معنی پر محمول ہے۔ جیسا کہ علماء نحو کہتے ہیں فَالْاِسْمُ كَقَوْلِكَ زَيْدٌ یعنی اسم کی مثال جیسے زید تو یہاں بھی کاف تمثیل کے لئے ہے۔ پھر تمثیل، تشبیہ سے عام ہے۔ کیونکہ ہر تمثیل کو تشبیہ کہہ سکتے ہیں لیکن ہر تشبیہ تمثیل نہیں ہو سکتی[1]۔

(ک ء س)

اَلْكَاْسُ۔ پینے کا برتن جب کہ اس میں پینے کی چیز موجود ہو۔ قرآن میں ہے :۔
مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا (۷۶-۵) اور ایسی شراب نوش جان کریں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی۔
اور کبھی اس کا اطلاق خالی پیالہ یا صرف پینے کی چیز پر ہوتا ہے۔ مثلاً۔
شَرِبْتُ كَاْسًا۔ میں نے شراب کا پیالہ پیا۔
كَاْسٌ طَيِّبَةٌ عمدہ شراب۔ قرآن میں ہے :۔
وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ (۵۶-۱۸) اور صاف شراب کے گلاس۔
كَاَسَتِ النَّاقَةُ تَكُوْسُ۔ اونٹنی کا تین پاؤں پر چلنا اور اَلْكَيْسُ کے معنی دانائی اور زیرکی کے ہیں اور اَكَاسَ الرَّجُلُ وَاَكْيَسَ کے معنی غَدَرَ یعنی بد عہدی بھی آتے ہیں کیونکہ اس میں زیرکی سے کام لیا جاتا ہے۔ اور یا اس لئے کہ کیسان نامی ایک شخص تھا جو بے وفائی میں ضرب المثل تھا پھر ہر غدار کو کیسان کہا جانے لگا۔ جیسا کہ هَالِكِيٌّ اصل میں ایک مشہور آہنگر کا نام تھا پھر ہر حداد یعنی آہنگر پر هَالِكِيٌّ کا لفظ بولا جانے لگا ہے۔

(ک ب ب)

اَلْكَبُّ (ن) کے معنی کسی کو منہ کے بل گرانے

---

[1] التشبیہ یکون بین المفردات والتمثیل عام ای بین المفردات والمرکبات (البیضاوی)

کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ (۲۷-۹۰) تو ایسے
لوگ اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔
اَلْاِکْبَابُ۔ کسی چیز پر منہ کے بل گر جانا اور کنایہ
از ہمہ تن مشغول شدن در کارے (اسی سے
قرآن میں ہے:۔
اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى (۶۷-۲۲)
بھلا جو شخص چلتا ہوا منہ کے بل گر گر پڑتا ہو۔ وہ
سیدھے رستے پر ہے یعنی جو غلط روش پر چلتا ہو۔
اَلْکَبْکَبَۃُ کسی چیز کو اوپر سے لڑھکا کر گڑھے
میں پھینک دینا۔ قرآن میں ہے:۔
فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا وَالْغَاوٗنَ (۲۶-۹۴) تو وہ
اور گمراہ (یعنی بت اور بت پرست) اوندھے منہ
دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔
کَبَّ وَکَبْکَبَ (ثلاثی و رباعی) دونوں طرح آتا ہے۔
مثل کَفَّ وَکَفْکَفَ وَصَرَّ الرِّیْحُ وَصَرْصَرَ
اَلْکَوَاکِبُ ظاہر ہونے والے ستارے، ستاروں
کو کواکب اسی وقت کہا جاتا . . . . جب نمودار
اور ظاہر ہوں۔ قرآن میں ہے۔
فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا (۶-۷۷) (یعنی)
جب رات نے ان کو (پردۂ تاریکی سے) ڈھانپ
لیا (تو آسمان میں) ایک ستارہ نظر پڑا۔
كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ (۲۴-۳۵) گویا وہ موتی
کا سا چمکتا ہوا تارا ہے۔
اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِۨ الْكَوَاكِبِ
(۳۷-۶) بے شک ہم نے آسمان دنیا کو
ستاروں کی زینت سے مزین کیا۔
وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (۸۲-۲) اور جب
(آسمان کے) ستارے جھڑ پڑیں گے۔

محاورہ ہے۔ ذَهَبُوْا تَحْتَ كُلِّ كَوْكَبٍ وہ منتشر
ہو گئے۔ کَوْکَبُ الْعَسْکَرِ لشکر میں اسلحہ کی چمک

(ک ب ت)

اَلْکَبْتُ (ض) کسی کو سختی اور ذلت کے
ساتھ واپس کر دینا۔ قرآن میں ہے:۔
كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (۵۸-۵)
وہ اسی طرح ذلیل کئے جائیں گے جس طرح ان
سے پہلے لوگ ذلیل کئے گئے تھے۔
لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ
فَيَنْقَلِبُوْا خَاۗىِٕبِيْنَ (۳-۲۷) (یہ خدا نے
اس لئے (کیا) کہ کافروں کی ایک جماعت کو
ہلاک (یا انہیں ذلیل و مغلوب کر دے کہ (جیسے
آئے تھے ویسے ہی) ناکام واپس جائیں۔

(ک ب د)

اَلْکَبِدُ جگر کو کہتے ہیں اور اَلْکُبَادُ والْکِبَادُ
کے معنی درد جگر کے ہیں۔ اور اَلْکَبْدُ (مصدر) کے
معنی جگر پر مارنے کے ہیں اس سے کَبَدْتُ
الرَّجُلَ (ض) کا محاورہ ہے۔ یعنی جگر پر مارنا۔
پھر انسان کا جگر چونکہ وسط جسم میں ہوتا ہے اس
لئے تشبیہ کے طور پر وسط آسمان کو کَبِدُ السَّمَاءِ
کہا جاتا ہے۔
تَکَبَّدَتِ الشَّمْسُ (آفتاب کا وسط آسمان میں پہنچنا)
نیز اَلْکَبَدُ کے معنی مشقت بھی آتے ہیں۔
چنانچہ آیت کریمہ:۔
لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ (۹۰-۴) کہ ہم
نے انسان کو تکلیف (کی حالت) میں رہنے
والا بنایا ہے۔

میں متنبہ کیا ہے کہ انسان کی ساخت ہی اللہ تعالیٰ نے کچھ اس قسم کی بنائی ہے کہ جب تک (دین کی) گھاٹی پر ہو کر نہ گزرے وہ نہ تو رنج و مشقت سے نجات پا سکتا ہے۔ اور نہ ہی اسے (حقیقی) چین نصیب ہو سکتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ (۸۴ - ۱۹) کہ تم درجہ بدرجہ (رتبہ اعلیٰ پر) چڑھو گے۔

(ك ب ر)

کبیر اور صغیر اسمائے اضافیہ سے ہیں۔ جن کے معانی ایک دوسرے کے لحاظ سے متعین ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک ہی چیز دوسری کے مقابلہ میں صغیر ہوتی ہے۔ لیکن وہی شئے ایک اور کے مقابلہ میں کبیر کہلاتی ہے۔ اور قلیل و کثیر کی طرح کبھی تو ان کا استعمال کمیت متصلہ یعنی اجسام میں ہوتا ہے۔ اور کبھی کمیتہ منفصلہ یعنی عدد میں۔ اور بعض اوقات کثیر اور کبیر دو مختلف جہتوں کے لحاظ سے ایک ہی چیز پر بولے جاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ (۲ - ۲۱۹) کہدو کہ ان میں نقصان بڑے ہیں۔

کہ اس میں ایک قرات كَثِيرٌ بھی ہے۔

یہ اصل وضع کے لحاظ سے تو اعیان میں ہی استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن استعارہ کے طور پر معانی پر بھی بولے جاتے ہیں چنانچہ فرمایا۔

لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا (۱۸ - ۴۹) کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے۔ اور نہ بڑی کو (کوئی بات بھی نہیں) مگر اسے گن رکھا ہے۔ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ (۱۰ - ۶۱) اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی ہے یا بڑی۔

اور آیت کریمہ:۔ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ (۹ - ۳) (اور حج اکبر کے دن ......

میں حج کو اکبر کہہ کر متنبہ کیا ہے کہ عمرۃ حج اصغر ہے۔ جیسا کہ آنحضرت نے فرمایا ہے۔ الْعُمْرَةُ هِيَ الْحَجُّ الْأَصْغَرُ کہ عمرہ حج اصغر ہے۔ اور کبھی بڑائی بلحاظ زمانہ مراد ہوتی ہے چنانچہ محاورہ ہے۔ فُلَانٌ كَبِيرٌ کہ فلاں سن رسیدہ ہے اور قرآن میں ہے:۔

إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا (۱۷ - ۲۳) اگر ان میں سے ایک تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں۔

وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ (۲ - ۲۶۶) اور اسے بڑھاپا آ پکڑے۔

وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ (۳ - ۴۰) کہ میں تو بڈھا ہو گیا ہوں۔

اور کبھی بڑائی بلحاظ مرتبہ اور رفعت کے ملحوظ ہوتی ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔

قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ (۶ - ۱۹)

ان سے پوچھو کہ سب سے بڑھ کر (قرین انصاف) کس کی شہادت ہے۔ کہہ دو کہ خدا ہی مجھ میں اور تم میں گواہ ہے۔

الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ (۱۳ - ۹) سب سے بزرگ (اور) عالی رتبہ ہے۔

اور آیت:۔

فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا إِلَّا كَبِيرًا لَهُمْ (۲۱ - ۵۸) پھر ان کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا مگر ایک بڑے (بت) کو (نہ توڑا)

میں صنم کو کبیر کہنا اس کی حقیقی قدر و منزلت

کے لحاظ سے نہیں ہے۔ بلکہ ان کے اعتقاد کی بنیاد پر ہے۔ اور آیت :۔
بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَٰذَا (۲۱-۶۳) بلکہ یہ انکے بڑے بت نے کیا (ہوگا) بھی اس معنی پر محمول ہے۔ اور آیت :۔
وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكَابِرَ مُجْرِمِيهَا (۶-۱۲۴) اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں بڑے بڑے مجرم پیدا کئے۔
میں اکابر سے وہاں کے روسا مراد ہیں اسیطرح آیت :۔
إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ (۲۰-۷۱) بے شک وہ تمہارا بڑا (یعنی استاد) ہے جس نے تم کو جادو سکھایا۔
میں بھی کبیر بمعنی رئیس ہی ہے۔ اور اس معنی میں مشہور محاورہ ہے۔ وَرِثَهُ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ یعنی یہ چیز اسے بلند مرتبہ آباؤاجداد سے ورثہ میں حاصل ہوئی ہے۔
اَلْكَبِيرَةُ ۔ عرف میں اس گناہ کو کہتے ہیں جس کی سزا بڑی سخت ہو۔ اس کی جمع اَلْكَبَائِرُ آتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔
الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ (۵۳-۳۲) جو صغیرہ گناہوں کے سوا بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں۔
اور آیت ۔ إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ (۴-۳۱) اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے، اجتناب رکھو۔
میں بعض نے کہا ہے۔ کہ کبائر سے مراد شرک ہے۔ کیونکہ دوسری آیت :۔ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (۳۱-۱۳) شرک تو بڑا بھاری ظلم ہے۔

میں شرک کو ظلم عظیم کہا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ کبائر کا لفظ۔ شرک اور تمام مہلک گناہوں کو شامل ہے۔ جیسے زنا اور کسی جان کا ناحق قتل کرنا جیسا کہ فرمایا۔
إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا (۱۷-۳۱) کچھ شک نہیں کہ ان کا مار ڈالنا بڑا سخت گناہ ہے۔
قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا (۲-۲۱۹) کہہ دو کہ ان میں نقصان بڑے ہیں اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں۔ مگر ان کے نقصان فائدوں سے زیادہ ہیں۔
اور کبیرۃ اس عمل کو بھی کہتے ہیں جس میں مشقت اور صعوبت ہو۔ چنانچہ فرمایا :۔
وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ (۲-۴۵) بے شک نماز گراں ہے مگر ان لوگوں پر نہیں جو عجز کرنے والے ہیں۔
كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ (۴۲-۱۳) جس چیز کی طرف تم مشرکوں کو بلاتے ہو وہ ان کو دشوار گزرتی ہے۔
وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ (۶-۳۵) اور اگر ان کی روگردانی تم پر شاق گزرتی ہے
اور آیت :۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً (۱۸-۵) (یہ) بڑی بات ہے۔ میں اس گناہ کے دوسرے گناہوں سے بڑا اور اس کی سزا کے سخت ہونے پر تنبیہ پائی جاتی ہے۔ جیسے فرمایا :۔
كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ ۔ خدا اس بات سے سخت بیزار ہے (۶۱-۳۵) اور آیت :۔
وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ (۲۴-۱۱) اور جس نے ان میں سے اس بہتان کا بڑا بوجھ اٹھایا۔
میں تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ سے مراد وہ شخص ہے جس

نے اتک کا شاخسانہ کھڑا کیا تھا اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص کسی برے طریقے کی بنیاد ڈالے اور لوگ اس پر عمل کریں تو وہ سب سے بڑھ کر گنہگار ہوگا۔ اور آیت:۔
اِلَّا کِبْرٌ مَّا ھُمْ بِبَالِغِیْهِ (۴۰-۵۶) (ارادہ) عظمت ہے اور اس کو پہنچنے والے نہیں۔
میں کِبْرٌ کے معنی بھی تکبر ہی کے ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے ہر بڑا امر مراد ہے۔ اور یہ کبر بمعنی پیرانہ سالی سے ماخوذ ہے جیسا کہ آیت:۔
وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ میں ہے۔ اور اَلْکِبْرُ وَالتَّکَبُّرُ وَالْاِسْتِکْبَارُ کے معنی قریب قریب ایک ہی ہیں پس کبر وہ حالت ہے جس کے سبب سے انسان عُجب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور عُجب یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا خیال کرے اور سب سے بڑا[1] تکبر قبول حق سے انکار اور عبادت سے انحراف کر کے اللہ تعالےٰ پر تکبر کرنا ہے۔
اَلْاِسْتِکْبَارُ (استفعال) اس کا استعمال دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ انسان بڑا بننے کا قصد کرے۔ اور یہ بات اگر منشائے شریعت کے مطابق اور بر محل ہو اور پھر ایسے موقع پر ہو جس پر تکبر کرنا انسان کو سزاوار ہے تو محمود ہے۔ دوم یہ کہ انسان جھوٹ موٹ بڑائی کا اظہار کرے اور ایسے اوصاف کو اپنی طرف منسوب کرے جو اس میں موجود نہ ہوں۔ یہ مذموم ہے۔ اور قرآن میں یہی دوسرا معنی مراد ہے۔ فرمایا:۔
اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ (۲-۳۴) مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آگیا۔
اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَھْوٰٓی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ (۲-۸۷) تو جب کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آئے جن کو تمہارا جی نہیں چاہتا تھا۔ تم سرکش ہو جاتے رہے۔
وَاَصَرُّوْا وَاسْتَکْبَرُوا اسْتِکْبَارًا (۷۱-۷) اور اڑ گئے اور اکڑ بیٹھے۔
اِسْتِکْبَارًا فِی الْاَرْضِ (۳۵-۴۳) (یعنی انہوں نے ملک میں غرور کرنا۔
فَاسْتَکْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ (۲۹-۳۹) تو وہ ملک میں مغرور ہو گئے۔
تَسْتَکْبِرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ (۴۶-۲۰) کہ تم زمین میں ناحق غرور کیا کرتے تھے۔
اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْھَا (۷-۴۰) جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے سرتابی کی۔
مَآ اَغْنٰی عَنْکُمْ جَمْعُکُمْ وَمَا کُنْتُمْ تَسْتَکْبِرُوْنَ (۷-۴۸) (آج) نہ تو تمہاری جماعت ہی تمہارے کسی کام آئی۔ اور نہ ہی تمہارا تکبر سودمند ہوا۔
اور آیت کریمہ:۔
فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا (۴۰-۴۷) تو ادنیٰ درجے کے لوگ بڑے آدمیوں سے کہیں گے۔
میں متکبرین کے مقابلہ میں ضعفاء کا لفظ لانے سے اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے۔ کہ ان کا استکبار بدنی اور مالی قوت کے حاصل ہونے کی وجہ سے تھا۔ اسی طرح آیت:۔

---

[1] وفی الحدیث الکبران تسفہ الحق وتغمص الناس (رالادب المفرد للبخاری من روایۃ عبداللہ بن عمرو بن العاص وقال علماء الاخلاق الکبر یکون بالمنزلۃ الرفیعۃ والعجب یکون بالفضیلۃ الماوردی لشرحہ منہاج الیقین ۲۹۷ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا (۷-۷۵) تو ان کی قوم کے سردار لوگ جو غرور رکھتے تھے غریب لوگوں سے کہنے لگے۔ ......

میں بھی متکبرین مستضعفین کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے۔ اور آیت:۔

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ (۱۰-۷۵) تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ گنہگار لوگ تھے۔

میں لفظ فَاسْتَكْبَرُوْا سے اس بات پر متنبہ کیا ہے کہ انہوں نے قبول حق کے سلسلہ میں تکبر، خود پسندی اور نخوت سے کام لیا اور پھر وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ کہہ کر یہ بتایا ہے کہ ان کے سابقہ جرائم نے ہی انہیں تکبر پر اکسایا تھا۔ اور یہ تکبر ان کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی۔ بلکہ ان کا شیوہ بن چکا تھا۔ اور فرمایا:۔

فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ (۱۶-۲۲) تو جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل انکار کر رہے ہیں۔ اور وہ سرکش ہو رہے ہیں۔

اس کے بعد دوسری آیت میں فرمایا۔

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ (۱۶-۲۳) وہ (خدا) سرکشوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

اَلْتَكَبُّرُ اس کا استعمال دو طرح پر ہوتا ہے ایک یہ کہ فی الحقیقت کسی کے افعال حسنہ زیادہ ہوں اور وہ ان میں دوسروں سے بڑھا ہوا ہو اسی معنی میں اللہ تعالیٰ صفت تکبر کے ساتھ متصف ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

اَلْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ (۵۹-۲۳) غالب زبردست بڑائی۔

دوم یہ کہ کوئی شخص صفات کمال کا ادعا کرے۔ لیکن فی الواقع وہ صفات حسنہ سے عاری ہو اس معنی کے لحاظ سے یہ انسان کی صفت بن کر استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ (۴۰-۷۶) متکبروں کا کیا برا ٹھکانا ہے۔

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (۴۰-۳۵) اسی طرح خدا ہر سرکش متکبر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

تو معنی اول کے لحاظ سے یہ صفات محمودہ میں داخل ہے اور معنی ثانی کے لحاظ سے صفت ذم ہے اور کبھی انسان کے لئے تکبر کرنا مذموم نہیں ہوتا جیسا کہ آیت:۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (۷-۱۴۶) جو لوگ زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں ان کو اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا۔

سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبر بغیر الحق نہ ہو تو مذموم نہیں ہے۔ اور آیت:۔

عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (۴۰-۳۵) ہر متکبر جابر کے دل پر۔ میں لفظ قلب متکبر کی طرف مضاف ہے۔ اور بعض نے قلب تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں متکبر قلب کی صفت ہوگا۔

اَلْكِبْرِيَاءُ۔ اطاعت کیشی کے درجہ سے اپنے آپ کو بلند سمجھنے کا نام کبریاء ہے۔ اور یہ استحقاق صرف ذات باری تعالیٰ کو ہی حاصل ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۴۵-۳۷)

اور آسمانوں اور زمینوں میں اس کیلئے بڑائی ہے۔
اور اس کا ثبوت اس حدیث قدسی سے بھی ملتا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں[1]۔ (۹۰)
اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظْمَۃُ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا قَصَمْتُہٗ کہ کبریا میری رداء ہے اور عظمت ازار ہے۔ جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک میں میرے ساتھ مزاحم ہوگا۔ تو میں اس کی گردن توڑ ڈالوں گا۔ اور قرآن میں ہے:۔
قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا وَتَکُوْنَ لَکُمَا الْکِبْرِیَآءُ فِی الْاَرْضِ (۱۰-۷۸) وہ بولے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ جس (راہ) پر ہم اپنے باپ دادوں کو پاتے رہے ہیں اس سے ہم کو پھیر دو اور اس ملک میں تم دونوں ہی کی سرداری ہو جائے۔
اَکْبَرْتُ الشَّیْءَ کے معنی کسی چیز کو بڑا خیال کرنے کے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے:۔
فَلَمَّا رَاَیْنَہٗٓ اَکْبَرْنَہٗ (۱۲-۳۱) جب عورتوں نے ان کو دیکھا تو ان کا رعب ان پر چھا گیا۔
اَلتَّکْبِیْرُ (تفعیل) اس کے ایک معنی تو کسی کو بڑا سمجھنے کے ہیں۔ اور دوم اللہ اکبر کہہ کر اللہ تعالیٰ کی عظمت کو ظاہر کرنے پر بولا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی عظمت کا احساس کرنیکے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ (۲-۱۸۵) اور اس احسان کے بدلے کہ خدا نے تم کو ہدایت بخشی ہے تم اس کو بزرگی سے یاد کرو۔
وَکَبِّرْہُ تَکْبِیْرًا (۱۷-۱۱۱) اور اس کو بڑا جان کر اس کی بڑائی کرتے رہو۔ اور آیت:۔
لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَکْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (۴۰-۵۷) آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے کی نسبت بڑا کام ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔
میں اَکْبَرُ کے لفظ سے قدرت الٰہی کی کاریگری اور حکمت کے ان عجائب کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جو آسمان اور زمین کی خلق میں پائے جاتے ہیں۔ اور جن کو کہ وہ خاص لوگ ہی جان سکتے ہیں۔ جن کی وصف میں فرمایا:۔
وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۳-۱۹۱) اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں۔
ورنہ ان کی ظاہری عظمت کو تو عوام الناس بھی سمجھتے ہیں (اس لئے یہ معنی یہاں مراد نہیں ہیں) اور آیت:۔ یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَۃَ الْکُبْرٰی (۴۴-۱۶) جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے۔
میں اس بات پر متنبہ کیا ہے کہ روز قیامت سے پہلے دنیا یا عالم برزخ میں کافر کو جس قدر بھی عذاب ہوتا ہے عذاب آخرت کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔
اَلْکُبَّارُ: اس میں کبیر کے لفظ سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے اور کُبَّار (بتشدید باء) اس سے بھی

---

[1] الحدیث ذکرہ السیوطی فی الدر (۶: ۳۷۰) وابن کثیر (۴: ۱۵۳) وفی روایۃ ابی داؤد قذفتہ فی النار وفی روایۃ مسلم عن ابی ہریرۃ وابی سعید القیتہ فی النار وعذبتہ انظر للحدیث وتخریجہ باختلاف الالفاظ کنز العمال ج ۳ رقم ۲۶۱۳-۲۶۱۶ عن علی وابی ہریرۃ وابن عباس وابی سعید وتخریج الکشاف للحافظ رقم ۱۴۰ وتخریج الاحیاء للعراقی ۳/۳۴۷ ومسند ابن حبان رقم ۹۴ ومنہاج الیقین شرح ادب الدنیا والدین وادیس وقا الارزنجانی ۳۹۷

زیادہ بلیغ ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
وَمَکَرُوْا مَکْرًا کُبَّارًا۔ (۷۱-۲۲) اور وہ بڑی بڑی چالیں چلے۔

(ک ت ب)

اَلْکَتْبُ۔ کے اصل معنی کھال کے دو ٹکڑوں کو ملا کر سی دینے کے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے کَتَبْتُ السِّقَاءَ "میں نے مشکیزہ کو سی دیا" کَتَبْتُ الْبَغْلَۃَ میں نے خچری کی شرمگاہ کے دونوں کنارے بند کر کے ان پر (لوہے) کا حلقہ چڑھا دیا" عرف میں اس کے معنی حروف کو تحریر کے ذریعہ باہم ملا دینے کے ہیں مگر کبھی ان حروف کو تلفظ کے ذریعہ باہم ملا دینے پر بھی بولا جاتا ہے الغرض کتابۃ کے اصل معنی تو تحریر کے ذریعہ حروف کو باہم ملا دینے کے ہیں مگر بطور استعارہ کبھی بمعنی تحریر اور کبھی بمعنی تلفظ استعمال ہوتا ہے اس بنا پر کلام الہٰی کو کتاب کہا گیا ہے گو (اس وقت) قید تحریر میں نہیں لائی گئی تھی۔ قرآن میں ہے:۔
الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ (۲-۱) یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں۔
اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ (۱۹-۳۰) میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے۔
اَلْکِتَابُ اصل میں مصدر ہے اور پھر مکتوب فیہ (یعنی جس چیز میں کچھ لکھا گیا ہو کو کتاب کہا جانے لگا ہے در اصل اَلْکِتَابُ اس صحیفہ کو کہتے ہیں جس میں کچھ لکھا ہوا ہو۔ چنانچہ آیت:۔
یَسْئَلُکَ اَھْلُ الْکِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْھِمْ کِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ (۴-۱۵۳) (اے محمدؐ) اہل کتاب تم سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ تم ان پر ایک لکھی ہوئی کتاب آسمان سے اتار لاؤ۔
میں "کتاب" سے وہ صحیفہ مراد ہے جس میں کچھ لکھا ہوا ہو اسی لئے دوسری جگہ فرمایا:۔
وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ کِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ ..... (۶-۷) اور اگر ہم تم پر کاغذوں پر لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے۔
نیز کسی چیز کے ثابت کر دینے "اندازہ کرنے" فرض یا واجب کر دینے اور عزم کرنے کو کِتَابَۃ سے تعبیر کر لیتے ہیں اس لئے کہ پہلے پہل تو کسی چیز کے متعلق دل میں خیال پیدا ہوتا ہے پھر زبان سے ادا کی جاتی ہے اور آخر میں لکھ لی جاتی ہے لہٰذا ارادہ کی حیثیت مبدا اور کتابت کی حیثیت منتہیٰ کی ہے پھر جس چیز کا ابھی ارادہ کیا گیا ہو تاکید کے طور پر اسے کَتَبَ سے تعبیر کر لیتے ہیں جو کہ دراصل ارادہ کا منتہیٰ ہے...... چنانچہ فرمایا:۔
کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ (۵۸-۲۱) خدا کا حکم ناطق ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے۔
قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا۔ (۹-۵۱) کہہ دو کہ ہم کو کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی بجز اس کے کہ جو خدا نے ہمارے لئے مقدر کر دی ہے۔
لَبَرَزَ الَّذِیْنَ کُتِبَ عَلَیْھِمُ الْقَتْلُ (۳-۱۵۴) تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا۔ وہ اپنی اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور نکل آتے۔ اور آیت:۔
وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ (۸-۷۵) اور رشتے دار خدا کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔
میں کتاب اللہ سے مراد قانون خداوندی ہے اور آیت:۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (۵-۴۵) اور ہم نے ان لوگوں کے لئے توراۃ میں یہ حکم لکھ دیا تھا۔ کہ جان کے بدلے جان۔
میں کَتَبْنَا بمعنی اَوْحَيْنَا وَ فَرَضْنَا ہے یعنی ہم نے وحی بھیجی یا فرض کر دیا اور اسی معنی میں فرمایا۔
كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ (۲-۱۸۰) تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت کا وقت آجائے۔
كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (۲-۱۸۳) مومنو تم پر روزے فرض کئے گئے۔
لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ (۴-۷۷) تو نے ہم پر جہاد (جلد) کیوں فرض کر دیا۔
مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ (۵۷-۲۷) ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ اور آیت :۔
وَلَوْلَا أَنْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ (۵۹-۳) اور اگر خدا نے ان کے بارے میں جلا وطن کرنا نہ لکھ رکھا ہوتا۔
کے معنی یہ ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے گھروں کو چھوڑنا ان پر ضروری نہ کیا ہوتا (تو ان کو کوئی دوسری سزا دی جاتی) اور کبھی کتابت سے تقدیر حتمی یا حتمی کی مثل مراد ہوتی ہے۔ چنانچہ آیت :۔
بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ (۴۳-۸۰) ہاں ہاں (سب سنتے ہیں) اور ہمارے فرشتے ان کے پاس (ان کی) سب باتیں لکھ لیتے ہیں۔
میں بعض نے تقدیر کے نویسندے مراد لئے ہیں اور بعض نے کہا ہے۔ کہ آیت :۔
يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ (۱۳-۳۹) میں بھی تقدیر کی دونوں قسم مراد ہیں اور آیت :۔
أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ (۵۸-۲۲) یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح تحریر) کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے۔
میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان لوگوں کی حالت ان کفار کے برعکس ہے۔ جن کے متعلق ارشاد ہے :۔
وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا (۱۸-۲۸) اور جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اس کا اس کا کہنا نہ ماننا۔
کیونکہ أَغْفَلْنَا کا لفظ أَغْفَلْتُ الْكِتَابَ سے ماخوذ ہے جس کے معنی کتاب کو مہمل یعنی اعراب و نقاط سے معرّی چھوڑ دینا کے ہیں۔ اور آیت :۔
فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ (۲۱-۹۴) تو اس کی کوشش رائگاں نہ جائے گی۔ اور ہم اس کے لئے (ثواب اعمال) لکھ رہے ہیں۔
میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اعمال کو ثابت رکھا جا رہا ہے اور ان کی ضروری جزا دی جائے گی۔ اور آیت :۔
فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ (۳-۵۳) تو ہم کو ماننے والوں میں لکھ رکھ۔
کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں ان کے زمرہ میں داخل فرما۔
اور یہ آیت کریمہ :۔
فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ (۴-۶۹) وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔ جن پر خدا نے بڑا فضل کیا۔
کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ اور آیت :۔
وَمَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا (۱۸-۴۹) ہائے شامت یہ کیسی کتاب ہے نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے

اور نہ بڑی کو ر کوئی بات بھی نہیں، مگر اسے لکھ رکھا ہے۔ میں اَلْکِتَاب سے لوگوں کے اعمال نامے مراد ہیں اور آیت کریمہ :۔

اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا (۵۷-۲۲) مگر پیشتر اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں ایک کتاب میں (لکھی ہوئی ہے)۔

میں بعض نے کہا ہے کہ "کتاب" سے لوح محفوظ کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ اسی معنی میں فرمایا :۔

اِنَّ ذٰلِكَ فِیْ كِتَابٍ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (۲۲-۷۰) یہ سب کچھ کتاب میں لکھا ہوا ہے بے شک یہ سب خدا کو آسان ہے۔

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ (۶-۵۹) کوئی تر یا خشک چیز نہیں۔ مگر کتاب روشن میں لکھی ہوئی ہے۔

فِی الْكِتَابِ مَسْطُوْرًا (۱۷-۵۸) یہ کتاب (یعنی تقدیر میں) لکھا جا چکا ہے۔ اور آیت :۔

لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ (۸-۶۸) اگر خدا کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا۔

کے معنی یہ ہیں کہ اگر یہ بات حکمت الٰہی میں مقدر نہ ہو چکی ہوتی لہٰذا یہ آیت :۔

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (۶-۵۴) خدا نے اپنی ذات پاک پر رحمت کو لازم کر لیا کی طرف اشارہ ہوگا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (۸-۳۳) اور خدا ایسا نہ تھا۔ کہ جب تک تم ان میں تھے انہیں عذاب دیتا۔ کی طرف اشارہ ہے اور آیت :۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا (۹-۵۱) کہہ دو کہ ہم کو کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی بجز اس کے جو خدا نے ہمارے لئے لکھ دی ہو۔

میں کَتَبَ کے معنی مقدر اور فیصلہ کرنا کے ہیں اور یہاں عَلَیْنَا کی بجائے لَنَا کہنے سے اس بات پر تنبیہ ہے کہ جو مصیبت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں پہنچتی ہے اسے ہم اپنے لئے نعمت سمجھتے ہیں۔ اور نقمت خیال نہیں کرتے اور آیت :۔

اُدْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ (۵-۲۱) (تو بھائیو) تم ارض مقدس (یعنی ملک شام) جسے خدا نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے چل داخل ہو۔ میں بعض نے كَتَبَ اللّٰهُ کے معنی وَهَبَهَا لَكُمْ کئے ہیں یعنی جو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کی تھی۔ اور پھر تمہارے وہاں نہ جانے اور اس عطا الٰہی کو قبول نہ کرنے کے باعث اللہ تعالیٰ نے وہ زمین ان پر حرام کر دی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ کے معنی یہ ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے حق میں اس کا فیصلہ کر دیا تھا بشرطیکہ تم وہاں چلے جاتے اور بعض نے کَتَبَ کے معنی اَوْجَبَ کئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے وہاں چلے جانا تم پر واجب کر دیا تھا اور پھر عَلَیْكُمْ کی بجائے لَكُمْ اس لئے کہا ہے کہ وہاں چلے جانے میں ان کے دنیوی اور اخروی دونوں قسم کے فوائد مضمر تھے اس لئے وہاں چلے جانا لَكُمْ ہوگا نہ کہ عَلَیْكُمْ جیسا کہ مثلاً کوئی شخص کسی بات کو نقصان دہ خیال کرتا ہو مگر مآل کے اعتبار سے جو فوائد اس میں پنہاں ہیں اس سے غافل اور بے خبر ہو تو اس سے کہا جائے گا اَلْكَلَامُ لَكَ لَا عَلَيْكَ (یعنی اس میں تمہارا فائدہ ہے نہ کہ نقصان اور آیت :۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ (۳۰-۵۶)

اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا تھا۔ وہ کہیں گے
خدا کی کتاب کے مطابق تم قیامت تک رہے ہو گے۔
میں کتاب اللہ سے اللہ کا حکم، فیصلہ اور علم
مراد ہے۔ اور یہی معنی آیت:۔
لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ (۱۳-۳۸) ہر حکم (قضا
دکتاب میں) مرقوم ہے۔ کے ہیں۔ اور آیت:۔
إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا
فِي كِتَابِ اللَّهِ (۹-۳۶) خدا کے نزدیک
مہینے گنتی میں بارہ ہیں یعنی... کتاب خدا میں۔
میں کتاب اللہ کے معنی بھی حکم الہی ہی ہیں۔
اور کبھی کتاب سے وہ حجت الہی مراد ہوتی ہے
جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثابت ہو چکی ہو چنانچہ فرمایا۔
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ
وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ (۲۲-۸) اور
لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو خدا کی شان میں
بغیر علم (و دانش) کے اور بغیر ہدایت کے اور
بغیر کتاب روشن کے جھگڑتا ہے۔
أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ۔ یا ہم نے ان کو
اس سے پہلے کوئی کتاب دی تھی۔
فَأْتُوا بِكِتَابِكُمْ (۳۷-۱۵۷) تو اپنی حجت پیش کرو۔
أُوتُوا الْكِتَابَ (۲-۵۴) جنہیں الکتاب یعنی حجت دی
كِتَابَ اللَّهِ (۲-۱۰۱) خدا کی کتاب کو۔ اور آیت:۔
أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا (۴۳-۲۱) یا ہم نے ان کو اس
سے پہلے کوئی کتاب دی تھی۔ اور آیت کریمہ:۔
فَهُمْ يَكْتُبُونَ (۶۸-۴۷) کہ وہ اسے لکھ لیتے ہیں۔
میں يَكْتُبُونَ سے ان کے علم و تحقیق اور عقیدہ
کی طرف اشارہ ہے۔ اور آیت:۔
وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ (۲-۱۸۷) اور خدا
نے جو تمہاری چیز تمہارے لئے لکھ رکھی ہے (یعنی
اولاد) اس کو (خدا سے) طلب کرو۔
میں ایک لطیف نقطہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ
اللہ تعالیٰ نے انسان میں نکاح کی خواہش اس
لئے رکھی ہے کہ وہ اس سے طلب نسل کرے جو
نوع انسانی کے بقار کا موجب ہے۔ لہذا انسان
کو چاہیئے کہ وہ نکاح سے اسی چیز کا قصد کرے
جو کہ عقل و دیانت کے تقاضا کے مطابق اللہ
تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر کر دی ہے۔ یعنی
حفظ نسل اور عفت نفس اور بعض نے جو یہ لکھا
ہے کہ مَا كَتَبَ اللَّهُ سے مراد اولاد ہے۔ تو انہوں
نے بھی اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور کبھی
کتابت سے کسی چیز کا وجود میں لانا۔ اور محو سے
کسی چیز کا زائل اور فنا کرنا مراد ہوتا ہے چنانچہ آیت:۔
لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ
(۱۳-۳۸، ۳۹) میں تنبیہ ہے کہ کائنات میں ہر
لمحہ ایجاد ہوتی رہتی ہے اور ذات باری تعالیٰ
مقتضائے حکمت کے مطابق اشیاء کو وجود
میں لاتی اور فنا کرتی رہتی ہے۔ لہذا اس آیت
کا وہی مفہوم ہے۔ جو کہ آیت كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي
شَأْنٍ (۵۵-۲۹) وہ ہر روز کام میں مصروف رہتا ہے۔
اور آیت (۱۳-۳۹) میں وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ
(اور اس کے پاس اصل کتاب ہے) کا ہے اور آیت:۔
وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ
بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ
مِنَ الْكِتَابِ (۳-۷۸) اور ان (اہل کتاب)
میں سے بعض ایسے ہیں کہ کتاب کو زبان مروڑ
کر پڑھتے ہیں تاکہ تم سمجھو کہ جو کچھ وہ پڑھتے ہیں
کتاب (تورات) میں سے ہے۔ حالانکہ وہ (کسی
سماوی) کتاب سے نہیں ہوتا۔ میں (لفظ

الکتاب تین مرتبہ آیا ہے چنانچہ پہلی جگہ الکتاب سے وہ جھوٹی تحریریں مراد ہیں جن کا تذکرہ آیت:۔ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيْهِمْ (۲-۷۹) میں کیا گیا ہے۔ اور دوسری الکتاب سے توراۃ مراد ہے اور تیسری الکتاب میں الف لام جنس کا ہے اور اس سے ہر آسمانی کتاب اور کلام الٰہی مراد ہوسکتی ہے پس آیت کے معنی یہ ہیں کہ وہ حکم نہ تو کسی آسمانی کتاب میں موجود ہے اور نہ ہی کلام الٰہی ہوسکتا ہے۔

اور آیت کریمہ:۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ (۲-۵۳) اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور معجزے عنایت کئے۔ میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں کتاب اور فرقان دونوں سے توراۃ مراد ہے اس لحاظ سے کہ توراۃ میں احکام الٰہی ثبت ہیں اسے الکتاب کہا گیا ہے اور اس لحاظ سے کہ اس میں حق کو باطل سے جدا کرنے والے احکام مذکور ہیں اسے الفرقان کہا گیا ہے اور آیت:۔ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتَابًا مُّؤَجَّلًا (۳-۱۴۵) اور کسی شخص میں طاقت نہیں کہ خدا کے حکم کے بغیر مرجائے (اس نے موت کا) وقت مقرر کرکے لکھ رکھا ہے۔ میں كِتَابًا مُّؤَجَّلًا سے حکم الٰہی مراد ہے۔ چنانچہ آیات لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ (۸-۶۸) (اگر خدا کا حکم پہلے نہ ہوچکا ہوتا تو ...... تم پر ...... نازل ہوتا)

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ میں کتاب سے مراد حکم ہی ہے۔ اور آیت:۔ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ (۲-۷۹) تو ان لوگوں پر افسوس ہے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں۔ میں تنبیہ کی ہے کہ از خود جھوٹی باتیں گھڑ کر لکھ لیتے ہیں۔ اور یہاں جھوٹی تحریروں کو ان کے ہاتھوں کی طرف منسوب کرنا ایسے ہی ہے جیسا کہ آیت ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ (۹-۳۰) میں ان کی من گھڑت باتوں کو ان کے مونہوں کی طرف منسوب کیا ہے۔

اَلْاِكْتِتَابُ (افتعال) کا لفظ عموماً جھوٹی اور جعلی تحریر کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا (۲۵-۵) پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس نے جمع کر رکھا ہے۔

اور قرآن میں جہاں کہیں بھی اہل الکتاب کا لفظ آیا ہے۔ وہاں الکتاب سے توراۃ انجیل یا دونوں مراد ہیں۔ اور آیت:۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى اِلٰى قَوْلِهٖ وَتَفْصِيْلَ الْكِتَابِ (۱۰-۳۷) اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ خدا کے سوا کوئی اس کو اپنی طرف سے بنا لائے۔ اور ہاں (ہاں یہ) کتابوں کی (اس میں) تفصیل ہے۔

میں الکتاب سے قرآن سے پہلے کی تمام کتب سماویہ مراد ہیں۔ کیونکہ زیر بحث آیت میں قرآن کو ان کا مصدق ٹھہرایا گیا ہے۔ لہٰذا وہ خود ان میں شامل نہیں ہوسکتا اور آیت کریمہ:۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا (۶-۱۱۵) حالانکہ اس نے تمہاری طرف واضح المطالب کتاب بھیجی ہے۔

میں بعض نے کہا ہے۔ کہ الکتاب سے مراد قرآن ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ قرآن کے علاوہ

دوسرے دلائل حقہ اور علم وعقل کو بھی شامل ہے۔
اسی طرح آیت :-
فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (۲۹-۴۷)
توجن لوگوں کوہم نے کتابیں دی تھیں وہ اس پر ایمان لے آتے ہیں ۔ میں بھی الکتاب کا مفہوم عام ہے۔ اور آیت :-
قَالَ الَّذِىْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ (۲۷-۴۰)
ایک شخص جس کو کتاب الٰہی کا علم تھا کہنے لگا ۔ میں بعض نے کہا ہے ۔ کہ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ میں مِنْ زائدہ ہے اور اس کے معنی علم الکتاب یعنی کتاب کا علم کے ہیں ۔ اور بعض نے کہا ہے کہ منجملہ ان علوم کے ایک علم مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کی خاص کتاب میں عطا فرمائے تھے اور اسی کے ذریعے سے ہر چیز حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع ہوگئی تھی ۔ اور آیت :-
وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ (۳-۱۱۹) اور تم سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔
میں الکتاب سے تمام کتب سماویہ مراد ہیں اور جمع کی بجائے مفرد کا لفظ یا تو اس لئے لایا گیا ہے کہ یہ اسم جنس ہے ۔ جیسا کہ كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ میں اَلدَّرَاهِمُ سے جنس درہم مراد ہے ۔ اور یا اس لئے کہ یہ اصل میں عدل کی طرح مصدر ہے (جو مفرد وجمع دونوں کے لئے آتا ہے) جیسا کہ آیت :-
يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (۲-۴) جو کتاب تم پر نازل ہوئی اور جو کتابیں تم سے پہلے پیغمبروں پر نازل ہوئیں سب پر ایمان لاتے ہیں ۔ میں ہے مگر بعض نے کہا ہے کہ الکتاب سے قرآن مراد ہے اور كُلِّهٖ کہہ کر اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تم ان لوگوں کی طرح نہیں ہو ۔ جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-
وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ (۴-۱۵۰) اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے ۔
كِتَابَةُ الْعَبْدِ کے معنی غلام کے خود کو اپنے آقا سے اس (مقررہ) مال کے عوض خرید لینے کے ہیں ۔ جو وہ کما کر اسے (بالاقساط) ادا کرے گا ۔ چنانچہ آیت کریمہ :-
وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ (۲۴-۳۳) اور جو غلام تم سے مکاتبت چاہیں ۔ ۔ ۔ ۔ تو ان سے مکاتبت کرلو۔
میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ كَاتِبُوْهُمْ کتابت بمعنی ایجاب سے مشتق ہو ۔ اور یہ بھی کہ الکتب بمعنی نظم یعنی تحریر سے ہو کیونکہ ان دونوں کی نسبت انسان کی طرف ہوسکتی ہے ۔

(ک ت م)

كَتَمْتُهٗ (ن) كَتْمًا وَكِتْمَانًا کے معنی کوئی بات چھپانا کے ہیں ۔ قرآن میں ہے :-
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ (۲-۱۴۰) اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو خدا کی شہادت کو جو اس کے پاس کتاب اللہ میں موجود ہے ۔ چھپائے ۔
وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (۲-۱۴۶) مگر ایک فریق ان میں سچی

بات جان بوجھ کر چھپا رہا ہے۔
وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ (۲-۲۸۳) اور (دیکھنا) شہادت کومت چھپانا۔
اور آیت کریمہ :۔
اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (۴-۳۷) جو خود بھی بخل کریں اور لوگوں کو بھی بخل سکھائیں اور جو (مال) خدا نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اسے چھپا چھپا کے رکھیں۔
میں کِتْمَانِ فَضْل سے کفرانِ نعمت مراد ہے اسی بنا پر اس کے بعد فرمایا :۔
وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا (۴-۳۷) اور ہم نے ناشکروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔
اور آیت کریمہ :۔
وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا (۴-۴۲) اور خدا سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔
کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب قیامت کے روز مشرکین دیکھیں گے کہ جنت میں وہی لوگ داخل ہو رہے ہیں جو شرک نہیں کرتے تھے۔ تو جھٹ سے پکار اٹھیں گے۔ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (۶-۲۳) خدا کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے ہم شریک نہیں بناتے تھے۔ مگر اس کے بعد جب ان کے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے تو اس وقت وہ تمنا کریں گے کہ خدا تعالیٰ سے کوئی بات نہ چھپائی ہوتی۔ حسن بصریؒ[1] فرماتے ہیں کہ آخرت میں متعدد مواقف ہوں گے بعض موقعوں پر وہ اپنی حالت کو چھپانے کی کوشش کریں گے۔ اور بعض میں نہیں چھپائیں گے بعض نے کہا ہے کہ کوئی بات چھپا نہ سکنے سے مراد یہ ہے کہ ان کے اعضا ان کے خلاف گواہی دینگے۔

(ک ث ب)

اَلْكَثِيْبُ۔ ریت کا ٹیلہ۔ چنانچہ آیت :۔
وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا (۷۳-۱۴) اور پہاڑ (ایسے بھربھرے گویا) ریت کے ٹیلے ہو جائینگے۔
اور كَثِيْبٌ کی جمع اَكْثِبَةٌ وَكُثُبٌ وَكُثْبَانٌ آتی ہے۔
اور معنی اجتماع کے لحاظ سے دودھ اور کھجور وغیرہ کی تھوڑی سی مقدار کو کُثْبَةٌ کہا جاتا ہے۔
كَثَبَ (ض) اصل معنی اکٹھا کرنا کے ہیں اور اس سے صفت فاعلی کَاثِبٌ آتی ہے جس کے معنی ہیں "جمع کرنے والا" اور اَلتَّكْثِيْبُ کے معنی شکار کے اپنے آپ پر موقعہ دینے کے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے اَكْثَبَكَ الصَّيْدُ فَارْمِهٖ دکہ شکار تجھ پر آگیا ہے لہٰذا اسے شکار کر لو) اور یہ كَثَبٌ سے مشتق ہے جس کے معنی قریب ہونے کے ہیں۔

(ک ث ر)

پہلے گزر چکا ہے کہ کثرت اور قلت کمیت منفصلہ یعنی اعداد میں استعمال ہوتے ہیں چنانچہ فرمایا :۔
وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ (۵-۶۸) و(اس سے) ان میں سے اکثر کی سرکشی اور کفر اور بڑھیگا۔

---

[1] ابوسعید الحسن البصری من سادات التابعین و امام اہل البصرۃ توفی ۱۱۰ھ (شذرات الذہب ۱/۱۳۶ و ابن خلکان ۱/۱۶۰) و قد جمع العاجز تراجمہ فی مقالۃ ÷

وَ اَکْثَرُھُمْ لِلْحَقِّ کَارِھُوْنَ (۲۳-۷۰) اور ان میں سے اکثر حق کو ناپسند کرتے ہیں۔
کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً کَثِیْرَةً (۲-۲۴۹) بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے ..... بڑی جماعت پر فتح حاصل کی۔
وَ بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً (۴-۱) پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیئے۔
وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ (۲-۱۰۹) بہت سے اہل کتاب ..... یہ چاہتے ہیں۔
علیٰ ہذا القیاس بہت سی اس قسم کی آیات ہیں جن میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اور آیت:۔
وَ فَاکِھَةٍ کَثِیْرَةٍ (۵۶-۳۲) اور میوہ ہائے کثیرہ (کے باغوں میں)۔
میں فواکہ جنت کو مطعومات دنیا کے لحاظ سے کثیرہ کہا ہے۔ اور اس سے صرف کثرت عدد ہی مراد نہیں ہے۔ بلکہ کثرت بلحاظ فضیلت بھی مراد ہے۔
اور عَدَدٌ کَثِیْرٌ وَّ کُثَارٌ وَّ کَاثِرٌ کے معنی کثرت تعداد کے ہیں اور رَجُلٌ کَاثِرٌ مالدار آدمی کو کہتے ہیں۔ کسی شاعر نے کہا ہے[1] (السریع):

(۳۶۹) وَلَسْتَ بِالْاَکْثَرِ مِنْھُمْ حَصًی
وَاِنَّمَا الْعِزَّةُ لِلْکَاثِرِ

تم گنتی میں ان سے زیادہ نہیں ہو۔ عزت تو انہی کے لئے ہے جو تعداد میں زیادہ ہوں۔
اَلْمُکَاثَرَةُ وَالتَّکَاثُرُ کے معنی ایک دوسرے سے مال و دولت اور عزت میں بڑھنے کی کوشش کرنا کے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔
اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ (۱۰۲-۱) (لوگو) تم کو (مال کی) بہت سی طلب نے غافل کر دیا۔
اور فُلَانٌ مَّکْثُوْرٌ کے معنی مَغْلُوْبٌ فِی الْکَثْرَةِ کے ہیں۔
اَلْمِکْثَارُ عرف میں بہت سی باتیں کرنے والے کو کہتے ہیں۔
اَلْکَثَرُ کے معنی ہیں خرما کا گوا جب زیادہ ہو۔ اور بہ سکون ثاء کے ساتھ بھی مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے[2] (۱۹)
لَا قَطْعَ فِیْ ثَمَرٍ وَّلَا کَثَرٍ کہ پھل اور گودے کی چوری میں قطع ید نہیں ہے۔ اور آیت:۔
اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ (۱۰۸-۱) (اے محمدؐ) ہم نے تم کو کوثر عطا فرمائی۔
میں بعض نے کہا ہے کہ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے۔ اور بعض نے خیر کثیر مراد لی ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو عطا کی اور سخی آدمی کو کوثر کہا جاتا ہے تَکَوْثَرَ الشَّیْءُ کے معنی

---

[1] قالہ الاعشی بلیمون بن کلثۃ فی ۶۰ بیتًا یہجو فیہا علقمۃ بن علاثۃ فی منافرتہ ویمدح عامر بن طفیل والاصح ان الکاثر بمعنی کثیر العدد کما فی اللسان (کثر) والقصیدۃ فی دیوانہ (۹۲-۹۶) والبیت فی التاج (کثر) والخزانۃ (۲:۸) وتہذیب الالفاظ ۴۲ وابن عقیل رقم ۲۷۷ والسیوطی ۳۰۵ وقد مر (قلل) [2] اوردہ فی الموطا من حدیث رافع بن خدیج والزرقانی ۴/۲۳ و الشافعی فی الام (۷: ۱۸۹) عن مالک وعن سفیان بن عینیۃ والیود او دو الطیالسی رقم ۹۵۸ واحمد فی المسند ۳/۴۶۳ و ۴/۱۴۰ و ۴/۱۴۲ والدارمی ۲/۱۷۴ وابوداؤد ۲۲۳۸ والترمذی ۱/۲۷۳ - ۲۷۴ والنسائی ۲/۲۵۸ و ابن ماجہ ۲/۲۲

کسی چیز کے بہت زیادہ ہونے کے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۳۷۰) وَقَدْ ثَارَ نَقْعُ الْمَوْتِ حَتّٰی تَكَوَّثَرَا

موت کا غبار اٹھا۔ یہاں تک کہ بہت زیادہ ہوگیا۔

(ک د ح)

اَلْكَدْحُ کے معنی کوشش کرنا اور مشقت اٹھانا کے ہیں۔ قرآن میں ہے۔

اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا (۸۴ - ۶) تو اپنے پروردگار کی طرف (پہنچنے میں) خوب کوشش کرتا ہے۔

اور کبھی کَدْحٌ بمعنی کَدْمٌ بھی آتا ہے جس کے معنی دانت کاٹنے کا نشان کے ہیں۔

(ک د ر)

اَلْكَدَرُ کے معنی کسی چیز میں گدلا پن کے ہیں اور یہ صَفَاءٌ (صفائی) کی ضد ہے، مثلاً عَيْشٌ كَدِرٌ تیرہ زندگی۔ اَلْكُدْرَةُ کے معنی بھی گدلا پن کے ہیں مگر اس کا استعمال خصوصیت کے ساتھ رنگ میں ہوتا ہے اور کَدُوْرَةٌ کا پانی اور زندگی میں۔

اَلْاِنْكِدَارُ (انفعال) اس تغیر کو کہتے ہیں جو کسی چیز کے بکھر جانے سے واقع ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے۔

وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ (۸۱ - ۲) اور جب ستارے بکھر کر بے نور ہو جائیں گے۔

اِنْكَدَرَ الْقَوْمُ عَلٰى كَذَا قوم بکھر کر اس پر ٹوٹ پڑی۔

(ک د ی)

اَلْكُدْيَةُ کے معنی سخت زمین کے ہیں چنانچہ محاورہ ہے۔

حَفَرَ فَاَكْدٰى وہ گویا کھودتا ہوا سخت زمین تک جا پہنچا اور مزید کھدائی سے رک گیا اور استعارہ کے طور پر اَكْدٰى کا لفظ تھوڑا سا دے کر ہاتھ روک لینے اور ناکام ہونے پر بولا جاتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔

اَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى (۵۳ - ۳۴) تھوڑا سا دیا اور پھر (ہاتھ) روک لیا۔

(ک ذ ب)

اَلْكَذِبُ (جھوٹ) صِدْقٌ پر بحث کے سلسلہ میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ قول اور فعل دونوں کے متعلق اس کا استعمال ہوتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے۔

اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۱۶ - ۱۰۵) جھوٹ اور افتراء تو وہی لوگ کیا کرتے ہیں۔ جو خدا کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے۔

اور آیت کریمہ:۔

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ (۶۳ - ۱) لیکن خدا ظاہر کئے دیتا ہے کہ منافق (دل سے اعتقاد نہ رکھنے کے لحاظ سے) جھوٹے ہیں۔

میں ان کے کاذب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ

---

[1] قالہ حسان بن نشبہ وادلہ: ابوالان یہجو اجارہم لعدوہم۔ والبیت من قصیدۃ حماسیۃ فی اربعۃ ابیات راجع المرزوقی رقم ۱۱۳ وفی التبریزی حتی تکورا ای من کور العمامۃ والمعنی واحد قال ابو محمد الاعرابی واسم الشاعر مصحف والصواب جساس بن نشبہ قال جریر یہجو جذب بن حبیب التیمی :۔ اجذب اشبہت التی کان بنظرھا کسطر ثوث ارض غیر ذلت الناس، لقد شبہت تیم علی ام جحدب کان مراۃ النیم رھط جساس ؛

یہ کہتے ہیں گو واقعتاً صحیح ہے مگر ان کے ضمیر اس کے خلاف ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ (٥٦-٢) اس کے واقع ہونے میں کچھ جھوٹ نہیں ہے۔

میں نفس فعل یعنی وقوع کی طرف کذب کی نسبت کی ہے۔

جیسا کہ فِعْلَةٌ صَادِقَةٌ وَفِعْلَةٌ كَاذِبَةٌ کا محاورہ ہے اور آیت کریمہ:۔

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ (٩٦-١٦) یعنی اس جھوٹے خطاکار کی پیشانی (کے بال)، میں ناصیہ کو مبالغہ کے طور پر کاذب کہا ہے۔ اور كَذَّابٌ كَذُوبٌ، كُذُبْذُبٌ وَكَيْذُبَانٌ یہ سب مبالغہ کے صیغے ہیں۔ محاورہ ہے۔

لَا مَكْذُوبَةَ۔ یعنی ... میں تیرے سامنے جھوٹ نہیں بولتا۔ كَذَبْتُكَ حَدِيثًا۔ میں نے تم سے جھوٹ کہا قرآن میں ہے۔

اَلَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ (٩-٩٠) جنہوں نے خدا اور رسولؐ سے جھوٹ بولا۔

اور کبھی دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسا کہ آیت:۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ۔ میں صَدَقَ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے۔ محاورہ ہے۔ كَذَبَهٗ كَذِبًا وَكِذَّابًا۔ یعنی اس کے سامنے جھوٹ بولا۔ اَكْذَبْتُهٗ میں نے اسے جھوٹا پایا۔ كَذَّبْتُهٗ میں نے اس کی طرف جھوٹ کی نسبت کی (یعنی اسے جھوٹا کہا) خواہ وہ واقعہ میں سچا ہے یا جھوٹا۔ دونوں حالتوں میں اس کا استعمال ہوسکتا ہے۔ لیکن قرآن پاک میں صرف سچے آدمی کی تکذیب پر اس کا استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا (٢-٣٩) اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔

رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ (٢٣-٢٦) کہ پروردگار انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے تو میری مدد کر۔

بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ (٥٠-٥) بلکہ انہوں نے حق کو جھوٹ سمجھا۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا (٥٤-٩) ان سے پہلے نوحؑ کی قوم نے بھی تکذیب کی تھی تو انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا۔

وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (٣٥-٢٥) اور (اے پیغمبر) اگر یہ تمہاری تکذیب کریں تو جو لوگ اُن سے پہلے تھے وہ بھی تکذیب کر چکے ہیں۔

فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ (٦-٣٣) یہ تمہاری تکذیب نہیں کرتے۔

ایک قراءت میں لَا يُكْذِبُونَكَ ہے یعنی وہ نہ تجھے جھوٹا پاتے ہیں۔ اور نہ ہی تیرا جھوٹ ثابت کرسکتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

حَتّٰى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا (١٢-١١٠) یہاں تک کہ جب پیغمبر ناامید ہوگئے اور انہوں نے خیال کیا (کہ اپنی نصرت کے بارے میں) جو بات انہوں نے کہی تھی اس میں وہ سچے نہ نکلے۔

یعنی انہوں نے یقین کرلیا کہ یہ لوگ جن کی طرف انہیں بھیجا گیا ہے تکذیب ہی کریں گے۔

كُذِّبُوا کے معنی جھٹلائے جانے کے ہیں جیسے فُسِّقُوا وَخُطِّئُوا کے معنی کسی کی طرف فسق یا خطاکاری کی نسبت کرنے کے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ (۳۵-۴) تو تم سے پہلے بھی پیغمبر جھٹلائے گئے ہیں۔

فَكَذَّبُوا رُسُلِي۔ تو انہوں نے میرے پیغمبروں کو جھٹلایا۔

إِنْ كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ (۳۸-۱۴) ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔

مذکورہ بالا آیت (۱۲-۱۱۰) میں ایک قرات كُذِبُوا بتخفیف دال بھی ہے[1] جو کہ كَذَبْتُكَ حَدِيْثًا سے ماخوذ ہے اس صورت میں كُذِبُوا کا نائب فاعل کفار ہوں گے یعنی حتیٰ کہ کفار نے یہ خیال کیا کہ پیغمبر جھوٹ بولتے ہیں کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو تم پر عذاب نازل ہوگا اور کفار کے دلوں میں یہ خیال اس بنا پر پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مہلت دی اور فوراً عذاب نازل نہ کیا اور آیت:۔

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا (۷۸-۳۵) وہاں نہ وہ بیہودہ بات سنیں گے نہ جھوٹ (وخرافات) میں كِذَّاب کے معنی تَكْذِيب کے ہیں۔ یعنی وہ جھوٹ ہی نہیں بولیں گے حتیٰ کہ ایک دوسرے کی تکذیب کی نوبت آئے لہٰذا جنت میں تکذیب کی نفی کذب کی نفی کو مستلزم ہے ایک قرأت میں كِذَابًا آیا ہے۔ جو کہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے۔ کہ اہل جنت باہم کذب بیانی نہیں کریں گے۔ جس طرح کہ لوگ دنیا میں کرتے ہیں۔ محاورہ ہے۔

حُمِلَ فُلَانٌ عَلَى فِرْيَةٍ وَكَذِبٍ۔ فلاں کو جھوٹ بولنے پر اکسایا گیا۔ جیسا کہ اس کی ضد میں صَدَقَ استعمال ہوتا ہے۔ اور جب اونٹنی کے متعلق یہ یقین ہو کہ کچھ عرصہ تک اس کا دودھ خشک نہیں ہوگا لیکن توقع کے خلاف اس مدت سے پہلے ہی خشک ہوجائے تو کہا جاتا ہے كَذَبَ لَبَنُ النَّاقَةِ اونٹنی کا دودھ توقع کے خلاف خشک ہوگیا اور كَذَبَ عَلَيْكَ الْحَجُّ فَبَادِرْ کے بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ تم پر حج فرض ہوچکی ہے۔ اسے فوراً ادا کرو۔[2] (۹۲) دراصل حج کو اس غائب آدمی کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کی آمد میں دیر ہوگئی ہے اور یہ قَدْ فَاتَ الْحَجُّ فَبَادِرْ کہ حج فوت ہونے کو ہے لہٰذا جلدی کرو۔ کے ہم معنی ہے اور كَذَبَ عَلَيْكَ الْعَسَلُ میں عَسَل منصوب عَلَى الْإِغْرَاءِ ہے یعنی شہد ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ (۹۳)

بعض نے کہا ہے کہ یہاں عَسَلٌ بمعنی عَسَلَانٌ ہے اور عَسَلَانٌ کے معنی ایک قسم کی دوڑ کے ہیں۔

اَلْكِذْبَةُ۔ ایک قسم کا کپڑا جس پر مصنوعی نقش و

---

[1] قال الطبري: وذالك قراءة بعض قراء المدينة وعامة قراء اهل الكوفة ونحن نختار هذا القراءة وماخوذ من التفسير ص۹۰۔ ۱۲۷ [2] قاله عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انظر للاثر ومعانیہ المختلفة الصحاح واللسان (کذب) واصلاح المنطق لابن السکیت ۲۴۳ قال فی الدنیاہ ۱/۲۳۲:۔ ان لاحمد بن محمد الخسیکتی کتاب (کذب علیک کذا) وفی النوادر ۱۱۲-۱۱۵: قال ابوعبیدة الحج مرفوع علی اللغزاء ثم ذکر الشاہد وجاز فی النصب ایضا انتہی مختصرا وانظر للاثر ایضا غریب ابی عبید ۳ والمعانی للقتبی ۱۹۰ الزم الحج ۱۲ [3] وحینئذ یکون علیک اسم فعل بمعنی الزم وفی ابدال ابی الطیب ۲/۲۱۹ والفائق ۲/۱۹۶ وفیہا البحث علی طولہ۔ وشکا عمرو بن معدیکرب الی عمر بن الخطاب المعص وای النواء عصب الرجل فقال کذب علیک العسل ای علیک بالعدو والعسل ہہنا بمعنی العسلان ای الاسراع ومقاربة الخطو کما یفعل الذئب لوقارب من الشیء والمثل یضرب علی طرق شتی قال ابوشمیل اللغوی کذب العسل ای امکنک فاعسل واسرع ورفع العسل بکذب ومعناہ النصب لانہ یرید ان یامرہ بالعسلان کما یقال امکنک الصید فارمہ وانظر ایضا العدة للحریری مع شرح الخفاجی ۱۴۹-۱۵۰ فان الشارح قد حقق القول بانہ یجوز النصب والرفع علی العسل والحج

نگار کیا گیا ہو مگر ایسا معلوم ہو کہ اس کا نقش و نگار اصلی ہے۔ اس کے دیکھنے سے چونکہ انسان دھوکا کھا جاتا ہے۔ اس لئے اسے کِذْ اَبَۃ کہا جاتا ہے۔

(ک ر ر)

اَلْکَرُّ۔ اس کے اصل معنی کسی چیز کو بالذات بالفعل پلٹانا یا موڑ دینا کے ہیں۔ اور بٹی ہوئی رسی کو بھی کَرٌّ کہا جاتا ہے۔ یہ اصل میں مصدر ہے مگر بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ اس کی جمع کُرُوْرٌ آتی ہے اسی سے اَلْکَرَّۃُ (دوسری بار) ہے جیسے فرمایا:۔

ثُمَّ رَدَدْنَا لَکُمُ الْکَرَّۃَ عَلَیْھِمْ (۱۷-۶)
پھر ہم نے دوسری بار تم کو ان پر غلبہ دیا۔

فَلَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّۃً فَنَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (۲۶-۱۰۲) کاش ہمیں دنیا میں پھر جانا ہو تو ہم مومنوں میں ہو جائیں۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّۃً (۲-۱۶۷) (یہ حال دیکھ کر) پیروی کرنے والے (حسرت سے) کہیں گے کہ اے کاش ہمیں پھر دنیا میں جانا نصیب ہوتا۔

لَوْ اَنَّ لِیْ کَرَّۃً۔ اگر مجھے پھر ایک بار دنیا میں جانا نصیب ہوتا۔

اَلْکِرْکِرَۃُ (مِثْلُ زِبْرِجَۃٍ) شتر کے سینہ کی سخت جگہ کو کہتے ہیں۔ اور لوگوں کی مجتمع جماعت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

اَلْکَرْکَرَۃُ۔ کے معنی ہوا کے بادل کو چلانا کے ہیں اور یہ کَرٌّ سے فعل رباعی ہے۔

(ک ر ب)

اَلْکَرْبُ۔ کے معنی سخت غم کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

نَنَجَّیْنَاهُ وَاَھْلَهٗ مِنَ الْکَرْبِ الْعَظِیْمِ (۲۱-۷۶) تو ان کو اور ان کے ساتھیوں کو بڑی گھبراہٹ سے نجات دی۔

اور کُرْبَۃٌ "غُمَّۃٌ" کی طرح ہے یہ اصل میں کَرْبُ الْاَرْضِ سے مشتق ہے جس کے معنی زمین میں قلبہ رانی کے ہیں۔ اور غم سے بھی چونکہ طبیعت اُلٹ پلٹ جاتی ہے۔ اس لئے اسے کَرْبٌ کہا جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے[1]۔

اَلْکِرَابُ عَلَی الْبَقَرِ یعنی ہر آدمی کو اس کا کام کرنے دو اور یہ اَلْکِلَابُ عَلَی الْبَقَرِ کے قبیل سے نہیں ہے[2] اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کَرْبٌ (سخت غم) کَرَبَتِ الشَّمْسُ سے ماخوذ ہو۔ جس کے معنی ہیں سورج غروب ہونا کے قریب ہو گیا اور اِنَاءٌ کَرْبَانٌ میں کَرْبَانٌ بمعنی قَرْبَانٌ ہے۔ یعنی تقریبًا بھرا ہوا برتن اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کَرْبٌ (غم) اَلْکَرَبُ سے مشتق ہو جس کے معنی سخت گرہ کے ہیں جو ڈول کے ساتھ رسی میں لگی رہتی ہے۔ اور غم بھی دل پر بمنزلہ گرہ کے بیٹھ جاتا ہے۔ اس لئے اسے کَرْبٌ کہا جاتا ہو۔ اَکْرَبْتُ الدَّلْوَ ڈول کے دستہ میں چھوٹی سی رسی باندھنا۔

---

[1] قال فی المیدانی ۲ / ۴۲: یضرب فی تخلیۃ المرء وصناعتہ، [2] انظر للشل "الکلاب علی البقر" الحیوان للجاحظ (۱: ۲۰۰) والانسان والکلب) والعیون (۲: ۱۲) وفی التاج وکذا فی الحیوان للدمیری کلام فیہ کثیر والفیا انظر للزہر ار ۵ وقال فی مجمع الامثال یضرب عند تحریش بعض القوم علی بعض من غیر مبالات۔

(ک ر س)

اَلْکُرْسِیُّ۔ عوام کے عرف میں اس شے کو کہتے ہیں جس پر بیٹھا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے :۔
وَاَلْقَیْنَا عَلٰی کُرْسِیِّہٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ (۳۸-۳۴) اور ان کے تخت پر ایک دھڑ ڈال دیا پھر انہوں نے (خدا کی طرف) رجوع کیا۔
یہ اصل میں کِرْسٌ کی طرف منسوب ہے اور کِرْسٌ کے معنی ہیں اوپر تلے جم جانے والا اور جمع ہو جانے والا اسی سے کُرَّاسَۃٌ (مجموعہ اوراق) ہے گَرَّسْتُ الْبِنَاءَ فَتَکَرَّسَ میں نے عمارت کی بنیاد رکھی چنانچہ وہ بنیاد پڑ گئی عجاج نے کہا ہے[1] (الرجز)
(۳۰۸) یَا صَاحِ هَلْ تَعْرِفُ رَسْمًا مُکْرَسًا
قَالَ نَعَمْ اَعْرِفُهٗ وَاَبْلَسَا
اے میرے دوست کیا تم نشان منزل کو پہچانتے ہو جہاں کہ اونٹوں کا بول و براز جما ہوا ہے۔ اس نے کہا ہاں پہچانتا ہوں اور غم زدہ ہو کر خاموش ہو گیا۔
اَلْکِرْسُ کسی چیز کی اصل اور بنیاد کو کہتے ہیں۔
محاورہ ہے :۔
هُوَ قَدِیْمُ الْکِرْسِ اس کی بنیاد پرانی ہے اور ہر چیز کے ڈھیر کو کِرْسٌ کہا جاتا ہے اور کَرَوَّسٌ کے معنی بڑے سر والا کے ہیں۔ اور آیت کریمہ۔
وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (۲-۲۵۵)
اس کی "کرسی" آسمان اور زمین سب پر حاوی ہے۔ کی تفسیر میں ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کہ کرسی سے علم باری تعالیٰ مراد ہے۔ اور بعض نے کہا ہے۔ کہ کرسی کے معنی حکومت و اقتدار کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ فلک محیط یعنی فلک الافلاک کا دوسرا نام کرسی ہے[2]۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔ کہ سات آسمان کی مثال کرسی کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے بیابان میں ایک انگوٹھی پڑی ہو[3]۔

(ک ر م)

اَلْکَرَمُ جب اللہ کی صفت ہو تو اس سے احسان و انعام مراد ہوتا ہے جو ذات باری تعالیٰ سے صادر ہوتا رہتا ہے۔ قرآن میں ہے :۔
فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ کَرِیْمٌ (۲۷-۴۰) تو میرا پروردگار بے پرواہ اور کرم کرنے والا ہے۔
اور جب انسان کی صفت ہو تو پسندیدہ اخلاق اور افعال مراد ہوتے ہیں جو کسی انسان سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور کسی شخص کو اس وقت تک کریم نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ اس سے کرم کا ظہور نہ ہو چکا ہو۔
بعض علماء نے کہا ہے کہ حریت اور کرم ہم معنی ہیں لیکن حریت کا لفظ چھوٹی بڑی ہر قسم کی خوبیوں

---

[1] قالہ العجاج وتالثہما وانخلبت عیناہ من فرط الاسی وفی اللسان وابلسا بدل وا بأسا، انظر للشطر دیوانہ ۱۶ والکامل ۵۳۹ و الطبری (۷: ۱۱۶) والقرطبی (۶ : ۲۷۴) واللسان والتاج (بلس، کرس) ومعانی القرآن المنسوب الی الفراء (۱: ۳۳۵) والکرس موضع فیہ الکرس ای ابوال الابل وابعارہا تلبد بعضہا علی بعض والرجز ایضا فی الطبری (۱: ۲۲۷، ۲۱/۲۶) ومجاز القرآن رقم ۲۱، وتہذیب الالفاظ ۶۲۵ والبحر (۲ : ۲۸۰) والثالث نفطی مجاز القرآن (۱۶۱) [2] فسرہ الزمخشری بالملک والعلم قال ومنہ یقال للعلماء الکراسی ۱۲ [3] اخرجہ ابن جریر وابن المنذر عن ابن عباس وروی بمعناہ مرفوعا عن ابی ذر کما فی زوائد ابن حبان رقم ۹۴ فی اسناد حدیث طویل وقال فی آخرہ وفیہ ابراہیم بن ہشام بن یحیی الغسانی قال ابو حاتم وغیرہ کذاب انظر لترجمتہ الجرح علیہ لسان المیزان ۱۲ ج۔

پر بولا جاتا ہے اور کرم صرف بڑے بڑے محاسن
کو کہتے ہیں۔ مثلاً جہاد میں فوج کے لیے ساز و
سامان مہیا کرنا یا کسی ایسے بھاری تاوان کو اٹھا
لینا جس سے قوم کے خون اور جان کی حفاظت
ہوتی ہو۔ اور آیت:۔
إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (۴۹-۱۳)
اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا ہے جو
زیادہ پرہیزگار ہے۔
میں "أَتْقَى" یعنی سب سے زیادہ پرہیزگار۔ کو "أَكْرَمُ"
یعنی سب سے زیادہ عزت و تکریم کا مستحق ٹھہرانے
کی وجہ یہ ہے کہ کرم بہترین صفات کو کہتے ہیں
اور سب سے بہتر اور پسندیدہ کام وہی ہو سکتے
ہیں جن سے رضا الٰہی کے حصول کا قصد کیا جائے
لہٰذا جو جس قدر زیادہ پرہیزگار ہوگا اسی قدر زیادہ
واجب التکریم ہوگا۔

نیز اَلْكَرِيمُ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اپنی ہم نوع
چیزوں میں سب سے زیادہ باشرف ہو چنانچہ فرمایا:۔
وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ (۳۱-۱۰)
پھر (اس سے) اس میں ہر قسم کی نفیس چیزیں اگائیں۔
وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ (۴۴-۲۶) اور
کھیتیاں اور نفیس مکان۔
إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ (۵۶-۷۷) کہ یہ بڑے
رتبے کا قرآن ہے۔
وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا (۱۷-۲۳) اور ان سے
بات ادب کے ساتھ کرنا۔
اَلْإِكْرَامُ وَالتَّكْرِيمُ کے معنی ہیں کسی کو اس
طرح نفع پہنچانا کہ اس میں اس کی کسی طرح کی
سبکی اور خفت نہ ہو یا جو نفع پہنچایا جائے وہ
نہایت باشرف اور اعلیٰ ہو اور اَلْمُكْرَمُ کے
معنی معزز اور باشرف کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ
(۵۱-۲۴) بھلا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز
مہمانوں کی خبر پہنچی ہے؟ اور آیت کریمہ:۔
بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ (۲۱-۲۶) کے معنی یہ
ہیں کہ وہ اللہ کے معزز بندے ہیں جیسے فرمایا:۔
وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ (۳۶-۲۷) اور
مجھے عزت والوں میں کیا۔
كِرَامًا كَاتِبِينَ (۸۲-۱۱) عالی قدر تمہاری
باتوں کے لکھنے والے۔
بِأَيْدِي سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ (۸۰-۱۶)
(ایسے) لکھنے والوں کے ہاتھوں میں جو سردار
اور نیکوکار ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔
ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (۵۵-۲۷) اور
جو صاحب جلال اور عظمت ہے۔
میں اکرام کا لفظ ہر دو معنی پر مشتمل ہے۔ یعنی
اللہ تعالیٰ عزت و تکریم بھی عطا کرتا ہے
اور باشرف چیزیں بھی بخشتا ہے۔[1]

(ک ر ہ)

اَلْكَرْهُ وَالْكُرْهُ (سخت ناپسندیدگی)
ہم معنی ہیں جیسے ضَعْفٌ وَضُعْفٌ بعض نے
کہا ہے کہ کَرْهٌ (بفتح الکاف) اس مشقت کو
کہتے ہیں جو انسان کو خارج سے پہنچے اور اس پر
زبردستی ڈالی جائے۔ اور کُرْهٌ (بضم الکاف)
اس مشقت کو کہتے ہیں جو اسے ناخواستہ طور
پر خود اپنے آپ سے پہنچتی ہے۔ اور یہ دو قسم

[1] وہذا المعنی ہو المراد (۹۶-۳) (۱۷-۲۲) (۸۹-۱۵)

پر ہے۔ ایک وہ جو طبعًا ناگوار ہو۔ اور دوم وہ جو عقل یا شریعت کی رو سے مکروہ ہو لہٰذا ایک ہی چیز کے متعلق انسان کہہ سکتا ہے کہ میں اسے پسند کرتا ہوں اور برا بھی سمجھتا ہوں یعنی مجھے طبعًا تو پسند ہے لیکن عقل و شریعت کی رو سے اسے ناپسند کرتا ہوں یا عقل و شریعت کی رو سے مجھے پسند ہے لیکن طبعًا ناپسند ہے چنانچہ آیت کریمہ :۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ (مسلمانو) تم پر (خدا کے رستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہیں ناگوار تو ہوگا۔

میں کُرْهٌ کے معنی یہ ہیں کہ تمہاری طبیعتیں اسے ناپسند کرتی ہیں پھر اس کے بعد،

وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (۲-۲۱۶) (مگر) عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور تمہارے حق میں بھلی ہو۔

فرما کر وضاحت کر دی ہے۔ کہ انسان کو چاہیئے کہ کسی چیز کو اس وقت تک محبوب یا مکروہ نہ سمجھے جب تک کہ اس کی حقیقت حال سے آگاہ نہ ہو جائے۔

کَرِهْتُ کا لفظ دونوں قسم کی کراہت کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ گو زیادہ تر کُرْهٌ یعنی ناگوار کے معنی دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے :۔

وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (۹-۳۲) اگرچہ کافروں کو برا ہی لگے۔

وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (۹-۳۳) اور اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں۔

وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ (۸-۵) اور (اس وقت) مومنوں کی ایک جماعت ناخوش تھی۔ اور آیت کریمہ :۔

أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ (۴۹-۱۲) کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے۔

میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ انسان اپنے بھائی کا گوشت کھانے کا خواہ قصد بھی کرے مگر طبعًا اسے اس سے ضرور نفرت ہوگی اور آیت کریمہ :۔

لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا تم کو جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ (۴-۱۹) میں ایک قراءت کُرْهًا بھی ہے

اَلْاِکْرَاہُ اس کے معنی کسی کو ایسے کام پر مجبور کرنا کے ہیں جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔ اور آیت کریمہ :۔

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ (۲۴-۳۳) اور اپنی لونڈیوں کو ..... بدکاری پر مجبور نہ کرنا۔

میں بدکاری پر مجبور کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس میں کُرْهٌ اور کَرْهٌ دونوں کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اور آیت :۔

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ (۲-۲۵۶) دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے۔

کی مختلف توجیہات بیان کی گئی ہیں۔ اول یہ کہ شروع اسلام میں یہ حکم تھا کہ کسی پر اسلام پیش کیا جائے اگر وہ اپنی خوشی سے مسلمان ہو جائے تو فبہا ورنہ اس پر جبر نہ کیا جائے۔[1] دوم یہ کہ یہ حکم اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہے یعنی اگر وہ لوگ جزیہ دینا قبول کر لیں اور دوسری شرائط کی پابندی کریں تو انہیں مسلمان

---

[1] وہذا ہو المروی عن عبداللہ بن مسعود وابن زید وسلیمان بن موسیٰ وعندہم ہذا الحکم منسوخ بآیۃ: جاہد الکفار والمنافقین ۔

ہونے پر مجبور نہ کیا جائے[1]

سوم یہ کہ اس آیت کا تعلق مسلمانوں کے ساتھ ہے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر کسی مسلمان کو دین باطل کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے اور وہ زبان سے اس کا اقرار کر کے اس دین میں داخل ہو جائے تو اس پر کفر کا حکم عائد نہیں ہوتا۔ جیسا کہ آیت:۔

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ۔ (۱۶-۱۰۶) وہ نہیں جو کہ کفر پر زبردستی، مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو سے معلوم ہوتا ہے۔

چہارم زیر بحث آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص دنیا میں کسی طرح سے مجبور ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔ تو آخرت میں اسے اس کا ثواب نہیں ملے گا بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید خوب جانتا ہے۔ اور وہ اخلاص کے بغیر کسی عمل کو قبول نہیں کرتا۔ (وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ) اسی لئے آنحضرت نے فرمایا[2] (۹)

اَلْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کہ اعمال کے ثواب کا مدار نیتوں پر ہے"

نیز فرمایا، اَخْلِصْ يَكْفِيْكَ الْقَلِيْلُ مِنَ الْعَمَلِ کہ اخلاص کے ساتھ تو تھوڑا عمل بھی کافی ہوتا ہے۔

بعض نے آیت کے معنی یہ کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جن احکام کا بھی انسان کو مکلف بناتا ہے تو وہ درحقیقت اسے کسی امر پر مجبور نہیں کرتا بلکہ ابدی نعمتوں کے حاصل کرنے کی تکلیف دیتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ اس قوم پر تعجب فرماتے ہیں جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے جنت کی طرف کھینچے جاتے ہیں[3] (۹۵)۔

ششم یہ کہ دین کے معنی اجزاء کے ہیں اور آیت کے معنی یہ ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ جزائے اعمال پر مجبور نہیں ہے۔ بلکہ اسے اختیار ہے کہ جس کے ساتھ جس طرح چاہے سلوک کرے۔ اور آیت کریمہ:۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا (۳-۸۳) کیا یہ (کافر) خدا کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں حال آنکہ سب اہل آسمان و زمین خوشی یا زبردستی سے خدا کے فرمانبردار ہیں۔ کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ طَوْعًا کا تعلق مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ کے ساتھ ہے اور کَرْهًا کا تعلق اَلْاَرْضِ سے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ اہل

[1] وہو المحکی عن الحسن وقتادۃ والضحاک وورد فی سبب نزولہا کونہ بدء روح المعانی صـ۲ ج ۳) [2] قالہ ... ومال ہذا تفسیر کلام مجاہد وما اخرج ابن جریر وغیرہ من ابی العالیۃ (روح المعانی ۳ ر ۱۸۸) [3] متفق علیہ لکن بزیادۃ انما وابن حبان فی صحیحہ بدونہا (المقاصد ۴۸) ومالک بروایۃ محمد بن الحسن والحاکم فی المستدرک واصحاب السنن کلہم عن عمرؓ وایضا مالک فی روایۃ محمد بن الحسن والشافعی فی مختصر الربیع والحمیدی وابن الجارود وابن خزیمۃ والطحاوی عن غیر عمر ایضا لکن طرقہا کلہا ضعیفۃ راجع للبحث الفتح الباری والعینی فانہما اشبع الکلام والسیوطی فی التدریب فی بحث "الشاذ" والحاصل ان الحدیث صحیح غریب وقد تواتر معناہ (راجع کنز العمال ۲ رقم ۲۱۳۶، ۵ ۴ ۲) بعض علماء الازہر جمع اسانیدہ فی رسالۃ سماہ الابتہاج بتخریج احادیث المنہاج [4] والحدیث ابن ابی الدنیا فی الاخلاص والدیلمی فی مسندہ باسناد منقطع ولفظ اخلص العمل یجزک منہ القلیل راجع کنز العمال ج ۲ رقم ۱۳۰ وتخریج العراقی علی الاحیاء ۴ ر ۲۴۳ [5] البخاری فی صحیحہ فی باب الاساری فی السلاسل من حدیث ابی ہریرۃ وابوداؤد ومسلم وباختلاف الفاظ الحاکم فی المستدرک والطبرانی عن ابی امامۃ (راجع کنز العمال ۲ رقم ۱۷۱۴)

آسمان تو بطیب خاطر اس کی فرمانبرداری
کر رہے ہیں اور اہل زمین زبردستی سے یعنی دلائل
فطرت سے مجبور ہو کر اس کی اطاعت کا اظہار
کرتے ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے :۔
اَلدَّلَالَۃُ اَکْرَھَتْنِیْ عَلَی الْقَوْلِ بِھٰذِہِ الْمَسْئَلَۃِ کہ دلائل سے مجبور ہو کر میں اس مسئلہ
کو مانتا ہوں اور اس قسم کا جبر جبر مذموم نہیں ہے
یعنی دلائل سے مجبور ہو کر کسی بات کو ماننا سلب
اختیار کو مستلزم نہیں ہے حتیٰ کہ اس پر عدم جزا
کا مسئلہ مرتب ہو جیسا کہ جبریہ فرقہ کا مذہب ہے)
اس آیت کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ مومنین تو خوشی
سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور کافر
کَرْھًا یعنی زبردستی سے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس
بات کا ان سے ارادہ کرتا ہے اور جو بھی ان کے
متعلق فیصلہ کرتا ہے۔ وہ اس سے انکار کی
طاقت نہیں رکھتے۔
قتادہ نے اس کو حالت نزع پر محمول کیا ہے کہ
عند الموت مومنین تو خوشی سے اور کفار زبردستی
سے اس کی فرمانبرداری کا اظہار کرتے ہیں لیکن
اس حالت میں ان کا ایمان اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول
نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ آیت :۔
فَلَمْ یَکُ یَنْفَعُھُمْ اِیْمَانُھُمْ (۴۰-۸۵)
اس وقت ان کے ایمان نے ان کو کچھ فائدہ نہ دیا۔
سے معلوم ہوتا ہے۔
چہارم یہ کہ کَرْھًا مسلمان ہونے سے وہ لوگ
مراد ہیں جو لڑائی میں جان بچانے کے لئے مسلمان
ہو جاتے تھے۔
اس آیت میں پانچواں قول ابوالعالیہ اور مجاہد کا
ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا معترف
ہے۔ خواہ مشرک ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ آیت :۔
وَلَئِنْ سَاَلْتَھُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰہُ (۳۱-۲۵) اور اگر تم ان سے پوچھو
کہ آسمان اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا تو بول
اٹھیں گے کہ خدا نے۔
سے معلوم ہوتا ہے گویا مومن خوشی سے اس کی
خالقیت کا اعتراف کرتے ہیں اور کفار زبردستی سے۔
ابن عباس سے مروی ہے کہ تمام لوگ احوال فطری
کے لحاظ سے اس کے فرمانبردار ہیں اگرچہ زبان کے
ساتھ وہ اظہار کفر کرتے ہیں اور اس سے مراد
"ذرات" کے وقت کا اسلام ہے جس کا ذکر کہ آیت
اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی (۷-۱۷۲) کہ کیا میں
تمہارا پروردگار نہیں ہوں وہ کہنے لگے کیوں نہیں۔
میں پایا جاتا ہے یعنی عقل (وغیرہ) کی قسم کے
فطری دلائل مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری
کے مقتضی ہیں اور وہ دلائل وہی ہیں جن کی طرف
کہ آیت :۔
وَظِلٰلُھُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ الآیۃ (۱۳-۱۵)
اور ان کے سائے بھی صبح و شام (سجدہ کرتے ہیں)
میں اشارہ فرمایا ہے۔
زیر بحث آیت میں ساتواں قول بعض صوفیہ کرام
کا ہے۔ کہ مَنْ اَسْلَمَ طَوْعًا سے وہ لوگ مراد
ہیں جو ثواب اور عقاب کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی
فرمانبرداری نہیں کرتے بلکہ براہ راست اس ذات
کا مشاہدہ کرتے ہیں جو ثواب و عقاب دینے والی
ہے اور کَرْھًا سے مراد وہ لوگ ہیں جو صرف
ثواب و عقاب کو ملحوظ رکھتے ہیں اور ثواب کی
رغبت یا عذاب کے خوف سے اس کے فرمانبردار
رہتے ہیں۔ اور آیت کریمہ :۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا (۱۳-۱۵) اور جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمینوں میں ہے خوشی سے یا زبر دستی سے خدا کے آگے سجدہ کرتی ہے۔ بھی اس کی مثل ہے (یعنی مذکورۃ الصدر معانی پر محمول ہوسکتی ہے)

(ك س ب)

اَلْكَسْبُ۔ اصل میں جلب نفع یا خوش نصیبی حاصل کرنے کے لئے کسی چیز کا قصد کرنے کو کسب کہتے ہیں، جیسے کسب مال وغیرہ اور ایسے کام کے قصد پر بھی بولا جاتا ہے جسے انسان اس خیال پر کرے کہ اس سے نفع حاصل ہوگا لیکن الٹا اس سے نقصان اٹھانا پڑے۔ پس اَلْكَسْبُ ایسا کام کرنے کو کہتے ہیں جسے انسان اپنی ذات اور اس کے ساتھ دوسروں کے فائدہ کے لئے کرے اسی لئے یہ کبھی دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے كَسَبْتُ فُلَانًا كَذَا میں نے فلاں کو اتنا کچھ حاصل کر کے دیا۔ مگر اَلْاِكْتِسَابُ ایسا کام کرنے کو کہتے ہیں جس میں انسان صرف اپنے مفاد کو پیش نظر رکھے لہذا ہر اکتساب کو کسب لازم ہوتا ہے لیکن ہر کسب کو اکتساب لازم نہیں ہے۔ اور یہ خَبَزَ وَاخْتَبَزَ وَشَوٰى وَاشْتَوٰى، وَطَبَخَ وَاطَّبَخَ کی طرح ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَاَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ (۲-۲۶۷) جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو۔۔۔۔۔ اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرو۔ کے متعلق آنحضرتؐ سے سوال کیا گیا اَيُّ الْكَسْبِ اَطْيَبُ کہ کونسا کسب زیادہ پاکیزہ ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهٖ۔ کہ انسان کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور نیز فرمایا[1]

ان اطيب ما يأكل الرجل من كسبه وان ولده من كسبه "سب سے زیادہ پاکیزہ رزق وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے کما کر کھائے اور اسکی اولاد بھی اسکے کسب سے ہے۔" قرآن میں ہے:۔

لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا (۲-۲۶۴) (اسی طرح یہ ریاکار) لوگ اپنے اعمال کا کچھ بھی صلہ حاصل نہیں کر سکیں گے۔ اور قرآن میں نیک وبد دونوں قسم کے اعمال کے متعلق یہ فعل استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ اعمال صالحہ کے متعلق فرمایا:۔

اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا (۶-۱۵۹) یا اپنے ایمان کی حالت میں نیک عمل نہیں کئے ہونگے اور آیت کریمہ:۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً الآیۃ کے بعد فرمایا:۔

مِمَّا كَسَبُوْا (۲-۲۰۲) ان کے کاموں کا (حصہ) اور اعمال بد کے متعلق فرمایا:۔

---

[1] رواه الترمذي عن عائشة والبخاري عن عبدالله بن عمر والطبراني واحمد من رافع بن خديج وابن اسحاق عن علي قال في الكنز ۴ رقم ۴۴۷: وتفرد به بيلول وقال الحاكم صحيح الاسناد راجع تخريج العراقي على الاحياء ۲/۶۳ ح ۱۲۶ اسحاق الحديث في ابي داؤد عن عائشة وزوائد ابن حبان رقم ۱۰۹۱ و ۱۰۹۲ وكنز العمال ج ۴ رقم ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۴۰ وايضاً تخريج الكشاف للحافظ ص ۱۲۰ رقم ۹۰ قال الحاكم من عمارة عن امه عن عائشة وذكر الدارقطني في العلل واطال ويتعلق بالباب حديث انت ومالك لابيك جمع اليه قال القتبي في الغريب وبعضهم نسر آية اللهب "وماكسب" اى وما ولده

اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ (۶-۷۰) تاکہ (قیامت کے دن کوئی شخص اپنے اعمال کی سزا میں ہلاکت میں نہ ڈالا جائے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا (۶-۷۰) یہی لوگ ہیں کہ اپنے اعمال کے وبال میں ہلاکت میں ڈالے گئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ (۶-۱۲۰) جو لوگ گناہ کرتے ہیں وہ عنقریب اپنے کئے کی سزا پائیں گے۔

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ (۲-۷۹) ان پر افسوس ہے اس لئے کہ (بے اصل باتیں) اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور پھر ان پر افسوس ہے۔ اس لئے کہ ایسے کام کرتے ہیں۔

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (۹-۸۲) یہ (دنیا میں) تھوڑا سا ہنس لیں اور (آخرت میں) ان کو اعمال کے بدلے جو کرتے رہے ہیں بہت سا رونا ہوگا۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا (۳۵-۴۵) اور اگر خدا لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب پکڑنے لگتا۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا (۶-۱۶۵) اور جو کوئی برا کام کرتا ہے تو اس کا ضرر اسی کو ہوتا ہے۔

اور آیت کریمہ:۔

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ (۲-۲۸۱) اور ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائیگا۔

میں مَا كَسَبَتْ کا لفظ نیک و بد دونوں قسم کے اعمال کو شامل ہے اور اکتساب کا لفظ بھی دونوں قسم کے اعمال کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اعمال صالحہ کے متعلق فرمایا:۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (۴-۳۲) مردوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کئے اور عورتوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کئے۔

اور آیت کریمہ:۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (۲-۲۸۶) اچھے کام کریگا تو اس کو ان کا فائدہ ملے گا اور برے کام کرے گا تو اسے ان کا نقصان پہنچے گا۔

سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ کَسَبَتْ کا لفظ اعمال صالحہ اور اکتساب کا لفظ اعمال سیئہ کے ساتھ مخصوص ہے اور بعض نے کہا ہے کہ کسب سے اعمال اخروی اور اکتساب سے مکاسب دنیوی مراد ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ کسب سے مراد ہر وہ عمل ہے جو فعل خیر یا جلب نفع کے قبیل سے ہو اور دوسرں کو نفع پہنچانے کے لئے جائز طریقے سے انسان اسے کرتا ہے اور اکتساب سے ہر وہ نفع مراد ہے جو انسان اپنی ذات کے لئے حاصل کرتا ہے بشرطیکہ اس کا حصول اس کے لئے جائز ہو لہٰذا آیت میں اس امر پر متنبہ کیا ہے کہ جو فعل انسان دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے کرتا ہے۔ اس کا اسے ثواب حاصل ہوگا اور جو صرف اپنی ذات کے لئے حاصل کرتا ہے خواہ اس کا حصول جائز طریقے پر ہی کیوں نہ ہو تو شاذ و نادر ایسا ہوتا ہے کہ اس کا وبال اس پر نہ پڑے تو یہ اس مقولہ کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص دنیا حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ اپنے آپ کو مصائب

کا خوگر بنائے جیسا کہ آیت:۔
اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ (۸-۲۸)
کہ تمہارا مال اور اولاد بڑی آزمائش ہے۔
اور اس قسم کی دوسری آیات سے ثابت ہوتا ہے

(ک س ف)

کُسُوْفُ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ کے معنی ہیں سورج یا چاند کا کسی خاص عارضے مستور یعنی گہن میں آجانا کے ہیں۔ اور تشبیہ کے طور پر چہرہ یا حالت کے خراب ہونے پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے جیسے کَاسِفُ الْوَجْہِ یا کَاسِفُ الْحَالِ۔
اَلْکِسْفَۃُ کے معنی بادل، روئی یا اس قسم کے دوسرے متخلخل اجسام کے ٹکڑے کے ہیں اس کی جمع کِسَفٌ آتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔ ثُمَّ یَجْعَلُہٗ کِسَفًا (۳۰-۴۸) اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔
اَسْقِطْ عَلَیْنَا کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ (۲۶-۱۸۷) تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا لا کر گراؤ۔
اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ کَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا کِسَفًا (۱۷-۹۲) یا جیسا تم کہا کرتے ہو ہم پر آسمان کے ٹکڑے لا کر گراؤ۔
ایک قرارت میں کِسْفًا بسکون سین ہے اور کِسَفٌ کا واحد کِسْفَۃٌ ہے جیسے سِدْرَۃٌ وَسِدَرٌ اور فرمایا۔
وَاِنْ یَّرَوْا کِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ (۵۲-۴۴) اور اگر یہ آسمان سے عذاب کا کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھیں
ابوزید[1] نے کہا ہے کَسَفْتُ الثَّوْبَ (ض) کَسْفًا کے معنی کپڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے ہیں بعض نے کَسَفْتُ عُرْقُوْبَ الْاِبِلِ بھی کہا ہے جس کے معنی اونٹ کی کونچ کاٹ دینے کے ہیں (لیکن) بعض اہل لغت کے نزدیک اس معنی میں صرف کَسَحْتُ (ف) ہی استعمال ہوتا ہے۔

(ک س ل)

اَلْکَسَلُ کے معنی کسی ایسے معاملہ میں گرانباری ظاہر کرنا کے ہیں۔ جس میں گرانباری کرنا مناسب نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسے مذموم خیال کیا جاتا ہے اور یہ باب کَسِلَ (س) فَھُوَ کَسِلٌ وَکَسْلَانُ کا مصدر ہے۔ اور کَسْلَانُ کی جمع کُسَالٰی وَکَسَالٰی آتی ہے چنانچہ قرآن میں ہے۔
وَلَا یَاْتُوْنَ الصَّلٰوۃَ اِلَّا وَھُمْ کُسَالٰی (۹-۵۴) اور نماز کو آتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر۔
محاورہ ہے۔ فُلَانٌ لَا یُکْسِلُہُ الْمَکَاسِلُ اس کو اسباب کاہلی سست نہیں بناتے۔
فَحْلٌ کَسِلٌ۔ جو نر کہ جفتی میں سست ہو جائے
اِمْرَأَۃٌ مِتْکَسَالٌ زن سست، جو ناز پروردہ ہونیکی وجہ سے اپنے گھر سے باہر نہ نکلے (صفت مدح)

---

[1] ابوزید البلخی احمد بن سہل (۲۳۵-۳۲۲) احد الکبار الافذاذ من علماء الاسلام وصاحب التالیفات وکتابہ نظم القرآن من اشمل ما کتب فیہ قال ابوحیان فی کتاب البصائر والذخائر قال ابوحامد القاضی لم ارکتابا فی القرآن مثل کتاب ابی زید البلخی وفی الفہرست ۹۵ لہ کتاب غریب القرآن وقوارع القرآن وغیر ذالک وہناک ابوزید سعید بن اوس الانصاری ولہ ایضا کتاب النوادر (توفی ۲۱۵ھ) الفہرست ۸۷ لکن النوادر للبلخی اجمع فی فنون شتی جمع بین الشریعۃ وللفلسفۃ والادب العنون وراجع لسان المیزان و (ا: ۱۸۳) ومعجم الادباء (۲: ۶۵-۸۶) وحکماء الاسلام (۲۱) ماخوذ من الاعلام للزرکلی ۱۳۱:۱

(ک س و)

اَلْکِسَاءُ وَالْکِسْوَۃُ کے معنی لباس کے ہیں۔

قرآن میں ہے:۔

اَوْکِسْوَتُھُمْ۔ (۵۔۸۹) یا ان کو کپڑا دینا۔

کَسَوْتُہٗ۔ میں نے اسے لباس پہنایا۔

اِکْتَسٰی (افتعال) اس نے پہن لیا۔ قرآن میں ہے۔

وَارْزُقُوْھُمْ فِیْھَا وَاکْسُوْھُمْ (۴۔۵) اور اس میں سے ان کو کھلاتے اور پہناتے رہو۔

فَکَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا (۲۳۔۱۴) پھر ہڈیوں پر گوشت پوست چڑھایا۔

اِکْتَسَتِ الْاَرْضُ بِالنَّبَاتِ۔ زمین نے نباتات کا لباس پہن لیا۔ شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۳۸۴) نَبَاتٌ لَہٗ دُوْنَ الصَّبَا ذِیْ قَرَّۃٍ
لِحَافٌ وَمَصْقُوْلُ الْکِسَاءِ رَقِیْقُ

بعض نے کہا ہے۔ کہ یہاں مصقول الکساء سے مراد وہ دودھ ہے جس پر بالائی کی تہ آچکی ہو۔

دوسرے شاعر نے کہا ہے[2] (المنسرح)

(۳۸۵) حَتّٰی اَرٰی فَارِسَ الصَّمُوْتِ عَلٰی
اَکْسَاءِ خَیْلٍ کَاَنَّھَا الْاِبِلُ

یہاں تک کہ میں "صموت" کے شہسوار کو دیکھوں کہ وہ اونٹ جیسے قد آور گھوڑوں کا تعاقب کر رہا ہو۔

بعض نے کہا ہے کہ اَکْسَاءٌ بمعنی اَعْقَاب کے ہے۔ لیکن اصل میں اونٹ کے تیز دوڑانے سے جو غبار اٹھتا ہے اور وہ بلند ہو کر انہیں چھپا لیتا ہے۔ اسے "اَکْسَاءٌ" کہا جاتا ہے۔ یہاں عَلٰی اَکْسَاءٍ اِبِل سے مراد یہ ہے کہ وہ اس کے لباس کے غبار میں متصل آ رہا ہے۔

(ک ش ف)

اَلْکَشْفُ۔ یہ کَشَفْتُ (ض) الثَّوْبَ عَنِ الْوَجْہِ کا مصدر ہے۔ جس کے معنی چہرہ وغیرہ سے پردہ اٹھانا کے ہیں۔ اور مجازاً غم واندوہ کے دور کرنے پر بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ (۶۔۱۷) اور خدا تم کو سختی پہنچائے تو اس کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں ہے۔

فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْہِ (۶۔۴۱) تو جس دکھ کے لئے اسے پکارتے ہو۔ . . . تو اس کو دور کر دیتا ہے۔

لَقَدْ کُنْتَ فِیْ غَفْلَۃٍ مِّنْ ھٰذَا فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَاءَکَ (۵۰۔۲۲) یہ وہ دن ہے کہ اس سے تو غافل ہو رہا تھا۔ اب ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھا دیا۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ (۲۷۔۶۲) بھلا کون بے قرار کی التجا قبول کرتا ہے جب وہ اس سے دعا کرتا ہے۔ اور رکون

---

[1] قالہ عمرو بن الاہتم وقبلہ: نبات لنا منھا وللضیف موہنا۔ خیرا وسمین زاہق وغبوق وفی اللسان (کسا) قال ابن بری: والصواب انشادہ وبات بدل نبات والبیت من کلمۃ مفضلیۃ رقم ۲۳ بیتاً راجع عیون الاخبار (۱: ۲۲۳) والمعانی للقتبی ۸۹ ۳ سلۃ نارالشلم

[2] بن عمرو القنوخی فی اربعۃ ابیات یصف فرسہ الصموت ومعناہ ھو ینہزم اعداءہ فیسوقھم من وراءھم ویطردھم کما یطرد الابل والبیت فی اللسان (صمت) والمؤتلف للآمدی ۲۰۷ فی خمسۃ ابیات وقد نسب الدریق بن عیاش النمل (؟) الشعراء البندلیسین ۲۵ (الفن روایتہ الساخیل بدل اکساخیل وفی روایۃ التبریزی کانہا ابل وجمع ابیل) والمرزوقی ۹۷۴ وفی الجمحی ونسبہا رجل من تنوخ ۱۲

اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے۔ اور آیت:۔
یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ (۶۸-۴۲) جس دن پنڈلی سے کپڑا اٹھا دیا جائے گا
میں بعض نے کہا ہے کہ یہ قَامَتِ الْحَرْبُ عَلٰی سَاقٍ کی طرح کا محاورہ ہے یعنی شدت اور سختی ۔۔۔۔ ظاہر ہونے سے کنایہ ہے۔[1]
اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اصل میں تَذْمِیْرُ النَّاقَةِ کے محاورہ سے ماخوذ ہے یعنی جب کوئی شخص حاملہ اونٹنی کے پیٹ کے اندر ہاتھ ڈال کر بچہ نکالتا ہے تو اس وقت کہا جاتا ہے:۔
کُشِفَ عَنِ السَّاقِ (کہ پنڈلی کھولی گئی) تو یہاں بھی صعوبت حال ہی سے کنایہ ہے۔

(ک ش ط)

اَلْکَشْطُ (ن) کے معنی کھال اتارنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَاِذَا السَّمَآءُ کُشِطَتْ (۸۱-۱۱) اور جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے گی۔
یہ کَشَطْتُ النَّاقَةَ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی اونٹنی کی کھال اتارنے کے ہیں اور اسی سے اِنْکَشَطَ رَوْعُهٗ کا محاورہ مستعار ہے جس کے معنی خوف زائل ہونے کے ہیں۔

(ک ظ م)

اَلْکَظْمُ اصل میں مَخْرَجُ النَّفَسِ یعنی سانس کی نالی کو کہتے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے:۔
اَخَذَ بِکَظْمِهٖ اس کی سانس کی نالی کو پکڑ لیا۔ یعنی غم میں مبتلا کر دیا۔
اَلْکُظُوْمُ کے معنی سانس رکنے کے ہیں اور خاموش ہو جانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ انتہائی خاموشی کے معنی کو ظاہر کرنے کے لئے فُلَانٌ لَا یَتَنَفَّسُ کہا جاتا ہے۔ فلاں سانس نہیں لیتا یعنی خاموش ہے۔ کُظِمَ فُلَانٌ اس کا سانس بند کر دیا گیا۔ (مراد نہایت غمگین ہونا) چنانچہ قرآن میں ہے۔
اِذْ نَادٰی وَهُوَ مَکْظُوْمٌ (۶۸-۴۸) کہ انہوں نے خدا کو پکارا اور وہ (غم) غصہ میں بھرے تھے۔
اور کَظْمُ الْغَیْظِ کے معنی غصہ روکنے کے ہیں۔ جیسے فرمایا۔
وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ (۳-۱۳۴) اور غصے کو روکتے۔
اور اسی سے کَظَمَ الْبَعِیْرُ کا محاورہ ہے جس کے معنی اونٹ کا جگالی نہ کرنا کے ہیں۔ کَظَمَ السِّقَاءَ مشک کو پانی سے بھر کر اس کا منہ باندھ دینا تاکہ اس سے پانی نہ نکل سکے۔ اَلْکِظَامَةُ ترازو کے اس حلقہ کو کہتے ہیں جس میں پلڑے کی رسیاں اکٹھی کر کے ترازو کی ڈنڈی کے ساتھ باندھ دی جاتی ہیں۔ (۲) اس تسمہ کو بھی کِظَامَةٌ کہا جاتا ہے جس کو کمان کی تانت کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے۔
اَلْکَظَائِمُ واحد کِظَامَةٌ، وہ زمین دوز نالیاں جن کے ذریعہ ایک کنویں کو دوسرے کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے تاکہ ایک کا پانی دوسرے میں منتقل ہوتا ہے۔ گویا وہ سانس آنے جانے کی نالیاں ہیں۔[2]

---

[1] کذا قال قتادة علیہا فی المشکل للقتبی ۳۰ وا لطبری وروی نحوہ عن ابن عباس ومجاہد وابن جبیر وہو اختیار ابی عبیدة واہل اللغة کما فی اللسان ۱۲
[2] وفی الحدیث: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کظامة قوم فتوضا ومسح علی قدمیہ انظر الفائق ۲ / ۲۰۱ وغریب ابی عبید ار ۲۶۸۔

(ک ع ب)

كَعْبُ الرِّجْلِ (ٹخنہ) اس ہڈی کو کہتے ہیں جو پاؤں اور پنڈلی کے جوڑ پر ہوتی ہے قرآن میں ہے: وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ (۵-۶) اور ٹخنوں تک پاؤں دھو لیا کرو۔

اَلْكَعْبَةُ اصل میں ہر اس مکان کو کہتے ہیں جو ٹخنے کی شکل پر چوکور بنا ہوا ہو اسی سے بیت الحرام کو اَلْكَعْبَةُ کے نام سے پکارا گیا ہے قرآن میں ہے: جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ (۵-۹۷) خدا نے عزت کے گھر (یعنی) کعبے کو لوگوں کے لئے موجب امن قرار فرمایا۔

ذُوالْكَعَبَاتِ۔ بنو ربیعہ کی عبادت گاہ کا نام جو انہوں نے جاہلیت میں بنائی تھی۔ محاورہ ہے۔ فُلَانٌ جَالِسٌ فِي كَعْبَتِهٖ یعنی فلاں اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ جو مکعب شکل پر بنا ہوا ہے۔

اِمْرَاَةٌ كَاعِبٌ ابھرے ہوئے پستانوں والی لڑکی۔ اور یہ كِعَابَةٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی عورت کی چھاتی ابھرنے کے ہیں۔ اور كَاعِبٌ کی جمع كَوَاعِبُ آتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے: وَكَوَاعِبَ اَتْرَابًا (۷۸-۳۳) اور ہم عمر نوجوان عورتیں۔

كَعَبَ الثَّدْيُ كَعْبًا وَكَعَّبَ تَكْعِيبًا (لڑکی کی) چھاتی کا ابھر آنا۔

ثَوْبٌ مُكَعَّبٌ پیٹا ہوا کپڑا جس کی تہ سمٹ اور اکٹھی ہوئی ہو۔ اور سرکنڈے یا نیزے کی دو گرہوں کے درمیان کے حصہ کو بھی تشبیہ کے طور پر کعب (پور) کہا جاتا ہے۔ کیونکہ جس طرح ٹخنہ پنڈلی اور پاؤں کے درمیان فاصل ہوتا ہے اس طرح یہ بھی دو گرہوں کے درمیان فاصل ہوتی ہے۔

(ک ف ف)

اَلْكَفُّ۔ کے معنی ہاتھ کی ہتھیلی کے ہیں جس کے ساتھ انسان چیزوں کو اکٹھا کرتا اور پھیلاتا ہے۔

كَفَفْتُهٗ کے اصل معنی کسی کی ہتھیلی پر مارنے یا کسی کو ہتھیلی کے ساتھ مار کر دور ہٹانے اور روکنے کے ہیں پھر عرف میں دور ہٹانے اور روکنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے خواہ ہتھیلی سے ہو یا کسی اور چیز سے[1] رَجُلٌ مَكْفُوْفُ الْبَصَرِ جس کی بینائی جاتی رہی ہو۔ اور آیت کریمہ: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (۳۴-۲۸) اور (اے محمد) ہم نے تم کو گناہوں سے روکنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

میں كَآفَّةً کے معنی لوگوں کو گناہوں سے روکنے والا کے ہیں۔ اس میں ہا مبالغہ کے لئے ہے۔ جیسا کہ رَاوِيَةٌ وَعَلَّامَةٌ اور نَسَّابَةٌ۔ میں ہے اور آیت کریمہ:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً (۹-۳۶) اور تم سب کے سب مشرکوں سے لڑو۔ جیسے وہ سب کے سب تم سے لڑتے ہیں۔ میں بعض نے دونوں جگہوں میں كَآفَّة کے معنی کافین یعنی روکنے والے کئے ہیں۔ اور بعض نے یہ معنی کیا ہے۔ کہ جماعۃ یعنی اجتماعی قوت کی وجہ سے اسے كَآفَّةً بھی کہا جاتا ہے اور آیت کریمہ:

---

[1] کما فی قولہ تعالیٰ: کف ایدی الناس عنکم (الفتح - ۲۰) وھو الذی کف ایدیھم عنکم (الفتح ۲۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً (۸-۲) مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ۔ میں بھی کَافَّةً بمعنی جماعت ہی ہے اور آیت کریمہ:۔ فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلَىٰ مَا أَنفَقَ فِيهَا (۱۸-۴۲) تو جو مال اس نے اس پر خرچ کیا تھا اس پر حسرت سے ہاتھ ملنے لگا۔

پشیمان ہونے والے کی حالت کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ انسان پشیمانی کی حالت میں ہاتھ ملتا ہے۔

تَكَفَّفَ الرَّجُلُ۔ سوال کے لئے ہاتھ پھیلانا
اِسْتَكَفَّ سوال یا مدافعت کیلئے ہاتھ پھیلانا۔
اِسْتَكَفَّ الشَّمْسَ ہتھیلی کے ذریعہ دھوپ کو دفع کرنا اور وہ اس طرح کہ دھوپ کی شعاعوں کو روکنے کے لئے ابروں پر بطور سایہ ہاتھ رکھ لے تاکہ جس چیز کو دیکھنا مطلوب ہو آسانی سے دیکھی جا سکے۔

كِفَّةُ الْمِيزَانِ۔ ترازو کا پلڑا۔ کیونکہ وہ بھی موزون چیز کو روک لیتے ہیں ہتھیلی کے مشابہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی كُفَّةُ الْحِبَالَةِ [1] ہے جس کے معنی شکاری کے پھندا کے ہیں۔

كَفَفْتُ الثَّوْبَ۔ کچی سلائی کے بعد کپڑے کے اطراف کو سینا۔

(ك ف ت)

اَلْكَفْتُ (ض) کسی چیز کو جمع کرکے اسے قبضہ میں لے لینے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا (۷۷-۲۵-۲۶) کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا۔ یعنی زندوں اور مردوں کو۔ یعنی زمین تمام مردوں اور زندوں کو سمیٹے ہوئے ہے اور بعض نے کہا ہے کا حیاء سے مراد انسان حیوان اور نباتات ہیں اور اموات سے جمادات بعض نے "كِفَات" کے معنی تیزی سے اڑنا بھی کئے ہیں لیکن اصل میں اس کے معنی اڑنے کے لئے پروں کو سمیٹنے کے ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے۔ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ (۶۷-۱۹) کیا انہوں نے اپنے سر پر اڑتے جانوروں کو نہیں دیکھا جو پروں کو پھیلائے رہتے ہیں اور سکیڑ بھی لیتے ہیں۔

تو یہاں قبض کا لفظ ایسے ہی ہے جیسا کہ اوپر کی آیت میں كِفَاتٌ کا لفظ ہے۔

اَلْكَفْتُ کے معنی تیز ہانکنا بھی آتے ہیں۔ اور قبض کی طرح كَفْتٌ کا لفظ بھی اونٹوں کے ہنکانے پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قَبَضَ الرَّاعِي الْإِبِلَ کے معنی ان کو تیز ہانکنے کے ہیں اور منتظم چرواہے کو رَاعِيَ قُبْضَةٍ کہا جاتا ہے۔ اور كَفَتَ اللّٰهُ فُلَانًا إِلَى نَفْسِهِ (اللہ تعالے نے اس کی روح قبض کر لی) قَبَضَهُ کے ہم معنی ہے۔ حدیث میں ہے [2] (۹۸)

اِكْفِتُوا صِبْيَانَكُمْ بِاللَّيْلِ۔ رات کو اپنے بچوں کو اپنے گھروں میں بند رکھو۔

(ك ف ر)

اَلْكُفْرُ۔ اصل میں کفر کے معنی کسی چیز کو چھپانے

---

[1] وفی الکامل یقال لکل مستطیل کفة (بضم الکاف) ومعناه کفة الحابل ولکل مستدیر کفة ومنه کفة المیزان (۳۲، ۸۵) [2] کلمة من حدیث طویل عن جابر قال قال صلی اللہ علیہ وسلم فی الآداب والحدیث فی الفائق ۱ / ۱۸۴ واللسان والنہایہ (کفت) ۱۲

کے ہیں۔ اور رات کو کافر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ تمام چیزوں کو چھپا لیتی ہے۔ اسی طرح کاشتکار چونکہ زمین کے اندر بیج کو چھپاتا ہے۔ اس لئے اسے بھی کافر کہا جاتا ہے۔ اور یہ رات یا کسان کے ناموں میں سے نہیں ہے جیسا کہ بعض اہل لغت نے بطور دلیل مندرجہ ذیل شعر پیش کیا ہے[1] (الکامل)

(۳۷) اَلْقَتْ ذُکَاءُ یَمِیْنَهَا فِیْ کَافِرٍ

سورج نے اپنا دایاں ہاتھ رات کے اندر ڈال دیا۔ یعنی غروب ہوگیا۔

اَلْکَافُوْرُ۔ اس غلاف کو کہتے ہیں۔ جو پھل کو اپنے آغوش میں چھپائے رکھتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے[2] (الرجز)

(۳۷۵) کَالْکَرْمِ اِذْ نَادٰی مِنَ الْکَافُوْرِ

جیسے انگور غلاف سے ظاہر ہوتا ہے۔

کُفْرٌ یا کفران نعمت کے معنی نعمت کی ناشکری کرکے اسے چھپانے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ فَلَا کُفْرَانَ لِسَعْیِهٖ (۲۱-۹۴) تو اس کی کوشش رائگاں نہ جائے گی۔

اور سب سے بڑا کفر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت یا شریعت حقہ یا نبوات کا انکار ہے۔ پھر کفران کا لفظ زیادہ تر نعمت کا انکار کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور کفر کا لفظ انکار دین کے معنی میں اور کُفُوْرٌ کا لفظ دونوں قسم کے انکار پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

فَاَبَی الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا کُفُوْرًا (۱۷-۸۹) تو ظالموں نے انکار کرنے کے سوا اسے قبول نہ کیا۔

فَاَبٰۤی اَکْثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوْرًا (۱۷-۸۹) مگر اکثر لوگوں نے انکار کرنے کے سوا قبول نہ کیا۔

اور فعل کَفَرَ فَهُوَ کَافِرٌ ہر دو معانی کے لئے آتا ہے۔ چنانچہ معنی کفران کے متعلق فرمایا:۔

لِیَبْلُوَنِیْۤ ءَاَشْکُرُ اَمْ اَکْفُرُ ۚ وَ مَنْ شَکَرَ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ کَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ کَرِیْمٌ (۲۷-۴۰) تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کفران نعمت کرتا ہوں۔ اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لئے شکر کرتا ہے۔ اور جو ناشکری کرتا ہے۔ تو میرا پروردگار بے پروا (اور) کرم کرنے والا ہے۔

---

[1] قاله ثعلبة بن صعير المازني يصف ناقته وشيبه عيبته والقيان برلش جناحي الظليم حين يكون معارضا لنعامة راكبين بينهما عند غروب الشمس وصدره فتذكر ثقلا رثيدا بعدما . . . . والبيت في الطبري (۱ : ۱۱۱) والطبرسي (۲ : ۹۵) واللسان (ثقل اثر ذكا، كفر يدي) وتهذيب اصلاح المنطق (۱ : ۴۸) والاصلاح ۴۱ ، والحصري (۴ : ۱۲۳) والشعراء ۷ ۱۵ والكنز اللغوي ۱۵ والاشتقاق ۳۵۱ ، ۱۸۰ وفي الامالي (۲ : ۲۴) غير منسوب ونسبه في السمط ۷۹۹ مع البيتين وفي رواية المفضلية ۱۵۲ فتذكرت بمل فتذكرا والبيت ايضا في ذيل الصناعتين ۱۸۵ وابن ولاد ۹۶ وتهذيب الالفاظ ۳۸۷ وابدال ابي الطيب (۱ : ۵۶) وابدال يعقوب ۱۵ وشرح السبع لابن الانباري ومبادي اللغة للاسكافي ۱۱ والعجز فقط في نظام الغريب ۱۸۵ والمعاني للقتيبي ۳۵۸ وهو من قصيدة في منتهى الطلب (۱ : ۱۶۱-۱۶۲) والمفضلية ۲۴ التي مطلعها : هل عند عمرة من نبات . . . .
والرثيد معناه المنضيد فانهم يذكرون ان النعامة تضع بيضها طولا وعرضا على خط وسطر كما في الحيوان (۴ : ۳۲۸) وعيون الاخبار (۲ : ۸۷-۸۸) والبيت ايضا في الحيوان ۵ : ۱۳۱ والمخصص ۹ ، ۱۹۱ ، ۹ ، ۱۷ والحصري (۴ : ۱۱۵) والباقلاني في اعجازه ۲۰۰ . [2] قاله العجاج وقبله غار تبي نظر الناظور . بناعم يكف او منشور راجع اللسان (۱۲ : ۱۱۲) والعمدة (۱ : ۲۶۷) ومبادي اللغة ۱۷۸ ومشكل القرآن للقتيبي ۱۰ وديوانه ۲۷

وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنَ (۲-۱۵۲) اور میرا احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا۔

اور آیت کریمہ:۔

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَکَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ (۲۶-۱۹) اور تم نے ایک اور کام کیا تھا جو کیا۔ تم ناشکرے معلوم ہوتے ہو۔

کے معنی یہ ہیں کہ تم نے قصداً امیری نعمت کی ناشکری کی ہے۔

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ (۱۴-۷) اگر شکر کروگے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا۔ اور اگر ناشکری کروگے تو (یاد رکھو کہ) میرا عذاب بھی سخت ہے۔

اور کفران نعمت چونکہ انکارِ نعمت کو مقتضی ہے اس لئے یہ مطلقاً انکار کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَلَا تَکُوْنُوْٓا اَوَّلَ کَافِرٍ بِہٖ (۲-۴۱) اور اس سے منکر اوّل نہ بنو۔

تو یہاں کافر بمعنی جاحد (منکر) کے ہے اور کافر علی الاطلاق یعنی بلا تقیید عرف میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، شریعت اور نبوت میں سے کسی ایک یا تینوں کا منکر ہو۔ اور کبھی کَفَرَ کا لفظ اس شخص کے متعلق بھی استعمال ہوتا ہے جو شریعت کے کسی حکم میں خلل اندازی کرتا ہو یا اللہ تعالیٰ کی اس طرح شکر گزاری نہ کرتا ہو جیسے کرنا چاہیئے۔ چنانچہ آیت:۔

مَنْ کَفَرَ فَعَلَیْہِ کُفْرُہٗ (۳۰-۴۴) تو جس نے کفر کیا۔ اس کے کفر کا ضرر اسی پر ہے۔

میں کفر کے معنی شریعت کے حکم میں خلل اندازی کرنے کے ہیں۔ جیسا کہ اس کے بالمقابل آیت:۔

وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِہِمْ یَمْہَدُوْنَ (۳۰-۴۴) اور جس نے نیک عمل کئے تو ایسے لوگ اپنے ہی لئے آرام گاہ درست کرتے ہیں۔

سے معلوم ہوتا ہے۔ نیز فرمایا:۔

وَاَکْثَرُہُمُ الْکٰفِرُوْنَ (۱۶-۸۳) اور یہ اکثر ناشکرے ہیں۔

اور آیت کریمہ:۔

وَلَا تَکُوْنُوْٓا اَوَّلَ کَافِرٍ بِہٖ (۲-۴۱) اور اس سے منکر اول نہ بنو۔

کے معنی یہ ہیں کہ تم ائمہ کفر نہ بنو کہ دوسرے لوگ اس میں تمہاری اقتدار کریں۔ اور آیت کریمہ:۔

وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (۱۲-۵۵) اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔

میں مَنْ کَفَرَ سے حقوق الٰہی کو چھپانے والے لوگ مراد ہیں یہی وجہ ہے کہ انہیں فاسق کہا ہے کیونکہ کفر مطلق فسق سے اعم ہے پس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص حق باری تعالیٰ میں جحود سے کام لے گا تو وہ اپنے اس ظلم کے سبب اطاعت الٰہی سے خارج سمجھا جائیگا۔

پھر جس طرح ہر اچھے کام کو ایمان قرار دیا گیا ہے اسی طرح ہر برے کام کو کفر شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ سحر کے متعلق فرمایا:۔

وَمَا کَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَلٰکِنَّ الشَّیٰطِیْنَ کَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ (۲-۱۰۲) اور سلیمان نے مطلق کفر کی بات نہیں کی بلکہ شیطان ہی کفر کرتے تھے۔

اور آیت اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا کے بعد فرمایا:۔

وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ۔ (۲-۲۷۶)

کہ اللہ کسی ناشکرے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔ اور اسی طرح آیت وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ کے آخر میں فرمایا:۔
وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (۳-۹۷) اور جو اس حکم کی تعمیل نہ کرے گا تو خدا بھی اہل عالم سے بے نیاز ہے۔
اَلْکَفُوْرُ (مبالغہ) کے معنی انتہائی درجہ کے ناسپاس کے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔
اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ (۲۲-۶۶) اور انسان تو بہت ناشکرا ہے۔
ذٰلِکَ جَزَیْنٰھُمْ بِمَا کَفَرُوْا وَھَلْ نُجٰزِیْٓ اِلَّا الْکَفُوْرَ (۳۴-۱۷) یہ ہم نے ان کی ناشکری کی ان کو سزا دی۔ اور ہم سزا ناشکرے ہی کو دیا کرتے ہیں۔
یہاں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آیت مذکورہ میں انسان کو کَفُوْرٌ بصیغہ مبالغہ کہا ہے۔ اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ "اِنَّ" و لام تو کید لاکر کلام کو اور بھی زور دار بنا دیا گیا ہے حالانکہ دوسرے مقام پر آیت:۔
وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ (۴۹-۷) اور کفر سے تم کو بیزار کر دیا۔
سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو کفر سے طبعی نفرت ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ میں "کَفُوْرٌ" کفر سے نہیں ہے۔ بلکہ کفران نعمت سے ہے پس آیت میں اس بات پر متنبہ کیا ہے کہ ناسپاسی اور شکر گزاری سے غفلت برتنا انسان کا فطرتی خاصہ ہے۔ اور آیت:۔
قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَکْفَرَہٗ (۸۰-۱۷) انسان ہلاک ہو جائے کیسا ناشکرا ہے۔ بھی اسی معنی پر محمول ہے۔ اسی لئے دوسرے مقام پر فرمایا:۔
وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ (۳۴-۱۳) اور میرے بندوں سے شکر گزار تھوڑے ہیں۔
اور آیت کریمہ:۔
اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا۔ (۷۶-۳) اور اسے رستہ بھی دکھا دیا (اب) خواہ وہ شکر گزار ہو خواہ ناشکرا۔
میں بھی متنبہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو (ہدایت اور گمراہی کے) راستے بتا دیئے ہیں جیسا کہ آیت:۔
وَھَدَیْنٰہُ النَّجْدَیْنِ (۹۰-۱۰) اور اس کو (خیر و شر کے) دونوں رستے بھی دکھا دیئے۔
سے معلوم ہوتا ہے اب کوئی شکر گزاری کے رستہ پر گامزن ہے اور کوئی ناشکری کی راہ پر اور آیت:۔
وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا (۱۷-۲۷) اور شیطان اپنے پروردگار کی نعمتوں کا کفران کرنے والا (یعنی ناشکرا) ہے۔
میں کَفُوْرٌ کفر سے ہے اور آیت میں کَانَ کے لفظ سے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ اس نے جنم ہی کفر پر لیا ہے۔
اَلْکَفَّارُ۔ اس میں کفور سے بھی زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
کُلَّ کَفَّارٍ عَنِیْدٍ (۵۰-۲۴) ہر سرکش ناشکرے کو۔
اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ۔ (۳۹-۳) بے شک خدا اس شخص کو جو جھوٹا ناشکرا ہے، ہدایت نہیں دیتا۔
وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ (۲-۲۷۶) اور خدا کسی ناشکرے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔
اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا (۷۱-۲۷) وہ بھی بدکار اور ناشکر

گزار ہوگی۔

اور کبھی کَفَّار بمعنی کفور بھی آجاتا ہے جیسے فرمایا۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (۱۴-۳۴) بیشک انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے۔

کُفَّارٌ اور کَفَرَۃٌ دونوں کافِرٌ کی جمع ہیں۔ لیکن پہلی جمع تو عام طور پر مومنین کے بالمقابل استعمال ہوتی ہے۔ جیسے فرمایا:۔

اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ (۴۸-۹) وہ کافروں کے حق میں سخت ہیں۔

لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (۴۸-۲۹) تاکہ کافروں کا جی جلائے۔

اور دوسری بمعنی کفرانِ نعمت کے آتی ہے۔ چنانچہ آیت:۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ (۸۰-۴۲) یہ لوگ کفار بدکردار ہیں۔

میں آپ نہیں دیکھتے کہ کَفَرَۃٌ کی صفت فَجَرَۃٌ لائی گئی ہے اور فَجَرَۃٌ فاسق مسلمان کو بھی کہا جاتا ہے (تو معلوم ہوا کہ یہاں کَفَرَۃٌ سے مراد ناشکرے ہی ہیں اور آیت:۔

جَزَاءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ (۵۴-۱۴) یہ سب کچھ اس شخص کے انتقام کے لئے کیا گیا۔ جس کو کافر مانتے نہ تھے۔

میں لِمَنْ كَانَ كُفِرَ سے انبیاء علیہم السلام اور ان کے خلفاء مراد ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں لوگوں کو نصیحت کی لیکن ان کی دعوت پر کسی نے بھی کان نہ دھرا۔ اور آیت کریمہ:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا (۴-۱۳۷) جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوگئے۔ پھر ایمان لائے پھر کافر ہوگئے۔

کے بعض نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اولاً موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے پھر اس کے بعد دوسرے پیغمبروں کے ساتھ کفر کیا۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے مگر ان کے بعد آنے والے پیغمبر کے ساتھ کفر کیا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا پھر انہی کے ساتھ کفر کرنا مراد ہے۔ کیونکہ ان کا کسی دوسرے پر تو ایمان لانا ثابت نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا ہے۔ کہ یہ آیت:۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ (۳-۷۲) اور اہل کتاب ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ (جو) کتاب مومنوں پر نازل ہوئی اس پر دن کے شروع میں تو ایمان لے آیا کرو اور اس کے آخر میں انکار کر دیا کرو۔

کی طرح ہے۔ اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ دو دفعہ ایمان لائے اور پھر دوبارہ ہی کفر کیا بلکہ اس سے ان کی مختلف حالتوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جس طرح فضائل میں ترقی کے تین درجات ہیں اسی طرح رذائل میں بھی انحطاط کے تین درجے ہیں۔ اور آیت کریمہ میں انہی درجات کی طرف اشارہ ہے۔ اس مفہوم کو ہم نے اپنی کتاب "الذریعۃ" میں خوب وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

کَفَرَ فُلَانٌ کے معنی اعتقاد کفر کے بھی ہوتے ہیں اور محض زبان سے اظہار کفر کے بھی۔ خواہ دل سے اس کا معتقد نہ ہو۔ اسی لئے فرمایا:۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (۱۶-۱۰۶)

جو شخص ایمان کے بعد خدا کے ساتھ کفر کرے وہ
نہیں جو (کفر پر زبردستی) مجبور کیا جائے اور اس کا
دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔
کَفَرَ فُلَانٌ بِالشَّیْطَانِ۔ کے معنی شیطان کی
وجہ سے کفر کرنے کے ہیں۔ اور کبھی اس کا معنی
شیطان کے ساتھ کفر کرنا بھی آجاتے ہیں چنانچہ فرمایا۔
فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ
(۲-۲۵۶) تو جو شخص بتوں سے اعتقاد نہ رکھے
اور خدا پر ایمان لائے۔
اَکْفَرَہٗ اِکْفَارًا کے معنی کسی پر کفر کا فتویٰ
لگانے کے ہیں۔
اور کبھی کفر کے معنی کسی سے بیزار ہونا بھی آجاتے
ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔
ثُمَّ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَکْفُرُ بَعْضُکُمْ بِبَعْضٍ
الْاٰیَۃِ (۲۹-۲۵) پھر قیامت کے دن ایک
دوسرے کی دوستی سے انکار کردو گے۔
اِنِّیْ کَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَکْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ (۱۴-۲۲)
میں تو اس بات سے انکار کرتا ہوں کہ تم پہلے مجھے
شریک بناتے تھے۔ اور آیت کریمہ:۔
کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُہٗ (۵۷-۲۰)
اس کی مثال ایسی ہے جیسے بارش کہ اس سے کھیتی
اگتی اور کسانوں کو بھلی لگتی ہے۔
میں بعض نے کہا ہے کہ کُفَّار سے کسان مراد
ہیں کیونکہ وہ بیج کو مٹی میں چھپا دیتے ہیں جیسا
کہ کافر اللہ تعالیٰ کے حق کو چھپا لیتے ہیں چنانچہ آیت:۔
یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِہِمُ الْکُفَّارَ (۴۸-۲۹)
اور لگی کھیتی والوں کو خوش کرنے تاکہ کافروں کا
جی جلائے۔
بھی اس معنی پر دلالت کرتی ہے کیونکہ بارش

کی روئیدگی سے خوش ہونا کافر کے ساتھ مختص
نہیں ہے۔ بلکہ ہر کاشتکار اس سے خوشی
حاصل ہوتی ہے۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر
بعض نے کہا ہے کہ یہاں بھی کُفَّار سے کافر ہی
مراد ہیں اور ان کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ
وہ دنیا اور اس کے ساز و سامان پر خوش اور
اس کی طرف مائل رہتے ہیں۔
اَلْکَفَّارَۃُ۔ جو چیز گناہ دور کردے اور اسے
ڈھانپ لے اسے کَفَّارَۃ کہا جاتا ہے۔ اسی
سے کَفَّارَۃُ الْیَمِیْنِ ہے چنانچہ اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔
ذٰلِکَ کَفَّارَۃُ اَیْمَانِکُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ
(۵-۸۹) یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب
تم قسمیں کھا لو۔
فَکَفَّارَتُہٗ اِطْعَامُ عَشَرَۃِ مَسٰکِیْنَ (۵-۸۹)
تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا کھلانا ہے۔
اسی طرح دوسرے گناہ جیسے قتل، ظہار وغیرہ
کے تاوان پر بھی کفارہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔
اَلتَّکْفِیْرُ اس کے معنی بھی گناہ کو چھپانے
اور اسے اس طرح مٹا دینے کے ہیں جیسے اس
کا ارتکاب ہی نہیں کیا۔ اور ہوسکتا ہے کہ یہ
اصل میں ازالۂ کفر یا کفران سے ہو جیسے تمریض
کے معنی ازالۂ مرض کے آتے ہیں۔ اور تقذیۃ
کے معنی ازالۂ قذی یعنی تنکا دور کرنے کے۔
چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْکِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَکَفَّرْنَا
عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ (۵-۶۵) اور اگر اہل کتاب
ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم ان سے
ان کے گناہ محو کردیتے۔
نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ (۴-۳۱) تو ہم تمہارے سے

(چھوٹے چھوٹے گناہ معاف کر دینگے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔
إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (۱۱-۱۱۴)
کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔
میں بھی اسی معنی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے مگر
بعض نے کہا ہے کہ چھوٹی چھوٹی نیکیاں بڑے
گناہوں کا کفارہ نہیں بن سکتیں۔
لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ (۳-۱۹۵) میں
ان کے گناہ دور کر دوں گا۔
لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا
(۳۹-۳۵) تاکہ خدا ان سے برائیوں کو جو انہوں
نے کیں دور کر دے۔ محاورہ ہے:۔
كَفَرَتِ الشَّمْسُ النُّجُومَ سورج نے ستاروں کو چھپا دیا۔
اور اس بادل کو بھی کافر کہا جاتا ہے جو سورج کو
چھپا لیتا ہے۔ تَكَفَّرَ فِي السِّلَاحِ اس نے ہتھیار
پہن لئے۔

اَلْكَافُوْرُ۔ اصل میں پھلوں کے غلاف کو کہتے
ہیں جو ان کو اپنے اندر چھپائے رکھتا ہے شاعر
نے کہا ہے[1] (الرجز)
(۳۷۵) كَالْكَرْمِ إِذْ نَادَى مِنَ الْكَافُوْرِ
جیسے انگور شگوفہ کے غلاف سے ظاہر ہوتے ہیں۔
لیکن کافور ایک مشہور خوشبو...... کا بھی نام
ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا (۷۶-۵) جس میں کافور
کی آمیزش ہوگی۔

(ک ف ل)

اَلْكَفَالَةُ۔ ضمانت کو کہتے ہیں اور تَكَفَّلْتُ
بِكَذَا کے معنی کسی چیز کا ضامن بننے کے ہیں۔
اور كَفَّلْتُهُ فُلَانًا کے معنی ہیں میں نے اسے
فلاں کی کفالت میں دے دیا۔ قرآن میں ہے:۔
وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا (۳-۳۷) اور زکریا کو اس
کا متکفل بنایا۔
بعض نے كَفَلَ تخفیف فاء کے ساتھ پڑھا
ہے[2]۔ اس صورت میں اس کا فاعل زکریا علیہ السلام
ہوں گے یعنی حضرت زکریا علیہ السلام نے ان
کو اپنی کفالت میں لے لیا۔
(اَكْفَلَهَا زَيْدًا) اسے زید کی کفالت میں دیدیا)
قرآن میں ہے:۔
أَكْفِلْنِيهَا (۳۸-۲۳) یہ بھی میری کفالت میں دے
دو (میرے سپرد کر دو)۔
اَلْكَفِيْلُ۔ اصل میں بقدر ضرورت حصہ کو کہتے
ہیں۔ گویا وہ انسان کی ضروریات کا ضامن ہوتا
ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا (۱۶-۹۱)
اور تم خدا کو اپنا کفیل بنا چکے ہو۔
اور اَلْكِفْلُ کے معنی بھی اَلْكَفِيْلُ یعنی حصہ
کے آتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔
يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ (۵۷-۲۸) وہ
تمہیں اپنی رحمت سے اجر کے دو حصے عطا فرمائیگا۔
یعنی دنیا اور عقبیٰ دونوں جہانوں میں تمہیں اپنے
انعامات سے نوازے گا۔ اور یہی دو قسم کی نعمتیں
ہیں جن کے لئے آیت رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا
حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً (۲-۲۰۱) کہ
پروردگار ہم کو دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور
آخرت میں بھی نعمت بخشیو میں اللہ تعالیٰ
سے دعا کی جاتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں

---
[1] راجع فی العنوان نفسہ [2] وھی قراءۃ معظم السبعۃ وقراءۃ التشدید ھی قراءۃ الکوفیین عاصم وحمزۃ والکسائی (ابو حیان ۲/۴۴۴)

کِفْلَیْن" سے دو نعمتیں مراد نہیں ہیں۔ بلکہ اس سے پیہم اور کفایت کرنے والی نعمت مراد ہے۔ اور تثنیہ کا لفظ لَبَّیْكَ وَ سَعْدَیْكَ کی طرح تاکید معنوی کے لئے ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا (۴-۸۵) جو شخص نیک بات کی سفارش کرے تو اس کو اس (کے ثواب) میں سے حصہ ملے گا۔ اور جو بری بات کی سفارش کرے اس کو اس (کے عذاب) میں سے حصہ ملے گا۔

میں کِفْلٌ کے معنی کافی حصہ کے نہیں ہے بلکہ استعارۃً اس سے حقیر چیز مراد لی ہے۔ اور یہ اس کفل سے مشتق ہے جس کے معنی کوہے کے پچھلے حصہ کے ہوتے ہیں۔ چونکہ اس حصہ پر سواری تکلیف دہ ہوتی ہے اس لئے عرف میں کِفْلٌ بمعنی شدت استعمال ہونے لگا ہے جیسا کہ سیساء کا لفظ ہے کہ اصل میں اس کے معنی گدھے کی پشت پر کی ابھری ہوئی ہڈی ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے:۔

لَأَحْمِلَنَّكَ عَلَى الْكِفْلِ أَوْ عَلَى السِّيسَاءِ أَوْ لَأُرْكِبَنَّكَ الْحَسْوَى یعنی میں تمہیں سخت تکلیف پہنچاؤں گا۔ اسی معنی میں شاعر نے کہا ہے۔[1]

(۳۷۷) وَحَمَلْنَاهُمْ عَلَى صَعْبَةٍ زَوْ
رَاءَ يَعْلُونَهَا بِغَيْرِ وِطَاءِ

اور ہم نے ان کو نہایت تند اور ٹیڑھی حالت کی ننگی پشت پر سوار ہونے پر مجبور کر دیا۔

پس آیت (۴-۸۵) کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی اچھے کام میں دوسرے کا شریک کار ہوگا تو اسے بھی اس سے حصہ ملے گا۔ اور اگر کوئی شخص برے کام میں دوسرے کی مدد کرے گا تو اسے بھی اس کے انجام بد سے دوچار ہونا پڑے گا۔

بعض کے نزدیک اس آیت میں بھی کِفْل بمعنی کفیل ہی ہے اور اس میں متنبہ کیا ہے کہ جو شخص شر یعنی برائی کا جویا ہوگا تو وہ برائی اس پر کفیل ہوگی۔ جو اس سے باز پرس کرے گی۔ جیسا کہ محاورہ ہے:۔

مَنْ ظَلَمَ فَقَدْ أَقَامَ كَفِيلًا بِظُلْمِهِ کہ جس نے ظلم کیا تو اس نے اپنے اوپر ظلم سے کفیل کھڑا کر دیا چنانچہ آیت مذکورہ میں تنبیہ کی ہے کہ برائی میں دوسرے کی مدد کرنے والا کبھی بھی اس کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔

(ک ف ء)

اَلْكُفُوْءُ کے معنی مرتبہ اور منزلت میں دوسرے کا ہم پلہ ہونے کے ہیں اسی سے کِفَاءٌ کپڑے کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جو اس جیسے دوسرے ٹکڑے کے ساتھ ملا کر خیمہ کے پچھلی طرف ڈال دیا جاتا ہے اور اسی سے نکاح یا لڑائی میں ہمسر دل کے متعلق کہا جاتا ہے فُلَانٌ كُفُوٌ لِفُلَانٍ فلاں اس کا ہمسر ہے قرآن میں ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ (۱۱۲-۴) اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

اسی سے مُكَافَاةٌ ہے جس کے معنی کسی کام میں دوسرے کے بالمقابل ہونے کے ہیں۔ نیز محاورہ ہے:۔ فُلَانٌ كُفُوٌّ لَكَ فلاں دشمنی میں تیرا ہم پلہ ہے۔

[1] قالہ ابوزبید الطائی وتقدم تخریجہ فی (عتب)

اَلْاِکْفَاءُ کے معنی کسی چیز کو الٹا کر دینے کے ہیں گویا اس میں مساوات کو دور کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں اور اسی سے اِکْفَاءٌ فِی الشِّعْرِ ہے جس کے معنی قصیدہ میں حرف روی کے مختلف ہونے کے ہیں۔ مُکْفَاءُ الْوَجْہِ اَوْ کَفِیُّ الْوَجْہِ متغیر رو آدمی۔ کَفَاءٌ۔ اونٹوں کی ناقص پیدائش۔ محاورہ ہے:۔

جَعَلَ فُلَانٌ اِبِلَہٗ کَفَأَتَیْنِ۔ اس نے اپنے اونٹوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ یعنی ایک سال ایک حصہ سے نسل لیتا ہے اور دوسرے سال دوسرے سے۔

(ک ف ی)

اَلْکِفَایَۃُ (وہ چیز جس سے ضرورت پوری اور مراد حاصل ہو جائے۔ قرآن میں ہے:۔

وَکَفَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ (۳۳-۲۵) اور خدا مومنوں کے لئے جنگ کی ضروریات کے سلسلہ میں کافی ہوا۔

اِنَّا کَفَیْنَاکَ الْمُسْتَھْزِءِیْنَ (۱۵-۹۵)۔ ہم تمہیں ان لوگوں کے شر سے بچانے کے لئے جو تم سے استہزاء کرتے ہیں کافی ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا (۴۸-۲۹) اور حق ظاہر کرنے کے لئے اللہ ہی کافی ہے۔ میں بعض نے کہا ہے کہ باء زائدہ ہے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی گواہ ہونے کے لئے کافی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ باء اصلی ہے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ گواہ ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ پر ہی اکتفاء کرو اَلْکُفْیَۃُ مِنَ الْقُوْتِ غذا جو گذارہ کے لئے کافی ہو۔ ج کُفًی محاورہ ہے۔

کَافِیْکَ فُلَانٌ مِنْ رَجُلٍ یعنی فلاں شخص تمہارے لئے کافی ہے اور یہ حَسْبُکَ مِنْ رَجُلٍ کے محاورہ کے ہم معنی ہے۔

(ک ل ل)

کُلٌّ کا لفظ کسی شے کے اجزاء کو یکجا کرنے پر بولا جاتا ہے اور یہ دو طرح پر استعمال ہوتا ہے (۱) کبھی اس سے کسی چیز کی ذات اور اس کے احوال خصوصی کا مجموعہ مراد ہوتا ہے۔ اور لفظاً تمام کے معنی دیتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔ وَلَا تَبْسُطْھَا کُلَّ الْبَسْطِ (۱۷-۲۹) اور نہ بالکل کھول ہی دو (کہ سبھی کچھ دے ڈالو)

شاعر نے کہا ہے[1] (

(۳۷۸) لَیْسَ الْفَتٰی کُلُّ الْفَتٰی۔ اِلَّا الْفَتٰی فِیْ اَدَبِہٖ

یعنی کامل جوانمرد تو وہی ہو سکتا ہے جو ادب میں کامل ہو۔

(۲) کبھی اس سے کئی چیزوں کا مجموعہ مراد ہوتا ہے۔

---

[1] قالہ ابو محمد الیزیدی یحیی بن المبارک بن العدوی التوفی ۲۰۲) وسمی الیزیدی لصحبتہ یزید بن منصور خال المہدی وکان شاعراً فصیحاً نحویاً ربیب ابی عمرو بن العلاء وفی النحو واللغۃ والغریب والقراءۃ اجعل الرشید المامون ابنہ فی حجرہ) ولہ فی ہجو الاصمعی ابیات منہا این لی دمی بن اصمعی متی کنت فی الاسرۃ الفاضلۃ ومنہا رأیت قریب الاصمعی کثیراً تواضحہ شاملۃ والبیت فی المواعظ فی ثمانیۃ ابیات وبعدہ: ولبعض اخلاق الفتی۔ اولی بہ من نسبہ۔ راجع للبیت المعجم للمرزبانی ۴۸۷ وروضۃ العقلاء ۱۹۸ بغیر عزو ولاحوال الشاعر الانساب ۵۹۹ - ۶۰۰ وابن خلکان ۷۰۰ والیافعی (۲: ۳-۷) والبغیہ للسیوطی ۴۱۴، وطبقات زبیدی ۲۱ وطبقات ابن المعتز ۲۷۳-۲۷۴ ونزہۃ الالباء لابن الانباری ۱۰۰-۱۱۰)

اس صورت میں کبھی تو یہ جمع معرف باللام کی طرف مضاف ہوتا ہے جیسے :-

كُلُّ الْقَوْمِ۔ (پوری قوم) اور کبھی جمع معرف باللام کی ضمیر کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ جیسے قرآن میں ہے۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ (۱۵-۲۰) تو فرشتے سب کے سب سجدہ میں گر پڑے۔

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (۹-۳۳) تاکہ اس (دین) کو دنیا کے تمام دینوں پر غالب کرے

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (۱۹-) اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔

اور کبھی نکرہ مفردہ کی طرف مضاف ہوتا ہے جیسے فرمایا۔ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ اور ہم نے ہر انسان (کے اعمال) کو بصورت کتاب اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے (۱۷-۱۳) وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۲-۲۰۱) اور اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔

وغیر ذالک من الآیات :-

اور کبھی بغیر اضافت کے استعمال ہوتا ہے اس وقت اس کا مضاف الیہ مقدر ہوتا ہے۔

چنانچہ فرمایا :-

كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (۳۶-۴۰) اور سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔

وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ (۲۷-۸۷) اور سب اس کے پاس عاجز ہو کر چلے آئیں گے۔

وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ (۲۱-۷۲) اور سب کو نیک بخت کیا۔

وَكُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ (۲۱-۸۸) یہ سب صبر کرنے والے تھے۔

ان کے علاوہ اور بھی اس نوع کی بہت سی آیات ہیں۔ اور قرآن پاک اور فصحا عرب کے کلام میں کہیں بھی یہ لفظ معرف باللام یعنی اَلْكُلُّ استعمال نہیں ہوا بلکہ یہ محض متکلمین، فقہا اور دیگر علمائے فن کی اصطلاح ہے۔

اَلْكَلَالَةُ باپ اور اولاد کے علاوہ جو وارث بھی ہو وہ كَلَالَةٌ ہے۔

ابن عباسؓ کا قول ہے کہ كَلَالَةٌ ہر اس وارث کو کہتے ہیں، جو اولاد کے علاوہ ہو۔ ایک روایت میں ہے[1] کہ آنحضرت[2] سے "كَلَالَةٌ" کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ من مات ولیس له ولدٌ ولا والدٌ کہ كَلَالَةٌ ہر اس میت کو کہتے ہیں جس کا باپ اور اولاد زندہ نہ ہوں۔ اس حدیث میں آنحضرتؐ نے خود میت کو کو کلالہ قرار دیا ہے اور کلالہ کے یہ دونوں معنی صحیح ہیں کیونکہ كَلَالَةٌ مصدر ہے جو وارث اور موروث دونوں پر بولا جاسکتا ہے گویا کلالہ کو کلالہ یا تو اس لئے کہتے ہیں کہ سلسلہ نسب اس تک ...... پہنچنے سے عاجز ہو گیا ہے اور یا اس لئے کہ وہ نسب کسی ایک جانب یعنی جانب اصل یا جانب فرع سے اس کے ساتھ بالواسطہ پہنچتا ہے اور یہ (یعنی دو احتمال) اس لئے ہیں کہ نسبی تعلق دو قسم پر ہے۔ انتسابؔ بالعمق (یعنی براہ راست تعلق) جیسے باپ بیٹے کا باہمی تعلق۔ نسبتؔ بالعرض یعنی بالواسطہ

---

[1] راجع الآیات (۴-۱۳) (۴-۱۷۷) [2] و فی الطبری من قول ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما و لم یثبت عندی مرفوعاً و فی کنز العمال ۱۱ر۲۰-۷۷ لبعض آثار الصحابۃ فلیراجع الیہ ۱۲

جیسے بھائی یا چچا کے ساتھ رشتے کی نسبت۔ قطرب کا قول ہے کہ والدین اور بھائی کے علاوہ باقی رشتہ داروں کو "کَلَالَۃ" کہا جاتا ہے لیکن یہ قول بلا دلیل ہے بعض نے کہا ہے کہ کَلَالَۃ کا لفظ ہر وارث پر بولا جاتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[1] (مجزوء الکامل)

(۳۷۹) وَالْمَرْءُ يَبْخَلُ بِالْحُقُوقِ
وَلِلْكَلَالَةِ مَا يُسِيمُ

انسان حقوق کی ادائیگی میں بخل کرتا ہے حالانکہ اس کا تمام مال اس کے وارثوں کے لئے ہے۔
یُسِیْمُ اَسَامَ الْاِبِلَ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی اونٹوں کو چراگاہ میں لے جانے کے ہیں مگر لفظ کَلَالَۃ سے شاعر نے وہ معنی مراد نہیں لئے جو اس شارح نے سمجھے ہیں بلکہ شاعر کی مراد یہ ہے کہ انسان کو مال جمع کرنے میں زہد سے کام لینا چاہیئے۔ کیونکہ کلالہ کے لئے ترکِ مال اولاد کے لئے ترک مال سے بڑھ کر شاق ہوتا ہے اور اس میں تنبیہ ہے کہ جن کے لئے تم مرتے وقت مال چھوڑ رہے ہو وہ بمنزلہ کلالہ کے ہیں جیسے تم کہو۔ مَا تَجْمَعُهُ فَهُوَ لِلْعَدُوِّ تم جو جمع کرتے ہو وہ تمہارے دشمن کا ہے۔ اور اہل عرب کے ہاں محاورہ ہے:۔
لَمْ يَرِثْ فُلَانٌ كَلَالَةً فلاں آدمی کلالہ کا وارث نہیں ہے۔ اور یہ اس شخص کے حق میں کہتے ہیں جو اپنے باپ سے کسی مال کا وارث ہو شاعر نے کہا ہے[2] (البسیط)

(۳۸۰) وَرِثْتُمُ قَنَاةَ الْمُلْكِ غَيْرَ كَلَالَةٍ
عَنِ ابْنَيْ مُنَافٍ عَبْدِ شَمْسٍ وَهَاشِمٍ

تمہیں عبد مناف کے دونوں بیٹوں عبد شمس اور ہاشم سے حکومت کا ورثہ ملا ہے۔ اور تم اسکے مستحق ہو۔
اَلْاِکْلِیْلُ کے معنی تاج کے ہیں۔ اور تاج کا نام اکلیل اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ سر پر محیط ہو جاتا ہے۔ محاورہ ہے:۔
كَلَّ الرَّجُلُ فِي مِشْيَتِهٖ كَلَالًا۔ انسان کا چلنے سے عاجز ہو جانا۔
كَلَّ السَّيْفُ عَنْ ضَرِيْبَتِهٖ كُلُوْلًا وَكِلَّةً۔ تلوار کا نشانہ پر نہ لگنا۔
كَلَّ اللِّسَانُ۔ زبان کا کلام سے عاجز ہو جانا۔
اَكَلَّ فُلَانٌ کسی کی سواری کا تھک جانا۔
اَلْكَلْكَلُ سینہ کو کہتے ہیں۔ نیز ہر چیز کا اگلا حصہ۔

کِلَا

کِلَا تثنیہ کے معنی دیتا ہے جیسا کہ کُلٌّ جمع کے لئے آتا ہے۔ یہ چونکہ لفظاً مفرد اور معنی تثنیہ ہوتا ہے اس لئے اسے کبھی مفرد اور کبھی تثنیہ تصور کر لیتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا (۱۷-۲۳) اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں۔ کِلَا کا مؤنث کِلْتَا ہے۔

---

[1] قاله زيد بن الحكم الثقفي يعظ ابنه بيتا والبيت في الحماسة مع المرزوقي ۱۱۹۵ من قصيدة في ۲۳ بيتا وللابيات قصة انظر الاغاني (۱۱: ۹۹-۱۰۲) والخزانة (۱: ۱۱۱) [2] قاله الفرزدق والخطاب لسليمان بن عبد الملك والبيت في اللسان (كلل) في رواية "لامن" بدل "عن" ... الجيد مل قناة الملك وفي رواية الكامل (۳: ۲۳۶) اول البيت معد فيتم ثياب المجد في اليوسكم والبيت في الاشباه (۲: ۷۰) والبحر (۳: ۱۸۸) والسيوطي ۳۲

جب یہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوں تو احوالِ ثلاثہ میں ان کا الف بحالہ باقی رہتا ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی مگر جب اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوں تو حالت رفعی میں بحالہ باقی رہتا ہے اور نصبی اور جری حالت میں ی سے تبدیل ہو جاتا ہے۔ جیسے:۔
جَاءَنِیْ کِلَاھُمَا، رَأَیْتُ کِلَیْھِمَا، مَرَرْتُ بِکِلَیْھِمَا اور مؤنث کے لئے کِلْتَا آتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
کِلْتَا الْجَنَّتَیْنِ اٰتَتْ اُکُلَھَا (۱۸-۳۳)
دونوں باغ کثرت سے پھل لائے۔

(ک ل ء)

اَلْکِلَاءَۃُ کے معنی کسی چیز کی حفاظت کرنے اور اسے باقی رکھنے کے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے:۔
کَلَأَکَ اللّٰہُ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں محفوظ رکھے گا
بَلَغَ بِكَ أَكْلَأَ الْعُمُرِ تمہیں انتہائی عمر تک بحفاظت پہنچائے۔
اِکْتَلَأْتُ بِعَیْنِیْ کَذَا میں نے بذات خود فلاں چیز کی نگرانی کی قرآن میں ہے:۔
قُلْ مَنْ یَّکْلَؤُکُمْ بِالَّیْلِ الْاٰیَۃِ (۲۱-۴۲)
کہو کہ رات اور دن میں خدا سے تمہاری کون حفاظت کر سکتا ہے۔
اَلْمُکَلَّأُ (گودی) ہر وہ مقام جہاں کشتیوں کو محفوظ رکھا جا سکے۔
اَلْکَلَّاءُ بصرہ میں ایک مقام کا نام ہے کیونکہ وہاں کشتیوں کو محفوظ رکھنے کے لئے لے جاتے تھے اور کَالِئٌ کے معنی ادھار کے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے[1] (۱۰۳) کہ آنحضرتؐ نے بَیْعُ الْکَالِئِ بِالْکَالِئِ یعنی ادھار کی ادھار کے ساتھ بیع کرنے سے منع فرمایا۔
اَلْکَلَأُ اس گھاس کو کہتے ہیں جسے محفوظ کر لیا گیا ہو۔ اور ہر وہ مقام جہاں گھاس زیادہ ہو اسے مَکْلَأٌ یا مَکَانٌ کَالِئٌ کہا جاتا ہے۔

(ک ل ب)

اَلْکَلْبُ (کتا) بھونکنے والا جانور۔ اس کی مؤنث کَلْبَۃٌ اور جمع اَکْلُبٌ وَکِلَابٌ آتی ہے کبھی اس کی جمع کَلِیْبٌ بھی آجاتی ہے۔
کَمَثَلِ الْکَلْبِ (۷-۱۷۶) تو اس کی مثال کتے کی سی ہے۔
وَکَلْبُھُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْہِ بِالْوَصِیْدِ (۱۸-۱۸) اور ان کا کتا چوکھٹ پر دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا۔
اور اسی سے اَلْکَلَبُ (بفتح اللام) مشتق ہے۔ جس کے معنی شدتِ حرص کے ہیں۔ اسی سے کہا جاتا ہے:۔
ھُوَ اَحْرَصُ مِنْ کَلْبٍ۔ وہ کتے سے زیادہ حریص ہے اور رَجُلٌ کَلِبٌ کے معنی سخت حریص آدمی کے ہیں اور کَلْبٌ کَلِبٌ باؤلا کتا جسے

---
[1] اخرجہ الدار قطنی من حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصححہ الحاکم علی شرط مسلم لکن اہل الحدیث یوہنون ہذا الحدیث وایضاً فی الطبرانی من حدیث رافع بن خدیج راجع النیل ۵/۲۴۶، وایضاً رک ۱ ہق عنہ کنز العمال ۴ رقم ۱۳۱۴ والحدیث فی الفائق ۲/۴۰۶-۲۰ وغریب ابی عبید (۱:۲۰) واللسان والنہایۃ (کلاء)

انسان کا گوشت کھانے کا چسکا لگ جاتا ہے۔ اور جسے وہ کاٹ کھائے اُسے بھی ہڑکائے کتے جیسا مرض لاحق ہوجاتا ہے مفرد کے لئے رجل کلب اور جمع کے لئے قَوْمٌ كَلْبٰى کہتے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے[1] (الوافر)

(۳۸۱) دِمَاؤُهُمْ مِنَ الْكَلَبِ الشِّفَاءُ

ان کے خون کَلَب کی مرض سے شفا بخشتے ہیں۔

اور کبھی یہ مرض اونٹ کو بھی لاحق ہوجاتا ہے چنانچہ اَكْلَبَ الرَّجُلُ کے معنی باؤلے اونٹ کا مالک ہونے کے ہیں۔

كَلِبَ الشِّتَاءُ سردی سخت ہوگئی گویا وہ کتے کی طرح باؤلی ہوگئی ہے۔ دَهْرٌ كَلِبٌ سخت زمانہ۔

اَرْضٌ كَلِبَةٌ۔ اس زمین کو کہتے ہیں جو سیراب نہ ہونے کی وجہ سے خشک ہوجائے جیسا کہ باؤلا آدمی پانی نہ پینے کی وجہ سے آخرکار سوکھ کر رہ جاتا ہے۔

اَلْكَلَّابُ وَالْمُكَلِّبُ۔ اس شخص کو کہتے ہیں جو کتوں کو شکار کے لئے سدھاتا اور انہیں تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ (۵۔۴) اور وہ شکار بھی حلال ہے جو تمہارے لئے ان شکاری جانوروں نے پکڑا ہو جن کو تم نے سدھا رکھا ہے۔

اَرْضٌ مُكْلِبَةٌ۔ بہت کتوں والی سرزمین۔

اَلْكَلَّابُ وَالْكَلْبُ میخ جو تلوار کے قبضہ میں لگی ہوتی ہے۔

اَلْكُلْبَةُ۔ توشہ دان باندھنے کے تسمہ سے نیچے کا تسمہ جس سے اسے سیا جاتا ہے۔ اس کا یہ نام شکاری کتے کی مناسبت سے رکھا گیا ہے۔ پس كَلَبْتُ الْاَدِيمَ کے معنی چمڑے کو سینے کے ہیں کسی شاعر نے کہا ہے[2] (الرجز)

(۳۸۲) سَيْرُ صَنَاعٍ فِي اَدِيمٍ تَكْلُبُهُ

کاریگر عورت کے تسمہ کی طرح ملائم اور چمکدار ہے جس سے وہ مشکیزہ سل رہی ہو۔

اَلْكَلْبُ۔ تاروں کے ایک جھمکے کا نام ہے جسے کتے کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے جھمکے کے تابع ہوتا ہے جسے اَلرَّاعِي (چرواہا) کہا جاتا ہے۔ اَلْكَلْبَتَانِ (دستپناہ) لوہار کے ایک اوزار کا نام ہے جس سے وہ گرم لوہے کو پکڑتا ہے کسی چیز کو پکڑنے کے لحاظ سے اسے شکاری کتے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ اور دو کنارے ہونے کی وجہ سے تثنیہ کا لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ اَلْكُلُّوبُ۔ کنڈی۔ كَلَالِيبُ جمع كَلَالِيبُ الْبَازِي۔ باز کے پنجے۔ یہ بھی كَلْبٌ سے مشتق ہے۔ کیونکہ جو چیز اس کے

---

[1] (فی اللآلئ قال الشاعر (وهو الحطيئة) قال الاستاذ الميمني في طرته عليه: او هذه الزيادة خطأ لانه لا يوجد في شيء من نسخ ديوان الحطيئة وانما هو لابي البرج القاسم بن حنبل المري في زفر بن ابي هاشم (عامل اليمامة يكنى اباحبيب) من ثمانية ابيات وصدره: بناة مكارم واساة كلم.... راجع البيت المرزوقي رقم ٧٧٠ والمعجم للمرزباني (٣١٢) والآمدي ٨١ في خمسة مطلعها: اري الخلان بعد ابي حبيب بحجر في جنابهم جفاء. راجع للبيت الحيوان للجاحظ (٢: ٥) وفيه بعد ابي عمير وفيه البيت منسوب الى بعض المرسين والشطر ايضا مروي لامية بن ابي الصلت وفي المعاني للقتيبي بغير عزو (٢١٣)

[2] قاله دكين بن رجاء الفقيمي يصف فرسا وقبله: كان غر متنه اذ نجنبه من بعد يوم كامل نؤوبه. وفي رواية اللسان والصحاح (حرز) خرز بدل اديم والرجز في الاقتضاب بتقديم وتاخير وراجع للشطر ايضا الجمهرة لابن دريد ١: ٢٠٧ والازمنة للمرزوقي (٢: ٧) والمعاني للقتيبي ٢٠٦ والسمط ٨٧٥ واللسان والصحاح (كلب) ولفظه سير بدل من لفظه اديم

پنجہ میں آجائے اسے کتے طرح پکڑ کر روک لیتا ہے۔

(ک ل ف)

اَلْكَلَفُ (س) کسی چیز پر شیفتہ ہونا محاورہ ہے۔ كَلِفَ فُلَانٌ بِكَذَا فلاں اس پر شیفتہ ہے۔
اَكْلَفْتُهُ بِهِ۔ میں نے اسے شیفتہ کر دیا۔
اَلْكَلَفُ. (ایضًا) چہرہ پر کے سیاہ دھبے، چہرہ کی چھائیاں گویا اس پر کلفت کا اثر ظاہر ہے۔
اَلتَّكَلُّفُ. کوئی کام کرتے وقت شیفتگی ظاہر کرنا باوجودیکہ اس کے کرنے میں مشقت پیش آرہی ہو اس لئے عرف میں کلفت مشقت کو کہتے ہیں اور تَكَلُّفٌ اس کام کے کرنے کو جو مشقت تصنع یا اوپرے جی سے دکھلاوے کے لئے کیا جائے اس لئے تکلیف دو قسم پر ہے محمود اور مذموم۔ اگر کسی کام کو اس لئے محنت کسے سرانجام دے کہ وہ کام اس پر آسان اور سہل ہو جائے اور اسے اس کام کے ساتھ شیفتگی اور محبت ہو جائے تو ایسا تکلف محمود ہے چنانچہ اسی معنی میں عبادات کا پابند بنانے میں تکلیف کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور اگر وہ تکلیف محض ریاکاری کے لئے ہو تو مذموم ہے۔ چنانچہ آیت:۔
قُلْ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (۳۸-۸۶) (اور اے پیغمبر) کہہ دو کہ میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں۔ میں تکلیف کے یہی معنی مراد ہیں اور حدیث میں ہے[۱] (۹۹) اَنَا وَاَتْقِيَاءُ اُمَّتِيْ بُرَآءُ مِنَ التَّكَلُّفِ کہ میں اور میری امت کے پرہیزگار آدمی تکلف سے بری ہیں اور آیت۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (۲-۲۸۶) خدا کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔
کے معنی یہ ہیں کہ جن احکام کو یہ مشقت سمجھتے ہیں وہ مآل کے لحاظ سے ان کے لئے وسعت کا باعث ہیں جیسے فرمایا:۔
وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ (۲۲-۷۸) اور تم پر دین کی کسی بات میں تنگی نہیں کی اور تمہارے لئے تمہارے باپ ابراہیم کا دین پسند کیا۔
اور نیز فرمایا:۔
فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اَلْآية (۲-۲۱۶) مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو۔

(ک ل م)

اَلْكَلْمُ. یہ اصل میں اس تاثیر کو کہتے ہیں جس کا ادراک دو حاسوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ہو سکے چنانچہ کلام کا ادراک قوت سامعہ کیساتھ

---

[۱] قال النووی لیس بثابت راجع المقاصد للسخاوی رقم ۱۹۱ والحدیث اخرجہ الدارقطنی فی الافراد من حدیث الزبیر بن العوام ولفظہ:۔ الا انی بریٔ من التکلف وصالحو امتی واسنادہ جید والحدیث بلفظ المؤلف اورده الغزالی فی الاحیاء وراجع تخریج العراقی (۲/۱۸۹)

ہوتا ہے۔ اور کَلْمٌ (زخم) کا ادراک قوت بصر کے ساتھ۔ محاورہ ہے :۔

کَلَمْتُہٗ۔ میں نے اسے ایسا زخم لگایا۔ جس کا نشان ظاہر ہوا۔

اور چونکہ یہ دونوں (یعنی کلام اور کَلْم) معنی تاثیر میں مشترک ہیں۔ اس لئے شاعر نے کہا ہے [1] (الکامل)

(۳۸۳) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وَارٍ۔

کَلْمُ الاصِیلِ کَارْغَبِ الْکَلِمِ

اس شعر میں پہلا اَلْکَلِمْ، کلمۃ کی جمع ہے اور دوسرا کَلْمٌ کی جس کے معنی زخم کے ہیں اور اَرْغَبُ کے معنی بہت وسیع کے ہیں پس شعر کے معنی یہ ہیں کہ دل میں لگ جانے والی باتوں کی تاثیر وسیع تر زخموں کی طرح ہوتی ہے اور دوسرے شاعر نے کہا ہے [2] (المتقارب)

(۳۸۴) وَجَرْحُ اللِّسَانِ کَجُرْحِ الْیَدِ

اور زبان کے زخم بھی ہاتھ کے زخم کے مشابہ ہوتے ہیں۔

کَلَامٌ کا اطلاق منظم و مرتب الفاظ اور ان کے معانی دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔ اور اہل نحو کے نزدیک کلام کے ہر جز پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ اسم ہو یا فعل ہو یا حرف مگر اکثر متکلمین کے نزدیک صرف جملہ مرکبہ و مفیدہ کو کلام کہا جاتا ہے۔ اور یہ قول [3] سے اخص ہے کیونکہ قول کا لفظ ان کے نزدیک صرف مفرد الفاظ پر بولا جاتا ہے اور کَلِمَۃ کا اطلاق انواع ثلاثہ یعنی اسم فعل اور حرف تینوں میں سے ہر ایک پر ہوتا ہے۔ اور بعض نے اس کے برعکس کہا ہے۔ قرآن میں ہے۔

کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ۔ (۱۸-۵) یہ بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے۔

اور آیت کریمہ :۔

فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ (۲-۳۷) پھر آدم [4] نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے۔

میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں کلمات سے رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وغیرہ ادعیہ مراد ہیں [5] ۔۔ الحسن بصریؒ سے مروی ہے کہ ان سے مراد یہ دعا ہے [6] (۱)

اَلَمْ تَخْلُقْنِیْ بِیَدِکَ؟ اَلَمْ تُسْکِنِّیْ جَنَّتَکَ؟ اَلَمْ تُسْجِدْ لِیْ مَلٰٓئِکَتَکَ؟ اَلَمْ تَسْبِقْ رَحْمَتُکَ غَضَبَکَ؟ اَرَاَیْتَ اِنْ تُبْتُ اَکُنْتَ

---

[1] قالہ طرفۃ بن العبد والبیت بتمامہ: بحسام سیفک او لسانک وار۔ کلم الاصیل کارغب الکلم والبیت فی الصناعتین ۲۷، ۲۹۳ وملحقاتہ ۱۶ وفیہ قبلہ: وتصد عنک مخیلۃ الرجل الشـ۔ نوف موضحۃ عن العظم وفی نقد الشعر وتکف بدل تصد والقریض بدل الشنوف وفی اشعار للجحی "ترد" وفی العیون (۲/۲۳) کاوسع الکلم [2] وفی اللالئ ۳۰۵ - ۵۳۱ نسبہ بعضہم لامرئ القیس انظر العقد الثمین ۲۳۱ والمعانی للقتبی ۳۲ وعن ابن درید انہ لامرئ القیس بن عابس الصحابی وہو الصحیح (العینی (۲: ۳۱) وفی روایۃ ذور واللسان کذا والید (العینی ۲ر ۵۳) قال ابن الکلبی: ما لبیت لعمرو بن معدی کرب قالہ فی قتلہ بنی مازن ثم ہدم علی قتالہم وصدرہ: ولو عن نثا غیرہ جاءنی ۔ ۔ ۔ فی خمسۃ والشطر فی الصناعتین ۳۰۹ والعقد الفرید (۲: ۵۴۴) والعیون (۲، ۲۳) ومختار الشعر الجاہلی (۱: ۶۶) وفی المقصورۃ الدریدیۃ ۲۸ الیغر عو [3] [4] اخرجہ الثعالبی عن ابن عباس، وابن المنذر من طریق ابن جریر نحوہ والبیہقی فی الشعب عن محمد بن کعب القرظی [5] [6] اخرجہ ابن جریر عن ابن عباس ایضا انظر فتح القدیر للشوکانی (۱/۱۰) والحاکم فی المستدرک فی تنزیہ آدم من فضائل الانبیاء من روایۃ المنہال بن عمرو عن سعید بن جبیر قول ابن عباس ایضا فی الکشاف راجع تخریج الکشاف للحافظ رقم ۴۲ ہذکر الدیلمی فیہ قصۃ طویلہ عن علی مرفوعا قال فی الکنز (رقم ۵۵۳) وسندہ واہ وابن جریر نسب القول الاول الی الحسن ایضا والثانی الی ابن عباس علی عکس ما قال المؤلف ۱۲۔

مُعِيلٍ نِي اِلَى الْجَنَّةِ ؟ (اے باری تعالیٰ) کیا تونے مجھے
اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا؟ کیا تو نے مجھے اپنی جنت
میں نہیں بسایا؟ کیا مجھے مسجود ملائکہ نہیں بنایا؟ کیا تیری
رحمت تیرے غضب پر سبقت نہیں لے گئی؟ پھر کیا
اگر میں توبہ کرلوں تو مجھے جنت میں دوبارہ لوٹا کر نہیں
لے جائیگا؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیوں نہیں۔
بعض نے کہا ہے کہ کلمات سے مراد وہ امانت ہے
جو کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان زمین اور پہاڑوں پر پیش
کی مگر انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کردیا جس
کا ذکر کر آیت کریمہ:
اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ
الْجِبَالِ الاٰيَة (۳۳-۷۲) ہم نے (بار) امانت کو
آسمانوں اور زمین پر پیش کیا۔ میں آچکا ہے اور
آیت کریمہ:
وَاِذِ ابْتَلٰى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ
(۲-۱۲۴) اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیمؑ
کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے۔
میں بعض نے کہا ہے کہ کلمات سے ذبح ولد،
ختنہ وغیرہ ایسے کام مراد ہیں جن کے ذریعہ اللہ
تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش کی تھی۔ اور
زکریا علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کے فرمان۔
اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ
مِنَ اللّٰهِ (۳-۳۹) خدا تمہیں یحییٰ کی بشارت
دیتا ہے۔ جو خدا کے فیض یعنی عیسیٰؑ کی تصدیق کرینگے۔
میں بعض نے کہا ہے کہ بِكَلِمَةٍ سے مراد کلمہ توحید
ہے اور بعض نے کتاب اللہ مراد لی ہے اور بعض
نے عیسیٰ علیہ السلام مراد لئے ہیں پس آیت
(۳-۳۹) اور آیت کریمہ:
وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَا اِلٰى مَرْيَمَ (۴-۱۷۱) اور
اس کا کلمہ (بشارت) تھے جو اس نے مریم کی
طرف بھیجا تھا۔
میں عیسیٰ علیہ السلام کو کلمہ اس لئے کہا گیا
ہے کہ وہ کلمہ کن سے پیدا ہوئے تھے جیسا کہ آیت:۔
اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ (۳-۵۹) عیسیٰ
کا حال خدا کے نزدیک۔ میں مذکور ہے اور
بعض نے کہا ہے کہ لوگوں کے ان کے ذریعہ
ہدایت پانے کی وجہ سے انہیں کلمہ کہا گیا ہے
جیسا کہ کلام اللہ کے ذریعہ لوگ ہدایت پاتے
ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اس خصوصی
رحمت کے سبب سے ہے جو بچپنے میں اللہ
تعالیٰ نے ان پر کی تھی۔ جب کہ حضرت عیسیٰ
علیہ السلام نے ماں کی گود میں لوگوں سے خطاب
کرتے ہوئے کہا تھا۔
اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِىَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِىْ نَبِيًّا
(۱۹-۳۰) کہ میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے
کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔
بعض نے کہا ہے کہ نبی ہونے کی وجہ سے
انہیں كَلِمَةُ اللّٰهِ کہا گیا ہے جیسا کہ آنحضرت
کو رسول اللہ ہونے کی وجہ سے ذِكْرًا کہا
گیا ہے۔ اور آیت کریمہ:
وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (۶-۱۱۵)
اور تمہارے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف
میں پوری ہیں۔
میں كَلِمَةٌ بمعنی قضیہ یعنی فیصلہ کے ہے چنانچہ
ہر قضیہ کو خواہ وہ قولی ہو یا فعلی كَلِمَةٌ کہہ سکتے
ہیں اور اسے صدق کے ساتھ متصف کرنا اس
لئے ہے کہ قول اور فعل دونوں صدق کے ساتھ
متصف ہوتے ہیں لہذا تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ

میں آیت کریمہ :۔
اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (۵-۴)
(اور آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا۔ کے مضمون کی طرف اشارہ ہوگا۔ اور اس میں متنبہ کیا ہے کہ آج کے بعد شریعت میں "نسخ" نہیں ہوگا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس میں آنحضرتؐ کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے (۲) اول ما خلق اللہ القلم فقال لہ اجر بما ھو کائن الی یوم القیامۃ کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے کہا کہ جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے اسے لکھ دو...... الخ۔

اور بعض نے کہا ہے کہ کَلِمَۃُ سے مراد قرآن ہے اور سارے کو کَلِمَۃ کہنا ایسا ہی ہے جیسے قصیدہ کو کلمہ کہا جاتا ہے اور تَمَّتْ سے قرآن کے "تا قیامت (تحریف سے) محفوظ رہنے کی طرف اشارہ ہے۔ اور لفظ ماضی لاکر اس بات کے قطعی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور قرآن پاک کی اسی قسم کی حفاظت کی طرف آیت کریمہ :۔
فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هٰؤُلَاءِ الآیۃ (۶-۹۰)
اگر یہ کفار ان باتوں سے انکار کریں۔ میں بھی اشارہ پایا جاتا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ سے ثواب وعقاب کا وعدہ مراد ہے۔ جیسا کہ دیگر آیات میں فرمایا۔ بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (۳۹-۷۱) کہیں گے کیوں نہیں لیکن کافروں کے حق میں عذاب کا حکم حق ہو چکا تھا۔
وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْا (۱۰-۳۳) اسی طرح خدا کا ارشاد نافرمانوں کے حق میں ثابت ہو کر رہا۔

اور بعض نے کہا ہے کہ کلمات سے معجزات مراد ہیں جو قوم نے طلب کئے تھے اور لفظ تَمَّتْ سے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ جو آیات بھیجی گئی ہیں وہ اپنی جگہ پر مکمل اور کافی ہیں۔ اور آیت کریمہ :۔
لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (۱۸-۲۷) اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ میں ان کے اس مطالبہ کی تردید ہے جو کہ آیت :۔
ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَا (۱۰-۱۵) کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن (بنا) لاؤ۔ میں مذکور ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ سے احکام الٰہی مراد ہیں اور تَمَّتْ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وہی احکام اپنے بندوں کے لئے مشروع کئے ہیں جن میں کہ ان کے لئے کفایت ہے اور آیت کریمہ :۔
وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا (۷-۱۳۷) اور بنی اسرائیل کے بارے میں ان کے صبر کی وجہ سے تمہارے پروردگار کا وعدہ نیک پورا ہوا۔ میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں کلمۃ حُسنیٰ سے مراد وہ فیصلہ ہے جس کا ذکر کہ آیت :۔
وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا (۲۸-۵) اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیئے گئے ہیں ان پر احسان کریں۔

(۲) اخرجہ احمد فی مسندہ ۵/۳۱۷ وایضا ابوداؤد عن عبادۃ بن الصامت ولمعناہ فی رجل (ہق) عن ابن عباس والترمذی عن عبادۃ راجع کنز العمال ۴۴۹ وروضۃ العقلاء للبستی ۱۳۵

میں پایا جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا (۲۰-۱۲۹) اور اگر یہ بات تمہارے پروردگار کی طرف سے پہلے صادر اور (جزائے اعمال کیلئے) ایک میعاد (مقرر) نہ ہوتی تو (نزول) عذاب واقع ہو جاتا۔

نیز دوسری آیت:۔
وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ (۴۲-۱۴) اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے پہلے ہی ایک وقت مقرر تک کے لئے بات نہ ٹھہر چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔

میں سبق کلمۃ اللہ تعالیٰ سے اس حکم ازلی کی طرف اشارہ ہے جس کی حکمت الٰہی مقتضی تھی اور یہ کہ کلمات الٰہیہ کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی ان میں کسی قسم کے تغیر کی گنجائش ہوتی ہے۔

اور آیت کریمہ:۔
أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ (۸-۷) کہ اپنے فرمان سے حق کو قائم رکھے۔

میں کلماتہ سے وہ دلائل ثابتہ مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف مسلمانوں کے لئے سلطان مبین یعنی زبردست دلیل کی حیثیت سے قائم کیا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ (۴۸-۵) یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے کلام کو بدل دیں۔

میں کلام اللہ سے اس پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے جو کہ آیت قُلْ لَّنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا (۹-۸۳) تو کہدینا کہ تم میرے ساتھ ہرگز نہیں نکلو گے۔ میں مذکور ہے اور بتایا ہے کہ منافقین کا یہ کہنا کہ ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ (۴۸-۱۵) کلام الٰہی میں تبدیل کے مترادف ہے اور متنبہ کیا ہے کہ یہ لوگ ہرگز ہرگز تمہارے ساتھ نہیں نکلیں گے اور نکل بھی کیسے سکتے ہیں جب کہ علم الٰہی میں یہ .... فیصلہ ہو چکا ہے کہ ان سے یہ نہیں ہو سکے گا۔[1]

بندے سے اللہ تعالیٰ کا ہم کلام ہونا دو قسم پر ہے یعنی یا دنیا میں اور یا آخرت میں۔ چنانچہ آیت:۔
مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا الْآيَة (۴۲-۵۱) اور کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں ہے کہ خدا اس سے بات کرے مگر الہام کے ذریعہ سے ....

میں دنیا میں ہم کلام ہونے کا بیان ہے اور آخرت میں ثواب و کرامت کے طور پر صرف مومنین سے ہم کلام ہوگا جس کی کیفیت ہم سے مخفی ہے چنانچہ آیت کریمہ:۔
إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ (۳-۷۷) کے آخر میں لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ کہہ کر تنبیہ کی ہے کہ کفار اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہیں گے۔ اور آیت کریمہ:۔
يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ (۴-۴۶) کہ کلمات کو ان کے مقام سے بدل دیتے ہیں۔
میں کَلِم کَلِمَةٌ کی جمع ہے۔ اس آیت کی

---

[1] ہذا ما تاول بہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم وقال بہ الجبائی وفیہ نظر لان آیۃ الجزاء نزلت فی غزوۃ تبوک وہی متأخرۃ عن عمرۃ الحدیبیۃ باربع سنین لان صلح الحدیبیۃ کان سنۃ ست وغزوۃ تبوک سنۃ تسع (ابن کثیر ۴/۱۸۶) فالصحیح ہو الوعد الذی وعد بہ اہل الحدیبیۃ قال الطبرسی ۲۶/۷۰ وہذا ای قول الجبائی غلط فاحش حملہ علیہ العصبیۃ ۱۲

تاویل میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ الفاظ میں تبدیل وتغیر کرتے تھے اور بعض نے تحریف معنوی مراد لی ہے یعنی آیت کو اس کے مقتضٰی کے خلاف معنی پر حمل کرنا یہ دوسرا قول قوی تر معلوم ہوتا ہے[1] کیونکہ الفاظ کے مشہور اور متداول ہو چکنے کے بعد ان میں تبدیلی کرنا ذرا مشکل معلوم ہوتا ہے اور آیت کریمہ:

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ (۲-۱۱۸) اور جو لوگ کچھ نہیں جانتے (یعنی مشرک ہیں) وہ کہتے ہیں۔ کہ خدا ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔

کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے بالمشافہ گفتگو کیوں نہیں کرتا جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اِلٰى قَوْلِهٖ اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً (۴-۱۵۳) (اے محمدؐ) اہل کتاب تم سے درخواست کرتے ہیں۔ ہمیں خدا کو ظاہر (یعنی آنکھوں سے) دکھا دو۔

کَلَّا

یہ حرف ردع اور زجر ہے اور ماقبل کلام کی نفی کے لئے آتا ہے اور یہ "اِیْ" حرف ایجاب کی ضد ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

اَفَرَاَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۔ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۔ كَلَّا (۱۹-۷۷-۷۸-۷۹) بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا۔ اور کہنے لگا (اگر میں از سر نو زندہ ہوا بھی تو یہی) مال اور اولاد مجھے وہاں ملے گا کیا اس نے غیب کی خبر پالی ہے یا خدا کے یہاں (سے) عہد لے لیا ہے ہرگز نہیں۔

لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا (۲۳-۱۰۰) تاکہ میں اس میں جسے چھوڑ آیا ہوں نیک کام کروں ہرگز نہیں۔

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ (۸۰-۲۳) کچھ شک نہیں کہ خدا نے اسے جو حکم دیا۔ اس نے ابھی تک اس پر عمل نہیں کیا۔

اور اس نوع کی اور بھی بہت آیات ہیں۔

کَمْ

یہ عدد سے کنایہ کے لئے آتا ہے اور یہ دو قسم پر ہے۔ استفہامیہ اور خبریہ۔ استفہامیہ ہو تو اس کا مابعد اسم تمیز بن کر منصوب ہوتا ہے (اور اس کے معنی کتنی تعداد یا مقدار کے ہوتے ہیں۔ جیسے كَمْ رَجُلًا ضَرَبْتَ اور جب خبریہ ہو تو اپنی تمیز کی طرف مضاف ہو کر اسے مجرور کر دیتا ہے اور کثرت کے معنی دیتا ہے یعنی کتنے ہی جیسے كَمْ رَجُلٍ ضَرَبْتُ میں نے کتنے ہی مردوں کو پیٹا اور اس صورت میں کبھی اس کی تمیز پر مِنْ جارہ داخل ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا (۷-۴) اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے تباہ کر ڈالیں۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً (۲۱-۱۱) اور ہم نے بہت سی بستیوں کو جو ستمگار تھیں ہلاک کر ڈالا۔

---

[1] نسبۂ علماء التفسیر الی ابن عباسؓ

(ك م م)

اَلْكُمُّ۔ آستین کو کہتے ہیں اور اَلْكِمُّ (بکسر الکاف) خوشوں کے غلاف کو۔۔۔۔ اس کی جمع اَکْمَامٌ آتی ہے جیسے فرمایا وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَکْمَامِ (۵۵-۱۱) اور کھجور کے درخت ہیں جن کے خوشوں پر غلاف ہوتے ہیں۔
اَلْكُمَّةُ۔ ایک طرح کی گول ٹوپی جو سر پر پہنی جاتی ہے۔

(ك م ل)

كَمَالُ الشَّيْءِ کسی چیز کے کامل ہونے سے مراد ہے وہ غرض پوری ہو جانا جس کے لئے وہ وجود میں آئی تھی۔ چنانچہ جب کسی چیز کے متعلق كَمُلَ ذَالِكَ کہا جاتا ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ اس سے مقصود تھا۔ وہ حاصل ہوگیا۔ اور آیت کریمہ:۔
وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (۲-۲۳۳) اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔
میں كَامِلَيْنِ سے مراد یہ ہے کہ رضاعت کے لئے دو سال کی مدت آخری مدت ہے جس سے بچہ کی نشوونما اور اس کی بیوی کا تعلق ہے اور آیت کریمہ:۔
لِيَحْمِلُوْا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (۱۶-۲۵) یہ قیامت کے دن اپنے اعمال کے پورے بوجھ بھی اٹھائیں گے۔
میں اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ انہیں قیامت کے دن پوری سزا ملے گی اور آیت:۔
تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ (۲-۱۹۶) یہ پورے دس ہوئے۔
میں عَشَرَةٌ کی صفت كَامِلَةٌ لانے سے یہ مقصد نہیں ہے کہ سات اور تین مل کر دس ہو جاتے ہیں۔ بلکہ كَامِلَةٌ کے لفظ سے اس بات کی وضاحت کرنا ہے کہ دس دن کے روزوں سے ہدی کا پورا بدل حاصل ہو جاتا ہے۔
اور بعض نے کہا ہے کہ كَامِلَةٌ کا لفظ استطرادًا لایا گیا ہے اور اس سے مقصد اسم عدد میں عشرۃ کی فضیلت کو ظاہر کرنا ہے کہ یہ پہلی دہائی ہے جس پر عدد کامل ہو جاتا ہے پھر اس کے بعد ان ہی ہندسوں کا تکرار ہوتا رہتا ہے جو اس سے قبل ہوتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عَشَرَةٌ ہی کامل عدد ہے۔

(ك م ه)

اَلْاَكْمَهُ کے معنی پیدائشی اندھا کے ہیں[1] مگر کبھی اس شخص کے لئے آتا ہے جس کی بعد میں بصارت کھو گئی ہو شاعر نے کہا ہے[2] (الرمل) (۳۸۵) كَمِهَتْ عَيْنَاهُ حَتّٰى ابْيَضَّتَا اس کی آنکھیں بے نور ہو کر سفید ہو گئیں۔

(ك ن ن)

اَلْكِنُّ۔ ہر وہ چیز جس میں کسی چیز کو محفوظ رکھا جائے۔

---

[1] وفی القرآن دابرئی الاکمہ والابرص (۳-۴۹) [2] قالہ سوید بن ابی کاھل الیشکری فی عینیتہ المشھورۃ التی تسمی "الیتیمۃ" راجع المفضلیات (۱: ۱۸) والبیت فی اللسان (کمہ) وتمامہ: فھو یلحی نفسہ لما نزع والبیت من شواھد الطبری ۳/۲۷۷ ؎

كَنَنْتُ الشَّیْءَ كَنًّا۔ کسی چیز کو کِنّ میں محفوظ کر دینا اور کَنَنْتُ (ثلاثی مجرد) خصوصیت کے ساتھ کسی مادی شئی کو گھر یا کپڑے وغیرہ میں چھپانے پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
كَاَنَّهُنَّ بَیْضٌ مَّكْنُوْنٌ (۳۷-۴۹) گویا وہ محفوظ انڈے ہیں۔
كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ (۵۲-۲۴) جیسے چھپائے ہوئے موتی۔

اور اَكْنَنْتُ (باب افعال سے) دل میں کسی بات کو چھپانے پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ (۲-۲۳۵) یا (نکاح کی خواہش کو) اپنے دلوں میں مخفی رکھو۔

اور کِنّ کی جمع اَكْنَانٌ آتی ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا (۱۶-۸۱) اور پہاڑوں میں تمہارے لئے غاریں بنائیں۔

اَلْكِنَانُ۔ پردہ غلاف وغیرہ جس میں کوئی چیز چھپائی جائے اس کی جمع اَكِنَّةٌ آتی ہے۔ جیسے غِطَاءٌ کی جمع اَغْطِیَةٌ۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔
وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ (۶-۲۵) اور ہم نے انکے دلوں پر تو پردے ڈال رکھے ہیں کہ اس کو سمجھ نہ سکیں۔ اور آیت کریمہ:۔
وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَكِنَّةٍ (۴۱-۵) اور کہنے لگے ہمارے دل پردوں میں ہیں۔
کے بعض نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ہم تمہاری باتیں سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:۔
قَالُوْا یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ (۱۱-۹۱) انہوں نے کہا اے شعیب! تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اور آیت کریمہ:۔
اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ (۵۶-۷۷، ۷۸) کہ یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے جو کتاب محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔
کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ كِتٰبٌ مَّكْنُوْنٌ سے لوح محفوظ مراد ہے[1] اور بعض نے کہا ہے کہ یہ قرآن کے عند اللہ محفوظ ہونے کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا:۔
وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۵-۹) اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

اور شادی شدہ عورت پر بھی كِنَّةٌ کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے خاوند کی حفاظت میں رہتی ہے اس بنا پر شادی شدہ عورت کو مُحْصَنَةٌ بھی کہتے ہیں۔ گویا وہ اپنے خاوند کی حفاظت کے قلعے میں محفوظ ہے۔

اَلْكِنَانَةُ۔ ترکش جو کہیں سے پھٹا ہوا نہ ہو۔

(ک ن د)

اَرْضٌ كَنُوْدٌ۔ بنجر زمین جہاں کچھ پیداوار نہ ہوتی ہو۔ (اور کنایہ کے طور پر ناسپاس گنہگار کو كَنُوْدٌ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ (۱۰۰-۶) کہ انسان اپنے پروردگار کا احسان نہ ماننے والا اور ناشکرا ہے۔

(ک ن ز)

اَلْكَنْزُ (ض) کے معنی دولت جمع کرکے اسے محفوظ رکھ دینے کے ہیں یہ اصل میں كَنَزْتُ التَّمْرَ فِی الْوِعَاءِ سے مشتق ہے۔

---

[1] کما فی قولہ تعالٰی:۔ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (۸۵-۲۲)

جس کے معنی کھجور کو باردان میں بھر کر محفوظ کر لینے کے ہیں۔ اور کھجور اندوختہ کرنے کے موسم کو زمن الکناز کہا جاتا ہے۔ اور نَاقَةٌ كِنَازٌ کے معنی گوشت سے گٹھی ہوئی اونٹنی کے ہیں اور آیت کریمہ:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ (۹-۳۴)

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں۔ میں يَكْنِزُوْنَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو سونا اور چاندی جمع کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ اور اسے راہِ خدا میں صرف نہیں کرتے ایسے لوگوں کو قیامت کے دن کہا جائے گا:

فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (۹-۳۵)

کہ جو کچھ تم جمع کرتے تھے اس کا مزہ چکھو۔ اور آیت لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ (۱۱-۱۲) میں كَنْزٌ کے معنی خزانہ اور بڑی دولت کے ہیں اور آیت کریمہ:

وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا (۱۸-۸۲) اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (مدفون) تھا۔ میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں كَنْزٌ سے صحیفۂ علم مراد ہے۔

(ک ھ ف)

اَلْكَهْفُ کے معنی پہاڑ میں غار کے ہیں اس کی جمع كُهُوْفٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:

اِنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ (۱۸-۹)

کہ غار اور لوح والے۔

(ک ھ ل)

اَلْكَهْلُ۔ ادھیڑ عمر آدمی جس کے بال سفید ہو گئے ہوں۔ قرآن میں ہے:

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (۳-۴۶) اور ماں کی گود میں اور ادھیڑ عمر کا ہو کر لوگوں سے گفتگو کرے گا اور نیکوکاروں میں ہو گا۔

اِكْتَهَلَ النَّبَاتُ پودے کا حد نشوونما یعنی بڑھنے کی آخری حد کو پہنچ جانا۔ جیسا کہ ادھیڑ عمر آدمی بڑھاپے کی حد کو پہنچ جاتا ہے شاعر نے کہا ہے[1] (البسیط)

(۳۸۶) مُؤَزَّرٌ بِعَمِيْمِ النَّبْتِ مُكْتَهِلٌ

اس کی گھاس آخری حد تک بڑھی ہوئی ہے اور اس نے اپنے گرداگرد دوسرے پودوں کی چادر پہن رکھی ہے۔

(ک ھ ن)

اَلْكَاهِنُ اس شخص کو کہتے ہیں جو تخمینے سے ماضی کے خفیہ واقعات کی خبر دیتا ہو اور عراف اسے جو آئندہ کے متعلق خبر دیتا ہو ان دونوں پیشوں کی بنا چونکہ ظن پر ہے جس میں صواب

---

[1] قالہ الاعشی وصدرہ: یضاحک الشمس منہا کوکب شرق۔ راجع للبیت الصناعتین ۲۷۶ والبلغۃ فی شذور اللغۃ (کتاب النبات الاصمعی ۳۳) ودیوانہ ۴۴ انی تصیدۃ مخاطبا لیزید بن مسہر مطلعہا، ودّع ہریرۃ ان الرکب مرتحل - وھل تطیق وداعا ایہا الرجل - وھریرۃ ہذہ قینۃ لبشر بن عمر تکنی بام الخلید والقصیدۃ فی دیوانہ (۱۴۴-۱۴۹) والبیت فی اللسان (ازر، کمل) وشرح للدیوان ۵۷ والطبری (۲۱: ۲۷) والمرتضیٰ (۱: ۲۲۱) والمشکل للقتیبی (۱۰۳) والعیون (۲: ۱۰۶) وشرح العشر للتبریزی ۲۷۶ وفی روایۃ بعمیم بدل بعشیم ۱۲

وخطا کا احتمال پایا جاتا ہے۔ اس لئے آنحضرتؐ نے فرمایا (۱۰۴) مَنْ اَتٰی عَرَّافًا اَوْ کَاھِنًا فَصَدَّقَہٗ بِمَا قَالَ فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی اَبِی الْقَاسِمِ صلی اللہ علیہ وسلم (۱) کہ جو شخص عراف یا کاہن کے پاس جاکر اس کے قول کی تصدیق کرے تو اس نے جو کچھ ابوالقاسم (یعنی مجھ پر) اتارا گیا ہے اس کے ساتھ کفر کیا کَھُنَ فُلَانٌ کِھَانَةً کہانت کرنا۔ اور جب کوئی شخص اس پیشہ کے ساتھ مختص ہو تو اس کے متعلق کَھُنَ کہتے ہیں۔

تَکَھَّنَ۔ بتکلف کہانت کرنا قرآن میں ہے۔ وَلَا بِقَوْلِ کَاھِنٍ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ (۶۹-۴۲) اور نہ کسی کاہن کے مزخوفات ہیں لیکن تم لوگ بہت ہی کم دھیان دیتے ہو۔

(ک و ب)

اَلْکُوْبُ۔ پیالہ جس کا دستہ نہ ہو۔ اس کی جمع اَکْوَابٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔ بِاَکْوَابٍ وَّاَبَارِیْقَ وَکَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ (۵۶-۱۸) یعنی آبخورے اور آفتابے اور صاف شراب کے گلاس۔

اَلْکُوْبَةُ: ڈگڈگی (یعنی باریک میان طبلک جو تماشہ کے وقت مداری بجاتے ہیں۔

(ک و د)

کَادَ (س) یہ فعل مقاربہ ہے یعنی کسی فعل کے قریب الوقوع ہونے کو بیان کرنے کے لئے آتا ہے مثلاً کَادَ یَفْعَلُ قریب تھا کہ وہ اس کام کو کر گذرتا یعنی کرنے والا تھا مگر کیا نہیں قرآن میں ہے:۔ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْھِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا (۱۷-۷۴) تو تم کسی قدر ان کی طرف مائل ہونے ہی لگے تھے۔ وَاِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَکَ (۱۷-۷۳) قریب تھا کہ یہ (کافر) لوگ تم کو اس سے بچلا دیں۔ تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ (۱۹-۹۰) قریب ہے کہ (اس فتنہ) سے آسمان پھٹ پڑیں۔ یَکَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ (۲-۲۰) قریب ہے کہ بجلی کی چمک ان کی آنکھوں کی بصارت کو اچک لے جائے۔ یَکَادُوْنَ یَسْطُوْنَ (۲۲-۷۲) قریب ہوتے ہیں کہ ان پر حملہ کر دیں۔

اِنْ کِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ (۳۷-۵۶) تو تو مجھے ہلاک ہی کر چکا تھا۔ اور اگر اس کے ساتھ حرف نفی آجائے تو اثباتی حالت کے برعکس فعل کے وقوع کو بیان کرنے کیلئے آتا ہے جو وقوع کے قریب نہ ہو اور حرف نفی اس پر مقدم ہو یا متاخر دونوں صورتوں میں ایک ہی معنی دیتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔ مَا کَادُوْا یَفْعَلُوْنَ (۲-۷۱) اور وہ ایسا کرنے والے تھے نہیں۔ لَا یَکَادُوْنَ یَفْقَھُوْنَ حَدِیْثًا (۴-۷۸) کہ بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔

اور کَادَ کے بعد اَنْ کا استعمال صرف ضرورت شعری کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[2] (الرجز)

---

[1] عن ابی ہریرة مرفوعاً رواہ الحاکم فی المستدرک وعن علیؓ موقوفاً ورستہ انظر کنز العمال (۶: رقم ۳۰۹۸ و ۴۰۰۴ و ۴۰۶۷ و فی روایة مسلم والحاکم فقد بریٔ مما انزل اللہ علی محمد (کنز العمال ۳۰۹۵) [2] قال رؤبة بن العجاج وقبلہ: ربع عفاہ الدہر طولاً فانمحی - والرجز فی اسرار ابن الانباری ۱۲۹ واللسان والصحاح (کاد) والکامل ۴۷ والعینی (۲: ۲۱۵) وابن یعیش والاقتضاب ۳۹۶ وقال والرجز یروی لرؤبة بن العجاج ولم اجدہ فی دیوانہ وراجع للشطر ایضاً المشکل للقتبی ۴۰۷ والکتاب (۱: ۴۷۸) والخزانہ (۴: ۹۱) والجمل للزجاجی ۲۱۰ و الانصاف ۳۴۴ والدرر اللوامع (۱: ۱۰۵) وادب الکاتب ۴۱۱ وہذہ قبلہ: ربع عفاہ بعد ما قد انمحی وکلتا الروایتین ذکرہما الخفاجی فی شرح الدرة ونسبہ الی رؤبة وفی الفائق (۲: ۳۱۷) ...

(۳۸۷) فَلَدْ کَادَ مِنْ طُوْلِ الْبِلٰی اَنْ یَمْصَحَا
قریب تھا کہ زیادہ بوسیدگی کے باعث وہ مٹ جائے۔

(ک و ر)

اَلْکَوْرُ کے معنی کسی چیز کو عمامہ کی طرح لپیٹنے اور اس کو اوپر تلے گھمانے کے ہیں چنانچہ آیت:۔
یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّھَارِ وَیُکَوِّرُ النَّھَارَ عَلَی الَّیْلِ (۳۹-۵) اور وہی رات کو دن پر لپیٹتا اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے۔
میں مطالع شمسی کے تبدیل ہونے سے دن رات کے بڑھنے اور گھٹنے کو تکویر سے تعبیر فرمایا ہے۔
طَعَنَہٗ فَکَوَّرَہٗ اس کو نیزہ مار کر پچھل کر دیا۔
اِکْتَارَ الْفَرَسُ۔ گھوڑے کا دوڑتے وقت اپنی دم گھمانا اور بہت سے اونٹوں کو بھی کَوْرٌ کہا جاتا ہے اور کُوَارَۃُ النَّحْلِ کے معنی شہد کے چھتہ کے ہیں۔
اَلْکُوْرُ کے معنی اونٹ کا پالان بھی آتے ہیں اور ہر بڑے شہر کو کُوْرَۃٌ کہا جاتا ہے یعنی وہ علاقہ جس میں بہت سی بستیاں اور دیہات جمع ہوں۔

(ک و ن)

کَانَ۔ فعل ماضی کے معنی کو ظاہر کرتا ہے بیشتر صفات باری تعالیٰ کے متعلق استعمال ہو تو ازلیت (یعنی ہمیشہ سے ہے) کے معنی دیتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا (۳۳-۴۰) اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔
وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا (۴۸-۲۱) اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

اور جب یہ کسی جنس کے ایسے وصف کے متعلق استعمال ہو جو اس میں موجود ہو تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ یہ وصف اس اسم کے ساتھ لازم و ملزوم رہتا ہے اور بہت ہی کم اس سے علیحدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ آیات:۔
وَکَانَ الْاِنْسَانُ کَفُوْرًا (۱۷-۶۰) اور انسان ہے ہی ناشکرا۔
وَکَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا (۱۷-۱۰۰) اور انسان دل کا بہت تنگ ہے۔ وَکَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا (۱۸-۵۴) اور انسان سب چیزوں سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔
میں تنبیہ کی ہے کہ یہ امور انسان کے اوصاف لازمہ سے ہیں اور شاذ و نادر ہی اس سے منفک ہوتے ہیں اسی طرح شیطان کے متعلق فرمایا:۔
وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا (۲۵-۲۹) اور شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے۔
وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا (۱۷-۲۷) اور شیطان اپنے پروردگار کی نعمتوں کا کفران کرنے والا یعنی ناقدرا ہے۔
جب یہ فعل زمانہ ماضی کے متعلق استعمال ہو تو اس میں یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ وہ چیز تا حال اپنی پہلی حالت پر قائم ہو اور یہ بھی کہ اس کی وہ حالت متغیر ہو گئی ہو مثلاً کَانَ فُلَانٌ کَذَا ثُمَّ صَارَ کَذَا۔ یعنی فلاں پہلے ایسا تھا لیکن اب اس کی حالت تبدیل ہو گئی ہے نیز یہ ماضی بعید کے لئے بھی آتا ہے جیسے:۔ کَانَ فِیْ اَوَّلِ مَا اَوْجَدَ اللّٰہُ تَعَالٰی کَذَا۔ کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فلاں چیز پیدا کی تھی اور ماضی قریب کے لئے بھی حتیٰ کہ اگر وہ حالت زمانہ تکلم سے ایک لمحہ بھی پہلے

ہو تو اس کے متعلق کَانَ کا لفظ استعمال ہو سکتا ہے لہذا جس طرح "کَانَ اٰدَمُ کَذَا" کہہ سکتے ہیں اسی طرح "کَانَ زَیْدٌ ھٰھُنَا" بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس بنا پر آیت :۔

کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَھْدِ صَبِیًّا (۱۹-۲۹) (وہ بولے کہ) ہم اس سے کہ گود کا بچہ ہے کیونکر بات کریں۔

کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جو ابھی گود کا بچہ تھا یعنی کم عمر ہے اور یہ بھی کہ "جو ابھی گود کا بچہ ہے" یعنی ماں کی گود میں ہے۔ لیکن یہاں زمانہ حال مراد لینا بے معنی ہے اس میں زمانہ قریب ہے جیسے آیت :۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ (۳-۱۱۰) جتنی امتیں ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو۔

میں بھی بعض نے کہا ہے کہ کُنْتُمْ زمانہ حال پر دلالت کرتا ہے لیکن یہ معنی صحیح نہیں ہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ تم اللہ کے علم اور حکم کے مطابق بہتر تھے۔ اور آیت کریمہ :۔

وَاِنْ کَانَ ذُوْ عُسْرَۃٍ (۲-۲۸۰) اور اگر (قرض لینے والا) تنگ دست ہو۔

میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں کَانَ کے معنی کسی چیز کا واقع ہو جانا کے ہیں اور یہ فعل تام ہے۔ یعنی اگر وہ تنگدست ہو جائے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کَوْن کا لفظ کسی جوہر کے اپنے سے پست تر جوہر میں تبدیل ہونے کے لئے آتا ہے۔ اور اکثر متکلمین اسے معنی ابداع میں استعمال کرتے ہیں بعض علمائے نحو کا خیال ہے کہ کَیْنُوْنَۃٌ کا لفظ اصل میں کَوْنُوْنَۃٌ بروزن فَعْلُوْلَۃٌ ہے۔ ثقل کی وجہ سے واؤ یاء سے تبدیل ہو گئی ہے مگر سیبویہ کے نزدیک یہ اصل میں کَیْنُوْنَۃٌ بروزن فَیْعِلُوْلَۃٌ ہے۔ واؤ کو یا میں ادغام کرنے سے کَیِّنُوْنَۃٌ ہو گیا پھر ایک یاء کو تخفیف کے لئے گرا دیا تو کَیْنُوْنَۃٌ بن گیا جیسا کہ مَیِّتٌ سے مَیْتٌ بنا لیتے ہیں جو اصل میں مَیْوِتٌ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کَیِّنُوْنَۃ (بتشدید الیاء) استعمال نہیں ہوتا اور مَیِّتٌ تشدید یاء کے ساتھ اکثر استعمال ہوتا ہے۔

اَلْمَکَانُ۔ بعض کے نزدیک یہ دراصل کَانَ یَکُوْنُ (ک و ن) سے ہے مگر کثرت استعمال کے سبب میم کو اصلی تصور کر کے اس سے تَمَکَّنَ وغیرہ مشتقات استعمال ہونے لگے ہیں جیسا کہ مِسْکِیْنٌ سے تَمَسْکَنَ بنا لیتے ہیں حالانکہ یہ (س ک ن) سے ہے۔ اِسْتَکَانَ فُلَانٌ فلاں نے عاجزی کا اظہار کیا۔ گویا وہ ٹھہر گیا اور ذلت کی وجہ سے سکون و طمانینت کو چھوڑ دیا۔ قرآن میں ہے :۔

فَمَا اسْتَکَانُوْا لِرَبِّھِمْ (۲۳-۷۶) تو بھی انہوں نے خدا کے آگے عاجزی نہ کی۔

(ک و ی)

کَوَیْتُ الدَّابَّۃَ بِالنَّارِ کَیًّا کے معنی جانور کو گرم لوہے سے داغ دینے کے ہیں قرآن میں ہے :۔

فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ (۹-۳۵) پھر اس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیاں اور پہلو داغے جائیں گے۔

کَیْ

یہ کسی چیز کے فعل کا سبب بیان کرنے کے

ملحق الصورۃ الثانیۃ یکون تامۃ وفی الاولی ناقصۃ (الطبری صفحہ ۱۹)

لئے آتا ہے (بمعنی "تاکہ") اور کیلا اس کی نفی کے لئے جیسے فرمایا:۔ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً (۵۹-۷) تاکہ مال.... گردش نہ کرتا رہے۔

(ک ی د)

اَلْکَیْدُ (خفیہ تدبیر) کے معنی ایک قسم کی حیلہ جوئی کے ہیں یہ اچھے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور برے معنوں میں بھی مگر عام طور پر برے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح لفظ اِسْتِدْرَاجٌ اور مَکْرٌ بھی کبھی اچھے معنوں میں آجاتے ہیں چنانچہ اچھے معنوں میں فرمایا:۔ کَذٰلِکَ کِدْنَا لِیُوْسُفَ (۱۲-۷۶) اسی طرح ہم نے یوسفؑ کے لئے تدبیر کردی۔ وَاُمْلِیْ لَھُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ (۷-۱۸۳) اور میں ان کو مہلت دیئے جاتا ہوں۔ میری تدبیر (بڑی) مضبوط ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہاں کید سے مراد عذاب ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے ڈھیل اور مہلت دینا مراد ہے جو آخر کار موجب عذاب بنتی ہے جیسے فرمایا۔ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا (۳-۱۷۸)۔ (نہیں بلکہ) ہم ان کو اس لئے مہلت دیتے ہیں کہ وہ زیادہ گناہ کرلیں۔ اور آیت کریمہ:۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ (۱۲-۵۲) اور خدا خیانت کرنے والوں کے مکر کو رہ نہیں کرتا۔ خائنین کی تخصیص سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنی تدبیر سے خیانت کا ارادہ نہیں کرتے ان کی تدبیر کو کبھی اللہ تعالیٰ رو براہ اور کامیاب کردیتا ہے۔ جیسا کہ یوسفؑ کی اپنے بھائی کے بارے میں تدبیر کرنا۔ اور آیت کریمہ:۔ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ (۲۱-۵۷) میں تمہارے بتوں سے ایک چال چلوں گا۔ میں لَاَکِیْدَنَّ کے معنی یہ ہیں کہ میں ان کے ساتھ بُری طرح پیش آؤں گا۔

فَاَرَادُوْا بِہٖ کَیْدًا فَجَعَلْنٰھُمُ الْاَسْفَلِیْنَ (۳۷-۹۸) غرض انہوں نے ان کے ساتھ ایک چال چلنی چاہی اور ہم نے انہیں کو زیر کردیا۔ فَاِنْ کَانَ لَکُمْ کَیْدٌ فَکِیْدُوْنِ (۷۷-۳۹) اگر تم کو کوئی داؤں آتا ہو تو مجھ پر کر چلو۔ کَیْدُ سٰحِرٍ (۲۰-۶۹) جادو کے ہتھکنڈے... فَاَجْمِعُوْا کَیْدَکُمْ (۲۰-۶۴) تو تم جادو کا سامان اکٹھا کرلو۔

محاورہ ہے:۔ فُلَانٌ یَکِیْدُ بِنَفْسِہٖ فلاں جان دے رہا ہے اور جب چقماق دیر سے آگ نکالے تو اس کے متعلق کہا جاتا ہے کَادَ الزَّنْدُ۔

(ک ی ف)

کَیْفَ (اسم استفہام) اس چیز کی حالت دریافت کرنے کے لئے آتا ہے جس پر کہ شبیہ اور غیر شبیہ کا لفظ بولا جاسکتا ہو جیسے اَبْیَضُ (سفید) اَسْوَدُ (سیاہ) صَحِیْحٌ (تندرست) سَقِیْمٌ (بیمار) وغیرہ۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے متعلق اس کا استعمال جائز نہیں ہے اور کبھی اس چیز پر بھی کَیْفَ کا اطلاق کردیتے ہیں جس کے متعلق سوال کرنا ہو مثلاً کہا جاتا ہے کہ اَسْوَدُ اور اَبْیَضُ مقولہ کیف سے ہیں اور جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے متعلق کیف کا لفظ استعمال کیا ہے تو وہ تنبیہ یا توبیخ کے طور پر مخاطب سے استخبار کے لئے لایا گیا

ہے جیسے فرمایا۔

کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ (۲-۲۸) کافرو تم خدا سے کیونکر منکر ہو سکتے ہو۔

کَیْفَ یَھْدِی اللّٰہُ قَوْمًا (۳-۸۶) خدا ایسے لوگوں کو کیونکر ہدایت دے۔

کَیْفَ یَکُوْنُ لِلْمُشْرِکِیْنَ عَھْدٌ (۹-۷) بھلا مشرکوں کے لئے کیونکر قائم رہ سکتا ہے۔

اُنْظُرْ کَیْفَ ضَرَبُوْا لَکَ الْاَمْثَالَ (۱۷-۴۸) دیکھو انہوں نے کس کس طرح کی تمہارے بارے میں باتیں بنائیں۔

فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ (۲۹-۲۰) اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلقت کو پہلی مرتبہ پیدا کیا۔

اَوَلَمْ یَرَوْا کَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰہُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ (۲۹-۱۹) کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ خدا کس طرح خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا پھر کس طرح اس کو بار بار پیدا کرتا رہتا ہے۔

(ک ی ل)

اَلْکَیْلُ (ض) کے معنی غلہ ناپنے کے ہیں۔ اور کِلْتُ لَہُ الطَّعَامَ (صلہ لام) کے معنی ہیں۔ میں نے اس کے لئے غلہ ناپنے کی ذمہ داری سنبھالی اور کِلْتُہُ الطَّعَامَ (بدون لام) کے معنی ہیں میں نے اسے غلہ ناپ کر دیا اور اِکْتَلْتُ عَلَیْہِ کے معنی ہیں۔ میں نے اس سے ناپ کر لیا۔

قرآن میں ہے:۔ وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ۔ وَاِذَا کَالُوْھُمْ اَوْ وَّزَنُوْھُمْ یُخْسِرُوْنَ (۸۳-۱،۲،۳) ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لئے خرابی ہے۔ جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں۔

یہ آیت اگرچہ خاص کر ناپ میں کمی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ مگر اس میں ہر قسم کے لین دین میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنے کی تاکید ہے۔ نیز فرمایا:۔

فَاَوْفِ لَنَا الْکَیْلَ (۱۲-۸۸) آپ ہمیں (اس کے عوض) پورا غلہ دیجئے۔

فَاَرْسِلْ مَعَنَا اَخَانَا نَکْتَلْ (۱۲-۶۳) تو ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے تاکہ ہم پھر غلہ بنوا کر لائیں

اور آیت کریمہ:۔

وَنَزْدَادُ کَیْلَ بَعِیْرٍ (۱۲-۶۵) (اور ہم) ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر غلہ زیادہ لائیں گے۔ یں کَیْلَ بَعِیْرٍ کے معنی بارِ شتر کے برابر غلہ کے ہیں۔

کتاب اللام

(اللام) (حرف)

یہ کئی طرح پر استعمال ہوتا ہے۔ اول حرف جارہ اور اس کی چند قسمیں ہیں:-

(۱) تعدیہ کے لئے اس وقت بعض اوقات تو اس کا حذف کرنا جائز نہیں ہوتا جیسے فرمایا:۔
وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ (۳۷-۱۰۳) اور باپ نے بیٹے کو پٹ پڑی کے بل لٹا دیا۔
اور کبھی حذف کرنا جائز ہوتا ہے چنانچہ آیت کریمہ:
يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ (۴-۲۶) خدا چاہتا ہے کہ تم سے کھول کھول کر بیان فرمادے۔
میں لام مذکور ہے اور آیت:-
فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا (۶-۱۲۵) تو جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے۔ میں اسے حذف کر دیا ہے یعنی اصل میں لِاَنْ يَّهْدِيَهٗ ولِاَنْ يُّضِلَّهٗ ہے۔

(۲) ملک اور استحقاق کے معنی ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے اور ملک سے ہمیشہ ملک عین ہی مراد نہیں ہوتا۔ بلکہ ملک منافع اور ملک تصرف سب کو عام ہے چنانچہ فرمایا:۔
وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۲۴-۴۲) اور آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت خدا ہی کی ہے۔
وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۴۸-۴) اور آسمانوں اور زمین کے لشکر سب خدا ہی کے ہیں۔
اور ملک تصرف کے لئے مثلاً کسی شخص کے ساتھ لکڑی اٹھاتے وقت تم اس سے یہ کہو:
خُذْ طَرَفَكَ لِاٰخُذَ طَرَفِيْ کہ تم اپنی جانب سے پکڑ لو تاکہ میں اپنی جانب پکڑ دوں۔
اور لِلّٰهِ دَرُّكَ کی طرح جب لِلّٰهِ كَذَا کہا جاتا ہے تو اس میں بعض نے لام تملیک مانا ہے یعنی یہ چیز بلحاظ شرف و منزلت کے اتنی بلند ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس پر کسی کا ملک نہیں ہونا چاہیئے اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں لام ایجاد کے لئے ہے یعنی اللہ نے اسے بطریق ابداع پیدا کیا ہے کیونکہ موجودات دو قسم پر ہیں۔ ایک وہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اسباب طبعی یا صنعت انسانی کے واسطہ سے ایجاد کیا ہے۔ اور دوم وہ جنہیں بغیر کسی واسطہ کے پیدا کیا ہے جیسے افلاک اور آسمان وغیرہ اور یہ دوسری قسم پہلی کی نسبت اشرف اور اعلیٰ ہے اور آیات کریمہ:

وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْءُ الدَّارِ (۴۰-۵۲)
اور ان کے لئے لعنت اور برا گھر ہے۔
اور وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ (۸۳-۱) ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لئے خرابی ہے۔
میں لام استحقاق کے معنی دیتا ہے یعنی یہ لوگ لعنت اور ویل کے مستحق ہیں۔ اور یہ لام بھی لام ملک کی طرح ہے لیکن لام ملک اس چیز پر داخل ہوتا ہے جو ملک میں حاصل ہو چکی ہو اور لام استحقاق اس پر جو ابھی حاصل تو نہ ہوئی ہو مگر اس پر استحقاق ثابت ہونے کے لحاظ سے حاصل شدہ چیز کی طرح ہو بعض علمائے نحو نے کہا ہے کہ آیت کریمہ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ میں لام بمعنی علیٰ ہے۔ ای عَلَيْهِمُ اللَّعْنَةُ (یعنی ان پر لعنت ہے) اسی طرح آیت کریمہ:۔
لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ (۲۴-۱۱) ان میں جس شخص نے گناہ کا جتنا حصہ لیا اس کے لئے اتنا ہی وبال ہے۔ میں بھی لام بمعنی علیٰ ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔
بعض نے کہا ہے کبھی لام بمعنی الیٰ بھی آتا ہے جیسا کہ آیت بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا (۹۹-۵) کیونکہ تمہارے پروردگار نے اس کو حکم بھیجا ہوگا۔ میں ہے یعنی اَوْحٰى اِلَيْهَا مگر یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں تو وحی تسخیری مراد ہے اور لام کے ذریعہ اس وحی کے تسخیری ہونے پر متنبہ کیا گیا ہے اور یہ اس وحی کی طرح نہیں ہوتی جو انبیاء علیہم السلام کی طرف بھیجی جاتی ہے لہذا لام بمعنی الیٰ نہیں ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا (۴-۱۰۵) اور (دیکھو) دغا بازوں کی حمایت میں کبھی بحث نہ کرنا۔ میں بعض نے کہا ہے کہ یہ لام لام اجل ہے اور سبب اور جانب کے معنی دیتا ہے یعنی تم ان کی حمایت میں مت بحث کرو جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا:۔
وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ (۴-۱۰۶) اور جو لوگ اپنے ہم جنسوں کی خیانت کرتے ہیں ان کی طرف سے بحث نہ کرنا۔
اور یہ لَا تَكُنْ لِّلّٰهِ خَصِيْمًا کے لام کی طرح نہیں ہے کیونکہ یہاں لام مفعول پر داخل ہوا ہے اور معنی یہ ہیں۔ لَا تَكُنْ خَصِيْمَ اللّٰهِ کہ تم اللہ کے خصیم یعنی فریق مخالف مت بنو۔
(۳) لام ابتدار جیسے فرمایا:۔
لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى (۹-۱۰۸) البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔
لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا (۱۲-۸) کہ یوسفؑ اور اس کا بھائی ہمارے ابا کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں۔
لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً (۵۹-۱۳) تمہاری ہیبت ان کے دلوں میں . . . . بڑھ کر ہے۔
(۴) چہارم وہ لام جو اِنَّ کے بعد آتا ہے۔ یہ کبھی تو اِنَّ کے اسم پر داخل ہوتا ہے اور کبھی اِنَّ کی خبر اور کبھی متعلق خبر پر چنانچہ جب اسم خبر سے متاخر ہو تو اسم پر داخل ہوتا ہے جیسے فرمایا:۔
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً (۲۴-۴۴) اس میں بڑی عبرت ہے۔
اور خبر پر داخل ہونے کی مثال جیسے فرمایا:۔
اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (۸۹-۱۴) بے شک تمہارا پروردگار تاک میں ہے۔
اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ (۱۱-۷۵)

بے شک ابراہیمؑ بڑے تحمل والے نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔

اور یہ لام متعلق خبر پر اس وقت آتا ہے جب متعلق خبر اِنَّ کی خبر پر مقدم ہو۔ جیسے فرمایا:۔
لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (۱۵-۷۲) اے محمدؐ تمہاری جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش (ہو رہے) تھے۔

(۵) وہ لام جو اِنْ مخففہ اور اِنْ نافیہ میں فرق کرنے کے لئے اِنْ مخففہ کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔
وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (۴۳-۳۵) اور یہ سب دنیا کی زندگی کا تھوڑا سا سامان ہے۔

(۶) لام قسم۔ یہ کبھی اسم پر داخل ہوتا ہے جیسے فرمایا۔
يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ (۲۲-۱۳) (بلکہ) ایسے شخص کو پکارتا ہے جس کا نقصان فائدہ سے زیادہ قریب ہے۔ اور کبھی فعل ماضی پر آتا ہے جیسے فرمایا:۔
لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ (۱۲-۱۱۱) ان کے قصے میں عقلمندوں کے لئے عبرت ہے۔

اگر یہ لام فعل مستقبل پر آئے تو اس کے ساتھ نون تاکید ثقیلہ یا خفیفہ کا آنا ضروری ہے جیسے فرمایا۔
لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (۳-۸۱) تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ اور آیت کریمہ:۔
وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ (۱۱-۱۱۱) اور تمہارا پروردگار ان سب کو قیامت کے دن ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیگا۔

میں لَمَّا کا لام اِنْ کے جواب میں واقع ہوا ہے۔ اور لَيُوَفِّيَنَّهُمْ کا لام قسم کا ہے۔

(۷) وہ لام جو "لَوْ" کی خبر پر داخل ہوتا ہے جیسے فرمایا۔
وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ (۲-۱۰۳) اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو خدا کے ہاں سے بہت اچھا صلہ ملتا۔
لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ (۴۸-۲۵) اگر دونوں فریق الگ الگ ہو جاتے تو جو ان میں کافر تھے ان کو ہم ...... عذاب دیتے۔
وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (۴-۴۶) اور اگر یہ لوگ کہتے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور آپ کو متوجہ کرنے کے لئے ...... رَاعِنَا کی جگہ اُنْظُرْنَا کہتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا۔
اور کبھی لَوْ کے جواب میں لام محذوف ہوتا ہے جیسے لَوْ جِئْتَنِيْ اَكْرَمْتُكَ اصل میں لَاَكْرَمْتُكَ ہے۔

(۸) وہ لام جو "مدعو" یا مدعو الیہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مدعو کے لئے یہ مفتوح ہوتا ہے۔ جیسے يَا لَزَيْدٍ۔ اور مدعو الیہ پر آئے تو مکسور ہوتا ہے جیسے يَا لِزَيْدٍ۔

(۹) لام امر یہ ابتدا میں آئے تو مکسور ہوتا ہے جیسے فرمایا:۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (۲۴-۵۸)۔ مومنو تمہارے غلام، لونڈیاں ...... تم سے اجازت لیا کریں۔
لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ (۴۳-۷۷) تمہارا پروردگار ہمیں موت دے دے۔
اور اگر اس پر واؤ یا فا آجائے تو ساکن ہو جاتا ہے

جیسے فرمایا:۔
وَلِيَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ (۲۹-۶۶) اور فائدہ اٹھائیں (سو خیر) عنقریب ان کو معلوم ہو جائیگا۔
وَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (۱۸-۲۸) تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔
فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا (۱۰-۵۸) تو چاہیے کہ لوگ اس سے خوش ہوں۔ ایک قرات میں فَلْتَفْرَحُوا ہے۔
اور جب اس پر ثُمَّ داخل ہو تو اسے ساکن اور متحرک دونوں طرح پڑھنا جائز ہوتا ہے جیسے فرمایا۔
ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ (۲۲-۲۹) پھر چاہیئے کہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں اور نذریں پوری کریں۔ اور خانہ قدیم یعنی بیت اللہ کا طواف کریں۔

(ل ء ل ء)

اَللُّؤْلُؤُ۔ موتی۔ جمع لَآلِئُ۔ قرآن میں ہے:۔
يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ (۵۵-۲۲) دونوں دریاؤں سے موتی ..... نکلتے ہیں۔
كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَكْنُونٌ (۵۲-۲۴) جیسے چھپائے ہوئے موتی۔ اور تَلَأْلَأَ الشَّيْءُ کے معنی کسی چیز کے موتی کی طرح چمکنے کے ہیں مشہور محاورہ ہے:۔
لَا أَفْعَلُ ذٰلِكَ مَا تَلَأْلَأَتِ الظِّبَاءُ بِأَذْنَابِهَا
جب تک کہ آہو اپنے دم ہلاتے رہیں گے میں یہ کام نہیں کرونگا یعنی کبھی بھی یہ کام نہیں کروں گا۔

(لا حرف)

لا۔ یہ کبھی عدم محض کے لئے آتا ہے۔ جیسے:۔
زَيْدٌ لَا عَالِمٌ یعنی جاہل ہے اور کبھی نفی کے لئے ہوتا ہے۔ اور اسم و فعل دونوں کے ساتھ ازمنہ ثلاثہ میں نفی کے معنی دیتا ہے لیکن جب زمانہ ماضی میں نفی کے لئے ہو تو یا تو اس کے بعد فعل کو ذکر ہی نہیں کیا جاتا مثلاً اگر کوئی هَلْ خَرَجْتَ کہے تو اس کے جواب میں صرف "لا" کہدینا کافی ہے یعنی لَا خَرَجْتُ اور اگر فعل مذکور بھی ہوتا ہے تو شاذ و نادر اور وہ بھی اس وقت (۱) جب لا اور فعل کے درمیان کوئی فاصل آجائے۔ جیسے:۔
لَا رَجُلًا ضَرَبْتُ وَلَا امْرَأَةً (۲) جب اس پر دوسرے فعل کا عطف ہو جیسے:۔ لَا خَرَجْتُ وَلَا ضَرَبْتُ اور یا (۳) لا مکرر ہو جیسے:۔
فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى (۷۵-۳۱) اس ناعاقبت اندیش نے نہ تو کلام خدا کی تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی۔ اور یا (۴) جملہ دعائیہ میں جیسے لَا كَانَ (خدا کرے ایسا نہ ہو۔)
لَا أَفْلَحَ (وہ کامیاب نہ ہو) وغیرہ۔
اور زمانہ مستقبل میں نفی کے متعلق فرمایا:۔
لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ (۳۴-۳) ذرہ بھر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔
اور کبھی "لا" کلام مثبت پر داخل ہوتا ہے اور کلام محذوف کی نفی کے لئے آتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔
وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (۱۰-۶۱) اور تمہارے پروردگار سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں .....
اور مندرجہ ذیل آیات میں بھی بعض نے لا کو اسی معنی پر حمل کیا ہے۔
لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ (۷۵-۱) ہم کو

روز قیامت کی قسم۔
فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ (۷۰-۴۰) میں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی قسم کھاتا ہوں۔
فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ (۴-۶۵) تمہارے پروردگار کی قسم یہ مومن نہیں ہوں گے۔
وَلَآ اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ (۵۶-۷۵) ہمیں تاروں کی منزلوں کی قسم[1]۔ اور اسی معنی میں شاعر نے کہا ہے[2] (المتقارب)

(۳۸۹) لَا وَاَبِيْكَ اِبْنَةَ الْعَامِرِيِّ

نہیں تیرے باپ کی قسم اے عامری کی بیٹی۔
اور مروی ہے[3] (۱۰۵) کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے یہ سمجھ کر کہ سورج غروب ہو گیا ہے روزہ افطار کر دیا اس کے بعد سورج نکل آیا تو آپ نے فرمایا:۔
لَا نَقْضِيْهِ مَا تَجَانَفْنَا الْاِثْمَ فِيْهِ اس میں بھی لا کلام محذوف کی نفی کے لئے ہے یعنی اس غلطی پر جب لوگوں نے کہا کہ آپ نے گناہ کا ارتکاب لیا تو اس کی نفی کے لئے انہوں نے لا فرمایا۔ یعنی ہم گنہگار نہیں ہیں۔ اس کے بعد نَقْضِيْهِ سے از سر نو جملہ شروع کیا ہے۔
اور کبھی یہ لَا نہی کے لئے آتا ہے جیسے فرمایا:۔
لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ (۴۹-۱۱) کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے۔
وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (۴۹-۱۱) اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔ اور آیت:۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ (۷-۲۷) اے بنی آدم دیکھنا کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے۔
اور نیز لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ (۲۷-۱۸) ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تم کو کچل ڈالیں. . . . .
میں بھی لا نہی کے لئے ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ (۲-۸۳) اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔
کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ لَا نافیہ بمعنی خبر ہے یعنی وہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے۔ اسی طرح آیت کریمہ:۔
وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ (۲-۸۴) اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ تم آپس میں کشت و خون نہیں کرو گے۔
میں بھی لا نفی پر محمول ہے اور فرمان باری تعالےٰ:۔
مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ (۴-۷۵) تمہیں کیا ہوا کہ خدا کی راہ میں نہیں لڑتے۔
میں ہو سکتا ہے کہ لَا تُقَاتِلُوْنَ موضع حال میں ہو۔ اور معنی یہ ہو مَا لَكُمْ غَيْرَ مُقَاتِلِيْنَ یعنی تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم لڑنے والے نہیں ہو۔
اور لا کے بعد اگر اسم نکرہ آ جائے تو وہ مبنی بر فتحہ ہوتا ہے اور لا نفی کے معنی دیتا ہے جیسے فرمایا:۔

---

[1] وبعضہم قال ان "لا" زائدۃ فی القسم لکن ضعفہ الرازی ۳۰/۴/۲۱۴ - ۲۱۵ بمثلہ والبیت مطلع ابیات لامری القیس علقہا ۴۴ بیناوطنی بابنۃ العامری فاطمۃ بنت عمرو تمامہ: . . . ۲ لا یدعی القوم انی افر، والبیت فی الحماسۃ فی قصیدۃ لحیلۃ راجع الخزانۃ (۱/۳۷۲، ۴۸۹) والعینی (۱: ۹۷) وشرح المفضلیات والمعلقات لابن الانباری ۴۴ والعقد الثمین ۳۳ والسیوطی ۲۱ والطبرسی ۲۷/۱۳۱) والبحر (۳/۴۱۲) والبیت من شواہد الکشاف قال المحب وقیل البیت لربیعۃ بن جشم النمیمی۔

[3] انظر القول بطرقہ وتاویلہ غریب ابی عبیدۃ ۳/۲۱۳ فی حدیث عمر والمسند لعمر ۱-۴ عن زید بن وہب والنہایۃ (جنف) والفائق ۱/۲۱۸۔

لَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ (۲-۱۹۷) نہ عورتوں سے اختلاط کرے نہ کوئی برا کام کرے۔

اور کبھی دو متضاد معنوں کے درمیان لا مکرر آجاتا ہے۔ اور دونوں کا اثبات مقصود ہوتا ہے جیسے:۔

لَا زَیْدٌ بِمُقِیْمٍ وَّلَا ظَاعِنٍ نہ زید مقیم ہے اور نہ ہی مسافر یعنی کبھی مقیم ہے اور کبھی سفر پر اور کبھی دو متضاد معنوں کی نفی سے ایک درمیانی حالت کا اثبات مقصود ہوتا ہے جیسے۔ لَیْسَ اَبْیَضَ وَّلَا اَسْوَدَ سے مراد ہے کہ وہ ان دونوں رنگوں کے درمیان ہے یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا رنگ ہو چنانچہ آیہ کریمہ:۔ لَا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ (۲۴-۳۵) یعنی زیتون کہ نہ مشرق کی طرف منسوب ہے اور نہ مغرب کی طرف۔ کے بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ وہ بیک وقت مشرقی بھی ہے اور غربی بھی۔ اور بعض نے اس کا افراط اور تفریط سے محفوظ ہونا مراد لیا ہے۔

کبھی لا محض سلب کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس سے ایک شے کی نفی کرکے دوسری کا اثبات مقصود نہیں ہوتا مثلاً لَا اِنْسَانَ کہہ کر صرف انسانیت کی نفی کا قصد کیا جائے اور عامی محاورہ لَاحِدٌ بھی اسی معنی پر محمول ہے۔

(اَللَّات)

اَللَّاتُ اور اَلْعُزّٰی۔ دو بتوں کے نام ہیں۔ اَللَّاتُ اصل میں اللہ ہے۔ ہا کو حذف کرکے اس کے عوض تاء تانیث لائی گئی ہے۔ اور اس تانیث سے اللہ تعالیٰ کے مرتبہ سے کم ہونے پر تنبیہ کرنا مقصود ہے اور یہ کہ وہ اس کو اپنے زعم میں قرب الٰہی حاصل کرنے کا خاص ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

وَلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ (۳۸-۳) اور وہ رہائی کا وقت نہیں تھا۔ میں فراء کے نزدیک لَاتَ اصل میں لَا حِیْنَ ہے اور اس میں تاء زائدہ ہے جیسا کہ ثُمَّتَ اور رُبَّتَ میں لائی جاتی ہے۔ بعض اہل بصرہ نے کہا ہے وَلَاتَ بمعنی لَیْسَ ہے۔ ابوبکر العلاف کا قول ہے کہ یہ اصل میں لَیْسَ ہے[1] یا الف سے اور سین تاء سے تبدیل ہو کر لَاتَ بن گیا ہے۔ جیسا کہ نَاسٌ میں ایک لغت نَاتٌ بھی ہے۔ بعض کا قول ہے کہ لَاتَ اصل میں لا ہی ہے۔ اس میں تاء تانیث کا اضافہ کرکے ایک ساعت یا مدت کے معنی پر تنبیہ کی گئی ہے اور پوری بات یوں ہے:۔

لَیْسَتِ السَّاعَةُ اَوِ الْمُدَّةُ حِیْنَ مَنَاصٍ۔

(ل ب ب)

اَللُّبُّ کے معنی عقل خالص کے ہیں جو آمیزش (یعنی ظن و وہم اور جذبات) سے پاک ہو اور عقل کو لُبٌّ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ انسان کے معنوی قوی کا خلاصہ ہوتی ہے جیسا کہ کسی چیز کے خالص حصے کو اس کا لُبّ اور لُباب کہہ دیتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ لُبٌّ کے معنی پاکیزہ اور نتھری عقل کے ہیں چنانچہ ہر لُبٌّ کو عقل کہہ سکتے ہیں لیکن۔ ہر عقل "لُبٌّ" نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے

---

[1] ای بکسر الیاء ذکرہ ابن ہشام فی المغنی ار ۲۸۱ ولم ینسبہ والیہ ذہب ابو عبید وابن الطراوۃ وابوبکر ہذا العلاء الخیاط کان العلاف لان الخیاط کان من علماء النحاۃ ذکرہا السیوطی فی البغیۃ ۹ باب المحمدین مات سنۃ عشرین وثلاثمائۃ وثلاثمائۃ راجع للبحث المغنی لابن ہشام فانہ یغنیک۔

کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام احکام کو جن کا ادراک عقول زکیہ ہی کر سکتی ہیں أُولُوا الْأَلْبَابِ کے ساتھ مختص کیا ہے۔ جیسے فرمایا :۔
وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ (۲-۲۶۹) اور جس کو دانائی ملی بے شک اس کو بڑی نعمت ملی اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔
اور اس نوع کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔
لَبَّ فُلَانٌ (س) کے معنی کسی کے صاحب لُبّ ہونے کے ہیں۔ ایک عورت نے اپنے خاوند کو لڑکے کے متعلق کہا :۔
اِضْرِبْهُ كَيْ يَلُبَّ وَيَقُودَ الْجَيْشَ ذَا اللَّجَبِ
اسے پیٹو تاکہ عقلمند ہو جائے اور لشکر جرار کی قیادت کر سکے۔
رَجُلٌ لَبِيبٌ کے معنی عقلمند آدمی کے ہیں اسکی جمع أَلِبَّاءُ آتی ہے۔ اور مَلْبُوبٌ اسے کہتے ہیں جو عقلمندی میں مشہور ہو۔
أَلَبَّ بِالْمَكَانِ کسی مقام پر قیام کرنا اس کے اصل معنی اونٹ کا کسی مقام پر اپنا لبہ یعنی سینہ رکھ دینے کے ہیں۔
تَلَبَّبَ۔ اس کے اصل معنی سینہ پر پیٹی باندھنے کے ہیں پھر مجازاً (احرام باندھنے اور کسی کام کے لئے مستعد ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے)
لَبَبْتُهُ کے معنی کسی کے لَبَّة یعنی سینہ پر مارنے کے ہیں۔ اور لَبَّة (سینہ) کو لَبَّة اس لئے کہتے ہیں کہ وہ قوت عقلی کا مقام ہے۔ محاورہ ہے۔
فُلَانٌ فِي لَبَبٍ۔ فلاں آسودہ حال ہے۔
لَبَّيْكَ (کلمہ ایجاب ہے) بعض نے کہا ہے کہ یہ لَبَّ بِالْمَكَانِ وَأَلَبَّ سے ماخوذ ہے جس کے معنی کسی جگہ پر مقیم ہونے کے ہیں اور مؤکد طور پر فرمانبرداری کا اظہار کرنے کے لئے اسے تثنیہ بنا لیا گیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اصل میں لَبَّبَ ہے، اس کی آخری باء کو یاء سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔ جیسے تَظَنَّيْتُ کہ اصل میں تَظَنَّنْتُ ہے اس کا آخری نون یاء سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔
بعض کا خیال ہے یہ اِمْرَأَةٌ لَبَّةٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی اولاد سے محبت کرنے والی عورت کے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کے معنی إِخْلَاصٌ لَكَ بَعْدَ إِخْلَاصٍ کے ہیں یعنی بار بار تمہارے سامنے اپنی عقیدت کا اظہار کرتا ہوں اور یہ لُبُّ الطَّعَامِ سے ماخوذ ہے جس کے معنی خالص کھانا کے ہیں۔ اسی سے حَسَبٌ لُبَابٌ کا محاورہ ہے جس کے معنی خالص حَسَب کے ہیں۔

(ل ب ث)

لَبِثَ بِالْمَكَانِ کے معنی کسی مقام پر جم کر ٹھہرنے اور مستقل قیام کرنا کے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے :۔
فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ (۲۹-۱۴) تو وہ ان میں ۔ ۔ ۔ ۔ ہزار برس رہے۔
فَلَبِثْتَ سِنِينَ (۲۰-۴۰) پھر تم کئی سال ٹھہرے رہے۔
قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ (۲۳-۱۱۲) خدا پوچھے گا کہ تم کتنے برس رہے۔
قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ (۲۳-۱۱۳) وہ کہیں گے کہ ہم ایک روز یا ایک روز سے بھی کم رہے تھے۔
قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ (۱۸-۱۹) انہوں

نے کہا کہ جتنی مدت تم رہے ہو تمہارا پروردگار ہی اس کو خوب جانتا ہے۔
لَمْ یَلْبَثُوْا اِلَّا عَشِیَّۃً (۷۹-۴۶) کہ گویا (دنیا میں صرف) ایک شام رہے تھے۔
لَمْ یَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَۃً (۴۶-۳۵) (تو خیال کریں گے کہ) گویا وہ دنیا میں رہے ہی نہ تھے مگر گھڑی بھر۔
مَا لَبِثُوْا فِی الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ (۳۴-۱۴) تو ذلت کی تکلیف میں نہ پڑے رہتے۔

(ل ب د)

لِبْدَۃٌ۔ تہ برتہ جمی ہوئی اون ج لِبَدٌ
قرآن میں ہے:۔
یَکُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا (۷۲-۱۹) کافر ان کے گرداگرد ہجوم کر لینے کو تھے۔
یعنی تہ برتہ جمی ہوئی اون کی طرح ان کے گرد جمع ہو گئے۔ بعض نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ وہ آپ پر مجتمع ہو کر لبدہ کی طرح گرنے لگے ایک قرأت میں لُبَدًا بھی ہے یعنی آپ کے گرد ہجوم کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے تھے۔ اور لِبْدٌ کی جمع اَلْبَادٌ وَلُبُوْدٌ آتی ہے۔
اَلْبَدْتُ السَّرْجَ میں نے زین کے لئے نمدہ بنایا اور اَلْبَدْتُ الْفَرَسَ کے معنی ہیں میں نے گھوڑے پر نمدہ ڈالا۔ جیسے اَسْرَجْتُهٗ (میں نے اس پر زین کسی۔ وَاَلْجَمْتُهٗ میں نے اسے لگام دی۔ اَلْبَبْتُهٗ (سینہ بند باندھا)۔
اَللِّبْدَۃُ شیر لِبَدٌ کا مفرد ہے نمدہ کے ایک ٹکڑہ کو لِبْدَۃٌ کہتے ہیں مثل مشہور ہے[1]
هُوَ اَمْنَعُ مِنْ لِبْدَۃِ الْاَسَدِ۔ وہ شیر کے لبدہ یعنی سینہ یا ایال سے بھی زیادہ محفوظ ہے۔ لَبِدَ الشَّعْرُ بالوں کا اوپر تلے جم جانا۔
لَبِدَتِ الْاِبِلُ لَبَدًا: زیادہ گھاس کھانے کی وجہ سے اونٹ پریشان اور سینہ گرفتہ ہو گئے اور آیت کریمہ:۔
مَالًا لُبَدًا (۹۰-۶) بہت سا مال۔
میں لُبَدٌ کے معنی مال کثیر کے ہیں مثل مشہور ہے[2]
مَا لَهٗ سَبَدٌ وَلَا لَبَدٌ: نہ اس کے پاس اون ہے نہ بال یعنی بالکل مفلس ہے نہ تھوڑا ہے نہ بہت۔
لُبَدٌ ایک پرند جو زمین کے ساتھ سینہ لگا کر چپک جاتا ہے۔ اور نسور لقمان (لقمان کے گدھوں میں سے آخری نر گدھ) کو لُبَدٌ کہا جاتا ہے۔
اَلْبَدَ الْبَعِیْرُ اونٹ کے سرین پر گوبر کا جم جانا کبھی یہ اس کے خوبصورت اور موٹا ہونے سے کنایہ ہوتا ہے۔
اَلْبَدْتُ الْقِرْبَۃَ مشک کو لَبِیْدٌ یعنی بالوں سے بنی ہوئی چھوٹی بوری میں ڈال دینا۔

(ل ب س)

لَبِسَ الثَّوْبَ۔ کے معنی کپڑا پہننے کے ہیں اور اَلْبَسَهٗ کے معنی دوسرے کو پہنانا کے۔
قرآن میں ہے:۔
وَیَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا (۱۸-۳۱) اور وہ سبز کپڑے پہنا کریں گے۔
اَللِّبَاسُ وَاللَّبُوْسُ وَاللِّبْسُ وہ چیز جو پہنی جائے۔ قرآن میں ہے:۔

---

[1] المثل انجل المعاجم ؛ [2] انظر للمثل ادب الکاتب ۲۹ وجمہرۃ العسکری ۱۹۱ والمیدانی (۲: ۲۰۰) واللسان والبحی والحیوان ۵ (۹۷۶) والنوادر وسلالی سمعل ۱۲

وَقَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ (۷-۲۶) ہم نے تم پر پوشاک اتاری کہ تمہارا ستر ڈھانپے۔ اور لباس کا لفظ ہر اس چیز پر بولا جاتا ہے۔ جو انسان کے برے کاموں پر پردہ ڈال سکے۔ چنانچہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے کا لباس قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ ایک دوسرے کو قبائح کے ارتکاب سے روکتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (۲-۱۸۷) وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔

چنانچہ اسی معنی میں شاعر نے اپنی بیوی کو اِزَارٌ کہا ہے[1]:

(۳۸۹) فِدًى لَكَ مِنْ اَخِىْ ثِقَةٍ اِزَارِىْ

اے میرے قابل اعتماد بھائی تجھ پر میری ازار یعنی بیوی قربان ہو۔

اور تمثیل و تشبیہ کے طور پر "تقویٰ" کو بھی لباس قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

لِبَاسُ التَّقْوٰى (۷-۲۶) اور جو پرہیزگاری کا لباس ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

صُنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ (۲۱-۸۰) اور ہم نے تمہارے لئے ان کو ایک طرح کا لباس بنانا ...... میں لبوس سے زرہیں مراد ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ (۱۶-۱۱۲) تو خدا نے ان کے اعمال کے سبب بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر ناشکری کا مزہ چکھا دیا۔ میں جوع یعنی بھوک اور خوف کی تصویر کھینچنے کے لئے اسے لباس کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جیسا کہ:۔

تَدَرَّعَ فُلَانٌ الْفَقْرَ اور لَبِسَ الْجُوْعَ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ اور شاعر نے کہا ہے[2]: ( )

(۳۹۰) وَكُسْوَتُهُمْ مِّنْ خَيْرِ بُرْدٍ مُّنَجَّمٍ

عمدہ دھاری دار چادریں ان کا لباس ہیں۔

بعض نے وَلَبَاسُ التَّقْوٰى پڑھا ہے جو لَبْسٌ بمعنی سَتْرٌ سے مشتق ہے۔

دراصل لَبْسٌ کے معنی کسی چیز کو چھپانے کے ہیں۔ اور معانی کے متعلق بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً لَبَسْتُ عَلَيْهِ اَمْرَهٗ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ (۶-۹) اور جو شبہ (اب) کرتے ہیں اسی شبہ میں پھر ڈال دیتے۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ (۲-۴۲) تم سچ کو جھوٹ کے ساتھ نہ ملاؤ۔

لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ (۳-۷۱) تم سچ کو جھوٹ کے ساتھ خلط ملط کیوں کرتے ہو۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (۶-۸۲) جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو شرک کے ظلم سے مخلوط نہیں کیا۔

فِى الْاَمْرِ لُبْسَةٌ یعنی اس معاملہ میں اشتباہ ہے۔

لَابَسْتُ الْاَمْرَ کسی کام کی مزاولت کرنا۔

لَابَسْتُ فُلَانًا کسی سے گھل مل جانا یعنی اندرون سے واقف ہونا۔

لَبِسَ فِىْ فُلَانٍ مُّلْبِسٌ یعنی دریں کبر سال خوردگی نیست۔

شاعر نے کہا ہے[3] (الطویل)

---

[1] قال جعدة بن عبد السلمی وقد مسرلی (وافر) [2] لم اجدہ فی المراجع [3] قاله امرؤ القیس وصدرہ: الا ان بعد العدم للمرء قنوة ...... والبیت فی اللسان (لبس) ودیوانہ ۱۴۲ ومن الستة ۳۵ وامالی المرتضیٰ (۱: ۵۹۶) والسمط ۳۲۷ والصناعتین ۳۴۴ وفیہ بعد الشباب بدل بعد المشیب ۱۲

(۳۹۱) وَبَعْدَ الْمَشِيْبِ طُوْلُ عُمْرٍ وَمَلْبَسًا
اور بڑھاپے کے کبر سنی اور کہن سالی ہے۔

(ل ب ن)

اَللَّبَنُ۔ دودھ ج اَلْبَانٌ۔ قرآن میں ہے :۔
وَاَنْهَارٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ (۴۷-۱۵)
اور دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزہ نہیں بدلے گا۔
مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا۔ اور اس غذا سے جو نہ فضلہ بنی ہو اور نہ خون ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں۔
لَابِنٌ۔ بہت دودھ والا۔ لَبَنْتُهٗ میں نے اسے دودھ پلایا۔
فَرَسٌ مَّلْبُوْنٌ۔ دودھ سے پرورش کیا ہوا گھوڑا۔
اَلْبَنَ فُلَانٌ۔ بہت سے دودھ کا مالک ہونا اور ایسے آدمی کو مُلْبِنٌ کہا جاتا ہے۔
اَلْبَنَتِ النَّاقَةُ کے معنی ہیں اونٹنی بہت دودھ والی ہوگئی عام اس سے کہ طبعی طور پر ہو یا تھنوں میں دودھ چھوڑ دینے کی وجہ سے ہو۔ اَلْمِلْبَنُ دودھ دوہنے کا برتن اور هُوَ اَخُوْهُ بِلِبَانِ اُمِّهٖ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس کا رضاعی بھائی ہے اور اس محاورہ میں لِبَانِ اُمِّهٖ کی بجائے لَبَنُ اُمِّهٖ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ اہل عرب سے مسموع نہیں ہے۔
كَمْ لَبَنُ غَنَمِكَ یعنی تیری بکریوں میں دودھ والی کتنی ہیں[1]
اَللَّبَانُ کے معنی صدر یعنی سینہ کے ہیں۔ اور لُبَانَةٌ کے اصل معنی تو دودھ کی ضرورت کے ہیں مگر مطلق ضرورت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور اَللَّبِنُ جس کے معنی عمارتی اینٹ کے ہیں اور اس کا واحد لَبِنَةٌ ہے اس کا لَبَنٌ (دودھ) سے کوئی معنوی تعلق نہیں ہے۔ اَللَّبِنُ (اینٹ) سے لَبِنَهٗ (ض) بِلَبِنَةٍ کے معنی اینٹ سے ماپنے کے ہیں اور اینٹ بنانے والے کو لَبَّانٌ کہا جاتا ہے۔

(ل ج ج)

اَللَّجَاجُ (مصدر ض س) کے معنی کسی ممنوع کام کے کرنے میں بڑھتے چلے جانے اور اس پر ضد کرنے کے ہیں[2] اس سے فعل لَجَّ فِي الْاَمْرِ استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے :۔
وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (۲۳-۷۵) اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور جو تکلیفیں انہیں پہنچ رہی ہیں وہ دور کر دیں تو اپنی سرکشی پر اڑے رہیں اور بھٹکتے (پھریں)
بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ (۶۷-۲۱) لیکن یہ سرکشی اور نفرت میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔
اسی سے لَجَّةُ الصَّوْتِ مشہور ہے جس کے معنی

---

[1] و ہو جمع لَبُوْنٌ بمعنی ذات الدر ☆ [2] فی معناہ: استلج وفی الحدیث اذا استلج احدکم بیمینہ فانہ آثم لہ عند اللہ من الکفارۃ ☆
[3] ای ارتفاعہ وفی حدیث عکرمۃ: سمعت لہم لجۃ بآمین (اللسان) ☆

امواز کے بار بار آنے جانے اور پلٹنے کے ہیں۔ لُجَّۃُ الْبَحْرِ (بضم اللام) سمندر کی موجوں کا تلاطم (ان کا بار بار آنا اور پلٹنا)

لُجَّۃُ اللَّیْلِ۔ رات کی تاریکی کا آنا جانا اور سخت ہونا۔ اور لَجَّۃٌ وَلُجَّۃٌ میں ایک لغت لُجٌّ وَلَجٌّ بھی ہے۔ اور آیت کریمہ :۔

فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ (۲۴-۴۰) دریائے عمیق میں۔ میں لُجِّیٌّ بھی لُجَّۃُ الْبَحْرِ کی طرف منسوب ہے اور روایت [1] (۱۰۷) وَضَعَ اللُّجَّ عَلٰی قَفَیَّ (اس نے میری گردن پر تلوار رکھ دی)۔ میں لُجٌّ کے معنی آبدار تلوار کے ہیں اور قَفَیَّ اصل میں قَفَایَ ہے الف یاء سے مبدل ہو کر یاء میں ادغام ہو گیا ہے

اَللَّجْلَجَۃُ کے معنی ہکلاپن کے ہیں اور نیز لقمہ کو بغیر چبائے منہ میں پھرانے کو بھی لَجْلَجَۃٌ کہتے ہیں کسی شاعر نے کہا ہے [2] (الوافر)

(۳۹۲) یُلَجْلِجُ مُضْغَۃً فِیْھَا اَنِیْضٌ

یعنی منہ میں گوشت کا نیم پختہ ٹکڑا پھرا رہا ہے۔

رَجُلٌ لَجْلَجٌ ہکلا رک رک کر بات کرنے والا۔

اَلْحَقُّ اَبْلَجُ وَالْبَاطِلُ لَجْلَجٌ حق واضح ہے اور باطل مشتبہ یعنی کوئی شخص باطل کو نہ تو صاف طور پر بیان کر سکتا ہے اور نہ انشراح صدر کے ساتھ اسے انجام دے سکتا ہے۔ بلکہ اس میں ہمیشہ متردد رہتا ہے۔

(ل ح د)

اَللَّحْدُ۔ اس گڑھے یا شگاف کو کہتے ہیں جو قبر کی ایک جانب میں بنایا جاتا ہے۔ اور لَحَدَ الْقَبْرَ وَاَلْحَدَہٗ کے معنی قبر میں لحد بنانا کے ہیں۔

لَحَدَ الْمَیِّتَ وَاَلْحَدَہٗ میت کو لحد میں دفن کرنا اور لَحْدٌ کو مُلْحَدٌ بھی کہا جاتا ہے جو کہ اَلْحَدْتُہٗ (افعال) سے اسم ظرف ہے۔

لَحَدَ بِلِسَانِہٖ اِلٰی کَذَا زبان سے کسی کی طرف جھکنے یعنی غلط بات کہنا کے ہیں اور آیت کریمہ :

لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْہِ (۱۶-۱۰۳) مگر جس کی طرف تعلیم کی نسبت کرتے ہیں۔ میں یَلْحَدُوْنَ لَحَدَ سے ہے اور ایک قرأت میں یُلْحِدُوْنَ (اَلْحَدَ سے) ہے۔ کہا جاتا ہے اَلْحَدَ فُلَانٌ۔ فلاں حق سے پھر گیا۔

اَلْحَادٌ دو قسم پر ہے۔ ایک شرک باللہ کی طرف مائل ہونا دوم شرک بالاسباب کی طرف مائل ہونا۔

---

[1] فی حدیث طلحۃ: ولفظہ: قدموني فوضعوا اللُّجَّ علی قَفَیَّ قال فی النھایۃ ۴ / ۲۳۴ اللُّجّ بالضم السیف بلغۃ طیئ وقیل ھو اسم سمی بہ السیف کما قالوا الصمصامۃ راجع غریب ابی عبید (۴ / ۹) احادیث طلحۃ بن عبیداللہ التمیمی وھو من العشرۃ المبشرۃ قتل یوم الجمل سنۃ ۳۶ وھو بجانب عائشۃ ولہ فی الصحیحین ۳۸ حدیثا انظر لترجمتہ الاصابۃ ۲ / ۲۹ وتہذیب التہذیب ۵ / ۲۰ والحدیث فی قصۃ بیعۃ علی قال طلحۃ ای اخذت فادخلت فی الحش وقربوا فوضعوا اللج علی قفیّ فقالوا: لتبایعن او لنقتلنک فبایعت وانا کمرہ وراجع الحدیث ایضا الفائق ۳ / ۱۹ والصواب وضعوا مکان وضع کذا فی جمیع المراجع ۱۲ [2] قالہ زہیر وتمامہ: اصلت فھی تحت الکشح داء۔ والبیت فی اللسان (انض، لج، صلل) ودیوانہ بشرح الشنتمری ۳ / ۱۲۴ ومختار الشعر الجاہلی (۱: ۱۹۸) وتہذیب الالفاظ ۴۹۷ والجرہ: (۲۰۰) وفی روایۃ الکامل تلجلج (۱: ۱۶) وھی موافقۃ لروایۃ الستۃ (العقد الثمین ۸۷) وھو الصواب لانہ خطاب وبعدہ: غصصت بنیھا فبشمت منھا۔ وعندک لو اردت لھا دواء۔ والبیت من ابیات المعانی انظر المعانی الکبیر للقتبی ۸۴۸، ۱۱۴۱ ٭ ٭ ٭

اَوّل قسم کا الحاد ایمان کے منافی ہے اور انسان کے ایمان وعقیدہ کو باطل کر دیتا ہے۔ اور دوسری قسم کا الحاد ایمان کو تو باطل نہیں کرتا لیکن اس کے عُروۃ (حلقہ) کو کمزور ضرور کر دیتا ہے جیسا کہ آیات۔

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ (۲۲-۲۵) اور جو اس میں شرارت سے کجروی وکفر کرنا چاہے اس کو ہم درد دینے والے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

اَلَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ (۷-۱۸۰) جو لوگ اس کے ناموں کے وصف میں کجروی اختیار کرتے ہیں۔

میں یہی دوسری قسم کا الحاد مراد ہے اور الحاد فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ یعنی صفات خداوندی میں الحاد کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ باری تعالیٰ کو ان اوصاف کے ساتھ متصف ماننا جو شان الوہیت کے منافی ہوں دوم یہ کہ صفات الٰہی کی ایسی تاویل کرنا جو اس کی شان کے زیبا نہ ہو۔

اِلْتَحَدَ فُلَانٌ اِلٰی کَذَا۔ وہ (راستہ سے ہٹ کر) ایک جانب مائل ہو گیا اور آیت کریمہ:۔

وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا۔ (۱۸-۲۷) اور اس کے سوا تم کہیں پناہ کی جگہ بھی نہیں پاؤ گے۔ میں مُلْتَحَدًا مصدر میمی بمعنی اِلْتِحَاد بھی ہو سکتا ہے اور اسم ظرف بھی (اور اس کے معنی پناہ گاہ کے ہیں) اِلْتَحَدَ السَّھْمُ عَنِ الْھَدَفِ۔ تیر نشانے سے ایک جانب مائل ہو گیا (یعنی ہٹ گیا۔

(ل ح ف)

اَلْاِلْحَافُ کے معنی اِلحاح یعنی چمٹ کر مانگنا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (۲-۲۷۳) (اور شرم کے سبب) لوگوں سے منہ پھوڑ کر (اور) لپٹ کر نہیں مانگ سکتے۔

اسی سے استعارہ کے طور پر اَلْحَفَ شَارِبَهٗ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی مونچھیں جڑ سے کاٹ دینے کے ہیں اور یہ دراصل لِحَاف سے ہے اور لِحَافٌ کے معنی اوڑھنے کا کپڑا ہیں۔ اَلْحَفْتُهٗ فَالْتَحَفَ میں نے اسے لحاف میں ڈھانپ دیا چنانچہ وہ اس میں لپٹ گیا۔

(ل ح ق)

لَحِقْتُهٗ وَلَحِقْتُ بِهٖ کے معنی کسی کو پالینے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

اَلَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ (۳-۱۷۰) اور جو لوگ ان کے پیچھے رہ گئے۔ (اور شہید ہو کر) ان میں شامل نہ ہو سکے۔

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (۶۲-۳) اور ان میں سے دوسرے لوگوں کی طرف بھی (ان کو بھیجا ہے) جو ابھی ان مسلمانوں سے نہیں ملے۔ محاورہ ہے۔

اَلْحَقْتُ بِهٖ کَذَا۔ میں نے اسے اس سے ملا دیا۔ بعض نے کہا ہے کہ اَلْحَقَهٗ بمعنی لَحِقَهٗ ہے۔ اور دعائے قنوت میں[1] (۱۰۶) اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ میں بھی مُلْحِقٌ اسی معنی پر محمول ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ اَلْحَقْتُ بِهٖ کَذَا سے ماخوذ ہے

---

[1] وقولہ امی قول اداعی او قولہ تعالیٰ لان ابیّاً کان یرید فی مصحفہ وبعد القنوت سورتین من القرآن انظر المشکل للقتیبی ۲۰ والیضا فی مصحف ابن عبداللہ بن مسعود انظر کنز العمال ۸ ر ۸۰ ھ والنحر بحیہ رقم ۶۹۲۔ دفی منتھی الارب ملحق بکسر الحاد والفتح احسن واصوب ۱۲:

لیکن عذاب کی ہولناکی بیان کرنے کے لئے اسے مُلْحِقٌ (ملنے والا) کہہ دیا ہے۔ اور کنایۃً مُلْحَقٌ اسے بھی کہتے ہیں جسے کسی خاندان نے اپنے سے وابستہ کر لیا ہو اور وہ نسباً ان سے نہ ہو۔

(ل ح م)

اَللَّحْمُ (گوشت) کی جمع لِحَامٌ، لُحُوْمٌ، اور لُحْمَانٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔
اَوْ لَحْمَ الْخِنْزِیْرِ (۲-۱۷۳) اور سور کا گوشت۔
لَحُمَ الرَّجُلُ فَهُوَ لَحِیْمٌ کے معنی ہیں وہ پُر گوشت اور موٹا ہو گیا۔ اور موٹے چربی چڑھے ہوئے آدمی کو لَاحِمٌ شَاحِمٌ کہا جاتا ہے جیسے:۔
لَابِنٌ وَتَامِرٌ۔
لَحِمَ (س) کے معنی گوشت کھانے کا حریص ہونا کے ہیں اسی سے بہت زیادہ گوشت خور باز یا بھیڑیے کو لَحِمٌ کہا جاتا ہے۔
بَیْتٌ لَحِمٌ۔ وہ گھر جہاں لوگوں کی اکثر غیبتیں کی جائیں۔ حدیث میں ہے[1] (۱۰۷)
اِنَّ اللّٰهَ یُبْغِضُ قَوْمًا لَحِمِیْنَ کہ اللہ تعالےٰ بہت گوشت خور لوگوں کو ناپسند کرتا ہے۔ یعنی جو ہر وقت لوگوں کی غیبت کرتے رہتے ہیں۔
اَلْحَمَهُ کے معنی کسی کو گوشت کھلانے کے ہیں۔ اور اسی سے تشبیہ کے طور پر اس آدمی کو جس کی گردن شکار پر ہو رَجُلٌ مُلْحَمٌ کہا جاتا ہے۔ پھر مطلقاً تشبیہاً ہر کھاتے پیتے آدمی کو مُلْحَمٌ کہہ دیتے ہیں اور اسی سے ثَوْبٌ مُلْحَمٌ کا محاورہ ہے جس کے معنی بُنے ہوئے کپڑا کے ہیں

کپڑے کے بانا کو لُحْمَةٌ کہا جاتا ہے جو کہ لُحْمَةُ الْبَازِیْ سے مشتق ہے۔ اسی سے کہا جاتا ہے[2]:۔ (۱۰۸)
اَلْوَلَاءُ لُحْمَةٌ کَلُحْمَةِ النَّسَبِ کہ ولاء کا رشتہ بھی نسب کے رشتہ کی طرح ہے شَجَّةٌ مُتَلَاحِمَةٌ زخم جس پر گوشت چڑھ گیا ہو۔
لَحَمْتُ اللَّحْمَ عَنِ الْعَظْمِ میں نے ہڈی سے گوشت کو الگ کر دیا۔ لَحَمْتُ الشَّیْءَ وَاَلْحَمْتُهٗ وَلَاحَمْتُ بَیْنَ الشَّیْئَیْنِ میں نے ایک چیز کو دوسری کے ساتھ اس طرح کُتھی کر دیا۔ جیسے ہڈی کے ساتھ گوشت پیوست ہوتا ہے۔
اَللِّحَامُ وہ چیز جس سے برتن کو ٹانکا لگایا جائے۔
اَلْحَمْتُ فُلَانًا کسی کو قتل کر کے اس کا گوشت درندوں کو کھلا دیا۔
اَلْحَمْتُ الطَّائِرَ میں نے پرند کا گوشت کھلایا۔ اَلْحَمْتُكَ فُلَانًا۔ میں نے فلاں کی غیبت کا موقع دیا۔
اور یہ ایسے ہی ہے جیسے غیبت و بدگوئی کو اَكْلُ اللَّحْمِ یعنی گوشت کھانے سے تعبیر کر لیتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا (۴۹-۱۲) کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔
فُلَانٌ لَحِیْمٌ فلاں کو قتل کر دیا گیا۔ گویا اسے درندوں کی خوراک بنا دیا گیا۔ اَلْمَلْحَمَةُ معرکہ ج مَلَاحِمُ۔

---

[1] انظر مجمع البحار ۳/۲۸۴ والفائق ۲/۲۲۲ باختلاف یسیر فی اللفظ وکذا فسرہ سفیان الثوری [2] حدیث مرفوع۔ خرجہ ابو یعلیٰ وابن حبان عن ابن عمر انظر اللہ تانی علی المؤطا ۴/۹۶ وکنز العمال ج ۱۰ رقم ۳۴ ۵ و رقم ۵۲۲۱۵ ۲۲ عن علی وعبداللہ بن ابی اوفیٰ والفتح الکبیر للنبہانی ۳/۲۰۸ ؛

(ل ح ن)

اَللَّحْنُ (ف) کے معنی ہیں بات کو اس کے مستعمل طریقہ اور اسلوب سے پھیر دینا۔ اگر یہ لفظ کے اعراب یا ہیئت تبدیل کر دینے سے ہو جو کہ لحن کا عام مفہوم ہے تو یہ قابل مذمت ہے اور اگر تصریح چھوڑ کر بطور تعریض کلام کرنے سے ہو تو اکثر ادباء کے نزدیک فن بلاغت کے لحاظ سے یہ مستحسن اور کلام کی خوبیوں میں شمار ہوتا ہے شاعر نے کہا ہے[1] (الخفیف)

(۳۹۳) وَخَیْرُ الْحَدِیْثِ مَا کَانَ لَحْنًا

بہتر کلام وہ ہے جو تعریض میں ہو۔ اور آیت کریمہ:۔ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ (۴۷-۳۰) اور تم انہیں ان کے انداز گفتگو سے پہچان لو گے۔ میں بھی یہی مراد ہے۔ اور اسی سے ذہین آدمی کو جو کلام کے صحیح مقصد کو خوب سمجھ لیتا ہو۔ لَحِنٌ کہا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے[2] (۱۰۹)

لَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَلْحَنُ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ

شاید تم میں سے بعض آدمی دوسرے کی نسبت دلیل پر زیادہ قدرت رکھتے ہوں تو اَلْحَنُ کے معنی زبان آور اور فصیح شخص کے ہیں جو اپنے مافی الضمیر کو وضاحت اور استدلال سے بیان کر سکتا ہو۔

(ل د د)

اَلْاَلَدُّ۔ سخت جھگڑالو آدمی کو کہتے ہیں جو کسی کی بات ماننا ہی نہ ہو۔ اس کی جمع لُدٌّ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (۲-۲۰۴) حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔

وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا (۱۹-۹۷) تاکہ اس کے ذریعہ سخت جھگڑالو قوم کو بد انجام سے آگاہ کرو۔ اصل میں اَلَدُّ شدید اللدد (یعنی اس آدمی کو کہتے ہیں جس کی گردن کا پہلو بڑا سخت ہو۔ اور مجازاً اس شخص پر بولا جاتا ہے جسے اس کے ارادہ سے پھیرا نہ جا سکے۔

فُلَانٌ يَتَلَدَّدُ فلاں گردن موڑ کر رخ پھیرتا ہے۔ اَللَّدُوْدُ۔ وہ دوا جو منہ کی ایک جانب سے پلائی جائے[3]۔ اِلْتَدَدْتُ۔ لدود لینا۔

(ل د ن)

لَدُنْ۔ یہ عِنْدَ سے اخص ہے کیونکہ یہ کسی فعل کی انتہاء کے آغاز پر دلالت کرتا ہے جیسے

---

[1] قالہ مالک بن اسماء بن خارجۃ (۲ھ-۷۵-۸۰ الشعراء) شاعر اسلامی غزل وصدرہٗ منطق رائع وتلحن احیانا۔ ناد ... وفی مصارع العشاق ۲۶۳ انہ قال فی امرأتہ حبیبۃ بنت ابی جندب الانصاری انظر البیت السمط ۱۴ والمشاطرۃ للاستاذ المیمنی وامالی المرتضیٰ ۱/۱۵۴ فی رواتھما جمیعًا صائب بدل رائع والبیت فی ادب الکتاب للصولی ۱۳۱ والعقد الفرید ۲/۴۸۰ والمعجم للمرزبانی ۲۶۶ والبیان للجاحظ ۱/۱۴۷ والحیوان ۲/۱۶۱ والخزانۃ ۲/۸۵ والعمدۃ ۱/۳۰۸ وفیہ صنعۃ الاشارۃ اللحن ومعناہ فی الآیۃ والبیت الشاہد کلام یعرفہ المخاطب بفحواہ وان کان علی غیر وجہہ ویسمی ایضا المحاجاۃ لدلالۃ الحجا علیھا کذا فسر ابن درید البیت لکن قرینۃ صائب یابی عن ذالک الا انہ یستلذ من الجواری وایضا راجع ہوامش مجالس ثعلب ۳۱ ۵ [2] قال الحافظ فی الکاف اصلہ فی الصحیحین قال فی الدر ۱/۲۰۳ اخرجہ مالک والشافعی وابن ابی شیبۃ والصحیحان عن ام سلمۃ والحاکم واحمد من روایۃ اسامۃ بن زید وابن حبان فی زوائدہ رقم ۱۱۹۷ عن ابی ہریرۃ والحدیث فی الفائق ۲/۱۵۱، ۲۲۱ وغریب القتیبی ۵، [3] وفی الحدیث جہرا لدا وتم بہ اللدود والفائق ۲/۳۲۲

...تمت عندہٗ من لدن طلوع الشمس الی
...غروبہا آغاز طلوع شمس سے غروب آفتاب
...تک اس کے پاس ٹھہرا رہا۔ تو یہاں لدن کا لفظ
...ٹھہرنے کے آغاز کو بیان کرتا ہے اور کبھی عند
...کی بجائے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ حکایت
...ہے اَصَبْتُ عِنْدَہٗ مَالاً وَلَدُنْہُ مَالاً۔ میں
...نے اس کے پاس مال پایا۔ بعض نے کہا ہے کہ
لدن عند سے ابلغ اور اخص ہے۔ قرآن میں ہے۔
فَلَا تُصَاحِبْنِیْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا
(۱۸-۷۶) تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے گا کہ آپ کو
مجھے ساتھ نہ رکھنے کے بارے میں میری طرف
سے عذر حاصل ہوگا۔
رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً (۱۸-۱۰) اے
ہمارے پروردگار ہم پر اپنے ہاں سے رحمت
نازل فرما۔
فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا (۱۹-۵) تو مجھے
اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما۔
وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا
(۱۷-۸۰) اور اپنے ہاں سے زور و قوت کو میرا
مددگار بنائیو۔
وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (۱۸-۶۵) ہم نے اسے
اپنے پاس سے علم بخشا تھا۔
اور لدن میں لد، لدا، لدی تین لغات
اور بھی ہیں۔
اَللَّدْنُ۔ لچکدار نرم۔

(ل د ی)

لدی یہ تقریباً لدن کے معنوں میں استعمال
ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
اَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَی الْبَابِ (۱۲-۲۵) اور
دونوں کو دروازے کے پاس عورت کا خاوند مل گیا۔

(ل ز ب)

اَللَّازِبُ۔ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی مقام
پر شدت سے ثبت ہو جائے اور چمٹ جائے
قرآن میں ہے۔
مِنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ (۳۷-۱۱) چپکتے گارے سے (بنایا)
اور کبھی لَازِبٌ بمعنی واجب بھی آتا ہے جیسا کہ
کسی چیز کے لازم اور ضروری ہونے کو بیان کرنے
کے لئے ضربۃ لازب کا محاورہ استعمال ہوتا
ہے۔ اَللَّزْبَةُ سخت قحط سالی اس کی جمع
لِزَبَاتٌ آتی ہے۔

(ل ز م)

لَزِمَهٗ یَلْزَمُهٗ لُزُوْمًا کے معنی کسی چیز
کا عرصہ دراز تک ایک جگہ پر ٹھہرے رہنا کے
ہیں۔ اور اَلْاِلْزَامُ (افعال) دو قسم پر ہے ایک
تو اِلْزَامٌ بِالتَّسْخِیْرِ ہے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ
اور انسان دونوں کی طرف ہو سکتی ہے اور دوسرے
اِلْزَامٌ بِالْحُکْمِ وَالْاَمْرِ یعنی کسی چیز کا حکماً
واجب کر دینا جیسے فرمایا:۔
اَنُلْزِمُکُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا کٰرِهُوْنَ
(۱۱-۲۸) تو کیا ہم اس کے لئے تمہیں مجبور کر
سکتے ہیں۔ اور تم ہو کہ اس سے ناخوش ہو رہے ہو۔
وَاَلْزَمَهُمْ کَلِمَةَ التَّقْوٰی (۴۸-۲۶) اور
ان کو پرہیزگاری کی بات پر قائم رکھا۔
فَسَوْفَ یَکُوْنُ لِزَامًا (۲۵-۷۷) سو وہ
(عذاب) تمہارے لئے لازم ہوگی۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى (۲۰-۱۲۹) اور اگر ایک بات تمہارے پروردگار کی طرف سے پہلے صادر اور جزائے اعمال کے لئے ایک میعاد مقرر نہ ہو چکی ہوتی۔ تو عذاب (تم سے) چمٹ جاتا۔

(ل س ن)

اَللِّسَانُ۔ زبان اور قوت گویائی کو کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ (۲۰-۲۷) اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔

یہاں لِسَانٌ کے معنی قوت گویائی کے ہیں کیونکہ وہ بندش ان کی زبان پر نہیں تھی بلکہ قوت گویائی سے عقدہ کشائی کا سوال تھا۔ محاورہ ہے:۔ لِكُلِّ قَوْمٍ لِسَانٌ وَّلِسْنٌ (بکسر اللام) یعنی ہر قوم را لغت ولہجہ جدا است۔ قرآن میں ہے:۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ (۱۹-۹۷) (اے پیغمبر) ہم نے یہ قرآن تمہاری زبان میں آسان نازل کیا۔

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (۲۶-۱۹۵) فصیح عربی زبان میں۔ اور آیت کریمہ:۔

وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ (۳۰-۲۲) اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف۔

میں اَلْسِنَہ سے اصوات اور لہجوں کا اختلاف مراد ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح دیکھنے میں ایک شخص کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی اسی طرح قوت سامعہ ایک لہجہ کو دوسرے سے الگ کر لیتی ہے۔

(ل ط ف)

اَللَّطِيْفُ۔ جب یہ کسی جسم کی صفت واقع ہو تو یہ جَثْلٌ کی ضد ہوتا ہے جس کے معنی بھاری اور ثقیل کے ہیں کہتے ہیں شَعْرٌ جَثْلٌ (یعنی زیادہ اور بھاری بال) اور کبھی لَطَافَةٌ یا لُطْفٌ سے حرکت خفیفہ اور دقیق امور کا سر انجام دینا مراد ہوتا ہے اور لَطَائِفُ سے وہ باتیں مراد لی جاتی ہیں جن کا ادراک انسانی حواس نہ کر سکتے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے لَطِيْفٌ ہونے کے معنی یا تو یہ ہیں کہ وہ انسانی حواس کے ادراک سے مافوق اور بالاتر ہے اور یا اس لئے لطیف کہا جاتا ہے کہ وہ دقیق امور تک سے واقف ہے اور یا یہ کہ وہ انسانوں کو ہدایت دینے میں نہایت نرم انداز اختیار کرتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ (۴۲-۱۹) خدا اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ (۱۲-۱۰۰) بیشک میرا پروردگار جو کچھ چاہتا ہے حسن تدبیر سے کرتا ہے۔ میں لطیف سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر کام کو حسن تدبیر سے سرانجام دیتا ہے۔ چنانچہ دیکھئے کہ یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے کنوئیں میں ڈال دیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے انہیں اس مرتبہ تک پہنچا دیا اور کبھی ان تحائف کو بھی لُطْفٌ کہا جاتا ہے جو دوستی بڑھانے کے لئے ایک دوسرے کو دیئے جاتے ہیں۔ اسی لئے آنحضرتؐ نے فرمایا (۱۱۰) تَهَادُوْا تَحَابُّوْا کہ ایک دوسرے کو تحفے بھیجا

له الحدیث اخرجه البخاری فی الادب المفرد والبیهقی من حدیث ابی هریرة بسند جید انظر تخریج الاحیاء ۲/۳۵ وکنز العمال ج۳ رقم ۶۴۰۷، ۶۴۰۸

کرو۔ تو تمہاری آپس میں محبت بڑھ جائے گی۔
اَلْطَفَ فُلَانٌ اَخَاہُ بِکَذَا۔ فلاں نے اپنے بھائی کے ساتھ کسی چیز کے ذریعہ حسن سلوک کیا۔

(ل ظ ی)

لَظِیَتِ النَّارُ وَتَلَظَّتْ کے معنی آگ بھڑک اٹھنے کے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے:۔
نَارًا تَلَظّٰی (۹۲-۱۴) بھڑکتی آگ سے۔
اور لَظٰی آگ کے شعلہ کو کہا جاتا ہے جس میں دھوئیں کی آمیزش نہ ہو یہ جہنم کا علم اور غیر منصرف ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
اِنَّھَا لَظٰی (۷۰-۱۵) وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

(ل ع ب)

اَللَّعَبُ۔ اس مادہ کی اصل لُعَابٌ ہے جس کے معنی منہ سے بہنے والی رال کے ہیں اور لَعَبَ (ف) یَلْعَبُ لَعْبًا کے معنی لعاب بہنے کے ہیں۔ لیکن لَعِبَ (س) فُلَانٌ یَلْعَبُ لَعِبًا کے معنی بغیر صحیح مقصد کے کوئی کام کرنا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَمَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا لَھْوٌ وَّلَعِبٌ (۲۹-۶۴) اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے۔
وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَھُمْ لَعِبًا وَّلَھْوًا (۶-۷۰) اور جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے۔ ان سے کچھ کام نہ رکھو۔
اَوَاَمِنَ اَھْلُ الْقُرٰٓی اَنْ یَّاْتِیَھُمْ بَاْسُنَا ضُحًی وَّھُمْ یَلْعَبُوْنَ (۷-۹۸) کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آنازل ہو اور وہ کھیل رہے ہوں۔
قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ (۲۱-۵۵) وہ بولے کیا تم ہمارے پاس واقعی حق لائے ہو یا ہم سے کھیل کی باتیں کرتے ہو۔
وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا لٰعِبِیْنَ (۲۱-۱۶) اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو مخلوقات ان دونوں کے درمیان ہے اس کو لہو و لعب کرتے ہوئے پیدا نہیں کیا۔
اَللَّعْبَۃُ (صیغہ مَرَّۃ) ایک مرتبہ کھیلنا لِعْبَۃٌ (بکسر اللام) کھیلنے کی حالت رَجُلٌ تِلْعَابَۃٌ کے معنی ہیں ذُوتَلَعُّبٍ یعنی بہت بڑا کھلاڑی یا بے کار کام کرنے والا۔ لُعْبَۃٌ۔ گڑیا، شطرنج چوسر وغیرہ جن کے ساتھ کھیلا جاتا ہے) اَلْمَلْعَبُ (ظرف) کھیلنے کی جگہ یا میدان۔
لُعَابُ النَّحْلِ۔ شہد۔ لُعَابُ الشَّمْسِ وہ چیز جو دھوپ میں مکڑی کے جالے کی طرح دکھائی دیتی ہے۔
مُلَاعِبُ ظِلِّہٖ۔ ایک جانور (جس کی گردن چھوٹی اور بازو بڑے ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا پیٹ سفید ہوتا ہے) بیٹھے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے سائے سے کھیل رہا ہے۔

(لعل)[1]

لَعَلَّ (حرف) یہ طمع اور اشفاق (ڈرتے ہوئے چاہنے) کے معنی ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے:
بعض مفسرین کا قول ہے کہ جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ اپنے لئے استعمال کرے تو اس کے معنی ہیں قطعیت آجاتی ہے۔ .... اس بنا پر بہت سی آیات میں لفظ کی سے اس کی تفسیر

---

[1] والیضًا الآیات (۷-۱۰۴، ۱۸-۱۹)

کی گئی ہے کیونکہ ذات باری تعالیٰ کے حق میں توقع
اور اندیشے کے معنی لینا صحیح نہیں ہیں۔ اور گو لعل
کے معنی توقع اور امید کے ہوتے ہیں مگر کبھی اس کا
تعلق مخاطب سے ہوتا ہے اور کبھی متکلم سے اور
کبھی ان دونوں کے علاوہ کسی تیسرے شخص سے
ہوتا ہے۔ لہذا آیت کریمہ :۔
لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ (۲۶-۴۰) تاکہ ہم ان
جادوگروں کے پیرو ہو جائیں۔ میں توقع کا تعلق
قوم فرعون سے ہے۔ اور آیت کریمہ :۔
لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ (۲۰-۴۴) شاید
وہ غور کرے یا ڈر جائے۔ میں توقع کا تعلق موسیٰ
اور ہارون علیہما السلام کے ساتھ ہے۔ اور مطلب
یہ ہے کہ اس امید پر فرعون سے نرمی کے ساتھ
گفتگو کرنا کہ ممکن ہے وہ نصیحت حاصل
کرے یا ڈر جائے اور آیت کریمہ :۔
فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ
(۱۱-۱۲) شاید تم کچھ چیز وحی میں سے جو تمہارے
پاس آتی ہے چھوڑ دو۔ میں لَعَلَّ کے معنی یہ
ہیں کہ لوگ تمہارے متعلق ایسا گمان کرتے
ہیں۔ اسی طرح آیت کریمہ :۔
فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ (۱۸-۶) تو شاید تم
اپنے تئیں ہلاک کر دو گے۔
میں بھی لَعَلَّ کا تعلق لوگوں سے ہے یعنی
وہ یہ سمجھتے ہیں اور آیت کریمہ :۔
وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۶۲-۱۰)
کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کو یاد کرو مگر دل میں یہ امید
رکھ کر اللہ کا ذکر کرو کہ اس سے فلاح وکامرانی
حاصل ہوگی جیساکہ دوسری جگہ مومنین کے
متعلق فرمایا :۔
وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ
(۱۷-۵۷) کہ وہ اس کی رحمت کے امیدوار
رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں۔

(ل ع ن)

اَللَّعْنُ: کسی کو ناراضگی کی بنا پر اپنے سے
دور کر دینا اور دھتکار دینا۔ خدا کی طرف سے
کسی شخص پر لعنت سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ
دنیا میں تو اللہ کی رحمت اور توفیق سے اثر
پذیر ہونے سے محروم ہو جائے اور آخرت
میں عقوبت کا مستحق قرار پائے اور انسان کی
طرف سے کسی پر لعنت بھیجنے کے معنی بد
دعا کے ہوتے ہیں۔ قرآن میں ہے۔
أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ (۱۱-۱۸) سن رکھو
کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔
وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ
مِنَ الْكَاذِبِينَ (۲۴-۷) اور پانچویں دفعہ
یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت۔
لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ
(۵-۷۸) جو لوگ بنی اسرائیل میں سے کافر
ہوئے ان پر لعنت کی گئی۔
وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ (۲-۱۵۹) اور لعنت
کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں[1]۔
اَللُّعْنَةُ (بسکون العین) یہ اَلْتَعَنَ سے ہے
یعنی اپنے آپ پر لعنت کرنے والا۔ یا جس پر
بہت لعنتیں بھیجی جائیں۔ مگر اَللُّعَنَةُ (بفتح العین)
لَعَنَ (متعدی) سے ہے یعنی دوسروں پر بہت

[1] ایضاً راجع الآیات (۳۳-۶۱) (۱۵-۳۵) (۲-۸۸)

لعنت کرنے والا۔
اَلتَّلَاعُنُ وَالْمُلَاعَنَۃُ۔ لوگوں کا باہم اپنے آپ یا دوسروں پر لعنت بھیجنا۔

(ل غ ب)

اَللُّغُوْبُ کے معنی بہت زیادہ درماندہ ہونے اور تھک جانے کے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے:۔
اَتَانَا سَاغِبًا لَاغِبًا۔ وہ ہمارے پاس بھوکا اور تھکا ہارا ہوکر پہنچا۔ قرآن میں ہے[1]:۔
وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (۵۰-۳۸) اور ہم کو ذرا بھی تکان محسوس نہیں ہوئی۔
سَھْمٌ لَغِبٌ۔ وہ تیر جس کے پر کمزور ہوں۔
رَجُلٌ لَغِبٌ کاہل اور کمزور رائے آدمی۔
ایک اعرابی کا قول ہے:۔ فُلَانٌ لَغُوْبٌ اَحْمَقُ جَاءَتْہُ کِتَابِیْ فَاحْتَقَرَہٗ کہ فلاں شخص بڑا بے وقوف اور احمق ہے کہ اس نے میرے خط کو حقیر سمجھا یہاں لَغُوْبٌ کے معنی کمزور رائے آدمی کے ہیں۔ اس پر اعرابی سے کسی نے سوال کیا کہ کتاب تو مذکر ہے پھر جَاءَتْہُ کیوں کہا تو اس نے جواب دیا اَلَیْسَ الْکِتَابُ بِصَحِیْفَۃٍ کہ کیا کتاب بھی ایک صحیفہ نہیں ہے (اور صحیفہ مونث ہے)

(ل غ و)

اَللَّغْوُ (ن) کے معنی بے معنی بات کے ہے جو کسی گنتی شمار میں نہ ہو یعنی جو سوچ سمجھ کر نہ کی جائے۔ گویا وہ پرندوں کی آواز کی طرح منہ سے نکال دی جائے ابوعبیدہؓ کا قول ہے کہ اس میں ایک لغت لَغًا بھی ہے۔ جیسے عَیْبٌ وَعَابٌ شاعر نے کہا ہے[2] (الرجز)

(۳۹۴) عَنِ اللَّغَا وَرَفَثِ التَّکَلُّمِ

جو بیہودہ اور فحش گفتگو سے خاموش ہیں۔
اس کا فعل لَغِیْتُ تَلْغٰی یعنی سَمِعَ سے ہے۔ اور کبھی ہر قبیح بات کو لغو کہہ دیا جاتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔
لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْھَا لَغْوًا وَّلَا کِذّٰبًا (۷۸-۳۵) وہاں نہ بیہودہ بات سنیں گے نہ جھوٹ اور خرافات۔
وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (۲۳-۳) اور جو بیہودہ باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔
وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْہُ (۲۸-۵۵) اور جب بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔
لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْھَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِیْمًا (۵۶-۲۵) وہاں نہ بیہودہ بات سنیں گے اور نہ الزام تراشی۔
اور آیت کریمہ:۔
وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا (۲۵-۷۲) اور جب ان کو بیہودہ چیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو شریفانہ انداز سے گزرتے ہیں۔ کے معنی یہ ہیں کہ وہ فحش بات کبھی صراحت سے نہیں کہتے۔ بلکہ ہمیشہ کنایہ سے کام لیتے ہیں۔ اور بعض نے اس کے یہ معنی کئے ہیں کہ اگر کہیں اتفاق سے وہ ایسی مجلس میں چلے جاتے ہیں

---

[1] وایضًا لاحظ الآیۃ (۳۵-۳۵) [2] وفی اللسان قالہ رؤبۃ ونسبہ ابن بری للعجاج وقبلہ: ورب اسراب حجیج کظم؛ الشطر فی القرطبی ۱۲/۷۰۴ وفی مجاز القرآن (۱: ۷۰) وفی دیوانہ ۵۹ وابن دلاد ۱۱۲ والطبرسی (۲: ۲۳۳) والاقتضاب ۴۶۱ واللسان والتاج (دفث لغو) وشواہد الکشاف ۲۹۸ وابوعلی الفارسی فی الحجۃ (۲: ۲۶۲) وفی الانصاف ۱۲۲ وصدرہ: استغفر الرحمٰن ذا التعظیم ۱۲

جہاں بیہودہ باتیں ہو رہی ہوتی ہیں تو اس سے دامن بچا کر نکل جاتے ہیں۔

پس لغو ہر اس بات کو کہا جاتا ہے جو کسی شمار قطار میں نہ ہو۔ اور اسی سے لَغْوٌ فِی الْاَیْمَانِ ہے یعنی وہ قسم جو یونہی بلا ارادہ زبان سے نکل جائے[1] چنانچہ قرآن میں ہے:۔

لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْۤ اَیْمَانِکُمْ (۲-۲۲۵) خدا تمہاری لغو قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرے گا۔

اور شاعر نے کہا ہے[2] (البسیط)

(۳۹۵) وَلَسْتَ بِمَاخُوْذٍ بِلَغْوٍ تَقُوْلُہٗ
اِذَا لَمْ تَعَمَّدْ عَاقِدَاتِ الْعَزَائِمِ

لغو قسم کھانے پر تم سے مواخذہ نہیں ہوگا بشرطیکہ قصداً عزم قلب کے ساتھ قسم نہ کھائی جائے۔

اور آیت کریمہ:۔

لَا تَسْمَعُ فِیْهَا لَاغِیَةً (۸۸-۱۱) وہاں کسی طرح کی بکواس نہیں سنیں گے۔ میں لَاغِیَةً بمعنی لغو کے ہے اور یہ اسم فاعل (کلام کی صفت واقع ہوا ہے جیسا کہ کَاذِبَةٌ وغیرہ۔

اور خونبہا میں لَغْوٌ اونٹ کے ان بچوں کو کہا جاتا ہے جو گنتی میں شمار نہ کئے جائیں۔ چنانچہ شاعر نے کہا ہے[3] (الوافر)

(۳۹۶) کَمَا اَلْغَیْتَ فِی الدِّیَةِ الْحُوَارُ

جیسا کہ اونٹ کے چھوٹے بچے کو خونبہا میں ناقابل شمار سمجھا جاتا ہے۔

لَغِیَ بِکَذَا کے معنی چڑیا کے چہچہانے کی طرح کسی چیز کا بار بار تذکرہ کرنے کے ہوتے ہیں۔ اور اسی سے ہر گروہ کی زبان اور بولی جس کے ذریعے وہ بات کرتا ہے لُغَةٌ کہلاتی ہے۔

(ل ف ف)

لَفَفْتُ الشَّیْءَ لَفًّا کے معنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا دینے اور مدغم کر دینے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَجِئْنَا بِکُمْ لَفِیْفًا (۱۷-۱۰۴) اور ہم تم سب کو جمع کر کے لے آئیں گے۔ اور محاورہ ہے:۔

جَاءُوْا وَمَنْ لَفَّ لَفَّهُمْ یعنی وہ اور ان کے سب متعلقین آئے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَجَنّٰتٍ اَلْفَافًا (۷۸-۱۶) اور گھنے گھنے باغ میں اَلْفَاف سے ایک دوسرے سے متصل گھنے اور گنجان درختوں والے باغیچے مراد ہیں۔

اِلْتَفَّ ایک چیز کا دوسری سے لپٹ جانا قرآن میں ہے:۔

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ (۷۵-۲۹) اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی۔

اَلْاَلَفُّ۔ وہ آدمی جس کی رانیں موٹاپے کی وجہ

---

[1] کذا فسرہ ابن عباس وعکرمة والشعبی وروی مرفوعاً عن عائشة رضی اللہ عنہا قال ابو ہریرة والحسن ومجاہد وآخرون اللغو فی الیمین ان یحلف زاعماً انہ صادق ولا یکون کذالک وروی مرفوعاً عن ابن عباس انہ لایمین فی غضب (الطبری ج ۲ ص ۴۰۴ - ۴۱۴)

[2] قالہ الفرزدق روی ان الحسن سئل عن لغو الیمین فقال للفرزدق وعنی اجب عنک یا ابا سعید وانشد والبیت من شواہد الکشاف ۱۱۰ البحر (۲ : ۱۷۹) ومحاضرات المؤلف (۲ : ۱۸۴) [3] قالہ ذو الرمة یہجو ہشام بن قیس المرئی (احد بنی امرئ القیس بن زید مناة) وصدرہ: - ویہلک وسطہا المرئی لغوا ...... قال فی اللسان (لغو) وہذا البیت عمل لجریر وقد احسن بہا الفرزدق لما سمعہ والبیت فی الامالی (۲ : ۱۳۷)

سے باہم ملی ہوئی ہوں اور بہت زیادہ بھاری جسم اور سست آدمی کو بھی اَلَفّ کہا جاتا ہے۔
لَفَّ رَأْسَہٗ۔ اس نے اپنے سر کو (کپڑوں ...... میں) چھپالیا۔
اَللَّفِیْفُ۔ مختلف قبائل کے ایک جگہ جمع ہونے والے لوگ اور خلیل نے ہر اس کلمے کا نام لفیف رکھا ہے جس کے حروف اصلی میں سے دو حرف علت ہوں۔

(ل ف ت)

لَفَتَہٗ عَنْ کَذَا۔ کسی چیز سے پھیر دینا۔
قرآن میں ہے:۔
اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا (۱۰-۷۸) کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ جس راہ پر ہم اپنے باپ دادا کو پاتے رہے ہیں اس سے ہم کو پھیر دو۔
اور اسی سے اِلْتَفَتَ فُلَانٌ ہے جس کے معنی رخ موڑنے کے ہیں۔ اِمْرَأَۃٌ لَفُوْتٌ وہ عورت جو اپنے پہلے خاوند کے بچہ سے محبت کرے اور دوسرے خاوند کی طرف توجہ نہ دے۔
اَللَّفِیْتَۃُ۔ ایک قسم کا گاڑھا حریرہ۔

(ل ف ح)

لَفَحَتْہُ الشَّمْسُ وَالسَّمُوْمُ کے معنی ہیں سورج یا بادِ سموم نے اپنی لپٹ سے جھلسا دیا۔ قرآن میں ہے:۔
تَلْفَحُ وُجُوْھَھُمُ النَّارُ (۲۳-۱۰۴) آگ ان کے چہروں کو جھلس دے گی۔

اور اسی سے استعارہ کے طور پر لَفَحْتُہٗ بِالسَّیْفِ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی تلوار سے سر قلم کر دینا ہیں۔

(ل ف ظ)

اَللَّفْظُ بِالْکَلَامِ کے معنی کلام کرنا کے ہیں اور یہ لَفَظَ الشَّیْءَ مِنَ الْفَمِ یا لَفَظَ الرَّحٰی بِالدَّقِیْقِ کے محاورہ سے مستعار ہے۔ اسی سے مرغ کو لَافِظَۃٌ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مرغی کے لئے چوگا ڈالتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (۵۰-۱۸) کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔

(ل ف ی)

اَلْفَیْتُ کے معنی وَجَدْتُ یعنی کسی چیز کو پالینا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَیْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا (۲-۱۷۰) بلکہ ہم تو اسی چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔
وَاَلْفَیَا سَیِّدَھَا لَدَی الْبَابِ (۱۲-۲۵) اور دونوں نے دروازے کے پاس اس کے شوہر کو پایا۔

(ل ق ب)

اَللَّقَبُ۔ اس نام کو کہتے ہیں جو اصلی نام کے

---

[۱] وفی المثل اسمح من لافظۃ" الامالی ۱/۴۴۲ والسمط ۵۲۵ وتہذیب الالفاظ ۲۰۳ والعسکری ۴۴/۱ رعا الکن بلفظ اسخی وفی الثمار ۳۷ والمستقصی والبخلاء ۱۳۵ لاقطۃ بالقاف وقیل اللافظۃ العنز لانہا تلفظ ما فی فیہا من العلف وقت العلب والحیوان ۲۲/۱ و ۲۲/۱۰ ولا یصح الا الجملۃ علی المجازۃ البعیدۃ راجع الحیوان ۲/۹۴-۱۵۱)

علاوہ ہو .... لقب دینے میں معنی کی رعایت کی جاتی ہے بخلاف اعلام کے کہ ان میں معنوی رعایت نہیں ہوتی اس بنا پر شاعر نے کہا ہے (۱)
(۴۹) وَقَلَّمَا اَبْصَرَتْ عَيْنَاكَ ذَا لَقَبٍ
اِلَّا وَمَعْنَاهُ اِنْ فَتَّشْتَ فِيْ لَقَبِهٖ
تم نے کسی صاحب لقب کو نہیں دیکھا ہوگا۔ مگر ذرا تلاش کرنے پر اس کے اوصاف اس کے لقب میں مل سکتے ہیں۔
لقب دو قسم پر ہے۔ ایک لقب تشریفی جیسا کہ سلاطین کے القاب ہوتے ہیں اور دوسرا لقب تحقیر چنانچہ آیت کریمہ:۔
وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (۴۹-۱۱) اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔ میں اس دوسری قسم کے القاب سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان سے اہانت کا پہلو نکلتا ہے۔

(ل ق ح)

لَقِحَتِ النَّاقَةُ تَلْقَحُ۔ لَقْحًا وَلَقَاحًا کے معنی اونٹنی کے حاملہ ہونے کے ہیں۔ اسی طرح درخت کے پھلدار ہونے پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اور اَلْقَحَ الْفَحْلُ النَّاقَةَ وَالرِّيْحُ السَّحَابَ کے معنی سانڈھ کے اونٹنی کو یا ہوا کے بادل کو باردار کرنے کے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَاَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ (۱۵-۲۲) اور ہم ہی ہوائیں چلاتے ہیں (جو بادلوں کے پانی سے) بھری ہوئی ہوتی ہیں۔
اَلْقَحَ فُلَانٌ النَّخْلَ وَلَقَّحَهَا۔ کھجور کو پیوند کرنا۔ اِسْتَلْقَحَتِ النَّخْلَةُ کھجور پیوند کے لائق ہوگئی۔
اور حاملہ اونٹنی کے ساتھ تشبیہ دیکر حَرْبٌ لَاقِحٌ کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے جس کے معنی سخت لڑائی کے ہیں۔ جو اپنے ساتھ بہت مصائب لائے۔
لِقْحَةٌ۔ شیردار اونٹنی۔ ج لِقَاحٌ وَلُقَحٌ۔
اَلْمَلَاقِيْحُ حاملہ اونٹنیاں۔
نیز بچوں کو بھی ملاقیح کہا جاتا ہے۔ اور حدیث میں ہے (۲) (۱۱) نُهِيَ عَنْ بَيْعِ الْمَلَاقِيْحِ وَالْمَضَامِيْنِ۔ کہ آنحضرت نے ملاقیح و مضامین کی بیع سے منع فرمایا۔ تو ملاقیح کے معنی جنین کے ہیں اور مضامین نر کے مادہ منویہ کو کہتے ہیں۔ جو تا حال اس کی پشت میں محفوظ ہو۔
اَللَّقَاحُ۔ نر جانور کا مادہ منویہ۔ نیز لَقَاحٌ اس آزاد قبیلے کو بھی کہتے ہیں جو کسی بادشاہ کے زیر حکومت نہ ہو گویا وہ حاملہ ہے محمول نہیں ہے۔

(ل ق ف)

لَقِفْتُ الشَّيْءَ اَلْقَفُهٗ وَتَلَقَّفْتُهٗ کے معنی کسی چیز کو ہوشیاری اور حذاقت سے لینا کے ہیں اور یہ منہ یا ہاتھ دونوں سے لینے پر بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ (۷-۱۱۷) وہ فوراً جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپوں کو (ایک ایک کرکے) نگلنے لگا۔

(ل ق م)

لُقْمَانُ (۳۱-۱۲) مشہور حکیم کا نام ہے جو

---

(۱) والبیت فی محاضرات الادباء (۳/ ۲۷۴) بغیر عزو وھی فی روایۃ من رجل بدل: ذالقب ذی اسم اولقب بدل ان فتشت فی لقبہ۔ (۲) رواہ الطبرانی عن ابن عباس والحدیث فی الفائق ۲/ ۲۷۴ وغریب ابی عبید ۱/ ۲۰۷ وایضاً الفتح الکبیر للنبہانی ۳/ ۲۷۹

سکتا ہے کہ یہ بھی لَقِمْتُ الطَّعَامَ اَلْقِمُهٗ وَتَلَقَّمْتُهٗ سے مشتق ہو جس کے معنی کسی چیز کو ہڑپ کر جانا کے ہیں۔ رَجُلٌ تِلْقَامٌ۔ بڑے بڑے لقمے نگلنے والا۔ اَللَّقَمُ۔ نوالا اور راستہ کی ایک جانب کو لَقَمٌ کہا جاتا ہے۔

(ل ق ی)

لَقِیَهٗ (س) یَلْقَاهُ لِقَاءً کے معنی کسی کے سامنے آنے اور اسے پالینے کے ہیں اور ان دونوں معنی میں سے ہر ایک پر الگ الگ بھی بولا جاتا ہے اور کسی چیز کا حس اور بصیرت سے ادراک کر لینے کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ (۳-۱۴۳) اور تم موت (شہادت) آنے سے پہلے اس کی تمنا کیا کرتے تھے۔

لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا (۱۸-۶۲) اس سفر سے ہم کو بہت تکان ہو گئی ہے۔

اور ملاقات الٰہی سے مراد قیامت کا بپا ہونا اور اللہ تعالٰی کے پاس چلے جانا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ۔ (۲-۲۲۳) اور جان رکھو کہ ایک دن تمہیں اس کے روبرو حاضر ہونا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ (۲-۲۴۹) جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ ان کو خدا کے روبرو حاضر ہونا ہے وہ کہنے لگے۔ اور لِقَاءٌ (مصدر) مُلَاقَاةٌ کے ہم معنی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا (۲۵-۲۱) اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے۔

اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ (۸۴-۶) اپنے پروردگار کی طرف پہنچنے میں خوب کوشش کرتا ہے سو اس سے جا ملے گا۔ اور آیت کریمہ:۔

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا (۳۲-۱۴) کے معنی یہ ہیں کہ تم نے قیامت کے دن اور حشر ونشر کو بھلا رکھا تھا اور يَوْمَ التَّلَاقِ (۴۰-۱۵) سے قیامت کا دن مراد ہے اور قیامت کے دن کو يَوْمَ التَّلَاقِ اس لئے کہا گیا ہے کہ اس روز سب اگلے اور پچھلے یا اہل سماء اور اہل ارض ایک دوسرے کے سامنے آجائیں گے۔ اور نیز اس روز ہر شخص اپنے اعمال کے نتائج کو پالے گا۔ لَقِيَ فُلَانٌ خَيْرًا اَوْ شَرًّا فلاں نے خیر یا شر کو پالیا۔ شاعر نے کہا ہے[1]۔ (الطویل)

(۳۹۸) فَمَنْ يَّلْقَ خَيْرًا يَحْمَدِ النَّاسُ اَمْرَهٗ

جو شخص خیر کو پالیتا ہے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں۔ دوسرے شاعر نے کہا ہے۔

(۳۹۹) وَتَلْقَى السَّمَاحَةَ مِنْهُ وَالنَّدٰى خُلُقًا

سخاوت اور بخشش کرنا اس کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے۔

لَقِيْتُهٗ بِكَذَا۔ میں فلاں چیز کے ساتھ اس کے سامنے پہنچا۔ قرآن میں ہے:۔

وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا (۲۵-۷۵) اور وہاں ان کا استقبال دعا وسلام کے ساتھ کیا جائے گا۔

وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا (۷۶-۱۱) اور تازگی اور شادمانی سے ہمکنار فرمائے گا۔

تَلَقَّاهُ کے معنی کسی چیز کو پالینے یا اس کے سامنے آنے کے ہیں۔ جیسے فرمایا:۔

وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (۲۱-۱۰۳) اور فرشتے

---

[1] قالہ المرقش الاصغر وتمامہ: ومن یغو لا یعدم علی الغی لائما۔ وقد مر تخریجہ فی (رغ و ی)

ان کو لینے آئیں گے۔

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ (۲۷-۶) اور تم کو قرآن عطا کیا جاتا ہے۔

اَلْاِلْقَاءُ (انعال) کے معنی کسی چیز کو اس طرح ڈال دینا کے ہیں کہ وہ دوسرے کو سامنے نظر آئے پھر عرف میں مطلق کسی چیز کو پھینک دینے پر القاء کا لفظ بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ (۲۰-۸۷) اور اسی طرح سامری نے ڈال دیا۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا (۷-۱۱۵، ۱۱۶) تو جادوگروں نے کہا کہ موسیٰ یا تو تم جادو کی چیز ڈالو یا ہم ڈالتے ہیں۔ موسیٰ نے کہا تم ہی ڈالو۔

قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى فَاَلْقٰهَا (۲۰-۱۹) فرمایا کہ موسیٰ اسے ڈال دو تو انہوں نے اس کو ڈال دیا۔

فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ (۲۰-۳۹) تو دریا اس کو کنارے پر ڈال دے گا۔

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا (۶۷-۷) جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے۔

كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ (۶۷-۸) جب اس میں ..... کوئی جماعت ڈالی جائے گی۔ اور آیت:۔

وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ (۸۴-۴) اور جو کچھ اس میں ہے اسے نکال کر باہر ڈال دے گی۔ اور بالکل خالی ہو جائے گی۔ دوسری آیت۔

وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ (۸۲-۴) اور جب قبریں الٹ پلٹ کر دی جائیں گی۔ کے ہم معنی ہے۔

اَلْقَيْتُ اِلَيْكَ قَوْلًا وَسَلَامًا وَكَلَامًا وَمَوَدَّةً کے معنے ہیں۔ تجھ سے کوئی بات کی یا سلام و کلام کیا یا دوستی بڑھائی۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ (۶۰-۱) تم ان کو دوستی کے پیغام بھیجتے ہو۔ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ (۱۶-۸۶) تو وہ ان سے کہیں گے۔

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِنِ السَّلَمَ (۱۶-۸۷) اور اس دن خدا کے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے۔

اور آیت کریمہ:۔

اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا (۷۳-۵) ہم عنقریب تم پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے۔

میں وحی اور نبوت کے اس بوجھ کی طرف اشارہ ہے۔ جو آپ پر ڈالا گیا تھا۔ اور آیت کریمہ:۔

اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ (۵۰-۳۷) یا دل سے متوجہ ہو کر سنتا ہے۔

میں اِلْقَاءِ سَمْع سے کان لگا کر سننا مراد ہے۔

اور آیت کریمہ:۔

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا (۲۰-۷۰) تو جادوگر سجدے میں گر پڑے۔

میں فعل مجہول لا کر اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے غلبہ کو دیکھ کر وہ سجدہ ریز ہونے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اور انہیں اس کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہ آتا تھا۔

(لَمْ (حرف))

لَمْ کے بعد اگرچہ فعل مستقبل آتا ہے لیکن معنوی اعتبار سے وہ اسے ماضی منفی بنا دیتا ہے اور اس پر ہمزۂ استفہام تقریر کے لئے آتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا (۲۶-۱۸) کیا ہم نے لڑکپن میں تمہاری پرورش نہیں کی تھی۔

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی (۹۳-۶) بھلا اس نے تمہیں یتیم پا کر جگہ نہیں دی بے شک دی)

(لَمَّا حرف)

یہ دو طرح پر استعمال ہوتا ہے زمانہ ماضی میں کسی فعل کی نفی اور اس کے قریب الوقوع ہونے کے لئے جیسے فرمایا:۔
وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ (۳-۱۴۲) حالانکہ ابھی خدا نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو اچھی طرح معلوم کیا ہی نہیں۔
اور کبھی یہ اسم ظرف کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ قرآن میں بکثرت آیا ہے۔ جیسے فرمایا۔
فَلَمَّا اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ (۱۲-۹۶) جب خوشخبری دینے والا آپہنچا۔

(ل م م)

لَمَمْتُ الشَّیْءَ کے معنی کسی چیز کو جمع کرنے اور اس کی اصلاح کرنے کے ہیں۔ اسی سے لَمَمْتُ شَعْثَهٗ کا محاورہ ہے جس کے معنی کسی کی پراگندہ حالت کو سنوارنے کے ہیں۔
قرآن میں ہے:۔
وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا (۸۹-۱۹) اور میراث کے مال کو سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔
اَللَّمَمُ کے اصل معنی معصیت کے قریب جانے کے ہیں کبھی اس سے صغیرہ گناہ بھی مراد لے لئے جاتے ہیں محاورہ ہے:۔
فُلَانٌ یَفْعَلُ كَذَا لَمَمًا۔ وہ کبھی کبھار یہ کام کرتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ (۵۳-۳۲) جو صغیرہ گناہوں کے سوا بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں۔
میں لَمَمٌ کا لفظ اَلَمْتُ بِكَذَا سے مشتق ہے جس کے معنی کسی چیز کے قریب جانا کے ہیں یعنی ارادہ کرنا مگر مرتکب نہ ہونا۔ نیز محاورہ ہے
زِیَارَتُهُ اِلْمَامٌ یعنی اس کی زیارت مختصر ہوتی ہے۔

(ل م ح)

اَللَّمْحُ کے معنی بجلی کی چمک کے ہیں۔
محاورہ ہے:۔
رَاَیْتُ لَمْحَةَ الْبَرْقِ میں نے اسے بجلی کی چمک کی طرح ایک جھلک دیکھا۔ قرآن میں ہے:۔
كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (۵۴-۵۰) آنکھ کے جھپکنے کی طرح۔ اور محاورہ ہے:۔
لَاُرِیَنَّكَ لَمْحًا بَاصِرًا۔ میں تمہیں صاف طور پر دکھلا دوں گا۔ تم پر حقیقت کھول دونگا۔

(ل م ز)

لَمَزَهٗ (ض ن) لَمْزًا کے معنی کسی کی غیبت کرنا۔ اس پر عیب چینی کرنا کے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔
لَمَزَهٗ یَلْمِزُهٗ وَیَلْمُزُهٗ۔ یعنی یہ باب ضرب اور نصر دونوں سے آتا ہے۔ قرآن میں ہے۔
وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّلْمِزُكَ فِی الصَّدَقٰتِ (۹-۵۸) اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ تقسیم صدقات میں تم پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔
اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ . . . .

(۹-۹۷) جو رضا کارانہ خیرخیرات کرنے والوں پر طنز و ..... طعن کرتے ہیں۔
وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (۴۹-۱۲) اور اپنے (مومن بھائیوں) پر عیب نہ لگاؤ۔
یعنی دوسروں پر عیب نہ لگاؤ ورنہ وہ تم پر عیب لگائیں گے۔ اسی طرح گویا تم اپنے آپ پر عیب لگاتے رہو۔
رَجُلٌ لَمَّازٌ وَ لُمَزَةٌ۔ بہت زیادہ عیب جوئی اور طعن و طنز کرنے والا۔ قرآن میں ہے:۔
وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (۱۰۴-۱) ہر طعن آمیز اشارتیں کرنے والے چغلخور کی خرابی ہے۔

(ل م س)

اَللَّمْسُ (ن) مَسٌّ کی طرح اس کے معنی بھی اعضاء کی بالائی کھال کے ساتھ کسی چیز کو چھو کر اس کا ادراک کر لینا کے ہیں۔ پھر مطلق کسی چیز کی طلب کرنے کے معنی میں آتا ہے شاعر نے کہا ہے[1] (مجزوالوافر)
(۴۰۰) اَلْمِسُهٗ فَلَا اَجِدُهٗ
میں اسے تلاش کرتا ہوں مگر وہ ملتا نہیں۔
قرآن میں ہے:۔
وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ (۷۲-۸) اور یہ کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا۔
اور لَمْسٌ اور مُلَامَسَةٌ کے معنی کنایۃً جماع کے بھی آتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔
اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ (۵-۶) یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو۔
میں ایک قراءت لَمَسْتُمُ النِّسَآءَ بھی ہے اس لئے بعض نے اس سے مطلق ہاتھ لگانا اور بعض نے مجامعت کرنا مراد لیا ہے[2] اور حدیث میں ہے[3] (۱۱۲) انه نهى عن الملامسة کہ آنحضرتؐ نے بیع مُلَامَسَة سے منع فرمایا۔
اور بَيْعُ ملامسة کی صورت یہ ہے کہ بائع یا مشتری دوسرے سے کہے کہ جب ہم سے کوئی دوسرے کا کپڑا چھو لے گا تو بیع واجب ہو جائے گی۔
اَللُّمَاسَةُ: معمولی حاجت۔

(ل ھ ب)

اَللَّهَبُ۔ آگ کا شعلہ۔ قرآن میں ہے:۔
وَلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ (۷۷-۳۱) اور نہ لپٹ سے بچائیگا۔
سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ (۱۱۱-۳) وہ جلد بھڑکتی ہوئی آگ میں جلے گا۔

---

[1] قاله اعرابي في زنا ربن له في سنته وانها خامسة وصدره الام على تبكيه۔ والبيت في الحماسة مع المرزوقي ۳۰۲ وا اللسان (لمس) والبيت من شواهد الكشاف ۱۳۷ وبعده:۔ وكيف يلام محزون۔ كبير فاته ولده [2] ذهب الى الاول عمر بن الخطاب وابن مسعود والشعبي وعطاء واختاره الشافعي والى الثاني على وابن عباس ومجاهد والسدى وقتادة واختاره ابوحنيفة وابوعلى الجبائي من المعتزلة وفي الطبرسي (۵ر۱۱۲) قصة العرب والموالي واختلافهم في معنى الآية فقال ابن عباس غلبت الموالي المراد به الجماع ورجحه الطبرسي من الامامية ÷
[3] متفق عليه من حديث ابى سعيد وعن انس في البخاري وعن ابى هريرة في النسائي ومسلم وله ثلاث صور وما ذكره المؤلف منقول عن الزهري وابى هريرة قال في الفتح وتفسير ابى هريرة اقعد انظر النيل (۹-۱۵۹-۱۶۰) ÷

÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷

اَللَّهِيْبُ شعلہ۔ اور لَهِبٌ کا لفظ دھوئیں اور غبار پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (۱۱۱-۱) ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو۔
میں بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں ابولہب کے لفظ سے اس کی کنیت ..... مراد نہیں ہے۔ جس کے ساتھ وہ مشہور تھا۔ بلکہ اس سے اس کے دوزخی ہونے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے لہذا یہاں اس نام سے اسے موسوم کرنا ایسے ہی ہے۔ جیسا کہ لڑائی بھڑکانے والے اور ہمیشہ لڑنے والے کو اَبُوالْحَرْبِ یا اَخُوالْحَرْبِ کہا جاتا ہے۔ فَرَسٌ مُلْهِبٌ برق رفتار گھوڑا گویا وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ اسی سے اَلْهُوْبُ ہے جس کے معنی سخت دوڑ کے ہیں۔
اَللُّهَابُ: پیاس کی شدت، اندرونی سوزش جو پیاس کی وجہ سے محسوس ہوتی ہے۔

(ل ھ ث)

لَهِثَ (س) يَلْهَثُ لَهَثًا۔ سخت پیاس کی وجہ سے زبان باہر نکالنا۔
ابن درید[1] کہتے ہیں کہ لَهَثٌ کا لفظ درماندگی اور پیاس دونوں کے مجموعہ پر بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ (۷-۱۷۶) اس کی مثال کتے کی سی ہوگی کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے اور یوں ہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔

(ل ھ م)

اَلْاِلْهَامُ (افعال) کے معنی کسی کے دل میں کوئی بات القا کر دینا کے ہیں۔ لیکن یہ لفظ ایسی بات کے القاء کے ساتھ مخصوص ہو چکا ہے جو اللہ تعالیٰ یا ملاء اعلیٰ کی جانب سے کسی کے دل میں ڈالی جاتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔
فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (۹۱-۸) پھر اس کو بدکاری (سے بچنے) اور پرہیزگاری (کرنے) کی سمجھ دی۔
اور اس کو لَمَّةُ الْمَلَكِ یا نَفْثٌ فِی الرَّوْعِ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت[2] نے فرمایا (۱۱۳)
اِنَّ لِلْمَلَكِ لَمَّةً وَّلِلشَّيْطَانِ لَمَّةً کہ ایک لَمَّہ فرشتے کا ہے اور ایک لَمَّہ شیطان کا ہے۔
اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا[3] (۱۱۴)
اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ کہ روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی۔
اصل میں یہ اِلْتِهَامُ الشَّیْءِ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی کسی چیز کو نگل جانا کے ہیں چنانچہ محاورہ ہے:۔
اِلْتَهَمَ الْفَصِيْلُ مَا فِی الضَّرْعِ۔ کہ اونٹنی کے بچے نے تھنوں سے تمام دودھ چوس لیا۔ فَرَسٌ لَهِمٌ تیز رو گھوڑا گویا وہ اپنی تیز روی سے زمین کو نگل رہا ہے۔

---

[1] ہو ابوبکر محمد بن الحسن بن درید العمانی صاحب الجمہرۃ فی اللغۃ ولد ۲۲۳ھ وتوفی ۳۲۱ انظر لتراجمہ الفہرست ابن ندیم ۹۷-۸-۹ وبغیۃ الوعاۃ للسیوطی ۳۰-۳۳ وامالی القالی ۲/۲۷۹ وکشف الظنون ۲/۱۹۸۰ ولکتابہ الجمہرۃ عدۃ نسخ والمجۃ ہی نسخۃ عبیداللہ بن عبداللہ ۱۷ [2] رواہ ابن حبان رقم ۴۰ من حدیث عبداللہ ۱۲ [3] رواہ البیہقی وفی شرح السنۃ راجع لتخریجہ (ر و ع)

(ل ھ و)

اَللَّھْوُ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو اہم کاموں سے ہٹائے اور باز رکھے یہ لَھَوْتُ بِکَذَا اَوْ لَھِیْتُ عَنْ کَذَا سے اسم ہے جس کے معنی کسی مقصد سے ہٹ کر بے سود کام میں لگ جانا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

اِنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ (۴۷-۳۶) جان رکھو کہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے۔

پھر ہر وہ چیز جس سے کچھ لذت اور فائدہ حاصل ہو اسے بھی لَھْوٌ کہہ دیا جاتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔ لَوْ اَرَدْنَا اَنْ نَّتَّخِذَ لَھْوًا لَّاتَّخَذْنٰہُ مِنْ لَّدُنَّآ (۲۱-۱۷) اگر ہم چاہتے کہ کھیل بنائیں تو ہم اپنے پاس سے بنا لیتے۔

اور جن مفسرین نے یہاں لَھْوٌ سے مراد عورت یا اولاد لی ہے انہوں نے دنیاوی آرائش کی بعض چیزوں کی تخصیص کی ہے جو لہو و لعب بنالی گئیں ہیں[1] محاورہ ہے:۔

اَلْھَاہُ کَذَا۔ یعنی اسے فلاں چیز نے اہم کام سے مشغول کر دیا۔ قرآن میں ہے:۔

اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ (۱۰۲-۱) لوگو تم کو کثرت مال و جاہ و اولاد کی خواہش نے غافل کر دیا۔

رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ (۲۴-۳۷) یعنی ایسے لوگ جن کو خدا کے ذکر سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت۔

اس آیت سے تجارت کی ممانعت یا کراہت بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ اس میں پروانہ وار مشغول ہو کر نماز اور دیگر عبادات سے غافل ہونے کی مذمت کی طرف اشارہ ہے نفس تجارت کو قرآن نے فائدہ من اور فضل الہی سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

لِیَشْھَدُوْا مَنَافِعَ لَھُمْ (۲۲-۲۸) تاکہ اپنے فائدے کے کاموں کے لئے حاضر ہوں۔

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ (۲-۱۹۸) اس کا تمہیں کچھ گناہ نہیں کہ (حج کے دنوں میں بذریعہ تجارت) اپنے پروردگار سے روزی طلب کرو۔

اور آیت کریمہ:۔

لَاھِیَۃً قُلُوْبُھُمْ (۲۱-۳) ان کے دل غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

کے معنی یہ ہیں کہ ان کے دل غافل ہو کر بیکار کاموں میں مشغول ہیں۔

اَللُّھْوَۃُ۔ آٹا پیستے وقت چکی میں ایک مرتبہ جتنی مقدار میں غلہ ڈالا جائے۔ اسے لُھْوَۃٌ کہا جاتا ہے اس کی جمع لُھَاءٌ آتی ہے پھر تشبیہ کے طور پر عطیہ کو بھی لُھْوَۃٌ کہدیتے ہیں۔

اَللَّھَاۃُ (حلق کا کوا) وہ گوشت جو حلق میں لٹکا ہوا نظر آتا ہے۔ بعض نے اس کے معنی منہ کا آخری سرا بھی کئے ہیں۔

(ل و ح)

اَللَّوْحُ۔ تختہ (کشتی وغیرہ کا) اس کی جمع

---

[1] قال قتادۃ والحسن: اللھو المرأۃ وقال ابن عباس ھو الولد راجع الطبری والدر و فی الروح لکن حملہ علی العموم اولیٰ ۱۷/۱۹ قارن المشکل للقتیبی ۱۲۳-۱۲۴

اَلْوَاحٌ ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَحَمَلْنٰهُ عَلٰی ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ (۵۴-۱۳)
اور ہم نے نوح کو ایک کشتی پر جو تختوں اور میخوں سے تیار کی گئی تھی سوار کر لیا۔
اور لوح لکڑی وغیرہ کی اس تختی کو بھی کہتے ہیں جس پر کچھ لکھا جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (۸۵-۲۲) لوح محفوظ میں۔
میں لوح محفوظ کی اصل کیفیت کو ہم اسی قدر جان سکتے ہیں جو احادیث میں مروی ہے اسی کو دوسری آیت میں کتاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
اِنَّ ذٰلِكَ فِیْ كِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (۲۲-۷۰) بے شک یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے بے شک یہ سب خدا کو آسان ہے۔
اَللَّوْحُ کے معنی پیاس کے ہیں۔ اور جس چوپایہ کو جلدی پیاس لگتی ہو اسے دَابَّةٌ مِلْوَاحٌ کہا جاتا ہے۔ اور لُوحٌ (ضمہ لام کے ساتھ) آسمان اور زمین کے درمیانی خلا کو بھی کہتے ہیں لیکن اکثر علمائے لغت کے نزدیک فتحہ لام کے ساتھ بمعنی پیاس کے ہے اور ضمہ لام کے ساتھ زمین و آسمان کے درمیانی خلا کے معنی میں آتا ہے گو اس میں فتحہ لام بھی جائز ہے۔
لَوَّحَهُ الْحَرُّ اسے گرمی نے جھلس دیا۔
لَاحَ الْحَرُّ لَوْحًا گرمی فضا میں پھیل گئی۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ لَمَحَ کی طرح ہے اور لَاحَ بِسَيْفِهٖ کے معنی ہیں اس نے تلوار سے اشارہ کیا۔

(ل و ذ)

لَاوَذَ (مفاعلہ) يُلَاوِذُ لِوَاذًا وَّمُلَاوَذَةً کے معنی کسی چیز کی آڑ لینا اور اس کے پیچھے چھپ جانا ہیں۔ پس آیت کریمہ:۔
قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا (۲۴-۶۳) کے معنی یہ ہیں کہ خدا کو وہ لوگ خوب معلوم ہیں جو تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ اور پناہ لے کر یکے بعد دیگرے کھسک کر نکل جاتے ہیں اور یہاں لِوَاذًا لَاوَذَ (مفاعلہ) کا مصدر ہے کیونکہ اگر یہ لَاذَ (ن) کا مصدر ہوتا تو لِيَاذًا (بالیاء) آنا چاہیئے تھا۔ اس لئے کہ لَاذَ لِيَاذًا کہا جاتا ہے۔
اَللَّوْذُ۔ پہاڑ کا کنارہ۔

(ل و ط)

لُوْطٌ (حضرت لوط علیہ السلام) یہ اسم علم ہے اور لَاطَ الشَّيْءُ بِقَلْبِيْ يَلُوْطُ لَوْطًا وَّلِيْطًا سے مشتق ہے جس کے معنی کسی چیز کی محبت دل میں جاگزیں اور پیوست ہو جانے کے ہیں۔ حدیث میں ہے[1] (۱۱۵)
اَلْوَلَدُ اَلْوَطُ بِالْكَبِدِ۔ کہ اولاد سے جگری محبت ہوتی ہے۔
هٰذَا اَمْرٌ لَا يَلْتَاطُ بِصَفَرِيْ۔ یہ بات میرے دل کو نہیں بھاتی۔
لُطْتُ الْحَوْضَ بِالطِّيْنِ لَوْطًا۔ میں نے حوض پر کہگل کی گارے سے پلستر کیا.....

---

[1] حدیث ابی بکر فی الجامع الکبیر مسند ابی بکر رقم ۴۳۴ والفائق ۲ / ۷۹ ۴ وغریب ابی عبید ۳ / ۲۲ ۲ ❖ والحدیث ذکرہ الماوردی فی ادب ص ۲۶۲ ❖

حضرت لوط علیہ السلام کے نام سے اشتقاق کر کے تَلَوَّطَ فُلَانٌ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی خلاف فطرت فعل کرنا ہیں حالانکہ حضرت لوط علیہ السلام تو اس فعل سے منع کرتے تھے اور اسے قوم لوط سے مشتق نہیں کیا گیا جو اس کا ارتکاب کرتے تھے۔

(ل و م)

لُمْتُهٗ (ن) لَوْمًا کے معنی کسی کو برے فعل کے ارتکاب پر برا بھلا کہنے اور ملامت کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (۱۴-۲۲) تو آج مجھے ملامت نہ کرو اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔

فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ (۱۲-۳۲) یہ وہی ہے جس کے بارے میں تم مجھے طعنے دیتی تھیں۔

وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (۵-۵۴) اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں۔

اور مَلُوْمٌ (ملامت کیا ہوا) صفت مفعولی ہے اور آیت کریمہ:۔

فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ (۲۳-۶) ان سے مباشرت کرنے میں انہیں ملامت نہیں ہے میں تنبیہ کی ہے کہ جب ان پر ملامت ہی نہیں ہے۔ تو اس سے زیادہ سرزنش کے وہ بالاولے مستحق نہیں ہیں۔

اَلْاِلَامَۃُ۔ مستحق ملامت ہونا۔ قرآن میں ہے:۔

فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ وَهُوَ مُلِیْمٌ (۵۱-۴۰) تو ان کو دریا میں پھینک دیا اور وہ کام ہی قابل ملامت کرتا تھا۔

اَلتَّلَاوُمُ۔ ایک دوسرے کو ملامت کرنا۔ قرآن میں ہے:۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَلَاوَمُوْنَ (۶۸-۳۰) پھر لگے ایک دوسرے کو رو در رو ملامت کرنے۔

اور آیت کریمہ:۔

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (۷۵-۲) اور نفس لوامہ کی قسم۔ کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے۔ کہ نفس لوامہ سے مراد نفس ہے جس نے کچھ فضائل حاصل کر لیے ہوں اور کسی غلطی کے ارتکاب پر صاحب نفس کو ملامت کرے۔ اس لحاظ سے لوامہ کا درجہ مطمئنہ سے کم ہوگا۔ بعض نے کہا ہے کہ نفس لوّامہ اس نفس کو کہتے ہیں جو بذات خود مطمئن ہو علاوہ ازیں اس میں دوسروں کو تادیب کرنے کی صلاحیت بھی پیدا ہو چکی ہو اس لحاظ سے یہ نفس مطمئنہ سے افضل ہوگا۔

رَجُلٌ لُوَمَةٌ۔ وہ شخص جو دوسروں کو ملامت کرے مگر لُوْمَةٌ (بسکون واؤ) وہ ہے جسے لوگ ملامت کرتے ہوں۔ جیسا کہ سُخَرَةٌ وَسُخْرَةٌ اور هُزَءَةٌ وَهُزْءَةٌ میں فرق پایا جاتا ہے۔

اَللَّوْمَۃُ کے معنی ملامت کے ہیں۔ اور لَائِمَةٌ اس فعل کو کہتے ہیں جس کا ارتکاب کرنے پر انسان قابل ملامت سمجھا جائے۔

(ل و ن)

اَللَّوْنُ۔ کے معنی رنگ کے ہیں اور یہ سیاہ سفید اور ان دونوں سے مرکب یعنی ہر قسم کے

له ولا یخفیٰ ان الکلمۃ قبیحۃ لان فیہ نسبۃ السوء الی الانبیاء ما ورد فی الحدیث عمل قوم لوط فلیستعمل ہذہ ۔ ✣ ✣ ✣ ✣

رنگ پر بولا جاتا ہے۔

تَلَوَّنَ کے معنی رنگ بدلنے کے ہیں قرآن میں ہے:۔
وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا (۳۵-۲۷) اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ رنگوں کی دھاریاں ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ (۳۰-۲۲) اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا۔ میں اختلاف الوان سے انواع واقسام کے رنگوں اور شکلوں کے مختلف ہونے کی طرف اشارہ ہے اور باوجود اس قدر تعداد کے ہر انسان اپنی ہیئت کذائی اور رنگت میں دوسرے سے ممتاز نظر آتا ہے۔ اس سے خدا کی وسیع قدرت پر تنبیہ کی گئی ہے۔ اور کبھی الوان سے کسی چیز کے انواع واقسام مراد ہوتے ہیں چنانچہ محاورہ ہے:۔ فُلَانٌ أَتَى بِالْأَلْوَانِ مِنَ الْأَحَادِيثِ اس نے رنگا رنگ کی باتیں کیں اور أَلْوَانٌ مِنَ الطَّعَامِ سے مراد ہیں قسم قسم کے کھانے۔

(ل و ی)

لَوَى (ض) الْحَبْلَ يَلْوِيهِ لَيًّا کے معنی رسی بٹنے کے ہیں۔ لَوَى يَدَهُ۔ اس کے ہاتھ کو موڑا۔ لَوَى رَأْسَهُ وَبِرَأْسِهِ اس نے اپنا سر پھیر لیا یعنی اعراض کیا۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ (۶۳-۵) تو سر پھیر لیتے ہیں۔
لَوَى بِلِسَانِهِ بِكَذَا کنایہ ہوتا ہے جھوٹ بولنے اور اٹکل پچو کی باتیں بنانے سے۔ قرآن میں ہے:۔ يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ (۳-۷۸) کتاب (تورات) کو زبان موڑ موڑ کر پڑھتے ہیں۔ لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ (۴-۴۶) زبان کو موڑ کر۔ محاورہ ہے:۔ فُلَانٌ لَا يَلْوِي عَلَى أَحَدٍ۔ وہ کسی کی طرف گردن موڑ کر بھی نہیں دیکھتا۔ یہ سخت ہزیمت کھا کر بھاگ اٹھنے کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔
إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَى أَحَدٍ (۳-۱۵۳) جب تم لوگ دور بھاگے جاتے تھے۔ اور کسی کو پیچھے پھر کر نہیں دیکھتے تھے۔ چنانچہ شاعر نے اس معنی کو یوں ادا کیا ہے[2] (الکامل)

(۴۰۱) تَرَكَ الْأَحِبَّةَ أَنْ تُقَاتِلَ دُونَهُ
وَنَجَا بِرَأْسِ طِمِرَّةٍ وَلِجَامِ

اور اس نے دوستوں کے واسطے لڑنا چھوڑ دیا اور چھلانگیں بھر کر دوڑنے والی گھوڑی پر سوار ہو کر بھاگ گیا۔

اَللِّوَاءُ۔ جھنڈے کو کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہوا سے لہراتا رہتا ہے۔ اَللَّوِيَّةُ وہ کھانا جو لپیٹ کر توشہ کے طور پر رکھ دیا جائے۔
لَوَى مَدِينَهُ۔ اپنے مقروض کو ڈھیل دینا۔

---

[1] ومنہ قولہ تعالیٰ: وان تلوٗا او تعرضوا (۴-۱۳۵) [2] قال حسان بن ثابت یعیربہ الحارث بن ہشام حیث فر یوم بدر عن اخیہ ابی جہل وقبلہ: ان کنت کاذبۃ الذی حدثتنی فنجوت منجی الحارث بن ہشام والبیت من کلمۃ فی دیوانہ ۹۵ و ۲۱۵ (طبعۃ دار صادر) والسیوطی (۱۳۸۲/۱۳) و السہیلی (۲: ۱۱۰) والمحاضرات للمؤلف (۱۸۶/۳) واعجاز القرآن للباقلانی ۱۰۴ ولدا المعارف ۱۹۶) والبحرہ: ۱۵۸/۱۳/۲۹۱۱) والعقد (۱: ۱۷۰) والعیون (۱: ۱۶۹) والصناعتین ۳۹۸ فی بحث الاستطراد مع اعتذار الحارث وقال فیہ: وہذا اول من اعتذر من ہزیمۃ رویت عن العرب وفی البیت الیمانی المجرلابن جبیب ۵۰۲ والجزفی النافض ۵۲ والاصابۃ رقم ۱۵۰۴ فی ترجمۃ الحارث بن ہشام واسد الغابۃ (۱: ۳۵۱) وفی روایتہم ولجام وفی المطبوع وثاب والطمر الفرس الجواد وبستعار للاتان ویروی البیت ایضا لحماس بن قیس بن خالد البکری ۱۲ ش۔

اَلنوی۔ ٹیلے کے لوی یعنی موڑ پر پہنچنا۔

(لو)

لَوْ (حرف) بعض نے کہا ہے کہ یہ اِمْتِنَاعُ الشَّیْئِ لِاِمْتِنَاعِ غَیْرِہٖ کے لئے آتا ہے یعنی ایک چیز کا دوسری کے امتناع کے سبب ناممکن ہونا) اور معنی شرط کو متضمن ہوتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔
قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِکُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَۃِ رَبِّیْٓ (۱۷-۱۰۰) کہہ دو کہ اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمہارے ہاتھ میں ہوتے۔

(لولا)

لَوْلَا (حرف) اس کا استعمال دو طرح پر ہوتا ہے ایک شے کے پائے جانے سے دوسری شے کا ممتنع ہونا۔ اس کی خبر ہمیشہ محذوف رہتی ہے۔ اور لَوْلَا کا جواب قائم مقام خبر کے ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
لَوْلَآ اَنْتُمْ لَکُنَّا مُؤْمِنِیْنَ (۳۴-۳۱) اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہو جاتے۔
دوم بمعنی ھَلَّا کے آتا ہے۔ اور اس کے بعد متصلاً فعل کا آنا ضروری ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا۔ تو نے ہماری طرف کوئی پیغمبر کیوں نہیں بھیجا۔ وغیر ذالک من الامثلۃ۔

(ل ی ت)

لَاتَہٗ (ض) عن کذا لَیْتًا۔ کے معنی اسے کسی چیز سے پھیر دینا اور ہٹا دینا ہیں۔ نیز لَاتَہٗ وَاَلَاتَہٗ کسی کا حق کم کرنا پورا نہ دینا۔ قرآن میں ہے:۔
لَا یَلِتْکُمْ مِّنْ اَعْمَالِکُمْ شَیْئًا (۴۹-۱۴) تو خدا تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا۔
اور اس کے اصل معنی رَدُّ اللِّیْتِ۔ یعنی گردن کے پہلو کو پھیرنے کے ہیں۔
لَیْتَ۔ یہ حرف طمع و تمنی ہے یعنی گذشتہ کوتاہی پر اظہار تاسف کے لئے آتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا (۲۵-۲۸) کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔
وَیَقُوْلُ الْکٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا (۷۸-۴۰) اور کافر کہے گا اے کاش میں مٹی ہوتا۔
یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا (۲۵-۲۷) کہے گا اے کاش میں نے پیغمبر کے ساتھ رستہ اختیار کیا ہوتا۔
شاعر نے کہا ہے[1] (الرجز)

(۴۰۲) وَلَیْلَۃٍ ذَاتِ دُجًی سَرَیْتُ
وَلَمْ یَلِتْنِیْ عَنْ ھَوَاھَا لَیْتُ

بہت سی تاریک راتوں میں میں نے سفر کئے۔ لیکن مجھے کوئی پر خطر مرحلہ بھی محبوب کی محبت سے دل برداشتہ نہ کر سکا کہ میں کہتا کاش میں نے محبت نہ کی ہوتی)۔
یہاں لَیْتُ اسم معرب اور لَمْ یَلِتْ کا فاعل ہے۔ اور یہ قولی لَیْتَہٗ کَانَ کَذَا کی تاویل میں ہے

---

[1] قالہ الراجز ابو محمد الجری الفقعسی وفی لسان العرب دجی بدل دجیٰ فلفظۃ "لیت" ھٰھنا اسم ای لم یلیتنی عن سراہا ان اندم فاقول لیتنی ما سریتہا فہو قبل لیت مصدر موضع اسم بمعنی صارف والشطران فی اللسان (لیت، سری) والقالی (۲: ۴۲) فی تسعۃ ابیات والطبری (۱۵: ۲۶ : ۳۴) ونسبہا الطبری وابو حیان فی البحر (۸: ۴۰) ویعقوب فی اصلاحہ ۱۳۶ وابن خالویہ فی اعرابہ ۷۴ الی رؤبہ من العجاج ونسبہ صاحب الحاشیۃ الی الوہم وہو الحق کما فی اللالی والرجز الضافی شرح دیوان الحطیئۃ للسکری ۳۶ ؏

جیساکہ دوسرے شاعر نے کہا ہے[1] (الخفیف)

(۴۰۳) اِنَّ لَیْتًا وَاِنَّ لَوًّا عَنَاءٌ -

کہ لیت یا لو کہنا سراسر باعث تکلف ہے۔
بعض نے کہا ہے کہ پہلے شعر میں لَیْتٌ مصدر بمعنی لائتٌ یعنی اسم فاعل ہے اور معنی یہ ہیں کہ مجھے اس کی محبت سے کوئی چیز نہ پھیر سکی۔

(ل ی ل)

لَیْلٌ وَّلَیْلَةٌ کے معنی رات کے ہیں۔ اس کی جمع لَیَالٍ وَلَیَائِلُ وَلَیْلَاتٌ آتی ہے اور نہایت تاریک رات کو لَیْلٌ اَلْیَلُ وَلَیْلَةٌ لَیْلَاءُ کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ لَیْلَةٌ اصل میں لَیْلَاةٌ ہے کیونکہ اس کی تصغیر لُیَیْلَةٌ اور جمع لَیَالٍ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (۹۷-۱) ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل (کرنا شروع) کیا۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ (۱۴-۳۳) اور رات اور دن کو تمہاری خاطر کام میں لگا دیا۔

وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی (۹۲-۱) رات کی قسم جب دن پر چھا جائے۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً (۷-۱۴۲) اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کی میعاد مقرر کی۔

وَلَیَالٍ عَشْرٍ (۸۹-۲) اور دس راتوں کی۔

ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا (۱۹-۹) برابر تین راتیں (دن)۔

(ل ی ن)

اللِّیْنُ کے معنی نرمی کے ہیں اور یہ خشونت کی ضد ہے اصل میں تو یہ اجسام کے لئے استعمال ہوتے ہیں مگر استعارہ اخلاق وغیرہ یعنی معانی کے لئے بھی آجاتے ہیں چنانچہ فُلَانٌ لَیِّنٌ یا خَشِنٌ کے معنی ہیں فلاں نرم یا درشت مزاج ہے۔ اور یہ دونوں لفظ حسب موقع ومحل کبھی مدح کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ اور کبھی مذمت کے لئے آتے ہیں۔ قرآن میں ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ (۳-۱۵۹) (اے محمد) خدا کی مہربانی سے تمہاری افتاد مزاج ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئی ہے۔

اور آیت کریمہ:۔

ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ (۳۹-۲۳) پھر ان کی کھالیں

---

[1] قالہ ابوزبید الطائی یصف حال الحیوان عند اشتداد الهجر واولہ لیت شعری: واین منی لیت ... والبیت فی اللسان (ا ما لا) والبحر (۱: ۳۶۲) والکتاب (۱/ ۱۲۳) والخفاجی ۹۴ والفتح لابن جرد ۱۱ = ۳۵۳ (باب ما یجوز من اللو والشطر فی الصناعتین ۷، ومحاضرات المؤلف ۲/ ۴۵۵ وفی الوسیط بعدہ ثلاثۃ اخری وصدر البیت فی البلدان (رسم برلم) من قصیدۃ قالہا ابوقطیفہ عمرو بن الولید بن عقبۃ بن ابی معیط فی حنین الی المدینۃ حین نفاہ عبداللہ بن الزبیر فلحق بالشام لکن فیہ عجزہ الی العہد یلین خیرام فی عشرۃ ابہات ویلین غدیر لمدینۃ ۱۲

اوران کے دل نرم ہوکر خدا کی یاد کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔ یہ اس معنی کی طرف اشارہ ہے کہ کہ ابار اور انکار کے بعد وہ حق کے سامنے سرنگوں ہوجاتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔
مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ (۵۹-۵)

مومنو! کھجور کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے۔ میں لِيْنَة کے معنی نرم و نازک کھجور کا درخت ہیں . . . اور یہ فِعْلَة کے وزن پر ہے جیسے حِنْطَةٌ۔ تاہم یہ مختلف انواع میں سے ایک نوع کے لئے مخصوص نہیں ہے۔

کِتَابُ المِیمِ

ما

یہ عربی زبان میں دو قسم پر ہے۔ اسمی اور حرفی۔ پھر ہر ایک پانچ قسم پر ہے لہٰذا کل دس قسمیں ہیں (۱) ما اسمی ہو تو واحد جمع اور تذکیر و تانیث سب کے لئے یکساں استعمال ہوتا ہے پھر لفظاً مفرد ہونے کے لحاظ سے اس کی طرف ضمیر مفرد بھی لوٹ سکتی ہے۔ اور معنیً جمع ہونے کی صورت میں ضمیر جمع کا لانا بھی صحیح ہوتا ہے۔ یہ ما کبھی بمعنی اَلَّذِیْ ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا۔

وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّھُمْ (۱۰-۱۸) اور یہ (لوگ) خدا کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کا کچھ بگاڑ سکتی ہیں۔ تو یہاں مَا کی طرف یَضُرُّھُمْ میں مفرد کی ضمیر لوٹ رہی ہے۔ اس کے بعد معنی جمع کی مناسبت سے ھٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ آ گیا ہے اسی طرح آیت کریمہ:۔

وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِکُ لَھُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۱۶-۷۳) اور خدا کے سوا ایسوں کو پوجتے ہیں جو ان کو آسمانوں اور زمین میں روزی دینے کا ذرہ بھی اختیار نہیں رکھتے میں بھی جمع کے معنی ملحوظ ہیں اور آیت کریمہ:۔

بِئْسَمَا یَاْمُرُکُمْ بِہٖ اِیْمَانُکُمْ (۲-۹۳) کہ تمہارا ایمان تم کو بری بات بتاتا ہے۔ میں بھی جمع کے معنی مراد ہیں۔ اور کبھی نکرہ ہوتا ہے جیسے فرمایا:۔

نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ (۴-۵۸) بہت خوب نصیحت کرتا ہے۔

تو یہاں نِعِمَّا بمعنی نِعْمَ شَیْئًا ہے۔ نیز فرمایا:۔ فَنِعِمَّا ھِیَ (۲-۲۷۱) تو وہ بھی خوب ہے۔ اور آیت کریمہ: مَا بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَھَا (۲-۲۶) کہ مچھر یا اس سے بڑھ کر کسی چیز کی۔ میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مَا نکرہ بمعنی شَیْئًا ہو اور یہ بھی کہ مَا صلہ ہو اور اس کا مابعد یعنی بَعُوْضَۃً مفعول ہو اور نظم کلام دراصل یوں ہو۔ اَنْ یَضْرِبَ مَثَلًا بَعُوْضَۃً۔

اور کبھی اِسْتِفْھَامِیَہ ہوتا ہے۔ اس صورت میں کبھی کسی چیز کی نوع یا جنس سے سوال کے لئے آتا

لہ نسب العلامۃ الالوسی ہذا الاحتمال الی صاحب البحر (۱-۱۹۰)

ہے۔ اور کبھی کسی چیز کی صفات جنسیہ یا نوعیہ کے متعلق سوال کے لئے آتا ہے۔ اور کبھی غیر ذوی العقول اشخاص اور اعیان کے متعلق سوال کے لئے بھی آجاتا ہے۔
بعض علمائے نحو کا قول ہے کہ کبھی اس کا اطلاق اشخاص ذوی العقول پر بھی ہوتا ہے چنانچہ فرمایا:۔
اِلَّا عَلٰۤی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ (۲۳-۶) مگر ان ہی بیویوں یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ (۲۹-۴۲) جس چیز کو خدا کے سوا پکارتے ہیں۔ خواہ وہ کچھ ہی ہو۔ خدا اسے جانتا ہے۔
میں خلیل نے کہا ہے کہ مَا تَدْعُوْنَ میں ما استفہامیہ ہے ای اَیَّ شَیْءٍ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور انہوں نے یہ تکلف اس لئے کیا ہے کہ یہ ہمیشہ ابتداء کلام میں واقع ہوتا ہے اور مابعد کے متعلق استفہام کے لئے آتا ہے۔ جو آخر میں واقع ہوتا ہے جیسا کہ آیت:۔
مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ الاٰية (۳۵-۲) خدا جو اپنی رحمت کا دروازہ کھول دے۔ اور مثال مَا تَضْرِبْ اَضْرِبْ میں ہے۔
اور کبھی تعجب کے لئے ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
مَاۤ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ (۲-۱۷۵) یہ (آتش) جہنم کی کیسی برداشت کرنے والے ہیں۔
ما حرفی ہونے کی صورت میں بھی پانچ قسم پر ہے۔
اول یہ کہ اس کا مابعد بمنزلہ مصدر کے ہو جیسا کہ فعل مستقبل پر ان ناصبہ داخل ہونے کی صورت میں

ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (۲-۳) اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا فرمایا ہے۔ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔
تو یہاں مَا رَزَقَ بمعنی رِزْق مصدر کے ہے اور اس مَا کے بمعنی اَنْ مصدریہ ہونے کی دلیل یہ ہے۔ کہ اس کی طرف کہیں بھی لفظاً یا تقدیراً ضمیر نہیں لوٹتی۔ اور آیت کریمہ:۔
بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ (۲-۱۰) اور ان کے جھوٹ بولنے کے سبب۔ میں بھی ما مصدری معنی پر محمول ہے۔
اسی طرح اَتَانِی الْقَوْمُ مَا عَدَا زَيْدًا میں بھی ما مصدریہ ہے اور تقدیر ظرف کی صورت میں بھی ما مصدریہ ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
كُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ (۲-۲۰) جب بجلی (چمکتی اور) ان پر روشنی ڈالتی ہے تو اس میں چل پڑتے ہیں۔
كُلَّمَاۤ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ (۵-۶۴) یہ جب لڑائی کے لئے آگ جلاتے ہیں۔ خدا اس کو بجھا دیتا ہے۔
كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا (۱۷-۹۷) جب (اس کی آگ) بجھنے کو ہوگی تو ہم ان کو (عذاب دینے) کے لئے اور بھڑکا دیں گے۔
اور آیت کریمہ:۔
فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (۱۵-۹۴) پس جو حکم تم کو (خدا کی طرف سے) ملا ہے وہ (لوگوں کو) سنا دو۔
میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ما مصدریہ ہو اور یہ بھی کہ ما موصولہ بمعنی اَلَّذِیْ ہو۔

یاد رکھو کہ مَا اپنے مابعد کے ساتھ مل کر مصدری معنی میں ہونے کی صورت میں ہمیشہ حرفی ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ اسمی ہو تو اس کی طرف ضمیر کا لوٹنا ضروری ہے۔ پس یہ اُرِیْدُ اَنْ اَخْرُجَ میں اَنْ کی طرح ہوتا ہے جس طرح اَنْ کے بعد ضمیر نہیں ہوتی جو اس کی طرف لوٹ سکے اسی طرح ما کے بعد بھی عائد (ضمیر) نہیں آتی۔

دوئم ما نافیہ ہے۔ اہل حجاز اسے مشروط عمل دیتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔
مَا هٰذَا بَشَرًا (۱۲-۳۱) یہ آدمی نہیں ہے۔

تیسرا ما کافہ ہے جو اِنَّ وَ اَخَوَاتُھَا اور رُبَّ کے ساتھ مل کر فعل پر داخل ہوتا ہے جیسے فرمایا:۔
اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (۳۵-۲۸) خدا سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں۔
اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا (۳-۱۷۸) (نہیں بلکہ) ہم ان کو اس لئے مہلت دیتے ہیں کہ اور گناہ کر لیں۔
كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ گویا موت کی طرف دھکیلے جا رہے ہیں۔
اور آیت کریمہ:۔
رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (۱۵-۲) کسی وقت کافر لوگ آرزو کریں گے۔
میں بھی ما کافہ ہی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ قَلَّمَا اور لَمَّا میں بھی ما کافہ ہوتا ہے۔

چہارم ما مُسَلِّطَۃ یعنی وہ ما جو کسی غیر عامل کلمہ کو عامل بنا کر مابعد پر مسلط کر دیتا ہے جیسا کہ اِذْ مَا، حَیْثُمَا کا ما ہے کہ ما کے ساتھ مرکب ہونے سے قبل یہ کلمات غیر عاملہ تھے۔ لیکن ترکیب کے بعد اسمائے شرط کا سا عمل کرتے ہیں۔ اور فعل مضارع کو جزم دیتے ہیں۔ جیسے حَیْثُمَا تَقْعُدْ اَقْعُدْ وغیرہ۔

پانچواں ما زائدہ ہے۔ جو محض پہلے لفظ کی تاکید کے لئے آتا ہے۔ جیسے اِذَا مَا فَعَلْتَ کَذَا (جب تم ایسا کرو) مَا تَخْرُجْ اَخْرُجْ (اگر تم باہر نکلو گے تو میں بھی نکلوں گا۔ قرآن میں ہے:۔
فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا (۱۹-۲۶) اگر تم کسی آدمی کو دیکھو۔
وَاِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ (۱۷-۲۳) اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں۔

(م ی ء)

اَلْمِائَۃُ (سو) یہ اصول اعداد میں تیسری اکائی کا نام ہے۔ کیونکہ اصول اعداد چار ہیں۔ آحاد، عشرات، مئات اور الوف.... قرآن میں ہے:۔
فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ (۸-۶۶) پس اگر تم میں ایک سو ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب رہیں گے۔
وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (۸-۶۵) اور اگر سو (ایسے) ہوں گے تو ہزاروں پر غالب رہیں گے۔
اور مِائَۃٌ کا آخری حرف یعنی لام کلمہ محذوف ہے۔
اَمْاَيْتُ الدَّرَاهِمَ فَاَمْاَتْ هِيَ یعنی میں نے دراہم کو سو کیا تو وہ سو ہو گئے۔

(م ی د)

اَلْمَیْدُ۔ زمین کی طرح کی کسی بڑی چیز کا مضطرب ہونا۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ (۱۶-۱۵) کہ تم کو لے کر کہیں جھک نہ جائے۔
اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ (۲۱-۳۱) تاکہ لوگوں (کے بوجھ سے ہلنے اور جھکنے) نہ لگے۔
مَادَتِ الْاَغْصَانُ تَمِیْدُ۔ شاخوں کا مضطرب ہونا بعض نے کہا ہے کہ شاعر کے کلام [1] (
(۴۱۸) نَعِیْمًا وَمَیْدَ انًا مِّنَ الْعَیْشِ اَخْضَرَا
(نعمتیں اور سرسبز لہلہاتی ہوئی زندگی)
میں بھی مَیْدَانًا مَادَتِ الْاَغْصَانُ سے ہے اور اس کے معنی کشادہ زندگی کے ہیں اور اسی سے مَیْدَانُ الدابۃ ہے جس کے معنی جانور کے کھلے میدان میں پھرنے کے ہیں۔
اَلْمَائِدَۃُ اصل میں اس خوان کو کہتے ہیں جس پر کھانا چنا ہوا ہو۔ اور ہر ایک پر یعنی کھانے اور خالی خوان پر انفرادًا بھی مَائِدَۃٌ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ یہ مَادَنِیْ یَمِیْدُنِیْ سے ہے جس کے معنی کھانا کھلانے کے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی رات کا کھانا کھلانا بھی کئے ہیں۔
اور آیت کریمہ:۔
اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَائِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ (۵-۱۱۴) ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما۔
کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے کھانا طلب کیا تھا۔ اور بعض نے کہا ہے علم کے لئے دعا کی تھی۔ اور علم کو مَائِدَۃ سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کہ علم روح کی غذا بنتا ہے جیسا کہ طعام بدن کے لئے غذا ہوتا ہے۔

(م ی ر)

اَلْمِیْرَۃُ۔ غلہ جو انسان کھانے کے لئے فراہم کرتا ہے۔ اور مَارَ اَھْلَہٗ یَمِیْرُھُمْ کے معنی اہل و عیال کے لئے غلہ لانے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَنَمِیْرُ اَھْلَنَا (۱۲-۶۵) اب ہم اپنے اہل و عیال کے لئے پھر غلہ لائیں گے۔
اور خِیْرَۃٌ اور مِیْرَۃٌ کے قریب قریب ایک ہی معنی ہیں۔

(م ی ز)

اَلْمَیْزُ وَالتَّمْیِیْزُ کے معنی متشابہ اشیاء کو ایک دوسری سے الگ کرنے کے ہیں۔ اور مَازَہٗ یَمِیْزُہٗ مَیْزًا وَمَیَّزَہٗ تَمْیِیْزًا دونوں ہم معنی ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔
لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ (۸-۳۷) تاکہ خدا ناپاک کو پاک سے الگ کردے۔
اور ایک قراءت میں لِیُمَیِّزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ ہے۔ اَلتَّمْیِیْزُ کے معنی الگ کرنا بھی آتے ہیں اور اس ذہنی قوت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جس کے ذریعہ انسان معانی کا استنباط کرتا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے۔ فُلَانٌ لَا تَمْیِیْزَ لَہٗ فلاں میں قوت تمیز نہیں ہے۔

---

[1] قالہ ابن احمر (ابو الخطاب عمرو بن احمر العمر والباہلی القیسی المتوفی فی خلافۃ عثمان قبل سنۃ ۲۵ھ راجع الخزانۃ ۳:۳۸) واولہ۔۔۔۔ وصادفت۔ والبیت فی اللسان والصحاح (مید)

اِنْمَازَ اور اِمْتَازَ کے معنی الگ ہونے کے ہیں۔
قرآن میں ہے:۔
وَامْتَازُوا الْیَوْمَ (۳۶-۵۹) اور آج الگ ہو جاؤ۔
اور تَمَیَّزَ کَذَا (تفعل) مَازَ کا مطاوع آتا ہے۔
اور اس کے معنی الگ اور منقطع ہونے کے ہیں۔
چنانچہ فرمایا:۔
تَکَادُ تَمَیَّزُ مِنَ الْغَیْظِ (۶۷-۸) گویا مارے جوش کے پھٹ پڑے گی۔

(م ی ل)

اَلْمَیْلُ۔ اس کے معنی وسط سے ایک جانب مائل ہو جانے کے ہیں۔ کبھی ظلم کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جب یہ اجسام کے متعلق استعمال ہو تو بدن میں پیدائشی کجی کو مَیَلٌ (بفتح الیاء) اور عارضی کجی کو مَیْلٌ (بسکون الیاء) کہتے ہیں۔ اور مِلْتُ اِلٰی فُلَانٍ کے معنی کسی کی مدد کرنے کے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔
فَلَا تَمِیْلُوْا کُلَّ الْمَیْلِ (۴-۱۲۵) تو ایسا بھی نہ کرنا کہ ایک ہی طرف ڈھل جاؤ۔
مِلْتُ عَلَیْہِ کے معنی کسی پر حملہ کرنے کے ہیں۔ جیسے فرمایا ہے۔
فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْکُمْ مَّیْلَةً وَّاحِدَةً (۴-۱۰۲) تو تم پر یکبارگی حملہ کر دیں۔
اور اَلْمَالُ کو مال اس لئے کہا جاتا ہے۔ کہ وہ ہمیشہ مائل اور زائل ہوتا رہتا ہے۔ بدیں وجہ اسے عَرَض بھی کہتے ہیں۔ اسی لئے کسی نے کہا ہے کہ مال کی مثال ایک پیشہ ور عورت کی ہے جو کبھی عَطَّار اور کبھی بَیْطَار کے گھر ہوتی ہے۔

(م ی ہ)

اَلْمَاءُ۔ کے معنی پانی کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ (۲۱-۳۰) اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں۔
مَاءً طَهُوْرًا (۲۵-۴۸) پاک (اور ستھرا ہوا) پانی۔
اور محاورہ ہے:۔
مَاءُ بَنِیْ فُلَانٍ۔ فلاں قبیلے کا پانی یعنی ان کی آبادی۔
مَاءٌ اصل میں مَوَهٌ ہے۔ کیونکہ اس کی جمع اَمْوَاهٌ اور مِیَاهٌ آتی ہے۔ اور تصغیر مُوَیْهٌ پھر ہا کو حذف کر کے واؤ کو الف سے تبدیل کر لیا گیا ہے۔
رَجُلٌ مَاهُ الْقَلْبِ۔ پانی دل یعنی بزدل آدمی۔ یہاں مَاهٌ مَوَهٌ سے بنا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ رَجُلٌ نَاهٌ کی طرح ہے۔ یعنی ہا ہمزہ سے مبدل ہے۔ مَاهَتِ الرَّکِیَّةُ تَمِیْهُ وَتَمَاهُ۔ کنویں میں پانی بڑھ گیا۔ بِئْرٌ مَیِّهَةٌ وَمَاهَةٌ وَمَیْهَةٌ زیادہ پانی والا کنواں۔
اَمَاهَ الرَّجُلُ وَاَمْهٰی (کنواں کھودتے ہوئے) پانی تک پہنچ گیا۔

(م ت ع)

اَلْمُتُوْعُ کے معنی کسی چیز کا بڑھنا اور بلند ہونا کے ہیں۔
جیسے مَتَعَ النَّهَارُ (دن بلند ہو گیا)۔
مَتَعَ النَّبَاتُ (پودا بڑھ کر بلند ہو گیا) اَلْمَتَاعُ۔ عرصہ دراز تک فائدہ اٹھانا۔ محاورہ ہے:۔
مَتَّعَهُ اللّٰهُ بِکَذَا اَمْتَعَهُ اللّٰهُ اسے دیر تک فائدہ اٹھانے کا موقع دے۔ تَمَتَّعَ بِهٖ۔ اس نے عرصہ دراز تک اس سے فائدہ اٹھایا۔ قرآن میں ہے:۔

وَّ مَتَّعْنَاهُمْ اِلٰی حِیْنٍ (۱۰-۹۸) اور ایک مدت تک (فوائد دنیوی سے) ان کو بہرہ مند رکھا۔

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا (۳۱-۲۴) ہم ان کو تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے۔

فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا (۲-۱۲۶) میں اس کو بھی کسی قدر متمتع کروں گا۔

سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۱۱-۴۸) ان کو ہم (دنیا کے فوائد سے) محظوظ کریں گے۔ پھر ان کو ہماری طرف سے عذاب الیم پہنچے گا۔

اور قرآن میں جہاں کہیں دنیاوی ساز و سامان کے متعلق تَمَتَّعُوْا آیا ہے تو اس سے تہدید مراد ہے کیونکہ اس میں ایک گونہ عیش کوشی اور وسعت کے معنی پائے جاتے ہیں اور اِسْتَمْتَعَ کے معنی کسی چیز سے نفع حاصل کرنے اور فائدہ اٹھانے کے ہیں قرآن میں ہے۔

رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ (۶-۱۲۸) اے ہمارے پروردگار ہم ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے رہے۔

فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ (۹-۶۹) وہ اپنے حصے سے بہرہ یاب ہو چکے سو جس طرح تم سے پہلے لوگ اپنے حصے فائدہ اٹھا چکے ہیں۔ اسی طرح تم نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھا لیا۔

اور آیت کریمہ:۔

وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (۲-۳۶) اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور فائدہ اٹھانا (مقرر) کر دیا گیا ہے۔

میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ ہر انسان کو دنیا میں ایک مدت تک فائدہ اٹھانا ہے۔ اور پھر آیہ کریمہ۔ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ (۴-۷۷) کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے۔ میں متاع دنیا کو قلیل کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ اُخروی ثواب کے مقابلہ میں دنیا کا ساز و سامان بے وقعت ہے اور نا قابل اعتناء جیسا کہ آیت فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ (۹-۳۸) دنیا کی زندگی کے فائدے تو آخرت کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہیں اور آیت:۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۔ دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت (کے مقابلے) میں محدود سا ہے۔ (۱۳-۲۶) سے واضح ہوتا ہے اور خانگی ضروریات کی چیزوں کو بھی متاع کہا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

اِبْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ (۱۳-۱۷) زیور یا کوئی اور سامان بنانے کے لئے ...... اس میں بھی ایسا ہی جھاگ ہوتا ہے۔

نیز ہر وہ چیز جس سے کسی قسم کا نفع حاصل کیا جائے۔ اسے مَتَاعٌ وَّمُتْعَةٌ کہا جاتا ہے اس معنی کے لحاظ سے آیت کریمہ:۔

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ (۱۲-۶۵) جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا۔

میں غلہ کو متاع کہا ہے۔ اور بعض نے غلہ کے تھیلے یا بوریاں مراد لئے ہیں اور یہ دونوں متاع میں داخل اور باہم متلازم ہیں کیونکہ غلہ ہمیشہ تھیلوں ہی میں ڈالا جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ (۲-۲۴۱) اور مطلقہ عورتوں کو بھی دستور کے مطابق نان و

نفقہ دینا چاہیئے۔ ہیں متاع بمعنی متعہ ہے اور مُتعہ سے یہاں وہ نان و نفقہ مراد ہے جو عورت کو طلاق دینے کے بعد شوہر سے ملتا ہے تاکہ عدت طلاق پوری ہونے تک وہ گذر بسر کر سکے۔ اور اَمْتَعَ وَمَتَّعَ کے معنی متعہ دینے کے ہیں۔ مگر قرآن میں اس معنی کے لئے صرف مَتَّعَ یعنی تفعیل استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ (۳۳-۴۹) تو ان کو کچھ فائدہ (یعنی خرچ) دے کر... رخصت کردو۔

وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ (۲-۲۳۶) اور ان کو دستور کے مطابق کچھ خرچ ضرور دو (یعنی) مقدور والا اپنے مقدور کے مطابق دے اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق۔

مُتْعَةُ النِّكَاحِ (یعنی نکاح متعہ) کی صورت یہ ہے کہ مرد کسی عورت کو کچھ مال دے کر متعین عرصہ کے لئے اس سے نکاح کرلے۔ پھر جب وہ مدت گذر جائے تو وہ عورت بغیر طلاق کے خاوند سے الگ ہو جاتی ہے اور حج کے ساتھ عمرہ کرنے کو مُتْعَةُ الْحَجِّ کہا جاتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (۲-۱۹۶) تو جو (تم میں) حج کے وقت تک عمرہ سے فائدہ اٹھانا چاہے وہ جیسی قربانی میسر ہو کرے۔

شَرَابٌ مَاتِعٌ۔ بعض نے اس کے معنی سُرخ شراب کئے ہیں لیکن اصل میں مَاتِعٌ ہر عمدہ اور اعلیٰ شراب کو کہتے ہیں۔ گو شراب کا سرخ ہونا بھی اس کی عمدگی کی ایک علامت ہے مگر مَاتِعٌ کا لفظ اس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

جَمَلٌ مَاتِعٌ۔ قوی اونٹ [1] اور مَاتِعٌ کے معنی راجح اور زائد بھی آجاتے ہیں چنانچہ شاعر کے شعر۔

(۴۰۴) وَمِيْزَانُهٗ فِيْ سُوْرَةِ الْبِرِّ مَاتِعٌ

اس کا ترازو نیکیوں سے جھکا ہوا ہے [2]

ہیں مَاتِع معنی راجح اور زائد ہی کے ہے۔

(م ت ن)

اَلْمَتْنَانِ پیٹھ کے دونوں حصے جو ریڑھ کی ہڈی کے ارد گرد ہوتے ہیں۔ اور تشبیہ کے طور پر سخت زمین کو اَلْمَتْنُ کہتے ہیں۔

مَتَنْتُهٗ کسی کی پیٹھ پر مارنا مَتُنَ مضبوط پشت والا ہونا اور مضبوط پشت والے آدمی کو مَتِيْنٌ کہا جاتا ہے۔ اسی سے حَبْلٌ مَتِيْنٌ کا محاورہ ہے جس کے معنی مضبوط رسی کے ہیں قرآن میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ (۵۱-۵۸) خدا ہی تو رزق دینے والا زور آور اور مضبوط ہے۔

(م ت ی)

مَتٰى۔ یہ اسم استفہام ہے اور کسی کام کا وقت دریافت کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔

چنانچہ قرآن میں ہے۔

مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ (۳۶-۴۸) یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا؟

مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ (۳۲-۲۸) یہ فیصلہ کب ہوگا؟

---

[1] کذا فی الاصل والصواب جبل بدل جمل کما فی المعاجم ❊ [2] قالہ النابغۃ الذبیانی ناولہ: الٰی خیر دین سنۃ قد علمتہ والبیت فی اللسان (متع) وفی روایتہ الجد بدل البر والشطر ایضاً فی لحق دیوانہ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

کہتے ہیں کہ بنی ہذیل جَعَلْتُهٗ مَتّى كُمِّیْ (میں نے اسے اپنے آستین کے وسط میں ڈال لیا) کا محاورہ استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ ابوذویب (الہذلی) نے کہا ہے[1] (الکامل)

(٤٠٥) شَرِبْنَ بِمَاءِ الْبَحْرِ ثُمَّ تَرَفَّعَتْ
مَتٰى لُجَجٍ خُضْرٍ لَهُنَّ نَئِيْجُ

انھوں نے سمندر سے پانی پیا، پھر سمندر کے گہرے کنڈوں سے بلند ہوئیں اور گرجتے ہوئے تیز رفتاری سے چل پڑیں۔

(م ث ل)

مَثَلَ (ک) الشَّيْءُ مُثُوْلًا کے معنی کسی چیز کا سیدھا کھڑا رہنا یا دوسری چیز کی شکل و صورت اختیار کر لینا کے ہیں۔ اسی سے حدیث میں ہے[2] (١١٦)

مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّمْثُلَ لَهُ الرِّجَالُ فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے بیدھے کھڑے رہیں۔ تو وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنائے۔

اَلْمُمْثَلُ۔ وہ چیز جو کسی نمونہ کے مطابق بنائی گئی ہو۔

اَلتِّمْثَالُ۔ تصویر، کسی چیز کا مجسمہ[3] تَمَثَّلَ كَذَا کسی کی شکل بن جانا۔ قرآن میں ہے:۔

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (١٩-١٧) تو وہ ان کے سامنے ٹھیک آدمی (کی شکل) بن گیا۔

اَلْمَثَلُ کے معنی ہیں ایسی بات کے جو کسی دوسری بات سے ملتی جلتی ہو۔ اور ان میں سے کسی ایک کے ذریعہ دوسری کا مطلب واضح ہو جاتا ہو اور معاملہ کی شکل سامنے آجاتی ہو۔ مثلاً عین ضرورت پر کسی چیز کو کھو دینے کے لئے اَلصَّيْفَ ضَيَّعْتِ اللَّبَنَ کا محاورہ ضرب المثل ہے۔ چنانچہ قرآن میں اَمْثَالَ بیان کرنے کی غرض بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (٥٩-٢١) اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ وہ فکر نہ کریں۔ اور دوسرے مقام پر وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ (٢٩-٤٣) اور اسے تو اہل دانش ہی سمجھتے ہیں۔ فرمایا ہے۔

مَثَلٌ وَ مِثْلٌ دونوں ہم معنی ہیں جیسے شَبَهٌ وَشِبْهٌ وَ نَقَصٌ وَ نِقْصٌ وغیرہ۔ اور یہ دو طرح استعمال ہوتا ہے ایک معنی وصف جیسے فرمایا:۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ (١٣-٣٥) یعنی جس جنت کا متقی لوگوں سے وعدہ کیا گیا

---

[1] وفی دیوان الہذلیین تروت بدل شربن وعلی حبشیات بدل لجج خضر والضمیر فی شربن یعود الی حناتم سود فی البیت قبلہ سقی ام عمرو کل آخر لیلۃ۔ حناتم سود ماء ہن ثجیج۔ والمراد بہا السحاب والبیت فی الطبری (٢٩: ٢٠٧) وادب الکاتب ٥١٧ واللسان (متی) وشرح شواہد المغنی للسیوطی ١٠٩ والاقتضاب ٤٤٧ والجوالیقی ٣٦٧ ودیوان الہذلیین (١: ٥١) وفی روایتہ اختلاف یسیر وفی الصاحبی ١٧٥ غیر منسوب وفی مشکل القرآن ٣٤٠ (بحث الباء مکان من) والخزانۃ (٣: ٩٣-٩٥) والبیت ایضًا فی الطبسی (٢٩: ١٤٥) [2] وفی روایۃ ان تمثل قال الحافظ فی تخریجہ لم اجدہ ہکذا وفی السنن من حدیث معاویۃ من سرہ ان یتمثل لہ الناس قیامًا فلیتبوء مقعدہ من النار انظر ایضًا تخریج العیاد للعراقی ٢: ٢٠٥ وفی غریب ابی عبید من حدیث البراء وراجع الکافی ص ٤٢ رقم ٣٠٧ والفائق (٣: ٧) والنہایۃ (٤: ٨٢) [3] وجمعہ تماثیل کما فی قولہ تعالٰی: (٣١-٥٢) (٣٤-١٣)

ہے اس کے اوصاف یہ ہیں۔
اور دوم مشابہ کے معنی میں آتا ہے اور ہر قسم کی مشابہت کو شامل ہوتا ہے یعنی عربی میں جو الفاظ بھی مشابہ کے معنی میں آئے ہیں سب سے عام ہوتا ہے مثلاً نِدٌّ صرف اس مشابہ کو کہتے ہیں جو دوسرے کے ساتھ اس کے جوہر میں شریک ہو اور شِبْہٌ کا لفظ دوسرے کے ساتھ صرف کیفیت میں شرکت کو ظاہر کرتا ہے اور مساوی اسے کہتے ہیں جو صرف کمیت میں دوسرے کے برابر ہو اسی طرح شَکْلٌ کا لفظ صرف اندازہ اور پیمائش کے لحاظ سے مشابہت پر بولا جاتا ہے اس بنا پر اللہ تعالیٰ سے من کل الوجوہ تشبیہ کی نفی کرنے کے لئے قرآن نے مِثْل کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (۴۲-۱۱) اس جیسی کوئی چیز نہیں۔
اب رہا یہ سوال کہ اگر یہاں مثل بمعنی مشابہ ہے تو پھر کاف تشبیہ کیوں لایا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کو تاکید نفی کی غرض سے یک جا لایا گیا ہے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں نہ تو مثل کا استعمال صحیح ہے اور نہ ہی کاف کا اس لئے یکبارگی دونوں کی نفی کر دی ہے۔
مَثَلُ الْجَنَّۃِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ (۱۳-۳۵) جس جنت کا متقی لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کے اوصاف یہ ہیں۔
بعض نے کہا ہے کہ یہاں مثل بمعنی صفت ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت کی طرح کسی کی صفت نہیں ہے یعنی گو ذات باری تعالیٰ بھی بہت سی ان صفات کے ساتھ متصف ہوتی ہے جن کے ساتھ انسان متصف ہوتا ہے لیکن ان صفات کے وہ معنی نہیں ہیں جو بشر میں لئے جاتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔
لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ مَثَلُ السَّوْءِ وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (۱۶-۶۰) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے انہیں کے لئے بری باتیں (شایاں) ہیں۔ اور خدا کو صفت اعلیٰ زیب دیتی ہے۔ کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ نہایت بری صفات کے مالک ہیں۔ اور باری تعالیٰ اعلیٰ صفات کے ساتھ متصف ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰہِ الْاَمْثَالَ (۱۶-۷۴) تو (لوگو) خدا کے بارے میں (غلط) مثالیں بیش نہ کرو۔ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے امثال بیان کرنے سے منع فرمایا ہے۔ پھر از خود ہی اس کے بعد آیت:۔
ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْکًا (۱۶-۷۵) الآیۃ خدا ایک (اور) مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک غلام ہے .... میں اپنی ذات کے لئے مثال بھی بیان فرمادی ہے مگر ان میں تعارض نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس مثال کے بیان کرنے کے بعد آخر میں اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ کہہ کر یہ بھی فرما دیا ہے کہ تم اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم بشری صفات میں سے اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی صفت بیان نہیں کر سکتے بلکہ جو صفات اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے ثابت کی ہیں وہی بیان کر سکتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔
مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰۃَ .... (۶۲-۵) جن لوگوں (کے سر) پر تورات لدوائی گئی ..... ان کی مثال۔ کے معنی یہ ہیں کہ یہود تورات میں

بیان کردہ حقائق کے مفہوم سے اس گدھے کیطرح جاہل ہیں جس کی پشت پر علم و حکمت کی بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں اور آیت کریمہ:۔

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ (۷-۱۷۶) اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا۔ تو اس کی مثال کتے کی سی ہوگئی ہے۔ کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے۔ اور یوں ہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔ پس اس شخص کو ہوائے نفسانی کی اتباع اور ہر وقت اس کی تکمیل کے درپے رہنے میں اس کتے سا تھ تشبیہ دی ہے جو ہر حالت میں زبان باہر نکالے رہتا ہے۔ اور کسی حالت میں بھی زبان نکال کر ہانپنا نہیں چھوڑتا اور آیت کریمہ:۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا الآية (۲-۱۷) ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے (شب تاریک میں) آگ جلائی ۔۔۔۔ پس اس شخص کو جسے اللہ تعالیٰ نے ایک گونہ ہدایت اور اس کے لئے سازگار ماحول عطا کیا ہو۔ لیکن اس نے ان صلاحیتوں کو ضائع کردیا ہو اور ابدی انعامات کے حاصل کرنے کے لئے انہیں ذریعہ نہ بنایا ہو۔ اسے اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس نے تاریکی میں آگ سلگائی ہو لیکن جب اس نے اس کے لئے آس پاس کو روشن کردیا تو اس نے وہ روشنی ضائع کردی ہو اور وہ ۔۔۔۔ دوبارہ اندھیرے میں چلا گیا ہو اور آیت کریمہ:۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً (۲-۱۷۱) جو لوگ کافر ہیں ان کی مثال اس شخص کی سی ہے۔ جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہ سن سکے۔ پس اس شخص کو جسے ہدایت کی طرف دعوت دی گئی ہو۔ بکریوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ لیکن اختصار کے پیش نظر الفاظ کے باہم مقابلہ اور بسط کلام کے بجائے معنوی مناسبت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کہ کفار کو ہدایت کی طرف دعوت دینے والے شخص اور کفار کی مثال اس چرواہے اور بکریوں کی سی ہے۔ جو انہیں بلانے کے لئے چیختا ہو۔ لیکن وہ اسکے بلانے اور پکارنے کی آواز کے سوا کچھ نہیں سنتیں اور اسی طرح آیات:۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ (۲-۲۶۱) جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ان کے مال کی مثال اس دانے کی سی ہے۔ جس سے سات بالیں اگیں اور ہر بال میں سو سو دانہ ہو۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ (۳-۱۱۷) یہ جو مال دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ہوا کی سی ہے جس میں سخت سردی ہو۔ پس یہی مَثَلٌ بمعنی مثال کے ہے۔

اَلْمِثَالُ (۱) ایک چیز کا اس کی نظیر سے مقابلہ کرنا یا (۲) وہ نمونہ جس کے مطابق کوئی چیز بنائی جائے۔

اَلْمُثْلَةُ۔ عبرتناک سزا جس سے دوسرے بھی عبرت حاصل کرکے ارتکاب جرم سے رک جائیں یہی معنی نکالٌ کے ہیں۔ اس کی جمع مُثُلَاتٌ و مَثُلَاتٌ آتی ہے اور آیت کریمہ:۔

وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ (۱۳-۶)

حالانکہ ان سے پہلے عذاب واقع ہو چکے ہیں۔
میں ایک قرأت اَلْمُثْلَاتُ بسکون ثاء بھی مروی ہے۔ جیسا کہ عَضُدٌ وَعَضْدٌ ہیں اور اَمْثَلَ السُّلْطَانُ فُلَانًا کے معنی یہ ہیں کہ بادشاہ نے فلاں کو عبرت ناک سزا دی۔

اَلْاَمْثَلُ۔ اس شخص کو کہتے ہیں جو نفوس فاضلہ سے زیادہ مشابہت رکھتا ہو اور اقرب الی الخیر ہو اور کنایہ کے طور پر برگزیدہ لوگوں کو اَمَاثِلُ الْقَوْمِ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔
اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا (۲۰-۱۰۴) جب کہ اس وقت ان میں سب سے اچھی راہ والا (یعنی عاقل و ہوشمند) کہے گا کہ نہیں بلکہ ایک ہی روز ٹھہرے ہو۔
میں بھی اَمْثَلُ اسی معنی پر محمول ہے اور آیت کریمہ:۔
وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى (۲۰-۶۳)۔ اور تمہارے شائستہ ترین مذہب کو نابود کر دیں۔
میں مُثْلٰى کا مذکر اَمْثَلُ ہے۔ یعنی وہ راستہ جو دوسروں سے بہتر ہو۔

(م ج د)

مَجَدَ يَمْجُدُ مَجْدًا وَمَجَادَةً کے معنی کرم و شرف اور بزرگی میں وسعت اور پہنائی کے ہیں۔ یہ دراصل مَجَدَتِ الْاِبِلُ کے محاورہ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں اونٹوں کا کسی وسیع اور زیادہ چارہ والی چراگاہ میں پہنچ جانا ..... اور اَمْجَدَهَا الرَّاعِيْ کے معنی ہیں چرواہے کا اونٹوں کو بڑی وسیع چراگاہ میں لے جانا عرب لوگ کہتے ہیں[1] فِيْ كُلِّ شَجَرٍ نَارٌ وَاسْتَمْجَدَ الْمَرْخُ وَالْعَفَارُ ہر درخت میں آگ ہوتی ہے مگر مرخ اور عفار درخت میں تو بہت زیادہ آگ پائی جاتی ہے۔

اَلْمَجِيْدُ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے جس کے معنی ہیں وہ ذات جو اپنے فضل و کرم خصوصی سے نوازنے میں نہایت وسعت اور فراخی سے کام لینے والی ہو چنانچہ آیت کریمہ:۔
ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ (۸۵-۱۵) عرش کا مالک بڑی شان والا ہے۔
میں ذات باری تعالیٰ کا اَلْمَجِيْدُ کے ساتھ متصف ہونا اسکے وسعت فیض اور کثرت جود کے سبب سے ہی ہے ایک قرأت میں اَلْمَجِيْدِ کسرۂ دال کے ساتھ ہے اس صورت میں یہ اَلْعَرْشِ کی صفت ہوگی اور جلالت قدر اور عظمت شان کے لحاظ سے عرش کو اَلْمَجِيْدِ کہا گیا ہے چنانچہ حدیث میں ہے[2] (۱۱۷)
مَا الْكُرْسِيُّ فِيْ جَنْبِ الْعَرْشِ اِلَّا كَحَلْقَةٍ مُلْقَاةٍ فِيْ اَرْضٍ فَلَاةٍ کہ عرش کے مقابلہ میں کرسی کی حیثیت بیابان میں پڑی ہوئی ایک انگوٹھی کی ہے اور اسی مفہوم کے پیش نظر آیت کریمہ:۔
لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ (۲۳-۱۱۶)
میں عرش کو اَلْكَرِيْمُ کہا ہے۔
قرآن پاک کی صفت میں بھی اَلْمَجِيْدُ آیا ہے کیونکہ قرآن پاک بھی تمام دنیوی اور اخروی مکارم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جلیل القدر کتاب ہے چنانچہ فرمایا:۔

---

[1] المثل فی المیدانی ۲/۵ ۲۷ واللسان (مجد) والمخصص (۱۱/ ۲۷) والخزانۃ (۱: ۹ ۱۵) (۲: ۸۶) (۴: ۶ ۴ بولاق) والحیوان ۴/ ۴۶ والامالی للمرتضیٰ ۲/۹ ۷ والمثل یضرب فی تفضیل بعض الشیئ علی بعض [2] اخرجہ ابن جریر والو الشیخ فی العظمۃ وابن مردویہ والبیہقی عن ابی ذر الغفاری (شوکانی)

قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ (۵۰-۱) قرآن مجید کی قسم۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ۔(۸۵-۲۱) بلکہ یہ قرآن عظیم الشان ہے۔

اور قرآن کے عظیم الشان اور مکارم دارین کی تعلیمات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یہ آیت بھی اسی معنی پر محمول ہے۔

اَلتَّمْجِیْدُ۔ بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی تمجید کے معنی اس کی صفات حسنہ بیان کرنے کے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کی تمجید کے معنی اس پر فضل وکرم کرنے کے ہوتے ہیں۔

(م ح ص)

اَلْمَحْصُ کے اصل معنی کسی چیز کو کھوٹ اور عیب سے پاک کرنے کے ہیں۔ یہ فَحْصٌ کے ہم معنی ہے مگر فَحْصٌ کا لفظ ایک چیز کو دوسری ایسی چیزوں سے الگ کرنے پر بولا جاتا ہے جو اس میں مل جائیں لیکن درحقیقت اس سے منفصل ہوں۔ مگر مَحْصٌ کا لفظ ان ملی ہوئی چیزوں کو کسی چیز سے الگ کرنے کے لئے آتا ہے۔ جو، اس سے متصل اور گھل مل گئی ہوں۔ . . . . .

. . . . . چنانچہ محاورہ ہے:۔

مَحَصْتُ الذَّھَبَ وَمَحَّصْتُہٗ سونے کو آگ میں گلا کر اس کے کھوٹ کو الگ کر دیا۔

چنانچہ آیات کریمہ:۔

وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (۳-۱۴۱) اور یہ بھی مقصود تھا کہ خدا ایمان والوں کو خالص مومن بنا دے۔

وَلِیُمَحِّصَ مَافِیْ قُلُوْبِکُمْ (۳-۱۵۴) اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اس کو خالص اور صاف کر دے۔ میں دلوں کے پاک کرنے پر تمحیص کا استعمال ایسے ہی ہے جیسا کہ تَزْکِیَةٌ وَتَطْهِیْرٌ اور اس قسم کے دوسرے الفاظ استعمال ہوتے ہیں چنانچہ دعا کرتے وقت کہا جاتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ مَحِّصْ عَنَّا ذُنُوْبَنَا اے اللہ ہمارے گناہوں کو جو ہمارے ساتھ لگے ہوئے ہیں دور کر دے۔

مَحَصَ الثَّوْبُ کپڑے کا رواں استعمال سے گھس گیا اور اس کی تازگی چلی گئی۔

مَحَصَ الْحَبْلُ یَمْحَصُ رسی پرانی ہوگئی۔ اور اس کا رواں صاف ہوگیا۔ مَحَصَ الصَّبِیُّ بچہ (طاقت ور ہوکر) دوڑنے لگا۔

(م ح ق)

اَلْمَحْقُ کے معنی گھٹنے اور کم ہونے کے ہیں اور اسی سے اَلْمِحَاقُ قمری مہینہ کی ان آخری راتوں کو کہتے ہیں جن میں چاند نمودار نہیں ہوتا۔ اِنْمَحَقَ وَاِمْتَحَقَ کے معنی کم ہونا اور مٹ جانا ہیں اور مَحَقَهٗ کے معنی کسی چیز کو کم کرنے اور اس سے برکت کو ختم کر دینے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ (۲-۲۷۶) خدا سود کو نابود (یعنی بے برکت کرتا) اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے۔

وَیَمْحَقَ الْکٰفِرِیْنَ (۳-۱۴۰) اور کافروں کو نابود کر دے۔

(م ح ل)

مَحَلَ (ن) بہ مَحْلًا وَمِحَالًا کے معنی

کسی کے خلاف بری تدبیر کرنے کے ہیں چنانچہ آیت:۔ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ (۱۳-۱۳) جس کے معنی "عقوبت کے ساتھ سختی سے گرفت کرنے والا کے ہیں" بیں بعض کے نزدیک یہ مَحَلَ بِهٖ کے محاورہ سے ہی مشتق ہے۔ مگر بعض نے کہا ہے کہ اَلْمِحَالُ میں میم زیادہ ہے اور یہ دراصل اَلْحَوْلُ اور اَلْحِيلَةُ سے مشتق ہے[1]۔

ابوزید نے کہا ہے کہ مَحَلَ الزَّمَانُ کے معنی قحط سالی ہونا کے ہیں اور قحط زدہ علاقہ کو مَكَانٌ مَاحِلٌ وَ مُتَمَاحِلٌ کہتے ہیں اور اَمْحَلَتِ الْاَرْضُ کے معنی بارش نہ ہونے کی وجہ سے ملک میں قحط ہونے کے ہیں۔ نیز اَلْمَحَالَةُ بیلچہ کے مہرہ کو بھی کہتے ہیں اس کی جمع اَلْمَحَالُ ہے اور جو دودھ خراب اور ترش ہوجائے اسے مُمْحِلٌ کہا جاتا ہے۔ مَاحَلَ عَنْهُ کے معنی کسی کی طرف سے جھگڑنے کے ہیں اور مَحَلَ بِهٖ اِلَى السُّلْطَانِ کے معنی بادشاہ کے پاس کسی کی چغلی کھانے کے ہیں اور ایک حدیث میں ہے[2] (۱۱۸) اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الْقُرْاٰنَ مَاحِلًا بِنَا اے اللہ قرآن کو ہمارے عیوب ظاہر کرنے والا نہ بنا کہ تیرے سامنے ہماری بدعملیوں کی شکایت کرے۔

(م ح ن)

اَلْمَحْنُ وَالْاِمْتِحَانُ کے معنی آزمانے کے ہیں۔ جیسے فرمایا:۔ فَامْتَحِنُوْهُنَّ (۶۰-۱۰) تو انکی آزمائش کرو۔ اور اِمْتِحَانٌ اور اِبْتِلَاءٌ کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں چنانچہ قرآن نے ایک مقام پر:۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى (۴۹-۳) خدا نے ان کے دل تقوی کے لئے آزما لئے ہیں۔ کہا ہے اور دوسرے مقام پر لِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا (۸-۱۷) اس سے یہ غرض تھی کہ مومنوں کو...... اچھی طرح آزمالے۔ فرمایا ہے اور یہاں بَلَاءٌ اور اِمْتِحَانٌ کا وہی مفہوم ہے جو کہ آیت:۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ الاٰية (۳۳-۳۳) اہل بیت خدا چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی (کا میل کچیل) دور کردے۔ میں جس کے دور کرنے کا ہے۔

(م ح و)

اَلْمَحْوُ (ن) کے معنی کسی چیز کے اثر اور نشان کو زائل کرنا اور مٹا دینا کے ہیں۔ اسی

---

[1] قالہ القتیبی فی غریبہ (۲۲۶) وفی اللسان: قال ابومنصور الازھری قول القتیبی غلط فاحش لان المیم اذا کانت زائدة فی "مفعل" یجیئ باظہار الواو والیاء مثل مزود و مجول و محور وما شاکلہا و مثل ہذا النقد ذکر ایضا فی القرطبی ۹/۲۹۹ ولعلہ اخذ من قول قتادة: شدید المحال ای شدید الحیلة وعن عباس ای شدید الحول انظر الطبری ۱۳/۱۲۶-۱۲۸ [2] وفی الکشاف "ولاتجعلہ ماحلا مصدقا" وفی ابن حبان عن جابر والحاکم عن معقل بن یسار والطبرانی عن انس وابوعبید فی فضائل القرآن "القرآن شافع ومشفع وماحل ومصدق" راجع الکافی ۲۲۸ وکنز العمال رقم ۲۳۰۷ و ۲۳۰۶ والفائق ۲/۲۳۸ موقوفا علی ابن مسعود وقدمر الحدیث فی (ش ف ع) ۱۲

سے بادِ شمالی کو مَحْوَۃٌ کہا جاتا ہے[1]۔ کیونکہ وہ بادل کے آثار اور نشانات کو مٹا دیتی ہے۔
قرآن میں ہے:۔
یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ (۱۳-۳۹) خدا جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے، قائم رکھتا ہے۔

(م خ ر)

مَخَرَ الْمَاءُ الْاَرْضَ پانی کا زمین کو چیرنا اور اس میں جگہ لگانا۔ محاورہ ہے:۔
مَخَرَتِ السَّفِیْنَۃُ مَخْرًا وَّمُخُوْرًا کشتی کا اپنے سینہ سے پانی کو چیرنا اور سمندر چیر کر چلنے والی کشتی کو سَفِیْنَۃٌ مَّاخِرَۃٌ کہا جاتا ہے اس کی جمع مَوَاخِرُ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَتَرَی الْفُلْکَ مَوَاخِرَ فِیْہِ (۱۶-۱۴) اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں دریا میں پانی کو پھاڑتی چلی جاتی ہیں۔
اِسْتَمْخَرْتُ الرِّیْحَ وَامْتَخَرْتُھَا میں ہوا کی طرف منہ کرکے کھڑا ہو گیا۔ حدیث میں ہے[2]۔
(۱۹) اِسْتَمْخِرُوا الرِّیْحَ وَاَعِدُّوا النُّبَلَ رفع حاجت کے وقت ہوا کی طرف پشت کرکے بیٹھو اور استنجا کے لئے پتھر ساتھ لے جاؤ۔
اَلْمَاخُوْرُ شراب کی دوکان۔ وہ جگہ جہاں شراب فروخت ہوتی ہو۔ بَنَاتُ مَخْرٍ سفید ابر موسم گرما میں اٹھنے والی بدلیاں۔

(م د د)

اَلْمَدُّ کے اصل معنی (لمبائی ہیں) کھینچنے اور بڑھانے کے ہیں اسی سے عرصہ دراز کو مُدَّۃٌ کہتے ہیں اور مِدَّۃُ الْجُرْحِ کے معنی زخم کا گندہ مواد کے ہیں۔ مَدَّ النَّھْرُ دریا کا چڑھاؤ۔ مَدَّہٗ نَھْرٌ اٰخَرُ۔ دوسرا دریا اس کا معاون بن گیا۔ قرآن میں ہے:۔
اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ (۲۵-۴۵) تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارا رب سائے کو کس طرح دراز کرکے پھیلا دیتا ہے۔
مَدَدْتُ عَیْنِیْ اِلٰی کَذَا کسی کی طرف حریصانہ ... اور للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنا چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اَلْاٰیۃ (۱۵-۸۸) تم ... للچائی نظروں سے نہ دیکھنا۔
مَدَدْتُہٗ فِیْ غَیِّہٖ۔ گمراہی پر مہلت دینا اور فورًا گرفت نہ کرنا۔
مَدَدْتُ الْاِبِلَ اونٹ کو مدید پلایا۔ اور مدید اس بیج اور آٹے کو کہتے ہیں جو پانی میں بھگو کر باہم ملا دیا گیا ہو
اَمْدَدْتُ الْجَیْشَ بِمَدَدٍ لشکر کو مدد دینا۔ کمک بھیجنا۔
اَمْدَدْتُ الْاِنْسَانَ بِطَعَامٍ کسی کی طعام (غلہ) سے مدد کرنا۔

---

[1] ای غیر معروفۃ لکونہا علمًا للشمال انظر الذیل للقالی ۵۰ وفی السمط ۵-۴ ہٰذا وتفسیر محوۃ، قول الاصمعی وتبعہ المبرد فی الکامل ۳-۴۴م و قد انکرہ علی بن حمزۃ فی التنبیہات علی اغالیط الرواۃ علیہما ۱۲ [2] الحدیث فی عب. عن سراقۃ بن مالک مرفوعًا انظر کنز العمال ۹ رقم ۳۰۷-۳۰۸ وفی النہایۃ واللسان (مخر) والفائق ۲/۹۳۴ قال والنبل حجارۃ الاستنجاء والحدیث فی مجمع البحار ۳/۲۰۵ قال والمراد ہہنا من الاستمخار الاستدبار وباقی بمعنی الاستقبال ایضًا ۱۲

قرآن میں عموماً اَمَدَّ (افعال) اچھی چیز کے لئے اور مَدَّ (ثلاثی مجرد) بری چیز کے لئے استعمال ہوا ہے چنانچہ فرمایا:۔
وَاَمْدَدْنَاهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ۔ اور جس طرح کے میوے اور گوشت کو ان کا جی چاہے گا ہم ان کو عطا کریں گے۔(۵۲-۲۲)
اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ (۲۳-۵۵) کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دیتے ہیں۔
وَيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ (۷۱-۱۲) اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا۔
يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ (۳-۱۲۵) تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتے تمہاری مدد کو بھیجے گا۔
اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ (۲۷-۳۶) کیا تم مجھے مال سے مدد دینا چاہتے ہو۔
وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا (۱۹-۷۹) اور اس کے لئے (آہستہ) عذاب بڑھاتے جاتے ہیں۔
وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (۲-۱۵) اور انہیں مہلت دیئے جاتا ہے کہ شرارت اور سرکشی میں پڑے بہک رہے ہیں۔
وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ (۷-۲۰۲) اور ان (کفار) کے بھائی انہیں گمراہی میں کھینچے جاتے ہیں لیکن آیت کریمہ:۔
وَالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ (۳۱-۲۷) اور سمندر (کا تمام پانی) روشنائی ہو اور سات سمندر اور (روشنائی ہو جائیں)[1] میں يَمُدُّهٗ کا صیغہ مَدَّ نَهْرًا اٰخَرَ کے محاورہ سے ماخوذ ہے اور یہ اِمْدَادٌ یا مَدٌّ سے نہیں ہے جو کسی محبوب یا مکروہ چیز کے متعلق استعمال ہوتے ہیں بلکہ یہ مَدَدْتُ الدَّوَاةَ اَمُدُّهَا کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی دوات میں روشنائی ڈالنا کے ہیں اسی طرح آیت کریمہ:۔
وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (۱۸-۱۰۹) اگرچہ ہم ویسا اور سمندر اس کی مدد کو لائیں۔
میں بھی مدد سے مِدَادٌ یعنی روشنائی کے معنی مراد ہیں۔
اَلْمُدُّ۔ غلہ ناپنے کا ایک مشہور پیمانہ۔

(م د ن)

اَلْمَدِيْنَةُ۔ بعض کے نزدیک یہ فَعِيْلَةٌ کے وزن پر ہے اس کی جمع مُدُنٌ آتی ہے۔ اور مَدَنْتُ مَدِيْنَةً کے معنی شہر آباد ہونے کے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک اس میں میم زیادہ ہے (یعنی دین سے مشتق ہے) قرآن میں ہے:۔
وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ (۹-۱۰۱) اور بعض مدینے والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔
وَجَاءَ مِنْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ (۳۶-۲۰) اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک آدمی.... آیا۔
وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ (۲۸-۱۵) اور وہ شہر میں داخل ہوئے۔

(م ر ر)

اَلْمُرُوْرُ کے معنی کسی چیز کے پاس سے گذر جانے کے ہیں۔

---

[1] وایضاً المداد (۷-۱۱۱)

قرآن میں ہے:۔
وَاِذَا مَرُّوْا بِھِمْ یَتَغَامَزُوْنَ (۸۳-۳۰) اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو باہم آنکھوں سے اشارہ کرتے۔
وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا (۲۵-۷۲) اور جب ان کو بیہودہ چیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو شریفانہ انداز سے گزر جاتے ہیں۔
نیز آیت کریمہ میں اس بات پر بھی متنبہ کیا ہے کہ اگر انہیں بیہودہ بات کہنے پر مجبور بھی کیا جائے تو کنایہ سے بات کرتے ہیں اور لغویات سن کر اس سے بہرے بن جاتے ہیں اور مشاہدہ کرتے ہیں تو اعراض کر لیتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔
فَلَمَّا کَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ کَاَنْ لَّمْ یَدْعُنَا (۱۰-۱۲) پھر جب ہم اس تکلیف کو اس سے دور کر دیتے ہیں (تو بے لحاظ ہو جاتا اور) اس طرح گذر جاتا ہے کہ گویا کسی تکلیف پہنچنے پر ہمیں کبھی پکارا ہی نہیں تھا۔ میں مَرَّ بمعنی اَعْرَضَ ہے۔ جیسے فرمایا:۔
وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ (۱۷-۸۳) اور جب ہم انسان کو نعمت بخشتے ہیں تو روگردان ہو جاتا اور پہلو پھیر لیتا ہے۔
اَمْرَرْتُ الْحَبْلَ کے معنی رسی بٹنے کے ہیں۔ اور بٹی ہوئی رسی کو مَرِیْرٌ یا مُمَرٌّ کہا جاتا ہے اسی سے فُلَانٌ ذُوْ مِرَّۃٍ کا محاورہ ہے جس کے معنی طاقتور اور توانا کے ہیں۔ قرآن میں ہے۔
ذُوْ مِرَّۃٍ (۵۳-۶) طاقتور نے۔ مَرَّ الشَّیْءُ وَاَمَرَّ کسی چیز کا تلخ ہونا۔ اسی سے محاورہ ہے۔
فُلَانٌ مَا یُمِرُّ وَمَا یُحْلِیْ کہ فلاں نہ تو کڑوا ہے اور نہ میٹھا، یعنی نہ تو اس سے کسی کو فائدہ پہنچتا ہے اور نہ ہی نقصان۔ اور آیت کریمہ:۔
حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ (۷-۱۸۹) (تو) اسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے۔ اور وہ اس کے ساتھ چلتی پھرتی ہے۔
میں مَرَّتْ بمعنی اِسْتَمَرَّتْ ہے۔ یعنی وہ اسے اٹھائے چلتی پھرتی رہتی ہے۔
مَرَّۃٌ (فَعْلَۃٌ) ایک بار مَرَّتَانِ (تثنیہ) دو بار قرآن میں ہے:۔
یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ کُلِّ مَرَّۃٍ (۸-۵۶) پھر وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں[1]۔
وَهُمْ بَدَءُوْکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ (۹-۱۳) اور انہوں نے تم سے پہلی بار (عہد شکنی کی) ابتدا کی۔
اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً (۹-۸۰) اگر آپ ان کے لئے ستر بار بخشش طلب فرمائیں۔
اِنَّکُمْ رَضِیْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّۃٍ (۹-۸۳) تم پہلی مرتبہ بیٹھ رہنے پر رضامند ہو گئے۔
سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ (۹-۱۰۱) ہم ان کو دو بار عذاب دیں گے۔
ثَلٰثُ مَرّٰتٍ (۲۴-۵۸) تین دفعہ (یعنی تین اوقات میں)۔

(م و ج)

اصل میں اَلْمَوْجُ کے معنی خلط ملط کرنے اور ملا دینے کے ہیں اور اَلْمُوْجُ کے معنی اختلاط اور مل جانے کے۔

---

[1] وفی الحدیث لاتحل الصدقۃ لغنی ولا لذی مرۃ سوی اخرجہ النسائی وابن ماجۃ من حدیث ابی ہریرۃ والفائق ۲/۴۴۲
[2] وفی المطبوع فی کل عام مرۃ" زلۃ من المصحح وہی آیۃ اخری: یفتنون فی کل عام مرۃ او مرتین (۹-۱۲۶) ۱۲

مَرِجَ اَمْرُھُمْ۔ ان کا معاملہ ملتبس ہوگیا۔
مَرِجَ الْخَاتَمُ فِیْ اُصْبُعِیْ۔ انگوٹھی انگلی میں ڈھیلی ہوگئی مَارِجٌ (صفت فاعل) ڈھیلی انگوٹھی۔ اَمْرٌ مَرِیْجٌ گڈمڈ اور پیچیدہ معاملہ۔ غُصْنٌ مَّرِیْجٌ باہم گتھی ہوئی ٹہنی۔ قرآن میں ہے:۔
فَهُمْ فِیْ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ (۵۰-۵) سو یہ ایک غیر واضح معاملہ میں ہیں۔
اَلْمَرْجَانُ مونگا۔ چھوٹا موتی۔ قرآن میں ہے:۔
کَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ (۵۵-۵۸)
اور آیت کریمہ:۔
مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ (۵۵-۱۹) اس نے دو دریا رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں۔
میں مَرَجَ کا لفظ مَرَجَ[1] کے محاورہ سے ماخوذ ہے اور جس زمین میں گھاس بکثرت ہو اور جانور اس میں مگن ہو کر چرتے رہیں اسے مَرْجٌ کہا جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (۵۵-۵) آگ کے شعلے سے۔
میں مَارِجٌ کے معنی آگ کے (دھوئیں سے) مخلوط شعلے کے ہیں۔
اَمْرَجْتُ الدَّابَّةَ فِی الْمَرْعٰی میں نے جانور کو چراگاہ میں کھلا چھوڑ دیا چنانچہ وہ آزادی سے چرتا رہا۔

(م ر ح)

اَلْمَرَحُ کے معنی ہیں بہت زیادہ اور شدت کی خوشی جس میں انسان اترانے لگ جائے، قرآن میں ہے:۔
وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا (۱۷-۳۷) اور زمین پر اکڑ کر (اور اٹھلا کر) مت چل۔
اس میں ایک قرأت مَرِحًا بمعنی فَرِحًا بھی ہے۔
مَرْحٰی یہ کلمہ تعجب ہے (اور اَحْسَنْتَ یا اَصَبْتَ کی جگہ استعمال ہوتا ہے) یعنی خوب کیا کہنے ہیں۔

(م ر د)

اَلْمَارِدُ وَالْمَرِیْدُ۔ جنوں اور انسانوں سے اس شیطان کو کہا جاتا ہے جو ہر قسم کی خیر سے عاری ہو چکا ہو۔ قرآن میں ہے:۔
وَحِفْظًا مِّنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ (۳۷-۷) اور ہر شیطان سرکش سے اس کی حفاظت کے لئے۔
یہ شَجَرٌ اَمْرَدُ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں وہ درخت جس کے پتے نہ ہوں۔ اور اسی سے رَمْلَةٌ مَّرْدَاءُ ہے یعنی ریت کا ٹیلہ جس پر کوئی چیز نہ اگتی ہو۔ اسی سے اَمْرَدُ اس نوجوان کو کہتے ہیں جس کے ہنوز سبزہ نہ اگا ہو۔ حدیث میں ہے[2] (۱۲۰)
اَهْلُ الْجَنَّةِ کُلُّهُمْ مُرْدٌ کہ اہل جنت سب کے سب امرد ہوں گے۔ چنانچہ بعض نے اس

---

[1] وفی الطبعة الاولیٰ کان ههنا بیاض وفی الطبعة الحلبیه (تحقیق وضبط محمد سعید کیلانی) من قولهم مَرَجَ ولم یترک الفراغ نخلط علی خلط والصواب من قولهم مرج الدابة اذا خلاها فی المرج ترعی (راجع الغریب للقتبی ۴۳۸) وفی اللسان وهذا لا یقوله الا اهل تهامة واما النحویون فیقولون امرجته ۱۲ [2] رواه الدارمی ۲ر۳۳۵ والحدیث فی النهایة ارا۸ا و۴م ر۱ا والاضداد لابی الطیب ۱۶۲ وفی الکشاف: یدخل اهل الجنة الجنة جرداً مرداً۔ قال الحافظ فی الکاف (ص ۱۲۳ رقم ۷۶) رواه احمد وابن ابی شیبة وابویعلی والطبرانی فی الاوسط من روایة سعید بن المسیب عن ابی هریرة وروی موصلا والترمذی (فی الباب) عن معاذ بن جبل وروی مرسلا وفی البیهقی موصولا ۱۲

حدیث کو ظاہری معنی پر ہی حمل کیا ہے۔ اور بعض نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ وہ ہر قسم کے عیوب سے پاک ہوں گے۔ جیسے محاورہ ہے:۔
مَرَدَ فُلَانٌ عَنِ الْقَبَائِحِ فلاں ہر قسم کی قباحت سے پاک ہے۔
مَرَدَ فُلَانٌ عَنِ الْمَحَاسِنِ وہ محاسن سے عاری ہے۔
مَرَدَ عَنِ الطَّاعَةِ سرکشی کرنا پس آیت کریمہ:۔
وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ کے معنی یہ ہیں۔ کہ اہل مدینہ سے بعض لوگ ...... نفاق پر اڑ کر ہر قسم کی خیر سے محروم ہو گئے ہیں[1]۔ اور آیت کریمہ:۔
مُمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ (۲۷-۴۴) شیشے جڑے ہونے کی وجہ سے ہموار۔
میں مُمَرَّدٌ کے معنی ہموار یا چکنا کیا ہوا کے ہیں۔ اور یہ شَجَرَةٌ مَرْدَاءُ سے ماخوذ ہے۔ گویا مُمَرَّدٌ کے لفظ سے اس کی اس صفت کی طرف اشارہ ہے جسے شاعر نے یوں بیان کیا ہے[2] (سریع)

(۴۰۶) فِي مِجْدَلٍ شُيِّدَ بُنْيَانُهُ
يَزِلُّ عَنْهُ ظُفُرُ الطَّائِرِ

ایک مضبوط محل میں جس پر ایسا پلاسٹر لگایا گیا ہے کہ اس سے پرند کے ناخن بھی پھسل جاتے ہیں۔
مَارِدٌ ایک مشہور قلعے کا نام ہے[3]۔ مثل مشہور ہے تَمَرَّدَ مَارِدٌ وَعَزَّ الْاَبْلَقُ۔ مَارِدٌ (قلعہ) نے سرکشی کی اور ابلق (قلعہ) غالب رہا۔ یعنی یہ دونوں قلعے سر نہ ہو سکے۔ یہ مقولہ ایک بادشاہ کا ہے جو ان دونوں قلعوں کو زیر نہیں کر سکا تھا۔

(م ر ض)

اَلْمَرَضُ کے معنی ہیں انسان کے مزاج خصوصی کا اعتدال اور توازن کی حد کی نکل جانا اور یہ دو قسم پر ہے۔ مرض جسمانی جیسے فرمایا:۔
وَلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ (۲۴-۶۱) اور نہ بیمار پر کچھ گناہ ہے۔
وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى (۹-۹۱) اور نہ بیماروں پر۔
دوم مَرَض کا لفظ اخلاق کے بگڑنے پر بولا جاتا ہے اور اس سے جہالت بزدلی، بخل، نفاق وغیرہ جیسے اخلاق رذیلہ مراد ہوتے ہیں چنانچہ فرمایا۔
فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا۔ ان کے دلوں میں کفر کا مرض تھا۔ خدا نے ان کا مرض اور زیادہ کر دیا۔ (۲-۱۰)
اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْا (۲۴-۵۰) کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا یہ شک میں ہیں۔
فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ (۹-۱۲۵) اور جن کے دلوں میں مرض ہے۔ ان کے حق میں خبث پر خبث زیادہ کیا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا۔

---

[1] ومردعلی یاتی بمعنی التمرن والتعود علی الشیٔ لکن علی توجیہ المؤلف تکون صلتہ محذوفۃ وعلی النفاق حال ای ارتکسوا عن الخیر وہم علی النفاق ۱۲
[2] البیت من قصیدۃ الاعشیٰ یہجو علقمۃ بن علاثۃ ویمدح عامر بن الطفیل فی المنافرۃ التی جرت بینہما والقصیدۃ فی دیوانہ (۱۲-۹۶) والبیت فیہ ۹۶ واللسان (شید اجدل) وفی روایۃ شدد بدل شید والبلدان (رسم: وسط) وفیہ منزل بدل مجدل والمراد حصن اور دفی المطبوع الظافر بدل الطائر ولعلہ زلۃ من المصحح وما اثبتناہ طبقا للمراجع ہوالانسب ۱۲
[3] قالتہ زباء والابلق والمارد کانا حصنین فی دومۃ الجندل للسموئل بن عادیا الیہودی فعزتہا زباء فاستصعبا علیہا فقالت انظر المثل والخبر المیدانی رقم ۲۵۹۶ والبلدان (رسم: مارد) والحیوان ۱ر۲۷ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وَلَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ طُغْیَانًا وَّکُفْرًا (۵-۶۸) اور یہ (قرآن) جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے اس سے ان میں سے اکثر کی سرکشی اور کفر بڑھے گا۔

اور نفاق، کفر وغیرہ اخلاق رذیلہ کو (مجازاً) بطور تشبیہ مرض کہا جاتا ہے۔ یا تو اس لئے کہ اس قسم کے اخلاق کسب فضائل سے مانع بن جاتے ہیں۔ جیسا کہ بیماری جسم کو کمال تصرف سے روک دیتی ہے۔ اور یا اس لئے کہ وہ اخروی زندگی سے محرومی کا سبب بنتے ہیں۔ جس قسم کی زندگی کا کہ آیت کریمہ:۔ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ (۲۹-۶۴) اور ہمیشہ کی زندگی کا مقام تو آخرت کا گھر ہے کاش کہ یہ لوگ سمجھتے۔ میں ذکر پایا جاتا ہے۔ اور یا رذائل کو اس لئے مرض کہا جاتا ہے کہ وہ انسانی طبیعت کو ردی اخلاق کی طرف مائل کر دیتے ہیں جیسا کہ بیماری جسم کو مضر اشیاء کے کھانے پر اکساتی ہے اور چونکہ ایسے اخلاق بھی ایک طرح کا مرض ہی ہیں اس لئے قلب و صدر میں کینہ و کدورت پیدا ہونے کے لئے دَوِیَ صَدْرُ فُلَانٍ وَنَغِلَ قَلْبُہٗ وغیرہ محاورات استعمال ہوتے ہیں ایک حدیث میں ہے[له] (۱۲۱) وَاَیُّ دَاءٍ اَدْوَأُ مِنَ الْبُخْلِ اور بخل سے بڑھ کر اور کونسی بیماری ہو سکتی ہے۔ اور شَمْسٌ مَرِیْضَۃٌ اس وقت کہتے ہیں جب گرد و غبار یا کسی اور عارضہ سے اس کی روشنی ماند پڑ جائے۔ اَمْرَضَ فُلَانٌ فِیْ قَوْلِہٖ کے معنی تعریض اور کنایہ سے بات کرنے کے ہیں۔

اَلتَّمْرِیْضُ تیمار داری کرنا۔ اصل میں تَمْرِیْضٌ کے معنی مرض کو زائل کرنے کے ہیں اور یہ تَقْذِیَۃٌ کی طرح ہے جس کے معنی آنکھ سے خاشاک دور کرنا کے ہیں۔

(م ر ء)

مَرْءٌ وَاِمْرُؤٌ مرد اور مَرْءَۃٌ وَامْرَأَۃٌ کے معنی عورت کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ اِنِ امْرُؤٌ ھَلَکَ (۴-۱۷۶) اگر کوئی ایسا مرد جائے۔ وَکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا (۱۹-۵) اور میری بیوی بانجھ ہے۔ اور مُرُوْءَۃٌ کے معنی کمال مردانگی کے ہیں اور یہ لفظ رُجُوْلِیَّۃٌ کے ہم معنی ہے۔ اَلْمَرِیُّ اس نالی کو کہتے ہیں جو معدہ سے حلق تک ملی ہوتی ہے۔ اسی سے مَرُؤَ الطَّعَامُ وَاَمْرَأَ کے معنی ہیں کھانا خوشگوار ہو گیا اور طبیعت کے موافق ہونے کی وجہ سے غذا کی نالی میں بسہولت اتر گیا۔ قرآن میں ہے۔ فَکُلُوْہُ ھَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا (۴-۴) تو اسے کھا لو لذیذ اور خوش ہضم۔

(م ر ی)

اَلْمِرْیَۃُ کے معنی کسی معاملہ میں تردد کرنے کے ہیں اور یہ شَکٌّ سے خاص ہوتا ہے۔

[له] قالہ ابوبکر الصدیق لما طلبا جابر بن عبداللہ حین عیرہ بالبخل فی حدیث طویل اوردہ البخاری فی کتاب الکفالۃ والشہادات وفی مرض الحسن وفی المغازی (الفتح ۸/۷۸) ۱۲

قرآن میں ہے:۔
وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْہُ (۲۲-۵۵) اور کافر لوگ ہمیشہ اس سے شک میں رہیں گے۔
فَلَا تَکُ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّمَّا یَعْبُدُ ھٰؤُلَآءِ (۱۱-۱۰۹) تو یہ لوگ جو غیر خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ اس سے تم خلجان میں نہ پڑنا۔
فَلَا تَکُنْ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْ لِّقَآئِہٖ (۳۲-۲۳) تو تم اس کے ملنے سے شک میں نہ ہونا۔
اَلَآ اِنَّھُمْ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّھِمْ (۴۱-۵۴) دیکھو یہ اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہونے سے شک میں ہیں۔
اَلْاِمْتِرَاءُ وَالْمُمَارَاۃُ کے معنی ایسے کام میں جھگڑا کرنا کے ہیں جس کے تسلیم کرنے میں تردد ہو۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْہِ یَمْتَرُوْنَ (۱۹-۳۴) یہ سچی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔
بِمَا کَانُوْا فِیْہِ یَمْتَرُوْنَ (۱۵-۶۳) جس میں لوگ شک کرتے تھے۔
اَفَتُمٰرُوْنَہٗ عَلٰی مَا یَرٰی (۵۳-۱۲) کیا جو کچھ وہ دیکھتے ہیں تم اس میں ان سے جھگڑتے ہو۔
فَلَا تُمَارِ فِیْھِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاھِرًا (۱۸-۲۲) تو تم ان کے معاملے میں گفتگو نہ کرنا۔ مگر سرسری سی گفتگو۔
دراصل مَرَیْتُ النَّاقَۃَ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں اونٹنی کے تھنوں کو سہلانا تاکہ دودھ دے دے۔
(مَرْیَم) علیہا السلام۔ یہ عجمی لفظ ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام (قرآن نے (مریم ۱۹-۴۵) بتایا ہے۔

(م ز ن)

اَلْمُزْنُ کے معنی سفید چمکدار بادل کے ہیں۔ اس بادل کے ایک ٹکڑے کو مُزْنَۃٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْہُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا یا ہم نازل کرتے ہیں۔
اِبْنُ مُزْنَۃٍ۔ ماہِ نو جو بادل سے نمودار ہو۔
فُلَانٌ یَتَمَزَّنُ کے معنی ہیں۔ فلاں بادل کی طرح سخاوت کرتا ہے یعنی بتکلف سخاوت کرتا ہے۔
مَزَّنْتُ فُلَانًا میں نے اسے بادل کے ساتھ تشبیہ دی اور مَازِنٌ چیونٹی کے انڈوں کو کہتے ہیں۔

(م ز ج)

مَزَجَ الشَّرَابَ کے معنی شراب میں کوئی چیز ملا دینا کے ہیں۔ اور جو چیز شراب میں ملائی جائے اسے مِزَاجٌ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
مِزَاجُھَا کَافُوْرًا (۷۶-۵) جس میں کافور کی آمیزش ہوگی۔
وَمِزَاجُہٗ مِنْ تَسْنِیْمٍ (۸۳-۲۷) اور اس میں تسنیم کے پانی کی آمیزش ہوگی۔
مِزَاجُھَا زَنْجَبِیْلًا (۷۶-۱۷) جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔

(م س س)

اَلْمَسُّ کے معنی چھونا کے ہیں اور یہ لَمْسٌ کے ہم معنی ہیں لیکن گاہے لَمْسٌ کسی چیز کی تلاش

کرنے کو بھی کہتے ہیں اور اس میں یہ ضروری نہیں کہ وہ چیز مل بھی جائے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[1]۔ (مجزو الوافر)

(۴۰۷) وَالْمَسُّهُ فَلَا اَجِدُهُ

میں اسے تلاش کرتا ہوں لیکن وہ نہیں ملتا۔ مگر مَسّ کا لفظ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب "حاسہ لمس" کے ساتھ اس کا ادراک بھی ہو۔ اور کنایۃً مجامعت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ مَسَّ الْمَرْاَۃَ وَ مَاسَّھَا کے معنی عورت سے مجامعت کے ہیں۔ اور قرآن میں ہے:۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْھُنَّ (۲-۲۳۷) اور اگر تم عورتوں کو ان سے مجامعت سے پہلے طلاق دے دو۔

لَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْھُنَّ (۲-۲۳۶) اور اگر تم عورتوں کو ان سے مجامعت سے پہلے طلاق دے دو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔

ایک قرأت میں مَا لَمْ تُمَاسُّوْھُنَّ ہے۔

اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ (۳-۴۷) میرے ہاں بچہ کیونکر ہوگا حالانکہ کسی انسان نے مجھے ہاتھ تو لگایا نہیں۔

اور کنایۃً مَسِیْسٌ مجامعت کو کہتے ہیں اور مجازاً مَسٌّ کا اطلاق جنون پر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

کَالَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ۔ (۲-۲۷۵) جیسا کہ کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔

اور مَسّ کا لفظ ہر اس تکلیف کے لئے بول دیا جاتا ہے جو انسان کو پہنچے۔ جیسے فرمایا:۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ (۲-۸۰) اور کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمیں ..... چھو ہی نہیں سکے گی۔

مَسَّتْھُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ (۲-۲۱۴) ان کو بڑی بڑی سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں۔

ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ (۵۴-۴۸) (اب) آگ کا مزہ چکھو۔

مَسَّنِیَ الضُّرُّ (۲۱-۸۳) کہ مجھے ایذا ہو رہی ہے

مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ (۳۸-۴۱) شیطان نے مجھ کو اذیت دے رکھی ہے۔

مَسَّتْھُمْ اِذَا لَھُمْ مَّکْرٌ فِیْٓ اٰیَاتِنَا (۱۰-۲۱) تکلیف پہنچنے کے بعد تو ہماری آیتوں میں حیلے کرنے لگتے ہیں۔

وَاِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ (۱۷-۶۷) اور جب تم کو..... تکلیف پہنچتی ہے:۔

(م س ح)

اَلْمَسْحُ (ف) کے معنی کسی چیز پر ہاتھ پھیرنے اور اس سے نشان اور آلائش صاف کر دینے کے ہیں اور کبھی صرف کسی چیز پر ہاتھ پھیرنا اور کبھی ازالۂ اثر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے:۔

مَسَحْتُ یَدِیْ بِالْمِنْدِیْلِ میں نے رومال سے ہاتھ پونچھا اور گھسے ہوئے چکنے درہم (سکہ) کو مَسِیْحٌ کہا جاتا ہے اور ہموار اور چکنی جگہ کو مَکَانٌ اَمْسَحُ کہہ دیتے ہیں۔

مَسَحَ الْاَرْضَ۔ اس نے زمین کی پیمائش کی۔ پھر جس طرح (مجازاً) ذَرَعَ (ناپنا) کے معنی

---

[1] قالہ اعرابی وتقدم فی (ل م س)۔

چلنا اور مسافت طے کرنا آجاتے ہیں۔ اسی طرح مَسَحَ کا لفظ بھی چلنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے:۔

مَسَحَ الْبَعِیْرُ الْمَفَازَۃَ وَذَرَعَھَا اونٹ نے بیابان کو عبور کیا۔ اصطلاح شریعت میں مَسَحَ کے معنی اعضاء پر پانی گذارنے کے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے:۔

مَسَحْتُ لِلصَّلٰوۃِ وَتَمَسَّحْتُ میں نے نماز کے لئے مسح کیا۔ قرآن میں ہے:۔

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ (۵-۶) اور سر کا مسح کر لیا کرو اور پاؤں دھو لیا کرو۔ اور کبھی مَسَسْتُ کی طرح مَسَحْتُہٗ بِالسَّیْفِ کے معنی بھی تلوار سے مارنا کے آجاتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہےلہ:۔

فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ (۳۸-۳۳) پھر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

بعض نے کہا ہے کہ دجّال کا نام مَسِیْحٌ اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس کے چہرے کی ایک جانب مسخ ہو چکی ہوگی۔ چنانچہ مروی ہے انہ لا عین لہ ولا حاجب کہ اس کے ایک جانب کی آنکھ اور ابھویں کا نشان تک نہیں ہوگا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کا نام مسیح اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ زمین میں سیاحت کرتے تھے۔ اور ان کے زمانہ میں ایک گروہ تھا جنہیں زمین میں سیاحت کی وجہ سے مَشَّائِیْنَ اور سَیَّاحِیْنَ کہا جاتا تھا بعض کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے مس کرنے سے چونکہ کوڑھی تندرست ہو جاتے تھے۔ اس لئے آپؑ کو مسیح کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ بعض نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بطن مادر سے پیدا ہوئے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ ان کے بدن پر تیل کی مالش کی گئی ہے۔ اس لئے انہیں مسیح کہا گیا ہے۔

بعض کا قول ہے کہ یہ عبرانی لفظ مشوح سے معرب ہے جیسا کہ موسیٰ عبرانی لفظ موشیٰ سے معرب ہے (؟)۔ بعض کا قول یہ ہے کہ مسیح اسے کہتے ہیں جس کی ایک آنکھ مٹی ہوئی ہو اور مروی ہے اِنَّ الدجال ممسوح الیمنیٰ وان عیسیٰ ممسوح الیسریٰ کہ دجال کی دائیں اور عیسیٰ علیہ السلام کی بائیں آنکھ مٹی ہوئی ہوگی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دجال علم و عقل، حلم اور دیگر اخلاق حمیدہ سے کلیۃً محروم ہوگا اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام کی بائیں آنکھ مٹنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جہالت، حرص اور دیگر اخلاق مذمومہ سے پاک تھے۔

پھر جس طرح مَسٌّ اور لَمْسٌ کے الفاظ کنایۃً مجامعت کے لئے آجاتے ہیں۔ اسی طرح مَسَحَ بھی مجامعت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ معمولی پسینے پر بھی مَسِیْحٌ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اور مِسْحٌ ٹاٹ کو کہتے ہیں اس کی جمع مُسُوْحٌ و اَمْسَاحٌ آتی ہے۔ اَلتِّمْسَاحُ مگرمچھ کو کہتے ہیں اور تشبیہ کے طور

لہ روی ذالک عن ابن عباس وقتادۃ ومقاتل وغیرہم واختارہ الزمخشری لکن الرازی ذھب الی ان المراد منہ المسح بالید لا بالسیف وہذا اقرب وقد حقق الآلوسی البحث ورد المعنی الاول ردًّا بلیغًا راجع ۲۳ ر ۱۷۵ - ۱۷۶) وفارن القنبی ۲۷۵ والطبری ۲۳ ر ۱۰۰ والقرطبی ۲۳ ر ۱۹۵ والبحر ر ۳۹۶ والدر ۲۰۹ لہ تذکرنا الاقول ابن الاثیر فی النہایہ (مسح) ۱۲

پر سرکش آدمی کو بھی تِمْسَاح کہہ دیتے ہیں۔

(م س خ)

اَلْمَسْخُ کے معنی شکل وصورت بگاڑ دینا اور اخلاق وعادات خراب کر دینا کے ہیں۔ بعض حکماء نے کہا ہے کہ مسخ دو قسم پر ہے ایک مسخ خاص یعنی شکل وصورت وصورت بگاڑنا یہ خاص قوم کے ساتھ خاص دور میں ہوا تھا دوم مسخ عام یعنی اخلاق وعادات کا بگاڑنا یہ ہر دور میں ہو سکتا ہے کہ انسان جانوروں کے سے اخلاق اختیار کرلے مثلاً اس کے اندر کتے کی سی شدت حرص پیدا ہو جائے یا خنزیر کی طرح جنسی خواہش میں اندھا ہو جائے یا بیل کی سی حماقت اختیار کرلے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ (۵-۶۰)

اور ان میں سے بندر اور سور بنا دیئے۔

کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے۔ کہ یہاں بندر اور خنزیر بنا دینے سے ان کے اخلاق وعادات بگاڑ دینا مراد ہے۔

اور آیت کریمہ:۔

لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ (۳۶-۶۷) تو ان کی جگہ ان کی صورتیں بدل دیں۔

میں مسخ کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ پہلے معنی زیادہ واضح ہیں[1] اور اَلْمَسِيْخُ وہ کھانا جو بے مزہ ہو چنانچہ شاعر نے کہا ہے[2] (المتقارب)

(۴۰۸) وَاَنْتَ مَسِيْخٌ كَلَحْمِ الْحُوَارِ

اور تو حوار یعنی اونٹ کے نوزائیدہ بچے کے گوشت کی طرح بے مزہ ہے۔

مَسَخْتُ النَّاقَةَ میں نے ناقہ کو دُبلا کر کے اس کی شکل بگاڑ دی۔

اَلْمَاسِخِيُّ کے معنی کمان ساز کے ہیں یہ مَاسِخَةٌ قبیلہ کی طرف منسوب ہے۔ جو کمانیں بنایا کرتا تھا پھر ہر کمان ساز کو ماسخی (منسوبا) کہا جانے لگا ہے۔ جیسا کہ ہر آہنگر کو هَالِكِيٌّ کہا جاتا ہے۔

(م س د)

اَلْمَسَدُ کھجور کے درخت کی پتے نکالی ہوئی شاخوں کا ریشہ جسے بٹ کر رسی بنائی جاتی ہے[3]۔ قرآن میں ہے:۔

حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ (۱۱۱-۵) یعنی کھجور کے پٹھوں سے بٹی ہوئی رسی۔

اِمْرَءَةٌ مَمْسُوْدَةٌ بٹی ہوئی رسی کی طرح گٹھے

---

[1] ذہب الی الاول ابن عباس والمختار دی عنہ ان المسخ بمعنی المھلاکۃ در روح المعانی ۲۳ / ۴۲) [2] البیت لاشعر الرقبان الاسدی الجاہلی واسمہ عمرو بن حارثۃ) یہجو رجلاً اسمہ رضوان وکان نزل بہ فلم یقرہ وترجمتہ فی المرزبانی ۱۹) وتمامہ: فلا انت حلو ولامرّ وفی روایۃ الامالی (۲: ۲۱۱) سلیخ ملیخ وفی اللسان مسیخ ملیخ بدل وانت مسیخ راجع اللسان والتاج (عفر ومسخ) ومجالس ثعلب (۱: ۹۸) والسمط (۲: ۸۳۰) وما ذکرہ المؤلف روایۃ ابی زید فی النوادر ۳۷ والبیت فی المیدانی (۲: ۴۳۲، ۱۸۶، ۲۵۱) وفی المؤتلف (۷۴، ۱۳۳) والجمہرۃ (۲: ۲۱۱، ۲۵۱) والمرزبانی ۱۹ والمخصص (۵: ۱۱/۱۴: ۳۸) وکتاب الابدال ۳۵ ومحاضرات المؤلف دار ۳۱۲ والحیوان للجاحظ (۱: ۳۶۱) وتہذیب الالفاظ والابیات ستۃ وفی المؤتلف ۳۰ والمعجم للمرزبانی ۳۵ فی روایۃ ثعلب عزاہ الی عمرو بن ثعلبۃ الشیبانی وہو شاعر جاہلی خبیث [3] کذا ذکرہ القتبی فی غریبہ ۴/۲ ۵ وقال عروۃ بن الزبیر ہو السلسلۃ التی ذکرہا اللہ تعالیٰ فی سورۃ الحاقۃ ۳۲ انظر الطبری ۳۰ / ۳۴۳ وروی عن مجاہد وسفیان انظر المشکل ۱۲۳ - ۱۲۲ فیہ کذالک قال ابن عباس:

ہوئے گوشت والی اور معتدل قامت عورت۔

(م س ک)

اَمْسَکَ الشَّیْءَ کے معنی کسی چیز سے چمٹ جانا اور اس کی حفاظت کرنا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ۔ (۲-۲۲۹) پھر (عورت کو) یا تو بطریق شائستہ (نکاح میں) رہنے دینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔
وَیُمْسِکُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ۔ (۲۲-۶۵) اور وہ آسمان کو تھامے رہتا ہے کہ زمین پر نہ گر پڑے۔
اِسْتَمْسَکْتُ الشَّیْءَ کے معنی کسی چیز کو پکڑنے اور تھامنے کا ارادہ کرنا کے ہیں۔ جیسے فرمایا:۔
فَاسْتَمْسِکْ بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَیْکَ (۴۳-۴۳) پس تمہاری طرف جو وحی کی گئی ہے اسے مضبوط پکڑے رہو۔
اَمْ اٰتَیْنٰھُمْ کِتٰبًا مِّنْ قَبْلِہٖ فَھُمْ بِہٖ مُسْتَمْسِکُوْنَ (۴۳-۲۱) یا ہم نے ان کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی تھی تو یہ اس سے (سند) پکڑتے ہیں۔
محاورہ ہے:۔
تَمَسَّکْتُ بِہٖ وَمَسَکْتُ بِہٖ کسی چیز کو پکڑنا اور تھام لینا۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَلَا تُمْسِکُوْا بِعِصَمِ الْکَوَافِرِ (۶۰-۱۰) اور کافر عورتوں کی ناموس قبضے میں نہ رکھو (یعنی کفار کو واپس دے دو)۔
اَمْسَکْتُ عَنْہُ کَذَا کسی سے کوئی چیز روک لینا۔ قرآن میں ہے:۔
ھَلْ ھُنَّ مُمْسِکٰتُ رَحْمَتِہٖ (۳۹-۳۸) تو وہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں۔
اور کنایہ کے طور پر امساک بمعنی بخل بھی آتا ہے اور مُسْکَۃٌ مِّنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ اس قدر کھانے یا پینے کو کہتے ہیں جس سے سد رمق ہو سکے۔
اَلْمَسَکُ (جوڑا) ہاتھی دانت کا بنا ہوا زیور جو عورتیں کلائی میں پہنتی ہیں۔ اَلْمَسْکُ۔ کھال جو بدن کے ڈھانچہ کو تھامے رہتی ہے۔

(م ش ج)

اَلْمَشِیْجُ۔ مخلوط شے جمع اَمْشَاج قرآن میں ہے:۔
اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْہِ (۷۶-۲) نطفۂ مخلوط سے پیدا کیا تاکہ اسے آزمائیں۔
یعنی خون کی مختلف خلطوں سے اور مختلف خلطوں سے مختلف قویٰ مراد ہیں[1]۔ جن کی طرف کہ آیت:۔
وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ اِلٰی قَوْلِہٖ خَلْقًا اٰخَرَ۔ (۲۳-۱۲) اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا۔
میں اشارہ پایا جاتا ہے۔

(م ش ی)

اَلْمَشْیُ (ض) کے معنی ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف قصد اور ارادہ کے ساتھ منتقل ہونے کے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے:۔
کُلَّمَآ اَضَآءَ لَھُمْ مَّشَوْا فِیْہِ (۲-۲۰) جب بجلی چمکتی اور ان پر روشنی ڈالتی ہے تو اس میں چل پڑتے ہیں۔

---

[1] وفی غریب القتبی (۲-۵۰۱) ای بہا اختلاط ماء الرجل بماء المرأۃ وکذا قال ابن عباس وغیرہ علی ما فی الفخر ۲۹۱/۲ والطبرانی ۲۹/۱۲۶ وانظر احکام شافعی (۲/۱۸۸-۱۸۹)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ اَلْاٰية (۲۴-۴۵)
ان میں سے بعض ایسے ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں۔
يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا (۲۵-۶۳) جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں۔
فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا (۶۷-۱۵) تو اس کی راہوں میں چلو پھرو۔
اور کنایۃً مَشْیٌ کا لفظ چغلی کھانے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ فرمایا:۔
هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ (۶۸-۱۱) طعن آمیز اشارتیں کرنے والا چغلیاں لئے پھرنے والا۔
اور کنایۃ کے طور پر مَشْیٌ کے معنی مسہل پینا بھی آتے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے:۔
شَرِبْتُ مَشْيًا وَمَشْوًا میں نے مسہل دوا پی۔
اَلْمَاشِيَةُ۔ مویشی یعنی بھیڑ بکری کے ریوڑ کو کہتے ہیں۔ اور اِمْرَأَةٌ مَاشِيَةٌ اس عورت کو کہتے ہیں جس کے بچے بہت ہوں۔

(م ص ر)

اَلْمِصْرُ: ہر محدود شہر کو (جس کے گرد فصیل ہو) مصر کہتے ہیں اور مَصَرْتُ مِصْرًا کے معنی شہر آباد کرنے کے ہیں۔ دراصل مِصْرٌ دو چیزوں کے مابین حد کو کہتے ہیں۔ چنانچہ ہجر شہر میں مکانات کے بیعناموں کی شرط میں یہ الفاظ خاص طور پر لکھے جاتے تھے۔
اِشْتَرٰى فُلَانٌ الدَّارَ بِمُصُوْرِهَا فلاں نے یہ مکان اس کی حدود (اربعہ) کے ساتھ خرید کیا۔ اور کسی شاعر نے کہا ہے[1] (البسیط)
(۴۰۹) وَجَاعِلُ الشَّمْسِ مِصْرًا لَاخَفَاءَ بِهٖ
بَيْنَ النَّهَارِ وَبَيْنَ اللَّيْلِ قَدْ فَصَلَا
(بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو رات اور دن کے درمیان حد فاصل بنا رکھا ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
اُدْخُلُوْا مِصْرًا۔ (۲-۹۹) مصر میں داخل ہو جائیے۔
میں مصر سے مشہور شہر مصر مراد ہے۔ اور تخفیف کے طور پر اسے منصرف کر دیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے کوئی ایک شہر مراد ہے[2]۔
اَلْمَاصِرُ دو پانیوں کے درمیان حد فاصل۔
مَصَرْتُ النَّاقَةَ کے معنی اونٹنی کو انگلیوں کے اطراف سے دوہنا کے ہیں اسی سے محاورہ ہے:
لَهُمْ غَلَّةٌ يَمْتَصِرُوْنَهَا ان کے پاس کچھ غلہ ہے جسے وہ تھوڑا تھوڑا کر کے استعمال کرتے ہیں۔ ثَوْبٌ مُمَصَّرٌ (گیرو سے رنگا ہوا کپڑا) گہرا رنگا ہوا کپڑا۔
نَاقَةٌ مَصُوْرٌ کم اور بمشکل دودھ دینے والی اونٹنی۔
حسن نے کہا ہے لَا بَأْسَ بِكَسْبِ التَّيَّاسِ مَا لَمْ يَمْصُرْ وَلَمْ يَبْسُرْ کہ سانڈوالے کی کمائی میں کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ وہ انگلیوں سے نہ نچوڑے۔ اور نہ ہی مادہ کی خواہش کے بغیر سانڈ اس سے جفتی کھلائے۔
اَلْمَصِيْرُ آنت ج مُصْرَانٌ۔ بعض نے کہا

---

[1] وفی اللسان قالہ امیۃ یذکر حکمۃ الخالق وقال ابن البری البیت لعدی بن زید العبادی وہو الصواب راجع تفسیر الطبری (۱:۱۷) والخفاجی شرح الدرۃ ۴۹ والبیت ایضًا فی البحر (۱:۲۲۰:۴۵۵) [2] قالیہ ذہب عامۃ المفسرین وحکی من: اکسانہ مصر مسکن فرعون وفی مصحف عبداللہ بن مسعود بلاالف ولام لیؤید ما ذکر روح المعانی (۱:۲۵۰)

ہے کہ یہ مَضَادٌ سے مَفْعَلٌ کے وزن پر اسم ظرف ہے۔ اور آنت کو مَصِيْرٌ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ طعام کی قرارگاہ بنتی ہے۔

(م ض غ)

اَلْمُضْغَةُ۔ گوشت کا چھوٹا سا ٹکڑا جو چبانے کے لئے منہ میں ڈالا جاسکے۔ شاعر نے کہا ہے[1] (الوافر)

(۱۰۱۲) يُلَجْلِجُ مُضْغَةً فِيْهَا اَنِيْضٌ

وہ گویا نیم پختہ گوشت کی بوٹی کو منہ میں پھراتا ہے۔ پھر جنین کی اس حالت کو جو علقہ کے بعد ہوتی ہے۔ مُضْغَةٌ۔ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔ فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا (۲۳-۱۴) اور لوتھڑے کی بوٹی کی ہڈیاں بنائیں۔ اور فرمایا:۔

مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ (۲۲-۵) بوٹی بنا کر جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے اور ناقص بھی۔

اَلْمُضَاغَةُ۔ چبانے سے جو آخر کار منہ میں باقی رہ جائے۔

اَلْمَاضِغَانِ۔ دونوں جبڑے۔ کیونکہ ان سے کھانا چبایا جاتا ہے۔ اَلْمَضَائِغُ (واحد مَضِيْغَةٌ) وہ تانت جو کمان کے دونوں سروں پر کسی ہوتی ہیں۔

(م ض ی)

اَلْمُضِيُّ وَالْمَضَاءُ۔ کسی چیز کا گذر جانا اور چلے جانا یہ اعیان واحداث دونوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ (۴۳-۸) اور اگلے لوگوں کی مثال گذر گئی۔

وَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ (۸-۳۹) تو اگلے لوگوں کی سنت گذر چکی ہے (وہی ان کے حق میں برتی جائے گی۔

(م ط ر)

اَلْمَطَرُ کے معنی بارش کے ہیں اور جس دن بارش برسی ہو اسے يَوْمٌ مَطِيْرٌ وَمَاطِرٌ وَمُمْطِرٌ کہتے ہیں[2] وَادٍ مَطِيْرٌ بارال رسیدہ وادی۔ مَطَرَتْنَا السَّمَاءُ وَاَمْطَرَتْنَا کے معنی بارش برسنے کے ہیں۔

مَا مُطِرْتُ مِنْهُ بِخَيْرٍ مرا از وخیرے نرسید۔ بعض نے کہا ہے کہ مَطَرَ اچھی اور خوشگوار بارش کے لئے بولتے ہیں اور اَمْطَرَ عذاب کی بارش کیلئے[3] چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ (۲۶-۱۷۳) اور ان پر ایک بارش برسائی سو جو بارش ان (لوگوں) پر برسی جو ڈرائے گئے تھے بری تھی۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ (۷-۸۴) اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش برسائی۔ سو دیکھ لو کہ گنہگاروں کا کیسا انجام ہوا۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً (۱۵-۷۴) اور ان پر (کھنگر کی) پتھریاں برسائیں۔

---

[1] قالہ زہیر و قدمر فی (لج) ؛ ؛ [2]الفرق منقول عن ابی عبیدۃ وعلماء اللغۃ وذکرہ الحریری فی الدرۃ وعزاہ الی بعض علماء التفسیر ورده فی الکشاف والخفاجی فی الدرۃ (۲۰۲) اذ الواقع فی القرآن اتفاقًا و ضعًا ۱۲ ؛

فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ (۸-۳۲) تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔

مَطَرَ، تَمَطَّرَ کے معنی بارش کی طرح تیز رفتاری کے ساتھ زمین پر چلے جانے کے ہیں۔ چنانچہ بارش رفتار گھوڑے کو فَرَسٌ مُتَمَطِّرٌ کہا جاتا ہے۔

اَلْمُسْتَمْطِرُ۔ بارش طلب کرنے والا۔ کھلا میدان جہاں بارش سے کوئی روک نہ ہو۔ اور کنایہ کے طور پر طالب خیر یعنی سائل کو مُسْتَمْطِرٌ کہا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے (المتقارب)

(۱۱۴) فَوَادٍ خِطَاءٌ وَوَادٍ مَطِرٌ[1]

ایک وادی میں وہ قدم یعنی آہستہ چلتا ہے اور دوسری میں بارش کی طرح دوڑتا ہے۔

(م ط ی)

اَلتَّمَطِّي (تفعل) اس کے اصل معنی اَلْمَطَا (پیٹھ) کو بڑھانے اور لمبا کرنے کے ہیں (جیسا کہ انگڑائی لیتے وقت انسان کرتا ہے۔ اور کنایہ کے طور پر اکڑ کر چلنے کے معنی میں آتا ہے)

قرآن میں ہے:۔

ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى۔ (۷۵-۳۳) پھر اپنے گھر والوں کے پاس اکڑتا ہوا چل دیا۔

اَلْمَطِيَّةُ وہ اونٹ جس کی اَلْمَطَا یعنی پیٹھ پر سواری کی جاتی ہے اور اِمْتَطَيْتُهٗ (افتعال) کے معنی ہیں میں اس کی پیٹھ پر سوار ہوا اسی سے مجازاً اس رفیق کو جس پر انسان کو پورا بھروسہ ہو مِطًى کہا جاتا ہے جیسے ظَهْرٌ۔

(م ع)

مَعَ۔ اجتماع کے معنی کو چاہتا ہے۔ خواہ وہ اجتماع مکانی ہو جیسے هُمَا مَعًا فِي الدَّارِ وہ دونوں ایک مکان میں ہیں۔ اور خواہ زمانی جیسے هُمَا وُلِدَا مَعًا وہ دونوں ایک وقت میں پیدا ہوئے۔

اور خواہ معنوی اعتبار سے ہو جیسے اَخٌ یا اَبٌ وغیرہما اسمائے اضافی ہیں کہ ایک آدمی کو اسی وقت دوسرے کا بھائی کہا جا سکتا ہے۔ جب وہ بھی اس کا بھائی ہو۔

کبھی وہ اجتماع رتبہ اور شرف کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ جیسے هُمَا مَعًا فِي الْعُلُوِّ وہ دونوں بلند رتبہ ہونے میں برابر ہیں۔

اور کبھی مَعَ کا لفظ معنی نصرت کو چاہتا ہے۔ اس وقت یہ منصور یعنی جس کی مدد کی جاتی ہے۔ اس کا مضاف الیہ بنتا ہے جیسے فرمایا:۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (۹-۴۰) کہ غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے۔

تو یہاں مَعَ کے مضاف الیہ یعنی نَا ضمیر سے منصور

---

[1] قاله امرؤ القيس في فرس وصدره:۔ لَهُ وَثَبَاتٌ كَوَثْبِ الظِّبَاءِ۔ والقصيدة مقيدة القافية في ۴۴ بيتاً وهي في ديوانه (صنعة السندوبي ۲ ۵ - ۷ ۵) والبيت في آخر القصيدة ولبعده المقطع، وتعد وكعدو نجاة الكلاب۔ اخطأها الحافر المقتدر والبيت في العقد الثمين ۱۲۸ والمعاني للقتبي ۲۰ وكتاب الخيل لابي عبيدة ۴۰ وقال في آخره:۔ وقد تروى هذه الابيات لربيعة بن جشم النمري وراجع للبيت محاضرات الادبار (۴: ۱۴۶) واللسان (خطا) وخطاءٌ جمع خطوة قال ابن البري معناه اي تخطو مرة تتكف عن العدو ولعدو مرة عدو الشيء المطر في رواية ابي عبيدة: فواد خطيط وكذا في المعاني للقتبي ۲۰ مع اختلاف طفيف في روايته وفي رواية كصوب الخريف والمعنى واحد لان صوب الخريف يقع بموضع ويخطي اخرى ۱۲

مراد ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ناصر ہے۔ جس کی معیت
ناضمیر کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ نیز فرمایا۔
اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا (۱۶-۱۲۸) کچھ شک
نہیں کہ جو پرہیزگار ہو...... خدا ان کا مدد
گار ہے۔
وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ (۵۷-۴) اور تم جہاں
کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔
اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ (۲-۱۵۳) بے شک
خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔
اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ (۸-۱۹) اور خدا تو
مومنوں کے ساتھ ہے۔
اور موسیٰ علیہ السلام کے قول کی حکایت بیان
کرتے ہوئے فرمایا:۔
اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ (۲۶-۶۲) میرا پروردگار
میرے ساتھ ہے۔ وہ مجھے رستہ بتائے گا۔
رَجُلٌ اِمَّعَۃٌ۔ اناڑی آدمی جو ہر ایک کے ساتھ
ہو جائے۔
اَلْمَعْمَعَۃُ۔ آتش زدگی کی آواز۔ لڑائی میں بہادروں
کا شور۔
اَلْمَعْمَعَانُ لڑائی کی شدت۔

(م ع ز)

اَلْمَعْزُ۔ بکریاں۔ قرآن میں ہے:۔
وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ (۶-۱۴۴) اور دو دو بکریوں
میں سے۔
اَلْمَعِیْزُ بکریوں کے ریوڑ کو کہتے ہیں جیسا کہ
ضَئِیْنٌ۔ بھیڑوں کے ریوڑ پر بولا جاتا ہے۔
رَجُلٌ مَاعِزٌ سخت جسم والا آدمی۔ اَلْاَمْعَزُ
وَالْمَعْزَاءُ سخت زمین اِسْتَمْعَزَ فِیْ اَمْرِہٖ۔
کسی کام میں کوشش کرنا۔

(م ع ن)

مَاءٌ مَّعِیْنٌ جاری پانی کو کہتے ہیں۔ یہ مَعَنَ
الْمَاءُ فَھُوَ مَعِیْنٌ سے ماخوذ ہے مَمَعَانٌ۔
پانی بہنے کی جگہ اَمْعَنَ الْفَرَسُ گھوڑے کا دوڑ
میں دور نکل جانا۔
اَمْعَنَ بِحَقِّیْ اس نے میرے حق کا انکار کر دیا۔
فُلَانٌ مَعَنَ فِیْ حَاجَتِہٖ اس نے اپنی حاجت
میں کوشش کی۔
بعض نے کہا ہے کہ مَاءٌ مَّعِیْنٌ میں مَعِیْنٌ
عین سے مشتق ہے اور اس میں میم زائدہ ہے۔

(م ق ت)

اَلْمَقْتُ کے معنی کسی شخص کو فعل قبیح
کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھ کر اس سے بہت
بغض رکھنے کے ہیں۔
یہ مَقَتَ مَقَاتَۃً فَھُوَ مَقِیْتٌ وَمَقَتَہٗ فَھُوَ
مَقِیْتٌ وَمَمْقُوْتٌ سے اسم ہے۔ قرآن میں ہے:۔
اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَّمَقْتًا وَّسَاءَ سَبِیْلًا
(۴-۲۲) یہ نہایت بے حیائی اور (خدا کی)
ناخوشی کی بات تھی اور بہت برا دستور تھا۔
جاہلیت میں اپنے باپ کی بیوہ سے شادی
کرنے کو نِکَاحُ الْمُقْتِ کہا جاتا تھا۔ اَلْمَقِیْتُ
کی اصل قُوْتٌ ہے جس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

(م ک ک)

مَکَّۃُ یہ ایک مشہور شہر کا نام ہے اور تَمَکَّکْتُ
الْعَظْمَ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہڈی سے

مینگ نکالینے کے ہیں۔
اَمْتَکَ الْفَصِیْلُ مَا فِیْ ضَرْعِ اُمِّہٖ
اونٹ کے بچے نے اپنی ماں کے تھنوں سے سارا دودھ چوس لیا۔ اسی سے تَمَکَّکَ بمعنی استقصاء استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے[1] (۱۲۲)
لَا تَمَکَّکُوْا عَلٰی غُرَمَائِکُمْ اپنے قرضداروں سے مطالبہ میں اصرار نہ کرو۔
اور مَکَّۃ کو مَکَّۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی حدود کے اندر ظلم کرنے والوں کو ہلاک کر دیتا ہے۔ خلیل کا قول ہے کہ روئے زمین کے وسط میں واقع ہونے کی وجہ سے اسے مکہ کہا گیا ہے جیسا کہ مغز ہڈی کے درمیان میں ہوتا ہے۔
اَلْمَکُّوْکُ (والجمع مکاکی) صواع کی طرح کا ایک طاس جو پانی پینے اور غلہ ناپنے کے کام آتا ہے (یہ صواع کا ڈیڑھا ہوتا ہے)۔

(م ک ث)

اَلْمَکْثُ کسی چیز کے انتظار میں ٹھہرے رہنے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
فَمَکَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ (۲۷-۲۲) ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی۔
ایک قراءت میں مُکُثَ ہے۔ نیز فرمایا:۔
اِنَّکُمْ مَّاکِثُوْنَ (۴۳-۷۷) تم ہمیشہ (اسی حالت میں) رہو گے۔
قَالَ لِاَھْلِہِ امْکُثُوْا (۲۸-۲۹) تو اپنے گھر والوں سے کہنے لگے کہ تم یہاں ٹھہرو۔

(م ک ر)

اَلْمَکْرُ کے معنی کسی شخص کو حیلہ کے ساتھ اس کے مقصد سے پھیر دینے کے ہیں۔ یہ دو قسم پر ہے (۱) اگر اس سے کوئی اچھا فعل مقصود ہو تو محمود ہوتا ہے ورنہ مذموم چنانچہ آیت کریمہ:۔
وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ (۳-۵۴) اور خدا خوب چال چلنے والا ہے۔
پہلے معنی پر محمول ہے۔ اور دوسرے معنی کے متعلق فرمایا:۔
وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَھْلِہٖ (۳۵-۴۳) اور بری چال کا وبال اس کے چلنے والے پر ہی پڑتا ہے:
وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (۸-۳۰) اور (اے محمدؐ) اس وقت کو یاد کرو۔ جب کافر لوگ تمہارے بارے میں چال چل رہے تھے۔
اور آیت کریمہ:۔
وَمَکَرُوْا مَکْرًا وَّمَکَرْنَا مَکْرًا (۲۷-۵۰) اور وہ ایک چال چلے اور ہم بھی ایک چال چلے۔
میں دونوں معنی مذکور ہیں۔ یعنی مَکَرُوْا سے مکر مذموم اور مَکَرْنَا سے مکر محمود مراد ہے۔
بعض نے کہا ہے کہ مکرِ خداوندی کے معنی بندے کو ڈھیل دیئے رکھنے اور دنیوی ساز و سامان پر خوب قدرت دینے کے ہیں اسی لئے امیر المومنینؓ نے فرمایا۔ (۱۲۳)
مَنْ وُّسِّعَ عَلَیْہِ دُنْیَاہُ وَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّہٗ مُکِرَ

---

[1] انظر الحدیث فی الفائق ۲/۵۰۲ والنہایۃ وفیہ لاتمککوا . . . وفی روایۃ لاتمکلوا (مکلک ۴/۹۲/۴) راجع غریب ابی عبید ۳/۱۲۳

بِهٖ فَهُوَ مَخْدُوْعٌ فِيْ عَقْلِهٖ۔ کہ جس پر اس کی دنیا فراخ کر دی گئی ہو اور وہ یہ نہ سمجھا ہو کہ اسے ڈھیل دی گئی ہے تو وہ فریب خوردہ اور احمق ہے۔

(م ك ن)

اَلْمَكَانُ۔ اہل لغت کے نزدیک مکان اس جگہ کو کہتے ہیں جو کسی جسم پر حاوی ہو۔ بعض متکلمین کے نزدیک یہ من قبیل عرض ہے اور جسم حاوی و محوی دونوں کے اجتماع سے عبارت ہے۔ اس کی صورت یہ کہ جسم حاوی کی سطح (باطن) جسم محوی کی سطح پر محیط ہو تو گویا ان کے نزدیک ان دونوں جسموں کے باہم مل جانے کا نام مکان . . . ہے۔ قرآن میں ہے:

مَكَانًا سُوًى (۲۰-۵۸) ایک ہموار مکان میں۔

وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا (۲۵-۱۳) اور جب یہ دوزخ کی کسی تنگ جگہ میں زنجیروں میں جکڑ کر ڈالے جائیں گے۔

مَكَّنْتُهٗ وَمَكَّنْتُ لَهٗ میں نے اسے تسلط یا قدرت دی فَتَمَكَّنَ چنانچہ اس نے قدرت حاصل کر لی۔ قرآن میں ہے:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ (۷-۹) اور ہم نے زمین میں تمہارا ٹھکانا بنایا۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ (۴۶-۲۶) اور ہم نے ان کو ایسے مقدور دیئے تھے۔ جو تم لوگوں کو نہیں دیئے۔

اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ (۲۸-۵۷) کیا ہم نے ان کو جگہ نہیں دی۔

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ (۲۸-۶) اور ملک میں ان کو قدرت دیں۔

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ (۲۴-۵۵) اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ مستحکم و پائیدار کرے گا۔

فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ (۲۳-۱۳) ایک مضبوط اور محفوظ جگہ میں۔

اور اَمْكَنْتُ فُلَانًا مِنْ فُلَانٍ کے معنی کسی کو دوسرے پر قدرت دینے کے ہیں۔ مَكَانٌ وَمَكَانَةٌ جگہ اور حالت کو کہتے ہیں قرآن میں ہے۔

اِعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ (۳۹-۴) اپنی جگہ پر عمل کئے جاؤ۔

ایک قراءت میں مَكَانَاتِكُمْ بصیغہ جمع ہے۔ اور آیت کریمہ:

ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ (۸۱-۲۰) جو صاحب قوت مالک عرش کے ہاں اونچے درجے والا ہے۔

میں مکین بمعنی متمکن یعنی صاحب قدر و منزلت ہے۔ مَكِنَاتُ الطَّيْرِ وَمَكُنَاتُهَا پرندوں کے گھونسلے۔

اَلْمَكْنُ۔ سوسمار وغیرہ کے انڈے۔ آیت کریمہ:

بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ (۳۷-۴۹) محفوظ انڈے[1]۔

خلیل کا قول ہے کہ لفظ مکان (صیغہ ظرف) مفعل کے وزن پر ہے اور یہ كَوْنٌ سے مشتق ہے پھر کثیر الاستعمال ہونے کی وجہ سے اسے فَعَالٌ کا حکم دے کر اس سے تَمَكَّنَ وغیرہ مشتقات استعمال ہوئے ہیں۔ جیسے مَنْزِلٌ سے تَمَنْزَلَ وغیرہ۔

(م ك و)

مَكَا الطَّيْرُ يَمْكُوْ مُكَاءً کے معنی پرندکے

---

[1] وعلی ہذا وزنہ فعلول والصحیح انہ من الکن معناہ الحفظ والستر ولیس من مادۃ تامل۔

سیٹی بجانے کے ہیں۔ چنانچہ آیت کریمہ :۔
وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ تَصْدِيَةً (۸ - ۳۵) میں ان کی نماز کو مُكَآءً کہکر تنبیہ کی ہے کہ وہ نماز بےروح ہونے کے اعتبار سے پرندوں کی سیٹی کے بمنزلہ ہے اور مُکَّاء ایک پرند کا نام ہے۔
مکت استہٗ : گوز مارنا۔

(م ل ل)

اَلْمِلَّةُ۔ دین کی طرح ملت بھی اس دستور کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی زبان پر بندوں کے لئے مقرر فرمایا تاکہ اس کے ذریعہ وہ قرب خداوندی حاصل کرسکیں۔
دین اور ملت میں فرق یہ ہے کہ ملت کی اضافت صرف اس نبی کی طرف ہوتی ہے جس کا وہ دین ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔
فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ (۳ - ۹۵) پس دین ابراہیم کی پیروی کرو۔
وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْ (۱۲ - ۳۸) اور اپنے باپ دادا ۔ ۔ ۔ ۔ کے مذہب پر چلتا ہوں۔
اور اللہ تعالیٰ یا کسی افراد امت کی طرف اسکی اضافت جائز نہیں ہے۔ بلکہ اس قوم کی طرف بحیثیت مجموعی مضاف ہوتا ہے۔ جو اس کے تابع ہوتی ہے۔ اور افراد امت کی طرف اس کی اضافت نہیں ہوئی۔ اس لئے مِلَّةُ اللّٰهِ یا مِلَّتِيْ اور مِلَّةُ زَيْدٍ کہنا جائز نہیں۔ جیسا کہ دِيْنُ اللّٰهِ وَدِيْنُ زَيْدٍ کا استعمال جائز ہے (اسی طرح کسی فریضہ کی نسبت بھی مِلَّةَ کی طرف نہیں کی جاتی) لہذا اَلصَّلٰوةُ مِلَّةُ اللّٰهِ کہنا جائز نہیں ہے (اس کے برعکس اَلصَّلٰوةُ دِيْنُ اللّٰهِ کہنا صحیح ہے)
اصل میں مِلَّةٌ کا لفظ اَمْلَلْتُ الْكِتَابَ سے مشتق ہے جس کے معنی لکھوانے کے ہیں۔
قرآن میں ہے :۔
وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ (۲ - ۲۸۲) اور جو شخص قرض لے وہی دستاویز کا مضمون بول کر لکھوائے۔
فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ (۲ - ۲۸۲) اور اگر قرض لینے والا بےعقل یا ضعیف ہو یا مضمون لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو جو اس کا ولی ہو وہ انصاف کے ساتھ مضمون لکھوائے۔
مِلَّةٌ اور دین میں دوسرا فرق یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کے من جانب اللہ مشروع ہونے کے لحاظ سے مِلَّة کہا جاتا ہے۔ اور اس کے قائم کرنے اور بجا لانے والے کے لحاظ سے دین کہا جاتا ہے۔ کیونکہ دین کے معنی طاعت و فرمانبرداری کے ہیں۔
مَلَّ خُبْزَهٗ يَمُلُّهٗ مَلًّا کے معنی گرم راکھ پر روٹی پکانے کے ہیں۔ اور راکھ پر پکی ہوئی روٹی کو خُبْزٌ مَلِيْلٌ کہا جاتا ہے اور اَلْمَلِيْلُ وہ چیز کہلاتی ہے جسے آگ میں پھینک دیا گیا ہو۔ اور وہ حرارت جو انسان محسوس کرتا ہے۔ اسے مَلِيْلَةٌ کہا جاتا ہے۔
مَلِلْتُ الشَّيْءَ اَمَلُّهٗ کے معنی کسی چیز سے بدول ہو کر اس سے اعراض کر لینے کے ہیں۔

اَمْلَلْتُهٗ مِنْ عِنْدٍ۔ کسی کو کسی چیز سے بدل کر دینا۔ حدیث میں ہے[1] (۱۲۴)

تَکَلَّفُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِیْقُوْنَ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَمَلُّ حَتّٰی تَمَلُّوْا۔ وہ عمل بجا لاؤ جن کی طاقت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ملول نہیں ہوگا۔ آخر کار تم ہی ملول ہو جاؤ گے۔ اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ بھی ملول ہو جاتا ہے جیسا کہ لفظ حتّٰی سے وہم ہوتا ہے۔ بلکہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو اکتائے گا نہیں آخر کار تم ہی اکتا جاؤ گے۔

(م ل ح)

اَلْمِلْحُ اس پانی کو کہتے ہیں جو متغیر ہو کر جم جائے یعنی نمک بن جائے اور صرف متغیر پانی کو بھی مِلْحٌ کہہ دیتے ہیں چنانچہ کھاری پانی کو مَاءٌ مِلْحٌ کہا جاتا ہے۔ اور مَاءٌ مَالِحٌ بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَھٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ (۲۵۔۵۳) اور یہ کھاری ہے کڑوا مَلَحْتُ الْقِدْرَ کے معنی ہنڈی میں نمک ڈالنے کے ہیں۔ اور اَمْلَحْتُھَا کے معنی زیادہ نمک ڈال کر خراب کر دینے کے۔ اور نمک لگا کر خشک کی ہوئی مچھلی کو سَمَکٌ مَلِیْحٌ کہتے ہیں۔ پھر مِلْحٌ سے استعارہ کے طور پر مَلَاحَۃٌ بمعنی خوبروئی آتا ہے۔ اور رَجُلٌ مَلِیْحٌ اس خوبرو آدمی کو کہتے ہیں جس کا حسن خوب غور کے بعد محسوس ہو۔

(م ل ک)

اَلْمَلِکُ۔ بادشاہ جو پبلک پر حکمرانی کرتا ہے۔ یہ لفظ صرف انسانوں کے منتظم کے ساتھ خاص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مَلِکُ النَّاسِ تو کہا جاتا ہے لیکن مَلِکُ الْاَشْیَاءِ کہنا صحیح نہیں ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ (۱۔۳) انصاف کے دن کا حاکم۔ میں ملک کی اضافت یوم کی طرف نہیں ہے۔ بلکہ یہ اصل میں ملک الملک فی یوم الدین ہے۔ یعنی قیامت کے دن اسی کی بادشاہت ہوگی۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:۔

لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ (۴۰۔۱۶) آج کس کی بادشاہت ہے۔ خدا کی جو اکیلا اور غالب ہے۔

اور مِلْکٌ کا لفظ دو طرح پر استعمال ہوتا ہے اوّلاً کسی کا متولی اور حکمران ہونے کو کہتے ہیں۔ دوم حکمرانی کی قوت اور قابلیت کے پائے جانے کو کہتے ہیں۔ خواہ بالفعل اس کا متولی ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ پہلے معنی کے لحاظ سے فرمایا:۔

اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا (۲۷۔۳۴) بادشاہ جب کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں۔ تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں۔

اور دوسرے معنی کے لحاظ سے فرمایا:۔

اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا (۵۔۲۰) کہ اس نے تم میں پیغمبر کئے اور تمہیں بادشاہ بنایا۔

تو اس آیت میں نبوت کو خاص اور ملوکیۃ کو عام قرار دیا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل

---

[1] والحدیث بتغییر الالفاظ فی البخاری ومسلم والموطا مالک من حدیث عائشۃ قالہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شان امرۃ لاتنام من اللیل (النہایۃ فانی ۱/۳۴۴۔۳۴۴) والحدیث فی المستدرک للحاکم والنسائی (انظر کنزالعمال ج ۳ رقم ۱۶۹۔ ۱۸۲)

سامنے کے سامنے بادشاہ نہیں تھے۔ کیونکہ
یہ تو حکمت الٰہی کے ہی منافی ہے۔ جیسا کہ کہا
گیا ہے کہ رؤساء کی کثرت میں خیر نہیں ہوتی۔
لہٰذا یہاں جَعَلَكُمْ مُلُوكًا کے معنی یہ ہیں کہ
تمہیں ملک کا انتظام سنبھالنے کے قابل بنایا۔
تو یہاں ملک کا لفظ سیاست کی قابلیت اور
قوت پیدا کر دینے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔
بعض نے کہا ہے کہ مِلک ہر اس شخص کو کہا
جاتا ہے جو سیاست کا مالک ہو خواہ وہ
اپنے نفس کی سیاست کرے بایں طور کہ نفس
کو خواہشات سے روک رکھنے پر اسے قدرت
ہو۔ یا دوسروں کی سیاست کرے اور عام اس
سے کہ بالفعل لوگوں کا بادشاہ ہو یا نہ ہو جیسا کہ
گزر چکا ہے۔ قرآن میں ہے۔
فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا
عَظِيمًا (۴-۵۴) ہم نے خاندان ابراہیم کو
کتاب اور دانائی عطا فرمائی تھی اور سلطنت
عظیم بخشی تھی۔
حقیقی بادشاہت چونکہ اللہ ہی کے لئے ہے۔
اس لئے فرمایا۔
لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ (۶۴-۱) اس کی سچی
بادشاہی ہے اور اسی کی تعریف نامتناہی ہے۔
قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ
تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ (۳-۲۶)
کہو کہ اے خدا! اے بادشاہی کے مالک تو جس
کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے
بادشاہی چھین لے۔
پس مِلک کے معنی زیر تصرف چیز پر بذریعہ حکم
کنٹرول کرنے کے ہیں۔ اور مِلک بمنزلہ جنس کے
ہیں۔ لہٰذا ہر مُلک کو مِلک تو کہہ سکتے ہیں لیکن
ہر مِلک مُلک نہیں کہہ سکتے۔ قرآن میں ہے:۔
وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا وَلَا
يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا (۲۵-۳)
اور نہ اپنے نقصان اور نفع کا کچھ اختیار رکھتے ہیں
اور نہ مرنا ان کے اختیار میں ہے۔ اور نہ جینا اور
نہ مر کر اٹھ کھڑے ہونا۔ اور فرمایا:۔
أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ (۱۰-۳۱)
یا تمہارے کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے۔
قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا (۷-۱۸۸)
کہ میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔
علیٰ ہذا القیاس بہت سی آیات ہیں جن سے ثابت
ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں
ہے۔ حتیٰ کہ انسان تو اپنے حواس اور اپنی ذات
کے نفع ونقصان پر بھی قدرت نہیں رکھتا چہ
جائیکہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کا ذمہ دار بنے۔
اَلْمَلَكُوْتُ یہ مَلَكَ کا مصدر ہے اور رحموت
و رہبوت کی طرح اس میں تا زائدہ ہے۔ اور
یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی مِلک کے ساتھ مخصوص
ہے چنانچہ فرمایا۔
وَكَذٰلِكَ نُرِيْ إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (۶-۷۵) اور ہم اس
طرح ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات
دکھانے لگے۔
أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضِ (۷-۱۸۵) کیا انہوں نے آسمان اور
زمین کی بادشاہت میں نظر نہیں کی۔
اَلْمَمْلَكَةُ کے معنی سلطنت کے ہیں۔ اور
مملوک کا لفظ عرف میں غلام مملوک پر بولا

جاتا ہے۔ دوسری کی ت کے مملوک نہیں کہتے چنانچہ
قرآن میں ہے :-
عَبْدًا مَّمْلُوْكًا۔ (۱۶ - ۷۵) ایک غلام ہے۔
اور کبھی عام املاک پر بولا جاتا ہے چنانچہ محاورہ ہے۔
فُلَانٌ جَوَادٌ بِمَمْلُوْكِهٖ کہ فلاں اپنے املاک
میں سخی ہے۔
اَلْمِلْكَةُ خاص کر عبید یعنی غلاموں کا مالک ہونے
کو کہتے ہیں چنانچہ محاورہ ہے :۔
فُلَانٌ حَسَنُ الْمِلْكَةِ یعنی فلاں اپنے غلاموں
کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا ہے۔ اور
قرآن پاک میں غلاموں کے ملک کو یَمِیْنٌ کے
ساتھ مخصوص کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (۲۴ - ۵۸)
تمہارے غلام لونڈیاں ..... اجازت لیا کریں۔
اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (۴ - ۳) یا لونڈی جس
کے تم مالک ہو۔
اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ (۲۴ - ۳۱) اپنے لونڈی
غلاموں کے سوا)
اَلْمُلُوْكَةُ بمعنی ملک کے آتا ہے جیسے :-
مُقِرٌّ بِالْمُلُوْكَةِ وَالْمِلْكَةِ وَالْمِلْكِ
یعنی ملک کا اقرار کرنے والا غلام۔
مِلَاكُ الْاَمْرِ کسی چیز کا سرمایہ جس کے سہارے
پر وہ قائم ہو جیسے کہا جاتا ہے :-
اَلْقَلْبُ مِلَاكُ الْجَسَدِ۔ کہ دل پر جسم کا دارومدار
ہے۔
اَلْمِلَاكُ کے معنی تزویج کے ہیں۔ اور اَمْلَكُوْهُ
کے معنی ہیں کہ انہوں نے اس کا نکاح کر دیا پھر
خاوند کو عورت کا منتظم ہونے کے لحاظ سے
اس کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی معنی کے

لحاظ سے کسی نے کہا ہے۔
كَادَ الْعَرُوْسُ اَنْ يَّكُوْنَ مَلِكًا کہ خاوند قریب
قریب بادشاہ ہی ہوتا ہے۔
مَلَكُ الْاِبِلِ وَالشَّاةِ اس اونٹ یا بکری کو
کہتے ہیں جو دوسروں کے آگے آگے چلتی ہے
دوسرے چونکہ اس کے تابع ہوتے ہیں۔ اسلئے
تشبیہ کے طور پر اسے مَلِک کہا جاتا ہے۔
ایک محاورہ ہے۔
مَا لِاَحَدٍ فِيْ هٰذَا مَلْكٌ غَيْرِيْ کہ میرے سوا
اس پر میں کسی کا اختیار یا قبضہ نہیں ہے
قرآن میں ہے :-
مَا اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا (۲۰ - ۸۷) ہم
نے اپنے اختیار سے تم سے وعدہ خلاف نہیں کیا
اور ایک قراءت میں کسرہ میم کے ساتھ ہے
مَلَكْتُ الْعَجِيْنَ آٹے کو اچھی طرح سے گوندھ
حَائِطٌ لَيْسَ لَهٗ مِلَاكٌ دیوار میں پائیداری نہیں
اَلْمَلَكُ علمائے نحو اس لفظ کو مَلَائِكَةٌ سے
ماخوذ مانتے ہیں۔ اور اس کی میم کو زائدہ بناتے
ہیں۔ لیکن بعض محققین نے اسے ملک سے
مشتق مانا ہے اور کہا ہے کہ جو فرشتہ کائنات
کا انتظام کرتا ہے۔ اسے فتحہ لام کے ساتھ
مَلَكٌ کہا جاتا ہے۔ اور انسان کو مَلِک
ہیں معلوم ہوا کہ مَلَكٌ تو مَلَائِكَةٌ میں
ہے لیکن کل مَلَائِكَةٌ مَلَكٌ نہیں ہو
بلکہ مَلَک کا لفظ ان فرشتوں پر بولا جاتا ہے
کی طرف کہ آیات۔
فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا (۷۹ - ۵) پھر دنیا کے
کاموں کا انتظام کرتے۔
فَالْمُقَسِّمَاتِ اَمْرًا (۵۱ - ۴) پھر چیزیں تقسیم

کرتے ہیں۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا (۷۹-۱) ان فرشتوں کی قسم جو ڈوب کر کھینچ لیتے ہیں۔

وَالْمَلَکُ عَلٰٓی اَرْجَآئِهَا (۶۹-۱۷) اور فرشتے اس کے کناروں پر (اتر آئیں گے)

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ (۲-۱۰۲) اور ان باتوں کے بھی پیچھے لگ گئے) جو دو فرشتوں پر اتری تھیں۔

اور ان کے علاوہ دوسری آیات میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اور اسی سے مَلَکُ الْمَوْتِ (موت کا فرشتہ) ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

قُلْ یَتَوَفّٰىکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ (۳۲-۱۱) کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔ تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے۔

(م ل ء)

اَلْمَلَأُ وہ جماعت جو کسی امر پر مجتمع ہو تو نظروں کو ظاہری حسن و جمال اور نفوس کو ہیبت وجلال سے بھر دے۔ قرآن میں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (۲-۲۴۶) بھلا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖ (۷-۶۰) اور قوم فرعون میں جو سردار تھے کہنے لگے۔

اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِکَ (۲۸-۲۰) کہ شہر کے رئیس تمہارے بارے میں صلاحیں کرتے ہیں۔

قَالَتْ یٰٓاَیُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْٓ اُلْقِیَ اِلَیَّ کِتٰبٌ کَرِیْمٌ (۲۷-۲۹) وہ کہنے لگی کہ اے اہل دربار میری طرف ایک نامہ گرامی ڈالا گیا ہے۔

ان کے علاوہ بہت سی آیات ہیں۔ جن میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ محاورہ ہے:۔

فُلَانٌ مَلَاُ الْعُیُوْنِ یعنی سب اسے عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں گویا اس نے ان کی نظروں کو اپنے جلوہ سے بھر دیا ہے۔ اسی سے کہا گیا ہے:۔

شَابٌّ مَلِئُ الْعَیْنِ۔ اپنی خوبصورتی سے آنکھ کو بھر دینے والا نوجوان۔ اَلْمَلَاُ اخلاق جو حسن سے بھرپور ہوں[1]۔ کسی شاعر نے کہا ہے[2]۔ (الوافر)

(۴۱۲) فَقُلْنَا اَحْسِنِیْ مَلَاً جُهَیْنَا

تو ہم نے کہا کہ اے جہینا اپنے اخلاق درست کرو۔

مَالَأْتُهٗ کے معنی کسی کا معاون بننے اور اس کے گروہ میں شامل ہونے کے ہیں۔ جیسا کہ شَایَعْتُهٗ کے معنی کسی کے طرفداروں میں داخل ہونے کے آتے ہیں۔ محاورہ ہے:۔

هُوَ مَلِیْءٌ بِکَذَا یعنی وہ فلاں چیز سے پُر ہے۔

اَلْمُلَاءَۃُ زکام جو فضلہ سے دماغ کو بھر دے۔ اور مُلِئَ فُلَانٌ وَاُمْلِئَ کے معنی زکام زدہ ہونے کے ہیں۔

اَلْمِلْءُ کسی چیز کی اتنی مقدار جس سے کوئی برتن بھر جائے۔ محاورہ ہے:۔

اَعْطِنِیْ مِلْاَهٗ وَمِلْاَیْهِ وَثَلَاثَةَ اَمْلَائِهٖ۔

---

[1] وفی الحدیث "احسنوا املاءکم" قالہ صلی اللہ علیہ وسلم لاصحابہ حین ضربوا الرجل الذی بال فی المسجد اللسان ہو الفائق ۴/۲۵۶ ۔ [2] قالہ الجہنی واولہ "تنادوا یا لبہثۃ اذ راونا" وبعضہم فسر الملاء ہہنا بالظن والبیت فی اللسان (ملاجہن) وابن الانباری فی شرح السبع ۵۷۴ والحماسۃ بشرح المرزوقی رقم ۱۵۲ فی ۵ ابیات والمقطوعۃ من المنصفات والجہنی ہو عبد الشارق بن عبد العزی الجہنی الجاہلی ۔

مجھے ایک، دو، یا تین پیمانے بھر کر دو۔

(م ل ی)

اَلْاِمْلَاءُ کے معنی امہاد یعنی ڈھیل دینے کے ہیں اسی سے مَلَاوَۃٌ مِنَ الدَّھْرِ یا مَلِیٌّ مِنَ الدَّھْرِ کا محاورہ ہے جس کے معنی عرصہ دراز کے ہیں قرآن میں ہے:۔

وَاھْجُرْنِیْ مَلِیًّا (۱۹-۴۶) اور تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہو جا۔

تَمَلَّیْتَ دَھْرًا۔ تمہاری عمر دراز ہو۔

تَمَلَّیْتُ الثَّوْبَ۔ میں نے اس کپڑا سے بہت فائدہ اٹھایا۔

تَمَلّٰی بِکَذَا اس نے فلاں چیز سے عرصہ تک فائدہ اٹھایا۔

مَلَاکَ اللّٰہُ (بغیر ہمزہ) اللہ تیری عمر دراز کرے۔ چنانچہ اسی سے عِشْتَ مَلِیًّا کا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں تم عرصہ دراز تک جیتے رہو۔

اَلْمَلَا (اسم مقصور) وسیع ریگستان۔

بعض نے کہا ہے کہ اَلْمَلَوَانِ کے معنی ہیں "لیل ونہار" مگر اصل میں یہ لفظ رات دن کے تکرار اور ان کے امتداد پر بولا جاتا ہے۔ کیونکہ لیل ونہار کی طرف اس کی اضافت ہوتی ہے۔ چنانچہ شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۴۱۳) نَھَارٌ وَلَیْلٌ دَائِمٌ مَلَوَاھُمَا
عَلٰی کُلِّ حَالِ الْمَرْءِ یَخْتَلِفَانِ

رات دن کا تکرار ہمیشہ رہتا ہے اور ہر حالت میں یہ مختلف ہوتے رہتے ہیں۔

اگر مَلَوَان کا اصل معنی لیل ونہار ہوتا تو ان کی ضمیر کی طرف مضاف ہو کر استعمال نہ ہوتا اور آیت کریمہ:

وَاُمْلِیْ لَھُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ (۷-۱۸۳) اور میں ان کو مہلت دیئے جاتا ہوں۔ میری تدبیر (بڑی) مضبوط ہے۔ میں اُمْلِیْ لَھُمْ کے معنی مہلت دینے کے ہیں۔ نیز فرمایا:۔

اَنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِھِمْ (۳-۱۷۸) کہ ہم ان کو مہلت دیئے جاتے ہیں۔ تو یہ ان کے حق میں اچھا ہے۔

اسی طرح آیت کریمہ:۔

اَلشَّیْطَانُ سَوَّلَ لَھُمْ وَاَمْلٰی لَھُمْ (۴۷-۲۵) شیطان نے یہ کام ان کو مزین کر دکھایا اور انہیں طول (عمر کا وعدہ) دیا۔

میں اَمْلٰی کے معنی اَمْھَلَ یعنی مہلت دینے کے ہیں۔

ایک قرات میں اُمْلِیَ لَھُمْ ہے جو اَمْلَیْتُ الْکِتَابَ اُمْلِیْہِ اِمْلَاءً سے مشتق ہے اور اس کے معنی تحریر لکھوانے اور املا کروانے کے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

فَھِیَ تُمْلٰی عَلَیْہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا (۲۵-۵) اور وہ صبح شام اس کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔

اصل میں اَمْلَیْتُ اَمْلَلْتُ (مضاعف) ہے۔ دوسرے لام کو تخفیف کے لئے یا سے تبدیل کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّہٗ بِالْعَدْلِ (۲-۲۸۲) تو جو اس

---

[1] قالہ ابن مقبل دو اسمہ تمیم بن ابی بن مقبل راجع للبیت اللالی مع السمط ۳۳۵ والاقتضاب ۴۷۲ والخزانۃ (۳: ۲۷۵) والعینی (۴: ۲۱۴ صلالالسان (ملاء) بعضھم نسبہ لاعرابی من بنی مقبل راجع الحصری (۴: ۹۸) دفی البلدان لابن مقبل او ابن احمر والبیت فی الروض (۱: ۲۰۶) والعینی علی ابن ہشام وقبلہ الایا دیا مالحی بالسبعان۔ امل علیھا بالبلی الملوان راجع ترجمتہ فی الاصابۃ رقم ۸۶۲ والخزانۃ (۱: ۱۱۳)

کا ولی ہو وہ انصاف کے ساتھ مضمون لکھوائے۔

(م ن ن)

اَلْمَنُّ۔ ایک وزن کا نام ہے اس کا تثنیہ مَنَّانِ اور جمع اَمْنَانٌ آتی ہے۔ کبھی ایک نون کو الف سے تبدیل کر کے مَنًا بنا لیتے ہیں اس کی جمع اَمْنَاءٌ ہے۔ اور ہر اندازہ کی ہوئی چیز کو مَمْنُوْنٌ۔ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ اسے مَوْزُوْن کہتے ہیں۔

اَلْمِنَّۃُ کے معنی بھاری احسان کے ہیں۔ اور یہ دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک منت بالفعل جیسے مَنَّ فُلَانٌ عَلٰی فُلَانٍ یعنی فلاں نے اس پر گرانبار احسان کیا۔ انہی معنی میں فرمایا:۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ (۳-۱۶۴) خدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے۔

کَذٰلِكَ کُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ (۴-۹۴) تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے پھر خدا نے تم پر احسان کیا۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ (۳۷-۱۱۴) اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی احسان کئے۔

یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ (۱۴-۱۱) خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے (نبوت) کا احسان کرتا ہے۔

وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا (۲۸-۵) اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیئے گئے ہیں۔ ان پر احسان کریں۔

اور یہ یعنی منت بالفعل درحقیقت اللہ تعالےٰ ہی کی صفت ہے۔ اور دوسرے معنی مِنَّۃ بالقَولِ یعنی احسان جتلانا گو انسانی معاشرہ میں معیوب سمجھا جاتا ہے۔ مگر جب کفران نعمت ہو رہا ہو تو اس کے اظہار میں کچھ قباحت نہیں ہے۔ اور چونکہ (بلاوجہ) اس کا اظہار معیوب ہے اس لیے مشہور ہے۔

اَلْمِنَّۃُ تَھْدِمُ الصَّنِیْعَۃَ منت یعنی احسان رکھنا احسان کو برباد کر دیتا ہے۔ اور کفران نعمت کے وقت چونکہ اس کا تذکرہ مستحسن ہوتا ہے اس لئے کسی نے کہا ہے:۔ اِذَا کُفِرَتِ النِّعْمَۃُ حَسُنَتِ الْمِنَّۃُ۔ جب نعمت کی ناشکری ہو تو احسان رکھنا ہی مستحسن ہے۔ اور آیت کریمہ:۔ یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰکُمْ لِلْاِیْمَانِ (۴۹-۱۷) یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ کہدو کہ اپنے مسلمان ہونے کا مجھ پر احسان نہ رکھو۔ بلکہ خدا تم پر احسان رکھتا ہے۔ کہ اس نے تمہیں ایمان کا رستہ دکھایا۔

میں ان کی طرف سے منت بالقول یعنی احسان جتلانا مراد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منت بالفعل یعنی انہیں ایمان کی نعمت سے نوازنا مراد ہے جیسا کہ بعد میں اَنْ ھَدٰکُمْ لِلْاِیْمَانِ کے لفظ سے خود ہی اس کی تشریح کر دی ہے اور آیت کریمہ:۔ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً (۴۷-۴) پھر اس کے بعد یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دینا چاہیئے یا کچھ مال لیکر۔ میں مَنًّا کے لفظ سے انہیں بلامعاوضہ رہا کر دینے کی طرف اشارہ ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

ھٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ (۳۸-۳۹) یہ ہماری بخشش ہے اسے خرچ کر دیا ..... رکھ چھوڑو (تم سے) کچھ حساب نہیں ہے:۔

میں فَامْنُنْ کے معنی خرچ کرنے کے ہیں۔ اور آیت کریمہ :۔
وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (۷۴-۶) اور (اس نیت سے) احسان نہ کرو کہ اس سے زیادہ کے طالب ہو۔
میں بعض نے کہا ہے کہ مِنَّۃ بالقول مراد ہے یعنی احسان جتلانا اور اسے بہت بڑا خیال کرنا۔[1] بعض نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ زیادہ کی طلب کے لئے احسان نہ کر[2] اور آیت کریمہ :۔
فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (۹۵-۶) ان کے لئے بے انتہا اجر ہے۔
میں بعض نے غیر ممنون کے معنی غیر محدود یعنی ان گنت کئے ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ "بِغَيْرِ حِسَابٍ" فرمایا ہے :۔
بعض نے اس کے معنی غیر مقطوع ولا منقوص کئے ہیں[3] یعنی ان کا اجر نہ منقطع ہوگا اور نہ ہی کم کیا جائے گا۔ اسی سے اَلْمَنُوْنُ بمعنی موت ہے[4]۔ کیونکہ وہ تعداد کو گھٹاتی اور عمر کو قطع کر دیتی ہے۔ بعض نے کہا ہے مِنَّۃ بالقول بھی اسی سے ہے۔ کیونکہ احسان جتلانا نعمت کو قطع کر دیتا ہے اور شکر گذاری کے انقطاع کو مقتضی ہے اور آیت کریمہ :۔
وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ (۲-۵۷) اور تمہارے لئے من سلوی اتارتے رہے۔
میں مَنّ سے شبنمی گوند مراد ہے۔ جو رات کو درخت کے پتوں پر جم جاتی تھی اور سلویٰ ایک پرندہ کا نام ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مَنّ اور سَلْوٰی سے ان احسانات کی طرف اشارہ ہے۔ جو اللہ تعالے نے ان پر کئے تھے اور یہ دونوں اصل میں ایک ہی چیز سے عبارت ہیں۔ لیکن ان پر احسان کرنے کے لحاظ سے اسے مَنّ کہا ہے۔ اور اس لحاظ سے کہ وہ نعمت ان کے لئے باعث اطمینان تھی اسے سلوی فرمایا ہے۔ جو کہ تسلی سے ماخوذ ہے۔
مَنْ۔ اس سے ذوی العقول مراد ہوتے ہیں۔ اور غیر ذوی العقول پر اس کا اطلاق یا تو اس وقت ہوتا ہے۔ جب وہ ذوی العقول کے بالتبع مراد ہوں مثلاً۔ رَأَيْتُ مَنْ فِي الدَّارِ کہہ کر گھر کے لوگ اور بہائم دونوں مراد لئے جائیں۔ اور یا اس وقت جب اہل نطق کے ساتھ شامل کرکے پھر ان کی تفصیل بیان کرنا مقصود ہوتی ہے۔ جیسے فرمایا :۔
فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَىٰ رِجْلَيْنِ الآية تو ان میں سے بعض ایسے ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں۔ اور یہ تنہا غیر ذوی العقول کے لئے استعمال نہیں ہوتا اسی لئے بعض محدثین نے اغنام (عوام) سے انسانیت کی نفی کرتے ہوئے کہا ہے کہ مَنْ استفہامیہ کے ساتھ ان کے متعلق سوال کرنا غلط ہے۔ پس آیت میں تنبیہ ہے کہ وہ بمنزلہ جانوروں کے ہیں یا ان سے بھی کمتر درجہ کے ہیں۔
"مَنْ" واحد جمع، مذکر، مؤنث سب کے لئے یکساں طور پر استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت :۔

---

[1] ہذا ماذہب الیہ الحسن وابن ابی لیلیٰ وعلی ہذا یکون تستکثر مجزوما بلا الناہیۃ بدلا من تمنن ای لاتمنن ولا تستکثر وہو من شان المنان بما یعطی ان یستکثرہ ویراہ کثیرا ۱۲ [2] وہذا ہو المنقول عن ابن عباس واکثر اصحاب التفاسیر فعلی ہذا المعنی یکون تستکثر منصوبا بان المقدرۃ ویؤیدہ قراءۃ ابن مسعود ان تستکثر باظہار ان مختصرا من روح المعانی ۲۹/۱۱۹۔۱۲۰ [3] قارن اضداد ابی الطیب ۲۲۳-۲۲۴ [4] وایضا سمی الدہر المنون بہذا المعنی، وکلاہما واحد او جمعا۔ اضداد ابی الطیب ۳۰۳

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ (۶-۲۵) اور ان میں بعض ایسے ہیں جو تمہاری باتوں کی طرف کان رکھتے ہیں ۔ یہاں مَنْ کے بعد ضمیر واحد مذکر لائی گئی ہے۔ اور آیت:۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ (۱۰-۴۲) اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ تمہاری طرف کان لگاتے ہیں۔ یہاں مَنْ کی طرف ضمیر جمع لوٹ رہی ہے نیز فرمایا:۔ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ (۳۳-۳۱) اور جو تم میں سے خدا . . . کی فرمانبردار رہے گی۔

مِنْ

یہ حرفِ جار ہے اور یہ ابتدائی غایت تبعیض، تبیین[۱] کے لئے آتا ہے۔ اور حرفِ[۲] نفی اور استفہام کے ساتھ ہو تو استغراقِ جنس کے معنی دیتا ہے۔

چنانچہ فرمایا:۔

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ (۶۹-۴۷) پھر تم میں سے کوئی۔ اور کبھی عوض کے لئے ہوتا ہے جیسے خُذْ هٰذَا مِنْ ذٰلِكَ یعنی اس کے عوض میں یہ لے لو اور آیت کریمہ:۔

اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِیْ بِوَادٍ (۱۴-۳۷) میں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں لا بسائی ہے ۔ میں مِنْ تبعیض کے لئے ہے۔ کیونکہ وہاں حضرت ابراہیمؑ کی ذریت میں سے بعض آباد ہوئے تھے۔

اور آیت کریمہ:۔

مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ (۲۴-۴۳) اور آسمان میں جو (اولوں کے) پہاڑ ہیں ان سے اولے نازل کرتا ہے۔

میں[۱] ہو سکتا ہے کہ مِنْ جِبَالٍ منصوب علی المفعولیۃ ہو ای يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ جِبَالًا تو مِن اولی برائے ظرفیت ہے اور ثانی برائے مفعولیۃ اور ثالث برائے تبیین۔ اور اولوں کے جبال اتارنے سے بکثرت اولے نازل کرنا مراد ہے جیسا کہ محاورہ ہے ؛ ۔ عِنْدَهٗ جِبَالٌ مِنْ مَّالٍ یعنی اس کے پاس بہت سامان ہے۔

بعض[۲] نے کہا ہے کہ مِنْ جِبَالٍ منصوب علی الظرفیۃ بھی ہو سکتا ہے۔ اس بنا پر کہ وہ اولے پہاڑوں سے نازل ہوتے ہیں اور مِنْ بَرَدٍ منصوب علی المفعولیۃ ہو تو معنی یہ ہوں گے۔ کہ وہ آسمان کے پہاڑوں سے اولے نازل کرتا ہے۔

بعض[۳] کے نزدیک یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مِنْ بَرَدٍ موضع رفع میں ہو۔ اور مِنْ جِبَالٍ منصب علی المفعولیۃ ہو۔ تو گویا اصل عبارت یوں ہے۔ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ جِبَالًا فِيْهَا بَرَدٌ اور جبال کا لفظ مَا نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ کی عظمت اور کثرت کو ظاہر کرتا ہے[۴]۔

اور آیت کریمہ:۔

فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ (۵-۴) تو جو شکار وہ تمہارے لئے پکڑ رکھیں اسکو کھالیا کرو۔ میں ابوالحسن نے کہا ہے[۵] کہ مِن زائدہ ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ مِن زائدہ نہیں ہے۔ بلکہ تبعیضیہ ہے کیونکہ بعض مَآ اَمْسَكْنَ ایسی چیزیں بھی ہیں جن کا کھانا جائز نہیں ہے۔ جیسے خون، غدود (؟) اور وہ چیزیں جو قاذورات سے مختلط ہوتی ہیں اور ان کے تناول سے شریعت نے منع فرمایا ہے۔

---

[۱] ذکر المؤلف ثلاث توجیہات من الاعراب وقد ذکر ہذہ الثلاثۃ اصحاب التفاسیر فلا بدع فیہ وقد نسب صاحب الروح احتمال الثالث الی الفراء والاوّلان بتعیینہ الی الاخفش (۱۸/۱۰۲) وانوار التنزیل ۲/۲۵۷ [۵] ای الاخفش وکنی عنہ الطبری ببعض نحوی البصرۃ قال الطبری وخطأہ البصریون ناخلاف فیہ مشہور والحق الجواز ولذا قال علماء التفسیر وان اکل فلا تاکل (۲م س۱)

(م ن ع)

اَلْمَنْعُ۔ یہ عطا کی ضد ہے۔ رَجُلٌ مَانِعٌ وَ مَنَّاعٌ بخیل آدمی۔ قرآن میں ہے۔
وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (۱۰۷-۵) اور برتنے کی چیزیں عاریۃً نہیں دیتے۔
مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ (۵۰-۲۵) جو مال میں بخل کرنیوالا ہے۔
اور منع کے معنی حمایت اور حفاظت کے بھی آتے ہیں اسی سے مَكَانٌ مَنِيْعٌ کا محاورہ ہے جس کے معنی محفوظ مکان کے ہیں اور مَنَعَ کے معنی حفاظت کرنے کے فُلَانٌ ذُوْ مَنَعَةٍ وہ بلند رتبہ اور محفوظ ہے کہ اس تک دشمنوں کی رسائی ناممکن ہے۔ قرآن میں ہے:۔
اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۴-۱۴۱) کیا ہم تم پر غالب نہیں تھے اور تم کو مسلمانوں کے ہاتھ سے بچایا نہیں۔
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ (۲-۱۱۴) اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے۔ جو خدا کی مسجدوں سے منع کرے۔ اور آیت:۔
مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (۷-۱۲) میں مَا مَنَعَكَ کے معنی ہیں۔ کہ کس چیز نے تمہیں اکسایا۔ اور بعض نے اس کا معنی مَا الَّذِيْ سَدَّكَ وَحَمَلَكَ عَلٰى تَرْكِ ذٰلِكَ کیا ہے۔ یعنی کس نے تجھے روکا اور ترک سجود پر اکسایا۔ اِمْرَأَةٌ مَنِيْعَةٌ عفیفہ عورت۔
اور مَنَاعِ اسم فعل بمعنی اِمْنَعْ (امر) جیسے نَزَالِ بمعنی اَنْزِلْ۔

(م ن ی)

اَلْمَنٰی کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں چنانچہ محاورہ ہے:۔
مَنٰى لَكَ الْمَانِيْ مقدر کنندہ نے تیرے لئے مقدر کر دیا ہے۔ اسی سے بعض کے نزدیک مَنٰی ایک وزن کا نام ہے[1]
اَلْمَنِيُّ نطفہ منی اور اسے منی اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے حیوانات کی ساخت مقدر کی گئی ہے۔ قرآن میں ہے۔
اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى (۷۵-۳۷) کیا وہ منی جو رحم میں ڈالی جاتی ہے ایک قطرہ نہ تھا؟
مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى (۵۳-۴۶) (یعنی) نطفے سے جو رحم میں ڈالا جاتا ہے۔
یعنی نطفہ سے جو قدرت الٰہی کے ساتھ اس چیز کے لئے مقدر ہوتا ہے۔ جو اس سے پیدا ہونا ہوتا ہے۔ اسی سے مَنِيَّةٌ بمعنی اجل مقدر ہے۔ والجمع منایا۔
اَلتَّمَنِّيْ کے معنی دل میں کسی خیال کے باندھنے اور اس کی تصویر کھینچ لینے کے ہیں۔ پھر کبھی یہ تقدیر محض ظن وتخمین پر مبنی ہوتی ہے۔ اور کبھی غور وفکر کا نتیجہ اور مبنی برحقیقت۔ مگر عام طور پر تمنی کی بنا چونکہ ظن وتخمین پر ہی ہوتی ہے اس لئے اس پر جھوٹ کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ کیونکہ اکثر طور پر تمنی کا لفظ دل میں غلط آرزوئیں قائم کر لینے پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى (۵۳-۲۴) کیا جس چیز کی انسان آرزو کرتا ہے وہ اسے ضرور ملتی ہے۔

[1] منسوب الی الاخفش کمافی الروح ۲۷/۵۹

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ (۲-۹۴) تو موت کی آرزو تو کرو۔
وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ اَبَدًا (۶۲-۷) اور یہ ہرگز نہیں کریں گے۔

اَلْاُمْنِيَّةُ کسی چیز کی تمنا سے جو صورت ذہن میں حاصل ہوتی ہے اسے اُمْنِيَّةٌ کہا جاتا ہے۔ اور کذب چونکہ کسی غیر واقعی چیز کا تصور کر کے اسے لفظوں میں بیان کر دینے کو کہتے ہیں۔ تو گویا تمنی جھوٹ کا مبدء ہے۔ لہٰذا جھوٹ کو تمنی سے تعبیر کرنا بھی صحیح ہے اسی معنی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے[1]۔

مَا تَغَنَّيْتُ وَلَا تَمَنَّيْتُ مُنْذُ اَسْلَمْتُ کہ میں جب سے مسلمان ہوا ہوں نہ راگ گایا ہے اور نہ جھوٹ بولا ہے۔ اور اُمْنِيَّةٌ کی جمع اَمَانِیُّ آتی ہے[2]۔ چنانچہ فرمایا:۔
وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ (۲-۷۸) اور بعض ان میں سے ان پڑھ ہیں کہ اپنے خیالات باطل کے سوا (خدا کی) کتاب سے واقف نہیں ہیں۔

مجاہد نے اِلَّا اَمَانِيَّ کے معنی اِلَّا كَذِبًا یعنی جھوٹ کئے ہیں۔ اور دوسروں نے اَمَانِیَّ سے بے سوچے سمجھے تلاوت کرنا مراد لیا ہے کیونکہ اس قسم کی تلاوت بھی اس اُمْنِيَّة سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی ہے جس کی بنا تخمینہ پر ہوتی ہے اور آیت کریمہ:۔
وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ (۲۲-۵۲) اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا۔ مگر (اس کا یہ حال تھا کہ) جب وہ کوئی آرزو کرتا تھا تو شیطان اس کی آرزو میں (وسوسہ) ڈال دیتا تھا۔

میں اُمْنِيَّة کے معنی تلاوت کے ہیں اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تمنی ظن و تخمین سے بھی ہوتی ہے۔ اور مبنی بر حقیقت بھی۔ اور چونکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قلب مبارک پر روح الامین جو وحی لے کر اترتے تھے آپ اس کی تلاوت کے لئے مبادرت کرتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کو آیت لَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ اور لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ کے ذریعہ منع فرمادیا گیا۔ الغرض اس وجہ سے آپ کی تلاوت کو تمنی سے موسوم کیا ہے اور متنبہ کیا ہے کہ ایسی تلاوت میں شیطان کا دخل غالب ہوجاتا ہے[3]۔ اسی معنی میں آنحضرت نے بھی فرمایا ہے[4] (۱۲۵) اِنَّ الْعَجَلَةَ مِنَ الشَّيْطٰنِ کہ جلد بازی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔

مَنَّيْتُنِيْ كَذَا کے معنی فریب وہی سے جھوٹی امیدیں دلانے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن نے شیطان کے قول کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا:۔

---

[1] انظر لقول عثمان غریب القرآن للقتبی ۵ والنہایۃ لابن الاثیر (۴: ۱۹) واللسان (منی) والفائق ا/۱۲۳ وفی کتاب الاشربۃ للقتبی "ولا تفنیت" ای ولا تشبہت بالفتیان وللصح۔ ورواہ ابو یعلی الموصلی فی معجمہ باسناد ضعیف من روایۃ انس عنہ فی فناء حدیث وراجع تخریج الاحیاء للعراقی ۳/۱۳۱۹) وفی روایۃ الفائق ایضًا فی جاہلیۃ ولا اسلام [2] بتشدید الیاء وتخفیفہا وبالثانی قرأ ابو جعفر وشیبۃ (ابن الانباری ۲۴۲) [3] اشارۃ الی قصۃ ذکرہا بعض علماء التفسیر ای تلک الغرانیق العلی وان شفاعتہن لترتجی۔ وذہب الحافظ بناءً علی کثرۃ الطرق الی ان لہا اصلًا الفتح ۸/۳۳۲) لکن المحققین انکروہ راجع الغز ۲/۲۴۵-۲۴۶ وقارن ما ذکرہ القتبی فی غریبہ ۵۵-۲۰۵ و فی اللسان (منی) قال الازہری والتلاوۃ سمیت امنیۃ لان تالی القرآن اذا مر بآیۃ رحمۃ تمناہا واذا مر بآیۃ عذاب تمنی ان یوقاہ [4] انظر تخریجہ (ع ج ل) ۱۲

وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ (۴-۱۱۹) اور ان کو گمراہ کرتا۔ اور امیدیں دلاتا رہوں گا۔

(م ھ د)

اَلْمَهْدُ۔ گہوارہ۔ جو بچے کے لئے تیار کیا جائے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا (۱۹-۲۹) کہ ہم اس سے کہ گود کا بچہ ہے کیونکر بات کریں۔

اور الْمَهْدُ وَالْمِهَادُ ہموار اور درست کی ہوئی زمین کو بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

اَلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا (۲۰-۵۳) وہ وہی تو ہے جس نے تم لوگوں کے لئے زمین کو فرش بنایا۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا (۷۸-۶) کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟۔

اور یہ ایسے ہی ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں زمین کو فراش کہا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَجَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا (۲-۲۲) جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا۔

مَهَّدْتُ لَكَ کے معنی کسی چیز کو تیار اور ہموار کرنے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا (۷۴-۱۴) اور ہر طرح سامان میں وسعت دی۔

اِمْتَهَدَ السَّنَامُ کے معنی کوہان کے مہاد یا مھد یعنی فرش کی طرح ہموار ہوجانے کے ہیں۔

(م ھ ل)

اَلْمَهْلُ کے معنی حلم وسکون کے ہیں۔ اور مَهَلَ فِيْ فِعْلِهٖ کے معنی ہیں اس نے سکون سے کام کیا۔ اور مَهْلًا کے معنی رِفْقًا کے ہیں۔ یعنی جلدی مت کرو۔ مَهَّلْتُهٗ کسی کو مَهْلًا کہنا اور اَمْهَلْتُهٗ کے معنی کسی کے ساتھ نرمی سے پیش آنے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا (۸۶-۱۷) تو تم کافروں کو مہلت دو بس چند روز ہی مہلت دو۔

اَلْمُهْلُ تلچھٹ کو بھی کہتے ہیں[1]۔ چنانچہ فرمایا:۔

كَالْمُهْلِ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ (۴۴-۴۵) جیسے پگھلا ہوا تانبا پیٹوں میں (اس طرح) کھولے گا۔

(م و ت)

اَلْمَوْتُ۔ یہ حیات کی ضد ہے۔ لہٰذا حیات کی طرح موت کی بھی کئی قسمیں ہیں۔

اول قوت نامیہ (جو کہ انسان، حیوانات اور نباتات (سب میں پائی جاتی ہے) کے زوال کو موت کہتے ہیں جیسے فرمایا:۔

يُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (۵۷-۱۷) زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے۔

اَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا (۵۰-۱۱) اور اس (پانی) سے ہم نے شہر مردہ (یعنی زمین افتادہ) کو زندہ کیا۔

دوم حس و شعور کے زائل ہوجانے کو موت کہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔

يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا (۱۹-۲۳) کاش میں اس سے پہلے مر چکتی۔

وَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا (۱۹-۶۶) کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا زندہ کر کے نکالا جاؤں گا۔

---

[1] قال ابوبکر الصدیق ادفنونی فی ثوبی ہذین فانہما للمہل والتراب الفائق ۲ (۸۲۵)

سوم۔ قوت عاقلہ کا زائل ہو جانا اور اسی کا نام جہالت ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ (۶-۱۲۲) بھلا جو پہلے مردہ تھا۔ پھر ہم نے اس کو زندہ کیا۔

اور آیت کریمہ:۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (۲۷-۸۰) کچھ شک نہیں کہ تم مردوں کو (بات) نہیں سنا سکتے۔

میں اسی معنی کے لحاظ سے کفار کو مَوْتٰی کہا ہے۔

چہارم۔ غم جو زندگی کے چشمہ صافی کو مکدر کر دیتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔

وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَيِّتٍ (۱۴-۱۷) اور ہر طرف سے اسے موت آ رہی ہو گی۔ مگر وہ مرنے میں نہیں آئے گا۔

میں موت سے یہی معنی مراد ہیں۔

پنجم۔ موت بمعنی نیند ہوتا ہے۔ اسی لئے کسی نے کہا ہے کہ اَلنَّوْمُ مَوْتٌ خَفِيْفٌ وَالْمَوْتُ نَوْمٌ ثَقِيْلٌ کہ نیند ہلکی سی موت ہوتی ہے۔ اور موت بھاری نیند کا نام ہے۔ اسی بنا پر اللہ تعالٰے نے ان دونوں کو توفی سے تعبیر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ (۶-۶۰) اور وہی تو ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (۳۹-۴۲) اور خدا لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے۔ اور جو مرے نہیں ان کی روحیں سوتے میں قبض کر لیتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ (۳-۱۶۹) جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے انہیں مرے ہوئے نہ سمجھنا (وہ مرے ہوئے نہیں ہیں) بلکہ ....

.... زندہ ہیں۔

میں شہداء کی روحوں سے موت کی نفی مراد ہے۔ اور اس میں ان کی روحوں کے عیش و آرام میں ہونے پر متنبہ کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ان سے اس حزن کی نفی ہے جس کا کہ ابھی آیت وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ میں ذکر ہو چکا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (۳۹-۳۰) (اے پیغمبر) تم بھی مر جاؤ گے اور یہ بھی مر جائیں گے۔ میں بعض نے مَيِّتٌ کے معنی سَتَمُوْتُ کئے ہیں یعنی تم عنقریب فوت ہو جاؤ گے۔ تو اس سے متنبہ کیا ہے کہ موت سے کسی کو بھی چارہ کار نہیں ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[1] (السریع)

(۴۱) اَلْمَوْتُ حَتْمٌ فِيْ رِقَابِ الْعِبَادِ

ہر انسان کو حتماً مرنا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہاں اَلْمَيِّتُ کے معنی جسم سے روح کے الگ ہونے کے نہیں ہیں۔ بلکہ جسم کا تدریجاً تحلیل ہونا اور گھٹنا مراد ہے یعنی انسان جب تک زندہ رہتا ہے۔ تدریجاً مرتا رہتا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[2] (

يَمُوْتُ جُزْءًا فَجُزْءًا

---

[1] وصدرہ: قدکان لم فی الموت راحۃ مفید القافیہ والبیت فی الحمری (۱: ۱۱۷-۱۱۸) فی ثلاثۃ قال ابو اسحاق رویت للمبن عبداللہ بن الحسن بن الحسین وقد دیت لاخیہ موسی فکان زید بن علی گیشا منغمرو دی فی العقد (۳: ۲۳۳ - ۲۳۴) ثلاثۃ دعزاہ لزید بن علی والبیان والتبیین (۱: ۱۹۶) و فی ذیل الامالی ۳/۴ ۱۰۰ ۱۲۰۔ ۱۱ اخصعت لما ہزم الی سجستان نولی خائباً فانشد فی ثلاثۃ ۱۲

[2] لم اجدہ ورجزی ۱۲

کہ وہ تدریجاً تحلیل ہو جائے گا۔

اور اسی معنی کے لحاظ سے بعض نے انسان کو مَائِتٌ (بصیغۂ فاعل) کہا ہے، اور انہوں نے میت و مائت میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ مَائِتٌ کے معنی تحلیل ہونے والے کے ہیں۔ اور مَیِّتٌ بمعنی مردہ کے۔

قاضی علی ابن عبد العزیز نے کہا ہے کہ ہماری زبان (یعنی عربی) میں مَائِتٌ بایں معنی ثابت نہیں ہے۔

اَلْمَیْتُ یہ مَیِّتٌ کا مخفف ہے اور مَوْتٌ مَائِتٌ کا محاورہ مبالغہ پر محمول ہے جیسا کہ شِعْرٌ شَاعِرٌ وَسَیْلٌ سَائِلٌ وغیرہما ہیں۔ اور بَلَدٌ یعنی شہر پر مَیِّتٌ اور مَیْتٌ دونوں لفظ بولے جاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ۔ ہم اس کو ایک مری ہوئی بستی کی طرف ہانک دیتے ہیں (۷-۵۷)

بَلْدَةً مَّیْتًا (۲۵-۴۹) شہر مردہ (یعنی زمین افتادہ) کو۔

اَلْمَیْتَةُ اس حیوان کو کہتے ہیں جس کی روح بغیر تذکیہ کے زائل ہوگئی ہو۔ قرآن میں ہے:۔

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ (۵-۳) تم پر مرا ہوا جانور حرام ہے۔

اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ مَیْتَةً (۶-۱۴۵) بجز اس کے کہ وہ مرا ہوا جانور ہو۔

اَلْمَوَتَانُ۔ یہ حیوان کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور مَوَتَان یا مَوَاتٌ بنجر زمین کو کہتے ہیں۔ محاورہ ہے:۔

وَقَعَ فِی الْاِبِلِ مَوَتَانٌ کَثِیْرٌ بہت سے اونٹ مر گئے۔

نَاقَةٌ مُمِیْتَةٌ وَمُمِیْتٌ۔ جس ناقہ کا بچہ مر گیا ہو۔

اَمَاتَةُ الْخَمْرِ (کنایۃ) شراب کو پکا کر اس کا جوش مارنا۔

اَلْمُسْتَمِیْتُ موت کا سامنا کرنے والا۔ نڈر آدمی۔ شاعر نے کہا ہے[1] (الوافر)

(۴۱۶) فَاَعْطَیْتُ الْجِعَالَةَ مُسْتَمِیْتًا

تو میں نے موت سے نہ ڈرنے والے کو انعام دیا۔

اَلْمُوْتَةُ ایک قسم کا جنون گویا اس سے علم و عقل مردہ ہو جاتا ہے اسی سے مردہ دل آدمی کو مَوَتَانُ الْقَلْبِ اور عورت کو مَوَتَانَةُ الْقَلْبِ کہا جاتا ہے۔

(م و ج)

اَلْمَوْجُ۔ سمندر سے پانی کی جو لہر مغرب کی طرف سے اٹھتی ہے اسے موج کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

فِیْ مَوْجٍ کَالْجِبَالِ (۱۱-۴۲) لہروں میں (چلنے لگی) (لہریں کیا تھیں) گویا پہاڑ (تھے)

یَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ (۲۴-۴۰) جس پر لہر چلی آتی ہو اور اس کے اوپر اور لہر آرہی ہو۔

مَاجَ کَذَا یَمُوْجُ وَتَمَوَّجَ تَمَوُّجًا موج کی طرح مضطرب ہونا۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

---

[1] فی معجم البلدان (۳: ۴۷۴) قالہ الاسدی و فی التبریزی: و قال شقیق بن سلیک الاسدی و هو شاعر اسلامی قالہ معتذرًا الی الضحاک (ابو انس الضحاک بن قیس بن خالد الشیبانی الفہری شہد صفین مع معاویۃ و غلب علی دمشق و دعا الی بیعۃ ابن الزبیر ثم دعا الی نفسہ و قتل بمرج راھط سنۃ ۶۵ (راجع الاصابۃ ۴۶۱ و تمامہ بخفیف الحاذ من فتیان جرم" والبیت فی اللسان والحکم جعل ہو الحماسۃ مع المرزوقی بنظم ۲۷۱ فی ستۃ ۱۲

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ (۱۸-۹۹) (اس روز) ہم ان کو چھوڑ دیں گے۔ کہ روئے زمین پر پھیل کر) ایک دوسرے میں گھس جائیں۔

(م و ر)

اَلْمَوْرُ کے معنی تیز رفتاری کے ہیں۔ اور یہ مَارَ يَمُوْرُ مَوْرًا سے ہے چنانچہ قرآن میں ہے۔

يَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا (۵۲-۹) جس دن آسمان لرزنے لگے کپکپا کر۔

مَارَ الدَّمُ عَلٰى وَجْهِهٖ کے معنی چہرہ پر تیزی سے خون جاری ہونے کے ہیں۔ اور مَوْرٌ غبار کو بھی کہتے ہیں۔ جو ہوا میں ادھر ادھر اڑتا ہے۔ اور نَاقَةٌ تَمُوْرُ فِيْ مَشْيِهَا کے معنی ہیں اونٹنی کا تیز رفتاری کی وجہ سے غبار اڑاتے ہوئے چلے جانا۔ اور تیز رو اونٹنی کو مَوَّارَةٌ کہا جاتا ہے۔

کِتَابُ النُّوْن

(ن ب ء)

اَلنَّبَاُ۔ کے معنی خیر مفید کے ہیں جو علم یا غلبہ ظن کا فائدہ دے۔ اور حقیقی معنی کے لحاظ سے کسی خبر پر نبأ کا لفظ استعمال نہیں ہوسکتا۔ جب تک اس میں تین چیزیں موجود نہ ہوں۔ یعنی نہایت مفید ہونا اور اس سے علم یا غلبہ ظن کا حاصل ہونا۔ اور نبأ صرف اس خبر کو کہا جاتا ہے۔ جس میں کذب کا احتمال نہ ہو۔ جیسے خبر متواتر، خبر الٰہی، اور خبر نبوی اور لفظ نبأ چونکہ معنی خبر کو متضمن ہوتا ہے۔ اسلئے اَخْبَرْتُہٗ بِکَذَا کی طرح اَنْبَأْتُہٗ بِکَذَا کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے اور معنیٰ علم کو متضمن ہونے کی وجہ سے اَعْلَمْتُہٗ کَذَا کی طرح اَنْبَأْتُہٗ کَذَا بھی کہا جاتا ہے جیسے فرمایا:۔

قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ (۳۸-۶۷) کہہ دو کہ یہ ایک بڑی ہولناک چیز کی خبر ہے جس کو تم دھیان میں نہیں لاتے۔

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ (۷۸-۱-۲) یہ لوگ کس چیز کی نسبت پوچھتے ہیں۔ کیا بڑی

خبر کی نسبت۔

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ (۶۴-۵) کیا تم کو ان لوگوں کے حال کی خبر نہیں پہنچی جو پہلے کافر ہوئے تھے۔ تو انہوں نے اپنے کاموں کی سزا کا مزہ چکھ لیا۔

تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ (۱۱-۴۹) یہ حالات منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں۔ جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں۔

تِلْكَ الْقُرَى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَائِهَا (۷-۱۰۱) یہ بستیاں ہیں جن کے کچھ حالات ہم تم کو سناتے ہیں۔

ذَٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْقُرَىٰ نَقُصُّهُ عَلَيْكَ (۱۱-۱۰۰) یہ (پرانی) بستیوں کے تھوڑے سے حالات ہیں جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں۔ اور آیت کریمہ۔

إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا (۴۹-۶) اگر کوئی بدکار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔

میں متنبہ کیا ہے کہ اگر کوئی خبر کسی اہم واقعہ کی حامل ہو تو اگرچہ اس کے صحیح ہونے کا یقین یا ظن غالب حاصل ہو جائے لیکن جب تک اس پر نظر ثانی اور اچھی طرح سے اس کی جانچ پڑتال نہ ہو جائے

اسے بیان کرنے میں توقف کرنا چاہیئے۔
نَبَّأَتُهُ وَ أَنْبَأْتُهُ کے معنی خبر دینے کے ہیں۔
چنانچہ قرآن میں ہے:۔
أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۲-۳۱) اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔
أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ (۲-۳۳) کہ ...... تم ان کو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ جب انہوں نے ان کو ان کے نام بتائے۔
نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ (۱۲-۳۷) کہ میں تم کو اس کی تعبیر بتا دوں گا۔
نَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ (۱۵-۵۱) اور ان کو ابراہیم کے مہمانوں کا حال دو۔
قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ (۱۰-۱۸) کہہ دو کیا تم خدا کو ایسی چیز بتاتے ہو جس کا وجود اسے نہ آسمانوں میں معلوم ہوتا ہے اور نہ زمین میں۔
أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ (۱۳-۳۳) کیا تم اسے ایسی چیزیں بتاتے ہو جن کو وہ ...... معلوم نہیں کرتا۔
نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۶-۱۴۳) اگر سچے ہو تو مجھے سند سے بتاؤ۔
قَدْ نَبَّأَنَا اللّٰهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ (۹-۹۴) خدا نے ہمیں تمہارے سب حالات بتا دیئے ہیں۔
اور نَبَّأْتُهُ میں أَنْبَأْتُهُ کی بنسبت زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا (۴۱-۵۰) پس کافر جو عمل کرتے ہیں۔ وہ ہم ان کو ضرور بتائیں گے۔
يُنَبَّأُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ (۷۵-۱۳) اس دن انسان نے جو عمل آگے بھیجے اور جو پیچھے چھوڑے ہوں گے سب بتا دیئے جائیں گے۔
اور اس سے ابلغ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آیت کریمہ:۔
فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ (۶۶-۳) تو جب وہ ان کو جتائی تو پوچھنے لگیں کہ آپ کو یہ کس نے بتایا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اس نے بتایا جو جاننے والا خبردار ہے۔
پس اس خبر کے متحقق اور من جانب اللہ ہونے پر تنبیہ کرنے کے لئے جواب میں أَنْبَأَ کی بجائے نَبَّأَ کہا ہے۔ کیونکہ یہ اس سے ابلغ ہے۔
اسی طرح آیت کریمہ:۔
قَدْ نَبَّأَنَا اللّٰهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ (۹-۹۴) خدا نے ہمیں تمہارے سب حالات بتا دیئے ہیں۔
اور آیت کریمہ:۔
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۶۲-۸) پھر جو جو کچھ تم کرتے رہے ہو وہ سب تمہیں بتائے گا۔ بھی اس لئے ابلغ ہونے پر دال ہیں۔
اَلنُّبُوَّةُ۔ وہ سفارت جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان ان کے امور دنیوی اور اخروی میں خرابیوں کو دور کرنے کے لئے جاری ہوتی ہے اسے نبوت کہا جاتا ہے۔ اور نبی کو نبی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اُن باتوں کی خبر دیتا ہے جن پر کہ عقول سلیمہ مطمئن ہوتی ہیں۔ اور نَبِيٌّ ہو سکتا ہے کہ فعیل بمعنی فاعل سے ہو۔ چنانچہ فرمایا:۔
نَبِّئْ عِبَادِي (۱۵-۴۹) (اے پیغمبر) میرے بندوں کو بتا دو۔
قُلْ أَؤُنَبِّئُكُمْ (۳-۱۵) (اے پیغمبر ان سے) کہو کہ بھلا میں تم کو ایسی چیز بتاؤں۔

اور یہ بھی کہ فعیل بمعنی مفعول سے ہو یعنی خبر دیا گیا کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے خبر دی جاتی ہے۔ جیسے فرمایا:۔
نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ (۶۶-۳) مجھے اس نے بتایا جو جاننے والا خبردار ہے۔
تَنَبَّأَ فُلَانٌ کے معنی دعوئ نبوت کرنے کے ہیں۔ اور وضع لغوی کے اعتبار سے نبی کے متعلق اس کا استعمال صحیح ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ یہ باب تفعیل کا مطاوع ہوتا ہے جیسے:۔ زَيَّنَهُ فَتَزَيَّنَ وَحَلَّاهُ فَتَحَلَّى وَجَمَّلَهُ فَتَجَمَّلَ وغیرہ۔
لیکن جھوٹا دعویٰ نبوت کرنے والے کے حق میں متعارف ہونے کی وجہ سے سچے نبی کے حق میں اس کے استعمال سے گریز کیا گیا ہے اور صرف مدعی کاذب کے متعلق اس کا استعمال ہوتا ہے۔ جیسے:۔ تَنَبَّأَ مُسَيْلِمَةُ یعنی مسیلمہ نے جھوٹا دعوئ نبوت کیا۔ پھر اس بات پر متنبہ کرنے کے لئے کہ اس کی خبریں منجانب اللہ نہیں ہوتی تھیں نبی کی تصغیر کر کے مُسَيْلِمَةُ نُبَيِّئُ سَوْءٍ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ کسی نے اس کا کلام سن کر کہا تھا۔ وَاللّٰهِ مَا خَرَجَ هٰذَا الْكَلَامُ مِنْ إِلٍّ کہ اللہ کی قسم یہ إِلٌّ یعنی اللہ کا کلام نہیں ہے۔ اَلنَّبْأَةُ پست اور خفی آواز۔

(ن ب ت)

اَلنَّبْتُ وَالنَّبَاتُ۔ ہر وہ چیز جو زمین سے اگتی ہے۔ اسے نَبْتٌ یا نَبَاتٌ کہا جاتا ہے۔ خواہ وہ تنہ دار ہو جیسے درخت۔ یا بے تنہ جیسے جڑی بوٹیاں لیکن عرف میں خاص کر نبات اسے کہتے ہیں جس کے تنہ نہ ہو۔ بلکہ عوام تو جانوروں کے چارہ پر ہی نبات کا لفظ بولتے ہیں چنانچہ آیت کریمہ:۔ لِنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا (۷۸-۱۵) تاکہ اس سے اناج اور سبزہ پیدا کریں۔
میں نبات سے مراد چارہ ہی ہے۔ لیکن یہ اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے ہر بڑھنے والی چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ اور نباتات، حیوانات اور انسان سب پر بولا جاتا ہے۔ اور إِنْبَاتٌ (افعال) کا لفظ ان سب چیزوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا وَّزَيْتُونًا وَّنَخْلًا وَّحَدَائِقَ غُلْبًا وَّفَاكِهَةً وَّأَبًّا (۸۰-۲۷ تا ۳۱) پھر ہم ہی نے اس میں اناج اگایا۔ اور انگور اور ترکاری۔ اور زیتون اور کھجوریں۔ اور گھنے گھنے باغ اور میوے اور چارہ۔
فَأَنْبَتْنَا بِهٖ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا (۲۷-۶۰) (پھر ہم نے) پھر اس سے سر سبز باغ اگائے تمہارا کام تو نہ تھا۔ کہ تم ان کے درختوں کو اگاتے۔
يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ (۱۶-۱۱) اسی پانی سے وہ تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اگاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
وَاللّٰهُ أَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا (۷۱-۱۷) اور خدا ہی نے تم کو زمین سے پیدا کیا۔
کی تفسیر میں علمائے نحو نے لکھا ہے کہ یہاں نَبَاتًا مصدر من غیر بابہ ہے اور إِنْبَاتًا کی جگہ پر استعمال ہوا ہے[1]۔ دوسرے علماء کے نزدیک نَبَاتًا حال ہے۔ مصدر نہیں ہے اور اس سے متنبہ کیا ہے کہ انسان بھی ایک طرح سے نبات میں داخل ہے کیونکہ اس کی ابتدائی

---

[1] نسب الألوسي هذا القول الى ابي حيان النحوي وجماعة من العلماء وعلى هذا يكون نباتا مصدرا منصوبا بالانبت روح المعاني (۲۹-۷۵) ۱۲

نشاءت بھی تراب ہی سے ہے۔ اور پھر وہ نبات ہی کی طرح بڑھتا ہے اگرچہ اس میں نبات سے کچھ زائد اوصاف پائے جاتے ہیں چنانچہ اسی پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ (۴۰-۶۷) وہی تو ہے جس نے تم کو پہلے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ بنا کر۔ اور آیت کریمہ:۔

وَّأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا (۳-۳۷) اور اسے اچھی طرح پرورش کیا۔

بھی اسی معنی پر محمول ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ (۲۳-۲۰) (یعنی زیتون کا درخت کہ) ...... روغن .... لیے ہوئے اگتا ہے۔

میں باء تعدیہ کے لئے نہیں ہے کیونکہ نَبَتَ خود فعل متعدی ہے۔ بلکہ حال کے لئے ہے اور تقدیر یہ ہے تَنْبُتُ حَامِلَةً لِلدُّهْنِ یعنی وہ درخت اس حال میں اگتا ہے کہ روغن اس میں بالقوۃ موجود ہوتا ہے مشہور محاورہ ہے:۔

اِنَّ بَنِیْ فُلَانٍ لَنَابِتَةُ شَرٍّ کہ فلاں لوگ فساد کی جڑ ہیں۔ نَبَتَتْ فِيْهِمْ نَابِتَةٌ۔ یعنی ان کی نئی پود جوان ہوگئی۔

(ن ب ذ)

اَلنَّبْذُ کے معنی کسی چیز کو در خور اعتناء نہ سمجھ کر پھینک دینے کے ہیں۔ اسی سے محاورہ مشہور ہے۔

نَبَذْتُهُ نَبْذَ النَّعْلِ الْخَلَقِ میں نے اسے پرانے جوتا کی طرح پھینک دیا۔ قرآن میں ہے:۔

لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ (۱۰۴-۴) وہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائیگا۔

فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ (۳-۱۸۷) تو انہوں نے اسے پس پشت پھینک دیا۔

یعنی انہوں نے اسے قابل التفات نہ سمجھا نیز فرمایا۔

نَبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ (۲-۱۰۰) تو ان میں ایک فریق نے اس کو بے قدر چیز کی طرح پھینک دیا۔

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ (۲۸-۴۰) تو ہم نے ان کو اور ان کے لشکر کو پکڑ لیا۔ اور دریا میں ڈال دیا۔

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ (۳۷-۱۴۵) پھر ہم نے ان کو فراخ میدان میں ڈال دیا۔

لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ (۶۸-۴۹) تو وہ چٹیل میدان میں ڈال دیئے جاتے۔

اور آیت کریمہ:۔

فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ (۸-۵۸) تو ان کا عہد انہی کی طرف پھینک دو (اور برابر کا جواب دو) میں فَانْبِذْ عَلٰى سَوَآءٍ کے معنی یہ ہیں کہ معاہدہ صلح سے دستبردار ہو جاؤ لہذا یہاں معاہدہ صلح سے دستبردار ہونے کے لئے مجازاً اَنْبَذَ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ:۔

فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ۔ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِالسَّلَمَ (۱۶-۸۶، ۸۷) تو ان کے کلام کو مسترد کر دیں گے اور ان سے کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔ اور اس دن خدا کے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے

میں قول (اور متکلم) کے متعلق اِلْقَاءٌ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور آیت۔

فَانْبِذْ الخ میں تنبیہ کیا ہے کہ (اس صورت میں) ان کے معاہدہ کو مزید مؤکد نہ کیا جائے۔ بلکہ حسن

معاملہ سے اسے فسخ کر دیا جائے اور ان کے رویہ کے مطابق ان سے سلوک کیا جائے یعنی جب تک وہ معاہدہ کو قائم رکھیں اس کا احترام کیا جائے۔
فَانۡتَبَذَ فُلَانٌ کے معنی اس شخص کی طرح یکسو ہو جانے کے ہیں جو اپنے آپ کو ناقابل اعتبار سمجھتا ہو۔ قرآن میں ہے:۔
فَحَمَلَتۡهُ فَانۡتَبَذَتۡ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا (۱۹-۲۳) اور وہ اس بچے کے ساتھ حاملہ ہو گئیں اور اسے لے کر ایک دور جگہ چلی گئیں۔
اور قَعَدَ نَبۡذَةً وَ نُبۡذَةً کے معنی یکسو ہو کر بیٹھ جانے کے ہیں اور راستہ میں پڑے ہوئے بچے کو صَبِيٌّ مَنۡبُوۡذٌ وَ نَبِيۡذٌ کہتے ہیں۔ جیسا کہ اسے مَلۡقُوۡطٌ یا لَقِيۡطٌ کہا جاتا ہے۔ لیکن اس لحاظ سے کہ کسی نے اسے پھینک دیا ہے۔ اسے مَنۡبُوۡذٌ کہا جاتا ہے۔ اور اٹھائے جانے کے لحاظ سے "لَقِيۡطٌ" کہا جاتا ہے۔
اَلنَّبِيۡذُ اصل میں انگور یا کھجور کو کہتے ہیں جو پانی میں ملائی گئی ہو۔ پھر خاص قسم کی شراب پر بولا جاتا ہے۔

(ن ب ز)

اَلنَّبۡزُ کے معنی کسی کو بُرے نام کے ساتھ پکارنے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَلَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ (۴۹-۱۱) اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔

(ن ب ط)

اَلۡاِسۡتِنۡبَاطُ کے معنی استخراج کے ہیں۔ جیسے فرمایا:۔
وَلَوۡ رَدُّوۡهُ اِلَى الرَّسُوۡلِ وَاِلٰۤى اُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡهُمۡ لَعَلِمَهُ الَّذِيۡنَ يَسۡتَنۡۢبِطُوۡنَهٗ مِنۡهُمۡ (۴-۸۳) اور اس کو پیغمبر اور اپنے سرداروں کے پاس پہنچاتے تو تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کر لیتے۔
اور یہ اَنۡبَطۡتُ كَذَا سے استفعال کا صیغہ ہے جس کے اصل معنی پانی نکالنے کے ہیں اور کنواں کھودنے کے بعد جو پہلی دفعہ پانی نکالا جاتا ہے اسے نَبَطٌ کہا جاتا ہے۔
فَرَسٌ اَنۡبَطُ اسپ سفید بغل۔ اسی سے نَبَطٌ ایک مشہور قوم کا نام ہے۔

(ن ب ع)

اَلنَّبۡعُ کے معنی چشمہ سے پانی پھوٹنے کے ہیں۔ اور یہ نَبَعَ الۡمَآءُ يَنۡبَعُ (ن) نُبُوۡعًا وَ نَبۡعًا کا مصدر ہے اور اَلۡيَنۡبُوۡعُ اس چشمہ کو کہتے ہیں جس سے پانی ابل رہا ہو اس کی جمع يَنَابِيۡعُ آتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيۡعَ فِى الۡاَرۡضِ (۳۹-۲۱) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔ پھر اس کو زمین میں چشمے بنا کر جاری کرتا ہے۔
اَلنَّبۡعُ ایک قسم کا درخت جس کی کمانیں بنتی ہیں۔

(ن ب و)

اَلنَّبِيُّ (بدون ہمزہ) کے متعلق بعض علمائے نحو نے کہا ہے کہ یہ اصل میں مہموز ہے لیکن اس میں ہمزہ متروک ہو چکا ہے۔ اور اس پر وہ مُسَيۡلَمَةُ نُبَيِّئُ سُوۡءٍ کے محاورہ سے استدلال کرتے ہیں۔

مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ نَبْوَۃٌ بمعنی رفعت سے مشتق ہے اور نبی کو نبی اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ لوگوں کے اندر معزز اور بلند اقدار کا حامل ہوتا ہے[1]۔ جیسا کہ آیت کریمہ:۔

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا (۱۹-۵۷) اور ہم نے ان کو بلند درجات سے نوازا۔

کے مفہوم سے سمجھا جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ نَبِيٌّ (بدوں ہمزہ) (مهموز) سے ابلغ ہے کیونکہ ہر مُنَبَّأٌ لوگوں میں بلند قدر اور صاحب مرتبہ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک شخص نے آنحضرت کو ازراہِ بغض یَا نَبِيءَ اللهِ کہہ کر پکارا تو آپ نے فرمایا[2] (۱۲۵)

لَسْتُ بِنَبِيءِ اللهِ وَلٰكِنْ نَبِيُّ اللهِ کہ میں نبیء اللہ نہیں ہوں بلکہ نَبِيُّ اللهِ ہوں۔

اَلنَّبْوَۃُ وَالنَّبَاوَۃُ کے معنی بلندی کے ہیں اسی سے محاورہ ہے۔

نَبَا بِفُلَانٍ مَكَانُهُ کہ اسے یہ جگہ راس نہ آئی۔ جیسا کہ قَضَّ عَلَيْهِ مَضْجَعُهُ کا محاورہ ہے جس کے معنی بے چینی سے کروٹیں لینے کے ہیں۔ نَبَا السَّيْفُ عَنِ الضَّرِيبَةِ تلوار کا اچٹ جانا۔ پھر اس کے ساتھ تشبیہ دے کر نَبَا بَصَرُهُ عَنْ كَذَا کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے جس کے معنی کسی چیز سے کراہت کرنے کے ہیں۔

(ن ت ق)

نَتَقَ الشَّيْءَ کے معنی کسی چیز کو کھینچ کر ڈھیلا کر دینے کے ہیں۔ جیسے نَتَقَ عُرَى الْحَبْلِ اس نے بوجھ کی گرہیں کھول دیں۔ قرآن میں ہے۔

وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ (۷-۱۷۱) اور جب ہم نے ان کے سروں پر پہاڑ اٹھا کھڑا کیا۔

اسی سے استعارہ کے طور پر کثیر الاولاد عورت کو اِمْرَأَۃٌ نَاتِقٌ کہا جاتا ہے[3] اور اس عورت کے ساتھ تشبیہ دے کر زود آتش افروز چقماق کو بھی زَنْدٌ نَاتِقٌ کہتے ہیں۔

(ن ث ر)

نَثَرَ الشَّيْءَ کے معنی کسی چیز کو بکھیرنے اور پراگندہ کر دینے کے ہیں۔

یہ نَثَرْتُهُ (ض) کا مصدر ہے۔ اور اِنْتَثَرَ (انفعال) کے معنی بکھر جانے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (۸۲-۲) اور جب تارے جھڑ پڑیں۔

اور بنی ہوئی زرہ کو نَثْرَۃٌ کہا جاتا ہے۔

نَثَرَتِ الشَّاۃُ بکری کا چھینک کر فضلہ باہر پھینکنا اور چھینک سے جو فضلہ ناک سے بہہ نکلتا ہے اسے بھی نَثْرَۃٌ کہا جاتا ہے کبھی نَثْرَۃٌ کا لفظ ناک پر بھی بولا جاتا ہے۔ اسی سے نَثْرَۃٌ ایک ستارے کا نام ہے جسے اَنْفُ الْاَسَدِ کہا جاتا ہے۔ محاورہ ہے:۔

طَعَنَهُ فَأَنْثَرَهُ اسے نیزہ مارا تو وہ ناک کے بل گر پڑا۔

اَلْاِسْتِنْثَارُ ناک میں پانی چڑھا کر جھاڑنا۔

---

[1] وفی الفائق ومنہ (نبوۃ) زعم ان اشتقاق النبی منہ وہو غیر مستقبل عند محققۃ اصحابنا ولا یعرج علیہ: ۲ ۲۹۲) [2] رواہ الحاکم فی المستدرک والحدیث غیر صحیح لان فی سندہ حمران من غلاۃ الشیعۃ ومما یدل علی ان الصحیح انہ بالہمزۃ قرءہ مہموزا فی السبعۃ [3] وفی الحدیث علیکم بالابکار فانہن اعذب افواہا وانتق ارحاما (انظر النہایۃ ۴ ساا والفائق ۳ ۲۵)

(ن ج د)

اَلنَّجْدُ کے معنی بلند اور سخت جگہ کے ہیں۔
اور آیت کریمہ:۔
وَھَدَیْنَاہُ النَّجْدَیْنِ (۹۰-۱۰) اور اس کو (خیر وشر کے) دونوں رستے بھی دکھا دیئے۔
میں نَجْدَیْنِ کا لفظ حق وباطل، صدق وکذب اور حسن وقبیح، قول وعمل کے لئے بطور مثال ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں راستے واضح کر دیئے ہیں جیسے فرمایا۔
اِنَّا ھَدَیْنَاہُ السَّبِیْلَ الآیۃ (۷۶-۳) اور اسے رستہ بھی دکھایا۔
اَلنَّجْدُ (ایضًا) ایک علاقے کا نام ہے اور اَنْجَدَ کے معنی نجد کا قصد کرنے کے ہیں۔ اور رَجُلٌ نَجْدٌ وَنَجِیْدٌ وَنَجِدٌ کے معنی مشہور طاقت ور اور بہادر آدمی کے ہیں۔ اور اِسْتَنْجَدْتُہٗ فَاَنْجَدَنِیْ کے معنی ہیں میں نے اس سے فریاد کی تو اس نے بہادری اور قوت سے میری مدد کی اور کبھی اِسْتَنْجَدَ فُلَانٌ کے معنی قوی ہونا کے بھی آجاتے ہیں۔ اور تکلیف زدہ اور مغلوب آدمی کو مَنْجُوْدٌ کہا جاتا ہے۔ گویا وہ نَجْدَۃٌ یعنی شدت میں گرفتار ہے۔
اَلنَّجَدُ (ایضًا) پسینہ۔ نَجَّدَہُ الدَّھْرُ کے معنی کسی کو قوی کر دینے کے ہیں۔ گویا وہ تجربہ حاصل کرکے قوی ہو گیا[1]۔
اسی سے فُلَانٌ اِبْنُ نَجْدَۃِ کَذَا کا محاورہ ہے یعنی وہ اس کام میں ماہر ہے۔
اَلنِّجَادُ مکان کی آراستگی کا سامان یہ (نَجْد) کی جمع ہے۔
نَجَّادٌ۔ فرش ساز نیز آنچہ بستر و بالین دوزد۔
نِجَادُ السَّیْفِ تلوار لٹکانے کا پرتلہ۔
اَلنَّاجُوْدُ۔ شراب صاف کرنے کی صافی۔ راؤوق۔

(ن ج س)

اَلنَّجَاسَۃُ کے معنی پلیدی کے ہیں اور یہ دو قسم پر ہے۔ نجاست حسی یا مادی جس کا ادراک حس سے ہو سکتا ہو۔ نجاست معنوی جس کا ادراک بصیرت سے ہوتا ہو۔ چنانچہ نجاست معنوی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے متعلق فرمایا:۔
اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ (۹-۲۸) مشرک تو پلید ہیں۔
نَجَّسَہٗ کے معنی کسی چیز کو نجس کر دینا کے ہیں۔ نیز اس کے معنی ازالہ نجاست بھی آتے ہیں۔ اور اسی سے تَنْجِیْسُ الْعَرَبِ ہے یعنی تعویذ گنڈا۔ جو شیطانی نجاست کو دور کرنے کے لئے بچے کے گلہ میں لٹکاتے تھے۔
نَاجِسٌ وَنَجِیْسٌ۔ ایک بری اور لاعلاج بیماری

(ن ج م)

اَلنَّجْمُ اصل میں طلوع ہونے والے ستارے کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع نُجُوْمٌ آتی ہے۔ اور نَجَمَ (ن) نُجُوْمًا وَنَجْمًا کے معنی طلوع ہونے کے ہیں۔ نَجْمٌ کا لفظ کبھی اسم ہوتا ہے۔ اور کبھی مصدر اسی طرح نجوم کا لفظ کبھی قُلُوْبٌ وَجُیُوْبٌ کی طرح جمع ہوتا ہے اور

[1] دفی المثل "دانہ لمنجذ" المیدانی ۱/۲۹

کبھی طُلُوْعٌ وَ غُرُوْبٌ کی طرح مصدر اور تشبیہ کے طور پر سبزہ کے اگنے اور کسی رائے کے ظاہر ہونے پر بھی نَجَمَ النَّبْتُ اَوِ الْقَرْنُ وَ نَجَمَ لِیْ رَأْیٌ نَجْمًا کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔

نَجَمَ فُلَانٌ عَلَی السُّلْطَانِ بادشاہ سے بغاوت کرنا۔ نَجَّمْتُ الْمَالَ عَلَیْہِ اس کے اصل معنی تو ستاروں کے طلوع کے لحاظ سے قرض کی قسطیں مقرر کرنے کے ہیں۔ مثلاً فلاں ستارے کے طلوع پر مال کی اتنی قسط ادا کرتا رہوں گا۔ مگر عرف میں مطلق اقساط مقرر کرنے پر بولا جاتا ہے قرآن میں ہے: وَ بِالنَّجْمِ ھُمْ یَھْتَدُوْنَ (۱۶-۱۶) اور لوگ ستاروں سے بھی رستے معلوم کرتے ہیں۔

فَنَظَرَ نَظْرَۃً فِی النُّجُوْمِ (۳۷-۸۸) تب انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر کی۔ یعنی علم نجوم سے حساب نکالا۔ اور آیت کریمہ: وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی (۵۳-۱) تارے کی قسم جب غائب ہونے لگے۔

کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ نجم سے مراد ستارہ ہے اور طَلَعَ کی بجائے ھَوٰی کا لفظ لانے کی وجہ یہ ہے کہ طلوع کے معنی پر تو لفظ نجم ہی دلالت کر رہا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ نجم سے مراد ثریا یعنی پروین ہے کیونکہ اہل عرب جب مطلق اَلنَّجْمُ کا لفظ بولتے ہیں تو پروین ہی مراد ہوتی ہے جیسا کہ مقولہ ہے[1] (الرجز)

طَلَعَ النَّجْمُ غُدَیَّۃْ

وَابْتَغَی الرَّاعِیْ شُکَیَّۃْ

صبح کا ستارہ طلوع ہوا اور چرواہے نے اپنا مشکیزہ سنبھالا۔

بعض نے کہا ہے کہ آیت مذکورہ میں النجم سے مراد نجوم القرآن ہیں۔ کیونکہ وہ بھی تدریجاً معین مقدار میں نازل ہوتا رہا ہے اور ھَوٰی سے اس کا نزول مراد ہے۔ اسی طرح آیت کریمہ:

فَلَا اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ (۵۶-۷۵) ہمیں تاروں کی منزلوں کی قسم۔

میں بھی مواقع النجوم ..... کی دو طرح تفسیر بیان کی گئی ہے۔ یعنی بعض نے مواقع النجوم سے مراد ستاروں کے منازل لیے ہیں اور بعض نے نجوم القرآن مراد لیے ہیں۔

اَلتَّنْجِیْمُ علم نجوم کے حساب سے کوئی پیش گوئی کرنا۔ اور آیت کریمہ:

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدَانِ (۵۵-۶) اور بوٹیاں اور درخت سجدے کر رہے ہیں۔

میں نجم سے بے تنہ نباتات یعنی جڑی بوٹیاں مراد ہیں اور بعض نے ستارے مراد لیے ہیں۔

(ن ج و)

اصل میں نَجَاءٌ کے معنی کسی چیز سے الگ ہونے کے ہیں۔ اسی سے نَجَا فُلَانٌ مِنْ فُلَانٍ کا محاورہ ہے جس کے معنی نجات پانے کے ہیں۔ اور اَنْجَیْتُہٗ وَ نَجَّیْتُہٗ کے معنی نجات دینے کے چنانچہ فرمایا:

فَاَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (۲۷-۵۳) اور جو لوگ ایمان لائے ..... ان کو ہم نے نجات دی۔

اِنَّا مُنَجُّوْکَ وَ اَھْلَکَ (۲۹-۳۳) ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بچا لیں گے۔

---

[1] انظر للکلمۃ المیدانی والبحر ۸/۵۰۷ والمرزوقی ۹۷۴ امالی المعانی للقتیبی عشاءۃ و کساءۃ بدل غدیۃ و شکیۃ لغیر عزو۔

وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ (۲-۴۹) جب ہم نے تم کو قوم فرعون سے مخلصی بخشی۔

فَلَمَّآ اَنْجٰھُمْ اِذَا ھُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ (۱۰-۲۳) لیکن جب وہ ان کو نجات دے دیتا ہے تو ملک میں ناحق شرارت کرنے لگتے ہیں۔

فَاَنْجَیْنٰہُ وَاَھْلَہٗٓ اِلَّا امْرَاَتَہٗ (۷-۸۳) تو ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بچا لیا۔ مگر ان کی بی بی۔

فَاَنْجَیْنٰہُ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ بِرَحْمَۃٍ مِّنَّا (۷-۷۲) پھر ہم نے ہود اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے۔ ان کو نجات بخشی۔

نَجَّیْنٰھُمَا وَقَوْمَھُمَا (۳۷-۱۱۵) اور ان کو اور ان کی قوم کو۔ . . . نجات بخشی۔

نَجَّیْنٰھُمْ بِسَحَرٍ نِّعْمَۃً (۵۴-۳۴) ان کو پچھلی رات ہی سے بچا لیا اپنے فضل سے۔

وَنَجَّیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (۴۱-۱۸) اور جو ایمان لائے۔ . . . ان کو ہم نے بچا لیا۔

نَجَّیْنٰھُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ (۱۱-۵۸) اور انہیں عذاب شدید سے نجات دی۔

ثُمَّ نُنَجِّیْ رُسُلَنَا (۱۰-۱۰۳) اور ہم اپنے پیغمبروں کو۔ . . . نجات دیتے رہے ہیں۔

ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا (۱۹-۷۲) پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے۔

اَلنَّجْوَۃُ وَالنَّجَاۃُ بلند جگہ، جو بلندی کی وجہ سے اپنے ماحول سے الگ معلوم ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ سیلاب کی زد سے محفوظ ہونے کی وجہ سے اسے نَجْوَۃٌ یا نَجَاۃٌ کہا جاتا ہے۔ اسی سے نَجَّیْتُہٗ کا محاورہ ہے جس کے معنی کسی کو نَجْوَۃٌ یعنی علیحدہ بلند جگہ پر چھوڑنے کے ہیں۔ چنانچہ اسی معنی میں فرمایا:۔ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ (۱۰-۹۲) تو آج ہم تیرے بدن کو دریا سے نکال لیں گے۔

اور نَجَوْتُ کے معنی درخت یا بکری کا پوست اتارنا بھی آتے ہیں۔ اور چونکہ یہ لفظ ان دونوں معنی میں مشترک ہے۔ اسلئے شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۴۱۸) فَقُلْتُ انْجُوَا عَنْھَا نَجَا الْجِلْدِ اِنَّہٗ
سَیُرْضِیْکُمَا مِنْھَا سَنَامٌ وَغَارِبُہٗ

میں نے کہا کہ اس کا پوست اتار لو بے شک اس کی کوہان اور کندھے تمہارے لئے کافی ہوں گے۔

نَاجَیْتُہٗ کے معنی سرگوشی کرنے کے ہیں۔ مگر اس کے اصل معنی بلند زمین پر کسی کے ساتھ تنہا ہونے کے ہیں۔ بعض نے اسے نَجَاۃٌ سے لیا ہے۔ لہٰذا نَاجَیْتُہٗ کے اصل معنی کسی معاملہ میں دوسرے کی رہائی کے لئے اس کی مدد کرنے کے ہیں یا اپنے بھید کو دوسروں پر افشا ہونے سے بچانے کے ہیں۔

تَنَاجَی الْقَوْمُ۔ لوگوں کا باہم سرگوشی کرنا۔ چنانچہ فرمایا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا

---

[1] البیت فی اللسان (نجا) جمع غیر منسوب والخزانۃ (۴: ۲۷۰) (۲: ۲۲۷) والبیت من شواہد سیبویہ فی الکتاب والتنبیہات للبکری علی القالی واصلاح المنطق ۴۹ ونسبہ ابن البری لعبد الرحمٰن بن حسان بن ثابت لکنہ لابی الغمر الکلابی وکذا قال العینی ونسبہ الی العباب للصاغانی ولکن نقد علیہ صاحب الخزانۃ) والبیت مما اوردہ العلماء رشاہدًا علی انہ یجوز اضافۃ الشیٔ الی لفظہ اذا اختلف اللفظان فان النجا والجلد مترادفان وقد تضایفا راجع الخزانۃ (۴: ۲۷۰-۲۷۲) وابن ولاد ۱۱۲ وذھب السیرافی فی شرح ابیات الاصلاح: ان النجا ھھنا بمعنی النجو منصوب علی انہ مفعول مطلق والبیت ایضًا فی امالی الزجاجی والتنبیہات لابی القاسم البصری (علی بن حمزہ) ۱۲

بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰی (۵۸-۹) مومنو! جب تم آپس میں سرگوشیاں کرنے لگو تو گناہ اور زیادتی اور پیغمبر کی نافرمانی کی باتیں نہ کرنا۔ بلکہ نیکوکاری اور پرہیزگاری کی باتیں کرنا۔

اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىکُمْ صَدَقَةً (۵۸-۱۲) جب تم پیغمبر کے کانوں میں کوئی بات کہو تو بات کہنے سے پہلے (مساکین کو) کچھ دیدیا کرو۔

اَلنَّجْوٰی۔ یہ اصل میں مصدر ہے جیسے فرمایا۔

اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ (۵۸-۱۰) (کافروں کی) سرگوشیاں تو شیطان (کی حرکات) سے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰی (۵۸-۸) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو سرگوشیاں کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ اور آیت کریمہ:۔

وَاَسَرُّوا النَّجْوَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا (۲۱-۳) اور ظالم لوگ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں۔ میں نَجْوٰی کے ساتھ اَسَرُّوْا کا لفظ لاکر متنبہ کیا ہے کہ انہوں نے ہر طرح سے اسے خفیہ رکھنے کی کوشش کی تھی۔ کیوں کہ نَجْوٰی اگرچہ خفیہ ہوتا ہے لیکن کبھی قبل از وقت افشا ہوجاتا ہے نیز فرمایا۔

مَا یَکُوْنُ مِنْ نَجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ (۵۸-۷) (کسی جگہ) تین (شخصوں) کا (مجمع اور) کانوں میں صلاح ومشورہ نہیں ہوتا۔ مگر وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے۔

اور لفظ نَجْوٰی کبھی بطور صفت کے بھی آجاتا ہے اور واحد وجمع دونوں کے لئے یکساں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: ھُوَ نَجْوٰی وَھُمْ نَجْوٰی قرآن میں ہے:۔

وَاِذْ هُمْ نَجْوٰی (۱۷-۴۷) اور جب یہ سرگوشیاں کرتے ہیں۔

اَلنَّجِیُّ کے معنی سرگوشی کرنے والے کے ہیں یہ بھی واحد جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

چنانچہ فرمایا:۔

وَقَرَّبْنٰهُ نَجِیًّا (۱۹-۵۲) اور باتیں کرنے کیلئے نزدیک بلایا۔

فَلَمَّا اسْتَیْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِیًّا (۱۲-۸۰) جب وہ اس سے ناامید ہوگئے تو الگ ہوکر صلاح کرنے لگے۔

اِنْتَجَیْتُ فُلَانًا کسی کو رازدار بنانا۔

اَنْجٰی فُلَانٌ بلند زمین پر جانا۔

هُمْ فِیْ اَرْضٍ نَجَاةٍ۔ وہ ایسی سرزمین میں ہیں جس کے درختوں سے لاٹھیاں اور کمانیں بنائی جاتی ہیں۔ اور اَلنَّجَا اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کا پوست اتار دیا گیا ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ نَجَوْتُ فُلَانًا کے معنی کسی کے منہ کی بو سونگھنے کے ہیں۔ اور اس شعر سے استدلال کیا ہے[1] (الوافر)

(۴۱۹) نَجَوْتُ مُجَالِدًا فَوَجَدْتُ مِنْهُ
كَرِیْحِ الْكَلْبِ مَاتَ حَدِیْثُ عَهْدٍ

تو بقول بعض اس کے معنی یہ ہیں کہ میں نے مجالد کے منہ کی بو سونگھی تو اس سے تازہ مرے ہوئے کتے کی سی بدبو پائی۔

میں کہتا ہوں کہ اگر وہ محض اس شعر کی بنا پر نَجَوْتُ کے یہ معنی بیان کرتے ہیں تو یہ شعر ان کی دلیل نہیں

---

[1] فی اللسان (نجا) غیر منسوب والبیت لحکم بن عدل فی قصیدة ۴۴ بیتا یہجو فیہا محمد بن حسان بن سعد کما فی الاغانی (۲: ۲ ۱۲ ۱۴) و عیون الاخبار (۴: ۴۲) و فی البیت تحریف وان نقلہ ایضا صاحب اللسان والصواب فی الروایة نجوت محمدًا بدل نجوت مجالدًا کما فی الحیوان (۱: ۲۵۱) فعلی ہذا لا شاہد ۱۲

بن سکتا۔ کیونکہ شاعر کی مراد تو یہ ہے کہ میں نے مجالد سے سرگوشی کی تو مرض بخر کی وجہ سے اس کے منہ سے مجھے مرے کتے کی سی بدبو آئی۔ اور کنایۃً کے طور پر نَجْوٌ کے معنی پائخانہ کے بھی آتے ہیں۔ محاورہ ہے:۔ شَرِبَ دَوَاءً فَمَا اَنْجَاہُ اس نے دوا پی لیکن شئی نہ آئی۔

اَلْاِسْتِنْجَاءُ کے معنی استنجاء کرنے اور رفع حاجت کے لئے علیحدہ جگہ تلاش کرنے کے ہیں۔ جیسا کہ تَغَوَّطَ کے معنی پست جگہ تلاش کرنے کے آجاتے ہیں کبھی استنجاء کے معنی ازالۂ نجاست کے لئے مٹی کا ڈھیلا تلاش کرنا بھی ہوتے ہیں۔ جیسے اِسْتَنْجَرَ۔ پتھر تلاش کرنا۔ اَلنَّجَاءَۃُ (بھوڑ) نظر بد لگانا۔ حدیث میں ہے[1]

اِدْفَعُوْا نَجَاءَۃَ السَّائِلِ بِاللُّقْمَۃِ۔ یعنی سائل کی حریصانہ نظر کو لقمہ سے دور کرو۔

(ن ح ب)

اَلنَّحْبُ۔ اس نذر کو کہتے ہیں جس کا پورا کرنا واجب ہو۔ محاورہ ہے:۔ قَضٰی فُلَانٌ نَحْبَہٗ یعنی فلاں نے اپنی نذر پوری کی قرآن میں ہے:۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں (۳۳-۲۳)

مجازاً اس سے موت مراد لی جاتی ہے۔ جیسا کہ قَضٰی اَجَلَہٗ اِسْتَوْفٰی اُکُلَہٗ اَوْ قَضٰی مِنَ الدُّنْیَا حَاجَتَہٗ وغیرہ محاورات استعمال ہوتے ہیں۔ اور ان سے موت مراد ہوتی ہے۔

اَلنَّحِیْبُ کے معنی گریہ زاری اور آواز کے ساتھ رونے کے ہیں۔ اور نُحَابٌ کھانسی کو کہتے ہیں۔

(ن ح ت)

نَحَتَ (ض) کے معنی لکڑی، پتھر یا اس قسم کی سخت چیزوں کو تراشنے کے ہیں قرآن میں ہے:۔ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ (۲۶-۱۴۹) اور تکلیف سے پہاڑوں میں تراش تراش کر ۔۔۔ ۔۔۔ گھر بناتے ہو۔

نُحَاتَۃٌ تراشہ۔ وہ ریزے جو کاٹنے سے گریں۔ اور انسانی فطرت کو اس لحاظ سے کہ انسان کی ساخت اس کے مطابق بنائی گئی ہے نَحِیْتَۃٌ کہا جاتا ہے۔ اور اس لحاظ سے کہ وہ انسان کے اندر پیوست کی گئی ہے غریزہ کہلاتی ہے۔

(ن ح ر)

اَلنَّحْرُ سینہ کا بالائی حصہ جہاں پر ہار پڑا رہتا ہے۔ نَحَرْتُہٗ کسی کے سینہ پر مارنا۔ اسی سے نَحْرُ الْبَعِیْرِ ہے جس کے معنی اونٹ کے سینہ پر برچھا مار کر اسے ذبح کرنے کے ہیں۔

اور عبداللہ بن مسعود کی قراءت میں ہے۔ فَنَحَرُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ (۲-۷۱) انہوں نے اس بیل کو ذبح کیا۔ اور وہ ایسا کرنے والے تھے نہیں۔ پھر نَحْرُ الْبَعِیْرِ کی تشبیہ سے اِنْتَحَرُوْا عَلٰی کَذَا کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی کسی چیز پر باہم لڑائی کرنے کے ہیں۔ نَحْرَۃُ الشَّهْرِ وَنَحِیْرُهٗ مہینہ کے پہلے دو دن

---

[1] انظر للحدیث الفائق ۲ ر ۵۲۶ وفیہ ردّوا بدل ادفعوا

اور تیسری رات کی مجموعی مدت۔
اور بقول بعض مہینے کے آخری دن کو بھی نَحِیْرَۃٌ کہا جاتا ہے۔ گویا وہ اپنے سے پہلے دنوں کو تحریر کر ڈالتا ہے۔ اور آیت کریمہ: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (۱۰۸-۲) اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھا کرو اور قربانی کیا کرو۔
میں خاص کر ان ہر دو ارکان یعنی نماز اور قربانی ادا کرنے کی توکید کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں عبادتیں فرض ہی ہیں۔ اور ہر دین اور ہر دور میں یہ واجب رہی ہیں بعض نے کہا ہے کہ یہاں وَانْحَرْ کے معنی سینہ پر ہاتھ باندھنے کے ہیں[1] (۱۲۶)
اور بعض نے کہا ہے کہ ریاضت کے ذریعہ نفس کشی مراد ہے۔
اَلنِّحْرِیْرُ کسی چیز کا ماہر و حاذق۔

(ن ح س)

اَلنُّحَاسُ۔ دھواں بغیر شعلہ کے آگ کی لپٹ۔ قرآن میں ہے:۔
یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ (۵۵-۳۵) تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا۔
تو یہاں نُحَاس کے معنی آگ کی لپٹ کے ہیں۔ اور لپٹ کا رنگ چونکہ تانبے جیسا ہوتا ہے لہذا تشبیہًا نُحَاس کے معنی تانبا بھی آجاتے ہیں۔

اَلنَّحْسُ منحوس، یہ سعد کی ضد ہے۔ قرآن میں ہے:۔
فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ (۵۴-۱۹) سخت منحوس دن میں۔
فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا فِیْٓ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ (۴۱-۱۶) ہم نے ان پر نحوست کے دنوں میں زور کی ہوا چلائی۔
اور ایک قرائت میں نَحْسَاتٍ بفتح الحاء ہے۔ جس کے معنی بعض نے منحوس اور بعض نے سخت سردی والے دنوں کے کئے ہیں۔ اصل میں نَحْسٌ کے معنی افق آسمان کے سرخ ہو کر نحاس کی طرح ہو جانے کے ہیں۔ اور یہ نحوست کے لئے ضرب المثل ہے۔

(ن ح ل)

اَلنَّحْلُ شہد کی مکھی۔ قرآن میں ہے:۔
وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ (۱۶-۶۸) اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کو ارشاد فرمایا۔
اَلنُّحْلَةُ وَالنِّحْلَةُ اس عطیہ کو کہتے ہیں جو تبرعًا دیا جائے۔ یہ ہبہ سے خاص ہے۔ کیونکہ ہر ہبہ کو نِحْلَة تو کہہ سکتے ہیں لیکن ہر نِحْلَة کو ہبہ نہیں کہتے۔
میرے خیال میں یہ نَحْل سے مشتق ہے۔ اور اس میں مکھی کے فعل کے معنی ملحوظ ہیں۔ تو گویا نِحْلَةٌ کے معنی نَحْلٌ کی طرح عطیہ دینے کے ہیں جس پر کہ آیت:۔ وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ الاٰیة میں متنبہ کیا ہے۔ حکماء کا بیان ہے کہ نحل جن پودوں سے غذا لیتی ہے۔ انہیں

---

[1] وفی السنن للبیہقی والتاریخ للبخاری منسوب الی علیؓ و انس ولکن قال صاحب الجوہری النقی ان ہذہ الروایۃ مضطربۃ وروایۃ انس غیر صحیحۃ وقال ابن کثیر والصحیح ان المراد منہ الذبیحۃ وقال الجصاص ہو معناہ الحقیقی الذی یفہم عند الاطلاق (احکام القرآن ۳/۵۱۵)

کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچاتی بلکہ الٹا فائدہ پہنچاتی ہے۔ اور شہد جیسی شفا بخش چیز لوگوں کو حاصل کر کے دیتی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق بیان فرمایا ہے۔

اور نِحْلَۃٌ وَنُحْلَۃٌ صداق یعنی عورتوں کے مہر کو بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کے مقابلہ میں سوائے لذت اندوزی کے اور کوئی مالی معاوضہ حاصل نہیں ہوتا۔ اسی سے اولاد کو عطیہ دینے پر نَحَلَ اِبْنَہٗ کَذَا وَاَنْحَلَہٗ بولتے ہیں۔ اور اسی سے نَحَلْتُ الْمَرْاَۃَ ہے۔ قرآن میں ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِہِنَّ نِحْلَۃً (۴-۴)

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیدیا کرو۔

اور نَحَلَ جِسْمُہٗ کے معنی دبلا ہو کر مکھی کی طرح باریک ہو جانے کے ہیں۔ اور اسی سے تیز تلواروں کو ان کی دھاروں کے باریک ہونے کی وجہ سے نَوَاحِلُ کہا جاتا ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نِحْلَۃٌ کو اصل قرار دے کر نحل کو اس سے مشتق مانا جائے۔ کیونکہ مکھی سے جو شہد حاصل ہوتا ہے وہ بھی فائدہ بخش ہونے کے لحاظ سے ایک قسم کی عطا ہی ہوتی ہے۔

اَلْاِنْتِحَالُ کے معنی کسی چیز کا ادعا کرنے اور لینے کے ہیں اسی سے فُلَانٌ یَنْتَحِلُ الشِّعْرَ کا محاورہ ہے جس کے معنی شعری سرقہ کرنے کے ہیں۔ واللہ اعلم۔

نَحْنُ

نَحْنُ (ہم) اسے ضمیر متکلم مع الغیر کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے متعلق نَحْنُ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جیسے فرمایا:۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ (۱۲-۳)

اے پیغمبر ہم تمہیں ایک اچھا قصہ سناتے ہیں۔

اس کی تاویل میں بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد تو ذات باری تعالیٰ ہی ہے۔ لیکن شاہی خطابات کی طرح صیغہ جمع استعمال کیا گیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے ذات باری تعالیٰ اپنے متعلق اس قسم کے الفاظ ان افعال کے ساتھ استعمال کرتی ہے۔ جو بواسطہ ملائکہ یا اولیاء اللہ کے سرانجام پاتے ہیں تو نَحْنُ سے مراد اللہ تعالیٰ اور وہ فرشتے یا اولیاء کرام ہوتے ہیں جن کے ذریعہ وحی، مومنین کی نصرت، کفار کی ہلاکت اور اس قسم کے دیگر افعال سرانجام پاتے ہیں۔ جن کا ذکر کہ آیت:۔

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا (۷۹-۵) پھر دنیا کے کاموں کا انتظام کرتے ہیں۔

میں پایا جاتا ہے۔ اس بنا پر آیت کریمہ:۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْکُمْ (۵۶-۸۵) اور ہم اس مرنے والے سے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں۔

میں نَحْنُ سے حالت نزع کے وقت حاضر ہونے والے فرشتے مراد ہوں گے۔ جن کا ذکر کہ آیت:۔

تَتَوَفّٰہُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ (۱۶-۲۸) میں پایا جاتا ہے۔ اور چونکہ قرآن پاک کا نزول بھی قلم، لوح محفوظ اور جبریل کی وساطت سے ہوا ہے۔ لہٰذا آیت کریمہ:۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ (۱۵-۹) بے شک

یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے۔ یہاں بھی تَنْزِیْل کو بصیغہ جمع ذکر فرمایا ہے۔

(ن خ ر)

نَخِرَۃٌ۔ بوسیدہ۔ قرآن میں ہے:۔
ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا نَّخِرَۃً (۷۹-۱۱) بھلا جب ہم کھوکھلی ہڈیاں ہو جائیں گے۔
یہ نَخِرَتِ الشَّجَرَۃُ کے محاورہ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی تیز ہوا چلنے سے بوسیدہ درخت میں آواز پیدا ہونے کے ہیں۔
اور اَلنَّخِیْرُ خراٹے کی آواز جو نیند کی حالت میں ناک سے نکلتی ہے۔ اور ناک کے دونوں نتھنوں کو جن سے آواز نکلتی ہے نُخْرَتَانِ یا مَنْخُرَیْنِ کہتے ہیں۔
اَلنَّخُوْرُ۔ وہ اونٹنی کہ جب تک اس کے نتھنوں میں انگلی ڈال کر سہلایا نہ جائے دودھ نہ دے۔
اَلنَّاخِرُ۔ خراٹے بھرنے والے آدمی کو ناخِرٌ کہا جاتا ہے۔ اسی سے محاورہ ہے:۔
مَا بِالدَّارِ نَاخِرٌ گھر میں کوئی نہیں رہا۔

(ن خ ل)

اَلنَّخْلُ کھجور کا درخت۔ یہ واحد جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے۔
کَاَنَّھُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَۃٍ (۶۹-۷) جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے۔
کَاَنَّھُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ (۲۶-۱۴۸) اور کھجوریں جن کے خوشے لطیف اور نازک ہوتے ہیں۔
وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَّھَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ (۵۰-۱۱) اور لمبی لمبی کھجوریں جن کا گابھا تہ بہ تہ ہوتا ہے۔
اس کی جمع نَخِیْلٌ آتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِیْلِ (۱۶-۶۷) اور کھجور کے میووں سے بھی۔
اَلنَّخْلُ (مصدر) کے معنی چھاننی سے آٹا چھاننے کے ہیں۔ اور اِنْتَخَلْتُ الشَّیْءَ کے معنی عمدہ چیز منتخب کر لینے کے۔

(ن د د)

نَدِیْدُ الشَّیْءِ۔ وہ جو کسی چیز کی ذات یا جوہر میں اس کا شریک ہو اور یہ مماثلت کی ایک قسم ہے کیونکہ مثل کا لفظ ہر قسم کی مشارکت پر بولا جاتا ہے۔ اس بنا پر ہر نِدٌّ کو مِثْلٌ کہہ سکتے ہیں لیکن ہر مِثْلٌ نِدٌّ نہیں ہوتا۔
اور نِدٌّ، نَدِیْدٌ، نَدِیْدَۃٌ تینوں ہم معنی ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا (۲-۲۲) پس کسی کو خدا کا ہمسر نہ بناؤ۔
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا (۲-۱۶۵) اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر خدا کو شریک خدا بناتے ہیں۔
وَتَجْعَلُوْنَ لَہٗ اَنْدَادًا (۴۱-۹) اور بتوں کو اس کا مد مقابل بناتے ہو۔
اور ایک قراءت میں یَوْمَ التَّنَادِ (۴۰-۳۲) تشدید دال کے ساتھ ہے۔ اور یہ نَدَّ یَنِدُّ سے مشتق ہے جس کے معنی دور بھاگنے کے ہیں اور قیامت کے روز بھی چونکہ لوگ اپنے

قرابتداروں سے دور بھاگیں گے جیسا کہ آیت کریمہ:
يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ میں مذکور ہے اس
لئے روز قیامت کو يَوْمَ التَّنَادِّ بتشدید الدال
کہا گیا ہے۔

(ن د م)

اَلنَّدْمُ وَالنَّدَامَةُ کے معنی فوت شدہ
امر پر حسرت کھانے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ (۵-۳۱) پھر وہ
پشیمان ہوا۔
عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ (۲۳-۴۰)
تھوڑے ہی عرصے میں پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔
اس کے اصل معنی حزن کا ندیم بن جانے کے
ہیں۔ اور نَدِيْمٌ نُدْمَانٌ اور مُنَادِمٌ تینوں
قریب المعنی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ مُنَادَمَةٌ
اور مُدَاوَمَةٌ دونوں قریب المعنی ہیں۔ اور
بقول بعض ادھم پیالہ (شراب نوش) کو ندیمان اسلئے کہا جاتا ہے
کہ انجام کار وہ اپنے فعل پر پشیمان ہوتے ہیں۔

(ن د ی)

اَلنِّدَآءُ کے معنی آواز بلند کرنے کے
ہیں اور کبھی نفس آواز پر بھی یہ لفظ بولا جاتا
ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔
. . . . مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ
الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً
(۲-۱۷۱) جو لوگ کافر ہیں ان کی مثال اس
شخص کی سی ہے جو کسی ایسی چیز کو آواز دے
جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہ سن سکے۔
میں نداء سے مراد آواز اور پکار ہے یعنی وہ
چوپائے صرف آواز کو سنتے ہیں۔ اور اس کلام
سے جو مفہوم مستفاد ہوتا ہے۔ اسے ہرگز نہیں
سمجھتے۔ اور کبھی اس کلام کو جس سے کوئی معنی
مفہوم ہوتا ہو اسے نِدَاءٌ کہہ دیتے ہیں۔
چنانچہ قرآن میں ہے۔
وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰى (۲۶-۹) اور جب
تمہارے پروردگار نے موسیٰ کو پکارا۔
اور آیت کریمہ:۔
وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ (۵-۵۸) اور جب
تم لوگ نماز کے لئے اذان دیتے ہو۔
میں نماز کے لئے اذان دینا مراد ہے۔ اسی
طرح آیت کریمہ:۔
اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ
(۶۲-۹) جب جمعے کے دن نماز کے لئے
اذان دی جائے۔
میں بھی نداء کے معنی نماز کی اذان دینے کے ہیں۔
اور شریعت میں نِدَاءُ الصَّلٰوةِ (اذان) کے
لئے مخصوص اور مشہور کلمات ہیں اور آیت کریمہ۔
اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ۔
(۴۱-۴۴) ان کو گویا دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے:۔
میں ان کے متعلق نداء کا لفظ استعمال کر کے
متنبہ کیا ہے کہ وہ حق سے بہت دور جا چکے
ہیں۔ نیز فرمایا۔
وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ
(۵۰-۴۱) اور سنو جس دن پکارنے والا نزدیک
کی جگہ سے پکارے گا۔
وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ (۱۹-۵۲)
اور ہم نے ان کو طور کے داہنی جانب سے پکارا۔
فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ (۲۷-۸) جب موسیٰ ان

ان کے پاس آئے تو ندا آئی۔ اور آیت کریمہ إِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا (۱۹-۳) جب انہوں نے اپنے پروردگار کو دبی آواز سے پکارا۔ میں اللہ تعالیٰ کے متعلق نادی کا لفظ استعمال کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زکریا علیہ السلام نے اپنے گناہ اور احوال سیئہ کے باعث اس وقت اپنے آپ کو حق اللہ تعالیٰ سے دور تصور کیا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنے والے کی حالت ہوتی ہے۔

اور آیت کریمہ :۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ (۳-۱۹۲) اے پروردگار ہم نے ایک ندا کرنے والے کو سنا۔ جو ایمان کے لئے پکار رہا تھا۔ میں منادی کا لفظ عقل، کتاب منزل، رسول مرسل اور ان آیات الہیہ کو شامل ہے جو ایمان باللہ کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔ اور ان چیزوں کو مُنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ ندا کی طرح ظاہر ہوتی ہیں۔ اور وہ پکارنے والے کی طرح ایمان لانے کی طرف دعوت دے رہی ہیں۔

اصل میں نِدَاءٌ نَدًی سے ہے جس کے معنی رطوبت نمی کے ہیں۔ اور صَوْتٌ نَدِیٌّ کے معنی بلند آواز کے ہیں۔ اور آواز کے لئے نداء کا استعارہ اس بنا پر ہے کہ جس کے منہ میں رطوبت زیادہ ہو گی اس کی آواز بھی بلند اور حسین ہو گی اسی سے بَجِیج شخص کو کثرت ریق کے ساتھ متصف کرتے ہیں اور نَدًی کے معنی مجلس کے بھی آتے ہیں اس کی جمع اَنْدَاءٌ وَاَنْدِیَةٌ آتی ہے۔

اور درخت کو بھی نَدًی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ نمی سے پیدا ہوتا ہے اور یہ تَسْمِیَةُ الْمُسَبَّبِ بِاِسْمِ السَّبَبِ کے قبیل سے ہے۔ شاعر نے کہا ہے[1] (الرجز)

(۴۲۲) كَالْكَرْمِ اِذْ نَادٰى مِنَ الْكَافُوْرِ

جیسا کہ انگور کا خوشہ غلاف (پردہ) سے ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ منادی کرنے والے کی آواز ہوتی ہے۔

کبھی ندا سے مراد مجالست بھی ہوتی ہے۔ اس لئے مجلس کو اَلنَّادِیْ وَالْمُنْتَدٰی وَالنَّدِیُّ کہا جاتا ہے۔ اور نادی کے معنی ہم مجلس کے بھی آتے ہیں قرآن میں ہے :۔

فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ (۹۶-۱۷) تو وہ اپنے یاران مجلس کو بلا لے۔

اور اسی سے شہر مکہ میں ایک مقام کا نام دَارُ النَّدْوَةِ ہے۔ کیونکہ اس میں مکہ کے لوگ جمع ہو کر باہم مشورہ کیا کرتے تھے۔ اور کبھی نَدًی سے مراد سخاوت بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے :۔

فُلَانٌ اَنْدٰى كَفًّا مِنْ فُلَانٍ وہ فلاں سے زیادہ سخی ہے۔

هُوَ يَتَنَدّٰى عَلٰى اَصْحَابِهٖ۔ وہ اپنے ساتھیوں پر بڑا فیاض ہے۔

مَا نَدِيْتُ بِشَيْءٍ مِنْ فُلَانٍ۔ میں نے فلاں سے کچھ سخاوت حاصل نہ کی۔

مُنَدِّيَاتُ الْكَلِمِ۔ رسوا کن باتیں، مشہور ہو جائیں۔

---

[1] قدمر تخریجہ فی (ک ن ر)

(ن ذ ر)

اَلنَّذْرُ کے معنی کسی حادثہ کی وجہ سے غیر واجب چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینے کے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے:۔

نَذَرْتُ لِلّٰهِ نَذْرًا میں نے اللہ کے لئے نذر مانی قرآن میں ہے:۔

اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا (۱۹-۲۶) میں نے خدا کے لئے روزے کی نذر مانی ہے۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ (۲-۲۷۰) اور تم خدا کی راہ میں جس طرح کا خرچ کر دیا کرو یا کوئی نذر مانو۔

اَلْاِنْذَارُ کے معنی کسی خوفناک چیز سے آگاہ کرنے کے ہیں۔ اور اس کے بالمقابل تَبْشِيْرٌ کے معنی کسی اچھی بات کی خوشخبری سنانے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى (۹۲-۱۴) سو میں نے تم کو بھڑکتی آگ سے متنبہ کر دیا۔

فَاَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ (۴۱-۱۳) میں تم کو ایسے چنگھاڑ (کے عذاب) سے آگاہ کرتا ہوں۔ جیسے عاد اور ثمود پر چنگھاڑ (کا عذاب) آیا تھا۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ (۴۶-۲۱) اور (قوم) عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کرو کہ جب انہوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف میں (ہدایت کی اور اللہ کے) عذاب سے ڈرایا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ (۴۶-۳) اور کافروں کو جس چیز کی نصیحت کی جاتی ہے اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (۴۲-۷) یعنی مکے کے رہنے والوں اور جو لوگ اس کے ارد گرد رہتے ہیں ان کو راستہ دکھاؤ۔

وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ (۴۲-۷) اور انہیں قیامت کے دن کا بھی ... خوف دلاؤ۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَاۗؤُهُمْ (۳۶-۶) تاکہ تم ان لوگوں کو جن کے باپ دادا کو متنبہ نہ کیا گیا تھا متنبہ کر دو۔

اَلنَّذِيْرُ کے معنی مُنْذِرٌ (یعنی ڈرانے والا ہیں۔ اور اس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے۔ جس میں خوف پایا جائے۔ خواہ وہ انسان ہو یا کوئی اور چیز۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (۴۶-۹) اور میرا کام تو علانیہ ہدایت کرنا ہے۔

وَجَاۗءَكُمُ النَّذِيْرُ (۳۵-۳۷) اور تمہارے پاس ڈرانیوالا بھی آیا۔

نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ (۷۴-۳۶) اور بنی آدم کے لئے موجب خوف ہے۔

اِنِّیْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (۱۱-۲۵) میں تم کو کھول کھول کر ڈر سنانے والا آیا ہوں۔

اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ (۱۵-۸۹) کہ میں تو علانیہ ڈر سنانے والا ہوں۔

اور نَذِيْرٌ کی جمع نُذُرٌ آتی ہے جیسے فرمایا۔

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى (۵۳-۵۶) یہ (محمد) بھی اگلے ڈر سنانے والوں میں سے ایک ڈر سنانے والے ہیں۔

یعنی انہی کی جنس سے ہے جن کے ساتھ پہلے لوگوں کو ڈرایا گیا۔ نیز فرمایا۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ (۵۴-۲۳) ثمود نے بھی ہدایت کرنے والوں کو جھٹلایا۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ (۵۴-۴۱) اور قوم فرعون کے پاس بھی ڈر سنانے والے آئے۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ (۵۴-۱۶) سو دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔

نَذِرْتُہٗ کسی چیز کو جان کر اس سے چوکس رہنے کے ہیں۔

(ن ز ع)

نَزَعَ الشَّیْءَ کے معنی کسی چیز کو اس کی قرارگاہ سے کھینچنے کے ہیں۔ جیسا کہ کمان کو درمیان سے کھینچا جاتا ہے اور کبھی یہ لفظ اعراض کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور محبت یا عداوت کے دل سے کھینچ لینے کو بھی نَزْعٌ کہا جاتا ہے۔

چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ (۷-۴۳) اور جو کینے ان کے دلوں میں ہوں گے۔ ہم سب نکال ڈالیں گے۔

اِنْتَزَعْتُ اٰیَةً مِّنَ الْقُرْاٰنِ فِیْ کَذَا۔ آیت کو کسی واقعہ میں بطور مثال کے پیش کرنا۔

نَزَعَ فُلَانٌ کَذَا کے معنی کسی چیز کو چھین لینے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ (۳-۲۶) اور جس سے چاہیے بادشاہی چھین لے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا (۷۹-۱) ان فرشتوں کی قسم جو ڈوب کر کھینچ لیتے ہیں۔

کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ نازعات سے مراد فرشتے ہیں جو روحوں کو جسموں سے کھینچتے ہیں۔

اور آیت کریمہ:۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ تَنْزِعُ النَّاسَ (۵۴-۱۹، ۲۰) ہم نے ان پر سخت منحوس دن میں آندھی چلائی وہ لوگوں کو اس طرح اکھیڑ ڈالتی تھی۔

میں تَنْزِعُ النَّاسَ کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہوا اپنی تیزی کی وجہ سے لوگوں کو ان کے ٹھکانوں سے نکال باہر پھینک دیتی تھی بعض نے کہا ہے کہ لوگوں کی روحوں کو ان کے بدنوں سے کھینچ لینا مراد ہے۔

اَلتَّنَازُعُ وَالْمُنَازَعَةُ باہم ایک دوسرے کو کھینچنا اس سے مخاصمت اور مجادلہ یعنی باہم جھگڑا کرنا مراد ہوتا ہے۔ چنانچہ۔ قرآن میں ہے:۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ (۴-۵۹) اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو رجوع کرو۔

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ (۲۰-۶۲) تو وہ باہم اپنے معاملے میں جھگڑنے لگے۔

اَلنَّزْعُ عَنِ الشَّیْءِ کے معنی کسی چیز سے رک جانے کے ہیں۔ اور اَلنُّزُوْعُ سخت اشتیاق کو کہتے ہیں۔

وَنَازَعَتْنِیْ نَفْسِیْ اِلٰی کَذَا نفس کا کسی طرف کھینچ کر لے جانا کسی کا اشتیاق غالب آجانا۔

اَنْزَعَ الْقَوْمُ۔ اونٹوں کا اپنے وطن کا مشتاق ہونا۔

رَجُلٌ اَنْزَعُ کے معنی سر کے بال جھڑ جانا کے ہیں۔ اور نَزَعَةٌ سر کے اس حصہ کو کہتے ہیں جہاں سے بال جھڑ جائیں۔ اور تانیث کے لئے نَزْعَاءُ کی بجائے زَعْرَاءُ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

بِئْرٌ نَزُوْعٌ۔ کم گہرا کنواں جس سے ہاتھ کے

ذریعہ بغیر رسی کے پانی نکالا جا سکے۔
شَرَابٌ طَيِّبُ الْمَنْزَعَةِ لذیذ شراب کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ اسی معنی میں قرآن نے خِتَامُهٗ مِسْكٌ کا محاورہ استعمال کیا ہے۔

(ن ز غ)

اَلنَّزْغُ۔ کے معنی کسی کام کو بگاڑنے کے لیے اس میں دخل انداز ہونے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ (۱۲-۱۰۰) اور اس کے بعد کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں فساد ڈال دیا تھا۔

(ن ز ف)

نَزَفَ الْمَاءَ کے معنی کنویں سے تدریجاً سارا پانی کھینچ لینے کے ہیں۔ اور بِئْرٌ نَزُوْفٌ اس کنویں کو کہتے ہیں جس کا پانی خشک ہو گیا ہو۔
نُزْفَةٌ چلو بھر پانی۔ اس کی جمع نُزَفٌ آتی ہے۔
نُزِفَ دَمُهٗ اَوْ دَمْعُهٗ خون یا آنسوؤں کا کلیتہً نکل جانا۔ اسی سے سَكْرَانُ نَزِيْفٌ ہے جس کے معنی بدمست کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
لَا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ (۵۶-۱۹) اس سے نہ تو سر میں درد ہو گا اور نہ ان کی عقلیں ضائع ہوں گی۔
ایک قرأت میں يُنْزَفُوْنَ ہے جو کہ اَنْزَفُوْا (افعال) سے ہے۔ جس کے معنی شراب کے ختم ہونے یا عقل کے ضائع ہو جانے کے ہیں۔ اصل میں یہ اَنْزَفُوْا سے ہے جس کے معنی کنویں کا پانی ختم ہو جانے کے ہیں اور اَنْزَفْتُ الشَّيْءَ میں نَزَفْتُهٗ سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔
نَزَفَ الرَّجُلُ فِي الْخُصُوْمَةِ جھگڑے میں دلیل سے خاموش ہو جانا۔ مثل مشہور ہے۔
هُوَ اَجْبَنُ مِنَ الْمَنْزُوْفِ ضَرِطًا وہ منزوف سے بھی زیادہ بزدل ہے۔

(ن ز ل)

اَلنُّزُوْلُ (ض) اصل میں اس کے معنی بلند جگہ سے نیچے اترنا کے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے۔
نَزَلَ عَنْ دَابَّتِهٖ وہ سواری سے اتر پڑا۔
نَزَلَ فِيْ مَكَانِ كَذَا کسی جگہ پر ٹھہرنا۔
اَنْزَلَ (افعال) اتارنا۔ قرآن میں ہے:۔
اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ (۲۳-۲۹) ہم کو مبارک جگہ اتاریو اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔
نَزَّلَ (تفعیل) وَاَنْزَلَهٗ کے ایک ہی معنی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے مخلوق پر عذاب یا نعمتوں کے نازل کرنے سے ان کا وقوع یا عطا کرنا مراد ہوتا ہے اور یہ یا تو بعینہٖ اس چیز کے نازل کرنے کے ذریعہ ہوتا ہے مثلاً قرآن پاک کا نازل فرمانا اور یا ان چیزوں کے اسباب پیدا کر کے ان کی طرف ہدایت کر دینے کے ذریعہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ لوہا، لباس اور اس قسم کی دوسری چیزوں کا اتارنا ہے۔ چنانچہ انعامات کے نازل کرنے کے متعلق فرمایا:۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ (۱۸-۱) سب تعریف خدا ہی کو ہے جس نے اپنے بندے (محمدؐ) پر یہ کتاب نازل کی۔
اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ (۴۲-۱۷) خدا

ہی تو ہے جس نے سچائی کے ساتھ کتاب نازل فرمائی۔
وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ (۵۷-۲۵) اور لوہا پیدا کیا۔
اَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ (۵۷-۲۵)
اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعد عدل)
وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَۃَ اَزْوَاجٍ
(۳۹-۵) اور اسی نے چارپایوں میں سے آٹھ جوڑے بنائے۔
اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَھُوْرًا (۲۵-۴۸)
اور ہم آسمان سے پاک اور (ستھرا ہوا) پانی برساتے ہیں۔
وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا (۷۸-۱۴)
اور نچڑے بادلوں سے موسلا دھار مینہ برسایا۔
قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ
(۷-۲۶) ہم نے تم پر پوشاک اتاری کہ تمہارا ستر ڈھانکے۔
اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ (۵-۱۱۴)
ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما۔
اَنْ یُّنَزِّلَ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ
(۲-۹۰) خدا جس پر چاہتا اپنی مہربانی سے نازل فرماتا ہے۔ اور آیت کریمہ:
اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓی اَھْلِ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ (۲۹-۳۴)
ہم اس بستی کے رہنے والوں پر اس سبب سے کہ یہ بدکاری کرتے ہیں۔ آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں۔
عذاب کے متعلق اِنْزَالٌ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ قرآن اور فرشتوں کے نازل کرنے کے متعلق اِنْزَال اور تَنْزِیْل: دونوں لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان دونوں میں معنوی فرق یہ ہے

کہ تَنْزِیْل کے معنی ایک چیز کو مَرَّۃً بعد اُخریٰ اور متفرق طور پر نازل کرنے کے ہوتے ہیں۔ اور اِنْزَال کا لفظ عام ہے۔ جو ایک ہی دفعہ مکمل طور پر کسی چیز کو نازل کرنے پر بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ آیات ملاحظہ ہو جہاں تَنْزِیْل کا لفظ استعمال ہوا ہے۔
نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ (۲۶-۱۹۳) اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اترا۔
ایک قرارت میں نُزِّلَ ہے۔
نَزَّلْنٰہُ تَنْزِیْلًا (۱۷-۱۰۶) اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا۔
اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ (۱۵-۹) بیشک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے۔
لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْہِ الْقُرْاٰنُ ......
(۲۵-۳۲) کہ اس پر قرآن ایک ہی بار کیوں نہیں اتارا گیا۔
وَلَوْ نَزَّلْنٰہُ عَلٰی بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ (۲۶-۱۹۸)
اور اگر ہم اس کو کسی غیر اہل زبان پر اتارتے۔
اور اِنْزَال کے متعلق فرمایا۔ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ (۹-۲۶)
پھر خدا نے اپنے پیغمبر پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسلی نازل فرمائی۔ اور (تمہاری مدد کو فرشتوں کے) لشکر جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے آسمان سے اتارے۔ اور آیت کریمہ:
لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَۃٌ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَۃٌ مُّحْکَمَۃٌ ...... (۴۷-۲۰) کہ جہاد کی کوئی سورت کیوں نازل نہیں ہوئی؟ لیکن جب کوئی صاف معنوں کی سورت نازل ہو۔
میں پہلی بار نُزِّلَ اور دوسری بار اُنْزِلَ کا لفظ

ذکر کرنے سے اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے
کہ منافقین کا مطالبہ تو یہ تھا کہ یکے بعد دیگرے
جہاد کے احکام نازل ہوں تاکہ وہ انہیں سرانجام
دے سکیں۔ لیکن جب انہیں صرف ایک مرتبہ
ہی جہاد کا حکم دیا گیا۔ تو وہ کنارہ کش ہو گئے۔ اور
اس کی تعمیل نہ کی پس آیت میں بتایا گیا ہے کہ
مطالبہ تو بہت سے احکام کے نازل ہونے کا
کرتے تھے۔ مگر ایک حکم بھی بجا نہیں لاتے۔
اور آیات کریمہ:۔
(إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ (۴۴-۲) ہم
نے اس کو مبارک رات میں نازل فرمایا۔
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ۔
(۲-۱۸۵) روزوں کا مہینہ رمضان کا مہینہ ہے۔
جس میں قرآن اول اول نازل ہوا۔
إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (۹۷-۱) ہم نے
اس قرآن کو شب قدر میں نازل کرنا شروع کیا۔
میں تَنْزِيل کا لفظ ترک کرکے خاص کر اِنْزَال
کا لفظ لانے کی وجہ یہ ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ
(۱۲۷) اِنَّ الْقُرْآنَ نَزَلَ دَفْعَةً وَّاحِدَةً اِلَی
سماء الدنیا ثم نزل نجما فنجما۔ کہ قرآن
پاک ایک ہی دفعہ آسمان دنیا پر نازل کیا گیا۔
پھر رفتہ رفتہ حسب ضرورت نازل ہوتا رہا۔ اور
آیت کریمہ:۔
اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا
يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ (۹-۹۸)۔
دیہاتی لوگ سخت کافر اور سخت منافق اور اس
قابل ہیں کہ جو احکام شریعت خدا نے اپنے رسول
پر نازل فرمائے ہیں۔ ان سے واقف ہی نہ ہوں
میں عام معنی لینے کی غرض سے خاص کر اَنْزَلَ
کا لفظ لایا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ
اِنْزَال تَنْزِيل سے عام ہے۔ اور آیت کریمہ
لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ (۵۹-۲۱)
اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے۔
میں نَزَّلْنَا کی بجائے اَنْزَلْنَا کا لفظ لاکر متنبہ
کیا ہے کہ جو کتاب ہم نے تم پر مرات میں
نازل کی ہے۔ اگر اسے پہاڑ پر ایک دفعہ
بھی نازل کر دیتے تو تم اس کو دیکھتے کہ خدا
کے خوف سے وہ دبا جاتا ہے اور آیت کریمہ
قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا
يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ (۶۵-۱۰، ۱۱)
خدا نے تمہارے پاس نصیحت کی کتاب بھیجی
ہے۔ اور اپنے پیغمبر بھی بھیجے ہیں۔ جو تمہارے
سامنے ..... پڑھتے ہیں۔
کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ اِنْزَالِ ذکر
سے آنحضرت کی بعثت مراد ہے۔ اور آپ
کو لفظ "ذکر" سے موسوم کرنا ایسے ہی ہے
جیسے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو "کَلِمَۃ" سے
موسوم کیا گیا ہے لہذا اس تفسیر کی بنا پر رَسُوْلًا
کا لفظ ذِكْرًا سے بدل الکل ہوگا۔ بعض نے
کہا ہے کہ اس سے مراد رسول کا ذکر ہے۔ تو اس
صورت میں رَسُوْلًا کا لفظ ذِكْرًا کا مفعول ہوگا۔
اور تَنَزَّلَ کا لفظ بھی نَزَلَ بِهٖ کی طرح رصلہ بار

---

(۱۲۷) رواہ ابن ابی حاتم وابن مردویہ عن ابن عباس (ابن کثیر ۱/۲۱۶) وفی مجمع الزوائد ۷/۱۴۰ ورجال البزار رجال الصحیح
فی اسناد الطبرانی عمرو بن عبد الغفار وہو ضعیف لکن لفظہ: انزل القرآن جملۃ واحدۃ حتی وضع فی بیت العزۃ فی
السماء الدنیا ونزلہ جبریل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بجواب کلام العباد واعمالہم ۱۲

کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے۔
نَزَلَ الْمَلَکُ بِکَذَا وَ تَنَزَّلَ بِہٖ فرشتہ اسے لے کر اترا۔ مگر یہ محاورہ باری تعالیٰ کے متعلق استعمال نہیں ہوتا۔ قرآن میں ہے:۔
نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ (۲۶-۱۹۳) اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اترا۔ نیز فرمایا۔
تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ (۹۷-۴) اس میں روح الامین اور فرشتے ہر کام کے انتظام کے لئے اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں۔
وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ (۱۹-۶۴) کہ ہم تمہارے پروردگار کے حکم کے سوا اتر نہیں سکتے۔
یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَھُنَّ (۶۵-۱۲) ان میں خدا کے حکم اترتے رہتے ہیں۔
اور جو کلام افترا اور جھوٹ ہو یا شیاطین کی طرف سے القاء کیا گیا ہو اس کے متعلق صرف تَنَزُّلٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
وَمَا تَنَزَّلَتْ بِہِ الشَّیٰطِیْنُ (۲۶-۲۱۰) اور اس قرآن کو شیطان لے کر نازل نہیں ہوئے۔
عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ تَنَزَّلُ الآیۃ (۲۶-۲۲۱-۲۲۲) کہ شیطان کس پر اترتے ہیں (ہر گنہگار جھوٹے پر)
اَلنُّزُلُ (طعام مہمانی) وہ کھانا جو آنے والے مہمان کے لئے تیار کیا جائے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔
فَلَھُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰی نُزُلًا (۳۲-۱۹) ان کے رہنے کے لئے باغ ہیں یہ مہمانی۔

نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللہِ (۳-۱۹۸) یہ خدا کے ہاں سے ان کی مہمانی ہے۔
اور دوزخیوں کے متعلق فرمایا:۔
لَاٰکِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ اِلٰی قولہ ھٰذَا نُزُلُھُمْ یَوْمَ الدِّیْنِ (۵۶-۵۶) جزا کے دن یہ ان کی ضیافت ہوگی۔
فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ (۵۶-۹۳) (تو اس کیلئے کھولتے پانی کی ضیافت ہے۔
اَنْزَلْتُ فُلَانًا کے معنی کسی کی مہمانی کرنے کے ہیں اور نَازِلَۃٌ مصیبت اور سختی کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع نَوَازِلُ آتی ہے۔
اَلنِّزَالُ (مصدر مفاعلہ) کے معنی دو گروہوں کا باہم لڑنے کے لئے میدان جنگ میں اترنے کے ہیں۔ اور نَزَلَ فُلَانٌ کے معنی مقام منیٰ میں اترنا بھی آتے ہیں چنانچہ شاعر نے کہا ہے (الطویل)
(۴۲۱) اَنَازِلَۃٌ اَسْمَاءُ اَمْ غَیْرُ نَازِلَۃٍ
کیا اسماء میدان منیٰ میں فروکش ہوگی یا نہیں۔
اَلنُّزَالَۃُ وَالنُّزْلُ کنایۃً مرد کے مادہ منویہ کو کہتے جب کہ وہ خارج ہو چکا ہو اور طَعَامٌ نُزُلٌ یا ذُوْ نُزْلٍ کے معنی پاکیزہ اور بابرکت طعام کے ہیں۔ پھر طعام نُزُل کے ساتھ تشبیہ کے طور پر نَزَلٌ کے معنی جمع ہونے کی جگہ یا فرودگاہ کے بھی آتے ہیں۔

(ن س ء)

اَلنَّسْءُ کے معنی کسی چیز کو اس کے وقت سے مؤخر کر دینے کے ہیں۔ اور اسی سے نُسِئَتِ

لہ قالہ عامر بن الطفیل الغنوی وتمامہ:۔۔۔۔۔ ابینی لنا یا اسم ما انت فاعلہ والبیت فی النقائض ۲۸۸ واللسان والمقاییس (نزل) والملحقات دیوانہ ۱۵۸ واصلاح یعقوب ۳۰۹ وذیل الامالی ۱۱۴ والخزانۃ (۳: ۴۴) وشرح السبع لابن الانباری ۵۳۶ ؎

اَلنَّسْوَۃُ کا محاورہ ہے۔ جس کے معنی عورت کے حیض میں مقررہ ایام میں تاخیر کے ہیں۔ جس سے اس کے حاملہ ہونے کی امید کی جاسکے۔ اور ایسی عورت کو نَسُوْءٌ کہا جاتا ہے۔

اور نَسَأَ اللّٰہُ فِیْ اَجَلِكَ اور نَسَأَ اللّٰہُ بِعُمُرِكَ کا محاورہ دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ جو کہ درازیٔ عمر کی دعا کے لئے بولتے ہیں۔

اَلنَّسِیْئَۃُ اس کے معنی کسی چیز کو ادھار پر فروخت کرنے کے ہیں۔ اسی سے وہ نَسِیْءٌ ہے۔ جس کا جاہلیت میں رواج تھا۔ یعنی وہ کسی ماہِ حرام کو ہٹاکر آگے پیچھے کر دیتے تھے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ (۹-۳۷) امن کے کسی مہینہ کو ہٹاکر آگے پیچھے کر دینا کفر میں اضافہ کرتا ہے۔ اور آیت کریمہ:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِھَا (۲-۱۰۶) ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا اسے فراموش کرا دیتے ہیں۔ میں ایک قراءت نَنْسَأْھَا بھی ہے جس کے معنی کسی چیز کو بھلا دینے یا ابطال حکم کے ذریعہ مؤخر کر دینے کے ہیں۔

اَلْمِنْسَأَۃُ عصا جس کے ذریعہ کسی چیز کو پیچھے ہٹایا جائے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

تَاْکُلُ مِنْسَاَتَہٗ (۳۴-۱۴) جو ان کے عصا کو کھا تا رہا۔

نَسَأَتِ الْاِبِلُ فِیْ ظِمْئِھَا یَوْمًا اَوْ یَوْمَیْنِ اونٹوں کے پانی پلانے کے دن کو ایک یا دو روز مؤخر کر دینا شاعر نے کہا ہے (الطویل)

(۴۲۴) وَ عَنْسٍ کَاَلْوَاحِ الْاِرَانِ نَسَأْتُھَا
اِذَا قِیْلَ لِلْمُشْلَوْمَیْنِ ھُمَا ھُمَا[1]

اور تابوت کے تختوں جیسے سفید اونٹوں کو میں نے ہنکایا جب یہ کہا گیا کہ زہرہ اور مشتری دونوں طلوع ہو گئے۔

اَلنَّسُوْءُ (ایضًا) تازہ دودھ جو زیادہ دیر تک پڑا رہنے سے کھٹا ہو جائے۔ اور اس میں پانی ملا لیا جائے۔

(ن س ب)

اَلنَّسَبُ وَالنِّسْبَۃُ کے معنی اَبَوَیْن میں سے کسی ایک کی طرف سے رشتہ داری کے ہیں اور نسب دو قسم پر ہے۔ نَسَبٌ بِالطُّوْلِ یعنی وہ رشتہ جو آباء اور ابناء کے درمیان پایا جاتا ہے۔ دوم نَسَبٌ بِالْعَرْضِ یعنی وہ رشتہ جو بنو الاعمام یعنی عم زاد بھائیوں کے درمیان ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

فَجَعَلَہٗ نَسَبًا وَّ صِھْرًا (۲۵-۵۴) پھر اس کو صاحب نسب اور صاحب قرابت دامادی بنایا۔

فُلَانٌ نَسِیْبُ فُلَانٍ۔ وہ فلاں کا قریبی رشتہ دار ہے۔ اور نِسْبَۃٌ کے معنی ان دو مقداروں کے درمیان باہمی مناسبت کے بھی آتے ہیں۔ جن میں کسی قسم کی مجانست ہو اسی سے نَسِیْبٌ کا لفظ ہے۔ جس کے معنی اشعار میں عورت کے محاسن ذکر کر کے اس کے ساتھ عشق کا اظہار کرنے کے ہیں۔ اور یہ نَسَبَ الشَّاعِرُ بِالْمَرْأَۃِ نَسَبًا وَّ نَسِیْبًا کا مصدر ہے۔

(ن س خ)

اَلنَّسْخُ۔ اس کے اصل معنی ایک چیز کو زائل کر کے دوسری کو اس کی جگہ پر لانے کے ہیں۔

---

[1] تمارشرح فی قصیدۃ ابن ہرمۃ، ۹۹ والبیت فی مجالس ثعلب ۴۲۵ واللسان (ارن، خشب، اغر، نسر، ب، غرب) وآثار ابن للقتبی ۲۵۵ والقرطی ۸۰۔

جیسے ۔ دھوپ کا سائے کو ۔ . . . اور سائے کا
دھوپ کو زائل کر کے اس کی جگہ لے لینا یا جوانی
کے بعد بڑھاپے کا آنا وَ غَیْرُ ذٰلِکَ پھر کبھی اس
سے صرف ازالہ کے معنی مراد ہوتے ہیں جیسے فرمایا
فَیَنْسَخُ اللّٰہُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ (۲۲-۵۲) تو جو
وسوسہ شیطان ڈالتا ہے خدا اس کو دور کر
دیتا ہے ۔

اور کبھی صرف اثبات کے معنی میں استعمال
ہوتا ہے ۔ اور کبھی اس سے معًا دونوں معنی مفہوم
ہوتے ہیں ۔ لہٰذا نَسْخُ الْکِتَابِ یعنی کتاب اللہ
کے منسوخ ہونے سے ایک حکم کو زائل کر کے
پھر اس کی بجائے دوسرا حکم نازل کرنا مراد ہوتا
ہے اور آیت کریمہ :۔
مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِھَا نَاْتِ بِخَیْرٍ
مِّنْھَا اَوْ مِثْلِھَا (۲-۱۰۶) ہم جس آیت کو منسوخ
کر دیتے ہیں یا اسے فراموش کرا دیتے ہیں ۔ تو اس
سے بہتر یا ویسی ہی اور آیت بھیج دیتے ہیں ۔
کی تفسیر میں بعض نے نَسْخ اور اِنْسَاء کے
معنی اس پر عمل سے منع کرنے یا لوگوں کے دلوں
سے فراموش کرا دینے کے لئے ہیں ۔ اور بعض نے
کہا ہے کہ یہ نَسَخْتُ الْکِتَابَ کے محاورہ سے
ماخوذ ہے جس کے معنی کتاب کو نقل کرنے کے
ہیں اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو آیت بھی ہم
نازل کرتے ہیں یا اس کے نزول کو ایک وقت
تک کے لئے ملتوی رکھتے ہیں تو اس سے بہتر یا
ویسی ہی اور آیت بھیج دیتے ہیں ۔

نَسْخُ الْکِتَابِ کے معنی کتاب کی کاپی کرنے کے
ہیں ۔ یہ پہلی صورت کے ازالہ کو مقتضی نہیں ہے
بلکہ کسی دوسرے مادہ میں اس جیسی دوسری صورت
کے اثبات کو چاہتا ہے جیسا کہ بہت سی شمعوں
میں انگوٹھی کا نقش بنا دیا جاتا ہے ۔

اَلْاِسْتِنْسَاخُ ۔ کسی چیز کے لکھنے کو طلب کرنے
یا لکھنے کے لئے تیار ہونے کے ہیں کبھی اِسْتِنْسَاخٌ
بمعنی نسخ بھی آجاتا ہے ۔ چنانچہ قرآن میں ہے :۔
اِنَّا کُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۴۵-۲۹)
جو کچھ تم کیا کرتے تھے ہم لکھواتے جاتے تھے ۔

اور علم وراثت میں "مُنَاسَخَۃٌ" کی صورت یہ
ہوتی ہے کہ وارث یکے بعد دیگرے مرتے رہیں
اور میراث تقسیم نہ ہوئی ہو ۔

تَنَاسُخُ الْاَزْمِنَۃِ وَالْقُرُوْنِ ایک قوم کا گزر
جانا اور دوسری کا اس کے قائم مقام ہونا ۔

اور تَنَاسُخِیَّۃٌ اس فرقے کو کہتے ہیں جو شریعت
کے ثابت کردہ حشر و نشر کا انکار کرتے ہیں ۔
اور ارواح کے مختلف اجسام میں منتقل ہونے
کا اعتقاد رکھتے ہیں ۔

(ن س ر)

اَلنَّسْرُ ۔ گدھ ۔ اور آیت کریمہ :۔
وَلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا (۷۱-۲۳) اور
یغوث اور یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا ۔
میں نسر ایک بت کا نام ہے اور اَلنَّسْرُ نَسْرًا
الطَّائِرُ الشَّیْئَ بِمِنْسَرِہٖ کا مصدر بھی آتا ہے
جس کے معنی پرند کا چونچ سے کوئی چیز اٹھاتا یا
اسے ٹھونگنا کے ہیں ۔

نَسْرُ الْحَافِرِ گھوڑے کے سم کے درمیان کا
ابھرا ہوا گوشت ۔

اَلنَّسْرَانِ دو ستارے ہیں جن میں سے ایک
کو نَسْرِ (طائر) اور دوسرے کو نَسْرِ (واقع) کہا

جاتا ہے۔ نَسَرْتُ کَذَا کسی چیز کو تھوڑا تھوڑا کر کے تناول کرنا جیسا کہ پرندہ چونچ بھرتا ہے۔

(ن س ف)

نَسَفَتِ الرِّیْحُ الشَّیْءَ کے معنی ہوا کے کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینے کے ہیں۔ اور نَسَفْتُہٗ وَانْتَسَفْتُہٗ ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ قرآن میں ہے :۔

نَقُلْ یَنْسِفُھَا رَبِّیْ نَسْفًا (۲۰-۱۰۵) خدا ان کو اڑا کر بکھیر دے گا۔

اور نَسَفَ الْبَعِیْرُ الْاَرْضَ بِمُقَدَّمِ رِجْلِہٖ کے معنی اونٹ کا اپنے اگلے پاؤں کے ساتھ مٹی کو پھینکنا کے ہے۔ اور گھاس کو جڑ سے اکھاڑ کر چرنے والی اونٹنی کو نَاقَۃٌ نَسُوْفٌ کہا جاتا ہے قرآن میں ہے۔

ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّہٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا (۲۰-۹۷) پھر اس کی راکھ کو اڑا کر دریا میں بکھیر دیں گے۔

یعنی ہم نُسَافَہ کی طرح اسے پھینک دیں گے اور نُسَافَۃٌ کے معنی اڑتی ہوئی غبار کے ہیں اور تشبیہ کے طور پر جھاگ کو بھی نُسَافَہ کہتے ہیں۔ اور اِنَاءٌ نَسْفَانٌ بھرے ہوئے برتن کو کہتے ہیں جس پر جھاگ غالب ہو۔

اُنْتُسِفَ لَوْنُہٗ غبار آلود ہونے کی وجہ سے کسی شخص کی رنگت کا متغیر ہو جانا۔ جیسا کہ اِغْبَرَّ وَجْھُہٗ کا محاورہ ہے۔

اَلنِّسْفَۃُ سنگ پائے خار۔

کَلَامٌ نَسِیْفٌ سخن پنہاں۔ جو متغیر اور بودا ہو۔

(ن س ک)

اَلنُّسُکُ۔ کے معنی عبادت کے ہیں۔ اور نَاسِکٌ عابد کو کہا جاتا ہے۔ مگر یہ لفظ ارکان حج کے ادا کرنے کے ساتھ مخصوص ہو چکا ہے۔

اَلْمَنَاسِکُ اعمال حج ادا کرنے کے مقامات۔

اَلنَّسِیْکَۃُ خاص کر ذبیحہ یعنی قربانی کو کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے :۔

فَفِدْیَۃٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَۃٍ اَوْ نُسُکٍ۔ (۲-۱۹۶) تو اس کے بدلے روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ (۲-۲۰۰) پھر جب حج کے تمام ارکان پورے کر چکو۔

مَنْسَکًا ھُمْ نَاسِکُوْہُ (۲۲-۶۷) ایک شریعت مقرر کر دی جس پر وہ چلتے ہیں۔

(ن س ل)

اَلنَّسْلُ۔ کے معنی کسی چیز سے الگ ہو جانے کے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے :۔

نَسَلَ الْوَبَرُ عَنِ الْبَعِیْرِ اون اونٹ سے الگ ہو گئی

اور نَسَلَ الْقَمِیْصُ عَنِ الْاِنْسَانِ کے معنی قمیص کے بدن سے الگ ہو جانے کے ہیں۔ چنانچہ شاعر نے کہا ہے[۱] (الطویل)

(۴۲۲) فَسُلِّیْ ثِیَابِیْ عَنْ ثِیَابِکِ تَنْسُلِیْ

تو اپنے کپڑوں کو میرے کپڑوں سے کھینچ لے تاکہ جدا ہو جائیں۔

---

[۱] والبیت لامرئ القیس واولہ: وان تک قد ساءتک منی خلیقۃ۔ والبیت فی المعلقۃ مع التبریزی ۲۰ والسیوطی، واللسان (ثوب) ومختار الشعر الجاہلی ۱: ۱۰۰، والجمہرۃ ۹۰ والعقد الثمین ۷۴ والمعانی للقتیبی ۴۸۲ ودیوانہ بشرح ابن الانباری رقم ۲۱

اَلنُّسَالَةُ داڑھی سے اگرے ہوئے بال یا پرندکے پر جو جھڑ کر گر پڑتے ہیں۔

اَنْسَلَتِ الْاِبِلُ اونٹوں کی اون جھڑنے کا وقت آگیا اسی سے نَسَلَ یَنْسِلُ نَسْلاً آتا ہے جس کے معنی تیز دوڑنے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔

وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ (۲۱-۹۶) اور وہ ہر بلندی سے دوڑ رہے ہوں گے۔

اَلنَّسْلُ۔ اولاد کو کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی اپنے باپ سے جدا ہوئی ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ (۲-۲۰۵) اور کھیتی کو (برباد) اور (انسانوں اور حیوانوں) کی نسل کو نابود کر دے۔

اور تَنَاسَلُوْا کے معنی تَوَالَدُوْا کے ہیں۔ نیز جب کوئی انسان دوسرے سے خیرات طلب کرے۔ تو کہا جاتا ہے:۔

نَحْنُ مَا نَسَلَ لَكَ مِنْهُ عَفْوًا کہ جو کچھ ملے وہی لے لو۔

(ن س ی)

اَلنِّسْيَانُ۔ یہ نَسِيْتُهُ نِسْيَانًا کا مصدر ہے اور اس کے معنی کسی چیز کو ضبط میں نہ رکھنے کے ہیں۔ خواہ یہ ترک ضبط ضعف قلب کی وجہ سے ہو یا ازراہ غفلت ہو۔ یا قصداً کسی چیز کی یاد بھلا دی جائے حتیٰ کہ وہ دل سے محو ہو جائے۔ قرآن میں ہے:۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (۲۰-۱۱۵) ہم نے پہلے آدم سے عہد لیا تھا مگر وہ اسے بھول گئے اور ہم نے ان میں صبر و ثبات نہ دیکھا۔

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ (۳۲-۱۴) سو اب آگ کے مزے چکھو۔ اس لئے کہ تم نے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا۔

فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ (۱۸-۶۳) تو میں مچھلی وہیں بھول گیا۔ اور مجھے آپ سے اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا۔

وَلَا تُؤَاخِذْنِىْ بِمَا نَسِيْتُ (۱۸-۷۳) کہ جو بھول مجھ سے ہوئی اس پر مواخذہ نہ کیجئے۔

فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (۵-۱۴) مگر انہوں نے بھی اس نصیحت کا جو ان کو کی گئی تھی۔ ایک حصہ فراموش کر دیا۔

ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِىَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ (۳۹-۸) پھر جب وہ اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت دے دیتا ہے۔ تو جس کام کے لئے پہلے اس کو پکارتا ہے۔ اسے بھول جاتا ہے۔

اور آیت سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى (۸۷-۶) ہم تمہیں پڑھائیں گے۔ کہ تم فراموش نہ کرو گے۔ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی ضمانت دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ایسا بنا دے گا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سنو گے اسے بھولنے نہیں پاؤ گے۔ پھر ہر وہ نسیان جو انسان کے قصد اور ارادہ سے ہو۔ وہ مذموم ہے اور جو بغیر قصد اور ارادہ کے ہو اس میں انسان معذور ہے۔ اور حدیث میں جو مروی ہے[1] (۱۲۸) رُفِعَ عَنْ اُمَّتِي الْخَطَاُ وَالنِّسْيَانُ کہ میری امت کو خطا اور نسیان معاف ہے تو اس سے یہی دوسری

[1] رواہ الطبرانی عن ثوبان وفیہ وما استکرھوا علیہ (راجع الفتح للنبہانی ۲/ ۱۳۵)

قسم کا نسیان مراد ہے۔ یعنی وہ جس میں انسان کے ارادہ کو دخل نہ ہو۔ اور آیت کریمہ:۔
فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَاۤءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ (۳۲-۱۴) سو اب آگ کے مزے چکھو اس لئے کہ تم نے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا۔

میں نسیان بمعنی اول ہے یعنی وہ جس میں انسان کے قصد اور ارادہ کو دخل ہو اور کسی چیز کو حقیر سمجھ کر اسے چھوڑ دیا جائے۔

پھر جب نسیان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے ازراہِ اہانت انسان کو چھوڑ دینے اور احکام الٰہی کے ترک کرنے کی وجہ سے اسے سزا دینے کے معنی مراد ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَاۤءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا (۷-۵۱) تو جس طرح یہ لوگ اس دن کے آنے کو بھولے ہوئے تھے اس طرح آج ہم بھی انہیں بھلا دیں گے۔
نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ (۹-۶۷) انہوں نے خدا کو بھلا یا تو خدا نے بھی ان کو بھلا دیا۔
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ (۵۹-۱۹) اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے انہیں ایسا کر دیا کہ خود اپنے تئیں بھول گئے۔

میں متنبہ کیا ہے کہ انسان اپنے نفس کی معرفت حاصل کرنے سے ہی معرفت الٰہی حاصل کر سکتا ہے لہذا انسان کا اللہ تعالیٰ کو بھلا دینا خود اپنے آپ کو بھلا دینے کے مترادف ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ (۱۸-۲۴) اور جب خدا کا نام لینا بھول جاؤ تو یاد آنے پر لے لو۔

کے ابن عباسؓ نے یہ معنی کئے ہیں کہ جب تم کوئی بات کہو اور اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو یاد آنے پر ان شاء اللہ کہہ لیا کرو۔ اسی لئے ابن عباسؓ کے نزدیک حلف میں کچھ مدت کے بعد بھی ان شاء اللہ کہنا جائز ہے۔ اور عکرمہ نے کہا ہے کہ نَسِيْتَ بمعنی اِرْتَكَبْتَ ذَنْبًا کے ہے۔ اور آیت کے معنی یہ ہیں۔ کہ جب تمہیں کسی گناہ کے ارتکاب کا خیال آئے تو اس وسوسہ کو دفع کرنے کے لئے خدا کے ذکر میں مشغول ہو جایا کرو تاکہ وہ وسوسہ دفع ہو جائے[1]۔

اَلنِّسْيُ کے اصل معنی مَا يُنْسٰى یعنی فراموش شدہ چیز کے ہیں جیسے نِقْضٌ بمعنی مَا يُنْقَضُ آتا ہے۔ مگر عرف میں نِسْيٌ اس معمولی چیز کو کہتے ہیں جو در خور اعتنا نہ سمجھی جائے اور اسی سے اہل عرب کا مقولہ ہے۔
اِحْفَظُوْا اَنْسَاۤءَكُمْ (کوچ کے وقت اپنی) معمولی چیزوں کا خیال رکھو جو عموماً بھول جاتی ہیں۔ شاعر نے کہا ہے[2] (الطویل)

---

[1] راجع الفتح للشوکانی (۳: ۲۸۰) انہ کان یری الاستثناء ولو بعد سنۃ ولقول عکرمۃ راجع الطبری [2] قالہ عمرو بن مالک الشنفری الازدی وتمامہ: علی اھمادان تحاطبک تبلت قال ابن البری وتبلت (بالفتح) انقطع وبالکسر اذ سکن والبیت فی الکامل ۷۹۴: الاقتضاب ۷، ام واللسان (نسا بلت) والمفضلیات (۱: ۱۰۷) والطبری (۱۶: ۷۷) والطبرسی (۲۹: ۹۳) وفی روایۃ اذا ماغدت بدل علی اھماء ان تحدثک بدل ان تخاطبک کذا روایۃ الکامل ۴۳۸ وفی روایۃ وان تکلمک والبیت فی مجالس ثعلب ۳۵۳ وفیہ علی وجہھا بدل علی اھما والقصیدۃ مفضلیۃ وہی فی منتہی الطلب (۲: ۲۰۵-۲۰۷) والاغانی (۲۱: ۹۰-۹۱) وبعضہا فی الخزانۃ (۲: ۱۸) والبیت ایضًا فی تہذیب الالفاظ ۵۰۸ والمحاضرات للمؤلف (۲: ۲۳۱) والمرزوقی ۸۵۳ اوغریب القرآن ۲۷۳ ۔

(۲۳۴) كَانَ لَهٗ فِي الْاَرْضِ نِسْيًا تَنْقُصُهٗ
گویا زمین میں اس کی کوئی چیز گری ہوئی ہے۔ جسے وہ تلاش کر رہا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا (۱۹-۲۳) اور میں بھولی بسری ہو گئی ہوتی۔
میں نَسْيًا کے معنی ہیں کہ میں اس حقیر چیز کے بمنزلہ ہوتی جس کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا اگرچہ وہ بھولی ہوئی نہ ہو۔ پھر بھولی بسری ہوئی چیز کے معنی کو ظاہر کرنے کے لئے مَنْسِيًّا کا لفظ لایا گیا ہے۔ کیونکہ نَسْيٌ کے معنی اس معمولی چیز کے ہیں۔ جو درخور اعتنا نہ ہو۔ اور اس کا فراموش ہونا ضروری نہیں ہے۔
اور ایک قراءت میں نَسْيًا ہے جو کہ مصدر بمعنی مفعول کے ہیں۔ جیسے:۔ عَصَى عَصِيًّا وَعِصْيَانًا۔
اور آیت کریمہ:۔
مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا (۲-۱۰۶) ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا فراموش کرا دیتے ہیں۔
میں اِنْسَاء کے معنی قوت الہیہ کے ذریعہ دلوں سے محو کرنے اور فراموش کرا دینے کے ہیں۔
اَلنِّسَاءُ وَالنِّسْوَانُ وَالنِّسْوَةُ یہ تینوں اِمْرَءَةٌ کی جمع مِنْ غَيْرِ لَفْظِهٖ ہیں۔ جیسے مَرْءٌ کی جمع قوم آجاتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ اِلٰى قَوْلِهٖ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ (۴۹-۱۱) اور نہ عورتیں عورتوں سے تمسخر کریں۔
نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ (۲-۲۲۳) تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہے......
يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ (۳۳-۳۰) اے پیغمبر کی بیویو۔
وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ (۱۲-۳۰) اور شہر میں عورتیں گفتگو میں کرنے لگیں۔
مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ (۱۲-۵۰) کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔
اَلنَّسَا (عرق النسا) ایک رگ کا نام ہے اس کا تثنیہ نَسَيَانِ اور جمع اَنْسَاءٌ آتی ہے۔

(ن ش ء)

اَلنَّشْاُ وَالنَّشْاَةُ کسی چیز کو پیدا کرنا اور اس کی پرورش کرنا۔ قرآن میں ہے:۔
وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى (۵۶-۶۲) اور تم نے پہلی پیدائش تو جان ہی لی ہے۔
نَشَاَ فُلَانٌ کے معنی بچے کے جوان ہونے کے ہیں۔ اور نوجوان کو نَاشِئٌ کہا جاتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً (۷۳-۶) کچھ شک نہیں کہ رات کا اٹھنا نفس بہیمی کو سخت پامال کرتا ہے۔
میں نَاشِئَةٌ کے معنی نماز کے لئے اٹھنے کے ہیں۔ اسی سے نَشَأَ السَّحَابُ کا محاورہ ہے جس کے معنی فضا میں بادل کے رونما ہونے اور آہستہ آہستہ بڑھنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
يُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ (۱۳-۱۲) اور بھاری بھاری بادل پیدا کرتا ہے۔
اَلْاِنْشَاءُ (افعال) اس کے معنی کسی چیز کی ایجاد اور تربیت کے ہیں۔ عموماً یہ لفظ زندہ چیز... کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
قُلْ هُوَ الَّذِيْ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ (۶۷-۲۳) وہ خدا ہی تو

ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ نیز فرمایا:۔
هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (۵۳-۳۲) وہ تم کو خوب جانتا ہے جب اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔
ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ (۲۳-۳۱) پھر ان کے بعد ہم نے ایک اور جماعت پیدا کی۔
وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۵۶-۶۱) اور تم کو ایسے جہان میں جس کو تم نہیں جانتے پیدا کر دیں۔
ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ (۲۳-۱۴) پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا۔
ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ (۲۹-۲۰) پھر خدا ہی پچھلی پیدائش پیدا کرے گا۔
ان تمام آیات میں انشاء بمعنی ایجاد استعمال ہوا ہے جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ (۵۶-۷۲) بھلا دیکھو جو آگ تم درخت سے نکالتے ہو کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرتے ہیں۔
میں آگ کا درخت اگانے پر بطور تشبیہ انشاء کا لفظ بولا گیا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ (۴۳-۱۸) کیا وہ جو زیور میں پرورش پائے۔
میں يُنَشَّؤُا کے معنی تربیت پانے کے ہیں یعنی عورت جو زیور میں تربیت پاتی ہے۔ ایک قراءت میں يَنْشَاُ ہے یعنی پلے پھولے۔

(ن ش ر)

اَلنَّشْرُ کے معنی کسی چیز کو پھیلانے کے ہیں۔ یہ کپڑے اور صحیفے کے پھیلانے، بارش اور نعمت کے عام کرنے اور کسی بات کے مشہور کر دینے پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔
وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (۸۱-۱۰) اور جب عملوں کے دفتر کھولے جائیں گے۔
وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ (۴۲-۲۸) اور وہی تو ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا اور اپنی رحمت (یعنی بارش کی برکت) کو پھیلا دیتا ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
وَالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا (۷۷-۳) اور بادلوں کو (پھاڑ کر) پھیلا دیتی ہے۔
میں نَاشِرَات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو ہواؤں کو پھیلاتے ہیں یا اس سے وہ ہوائیں مراد ہیں جو بادلوں کو بکھیرتی پھرتی ہیں۔
اور نَاشِرٌ کی جمع نُشُرٌ آتی ہے۔ چنانچہ ایک قراءت میں نُشُرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ بھی ہے جو کہ وَالنّٰشِرٰتِ کے ہم معنی ہے اور اسی سے سَمِعْتُ نَشْرًا حَسَنًا کا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں میں نے اچھی شہرت سنی۔
نَشَرَ الْمَيِّتُ نُشُوْرًا کے معنی میت کے دوبارہ زندہ ہونے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ (۶۷-۱۵) اسی کے پاس قبروں سے نکل کر جانا ہے۔
بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا (۲۵-۴۰) بلکہ ان کو مرنے کے بعد جی اٹھنے کی امید ہی نہیں تھی۔

وَلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا (۲۵-۳) اور نہ مرنا ان کے اختیار میں ہے۔ اور نہ جینا اور نہ مر کر اٹھ کھڑے ہونا۔

اَنْشَرَ اللّٰهُ الْمَيِّتَ کے معنی میت کو زندہ کر لینے کے ہیں۔ اور نَشَرَ اس کا مطاوع آتا ہے۔ جس کے معنی زندہ ہو جانے کے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے۔

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ (۸۰-۲۲) پھر جب چاہے گا اسے اٹھا کھڑا کرے گا۔

فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا (۴۳-۱۱) پھر ہم نے اس سے شہر مردہ کو زندہ کر دیا۔

بعض نے کہا ہے کہ نَشَرَ اللّٰهُ الْمَيِّتَ وَاَنْشَرَهٗ کے ایک ہی معنی ہیں۔ لیکن درحقیقت نَشَرَ اللّٰهُ الْمَيِّتَ نَشْرُ الثَّوْبِ کے محاورہ سے ماخوذ ہے شاعر نے کہا ہے[۱] (الوافر)

(۴۲۱) طَوَتْكَ خُطُوْبُ دَهْرِكَ بَعْدَ نَشْرٍ
كَذَاكَ خُطُوْبُهٗ طَيًّا وَّنَشْرًا

تجھے پھیلانے کے بعد حوادث زمانہ نے لپیٹ لیا اسی طرح حوادثِ زمانہ لپیٹنے اور نشر کرتے رہتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا (۲۵-۴۷) اور دن کو اٹھ کھڑا ہونے کا وقت ٹھہرایا۔

میں دن کے نشور بنانے سے مراد یہ ہے کہ اس کو کاروبار کے پھیلانے اور روزی کمانے کے لئے بنایا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:۔

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ (۲۸-۷۳) اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات کو اور دن کو بنایا۔ تاکہ تم اس میں آرام کرو اور اس میں اس کا فضل تلاش کرو۔

اور اِنْتِشَارُ النَّاسِ کے معنی لوگوں کے اپنے کاروبار میں لگ جانے کے ہیں چنانچہ فرمایا۔

ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ (۳۰-۲۰) پھر اب تم انسان ہو کر جابجا پھیل رہے ہو۔

فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا (۳۳-۵۳) تو جب کھانا کھا چکو تو چل دو۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ (۶۲-۱۰) پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو۔ اور بعض نے کہا ہے کہ نَشَرُوْا بمعنی اِنْتَشَرُوْا کے آتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔

وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا (۵۸-۱۱) اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو۔ میں ایک قراءت فَاِذَا قِيْلَ انْشُرُوْا فَانْشُرُوْا بھی ہے۔ یعنی جب کہا جائے کہ منتشر ہو جاؤ تو منتشر ہو جایا کرو۔

اَلْاِنْتِشَارُ کے معنی چوپایہ کی رگوں کا پھول جانا ... بھی آتے ہیں۔ اور نَوَاشِرُ بَاطِنِ ذِرَاعٍ کی رگوں کو کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بدن میں منتشر ہیں۔

اَلنَّشْرُ (ایضًا) پھیلنے والے بادل کو کہتے ہیں۔ اور یہ بمعنی مَنْشُوْرٌ بھی آتا ہے جیسا کہ نَقْضٌ بمعنی منقوض آجاتا ہے اسی سے محاورہ ہے:۔

اِكْتَسَى الْبَازِيُّ رِيْشًا نَشْرًا۔ یعنی باز نے لمبے چوڑے پھیلنے والے پروں کا لباس پہن لیا۔

اَلنَّشْرُ (ایضًا) خشک گھاس کو کہتے ہیں جو بارش کے بعد سرسبز ہو کر پھیل جائے اور اس سے سر پستان کی سی کونپلیں پھوٹ نکلیں یہ گھاس

---

[۱] البیت لابی العتاھیۃ وتقدم تخریجہ فی (طوی) وفی المطبوع "طیا ونشرا" مقلوب والتصحیح من المراجع ۱۲۔

بکریوں کے لئے سخت مضر ہوتی ہے۔
اسی سے نَشَرَتِ الْاَرْضُ فَهِیَ نَاشِرَۃٌ کا محاورہ ہے جس کے معنی زمین میں نشر گھاس پھوٹنے کے ہیں۔
نَشَرْتُ الْخَشَبَ بِالْمِنْشَارِ کے معنی آرے سے لکڑی چیرنے کے ہیں۔ اور لکڑی چیرنے کو نشر اس لئے کہتے ہیں کہ اسے چیرتے وقت نشارہ یعنی برادہ پھیلتا ہے۔ اور نَشْرَۃٌ کے معنی افسوں کے ہیں جس سے مریض کا علاج کیا جاتا ہے۔

(ن ش ز)

اَلنَّشْزُ۔ بلند زمین کو کہتے ہیں اور نَشَزَ فُلَانٌ کے معنی بلند زمین کا قصد کرنے کے ہیں۔ اسی سے نَشَزَ فُلَانٌ عَنْ مَقَرِّہٖ کا محاورہ ہے جس کے معنی کسی کے اپنی قرارگاہ سے اوپر ابھر آنے کے ہیں۔ اور ہر اوپر اٹھنے والی چیز کو ناشز کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا (۵۸-۱۱) اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو۔
اور نَشْزٌ وَ اِنْشَازٌ کے معنی زندہ کرنا ..... بھی آتے ہیں۔ کیونکہ زندگی میں بھی ایک طرح کا ابھار پایا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ کَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَکْسُوْهَا لَحْمًا (۲-۲۵۹) اور (ہاں) گدھے کی ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم ان کو کیونکر جوڑ دیتے ہیں اور ان پر (کس طرح) گوشت (پوست) چڑھا دیتے ہیں۔ اور نُنْشِزُهَا کے نون پر ضمہ اور فتحہ دونوں جائز ہیں۔ اور نُشُوْزُ الْمَرْاَۃِ کے معنی عورت کے اپنے شوہر کو برا سمجھنے اور سرکشی کرنے اور کسی دوسرے مرد پر نظر رکھنے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ (۴-۳۴) اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی (اور بدخوئی) کرنے لگی ہیں۔
چنانچہ اسی معنی کے پیش نظر شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۴۲۶) اِذَا جَلَسَتْ عِنْدَ الْاِمَامِ کَاَنَّهَا
تَرٰی رُفْقَۃً مِّنْ سَاعَۃٍ تَسْتَحِیْلُهَا

اور عِرْقٌ نَاشِزٌ کے معنی پھولی ہوئی رگ کے ہیں۔

(ن ش ط)

اَلنَّشْطُ (ض) کے اصل معنی گرہ کھولنے کے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔
وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا (۷۹-۲) اور ان کی جو آسانی سے کھول دیتے ہیں۔
میں بعض نے کہا ہے کہ نَاشِطَاتٌ سے مراد ستارے ہیں جو مشرق سے نکل کر حرکت فلک سے مغرب کی طرف جاتے ہیں۔ یا خود مشرق سے مغرب کو چلتے ہیں اور یہ ثَوْرٌ نَاشِطٌ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ایک علاقہ سے نکل کر دوسرے علاقہ میں جانے والے بیل کے ہیں۔

---

[1] البیت للفرزدق فی نشوز المرأۃ (النوار ابنۃ اعین بن ضبعۃ المجاشعی) فی قصیدۃ ۲۸ بیتًا راجع دیوانہ (۲: ۹۲) وفیہ قعدت بدل جلست وکانما بدل کانہا فی المعانی للقتبی ۸۱۵، ۸۴۵ صدرہ: ترانا اذ اصطک الخصوم کانہا ..... وقبلہ:۔ وما خاصم الاقوام من ذی خصومۃ۔ کورھاء مشنوء الیہا حلیلہا ۔

بعض نے کہا ہے کہ نَاشِطَاتٌ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو امور کو طے کرتے ہیں۔ اور یہ نَشَطْتُ الْعُقْدَۃَ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی گرہ لگانے کے ہیں اور یہاں خاص کر نَشْطٌ کے لفظ سے جس کے معنی آسانی سے کھلنے والی گرہ کے ہیں۔ اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ فرشتے نہایت آسانی سے ان امور کو سر انجام دے رہے ہیں جن پر کہ وہ مامور ہیں۔

بِئْرٌ اَنْشَاطٌ کم گہرا کنواں جس سے پانی کا ڈول ایک ہی جھٹکے میں باہر آجائے۔

اَلنَّشِیْطَۃُ اس مال کو کہتے ہیں جو رئیس قوم تقسیم غنیمت سے قبل اپنے لئے مخصوص کر لیتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ نَشِیْطَۃٌ ان اونٹوں کو کہا جاتا ہے جو بلاقصد لیے ہمراہ لگ جائیں اور حدی خواں کے بغیر ہی نشاط سے چلتے ہوں۔

نَشَطَتْہُ الْحَیَّۃُ۔ اسے سانپ نے کاٹ کھایا۔

(ن ص ب)

نَصَبُ الشَّیْءِ کے معنی کسی چیز کو کھڑا کرنے یا گاڑ دینے کے ہیں مثلاً نیزے کے گاڑنے اور عمارت یا پتھر کو کھڑا کرنے پر نَصْبٌ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اور نَصِیْبٌ اس پتھر کو کہتے ہیں جو کسی مقام پر بطور نشان کے گاڑ دیا جاتا ہے۔ اس کی جمع نَصَائِبُ وَنُصُبٌ آتی ہے۔ جاہلیت میں عرب جن پتھروں کی پوجا کیا کرتے اور ان پر جانور بھینٹ چڑھایا کرتے تھے۔ انہیں نُصُبٌ کہا جاتا تھا[1]۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ (۷۰-۴۳) جیسے وہ عبادت کے پتھروں کی طرف دوڑتے ہیں۔

نیز فرمایا:۔

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ (۵-۳) اور وہ جانور بھی جو تھان پر ذبح کیا جائے۔

اس کی جمع اَنْصَابٌ بھی آتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ (۵-۹۰) اور بت اور پاسے یہ سب ناپاک کام اعمال شیاطین سے ہیں۔

اور نَصْبٌ و نَصَبٌ کے معنی تکلیف و مشقت کے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ (۳۸-۴۱) ایذا اور تکلیف میں ایک قرات نَصَبٌ بھی ہے اور یہ بُخْلٌ و بَخَلٌ کی طرح ہے قرآن میں ہے:۔

لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ (۳۵-۳۵) یہاں نہ ہم کو رنج پہنچے گا۔

وَاَنْصَبَنِیْ کَذَا کے معنی کسی کو مشقت میں ڈالنے اور بے چین کرنے کے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے[2] (۴۲۷) تَاَوَّبَنِیْ هَمٌّ مَعَ اللَّیْلِ مُنْصِبٌ میرے پاس رات کو تکلیف دہ غم بار بار لوٹ کر آتا ہے۔

اور عِیْشَۃٌ رَّاضِیَۃٌ کی طرح هَمٌّ نَاصِبٌ کا محاورہ بھی بولا جاتا ہے۔

اَلنَّصَبُ۔ کے معنی مشقت کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

---

[1] تاریخ الطبری (۲: ۵۵-۵۵) والقرطبی ۶۹/۲۹۶ والشوکانی ۲۸۶ والغریب للقتیبی ۳۸۶ [2] البیت مطلع قصیدۃ قالہا ابو قران طفیل بن کعب الغنوی فی فرسان قومہ وعجزہ:۔۔۔ وجار من الاخبار لا اکذب والقصیدۃ فی دیوانہ ۱۷-۲۷ والبیت فی اللسان (عقب) والطفیل جاہلی مشہور بالمجر الحسن وصف للخیل راجع لترجمتہ الشعراء ۲۲۳-۲۴۳ والاشتقاق ۲۷۰

لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا (۱۸-۶۲) اس سفر سے ہم کو بہت تھکان ہوگئی ہے۔

اور نَصِبَ (س) فَهُوَ نَصِبٌ وَنَاصِبٌ کے معنی تھک جانے یا کسی کام میں سخت محنت کرنے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (۸۸-۳) سخت محنت کرنے والے تھکے ماندے۔

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ (۹۴-۷) تو جب فارغ ہوا کرو۔ تو (عبادت میں) محنت کیا کرو۔

اَلنَّصِیْبُ کے معنی معین حصہ کے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے:۔

اَمْ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ (۴-۵۳) کیا ان کے پاس بادشاہی کا کچھ حصہ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتَابِ (۴-۴۴) بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا۔

اور نَاصَبَهُ الْحَرْبَ وَالْعَدَاوَةَ وَنَصَبَ لَهٗ کے معنی کسی کے خلاف اعلان جنگ یا دشمنی ظاہر کرنے کے ہیں۔ اس میں لفظ حَرْبٌ یا عَدَاوَةٌ کا حذف کرنا بھی جائز ہے۔ تَیْسٌ اَنْصَبُ وَشَاةٌ اَوْ عَنْزَةٌ نَصْبَاءُ۔ کھڑے سینگوں والا مینڈھا یا بکری۔

نَاقَةٌ نَصْبَاءُ۔ ابھرے ہوئے سینہ والی اونٹنی

نِصَابُ السِّکِّیْنِ وَنِصَبَتُهٗ کے معنی چھری کے دستہ ہیں۔ اور اسی سے نِصَابُ الشَّیْءِ کا محاورہ ہے جس کے معنی اَصْلُ الشَّیْءِ ہیں۔ تَنَصَّبَ الْغُبَارُ۔ غبار کا اڑنا۔ نَصَبَ السِّتْرَ پردہ اٹھانا۔ نَصْبٌ (اعراب) زبر کو کہتے ہیں۔ اور نَصْبٌ ایک قسم کا راگ بھی ہے۔

(ن ص ح)

اَلنُّصْحُ کسی ایسے قول یا فعل کا قصد کرنے کو کہتے ہیں جس میں دوسرے کی خیر خواہی ہو۔ قرآن میں ہے۔

لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ (۷-۷۹) میں نے تم کو خدا کا پیغام سنا دیا۔ اور تمہاری خیر خواہی کی مگر تم ایسے ہو کہ خیر خواہوں کو دوست ہی نہیں رکھتے۔

وَقَاسَمَهُمَا اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ (۷-۲۱) اور ان سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔

وَلَا یَنْفَعُکُمْ نُصْحِیْ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَکُمْ (۱۱-۳۴) اور اگر میں یہ چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں تو میری خیر خواہی تم کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔

یہ یا تو نَصَحْتُ لَهُ الْوُدَّ۔ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی کسی سے خالص محبت کرنے کے ہیں۔ اور نَاصِحُ الْعَسَلِ خالص شہد کو کہتے ہیں۔ اور یا یہ نَصَحْتُ الْجِلْدَ سے ماخوذ ہے جس کے معنی چمڑے کو سینے کے ہیں۔ اور نَاصِحٌ کے معنی درزی اور نِصَاحٌ کے معنی سلائی کا تاگا کے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا (۶۶-۸) خدا کے آگے صاف دل سے توبہ کرو۔

میں نَصُوْحًا کا لفظ بھی مذکورہ دونوں محاوروں میں سے ایک سے ماخوذ ہے۔ اور اس کے معنی

خالص یا محکم توبہ کے ہیں۔ اس میں نَصُوْحٌ وَ نِصَاحٌ دو لغت ہیں جیسے ذَهُوْبٌ وَ ذَهَابٌ کسی شاعر نے کہا ہے۔[1]

(۴۲۸) اَحْبَبْتُ حُبًّا خَالَطَتْهُ نَصَاحَةٌ
میں اس سے خالص محبت رکھتا ہوں۔

(ن ص ر)

اَلنَّصْرُ وَ النُّصْرَةُ کے معنی کسی کی مدد کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ (۶۱-۱۳) خدا کی طرف سے مدد نصیب ہوگی اور فتح عنقریب ہوگی۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ (۱۱۰-۱) جب اللہ کی مدد آ پہنچی۔

وَ انْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ (۲۱-۶۸) اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔

اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ (۳-۱۶۰) اگر خدا تمہارا مددگار ہے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا۔

وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ (۲-۲۵۰) اور لشکر کفار پر فتح یاب کر۔

وَ كَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ (۳۰-۴۷) اور مومنوں کی مدد ہم پر لازم تھی۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا (۴۰-۵۱) ہم اپنے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں۔

وَ مَا لَهُمْ فِی الْاَرْضِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ (۹-۷۴) اور زمین میں ان کا کوئی دوست اور مددگار نہ ہوگا۔

وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِیًّا وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِیْرًا (۴-۴۵) اور خدا ہی کافی کارساز اور کافی مددگار ہے۔

وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ (۲-۱۰۷) اور خدا کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں۔

فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۴۶-۲۸) تو جن کو ان لوگوں نے ...... خدا کے سوا معبود بنایا تھا۔ انہوں نے ان کی کیوں مدد نہ کی۔

یہ اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں (نَصَرَ) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کی مدد کرنا کے معنی تو ظاہر ہیں۔ اور بندہ کے اللہ تعالیٰ کی مدد کرنے سے اس کے بندوں کی مدد، حدود الٰہی کی حفاظت، اس کے عہود کی رعایت، احکام شریعت کی بجا آوری اور اس کے نواہی سے اجتناب کرنا مراد ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ (۵۷-۲۵) اور اس لئے کہ جو اس کی مدد کرتے ہیں خدا ان کو معلوم کرے۔

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ (۴۷-۷) اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا۔

كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ (۶۱-۱۴) خدا کے مددگار بن جاؤ۔

اَلْاِنْتِصَارُ وَ الْاِسْتِنْصَارُ کے معنی طلب نصرت کے ہیں قرآن میں ہے:۔

وَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ (۴۲-۳۹) اور جو ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم و تعدی ہو تو مناسب طریقے سے بدلہ لیتے ہیں۔

وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ (۸-۷۲) اور اگر وہ تم سے دین کے معاملات میں مدد طلب کریں۔ تو تم کو مدد کرنی لازم ہے۔

وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ (۴۲-۴۱) اور جس

---

[1] لم اجدہ فی المراجع ۱۲

پرظلم ہوا ہو وہ اگر اس کے بعد انتقام لے۔
فَدَعَا رَبَّہٗ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (۵۴-۱۰) تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ بار الٰہا میں ان کے مقابلے میں کمزور ہوں تو ان سے بدلہ لے۔
یہاں اُنْصُرْ کی بجائے اِنْتَصِرْ کہنے سے اس بات پر متنبہ کیا ہے کہ جو تکلیف مجھے پہنچ رہی ہے وہ گویا تجھے (ذات باری تعالیٰ) پہنچ رہی ہے کیونکہ میں تیرے حکم سے ان کے پاس گیا تھا لہٰذا میری مدد فرمانا گویا تیرا اپنی ذلت کے لئے انتقام لینا ہے۔
اَلتَّنَاصُرُ کے معنی باہم تعاون کرنے کے ہیں۔
چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَمَا لَکُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ (۳۷-۲۵) تم کو کیا ہوا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔
اور بعض کے نزدیک عیسائیوں کو بھی نَصَارٰی اس لئے کہا گیا ہے کہ انہوں نے نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ کا نعرہ لگایا تھا۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
کَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیِّیْنَ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ (۶۱-۱۴) جیسے عیسٰیؑ بن مریم نے حواریوں سے کہا بھلا کون ہے جو خدا کی طرف بلانے میں میرے مددگار ہوں تو حواریوں نے کہا ہم خدا کے مددگار ہیں۔
اور بعض نے کہا ہے کہ یہ نصرانی کی جمع ہے جو نصران (قریہ کا نام) کی طرف منسوب ہے۔
قرآن میں ہے:۔
وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ لَیْسَتِ النَّصَارٰی عَلٰی شَیْءٍ (۲-۱۱۳) یہود کہتے ہیں کہ عیسائی رستے پر نہیں۔

نُصِرَ اَرْضُ بَنِیْ فُلَانٍ کے معنی بارش برسنے کے ہیں۔ کیونکہ بارش سے بھی زمین کی مدد ہوتی ہے اور نَصَرْتُ فُلَانًا جس کے معنی کسی کو کچھ دینے کے ہیں یہ یا تو نَصْرُ الْاَرْضِ سے مشتق ہے اور یا نَصْرٌ بمعنی عَوْنٌ سے۔

(ن ص ف)

نِصْفُ الشَّیْءِ کے معنی ½ حصہ کے ہیں۔
قرآن میں ہے:۔
وَلَکُمْ نِصْفُ مَا تَرَکَ اَزْوَاجُکُمْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّھُنَّ وَلَدٌ (۴-۱۲) اور جو مال تمہاری عورتیں چھوڑ مریں اگر ان کے اولاد نہ ہو تو اس میں نصف حصہ تمہارا ہے۔
فَاِنْ کَانَتْ وَاحِدَۃً فَلَھَا النِّصْفُ (۴-۱۱) اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اس کا حصہ نصف۔
فَلَھَا نِصْفُ مَا تَرَکَ (۴-۱۷۶) تو اس کو بھائی کے ترکہ میں سے آدھا حصہ ملے گا۔
اِنَاءٌ نَصْفَانُ۔ آدھا بھرا ہو برتن۔
نَصَفَ النَّھَارُ وَانْتَصَفَ دن کا نصف ہو جانا۔ دوپہر کا وقت۔
نَصَفَ الْاِزَارُ سَاقَہٗ۔ ازار کا نصف پنڈلی تک ہونا۔
نَصِیْفٌ۔ غلہ ناپنے کے ایک پیمانے کا نام ہے گویا وہ مِکْیَالٌ اَکْبَرُ (بڑا پیمانہ) کا نصف ہے اور اس کے معنی عورتوں کی اوڑھنی یا دوپٹہ بھی آتے ہیں۔ چنانچہ شاعر نے

کہلاتے (الکامل)

(۴۲۹) سَقَطَ النَّصِيْفُ وَلَمْ تُرِدْ اِسْقَاطَهُ
فَتَنَاوَلَتْهُ وَاتَّقَتْنَا بِالْيَدِ[1]

اوڑھنی سر سے گر پڑی اور اس نے عمداً انہیں گرائی تھی پھر اس نے (یا جو اسی ہیں) اسے سنبھالا اور ہاتھ کے ذریعہ ہم سے پردہ کیا۔

بَلَغْنَا مَنْصَفَ الطَّرِيْقِ ہم نے آدھا سفر طے کر لیا۔

اَلنَّصَفُ۔ متوسط عمر کی عورت۔ ادھیڑ عمر۔

اَلْمُنَصَّفُ۔ شراب جو آگ پر پکانے کے بعد آدھا رہ گیا ہو۔

اَلْاِنْصَافُ کے معنی کسی معاملہ میں عدل سے کام لینے کے ہیں یعنی دوسرے سے صرف اسی قدر فائدہ حاصل کرے جتنا کہ اسے پہنچا ہے۔

اور نَصَفَةٌ کے معنی خدمت بھی آتے ہیں۔

اور خادم کو نَاصِفٌ کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع نُصُفٌ آتی ہے۔ اس نام میں اشارہ ہے کہ خدام کو حق خدمت پورا پورا ملنا چاہیئے۔

اَلْاِنْتِصَافُ وَالْاِسْتِنْصَافُ طلب خدمت کرنا۔

(ن ص ی)

اَلنَّاصِيَةُ کے معنی پیشانی یا پیشانی کے بالوں کے ہیں کہا جاتا ہے۔

نَصَوْتُ فُلَانًا وَانْتَصَيْتُهُ وَنَاصَيْتُهُ میں نے اسے پیشانی کے بالوں سے پکڑا۔ اور آیت کریمہ:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا (۱۱-۵۶) جو چلنے پھرنے والا ہے وہ اس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے۔

میں اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چلنے پھرنے والی چیز پر پوری قدرت حاصل ہے۔

لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ (۹۶-۱۵) تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے (۱۲۹) کہ انہوں نے فرمایا۔ مَالَكُمْ تَنْصُوْنَ مَيِّتَكُمْ[2] تم میت کی ناصیہ کیوں باندھتے ہو اور فُلَانٌ رَأْسُهُمْ وَعَيْنُهُمْ کی طرح فُلَانٌ نَاصِيَةُ قَوْمِهِ کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ جس کے معنی سردار کے ہیں۔

اِنْتَصَى الشَّعْرُ بالوں کا بڑھ جانا۔

اَلنَّصِيُّ۔ ایک قسم کا عمدہ چارہ۔

پھر اس کے ساتھ تشبیہ کے طور پر کہا جاتا ہے:

فُلَانٌ نَصِيَّةُ الْقَوْمِ کہ فلاں ان میں بہتر ہے۔

(ن ض ج)

نَضِجَ اللَّحْمُ (ض) نُضْجًا وَنَضْجًا کے معنی گوشت کے پوری طرح پک جانے کے ہیں۔

قرآن میں ہے:

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُوْدًا

---

[1] قاله النابغة الذبیانی (۶۰۴ م) فی وصف متجردة زوجة نعمان بن المنذر ولاجل هذا الشعر قال صالح بن حسان المدنی: ان الشاعر کان مخنثا (شرح دیوان نابغة ۳۰) وراجع للقصة ایضًا الشعراء والاغانی والبیت فی دیوانه ۳۰ وامالی المرتضی (۱: ۴۰۴) ومختار الشعر الجاہلی (۱: ۱۱۲) والعقد الثمین ۱۰ فی ۳۳ بیتًا والبحر (۷: ۲۲۹، ۴۴۲) والحصری (۱: ۲۶۵) والعینی (۱: ۸۳) والفائق (۲: ۲۶۵) والعمدة (۱: ۲۷۳) واورده فی العمدة فی امثلة الاختراع وهو مغایر عند العلماء والسرقة والتولید لوجوه وانظر الاول فی المحاضرات للمؤلف (۱: ۸۷)

[2] فی غریب ابی عبید ۴/۳۱: علام بدل مالکم والحدیث فی الفائق ۲/۲۷۸ ولفظه کما فی ابی عبید ۱۲

غَيَّرْنَاهُمْ (۴-۵۶) جب ان کی کھالیں گل اور جل جائیں گی تو ہم اور کھالیں بدل دیں گے۔
اسی سے نَاقَةٌ مُنْضِجَةٌ کا محاورہ ہے جس کے معنی حاملہ اونٹنی کے مدت ولادت سے تجاوز کر جانے کے ہیں۔ اور پختہ رائے آدمی کو نَضِيجُ الرَّأْيِ کہا جاتا ہے۔

(ن ض د)

نَضَدْتُ الْمَتَاعَ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ کے معنی سامان کو قرینے سے اوپر نیچے رکھنے کے ہیں۔ اور قرینے سے رکھے ہوئے سامان کو مَنْضُودٌ یا نَضِيدٌ کہا جاتا ہے۔ اور جس تخت پر سامان جوڑ کر رکھا جائے اسے بھی نَضِيدٌ کہتے ہیں۔ ... اسی سے استعارۃ فرمایا:۔
طَلْعٌ نَضِيدٌ (۵۰-۱۰) جن کا گابھا تہ بر تہ ہوتا ہے۔
اور دوسرے مقام پر فرمایا:۔
وَطَلْحٍ مَنْضُودٍ (۵۶-۲۹) اور تہ بہ تہ کیلوں۔
اور مجازاً گہرے بادل کو بھی نَضَدٌ کہا جاتا ہے۔ اور أَنْضَادُ الْقَوْمِ کے معنی لوگوں کی مختلف جماعتوں کے ہیں۔ اور نَضَدُ الرَّجُلِ کے معنی آدمی کے اعمام و اخوال کے ہیں جن کی مدد سے وہ مضبوط ہوتا ہے۔

(ن ض ر)

اَلنَّضْرَةُ وَالنَّضَارَةُ کے معنی حسن اور تروتازگی کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ (۸۳-۲۴) تم ان کے چہروں ہی سے راحت کی تازگی معلوم کر لو گے۔
وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا (۷۶-۱۱) اور تازگی اور خوشدلی عنایت فرمائے گا۔
اور یہ نَضَرَ وَجْهُهُ يَنْضُرُ فَهُوَ نَاضِرٌ (نصر) سے آتا ہے۔ اور بعض نے نَضِرَ يَنْضَرُ یعنی باب علم سے مانا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔ اس روز بہت سے منہ رونق دار ہوں گے اور اپنے پروردگار کے محو دیدار ہوں گے (۷۵-۲۲)
نَضَّرَ اللَّهُ وَجْهَهُ اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کو تروتازہ (یعنی خوش وخرم) رکھے۔
غُصْنٌ أَخْضَرُ وَنَاضِرٌ تروتازہ ٹہنی۔
اور سونے کو بھی اس کی تروتازگی اور حسن کے باعث نَضْرٌ وَنَضِيرٌ کہا جاتا ہے۔ وَقَدَحٌ نُضَارٌ (اضافت کے ساتھ) پیالہ کو کہتے ہیں۔ جو عمدہ لکڑی سے بنا ہوا ہو۔

(ن ط ح)

اَلنَّطِيحَةُ۔ سینگ لگنے سے مری ہوئی بکری۔ قرآن میں ہے:۔
وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ (۵-۳) اور جو جانور گر کر مر جائے اور جو سینگ لگ کر مر جائے۔
اَلنَّطِيحُ وَالنَّاطِحُ۔ اس آہو یا پرند کو کہتے ہیں۔ جو شکاری کی طرف سیدھا آئے۔ گویا وہ سینگ سے مارنا چاہتا ہے۔ ایسے شکار کو منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ اور اسی سے نَوَاطِحُ الدَّهْرِ ہے جس کے معنی شدائد زمانہ کے ہیں۔
اور فَرَسٌ نَطِيحٌ (اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی پیشانی کے دونوں طرف سفید ہوں۔

(ن ط ف)

اَلنُّطْفَۃُ ۔ (ضمہ نون) اصل میں تو آبِ صافی کو کہتے ہیں مگر اس سے مرد کی منی مراد لی جاتی ہے چنانچہ قرآن میں ہے :۔

ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ (۲۳-۱۳) پھر اس کو ایک مضبوط اور محفوظ جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا۔

مِنْ نُّطْفَۃٍ اَمْشَاجٍ (۷۶-۲) نطفۂ مخلوط سے۔

اَلَمْ یَکُ نُطْفَۃً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی (۷۵-۳۷) کیا وہ منی کا جو رحم میں ڈالی جاتی ہے ایک قطرہ نہ تھا۔

اور کنایہ کے طور پر موتی کو بھی نُطْفَۃٌ کہا جاتا ہے۔ اسی سے صَبِیٌّ مُنَطَّفٌ ہے یعنی وہ لڑکا جس نے کانوں میں موتی پہنے ہوئے ہوں۔

اَلنَّطَفُ کے معنی ڈول کے ہیں اس کا واحد بھی نَطْفَۃٌ ہی آتا ہے اور لَیْلَۃٌ نَطُوْفٌ کے معنی برسات کی رات کے ہیں جس میں صبح تک متواتر بارش ہوتی رہے۔

اَلنَّاطِفُ ۔ سیال چیز کو کہتے ہیں۔ اسی سے نَاطِفٌ بمعنی شکر پنبہ ہے اور فُلَانٌ مُنْطِفُ الْمَعْرُوْفِ کے معنی ہیں۔ فلاں اچھی شہرت کا مالک ہے۔ اور فُلَانٌ یَنْطِفُ بِسُوْءٍ کے معنی برائی کے ساتھ آلودہ ہونے کے ہیں جیسا کہ فُلَانٌ یُنَدِّیْ بِہٖ کا محاورہ ہے۔

(ن ط ق)

عرف میں نُطْقٌ ان اصواتِ مقطعہ کو کہا جاتا ہے۔ جو زبان سے نکلتی ہیں۔ اور کان انہیں سنکر محفوظ کر لیتے ہیں۔ قرآن میں ہے :۔

مَا لَکُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ (۳۷-۹۲) تمہیں کیا ہوا کہ تم بولتے نہیں۔

یہ لفظ بالذات صرف انسان کے متعلق بولا جاتا ہے دوسرے حیوانات کے لئے بالتبع استعمال ہوتا ہے۔ جیسے اَلْمَالُ النَّاطِقُ وَالصَّامِتُ کا محاورہ ہے جس میں ناطق سے حیوان اور صامت سے سونا چاندی مراد ہے۔ ان کے علاوہ دیگر حیوانات پر ناطق کا لفظ مقید یا بطور تشبیہ استعمال ہوتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[1] (۴۳۱)

عَجِبْتُ لَهَا اَنّٰی یَکُوْنُ غِنَاءُھَا
فَصِیْحًا وَلَمْ تَفْغَرْ لِمَنْطِقِهَا فَمًا

مجھے تعجب ہوا کہ وہ کتنا فصیح گانا گاتی ہے حالانکہ اس نے گویائی کے لئے منہ نہیں کھولا۔

اہل منطق قوتِ گویائی کو نطق کہتے ہیں جب وہ انسان کی تعریف کرتے ہوئے اَلْحَیُّ النَّاطِقُ ...... کہتے ہیں تو ناطق سے ان کی یہی مراد ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ نطق کا لفظ مشترک ہے جو قوت نطقیہ اور کلام ملفوظ دونوں پر بولا جاتا ہے۔ کبھی نَاطِقٌ کے معنی اَلدَّالُّ عَلَی الشَّیْءِ کے بھی

[1] قالہ حمید بن ثور یصف حمامۃ وفی لسان العرب (لغز) بمنطقھا بدل لمنطقھا والبیت من شواہد الکشاف ۹۱۱ والکامل ۹۴۸ فی ثمانیۃ ابیات والمصری (۱: ۲۷۱) فی عشرۃ والبلدان ویلسیلم، وطبقات الشافعیہ الکبریٰ (۱: ۱۱۱) فی ۳۸ ابیت والوسیط (۱۲۸-۱۲۹) والسمط ۸۲ ۲ فی خمسۃ والامالی (۱: ۱۳۹) والوحشیات ۲۷ فی سبعۃ والمحاضرات للمؤلف (۲: ۱۲۲) وادب الکاتب ۳۳ وثمار القلوب ۸۷ والخزانۃ (۱: ۱۷ ر ۴ : ۲۹۹) والحیوان (۳: ۱۹۸) ۔

آتے ہیں اسی بنا پر ایک حکیم سے جب پوچھا گیا
کہ النَّاطِقُ الصَّامِتُ کسے کہتے ہیں۔ تو اس نے
جواب دیا۔ الدلائلُ المُخْبِرَۃُ والعِبَرُ
الوَاعِظَۃُ۔

اور آیت کریمہ: ۔ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَاۤءِ
یَنْطِقُوْنَ (۲۱-۶۵) کہ تم جانتے ہو یہ بولتے
نہیں۔
میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔
کہ وہ ذوی النطق اور ذوی العقول کی جنس سے
نہیں ہیں۔ اور آیت کریمہ: ۔
اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ (۴۱-۲۱)
جس خدا نے سب چیزوں کو نطق بخشا اس نے
ہم کو بھی گویائی دی۔
کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ نطق اعتباری
مراد ہے کیونکہ یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ تمام
چیزیں حقیقتًا ناطق نہیں ہیں۔ اور آیت کریمہ: ۔
عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ (۲۷-۱۶) ہمیں (خدا
کی طرف سے) جانوروں کی بولی سکھائی گئی ہے۔
میں پرندوں کی آواز کو محض حضرت سلیمان
علیہ السلام کے لحاظ سے نطق کہا ہے کیونکہ وہ ان
کی آوازوں کو سمجھتے تھے اور جو شخص کسی چیز سے
کوئی معنی سمجھتا ہو تو وہ چیز خواہ صامت ہی
کیوں نہ ہو۔ اس کے لحاظ سے تو ناطق کا حکم
رکھتی ہے اور آیت کریمہ: ۔
هٰذَا كِتٰبُنَا یَنْطِقُ عَلَیْكُمْ بِالْحَقِّ (۴۵-۲۹) یہ
ہماری کتاب تمہارے بارے میں سچ سچ بیان
کر دے گی۔
میں کتاب کو ناطق کہا ہے لیکن اس کے نطق کا
ادراک صرف آنکھ ہی کر سکتی ہے۔ جیسا کہ کلام
بھی ایک کتاب ہے لیکن اس کا ادراک حاسہ
سماعت سے ہوتا ہے۔ اور آیت کریمہ: ۔
وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَا۔ قَالُوْٓا
اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ (۴۱-۲۱)
اور وہ اپنے چمڑوں یعنی اعضاء سے کہیں گے کہ
تم نے ہمارے خلاف کیوں شہادت دی وہ کہیں
گے جس خدا نے سب چیزوں کو نطق بخشا اسی
نے ہم کو بھی گویائی دی۔
کی تفسیر میں بعض نے کہا ہے کہ نطق صوتی مراد ہے۔
اور بعض نے نطق اعتباری مراد لیا ہے۔ اور عالم
آخرت کی اصل حقیقت تو خدا ہی جانتا ہے۔
بعض نے کہا ہے کہ نطق درحقیقت لفظ کو کہتے ہیں۔
کیونکہ وہ معنی کو لپیٹنے اور محصور کرنے میں بمنزلہ نطاق
کے ہوتا ہے۔
اَلْمِنْطَقُ وَالْمِنْطَقَۃُ کمر بند کو کہتے ہیں اور شاعر
کے قول۔ قول[1] (
(۴۱۳) وَاَبْرَحُ مَادَامَ اللّٰهُ قَوْمِیْ
بِحَمْدِ اللّٰهِ مُنْتَطِقًا مُجِیْدًا
جب تک میری قوم زندہ ہے میں بحمد اللہ
عمدہ گو شاعر رہوں گا۔
میں بعض نے کہا ہے مُنْتَطِقًا کے معنی جانبًا
کے ہیں یعنی میں گھوڑے کو آگے سے پکڑ کر
کھینچتا رہوں گا اور اس پر سوار نہیں ہوں گا۔

---

[1] قالہ خداش بن زہیر و فی اللسان (نطق) علی الاعداء بدل بحمد اللہ و فی دیوانہ رہطی بدل قومی والبیت من شواہد
ابی عبیدۃ فی مجازہ (۱: ۲۱۶) رقم ۳۷ والعینی (۲: ۷۴) ۔

اگر اس معنی میں کوئی دوسرا شعر نہ آیا ہو تو یہاں منتطق سے مراد وہ شخص بھی ہو سکتا ہے جس نے کمر پر نطاق باندھا ہوا ہو۔ جیسا کہ مقولہ مشہور ہے[1]

وَمَنْ يَّطُلْ ذَيْلُ اَبِيْهِ يَنْتَطِقْ بِهٖ یعنی جس کے باپ کے فرزند زیادہ ہوں گے۔ تو وہ ان کی وجہ سے طاقت ور اور توانا ہو جائے گا۔

اور بعض نے کہا ہے کہ مُنْتَطِقٌ کے معنی عمدہ گو کے ہیں۔

(ن ظ ر)

اَلنَّظْرُ کے معنی کسی چیز کو دیکھنے یا اس کا ادراک کرنے کے لئے آنکھ یا فکر کو جولانی دینے کے ہیں۔ پھر کبھی اس سے محض غور و فکر کرنے کا معنی مراد لیا جاتا ہے اور کبھی اس معرفت کو کہتے ہیں جو غور و فکر کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے۔ نَظَرْتَ فَلَمْ تَنْظُرْ۔ تو نے دیکھا لیکن غور نہیں کیا۔

چنانچہ آیت کریمہ:۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ (۱۰۔۱۰۱) ان کفار سے کہو کہ دیکھو تو آسمانوں اور زمین میں کیا کیا کچھ ہے۔ میں اُنْظُرُوْا کے معنی غور کرنے کے ہیں۔ اگرچہ عوام کے نزدیک زیادہ تر نظر کا لفظ رؤیت بصری کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن خواص کے نزدیک یہ عام طور بصیرت کے معنی میں آتا ہے جیسے فرمایا:۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (۷۵۔۲۲، ۲۳) اس روز بہت سے منہ رونق دار ہوں گے اور اپنے پروردگار کے محو دیدار ہوں گے۔

نَظَرْتُ اِلٰى كَذَا کے معنی کسی چیز کی طرف نظر اٹھانے کے ہیں۔ خواہ وہ نظر آئے یا نہ آئے۔ اور نَظَرْتُ فِيْهِ کا معنی کسی چیز کو دیکھ کر اس میں غور کرنے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ (۸۸۔۱۷) کیا یہ لوگ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے (عجیب) پیدا کئے گئے ہیں۔ نَظَرْتُ فِيْ كَذَا کے معنی کسی چیز میں غور کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ (۳۷۔۸۸، ۸۹) تب انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر کی اور کہا میں تو بیمار ہوں۔

اور آیت کریمہ:۔

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۷۔۱۸۵) کیا انہوں نے آسمان اور زمین کی بادشاہت میں۔۔۔۔ نظر نہیں کی۔

میں آسمان و زمین کی خلقت میں جو جو حکمتیں مضمر ہیں ان پر فکر و تامل کی ترغیب دی گئی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کی طرف نظر کرنے سے ان پر احسان اور لطف کرنا مراد ہوتا ہے۔ اور کفار کی طرف نظر نہ کرنے کے معنی ان سے لطف و کرم اور افاضۂ انعامات کو روک لینے کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (۳۔۷۷) ان سے خدا نہ تو کلام کرے گا اور نہ قیامت کے روز انکی طرف دیکھے گا۔

اور آیت کریمہ:۔

---

[1] وفی روایۃ "حضن ابیہ" بدل ذیل ابیہ ینطق (وفی اللسان (ایر) ایر ابیہ وانظر لامثل اللسان نطق (وجمہرۃ الامثال ۲ ۱۸۷ ومجمع الامثال (۲، ۲۵۶) والفائق (۱: ۳۱) والمشکل للقبتی ۹۴ والحیوان للجاحظ (۳ ر ۲۱۳) والعیون فی مقدمتہ ۱۲

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (۸۳ - ۱۵) بے شک یہ لوگ اس روز اپنے پروردگار کے دیدار سے اوٹ میں ہوں گے۔

بھی اسی معنی پر محمول ہے۔

اور اَلنَّظْرُ بمعنی انتظار بھی آجاتا ہے۔ چنانچہ نَظَرْتُهٗ وَانْتَظَرْتُهٗ دونوں کے معنی انتظار کرنے کے ہیں۔ جیسے فرمایا:۔

وَانْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ (۱۱ - ۱۲۲) اور (نتیجہ اعمال کا) تم بھی انتظار کرو۔ ہم بھی انتظار کرتے ہیں

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ (۱۰ - ۱۰۲) سو جیسے برے دن ان سے پہلے لوگوں پر گذر چکے ہیں اسی طرح کے دنوں کے یہ منتظر ہیں۔ کہدو کہ تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ (۵۷ - ۱۳) کہ ہماری طرف نظر شفقت کیجئے۔ کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں۔

اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ (۳۳ - ۵۳) کھانے کے لئے۔۔۔ اور اس کے پکنے کا انتظار بھی نہ کرنا پڑے۔

فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ (۲۷ - ۳۵) اور دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (۴۳ - ۶۶) یہ صرف اس بات کے منتظر ہیں کہ قیامت ان پر ناگہاں آموجود ہو۔ اور ان کو خبر تک نہ ہو۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ (۲ - ۲۱۰) کیا یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان پر خدا (کا عذاب) بادل کے سائبانوں میں آنازل ہو اور فرشتے بھی (اتر آئیں)

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً (۳۸ - ۱۵) اور یہ لوگ تو صرف ایک زور کی آواز کا انتظار کرتے ہیں۔

اور اَنْظَرْتُهٗ کے معنی اَخَّرْتُهٗ یعنی مؤخر کرنے اور مہلت دینے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ (۱۵ - ۸) اور اس وقت ان کو مہلت نہیں ملتی۔

قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ (۷ - ۱۴، ۱۵) اس نے کہا کہ مجھے اس دن تک مہلت عطا فرماؤ جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ فرمایا (اچھا)

فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ (۱۱ - ۵۵) تجھ کو مہلت دی جاتی ہے میرے بارے میں جو تدبیر (کرنی چاہو) کرلو اور مجھے مہلت نہ دو۔

لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ (۳۲ - ۲۹) کہ کافروں کو ان کا ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ (۴۴ - ۲۹) پھر ان پر نہ تو آسمان و زمین کو رونا آیا اور نہ ان کو مہلت ہی دی گئی۔

یہاں ان سے اِنْظَارٌ کی نفی کر کے اس معنی کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس پر کہ آیت کریمہ:۔

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (۷ - ۳۴) جب وہ وقت آجاتا ہے

تونہ تو ایک گھڑی دیر کرسکتے ہیں اور نہ جلدی۔
میں تمنیہ کیلیے۔ اور آیت کریمہ:۔
رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ (۷-۱۴۳) اے میرے
پروردگار مجھے جلوہ دکھا کہ میں تیرا دیدار (بھی)
دیکھوں۔
کی کچھ تشریح پہلے گذر چکی ہے۔ اور اس کے متعلق
پر مفصل بحث اس کے بعد دوسری کتاب (تفسیر
القرآن) میں بیان ہوگی۔
اور نَظَرٌ کا لفظ کسی معاملہ میں متحیر ہونے کے معنی
میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔
فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (۲-۵۵)
تو تم کو بجلی نے آگھیرا اور تم دیکھ رہے تھے۔
وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ
(۷-۱۹۸) آنکھیں کھولے تمہاری طرف دیکھ رہے
ہیں۔ مگر (در اصل) کچھ نہیں دیکھتے۔ نیز فرمایا:۔
وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خَاشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ
يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ (۴۲-۴۵) اور تم
ان کو دیکھو گے کہ دوزخ کے سامنے لائے جائیں
گے۔ ذلت سے عاجزی کرتے ہوئے چھپی (اور
نیچی) نگاہ سے دیکھ رہے ہوں گے۔
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ
وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ (۱۰-۴۳) اور بعض
ایسے ہیں کہ تمہاری طرف دیکھتے ہیں تو کیا تم
اندھوں کو راستہ دکھاؤ گے۔ اگرچہ کچھ بھی دیکھتے
(بھالتے) نہ ہوں۔

ان تمام آیات میں نَظَرٌ کے معنی حیرت زدہ ہوکر
دیکھنے کے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس طرح دیکھنا بے
معنی ہوتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔
(۲-۵۰) اور فرعون کی قوم کو غرق کردیا اور تم
دیکھ ہی تو رہے تھے۔
میں بعض نے تَنْظُرُوْنَ کے معنی مشاہدہ کے
لکھے ہیں۔ اور بعض نے عبرت حاصل کرنے
کے۔ اور شاعر کے قول[1] (الرمل)
(۴۲۳) نَظَرَ الدَّهْرُ اِلَيْهِمْ فَابْتَهَلْ
میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ زمانے نے خیانت کی
اور انہیں ہلاک کرڈالا۔
اور حَیٌّ نَظَرٌ اس قوم کو کہتے ہیں۔ جو ایک دوسرے
کے اس قدر قریب فروکش ہوں کہ ان کے خیمے
آمنے سامنے نظر آتے ہوں۔ اور آبادی میں اسی
قسم کے قرب سے حدیث میں کفار سے دور
رہنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا۔ (۱۳۰)[2]
لَا تَتَرَاءٰی نَارَاهُمَا کہ مسلمان کفار سے اتنی
دور ہوں کہ ایک دوسرے کی آگ نظر نہ آئے۔
اور نَظِيْرٌ کے معنی ہم مثل کے ہیں۔ اصل میں
نظیر بمعنی مُنَاظِرٌ ہے گویا ایک دوسرے کو دیکھکر
باہم موازنہ کرتے ہیں۔
وَبِهٖ نَظْرَةٌ وہ آسیب زدہ ہے الشاعر نے اسی
معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے[3] ( )
(۴۲۳) وَقَالُوْا بِهٖ مِنْ اَعْيُنِ الْجِنِّ نَظْرَةٌ

---

[1] قالہ لبید وصدرہ: فی قروم سادۃ من قومہ "انظر دیوانہ" ۱۱ (طبع لیدن ۱۸۹۱ء) والطبرسی (۳: ۲۸۰) وقد مر فی ابہل [2] اخرجہ النسائی وابو داؤد وقد تخریجہ فی (رء ی)، [3] نسبہ صاحب مصارع العشاق ۱۲۹ - ۱۳۰ بروایۃ ابن الاعرابی الی مجنون بنی عامر وتمامہ .... ولو عقلوا قالوا بہ اعین الانس وفی محاضرات المؤلف (۳: ۸۲) عجزہ: ولو صدقوا قالوا بہ نظرۃ الانس وقبلہ: وجاءوا الیہ بالتعاویذ والرقی وصبوا علیہ الماء من الم النکس

اور لوگوں نے کہا ہے کہ یہ آسیب زدہ ہے۔ اور اسے کسی جن کی نظر لگی ہوئی ہے۔
اَلْمُنَاظَرَۃُ کے معنی مباحثہ یعنی بحث و نظر میں باہم مقابلہ کرنے اور ہر ایک کے اپنی رائے علی وجہ البصیرۃ ظاہر کرنے کے ہیں اور نَظَرٌ کے معنی بحث کرنا بھی آتے ہیں۔ اور یہ قیاس سے عام ہے کیونکہ ہر قیاس کو نَظَرٌ کہہ سکتے ہیں لیکن ہر نظر قیاس نہیں ہوتی۔

(ن ع ج)

اَلنَّعْجَۃُ کی جمع نِعَاجٌ آتی ہے اور اس کا اطلاق بھیڑ، نیل گائے اور پہاڑی بکریوں میں سے مادینہ پر ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
اِنَّ هٰذَآ اَخِیْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ (۳۸-۲۳) یہ میرا بھائی ہے اس کے ہاں ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی ہے۔
نَعِجَ الرَّجُلُ بھیڑ کا گوشت کھانے سے بدہضمی ہونا۔
اَنْعَجَ الرَّجُلُ۔ موٹی بھیڑوں کا مالک ہونا۔
اَلنَّعَجُ کے معنی سپیدی یا سپید ہونے کے ہیں اور اَرْضٌ نَاعِجَۃٌ نرم زمین کو کہتے ہیں۔

(ن ع س)

اَلنُّعَاسُ کے معنی اونگھ یا ہلکی سی نیند کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ (۸-۱۱) جب اس نے ۔۔۔۔ تمہیں نیند کی چادر اڑھا دی۔
اَمَنَةً نُّعَاسًا (۳-۱۵۴) تسلی ۔۔۔۔ یعنی نیند
بعض نے کہا ہے کہ یہاں نُعَاسٌ سے مراد سکون اور اطمینان ہے اور یہ آنحضرت کے قول مبارک کی طرف اشارہ ہے[1] (۱۳۱)
طُوْبٰی لِکُلِّ عَبْدٍ نُوْمَۃٍ کہ ہر پاسکون آدمی کے لئے خوش خبری ہے۔

(ن ع ق)

نَعَقَ الرَّاعِیْ بِصَوْتِهٖ کے معنی چرواہے کے چلانے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
كَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً اس کی مثال اس شخص کی سی ہے۔ جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہ سن سکے۔

(ن ع ل)

اَلنَّعْلُ کے معنی جوتا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی (۲۰-۱۲) تو اپنا جوتا ۔۔۔۔ اتار دو تم یہاں پاک میدان یعنی طوی میں ہو۔
اور تشبیہ کے طور پر گھوڑے کے سم کی حفاظت کے لئے جو چمڑا یا لوہا لگایا جاتا ہے اسے بھی نَعْلُ الْفَرَسِ کہتے ہیں۔
اسی طرح نیام شمشیر کے بائیں جانب جو لوہا لگایا جاتا ہے اسے نَعْلُ السَّیْفِ کہا جاتا ہے۔
فَرَسٌ مُنْعَلٌ وہ گھوڑا جس کے دُسْع کے نیچے کے بالوں پر سفید نشان ہو۔
اور پاپوش پوش کو نَاعِلٌ وَمُنْعَلٌ کہا جاتا ہے اور کبھی اس سے مالدار آدمی بھی مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ اَلْحَافِیْ سے مراد فقیر ہوتا ہے۔

---

[1] وفی المعاجم نَعَقَ الرَّاعِیْ بغنمہ ۱۲

(ن ع م)

اَلنِّعْمَۃُ۔ اچھی حالت کو کہتے ہیں۔ اور یہ فِعْلَۃٌ کے وزن پر ہے جو کسی حالت کے معنی کو ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے۔ جیسے: جِلْسَۃٌ وَرِکْبَۃٌ وغیر ذالک۔

اور نَعْمَۃٌ کے معنی تَنَعُّمٌ یعنی آرام و آسائش کے ہیں۔ اور یہ فَعْلَۃٌ کے وزن پر ہے۔ جو مرۃ کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے: ضَرْبَۃٌ وَشَتْمَۃٌ اور نِعْمَۃٌ کا لفظ اسم جنس ہے جو قلیل و کثیر کیلئے استعمال ہوتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا (۱۴-۳۴) اور اگر خدا کے احسان گننے لگو تو شمار نہ کر سکو۔

اُذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ (۲-۴۰) میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے۔

وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (۵-۳) اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں۔

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ (۳-۱۷۴) پھر خدا کی نعمتوں کے ساتھ واپس آئے۔ وَغَیْرُ ذَالِکَ۔

اَلْاِنْعَامُ (افعال) کے معنی دوسروں پر احسان کرنے کے ہیں۔ اور یہ لفظ صرف اسی وقت استعمال ہوتا ہے۔ جب مُنْعَمٌ عَلَیْہِ ذوی العقول سے ہو۔ لہٰذا اَنْعَمَ فُلَانٌ عَلٰی فَرَسِہٖ کہنا درست نہیں ہے۔ قرآن میں ہے:۔

اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (۱-۶) جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ (۳۳-۳۷) اور جب تم اس شخص سے جس پر خدا نے احسان کیا اور تم نے بھی احسان کیا یہ کہتے تھے۔

اِنْ ھُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْہِ (۴۳-۵۹) وہ تو ہمارے ایسے بندے تھے جن پر ہم نے فضل کیا تھا۔

اَلنَّعْمَآءُ یہ ضَرَّآءُ کے مقابلہ میں آتا ہے۔ چنانچہ قرآن ہے:۔

وَلَئِنْ اَذَقْنٰہُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْہُ (۱۱-۱۰) اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد آسائش کا مزہ چکھائیں۔

اور نُعْمٰی یُؤْسٰی کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے اور نَعِیْمٌ کے معنی نِعْمَۃٌ کَثِیْرَۃٌ کے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ (۵۶-۱۲) نعمتوں کی بہشت میں۔

جَنّٰتِ النَّعِیْمِ (۲۱-۸) نعمت کے باغ ہیں۔

تَنَعُّمٌ کے معنی خوش حال ہونے اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کے ہیں اور تَنْعِیْمٌ کے معنی کسی کو آسودہ حال بنانے کے۔ قرآن میں ہے:

فَاَکْرَمَہٗ وَنَعَّمَہٗ (۸۹-۱۵) اسے عزت دیتا اور نعمت بخشتا ہے۔

طَعَامٌ نَاعِمٌ (عمدہ کھانا)، جَارِیَۃٌ نَاعِمَۃٌ نازک اندام لڑکی۔ اور اَلنَّعَمُ کا لفظ خاص کر اونٹوں پر بولا جاتا ہے اور اونٹوں کو نَعَمٌ اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ عرب کے لئے سب سے بڑی نعمت تھے اس کی جمع اَنْعَامٌ آتی ہے۔ لیکن اَنْعَام کا لفظ بھیڑ بکری اونٹ اور گائے سب پر بولا جاتا ہے۔ مگر ان جانوروں پر اَنْعَامٌ کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے۔ جب اونٹ بھی ان میں شامل ہو۔ قرآن میں ہے:۔

جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْفُلْکِ وَالْاَنْعَامِ (۴۳-۱۲)

اور تمہارے لئے کشتیاں اور چار پائے بنائے۔
وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا (۶-۱۴۲)
اور چار پایوں میں بوجھ اٹھانے والے (یعنی بڑے بڑے بھی) پیدا کئے اور زمین سے لگے ہوئے (یعنی چھوٹے چھوٹے بھی۔ اور آیت کریمہ:
فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ (۱۰-۲۴) پھر اس کے ساتھ سبزہ جسے آدمی اور جانور کھاتے ہیں۔ مل کر نکلا۔
میں اَنْعَام کا لفظ عام ہے۔ جو تمام جانوروں کو شامل ہے۔

نَعَامَی۔ جنوبی ہوا جو نرمی سے چل رہی ہو اور شتر مرغ کو "نَعَامَةٌ" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ خلقت میں اونٹ کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور پہاڑ یا کنویں کے اوپر سائبان کے مانند بنی ہوئی عمارت جو کہ دور سے شتر مرغ کی طرح دکھائی دیتی ہو۔ اس کو بھی "نَعَامَةٌ" کہا جاتا ہے[1]
نَعَائِمُ منازل قمر سے ایک منزل کا نام ہے[2] جو شتر مرغ کی ہم شکل فرض کی گئی ہے۔۔۔
۔۔۔ اور شاعر کے قول[3]۔ (الکامل)
(۴۳۴) وَابْنُ النَّعَامَةِ عِنْدَ ذٰلِكَ مَرْكَبِيْ
اور میری سواری میرا گھوڑا ابن نعامہ ہوگا۔
میں بعض نے کہا ہے کہ ابن نعامہ سے شاعر نے خود اپنے پاؤں مراد لئے ہیں۔ اور سرعت رفتاری میں انہیں ابنِ نَعَامَہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ کیونکہ نعامہ کے معنی باطن قدم کے بھی آتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اہل عرب نے یہ معنی بھی اِبْنُ النَّعَامَة کے محاورہ سے ہی اخذ کیا ہے۔
اور تَنَعَّمَ فُلَانٌ جس کے معنی آہستہ آہستہ چلنے کے ہیں، نِعْمَة سے مشتق ہے۔

نِعْمَ کلمہ مدح ہے جو بِئْسَ فعل ذم کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ (۳۸-۳۰) بہت خوب بندے تھے اور (خدا کی طرف) رجوع کرنے والے تھے۔
فَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِيْنَ (۳-۱۳۶) اور اچھے کام کرنے والوں کا بدلہ بہت اچھا ہے۔
نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ (۸-۴۰) وہ خوب حمایتی اور خوب مددگار ہے۔
وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ (۵۱-۴۸) اور زمین کو ہم ہی نے بچھایا تو دیکھو ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں۔
اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ (۲-۲۷۱) اگر تم خیرات ظاہر دو تو وہ بھی خوب ہے۔
اور محاورہ ہے:۔
اِنْ فَعَلْتَ كَذَا فَبِهَا وَنِعْمَتْ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو خوب کیا اور یہ اچھی عادت ہے۔

---

[1] انظر المخصص ۵/ ۱۳۵ [2] ہی منزلۃ من منازل القمر بہا ثمانیۃ نجوم اربعۃ فی المجرۃ وتسمی الواردۃ واربعۃ خارجۃ تسمی الصادرۃ (الملون ۴/ ۱۵۴) [3] اختلفت الروایات فی صدرہ ونسبتہ ففی الصحاح (نعم) ومختارات الشعر الجاہلی (۱: ۴۳۰) قالہ عنترۃ فی سبعۃ ابیات وصدرہ: فیکون مرکبک القعود ورحلہ وکذا فی المخصص (۱۳/ ۲۰۶) والحکم والعقد ۳ وابن الشجری فی حماسۃ ۸ وامالیہ (۱: ۲۶۱) والمعانی للقتبی اوفی ذیل الصحاح انہ لخزز بن لوذان وکذا فی اللسان (عتق) وابن خالویہ والحیوان (۴: ۳۶۳-۳۶۴) مع اربعۃ اخری فیہ مدحجۃ بدل رحلہ ویوم ذاک بدل عند ذالک وکتاب الخیل لابن زیاد والاعرابی ۹۲ ویعنی بابن النعامۃ فرسا یقال لہ غراب بن نعامۃ کانت لہ کما فی الخزانۃ البغدادیۃ (۳/ ۱۱) والبیان للجاحظ (۳/ ۹۰) وامالی ابن الشجری (۱: ۳۰۷) والشاعر جاہلی قدیم راجع الخزانۃ والمؤتلف ۱۰۲ والمعنی البیت انظر المعانی للقتبی ۹۰ ٭

غَسَلْتُهٗ غَسْلًا نِعِمَّا میں نے اسے اچھی طرح دھویا۔
نَعَلَ كَذَا اَوْ اَنْعَمَ اس نے فلاں کام کیا اور خوب کیا
نَعَّمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرے یا تمہاری وجہ سے دوسروں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔
نَعَمْ۔ یہ کلمہ ایجاب ہے اور لفظ نعمت سے مشتق ہے۔
اور نَعَمْ وَ نُعْمَةُ عَيْنٍ وَ نُعْمٰى عَيْنٍ وَ نُعَامُ عَيْنٍ وغیرہ (ان سب کا ماخذ نعمت ہی ہے)۔
اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تمام مرکبات اَلنَّعَمَةُ سے ماخوذ ہوں جس کے معنی نرم اور سہل بنانے کے ہیں۔

(ن غ ض)

اَلْاِنْغَاضُ کے معنی دوسرے کے سامنے تعجب سے سر ہلانے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:
فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ (۱۷-۵۱) تو تعجب سے تمہارے آگے سر ہلائیں گے۔
نَغَضَ نَغْضًا نًا۔ کپکپی کے ساتھ سر اور دانت ہلانا۔
اَلنَّغُضُ۔ بہت سر ہلانے والا شتر مرغ۔
اَلنُّغْضُ کندھے کے کنارے کی پتلی ہڈی۔

(ن ف ث)

اَلنَّفْثُ۔ کے معنی تھوڑا سا تھوکنے یا تھتکارنے کے ہیں۔ اور یہ تفل (تھوکنا) سے کم درجہ ہوتا ہے۔ اور افسوں یا جادو کرنے والے کے گنڈوں پر پڑھ کر پھونکنے کو بھی نفث کہا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:
وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ (۱۱۳-۴) اور گنڈوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں کی برائی سے۔
اور اسی سے اَلْحَيَّةُ تَنْفُثُ السُّمَّ (سانپ زہر اگلتا ہے) کا محاورہ ہے مثل مشہور ہے[1] (
لَوْ سَاَلْتَهٗ نُفَاثَةَ سِوَاكٍ مَا اَعْطَاكَ اگر تو اس سے مسواک کا ایک ریزہ بھی طلب کرے تو نہ دے (یعنی وہ نہایت بخیل ہے) اور نُفَاثَةُ سِوَاكٍ اس ریزہ کو کہا جاتا ہے جو مسواک کرنے سے دانتوں میں رہ جاتا ہے۔ اور اسے پھینک دیا جاتا ہے۔
دَمٌ نَفِيْثٌ۔ خون جو زخم سے بہہ نکلے۔ مثل مشہور ہے[2] (
لَا بُدَّ لِلْمَصْدُوْرِ اَنْ يَنْفُثَ درد سینہ کے مریض کو تھوکنے سے چارہ نہیں۔

(ن ف ح)

نَفَحَ (ن) نَفْحًا الرِّيْحُ۔ ہوا کا چلنا۔
لَهٗ نَفْحَةٌ طَيِّبَةٌ۔ وہ سخی ہے۔
اور کبھی بطور استعارہ شر کے لئے بھی نَفْحَةٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے۔
وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ (۲۱-۴۶) اور اگر ان کو تمہارے پروردگار کا تھوڑا سا عذاب بھی پہنچے۔
نَفَحَتِ الدَّابَّةُ۔ جانور کا سم سے مارنا۔

---

[1] کذا فی المعاجم [2] الاولی ان یکون بالف الاشباع ای ان ینفثا و ترینہ: وللذی فی الصدر ان ینفثا رسالۃ ابن القارح الی ابی العلاء المعری الذی اجاب عنہا فی رسالۃ خاصۃ سماہا رسالۃ الغفران انظر رسائل البلغاء نشر کرد علی مصر ص ۲۶۵ و مثلہ فی الفائق ۲/۹: قال عمر بن عبد العزیز لعبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبۃ حتی متی تقول الشعر فقال: لا بد للمصدور ان یسعلا۔ وللذی فی الصدر ان ینفثا ۱۲

نَفحَۃٌ بِالسَّیْفِ. ہلکی سی تلوار مارنا۔
اَلنَّفُوْحُ (من النوق) وہ اونٹنی جس کے تھنوں سے بغیر دوہنے کے دودھ نکل پڑے (مِنَ القِسِیِّ) دور تک تیر پھینکنے والی کمان۔
اَنْفِحَۃُ الْجَدْیِ بکری کے شیر خوار بچے کے پیٹ سے ایک زرد سی چیز نکالتے ہیں اور اسے ریشم کے لتہ میں لپیٹ کر پنیر کی طرح خشک کر لیتے ہیں عوام اسے مَجْبَنَۃٌ کہتے ہیں۔

(ن ف خ)

اَلنَّفْخُ کے معنی کسی چیز میں پھونکنے کے ہیں۔ جیسے فرمایا:۔
یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ (۲۷-۸۷) اور جس دن صور پھونکا جائیگا۔
وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ (۳۶-۵۱) اور جس وقت صور پھونکا جائے گا۔
ثُمَّ نُفِخَ فِیْہِ اُخْرٰی (۳۹-۶۸) پھر دوسری دفعہ پھونکا جائے گا۔
اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:۔
فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ (۷۴-۸) جب صور پھونکا جائے گا۔
اور اسی سے نَفْخُ الرُّوْحِ ہے جس کے معنی اس دنیا میں کسی کے اندر روح پھونکنے کے ہیں چنانچہ آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:۔
وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ (۱۵-۲۹) اور اس میں (اپنی بے بہا چیز یعنی) روح پھونک دوں۔
محاورہ ہے:۔
اِنْتَفَخَ بَطْنُہٗ. اس کا پیٹ پھول گیا۔
اور اسی سے بطور استعارہ اِنْتَفَخَ النَّھَارُ کا محاورہ ہے جس کے معنی دن کے بلند ہونے کے ہیں۔
اور نَفْحَۃُ الرَّبِیْعِ کے معنی موسم بہار کی تروتازگی کے ہیں۔ اور موٹے آدمی کو رَجُلٌ مَنْفُوْخٌ کہا جاتا ہے۔

(ن ف د)

اَلنَّفَادُ (س) ختم ہو جانا۔ قرآن میں ہے:۔
اِنَّ ھٰذَا لَرِزْقُنَا مَالَہٗ مِنْ نَّفَادٍ (۳۸-۵۴) یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔
اور اس معنی میں فعل نَفِدَ (س) استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔
قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ (۱۸-۱۰۹) کہہ دو کہ اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کے لئے سیاہی ہو تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر ختم ہو جائے۔
مَا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ (۳۱-۲۷) تو خدا کی باتیں (یعنی اس کی صفتیں) ختم نہ ہوں۔
اَنْفَدُوْا ان کا توشہ ختم ہو گیا۔ اور خَصْمٌ مُّنَافِدٌ دوسرے کی حجت کو ختم کرنے کے لئے جھگڑنے والے کو کہتے ہیں۔ اور نَافَدْتُہٗ وَنَفَدْتُہٗ کے معنی دوسرے کی دلیل کو ختم کرنے کے ہیں۔

(ن ف ذ)

نَفَذَ السَّھْمُ فِی الرَّمِیَّۃِ نُفُوْذًا وَنَفَاذًا کے معنی تیر کے نشانہ سے پار ہو جانے کے ہیں۔
اور نَفَذَ فُلَانٌ فِی الْاَمْرِ نَفَاذًا کے معنی کسی کام کو کر گزرنے کے اور اَنْفَذْتُہٗ (افعال) کے معنی پار کرنے کے ہیں۔ جیسے فرمایا:۔

اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ۔ (۵۵-۳۳) اگر تمہیں قدرت ہو کہ آسمان وزمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ۔ اور زور کے سوا تو تم نکل سکتے ہی نہیں۔
نَفَّذْتُ الْاَمْرَ تَنْفِيْذًا۔ حکم نافذ کرنا۔
نَفَّذْتُ الْجَيْشَ فِي الْغَزْوِ غزوہ میں لشکر بھیجنا....
.... حدیث میں ہے (۱۳۰)
نَفِّذُوْا جَيْشَ اُسَامَةَ۔ کہ جیش اسامہ کو روانہ کر دینا۔
اَلْمَنْفَذُ باہر نکلنے کا راستہ۔

(ن ف ر)

اَلنَّفْرُ (ع ن) کے معنی کسی چیز سے روگردانی کرنے اور دوالی کے ساتھ) کسی کی طرف دوڑنے کے ہیں۔ جیسا کہ نَزَعَ کا لفظ الیٰ اور عن دونوں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ محاورہ ہے۔ نَفَرَ عَنِ الشَّيْءِ نُفُوْرًا کسی چیز سے دور بھاگنا۔ قرآن میں ہے:۔
مَا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا۔ (۳۵-۴۲) تو اس سے ان کی نفرت ہی بڑھی۔
وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا (۱۷-۴۱) مگر وہ اس سے اور بدک جاتے ہیں۔
نَفَرَ اِلَى الْحَرْبِ (ض ن) نَفْرًا لڑائی کیلئے نکلنا اور اسی سے ذی الحجہ کی بارھویں تاریخ کو يَوْمَ النَّفْرِ کہا جاتا ہے کیوں کہ اس روز حجاج منیٰ سے مکہ معظمہ کو واپس ہوتے ہیں۔ قرآن میں ہے۔
اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا (۹-۴۱) تم سبکسار ہو یا گراں بار (یعنی مال واسباب تھوڑا رکھتے ہو یا بہت) گھروں سے نکل آؤ۔
اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (۹-۳۹) اگر نہ نکلو گے تو خدا تم کو بڑی تکلیف کا عذاب دے گا۔
مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (۹-۳۸) تمہیں کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں (جہاد کے لئے) نکلو۔
وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ (۹-۱۲۲) اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن سب کے سب سب نکل آئیں۔ تو یوں کیوں نہیں کیا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل جاتے۔
اَلْاِسْتِنْفَارُ (۱) جنگ کے لئے نکلنے کی ترغیب دینا (۲) لوگوں کو لڑائی سے بھاگ جانے پر اکسانا (۳) ڈر کر بھاگ جانا۔ اور آیت کریمہ:
كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ (۷۴-۵۰) گویا گدھے ہیں کہ بدک جاتے ہیں۔
میں مُسْتَنْفِرَةٌ اگر کسرہ فاء کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی نَافِرَةٌ یعنی ڈر کر بھاگنے والے کے ہوں گے۔ اور فتح فاء کے ساتھ ہو تو مُنَفَّرَةٌ کے ہم معنی ہوگا یعنی بھگایا ہوا۔
اَلنَّفْرُ وَالنَّفِيْرُ وَالنَّفَرَةُ بھاگنے والے آدمیوں کا گروہ۔
اَلْمُنَافَرَةُ۔ مفاخرہ میں محاکمہ کرنا اسی سے اُنْفِرَ فُلَانٌ ہے جس کے معنی مفاخرہ میں غالب ہونے کا فیصلہ دیئے گئے کے ہیں۔ مشہور مقولہ ہے۔

۱؎ من جملة وصاياه صلى الله عليه وسلم في مرض موته راجع البخاري۔

نَفَرَ فُلَانٌ (بزعم اہل جاہلیت) شیطان کو بھگانے کے لئے بچے کا کوئی نام رکھنا۔ چنانچہ ایک اعرابی کا بیان ہے کہ میری پیدائش پر کسی نے میرے والد سے کہا: نَفِّرْ عَنْہُ کہ اس سے شیطان کو بھگاؤ۔ تو والد نے میرا نام قُنْفُذٌ اور کنیت ابو العداء رکھ دی۔

نَفَرَ الْجِلْدُ۔ جلد میں ورم ہو جانا۔

ابو عبید کا قول ہے کہ یہ نِفَارُ الشَّیْءِ عَنِ الشَّیْءِ سے ہے جس کے معنی ایک چیز کے دوسری سے دور اور الگ ہونے کے ہیں۔

(ن ف س)

اَلنَّفْسُ کے معنی روح کے آتے ہیں چنانچہ فرمایا: اَخْرِجُوْا اَنْفُسَکُمْ (۶-۹۳) کہ نکال لو اپنی جانیں۔
وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ فَاحْذَرُوْہُ (۲-۲۳۵) اور جان رکھو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خدا کو سب معلوم ہے۔
اور ذیل کی دونوں آیتوں۔
تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَا اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ (۵-۱۱۶) اور جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے۔ اور جو تیرے ضمیر میں ہے میں اسے نہیں جانتا ہوں۔
وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ (۳-۳۰) اور خدا تم کو اپنے (غضب) سے ڈراتا ہے۔
میں نفس بمعنی ذات ہے اور یہاں نَفْسَہٗ کی اضافت اگرچہ لفظی لحاظ سے مضاف اور مضاف الیہ میں مغایرۃ کو چاہتی ہے لیکن من حیث المعنی دونوں سے ایک ہی ذات مراد ہے کیونکہ ذات باری تعالیٰ ہر قسم کی دوئی سے پاک ہے۔ بعض کا قول ہے کہ ذات باری تعالیٰ کی طرف نفس کی اضافت اضافت ملک ہے۔ اور اس سے ہمارے نفوس امارہ مراد ہیں جو ہر وقت برائی پر ابھارتے رہتے ہیں۔

اَلْمُنَافَسَۃُ کے معنی نفوس فاضلہ کے ساتھ اتصال اور تشبیہ حاصل کرنے کے لئے ۔۔۔۔ مجاہدہ نفسانی (نفس کشی) کے ہیں۔ بادل اس کے کہ دوسروں کو اس سے ضرر پہنچے۔ قرآن میں ہے:۔ وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ (۸۳-۲۶) تو (نعمتوں کے) شائقین کو چاہیئے کہ اسی سے رغبت کریں۔
جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا:۔
سَابِقُوْا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ (۵۷-۲۱) بندو اپنے پروردگار کی بخشش کیطرف لپکو۔

اَلتَّنَفُّسُ کے معنی سانس کے ہیں۔ جو منہ اور ناک کے نتھنوں کے ذریعہ بدن کے اندر جاتا اور باہر نکلتا ہے۔ اور یہ روح کے لئے بمنزلہ غذا کے ہے۔ جس کے انقطاع سے روح زائل ہو جاتی ہے۔ اور نَفَسٌ کے معنی کشائش اور فراخی کے بھی آتے ہیں اور اسی سے ایک روایت میں ہے[1] (۱۲۰)
اِنِّیْ لَاَجِدُ نَفَسَ رَبِّکُمْ مِّنْ قِبَلِ الْیَمَنِ کہ میں یمن کی جانب سے کشائش اور فراخی یعنی نصرت

---

[1] الحدیث فی الفائق وفی الطبرانی نفیر ربکم وبہذا اللفظ ذکرہ صاحب الکشاف وفی روایۃ نفس الرحمٰن انظر اللسان (نفس)، والمشکل للقتبی والغزالی فی الاحیاء ۳ر۲۲۲ قال العراقی فی تخریجہ اشار بہ الی اویس القرنی ولم اجد لہ اصلا وفی مناقب اہل الیمن احادیث ۱۲

الٰہی پاتا ہوں (انصار کا یمنی ہونا اس احساس کی تصدیق کے لئے کافی ہے) اور آنحضرتؐ نے فرمایا[1] (۱۳۱)

لَا تَسُبُّوا الرِّيحَ فَإِنَّهَا مِنْ نَفَسِ الرَّحْمٰنِ.
ہوا کو برا بھلا مت کہو۔ بے شک یہ خدائے رحمٰن کے نفس سے ہے یعنی اس سے غم دور ہوتا ہے۔ اور ایک دعا میں ہے[2]:۔ (۱۳۲)

اَللّٰهُمَّ نَفِّسْ عَنِّيْ. اے اللہ میری تکلیف دور فرما۔

تَنَفَّسَتِ الرِّيحُ عمدہ ہوا چلنا۔ شاعر نے کہا ہے[3] (الطویل)

(۱۳۳) فَإِنَّ الصَّبَا رِيحٌ إِذَا مَا تَنَفَّسَتْ
عَلٰى نَفْسِ مَحْزُوْنٍ تَجَلَّتْ هُمُوْمُهَا

بے شک باد صبا ایسی ہوا ہے کہ اس کے چلنے سے مغموم دلوں کے تمام غم دور ہو جاتے ہیں۔

اَلنِّفَاسُ کے معنی عورت کے بچہ جننے یا حالت زچگی میں ہونے کے ہیں۔ اور اس عورت کو جو حالت نفاس میں ہو نُفَسَاءُ کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع نُفَاسٌ آتی ہے اور صَبِيٌّ مَنْفُوْسٌ کے معنی نوزائیدہ بچہ کے ہیں۔

تَنَفَّسَ النَّهَارُ دن کا چڑھنا۔ دوپہر ہونا قرآن میں ہے:۔

وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ (۸۱-۱۸) اور صبح کی قسم جب نمودار ہوتی ہے۔

اور نَفِسْتُ بِكَذَا کے معنی کسی چیز کو عزیز سمجھنے اور اس پر بخل کرنے کے ہیں۔ اور اسی سے نَفِيْسٌ اور مُنْفِسٌ ہے جس کے معنی قیمتی چیز کے ہیں۔

(ن ف ش)

اَلنَّفْشُ (ن) کے معنی اون دھنکنے اور پھیلانے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (۱۰۱-۵) جیسے دھنکی ہوئی ہوئی رنگ برنگ کی اون۔

نَفَشَتِ الْغَنَمُ (رات کے وقت) بکریوں کا بغیر چرواہے کے چرنے کے لئے منتشر ہونا۔

اَلنَّفَشُ (بفتح الفاء اسم) وہ بکریاں جو رات کو بغیر چرواہے کے چرنے کے لئے منتشر ہوگئی ہوں۔ قرآن میں ہے:۔

إِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ (۲۱-۷۸) جس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کو چر گئیں۔

اَلْإِبِلُ النَّوَافِشُ رات کو بغیر چرواہے کے چرنے والے اونٹ۔

(ن ف ع)

اَلنَّفْعُ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے خیرات تک رسائی کے لئے استعانت حاصل کی جائے یا وسیلہ بنایا جائے پس نفع خیر کا نام ہے۔ اور اس کی ضد ضُرٌّ ہے۔ قرآن میں ہے۔

وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا. (۲۵-۳) اور نہ اپنے نقصان اور نفع کا کچھ اختیار رکھتے ہیں۔

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا (۷-۱۸۸) کہدو کہ میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ بھی

---

[1] قطعة من الحديث اخرجه الترمذي في جامعه والبيهقي في سننه [2] قطعة من الدعاء (ابن السني في اليوم والليلة (تحفة الذاكرين) [3] قالته امرأة نجدية في ثلاثة ابيات ولشعرها قصة راجع القالي (۲: ۱۲۶) وفي محاضرات المؤلف (۲: ۵۵۰) انشده المجنون في الربيع السلطانية وقبله: اجد بردها وتشفي مني حرارة. على كبد لم يبق الا سويدها والبيت في اللسان (نسم) بلغير عزو ×

اختیار نہیں رکھتا۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ (۶۰-۳)
نہ تمہارے رشتے ناتے کام آئیں گے اور نہ اولاد۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ (۳۴-۲۳) اور خدا کے ہاں (کسی کے لئے) سفارش فائدہ نہیں دے گی۔

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ (۱۱-۳۴) تو میری خیر خواہی تم کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ وغیر ذالک من الآیات یعنی اس قسم کی متعدد آیات ہیں۔

(ن ف ق)

نَفَقَ (ن-س) الشَّيْءُ کے معنی کسی چیز کے ختم ہونے یا چلے جانے کے ہیں۔ اور چلے جانے کی مختلف صورتیں ہیں۔ (۱) خوب فروخت ہونے سے جیسے نَفَقَ الْبَيْعُ (سامان کا) خوب فروخت ہونا۔ اسی سے نَفَاقُ الْاَيِّمِ ہے جس کے معنی بیوہ عورت سے نکاح کے طلب گاروں کا بکثرت ہونا کے ہیں۔

نفق الْقَوْمُ بازار کا پر رونق ہونا۔

(۲) بذریعہ مرجانے کے جیسے نَفَقَتِ الدَّابَّةُ نُفُوْقًا۔ جانور کا مرجانا۔

(۳) بذریعہ فنا ہوجانے کے جیسے نَفِقَتِ الدَّرَاهِمُ درہم خرچ ہوگئے۔ اَنْفَقْتُهَا ان کو خرچ کردیا۔

اَلْاِنْفَاقُ کے معنی مال وغیرہ صرف کرنا کے ہیں۔ اور یہ کبھی واجب ہوتا ہے۔ اور کبھی مستحب اور مال اور غیر مال یعنی علم وغیرہ کے متعلق استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا۔

اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ (۲-۱۹۴) اور خدا کی راہ میں مال خرچ کرو۔

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ (۶۳-۱۰) اور جو مال ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے ۔۔۔۔۔۔ خرچ کرلو۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۥ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (۳-۹۲) مومنو! جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمہیں عزیز ہیں (راہ خدا میں) صرف نہ کروگے کبھی نیکی حاصل نہیں کرسکوگے۔ اور جو چیز تم صرف کروگے۔ خدا اس کو جانتا ہے۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ (۳۴-۳۹) اور تم جو چیز خرچ کروگے۔ وہ اس کا (تمہیں) عوض دے گا۔

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ (۵۷-۱۰) جس شخص نے تم میں سے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا۔ وہ ۔۔۔۔۔ برابر نہیں۔

علیٰ ہذا القیاس اس قسم کی بہت سی آیات ہیں۔

اور آیت کریمہ:

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ (۱۷-۱۰۰) کہو اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمہارے ہاتھ میں ہوتے تو تم خرچ ہوجانے کے خوف سے ان کو بند کر رکھتے۔

میں خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ کے معنی مفلس ہونے کا خوف کے ہیں اور یہ اَنْفَقَ فُلَانٌ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی مال کے خرچ ہوجانے کے بعد قلاش ہوجانے کے ہیں۔ یہاں اِنْفَاق بمعنی اِمْلَاق ہے۔ جیسے فرمایا:۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ (۱۷-۳۱) اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا۔

نَفَقَةٌ (اسم) جو چیز خرچ کی جائے۔ فرمایا:۔
وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ (۲-۲۷۰) اور تم خدا کی راہ میں جس طرح کا خرچ کرو۔
وَلَا یُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً (۹-۱۲۱) اور (اسی طرح) وہ جو خرچ کرتے ہیں۔
اَلنَّفَقُ۔ آر پار ہونے والا کوچہ یا سرنگ جس کے دونوں منہ کھلے ہوں۔ فرمایا:۔
وَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ (۶-۳۵) اور اگر طاقت ہو تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈ نکالو۔
اور اسی سے نَافِقَاءُ الْیَرْبُوْعِ ہے یعنی جنگلی چوہے کا بل جس کے دو دہانے ہوں۔ نَافَقَ الْیَرْبُوْعُ وَ نَفَقَ۔ جنگلی چوہیا اپنے بل کے دہانے سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل گئی اور اسی سے نِفَاقٌ ہے۔ جس کے معنی شریعت میں دو رخی اختیار کرنے (یعنی شریعت میں ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل جانا) کے ہیں چنانچہ اسی معنی پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:۔
اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (۴-۱۴۵) کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نیچے کے درجہ میں ہوں گے۔
نَیْفَقُ السَّرَاوِیْلِ۔ پاجامے کا نیفہ۔

(ن ف ل)

اَلنَّفْلُ۔ بعض کے نزدیک نفل اور غنیمت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں ان میں صرف اعتباری فرق ہے۔ اس لحاظ سے کہ وہ فتح کے بعد چھینا ہوا مال ہوتا ہے، اسے غنیمت کہا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا غیر لازم ہونے کے لحاظ نفل کہلاتا ہے۔
بعض کے نزدیک ان میں نسبت عموم و خصوص مطلق ہے یعنی غنیمت عام ہے اور ہر اس مال کو کہتے ہیں۔ جو لوٹ سے حاصل ہو خواہ مشقت سے ہو یا بلا مشقت کے فتح سے قبل حاصل ہو یا بعد میں استحقاق سے حاصل ہو یا بغیر استحقاق کے اور نفل خاص کر اس مال کو کہتے ہیں۔ جو غنیمت سے قبل از تقسیم حاصل ہوا ہو۔
بعض کے نزدیک نَفَلٌ وہ مال ہے جو بغیر جنگ کے مسلمانوں کے ہاتھ لگ جائے اور اسے فے بھی کہتے ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے جو سامان وغیرہ تقسیم غنائم کے بعد بانٹا جاتا ہے۔ اسے نفل کہا جاتا ہے جیسے فرمایا:۔
یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ الْاٰیَة (۸-۱) (اے محمدؐ مجاہد لوگ) آپ سے غنیمت کے مال کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ کیا حکم ہے) اصل میں اَنْفَالٌ نَفْلٌ سے ہے جس کے معنی واجب پر زیادتی کے ہیں اور اسے نَافِلَةٌ بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (۱۷-۷۹) اور بعض حصہ شب میں بیدار ہوا کرو۔ اور تہجد کی نماز پڑھا کرو۔ (یہ شب خیزی) تمہارے لئے (سبب زیادت ثواب اور نماز تہجد تم کو نفل) ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ نَافِلَةً (۲۱-۷۲) اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق عطا کئے اور مستزاد برآں یعقوب۔
میں نَافِلَةً بھی اسی معنی پر محمول ہے۔ اور یہاں اس سے مراد اولاد کی اولاد ہے۔ محاورہ ہے۔

نَفَلْتُہٗ کَذَا میں نے اسے بطور نفل کے دیا۔
نَفَلَہُ السُّلْطَانُ۔ بادشاہ نے اسے تبرع کے طور پر قتیل کا سامان دے دیا۔ اَلنَّوْفَلُ عطائے کثیر۔
اِنْتَفَلْتُ مِن کَذَا میں نے اس سے چن لیا۔

(ن ق ب)

اَلنَّقْبُ کے معنی دیوار یا چمڑے میں سوراخ کرنے کے ہیں اور ثقب کے معنی لکڑی میں سوراخ کرنے کے .... محاورہ ہے:۔
نَقَبَ الْبَیْطَارُ سُرَّۃَ الدَّابَّۃِ بیطار نے جانور کی ناف میں مِنْقَبُ (نشتر) کے ساتھ سوراخ کر دیا۔
مَنْقَبٌ۔ سوراخ کرنے کی جگہ۔
نُقِبَ الْحَائِطُ دیوار میں نقب لگائی گئی۔
نَقَّبَ الْقَوْمُ قوم کا چلنا پھرنا۔ قرآن میں ہے:۔
فَنَقَّبُوْا فِی الْبِلَادِ ہَلْ مِنْ مَّحِیْصٍ (۵۰-۳۶)
وہ شہروں میں گشت کرنے لگے کیا کہیں بھاگنے کی جگہ ہے
کَلْبٌ نَقِیْبٌ۔ کتا جس کے گلے میں آواز کمزور کرنے کے لئے سوراخ کر دیا گیا ہو۔
اَلنُّقْبَۃُ۔ ابتدائی خارش۔ ج۔ نُقَبٌ
اَلنَّاقِبَۃُ۔ ناسور۔ زخم جو کئی روز تک ایک پہلو پر لیٹے رہنے کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے۔
اَلنُّقْبَۃُ۔ ازار کی مثل ایک قسم کا کپڑا جس میں سوراخ ہونے کی وجہ سے تکہ لگایا جاتا ہے۔
اَلْمَنْقَبَۃُ۔ اصل میں پہاڑ کے درہ کو کہتے ہیں۔ اور بطور استعارہ شریفانہ کارنامہ کو مَنْقَبَۃٌ کہا جاتا ہے۔ یا تو اس لئے کہ اس کا اچھا اثر باقی رہ جاتا ہے۔ اور یا اس لئے کہ وہ بھی اس کی رفعت کے لئے بمنزلہ منہاج کے ہے۔

اَلنَّقِیْبُ کسی قوم کے حالات جاننے والا۔
ج نُقَبَاءُ۔ قرآن میں ہے۔
وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا (۵-۱۲)
اور ان میں ہم نے بارہ سردار مقرر کئے۔

(ن ق ذ)

اَلْاِنْقَاذُ کسی خطرہ یا ہلاکت سے خلاصی دینا۔
قرآن میں ہے:۔
وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا (۳-۱۰۲) اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے۔ تو خدا نے تم کو اس سے بچا لیا۔
اَلنَّقَذُ بمعنی چھڑایا ہوا۔ فَرَسٌ نَقِیْذٌ دشمن کے ہاتھ سے چھینا ہوا گھوڑا گویا وہ ان سے بچایا گیا ہے ج نَقَائِذُ

(ن ق ر)

اَلنَّقْرُ (ن) کسی چیز کو کھٹکھٹانا حتیٰ کہ اس میں سوراخ ہو جائے۔
اَلْمِنْقَارُ۔ کھٹکھٹانے کا آلہ جیسے پرندہ کی چونچ یا چکی کو کندہ کرنے کے اوزار وغیرہ۔
نَقَرْتُ عَنِ الْاَمْرِ کسی معاملہ کی چھان بین کرنا۔
نَقَرْتُہٗ بطور استعارہ بمعنی غیبت کرنا۔ جیسا کہ ایک عورت نے اپنے خاوند سے کہا:۔
مُرَّ بِیْ عَلٰی بَنِیْ نَظَرٍ وَلَا تَمُرَّ بِیْ عَلٰی بَنَاتِ نَقَرٍ۔
کہ مجھے مردوں کے پاس سے لے کر گزرنا جو نظر ڈالتے ہیں۔ اور عورتوں کے پاس سے لے کر نہ گزرنا جو عیب لگاتی اور غیبت کرتی ہیں۔
اَلنُّقْرَۃُ (۱) گڑھا جس میں سیلاب کا پانی باقی رہ جاتا ہے اور (۲) گردن کے پچھلے حصے کے گڑھے

کو نُقْرَۃُ الْقَفَا کہا جاتا ہے۔
اَلنَّقِیْرُ کھجور کی گٹھلی کے گڑھے کو کہتے ہیں۔ اور یہ حقیر چیز کے لئے ضرب المثل ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا (۴ - ۱۲۴) اور تل برابر بھی حق تلفی نہ کی جائے گی۔
اور اَلنَّقِیْرُ اس لکڑی کو بھی کہتے ہیں جس میں گڑھا کرکے اس میں نبیذ ڈالتے ہیں کہا جاتا ہے۔
ھُوَ کَرِیْمُ النَّقِیْرِ فلاں شریف الاصل ہے یعنی بعد از تفتیش۔
النَّاقُوْرُ کے معنی صور یعنی بگل کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ (۷۴ - ۸) جب صور پھونکا جائے گا۔
نَقَرْتُ الرَّجُلَ زبان کو تالو سے لگا کر آواز نکال کر کسی آدمی کو بلانا۔
نَقَرْتُ الرَّجُلَ کسی شخص کو جماعت میں سے خاص کر علیحدہ بلانا گو یا زبان کے ذریعہ آواز نکال کر خاص کر اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔
اور اس طور سے بلانے کو نَقَرٰی کہا جاتا ہے۔
دَعَوْتُھُمُ النَّقَرٰی میں نے خاص طور پر انہیں بلایا۔

(ن ق ص)

اَلنَّقْصُ (اسم) حق تلفی اور یہ نَقَصْتُہٗ (ن) فَھُوَ مَنْقُوْصٌ کا مصدر بھی ہے جس کے معنی گھٹانے اور حق تلفی کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ (۲ - ۱۵۵) اور جانوں اور مالوں .... کے نقصان سے۔
وَاِنَّا لَمُوَفُّوْھُمْ نَصِیْبَھُمْ غَیْرَ مَنْقُوْصٍ (۱۱ - ۱۰۹) اور ہم ان کو ان کا حصہ پورا پورا بلا کم و کاست دینے والے ہیں۔
ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْکُمْ شَیْئًا (۹ - ۴) اور انہوں نے تمہارا کسی طرح کا قصور نہ کیا۔

(ن ق ض)

اَلنَّقْضُ۔ یہ ابرام کی ضد ہے اور اس کے معنی کسی چیز کا شیرازہ بکھیرنے کے ہیں جیسے نَقَضْتُ الْبِنَاءَ عمارت کو ڈھانا۔ اَلْحَبْلَ رسی کے بل اتارنا۔ اَلْعَقْدَ گرہ کھولنا۔
اَلنِّقْضُ وَالنَّقْضُ یہ دونوں بمعنی منقوض آتے ہیں۔ لیکن بکسر النون زیادہ تر عمارت کے لئے آتا ہے۔ اور بفتح النون کا عام استعمال اشعار کے متعلق ہوتا ہے۔ اسی سے نبلے اونٹ اور زمین کی پرت کو جو کھمبی وغیرہ کے نکلنے سے پھٹ جاتی ہے نِقْضٌ کہا جاتا ہے۔ پھر نَقْضُ الْحَبْلِ وَالْعَقْدِ سے استعارہ کے طور پر عہد شکنی کے لئے بھی نَقْضٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَھُمْ (۸ - ۵۶) ہر بار اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں۔
اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَ اللّٰہِ (۲ - ۲۷) جو خدا کے اقرار کو .... توڑ دیتے ہیں۔
وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْکِیْدِھَا (۱۶ - ۹۱) اور جب پکی قسمیں کھاؤ تو ان کو نہ توڑو۔
اور اسی طرح کلام و شعر میں مُنَاقَضَۃٌ ہے جیسا کہ جریر اور فرزدق کے نقائض شعریہ مشہور ہیں۔
اَلنَّقِیْضَانِ وہ قضیے جن میں سے ایک کا صدق دوسرے کے کذب کو مستلزم ہو جیسے ایک ہی چیز کے متعلق ایک ہی حالت میں ھُوَ کَذَا وَلَیْسَ

بگذا کا حکم لگانا۔

اِنْتَقَضَ (انتعال) اِنْتِقَاضًا کے معنی عمارت مسمار ہونے یا رسی کھل جانے کے ہیں۔ اور اسی سے اِنْتَقَضَتِ الْقُرْحَةُ ہے یعنی زخم کا اچھا ہونے کے بعد خراب ہو جانا۔

اَنْقَضَتِ الدَّجَاجَةُ مرغی کا انڈا دیتے وقت کڑکڑانا۔

اَلْاِنْتِقَاضُ کے اصل معنی آواز کے نہیں ہیں بلکہ کسی چیز کے اس طرح ٹوٹنے کے ہیں کہ اس سے آواز پیدا ہو۔ پھر اس کا اطلاق آواز پیدا ہونے لگا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

اَلَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ (۹۴-۳) جس نے تمہاری پیٹھ توڑ رکھی تھی۔

میں اَنْقَضَ کے معنی کمر کو اس طرح توڑنا کے ہیں کہ اس سے کڑکڑانے کی آواز سنائی دے۔

اَلْاِنْقَاضُ۔ بیٹھے ہوئے جانور کو للکارنے کی آواز شاعر نے کہا ہے[1]۔ (الرجز)

(۴۳۶) اَعْلَمْتُهَا الْاِنْقَاضَ بَعْدَ الْقَرْقَرَةِ

یعنی میں نے اسے انقاض کے بعد قرقرہ کی آواز سنائی۔

نَقِیْضُ الْمَفَاصِلِ جوڑوں کے کڑکڑانے کی آواز۔

(ن ق م)

نَقِمْتُ الشَّیْءَ وَنَقَمْتُهُ کسی چیز کو برا سمجھنا۔ یہ کبھی زبان کے ساتھ عیب لگانے اور کبھی عقوبت (سزا دینے) پر بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ (۸۵-۸) ان کو مومنوں کی یہی بات بری لگتی تھی کہ وہ خدا پر ایمان لائے ہوئے تھے۔

وَمَا نَقَمُوْاۤ اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (۹-۷۴) اور انہوں نے (مسلمانوں میں عیب ہی کونسا دیکھا ہے سوا اس کے کہ خدا نے اپنے فضل سے . . . . . ان کو دولت مند کر دیا۔

هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ الْآیَة (۵-۵۹) تم ہم میں برائی ہی کیا دیکھتے ہو۔

اور اسی سے نِقْمَةٌ بمعنی عذاب ہے قرآن میں ہے:۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ (۷-۱۳۶) تو ہم نے ان سے بدلہ لے کر ہی چھوڑا کہ ان کو دریا میں غرق کر دیا۔

فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا (۳۰-۴۷) سو جو لوگ نافرمانی کرتے تھے ہم نے ان سے بدلہ لے کر چھوڑا۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ (۴۳-۲۵) تو ہم نے ان سے انتقام لیا سو دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔

(ن ک ب)

نَكَبَ عَنْ كَذَا کسی چیز سے پھر جانا قرآن میں ہے:۔

عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ (۲۳-۷۴) وہ رستے سے الگ ہو رہے ہیں۔

---

[1] وفی اللسان (نقض) شمیرة قال شنظاظ اللص الضبی وقبلہ: "رب عجوز من نمیر شہبرۃ" وفی اللسان دقرقرہ علمتہا بدل علمتہا وفی الاشتقاق لابن درید ۲۴۵ اماک بدل نمیر راجع للبیت ومعناہ ایضًا المعانی الکبیر للقبتی قال الانقاض والقرقرۃ صوتان من اصوات الابل ومعنی البیت انہا کانت لہا بعیر مسن یقرقر فرکبہا وذہب بہ وترک لہا بکرًا ینقض بہ وفی الاشتقاق خلاف ذالک ؎

اَلْمَنْكِبُ کندھا ج۔ مَنَاکِبُ۔ اور اسی سے بطور استعارہ زمین کے راستوں پر بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِهَا (۶۷-۱۵) تو اس کی راہوں میں چلو پھرو۔
اور یہ زمین کے لئے بطور استعارہ ایسے ہی استعمال ہوا ہے جیسا کہ آیت کریمہ:۔
مَا تَرَكَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ (۳۵-۴۵) تو روئے زمین پر ایک چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا۔ میں ظَهْر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔
مَنْكِبُ الْقَوْمِ۔ قوم کا کندھا یعنی رئیس جیسا کہ راس بمعنی رئیس اور یَدٌ بمعنی ناصر آجاتا ہے۔
لِفُلَانٍ النِّکَابَةُ فِیْ قَوْمِهٖ فلاں کے پاس قوم کی ریاست ہے۔
اَلْاَنْكَبُ (۱) ٹیڑھے شانے والا (۲) اونٹ جو ایک جانب جھک کر چلے۔
اَلنَّکَبُ۔ ایک قسم کی بیماری جو شانے میں ہوتی ہے ترکی میں اسے تولا غو کہا جاتا ہے)۔
اَلنَّکْبَاءُ۔ اپنی سمت سے پھر کر چلنے والی ہوا۔
نَکَبَتْهُ حَوَادِثُ الدَّهْرِ۔ مصیبت پہنچانا۔

(ن ك ث)

اَلنَّکْثُ کے معنی کمبل یا سوت ادھیڑنے کے ہیں۔ اور یہ قریب قریب نَقْضٌ کے ہم معنی ہے۔ اور بطور استعارہ عہد شکنی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَاِنْ نَّکَثُوْٓا اَیْمَانَهُمْ (۹-۱۲) اور اگر اپنی قسمیں توڑ ڈالیں۔
اِذَا هُمْ یَنْکُثُوْنَ (۷-۱۳۵) تو وہ عہد توڑ ڈالتے ہیں۔
اَلنِّکْثُ وَالنَّکِیْثَةُ مِثْلُ النِّقْضِ وَالنَّقِیْضَةِ، اور نَکِیْثَةٌ ہر اس مشکل معاملہ کو کہتے ہیں جس میں لوگ عہد و پیمان توڑ ڈالیں شاعر نے کہا[1] (الطویل):
(۴۲۷) مَتٰی یَكُ اَمْرٌ لِّلنَّکِیْثَةِ اَشْهَدِ
جب کوئی معاملہ عہد شکنی کی حد تک پہنچ جائے تو میں حاضر ہوتا ہوں۔

(ن ك ح)

اصل میں نکاح بمعنی عقد آتا ہے۔ اور بطور استعارہ جماع کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے یہ ناممکن ہے کہ یہ اصل میں بمعنی جماع ہو اور پھر عقد میں بطور استعارہ استعمال ہوا ہو۔ کیونکہ عربی زبان میں جماع کے معنی میں تمام الفاظ کنائی ہیں۔ کیونکہ نفس فعل کی طرح صراحتًا اس کا تذکرہ بھی مکروہ سمجھا جاتا ہے۔ لہذا یہ نہیں ہو سکتا کہ جو زبان ذکر فحش سے اس قدر گریزاں ہو وہ ایک مستحسن امر کے لئے قبیح لفظ استعمال کرے۔ قرآن میں ہے:۔
وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ (۲۴-۳۲) اور اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کردیا کرو۔
اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ (۳۳-۴۹) جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرکے۔
فَانْکِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ (۴-۲۵) تو ان لونڈیوں کے ساتھ ان کے مالکوں سے اجازت حاصل کرکے نکاح کرلو۔
علی ہذا القیاس متعدد آیات ہیں جن میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

---

[1] قاله طرفة اوله وقربت بالقربی وجدک انه وفی اللسان (نکث) عقد بدل امر البیت فی العقد الثمین ۸۵ وفی روایة عهد بدل امر۔

(ن ک د)

اَلنَّکَدُ۔ ہر وہ چیز جو صعوبت سے حاصل ہو۔ اسی سے سخت خو کو جو سائل کو مشکل کچھ دینے پر راضی ہو۔ نَکَدٌ وَ نَکِدٌ کہا جاتا ہے۔ اور کم دودھ والی اونٹنی کو جو بمشکل دوہی جا سکے نَاقَۃٌ نَکْدَاءُ کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا (۷-۵۸) اور جو خراب ہے اس میں سے جو کچھ نکلتا ہے ناقص ہوتا ہے۔

(ن ک ر)

اَلْاِنْکَارُ۔ ضد عرفان اور اَنْکَرْتُ کَذَا کے معنی کسی چیز کی عدم معرفت کے ہیں اس کے اصل معنی انسان کے دل پر کسی ایسی چیز کے وارد ہونے کے ہیں جسے وہ تصور میں نہ لا سکتا ہو۔ لہذا یہ ایک درجہ کی جہالت ہی ہوتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

فَلَمَّا رَاٰۤ اَیْدِیَہُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْہِ نَکِرَہُمْ۔ (۱۱-۷۰) جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں جاتے (یعنی وہ کھاتا نہیں کھاتے) تو ان کو اجنبی سمجھ کر دل میں خوف کیا۔

فَدَخَلُوْا عَلَیْہِ فَعَرَفَہُمْ وَہُمْ لَہٗ مُنْکِرُوْنَ۔ (۱۲-۵۸) تو یوسفؑ کے پاس گئے تو یوسف نے ان کو پہچان لیا۔ اور وہ اس کو نہ پہچان سکے۔

اور کبھی یہ دل سے انکار کرنے پر بولا جاتا ہے اور انکار لسانی کا اصل سبب گو انکارِ قلب ہی ہوتا ہے۔ لیکن بعض اوقات انسان ایسی چیز کا بھی انکار کر دیتا ہے جسے دل میں ٹھیک سمجھتا ہے۔ ایسے انکار کو کذب کہتے ہیں۔ جیسے فرمایا۔

یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰہِ ثُمَّ یُنْکِرُوْنَہَا (۱۶-۸۳) یہ خدا کی نعمتوں سے واقف ہیں۔ مگر واقف ہو کر ان سے انکار کرتے ہیں۔

فَہُمْ لَہٗ مُنْکِرُوْنَ (۲۳-۶۹) اس وجہ سے ان کو نہیں مانتے۔

فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُنْکِرُوْنَ (۴۰-۸۱) تو خدا کی کن کن نشانیوں کو نہ مانو گے۔

اور اَلْمُنْکَرُ ہر اس فعل کو کہتے ہیں جسے عقول سلیمہ قبیح خیال کریں یا عقل کو اس کے حسن و قبح میں توقف ہو۔ مگر شریعت نے اس کے قبیح ہونے کا حکم دیا ہو۔ چنانچہ آیات:۔

اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاہُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (۹-۱۱۲) نیک کاموں کا امر کرنے والے اور بری باتوں سے منع کرنے والے۔

کَانُوْا لَا یَتَنَاہَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ (۵-۷۹) اور برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے۔

وَیَنْہَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (۳-۱۰۴) اور بری باتوں سے منع کرتے۔

وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْکُمُ الْمُنْکَرَ (۲۹-۲۹) اور اپنی مجلسوں میں ناپسندیدہ کام کرتے ہو۔

تَنْکِیْرُ الشَّیْءِ کے معنی کسی چیز کو بے پہچان کر دینے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

نَکِّرُوْا لَہَا عَرْشَہَا (۲۷-۴۱) اس کے تخت کی صورت بدل دو۔

اور اس کے بالمقابل تعریف کے معنی کسی چیز کو معروف بنانے کے ہیں۔ اور علمائے نحو کے نزدیک

کسی اسم کو مخصوص صیغہ پر بنانے کے ہوتے ہیں۔
نَكِرْتُ عَلٰى فُلَانٍ وَاَنْكَرْتُ کسی کو عملاً کسی کام سے روک دینا۔ قرآن میں ہے:۔
فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ (۲۲-۴۴) میرا عذاب کیسا سخت تھا۔
اَلنُّكْرُ: مکاری یا مشکل امر جو سمجھ میں نہ آسکے۔
اور نَكُرَ نَكَارَةً کسی معاملہ کا دشوار ہونا۔ قرآن میں ہے۔
يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ (۵۴-۶) جس دن بلانے والا ان کو ایک ناخوش چیز کی طرف بلائے گا۔
اور حدیث میں ہے[1] (۱۳۲) اِذَا وُضِعَ الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ اَتَاهُ مَلَكَانِ مُنْكَرٌ وَنَكِيْرٌ کہ جب میت قبر میں اتار دی جاتی ہے۔ تو اس کے پاس مُنْكَرٌ وَ نَكِيْرٌ دو فرشتے آتے ہیں۔
اور اِسْتِعَارَةً مُنَاكَرَةٌ بمعنی مُحَارَبَةٌ استعمال ہوتا ہے۔

(ن ك س)

اَلنَّكْسُ (ن) کے معنی کسی چیز کو الٹا کر دینے کے ہیں اور اسی سے نُكِسَ الْوَلَدُ ہے۔۔۔۔ یعنی ولادت کے وقت بچے کے پاؤں کا سر سے پہلے باہر نکلنا۔
ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ (۲۱-۶۵) پھر شرمندہ ہو کر سر نیچا کر لیا۔
اَلنُّكْسُ صحت یابی کے بعد مرض کا عود کر آنا۔
اور نُكْسٌ فِي الْعُمُرِ کے متعلق فرمایا:۔
وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ (۳۶-۶۸)
اور جس کو ہم بڑی عمر دیتے ہیں۔ اسے خلقت میں اوندھا کر دیتے ہیں۔
جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:۔
وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ (۱۶-۷۰) اور تم میں بعض ایسے ہوتے ہیں کہ نہایت خراب عمر کو پہنچ جاتے ہیں۔
اور ایک قراءت میں نُنْكِسْهُ ہے۔
اخفش کا قول ہے۔ کہ نُنَكِّسْهُ (بتشدید الکاف) کے معنی کسی چیز کو سرنگوں کر دینے کے ہوتے ہیں۔ اور نِكْسٌ اس تیر کو کہتے ہیں جس کا فوق ٹوٹ گیا ہو اور اس کے اوپر کے حصّہ کو نیچے لگا دیا گیا ہو۔ ایسا تیر چونکہ ردی ہو جاتا ہے۔ اس لئے تشبیہ کے طور پر کمینے آدمی کو بھی نِكْسٌ کہا جاتا ہے۔

(ن ك ص)

اَلنُّكُوْصُ (ن ض) کسی چیز سے پیچھے ہٹنا۔
قرآن میں ہے:۔
نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ (۸-۴۸) تو پسپا ہو کر چل دیا۔

(ن ك ف)

نَكَفْتُ مِنْ كَذَا وَاسْتَنْكَفْتُ مِنْهُ کے معنی کسی چیز کو اپنے لئے باعث عار سمجھنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ (۴-۱۷۲) مسیح اس بات سے عار نہیں رکھتے کہ خدا کے بندے ہوں۔
وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا (۴-۱۷۳) اور جنہوں نے (بندہ ہونے سے) عار و انکار اور تکبر کیا۔

---
[1] رواہ النسائی ار ۲۳۴ و اصحاب السنن

اصل میں یہ نَکَفْتُ الشَّیْءَ سے ہے جس کے معنی کسی چیز کو دور ہٹا دینے کے ہیں اور اسی سے نَکَفَ ہے یعنی رخسار سے ہاتھ کے ساتھ آنسو پونچھنا اور بَحْرٌ لَا یُنْکَفُ بے پایاں سمندر کو کہتے ہیں۔

اَلْاِنْتِکَافُ۔ ایک ملک سے دوسرے ملک میں چلا جانا۔

(ن ک ل)

نَکَلَ عَنِ الشَّیْءِ۔ کسی کام سے کمزور اور عاجز ہو جانا۔

نَکَّلْتُہٗ۔ کسی کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دینا۔ اور نِکْلٌ۔ جانور کی بیڑی اور لگام کے لوہے کو کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی چلنے سے مانع ہوتے ہیں۔ اس کی جمع اَنْکَالٌ ہے۔ قرآن میں ہے:۔

اِنَّ لَدَیْنَآ اَنْکَالًا وَّجَحِیْمًا (۷۳-۱۲) کچھ شک نہیں کہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی آگ ہے:۔

نَکَّلْتُہٗ۔ کسی کو عبرت ناک سزا دینا۔ اس سے اسم نَکَالٌ ہے جس کے معنی عبرت ناک سزا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

فَجَعَلْنٰھَا نَکَالًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْھَا وَمَا خَلْفَھَا (۲-۶۶) اور اس قصے کو اس وقت کے لوگوں کے لئے اور جو ان کے بعد آنے والے تھے۔ عبرت بنا دیا۔

جَزَآءً بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ (۵-۳۸) ان کے فعلوں کی سزا اور خدا کی طرف سے عبرت ہے۔

اور حدیث میں ہے[1] (۱۳۳) اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ النَّکَلَ عَلَی النَّکَلِ کہ قوی آدمی جو طاقت ور گھوڑے پر سوار ہو اللہ تعالیٰ کو پیارا لگتا ہے۔

(ن م م)

اَلنَّمُّ (ن) کے معنی چغلی کھانے کے ہیں۔ اور چغلخوری کو نَمِیْمَۃٌ کہا جاتا ہے۔ نَمَّامٌ چغل خور۔ قرآن میں ہے:۔

ھَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیْمٍ طعن آمیز اشارتیں کرنیوالا۔ چغلیاں لئے پھرنے والا۔ (۶۸-۱۱)

اصل میں نَمِیْمَۃٌ کے معنی ھَمْسٌ (پاؤں کی آہٹ) اور حرکت خفیفہ کے ہیں۔ اسی سے محاورہ ہے:۔ اَسْکَتَ اللّٰہُ نَامَّتَہٗ۔ خدا اس کی حرکت کو بند کر دے یعنی وہ مر جائے۔

اَلنَّمَّامُ گھاس جس کی خوشبو اس کے وجود پر دلالت کرے۔

اَلنَّمْنَمَۃُ۔ قریب قریب خطوط گویا کتابت میں قلت حرکت پر دال ہیں۔

(ن م ل)

نَمْلَۃٌ۔ چیونٹی (ج۔ نمل قرآن میں ہے۔ قَالَتْ نَمْلَۃٌ یّٰاَیُّھَا النَّمْلُ (۲۷-۱۸) تو ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو۔

طَعَامٌ مَّنْمُوْلٌ۔ طعام جس میں چیونٹیاں پڑ گئی ہوں۔

نَمْلَۃٌ (۱) ایک قسم کا پھوڑا۔ جو پہلو میں نکلتا ہے۔ اور اس کی شکل چیونٹی جیسی ہوتی ہے (۲) جانور کے کھر کا شگاف۔

اور اسی سے فَرَسٌ نَمِلُ الْقَوَائِمِ کا محاورہ ہے یعنی سبک پاؤں والا گھوڑا جو ایک جگہ پر سکون سے کھڑا نہ ہو اور مجازاً اَلنَّمِلُ بمعنی

---

[1] الحدیث فی الفائق ۲/۲۹۱

نَمِیْمَۃٌ بھی آتا ہے۔ اور یہ معنی چیونٹی کی چال سے ماخوذ ہے۔ اور ھُوَ نَمِلٌ، ذُوْ نَمْلَۃٍ وُ نَمَّالٌ کے معنی چغل خور کے ہیں۔
تَنَمَّلَ الْقَوْمُ۔ مال جمع کرنے کے لیے چیونٹیوں کی طرح پھیل گئے۔ اسی سے ھُوَ اَجْمَعُ مِنْ نَمْلَۃٍ کا محاورہ ہے۔ یعنی وہ چیونٹی سے بھی زیادہ ذخیرہ اندوز ہے۔
اَلْاُنْمِلَۃُ۔ انگلیوں کے اطراف۔ ج۔ انامل۔

(ن ھ ج)

اَلنَّھْجُ کے معنی کھلے راستہ کے ہیں۔ اور نَھَجَ الْاَمْرُ وَ اَنْھَجَ کے معنی ہیں کسی امر کا واضح ہونا۔
اَلْمِنْھَجُ وَالْمِنْھَاجُ کشادہ راہ۔ قرآن میں ہے۔ لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَۃً وَّ مِنْھَاجًا (۵-۴۸) ہم نے تم میں سے ہر ایک فرقے کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔
اور اسی سے نَھَجَ الثَّوْبُ وَاَنْھَجَ۔ ہے جس کے معنی کپڑے میں بوسیدگی کے آثار ظاہر ہونے کے ہیں۔
اَنْھَجَہُ الْبِلٰی۔ کپڑے کو بوسیدگی نے جھرجھرا کر دیا۔

(ن ھ ر)

اَلنَّھْرُ۔ بافراط پانی بہنے کے مجری کو کہتے ہیں۔ کی جمع اَنْھَارٌ آتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَفَجَّرْنَا خِلٰلَھُمَا نَھَرًا (۱۸-۳۳) اور دونوں میں ہم نے ایک نہر بھی جاری کر رکھی تھی۔
وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ وَ اَنْھٰرًا وَّ سُبُلًا (۱۶-۱۵) اور اس نے زمین پر پہاڑ بنا کر رکھ دیئے کہ تم کو لے کر کہیں جھک نہ جائے اور نہریں اور رستے بنا دیئے۔
اور جنت میں لوگوں پر جو فیض اور فضل الٰہی جاری ہوگا اسے بھی بطور مثال کے اَنْھَارٌ سے تعبیر فرمایا ہے جیسے:۔
اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَھَرٍ (۵۴-۵۴) جو پرہیزگار ہیں وہ باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔
وَیَجْعَلْ لَّکُمْ جَنّٰتٍ وَّ یَجْعَلْ لَّکُمْ اَنْھٰرًا۔ (۷۱-۱۲) اور تمہیں باغ عطا کرے گا۔ اور (ان میں) تمہارے لیے نہریں بہا دے گا۔
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ (۲-۲۵) (نعمت کے) باغ ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔
اَلنَّھْرُ کے معنی وسعت اور فراخی کے بھی آتے ہیں۔ (تَشْبِیْھًا بِنَھْرِ الْمَاءِ) اور اسی سے اَنْھَرْتُ الْمَاءَ (پانی بہانا) ہے۔
اور اَنْھَرَ الْمَاءُ کے معنی پانی کے جاری ہونے کے ہیں۔ نَھْرٌ وَ نَھِرٌ نہر جس میں پانی فراوانی سے بہہ رہا ہو۔
ابو ذویب نے کہا ہے[1]
(۴۳۸) اَقَامَتْ بِہٖ فَابْتَنَتْ خَیْمَۃً
عَلٰی قَصَبٍ وَّ فُرَاتٍ نَھِرٍ
اَلنَّھَارُ (ن) شرعاً طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب کے وقت کو نَھَارٌ کہا جاتا ہے۔ لیکن لغوی لحاظ سے اس کی حد طلوع شمس سے لیکر غروب آفتاب تک ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ خِلْفَۃً (۲۵-۶۲)

---

[1] البیت فی دیوانہ ۱۲

اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنایا۔
اَتَاهَا اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا (۱۰-۲۴) ناگہاں رات کو یا دن کو ہمارا حکم عذاب آپہنچا۔
اور کبھی بَيَاتٌ کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے جیسے:۔ اِنْ اَتَاكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا (۱۰-۵۰) تو اگر اس کا عذاب تم پر ناگہاں آجائے رات کو یا دن کو۔
رَجُلٌ نَهِرٌ۔ دن کو لوٹ مارنے والا۔
اَلنَّهَارُ۔ حباری کا بچہ۔
اَلْمَنْهَرَةُ۔ آبادی کے درمیان کھلی جگہ کو کہتے ہیں جیسے وہ جگہ جہاں کوڑا کرکٹ ڈالا جاتا ہے۔
اَلنَّهْرُ وَالْاِنْتِهَارُ سختی سے جھڑکنا۔ قرآن میں ہے:۔
فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا (۱۷-۲۳) تو ان کو اف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا۔
وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (۹۳-۱۰) اور مانگنے والے کو جھڑکی نہ دینا۔

(ن ہ ی)

اَلنَّهْيُ کسی چیز سے منع کر دینا۔ قرآن میں ہے:۔
اَفَرَاَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى عَبْدًا اِذَا صَلّٰى (۹۶-۹،۱۰) بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے یعنی ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھنے لگتا ہے۔
معنوی لحاظ سے نہی بالقول اور بالفعل میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور نہی بالقول عام ہے کہ صیغہ اِفْعَلْ کے ذریعہ ہو۔ جیسے اِجْتَنِبْ کذا (اس سے دور رہو) یا صیغہ لَا تَفْعَلْ کے ذریعہ ہو لیکن لفظی لحاظ سے صرف "لَا تَفْعَلْ" کو نہی کہا جاتا ہے۔ پس صیغہ لَا تَفْعَلْ لفظاً و معنی دونوں لحاظ سے نَهْيٌ ہوگا۔ جیسے فرمایا:۔
لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (۲-۳۵) لیکن اس درخت کے .... پاس نہ جانا۔
اسی بنا پر شیطان نے کہا تھا۔
مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ (۷-۲۰) کہ تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لئے منع کیا ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (۷۹-۴۰) اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا اور جی کو خواہشوں سے روکتا رہا۔
میں نَهْيٌ سے نفس کو شہوات سے روکنا اور ان کے قصد سے دفع کرنا مراد ہے نہ کہ زبان سے صرف لَا تَفْعَلْ کہدینا۔ اسی طرح نَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ بھی عام ہے۔ جو کہ ہاتھ اور زبان کے ساتھ روکنے اور دل سے برا سمجھنے کو شامل ہے۔ قرآن میں ہے:۔
اَتَنْهٰنَا اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا (۱۱-۶۲) کیا تم ہم کو ان چیزوں کے پوجنے سے منع کرتے ہو جن کو ہمارے بزرگ پوجتے آئے ہیں۔
اور آیت کریمہ:۔
اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ (۱۶-۹۰) خدا تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے۔ اور بے حیائی اور نامعقول کاموں سے منع کرتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کے امر و نہی سے امر خیر کی ترغیب دینا اور شر سے روکنا مراد ہے۔ اور یہ ممانعت بعض امور سے عقل کے ذریعہ کی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم میں ودیعت کی ہے۔ اور بعض کاموں سے بذریعہ شریعت کے منع فرمایا ہے جو ہمارے لئے مقرر فرمائی ہے۔

اَلْاِنْتِهَاءُ کسی ممنوع کام سے رک جانا۔ قرآن میں ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ (۸-۳۸) (اے پیغمبر) کفار سے کہہ دو کہ اگر وہ اپنے افعال سے باز آجائیں تو جو ہو چکا وہ انہیں معاف کر دیا جائے گا۔

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا (۱۹-۴۶) اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے سنگسار کروں گا اور تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہو جا۔

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ (۲۶-۱۱۶) کہ نوح اگر تم باز نہ آؤ گے تو سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔ اور آیت کریمہ:

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ (۵-۹۱) تو تم کو ان کاموں سے باز رہنا چاہیئے۔

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ (۲-۲۷۲) تو جس شخص کے پاس خدا کی نصیحت پہنچی اور وہ سود لینے سے باز آگیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا۔

پس فَانْتَهٰى کے معنی اس کی نہایت کو پہنچے یعنی رک جانے کے ہیں۔

اَلْاِنْهَاءُ اصل میں اس کے معنی نہایۃ کو پہنچا دینے کے ہیں پھر عرف میں مطلقاً کسی خبر کے پہنچا دینے پر بولا جاتا ہے جیسے:

اَنْهَيْتُ اِلٰى فُلَانٍ خَبَرَ كَذَا۔ میں نے اس کے پاس فلاں خبر پہنچا دی۔

نَاهِيْكَ مِنْ رَجُلٍ۔ فلاں آدمی تجھے کافی ہے۔ یعنی وہ تیرے مطلوب کی غایت ہے گویا کسی دوسرے کی طلب سے تجھے منع کرتا ہے۔

نَاقَةٌ نَهِيَةٌ انتہائی موٹی اونٹنی۔

اَلنُّهْيَةُ۔ عقل جو انسان کو قبیح باتوں سے روکتی ہو اس کی جمع نُهًى آتی ہے۔ قرآن میں ہے:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى (۲۰-۵۴) بے شک ان (باتوں) میں عقل والوں کے لئے (بہت سی) نشانیاں ہیں۔

تَنْهِيَةُ الْوَادِيْ وادی کا آخری کنارہ جہاں کہ سیلاب رک جاتا ہے۔ نِهَايَةُ النَّهَارِ دن کا بلند ہونا۔

طَلَبَ الْحَاجَةَ حَتّٰى نَهِيَ عَنْهَا۔ اس نے اپنی حاجت کو طلب کیا حتی کہ اس کی طلب کرنے کے بعد اس سے رک گیا اور اس (میں) کامیاب ہونا شرط نہیں ہے۔

(ن و ب)

اَلنَّوْبُ۔ کسی چیز کا بار بار لوٹ کر آنا۔ یہ نَابَ (ن) نَوْبَةً وَنَوْبًا کا مصدر ہے اور شہد کی مکھی کو نَوْبٌ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی قرارگاہ کی طرف لوٹ کر جاتی ہے۔

نَابَتْهُ نَائِبَةٌ یعنی اسے ایسی مصیبت پہنچی جس کے دوبارہ آنے کا بھی امکان ہے۔

اَلْاِنَابَةُ اِلَى اللّٰهِ توبہ اور اخلاص عمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا۔ قرآن میں ہے:

وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ (۳۸-۲۴) اور جھک کر گر پڑے اور (خدا کی طرف) رجوع کیا۔

وَ اِلَیْکَ اَنَبْنَا (۶۰-۴) اور تیری ہی طرف ہم رجوع کرتے ہیں۔
وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ (۳۹-۵۴) اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو۔
مُنِیْبِیْنَ اِلَیْہِ (۳۰-۳۱) (مومنو) اس (خدا) کی طرف رجوع کئے رہو۔
فُلَانٌ یَنْتَابُ فُلَانًا۔ وہ اس کے پاس آتا جاتا ہے۔

(ن و ح)

نُوْحٌ۔ یہ ایک نبی کا نام ہے دراصل یہ نَاحَ یَنُوْحُ کا مصدر ہے جس کے معنی بلند آواز کے ساتھ گریہ کرنے کے ہیں۔ محاورہ ہے۔ نَاحَتِ الْحَمَامَۃُ نَوْحًا۔ فاختہ کا نوحہ کرنا۔ نَوْحٌ کے اصل معنی عورتوں کے ماتم کدہ میں جمع ہونے کے ہیں۔ اور یہ تَنَاوُحٌ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی تَقَابُلٌ کے ہیں جیسے۔ جَبَلَانِ مُتَنَاوِحَانِ دو متقابل پہاڑ۔ رِیْحَانِ یَتَنَاوَحَانِ دو متقابل ہوائیں۔
اَلنَّوَائِحُ۔ نوحہ گر عورتیں۔ اَلْمَنُوْحُ۔ مجلس گریہ۔

(ن و ر)

اَلنُّوْرُ۔ وہ پھیلنے والی روشنی جو اشیاء کے دیکھنے میں مدد دیتی ہے۔ اور یہ دو قسم پر ہے دنیوی اور اخروی۔
نور دنیوی پھر دو قسم پر ہے۔ معقول جس کا ادراک بصیرت سے ہوتا ہے یعنی امور الہیہ کی روشنی جیسے عقل یا قرآن کی روشنی۔ دوم محسوس جس کا تعلق بصر سے ہے جیسے چاند سورج ستارے اور دیگر اجسام نیرہ چنانچہ نور الٰہی کے متعلق فرمایا:۔
قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ (۵-۱۵) بے شک تمہارے خدا کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔
وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ کَمَنْ مَّثَلُہٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْہَا (۶-۱۲۲) اور اس کے لئے روشنی کر دی جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کہیں اس شخص جیسا ہو سکتا ہے۔ جو اندھیرے میں پڑا ہو اور اس سے نکل نہ سکے۔
مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا (۴۲-۵۲) تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس کو نور بنایا کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔
اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ (۳۹-۲۲) بھلا جس شخص کا سینہ خدا نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو۔
نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ (۲۴-۳۵) روشنی پر روشنی ہو رہی ہے۔ خدا اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے۔ سیدھی راہ دکھاتا ہے۔
اور نور حسی کے متعلق فرمایا:۔
ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا (۱۰-۵) وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا۔
یہاں خاص کر سورج کو ضیاء اور قمر کو نور کہنے کی

وجہ یہ ہے کہ ضوء، نور سے اخص ہے۔
وَقَمَرًا مُّنِيْرًا۔ (۲۵-۶۱) اور چمکتا ہوا چاند بھی بنایا۔
یعنی روشن بنایا۔ اور بعض آیات میں نور عام معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے فرمایا۔
وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّوْرَ (۶-۱) اور اندھیرا اور روشنی بنائی۔
وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ (۵۷-۲۸) اور تمہارے لئے روشنی کر دے گا جس میں چلو گے۔
وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا (۳۹-۶۹) اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھیگی۔
اور نور اخروی کے متعلق فرمایا:۔
نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا (۶۶-۸) ان کا نور ایمان ان کے آگے اور داہنی طرف (روشنی کرتا ہوا) چل رہا ہوگا۔ اور وہ خدا سے التجا کریں گے کہ اے پروردگار ہمارا نور ہمارے لئے پورا کر۔
اُنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ (۵۷-۱۳) کہ ہماری طرف نظر شفقت کیجئے کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں۔
فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا (۵۷-۱۳) اور وہاں نور تلاش کرو۔
محاورہ ہے:۔
اَنَارَ اللّٰهُ كَذَا وَنَوَّرَهٗ اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو روشن کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات نور کہنا مُنَوِّرٌ ہونے کے لحاظ سے ہے۔
چنانچہ قرآن میں ہے:۔
اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۲۴-۳۵) خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔
نیز اس کا اپنی ذات کو نور کہنا روشنی میں مبالغہ کی وجہ سے ہے۔
اَلنَّارُ۔ اس شعلہ کو کہتے ہیں جو آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ (۵۶-۷۱) بھلا دیکھو کہ جو آگ تم درخت سے نکالتے ہو۔
مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا (۲-۱۷) ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی۔
اور نار کا اطلاق صرف حرارت اور نار جہنم پر بھی ہوتا ہے جیسے فرمایا:۔
اَلنَّارُ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (۲۲-۷۲) وہ دوزخ کی آگ جس کا خدا نے کافروں سے وعدہ کیا ہے۔
فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (۲-۲۴) تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔
نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ (۱۰۴-۶) وہ خدا کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔
الغرض اس قسم کی بہت سی آیات ہیں جن میں نَارٌ کا لفظ نار جہنم پر بولا گیا ہے اور نار بمعنی نار حرب بھی آتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
كُلَّمَا اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ (۵-۶۴) یہ جب لڑائی کی آگ جلاتے ہیں۔
بعض نے کہا ہے کہ نار اور نور کی اصل ایک ہی ہے اور عام طور پر یہ لازم ملزوم ہوتے ہیں۔ لیکن نار کو مقوین کے لئے متاع دنیوی قرار دیا ہے۔ اور نور کو متاع اخروی۔ اسی لئے نور کے متعلق اِقْتِبَاسٌ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ (۵۷-۱۳) کہ ہم بھی تمہارے

نور سے روشنی حاصل کریں۔
تَنَوَّرْتُ نَارًا میں نے آگ دیکھی۔
اَلْمَنَارَةُ یہ یا تو نور سے مَفْعَلَةٌ کے وزن پر ہے اور یا نار سے جیسے مَنَارَةُ السِّرَاجِ (چراغ پایہ) یا وہ جس پر کہ اذان دی جاتی ہے اور مَنَارُ الْاَرْضِ راستہ معلوم کرنے کے نشانات کو کہتے ہیں[1]۔
اَلتَّنَوُّرُ (جائے تہمت سے نفرت کرنا۔
نَارَتِ الْمَرْأَةُ (ن) نَوْرًا وَنَوَارًا۔ عورت کا تہمت سے دور رہنا۔
نُوْرُ الشَّجَرَةِ وَنَوَارُهٗ۔ درخت کی کلیاں، کیونکہ وہ سفیدی میں نور کے مشابہ ہوتی ہیں۔
نُوْرَۃٌ۔ گودنے کا پوڈر۔ اور اسی سے محاورہ ہے۔
نَوَّرَتِ الْمَرْأَةُ يَدَهَا۔ عورت کا ہاتھ پر گودنا اور گودنے سے چونکہ عضو کی خوبصورتی بڑھ جاتی ہے اس لئے اسے تَنْوِيْرٌ سے تعبیر کرلیتے ہیں۔

(ن و س)

اَلنَّاسُ بعض نے کہا ہے کہ اس کی اصل اُنَاسٌ ہے۔ ہمزہ کو حذف کرکے اس کے عوض الف لام لایا گیا ہے۔ اور بعض کے نزدیک نَسِیَ سے مقلوب ہے اور اس کی اصل اِنْسِیَانٌ بروزن اِفْعِلَانٌ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اصل میں نَاسَ یَنُوْسُ سے ہے جس کے معنی مضطرب ہونے کے ہیں۔ اور نُسْتُ الْاِبِلَ کے معنی اونٹ ہنکانے کے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ ذونواس بادشاہ کی وجہ تلقیب بھی یہی تھی کہ اس کے دراز گیسو اس کی پشت پر لہرایا کرتے تھے۔ اس صورت میں اس کی تصغیر نُوَیْسٌ ہوگی۔

قرآن میں ہے:۔
قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (۱۱۴-۱) کہو کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔
کبھی مجازاً نَاسٌ کا عام معنی مراد نہیں ہوتا بلکہ صرف فضلاء لوگ مراد لیتے ہیں اس وقت اس میں اِنْسَانِیَّة کا معنی ملحوظ ہوتا ہے یعنی جس میں کہ فضیلت، ذکر اخلاق حمیدہ اور خصوصیات انسانی علیٰ وجہ الاتم پائی جاتی ہیں کیونکہ جو چیز اپنے خواص سے عاری ہو وہ اس نام کی مستحق نہیں سمجھی جاتی۔ مثلاً ہاتھ میں اگر اس کے خصوصی وظیفہ کو ادا کرنے کی صلاحیت نہ ہو تو اس پر اور سریر کے پایہ پر اس کا اطلاق یکساں ہوگا پس آیت کریمہ:۔
اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ (۲-۱۳) جس طرح اور لوگ ایمان لائے تم بھی لے آؤ۔
میں اَلنَّاسُ سے کوئی خاص انسان مراد نہیں ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ ان لوگوں کی طرح ایمان لے آؤ جن میں انسانیت کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔
اسی طرح آیت:۔
اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (۴-۵۴) یا جو خدا نے لوگوں کو اپنے فضل سے دے رکھا ہے اس پر حسد کرتے ہیں۔
میں بھی اَلنَّاسُ سے خاص لوگ مراد نہیں ہیں۔ بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جن میں انسانیت کے اوصاف پائے جاتے ہیں اور کبھی اس سے نوع انسانی مراد لی جاتی ہے اور بعض نے آیت مذکورہ کو بھی اسی معنی پر حمل کیا ہے۔

---

[1] وفی الحدیث لعن اللہ من غیر منار الارض (الفائق ۲/۲۹۳)۔

(ن وش)

اَلنَّوْشُ۔ کے معنی کسی چیز پکڑنا کے ہیں شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۴۳۹) تَنُوْشُ الْبَرِیْرَ حَیْثُ طَابَ اهْتِصَارُھَا۔

وہ وہاں سے پیلو کھاتی ہے جہاں سے خوب جھکی ہوئی ہوں۔

بَرِیْرٌ کے معنی پیلو کے ہیں اور اِهْتِصَارٌ کے معنی مائل کرنے اور جھکانے کے چنانچہ محاورہ ہے: ھَصَرْتُ الْغُصْنَ۔ میں نے ٹہنی کو جھکایا۔

تَنَاوَشَ الْقَوْمُ۔ کسی چیز کو پکڑنا۔ قرآن میں ہے: اَنّٰی لَھُمُ التَّنَاوُشُ (۳۴-۵۲) تو (اب)..... ان کا ہاتھ ایمان کے لینے کو کیونکر پہنچ سکتا ہے؟ یعنی وہ دور جگہ سے ایمان کو کیسے حاصل کر سکتے ہیں جب کہ انہوں نے قریب جگہ سے اسے حاصل نہیں کیا جس وقت کہ ایمان لانا اور اس سے انتفاع حاصل کرنا ان کے اختیار میں تھا۔ تو یہ آیت کریمہ: یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیَاتِ رَبِّکَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُھَا الْاٰیَۃَ (۶-۱۵۹) مگر جس روز تمہارے پروردگار کی کچھ نشانیاں آجائیں گی تو...... اس وقت اسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہ دیگا۔ کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ پھر ایک قرأت میں اَلتَّنَاؤُشُ ہمزہ کے ساتھ ہے تو اس صورت میں یا تو یہ نَأْشٌ سے مشتق ہوگا جس کے معنی طلب کے ہیں اور یا اس کا ہمزہ واؤ سے مبدل ہوگا جیسے اُقِّتَتْ وَاَدْؤُرٌ میں ہے جو کہ اصل میں وُقِّتَتْ وَاَدْوُرٌ ہے۔

(ن وص)

نَاصَ اِلٰی کَذَا کے معنی کسی کے پاس پناہ لینے کے ہیں اور نَاصَ عَنْهُ یَنُوْصُ نَوْصًا کے معنی کسی کام سے پیچھے ہٹ جانا اور اس سے پھر جانا کے ہیں۔

اور مَنَاصٌ جائے پناہ کو کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے: وَلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ (۳۸-۳) اور وہاں کہیں پناہ لینے کا وقت نہیں رہا تھا۔

(ن ول)

اَلنَّوْلُ۔ کے معنی تناول کے ہیں اور یہ نِلْتُ کَذَا اَنُوْلُ نَوْلًا سے آتا ہے۔ اور اَنَلْتُهٗ (افعال) کے معنی کسی چیز کے عطا کرنے کے ہیں۔ اور یہ عَطَوْتُ کَذَا بمعنی تَنَاوَلْتُ اور اَعْطَیْتُهٗ بمعنی اَنَلْتُهٗ کی طرح ہے پھر نِلْتُ اصل میں نَوِلْتُ ہے اور محاورہ ہے: وَمَا کَانَ نَوْلُکَ اَنْ تَفْعَلَ کَذَا۔ یعنی ایسا کرنے میں تمہاری بہتری نہیں ہے شاعر نے کہا ہے[2] (الوافر)

(۴۴۰) جَزِعْتَ وَلَیْسَ ذٰلِکَ بِالنَّوَالِ

تم گھبرا گئے ہو اور یہ درست نہیں ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ نوال بمعنی صواب ہے اصل میں نوال اس عطا کو کہتے ہیں جو انسان حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا معنی یہ ہیں کہ اس سے تیری مراد

---

[1] قالہ ابو ذؤیب الہذلی وصدرہ: فما ام خشف بالعلایۃ شادن۔ والبیت فی اللسان (نوش، علا) ودیوان الہذلیین (۱: ۲۲) ومعجم البلدان (رسم: علایہ) والمعانی الکبیر ۲۱۲ والمحکم (علو) وفی روایتہما تال بدل طاب وا ہتصار ہا ای جذبہا۔

[2] قالہ لبید واولہ: وقفت بہن حتی قال صحبی۔ والبیت فی اللسان (نول) ۱۲

حاصل نہیں ہو سکتی۔ قرآن میں ہے۔
لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (۲۲-۳۷) خدا تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون بلکہ اس تک تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔

(ن و م)

اَلنَّوْمُ۔ اس کی تفسیر گئی ہے اور مختلف اعتبارات سے تمام وجوہ صحیح ہوسکتی ہیں۔
بعض نے کہا ہے کہ بخارات کی رطوبت سے اعصاب دماغ کے ڈھیلا ہونے کا نام نوم ہے۔ اور بعض کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا بغیر موت کے روح کو قبض کر لینے کا نام نوم ہے چنانچہ قرآن ہے:۔
اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (۳۹-۴۲) خدا لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے اور جو مرے نہیں ان کی (روحیں) سونے میں (قبض کر لیتا ہے)۔
اور بعض نوم کو موت خفیف اور موت کو نوم ثقیل کہتے ہیں رَجُلٌ نَؤُوْمٌ وَنُوَمَةٌ بہت زیادہ سونے والا اور مَنَامٌ بمعنی نوم آتا ہے۔
قرآن میں ہے:۔
وَمِنْ اٰيَاتِهٖ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ (۳۰-۲۳) اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے تمہارا رات میں ۔ ۔ ۔ ۔ سونا۔
وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا (۷۸-۹) اور نیند کو تمہارے لئے موجب آرام بنایا۔
لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (۲-۲۵۵) اسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔

نیز اَلنُّوَمَةُ کے معنی خامل الذکر یعنی گمنام بھی آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے:۔
اِسْتَنَامَ فُلَانٌ اِلٰى كَذَا کسی چیز سے اطمینان حاصل کرنا۔ مَنَامَةٌ۔ لباس خواب۔ نَامَتِ السُّوْقُ کساد بازاری ہونا۔
نَامَ الثَّوْبُ (لازم و متعدی) کپڑے کا پرانا ہونا یا کرنا۔ ان دونوں معنی میں نَامَ کا لفظ تشبیہ کے طور مجازًا استعمال ہوتا ہے۔

(ن و ن)

اَلنُّوْنُ۔ حرف ہجا میں سے ایک حرف کا نام ہے۔ قرآن میں ہے:۔
نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ (۶۸-۱) ن۔ قلم اور جو (اہل قلم) لکھتے ہیں اس کی قسم۔
اور نون بڑی مچھلی کو بھی کہتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔
وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ (۲۱-۸۷) اور ذا النون کو یاد کرو جب وہ (اپنی قوم سے ناراض ہوکر) چل دیئے۔
میں یونس علیہ السلام کو ذَا النُّوْنِ کہا ہے کیونکہ انہیں مچھلی نے نگل لیا تھا۔ اور حارث بن ظالم کی تلوار کا نام بھی ذَا النُّوْنِ تھا۔

(ن و ء)

نَاءَ بِجَانِبِهٖ يَنُوْءُ وَيَنَاءُ کے معنی پہلو پھیر لینے کے ہیں۔
ابو عبیدہ کے نزدیک نَاءَ مثل نَاعَ کے ہے جس کے معنی اٹھنے کے ہیں اور اَنَاءَهٗ کے معنی اٹھانے کے قرآن میں ہے۔
مَا اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓءُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ۔

(۲۸-۷۶) کہ ان کی کنجیاں ایک طاقت ور جماعت کو اٹھانی مشکل ہوتیں۔ اور آیت کریمہ: نَاٰی بِجَانِبِہٖ (۱۷-۸۳) اور پہلو پھیر لیتا ہے۔ میں ایک قراءت نَاءَ بروزن کا ہے جس کے معنی پہلو اٹھانا کے ہیں اور یہ تکبر سے کنایہ ہوتا ہے جیسا کہ شَمَخَ بِاَنْفِہٖ وَاَزْوَرَّ جَانِبُہٗ کا محاورہ ہے۔

ابو عمر کا قول ہے[1] کہ نَاٰی بروزن نعی کے ہے جس کے معنی اعراض کرنے کے ہیں اور ابو عبیدہ کے نزدیک نَاٰی یَنَاٰی کے معنی دور ہونے کے ہیں اور اسی سے اِنْتَاءَی بروزن اِفْتَعَلَ ہے اور مُنْتَاٰی کے معنی مکان بعید کے ہیں۔ اور اسی سے نُؤْیٌ ہے جس کے معنی خیمے کے گرد گڑھے کے ہیں جو بارش کے پانی کو اس سے دور رکھتا ہے۔ اور نَاٰی بِجَانِبِہٖ کے معنی پہلو تہی کرنے کے ہیں

اَلنِّیَّۃُ: یہ نَوَیْتُ کا مصدر ہے اور کبھی بطور اسم بھی استعمال ہوتا ہے اور اسکے معنی کسی کام کی جانب دل کے متوجہ ہونے کے ہیں۔ یہ نَاٰی کے باب سے قطعاً نہیں ہے۔

(ن ی ل)

اَلنَّیْلُ: ہر اس چیز کو کہتے ہیں جسے انسان اپنے ہاتھ سے پکڑ لیتا ہے۔ اور یہ نِلْتُہٗ اَنَالُہٗ نَیْلًا کا مصدر ہے۔ قرآن میں ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ (۳-۹۲) تم کبھی نیکی حاصل نہیں کر سکو گے۔

وَلَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا (۹-۱۲۰) یا دشمنوں سے کوئی چیز لیتے۔

لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًا (۳۳-۲۵) کچھ بھلائی حاصل نہ کر سکے۔

---

[1] ھو ابو عمرو بن العلاء بن عمار التمیمی المازنی عالم البصرۃ المشہور (ت ۱۵۴ھ) ترجمہ فی مراتب النحویین ۱۳-۲۰ واخبار النحویین (۲۲-۲۵) وطبقات النحویین للزبیدی (۲۸-۴۰) والمزھر ۹ ۳-۳۹۹ والبغیہ ۳۶۷ وطبقات القراء (۱: ۲۸۸-۲۹۲)

كِتَابُ الْوَاو

(و ب ر)

اَلْوَبَرُ کے معنی بیری اور اون کے ہیں اس کی جمع اَوْبَارٌ ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا (۱۶-۸۰) اور ان کی اون اور ریشم سے۔

اور جو لوگ ریشم کے خیموں میں زندگی بسر کرتے ہیں انہیں سُكَّانُ الْوَبَرِ بادیہ نشین کہا جاتا ہے۔

بَنَاتُ اَوْبَرَ۔ ردی قسم کے کھمبے جن پر بیری کی طرح کا مادہ ہوتا ہے۔ چھوٹی اور ردی قسم کی سانپ کی چھتری۔

وَبَّرَتِ الْاَرْنَبُ خرگوش کا اپنے پاؤں کے پچھلے حصہ کے لٹکے ہوئے بالوں سے اپنے قدموں کے نشانات کو مٹانا۔ وَتَبَرَ الرَّجُلُ فِيْ مَنْزِلِهٖ اپنے مکان سے باہر نہ نکلنا۔ یہ وَبْرٌ یعنی ریشم کے ساتھ تشبیہ دے کر کہا جاتا ہے گویا وہ اپنے گھر کے اندر ریشم کی طرح جما ہوا ہے، جیسا کہ تَلَبَّدَ بِمَكَانِ كَذَا کا محاورہ ہے یعنی وہ اپنے مکان کا لبدہ بنا ہوا ہے۔

وَبَارِ بعض نے کہا ہے کہ قوم عاد کے ایک علاقہ کا نام ہے۔

(و ب ق)

وَبَقَ (ض) وَبَقًا وَمَوْبِقًا ..... کے معنی ضعیف اور گراں بار ہوکر ہلاک ہو جانے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا (۱۸-۵۲) اور ہم ان کے بیچ میں ہلاکت کی جگہ بنا دیں گے۔

اَوْبَقَهٗ کسی کو ہلاک کرنا۔

اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا (۴۲-۳۴) یا ان کے اعمال کے سبب ان کو تباہ کر دے۔

(و ب ل)

اَلْوَبْلُ وَالْوَابِلُ کے معنی بڑی اور بھاری بوندوں والی بارش کے ہیں چنانچہ فرمایا:۔

فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا (۲-۲۶۵) مثال ایک باغ کی سی ہے جو اونچی جگہ پر واقع ہو جب اس پر بارش ہو۔

پھر معنی ثقل کے لحاظ سے ہر اس چیز کو وَبَالٌ کہا جاتا ہے جس سے ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ قرآن میں ہے:۔

ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ (۵۹-۱۵) اپنے کاموں کی سزا کا مزہ چکھ چکے ہیں۔

وَبِیْلٌ۔ وہ طعام یا گھاس جس کے کھانے سے بدہضمی اور ضرر کا اندیشہ ہو۔ قرآن میں ہے۔
فَاَخَذْنٰہُ اَخْذًا وَّبِیْلًا (۷۳-۱۶) تو ہم نے اس کو بڑے وبال میں پکڑ لیا۔

(و ت د)

اَلْوَتَدُ وَالْوَتِدُ (ج اَوْتَادٌ) کے معنی میخ کے ہیں۔ وَتَدْتُہٗ اَتِدُہٗ وَتْدًا کے معنی کسی چیز میں میخ لگا کر اسے مضبوط کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا (۷۸-۷) اور پہاڑوں کو (اس کی) میخیں نہیں ٹھہرایا۔ اور پہاڑوں کو زمین کی میخیں ٹھہرانے کی کیفیت اس کے بعد بیان ہوگی[1]۔ اور کبھی وَتْدٌ کی تاء کو ساکن اور پھر دال میں ادغام کرکے وَدٌّ بھی پڑھ لیتے ہیں۔
اَلْوَتِدَانِ دونوں کانوں کے سامنے کے حصّے جو میخ کی طرح ابھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

(و ت ر)

اَلْوِتْرُ (طاق) یہ اعداد میں شفع کی ضد ہے جس کی بحث آیت وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ (۸۹-۳) اور (جفت اور طاق کی قسم) کے تحت گزر چکی ہے[2]۔ اَوْتَرَ۔ وتر نماز پڑھنا۔
اَلْوَتْرُ وَالْوِتْرُ وَالتِّرَۃُ کے معنی کینہ کے ہیں اور اسی سے وَتَرْتُہٗ (ض) ہے جس کے معنی کسی کو تکلیف پہنچانے یا اس کا حق کم کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَلَنْ یَّتِرَکُمْ اَعْمَالَکُمْ (۴۷-۳۵) وہ ہرگز تمہارے اعمال کو کم (اور گم) نہیں کرے گا۔
اَلتَّوَاتُرُ کسی چیز کا یکے بعد دیگرے آنا محاورہ ہے جَاؤُا تَتْرٰی (وہ یکے بعد دیگرے کچھ وقفہ کے بعد آئے)۔ قرآن میں ہے:۔
ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا (۲۳-۴۴) پھر ہم پے در پے اپنے پیغمبر بھیجتے رہے۔
لَا وَتِیْرَۃَ فِیْ کَذَا وَلَا غَمِیْزَۃَ وَلَا غَیْرَ اس میں عقلی کمزوری یا کوئی دوسرا عیب نہیں ہے اور تَوَاتُرٌ سے وَتِیْرَۃٌ ہے جس کے معنی سَجِیَّۃٌ (طبعی عادت کے) بھی آتے ہیں۔ نیز وَتِیْرَۃٌ کا لفظ حسب ذیل معانی میں استعمال ہوتا ہے۔
(۱) وہ حلقہ جس پر بچے تیر اندازی کی مشق کرتے ہیں۔
(۲) نرم زمین (۳) ناک کے نتھنوں کا درمیانی پردہ۔

(و ت ن)

اَلْوَتِیْنُ (رگ جان) اس رگ کو کہتے ہیں جو جگر کو خون پہنچاتی ہے۔ اور اس کے کٹ جانے سے انسان مرجاتا ہے۔ قرآن میں ہے۔
ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْہُ الْوَتِیْنَ (۶۹-۴۶) پھر اس کی رگ گردن کاٹ ڈالتے۔
اَلْمُوَاتَنَۃُ (مفاعلہ) کے معنی شاہ رگ کی طرح قریب ہونے کے ہیں گویا آیت:۔
وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (۵۰-۱۶) اور ہم اس کی رگ جان سے بھی اس کے زیادہ قریب ہیں میں بھی اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔

---

[1] وفی القرآن: وفرعون ذی الاوتاد (۳۸-۱۲) قال البیضاوی معناہ ذو الجموع الکثیرۃ وفی الکتاب ذو الملک الثابت وکذا فی الروح (۲۳-۱۵۵) ÷ [2] ملاحظہ ہو عنوان (ش ف ع) ÷ ÷ ÷ ÷ ÷ ÷

اِسْتَوْ ثَنَ الْاِبِلُ موٹاپے کی وجہ سے اونٹ کی رگ گردن کا غلیظ اور موٹا ہو جانا۔

(و ث ق)

وَثِقْتُ بِهٖ اَثِقُ ثِقَةً کسی پر اعتماد کرنا اور مطمئن ہونا۔

اَوْثَقَهٗ ... (افعال) زنجیر میں جکڑنا، رسی سے کس کر باندھنا۔

اَلْوَثَاقُ وَالْوِثَاقُ اس زنجیر یا رسی کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو کس کر باندھ دیا جائے۔

قرآن میں ہے:۔

وَلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗ اَحَدٌ (۸۹-۲۶) اور نہ کوئی ایسا جکڑنا جکڑے گا۔

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ (۴۷-۴) یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ پکڑے جائیں ان کو) قید کر لو۔

اَلْمِيْثَاقُ کے معنی پختہ عہد و پیمان کے ہیں جو قسموں کے ساتھ مؤکد کیا گیا ہو۔ قرآن میں ہے:۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ (۳۳-۷) اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا۔

وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا (۳۳-۷) اور عہد بھی ان سے پکا لیا۔

اَلْمَوْثِقُ (اسم) پختہ عہد و پیمان کو کہتے ہیں۔

قرآن میں ہے:۔

حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ ... مَوْثِقَهُمْ (۱۲-۶۶) کہ جب تک تم خدا کا عہد نہ دو۔

اَلْوُثْقٰى یہ اَوْثَقُ (افعل) کی مؤنث ہے اور قریب قریب مَوْثِقٌ کے ہم معنی ہے۔

قرآن میں ہے:۔

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى (۲-۲۵۶) اس نے ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں پکڑ لی۔

ثِقَةٌ قابل بھروسہ آدمی، یہ مفرد اور جمع دونوں پر بولا جاتا ہے۔ جیسے رَجُلٌ ثِقَةٌ وَقَوْمٌ ثِقَةٌ اور بطور استعارہ مَوْثُوْقٌ (معتمد) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

نَاقَةٌ مُوَثَّقَةُ الْخَلْقِ مضبوط بناوٹ کی اونٹنی۔

(و ث ن)

اَلْوَثَنُ (بُت) اس کی جمع اَوْثَانٌ ہے اور اَوْثَانٌ ان پتھروں کو کہا گیا ہے جن کی جاہلیت میں پرستش کی جاتی تھی۔ قرآن میں ہے:۔

اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا (۲۹-۲۵) کہ تم جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو[1]۔

اَوْثَنْتُ فُلَانًا کسی کو بڑا عطیہ دینا۔

اَوْثَنْتُ مِنْ كَذَا کسی کام کو کثرت سے کرنا۔

(و ج ب)

اَلْوُجُوْبُ (ض) کے معنی ثبوت کے ہیں اور واجب کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) ممکن کے بالمقابل۔ یعنی وہ چیز جو ضروری الثبوت ہو اور اس کا ارتفاع فرض کرنے سے محال لازم آئے جیسے کہا جاتا ہے۔

وُجُوْدُ الْوَاحِدِ مَعَ وُجُوْدِ الْاِثْنَيْنِ وَاجِبٌ دو کے ساتھ ایک کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۲) وہ کام جس کے نہ کرنے سے انسان قابل ملامت سمجھا جائے یہ دو قسم پر ہے: (الف)

---

[1] انظر: ۲۹-۱۷۔

واجب مِنْ جِهَةِ الْعَقْلِ جیسے اللہ کی واحدانیت اور نبوت کہ ان کی معرفت عقلاً واجب ہے (ب) واجب مِنْ جِهَةِ الشَّرْعِ یعنی وہ فعل جس کا وجوب شریعت سے ثابت ہو جیسے وُجُوْبُ الْعِبَادَاتِ الْمُوَظَّفَةِ یعنی فرضی عبادات کا وجوب وَجَبَتِ الشَّمْسُ کے معنی سورج کے گرنے یعنی غروب ہونے کے ہیں چنانچہ معنی سقوط کے لحاظ سے فرمایا:۔

فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا (۲۲-۳۶) تو جب وہ اپنے پہلوؤں پر گر پڑیں ۔

وَجَبَ الْقَلْبُ وُجُوْبًا دل کا دھڑکنا، اس میں بھی معنی سقوط معتبر ہے اور اَوْجَبَ (افعال) بھی ان تمام معانی میں استعمال ہوتا ہے اور کبائر گناہ کو مُوْجِبَاتٌ کہا گیا ہے کیونکہ ان کے ارتکاب سے دوزخ کا عذاب واجب ہو جاتا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ واجب کا استعمال دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک وہ چیز جس کا عدم ناممکن ہو جیسے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ واجب الوجود ہے دوسرے واجب اسے کہتے ہیں جس میں موجود ہونے کی صلاحیت پیدا ہو چکی ہو اور فقہا کا یہ کہنا کہ واجب وہ ہے جس کے نہ کرنے سے انسان عقوبت کا مستحق ہو تو یہ تَعْرِيْفُ الشَّيْءِ بِالْعَوَارِضِ کے قبیل سے ہے۔ کیونکہ استحقاق عقوبت اس کا وصف لازم نہیں ہے۔ اور یہ ایسے ہی ہے جس طرح کہ انسان کی تعریف میں کہا جائے مُسْتَقِيْمُ الْقَامَةِ وَالْمَاشِيْ عَلَى الرِّجْلَيْنِ

(و ج د)

اَلْوُجُوْدُ (ض) کے معنی کسی چیز کو پالینا کے ہیں اور یہ کئی طرح پر استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ حواس خمسہ میں سے کسی ایک حاسہ کے ساتھ ادراک کرنا جیسے وَجَدْتُ زَيْدًا (حاسہ بصر) وَجَدْتُ طَعْمَهٗ (حاسہ ذوق) وَجَدْتُ سَمْعَهٗ (حاسہ سمع) وَجَدْتُ خُشُوْنَتَهٗ (حاسہ لمس)۔

۲۔ قوی باطنہ کے ساتھ کسی چیز کا ادراک کرنا۔ جیسے وَجَدْتُ الشِّبَعَ (میں نے سیری کو پایا) کہ اس کا تعلق قوت شہویہ کے ساتھ ہے۔ وَجَدْتُ الْحُزْنَ اَوِ السَّخَطَ (میں نے غصہ یا غم کو پایا) اس کا تعلق قوت غضبیہ کے ساتھ ہے۔ اور بذریعہ عقل کے کسی چیز کو پالینا جیسے اللہ تعالیٰ یا نبوت کی معرفت کہ اسے بھی وجدان کہا جاتا ہے۔ جب وجود (پالینا) کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے تو اس کے معنی محض کسی چیز کا علم حاصل کر لینا کے ہوتے ہیں۔ کیونکہ ذات باری تعالےٰ جوارح اور آلات کے ذریعہ کسی چیز کو حاصل کرنے سے منزہ اور پاک ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ (۷-۱۰۱) اور ہم نے ان میں سے اکثروں میں عہد (کا نباہ) نہیں دیکھا اور ان میں اکثروں کو (دیکھا تو) . . . . بدعہد دیکھا۔ اس کے بالمقابل معدوم کے بھی کئی معنی آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کو پالینا کسی ایسے طریق سے ہوتا ہے جو تمام مذکورہ وجوہ سے بالا ہو۔

اور کبھی کسی چیز پر تمکن (قدرت) حاصل کر لینے کو بھی وجود سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (۹-۵) تم مشرکوں کو جہاں قدرت پاؤ قتل کر دو۔

اور آیت کریمہ :۔
فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ (۲۸-۱۵) تو دیکھا کہ وہاں دو شخص لڑ رہے ہیں ۔ میں بھی وَجَدَ بمعنی تَمَكَّنَ ہے ۔ اور آیت کریمہ :۔
وَجَدْتُ امْرَاَۃً ۔ يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ (۲۷-۲۳-۲۴) میں نے ایک عورت دیکھی ...... (وہ اور اس کی قوم) آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں ۔ میں وجود بلحاظ بصر اور بصیرت مراد ہے کیونکہ ہُدہُد نے آنکھوں سے ان کو دیکھا بھی تھا اور پھر بصیرت سے ان کی حالت کا اندازہ بھی لگایا تھا ۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس کا وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا الآیۃ کہنا صحیح نہیں ہو سکتا (کیونکہ تمام قوم کو تو اس نے سورج کی پرستش کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا بلکہ کچھ اقتبار اور قیاس سے بھی کام لیا تھا) اور آیت :۔
فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً (۴-۴۳) اور تمہیں پانی نہ ملے ۔ میں لَمْ تَجِدُوْا بمعنی لَمْ تَقْدِرُوْا ہے یعنی اگر تمہیں پانی پر قدرت نہ ہو ۔ اور آیت :۔
مِنْ وُّجْدِكُمْ (۶۵-۶) مقدور کے مطابق ۔ میں وُجْد سے مقدور یا مالی حالت مراد ہے ۔ اور غنی (تونگری) کو وُجْدٌ اور جِدَۃٌ سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ اور وُجْد میں وَجْدٌ اور وِجْد (بفتحہ واو وکسرہ آں) بھی حکایت کیا گیا ہے ۔ اور وَجْدٌ کے معنی غم اور محبت کے بھی آتے ہیں ۔ اور مَوْجِدَۃٌ غصہ کو کہتے ہیں ۔ اور وجود کے معنی گم شدہ چیز کو پالینا بھی آتے ہیں ۔
بعض نے کہا ہے کہ موجودات تین قسم پر ہیں ۔ ایک وہ جو ازلی اور ابدی ہو ۔ یعنی اس کی ابتدا اور انتہا نہ ہو اور یہ صرف ذات باری تعالیٰ ہی ہے ۔ دوم وہ ہے جو مبدأ اور منتہیٰ رکھتی ہو جیسے اس دنیا میں انسان اور عالم دنیا کے دیگر جواہر ۔ تیسری قسم موجودات کی وہ ہے جن کا مبدأ تو ہے لیکن منتہیٰ نہیں ہے ۔ جیسے عالم آخرت کا انسان ۔

(و ج س)

اَلْوَجْسُ کے معنی صوت خفی کے ہیں اور تَوَجُّسٌ (تفعل) خفی آواز سننے کی کوشش کرنے کو کہتے ہیں اور اِيْجَاسٌ کے معنی دل میں کوئی بات محسوس کرنے کے ہیں ۔ چنانچہ فرمایا :۔
فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى (۲۰-۶۷) (اس وقت) موسیٰ نے اپنے دل میں خوف معلوم کیا ۔ لہذا وَجْسٌ اس حالت کو کہتے ہیں جو کسی (خطرہ) کے بعد دل میں پیدا ہوتی ہے اور جو چیز میں اُبھتی ہے اسے هَاجِسٌ اور اس کے بعد کی حالت کو وَاجِسٌ کہا جاتا ہے ۔

(و ج ف)

اَلْوَجِيْفُ کے معنی تیز رفتاری کے ہیں اور اَوْجَفْتُ الْبَعِيْرَ کے معنی ہیں میں نے اونٹ کو تیز دوڑایا (قرآن میں ہے ۔
فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ (۵۹-۶) کیونکہ اس کے لئے نہ تم نے گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ ۔ مثل مشہور ہے ۔
اَدَلَّ فَاَمَلَّ وَاَوْجَفَ فَاَعْجَفَ یعنی گھوڑے کو تیز دوڑا کر دبلا کر دیا ۔ وَجَفَ الشَّيْءُ کسی چیز کا مضطرب ہونا ۔ قَلْبٌ وَّاجِفٌ مضطرب دل جیسے فرمایا :۔
قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ (۷۹-۸) اس دن

(لوگوں کے) دل خائف ہو رہے ہوں گے۔
یعنی مضطرب اور پریشان ہوں گے جیسا کہ قلوب کے اضطراب کے لئے طَائِرٌ یا خَافِقَۃٌ وغیرہ الفاظ بطور استعارہ استعمال ہوتے ہیں۔

(و ج ل)

اَلْوَجَلُ کے معنی دل ہی دل میں خوف محسوس کرنے کے ہیں اور یہ باب وَجِلَ یَوْجَلُ کا مصدر ہے۔ جس کے معنی ڈرنے یا گھبرانے کے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ (۸-۲) مومن تو وہ ہیں کہ جب خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو انکے دل ڈر جاتے ہیں۔
اِنَّا مِنْکُمْ وَجِلُوْنَ (۱۵-۵۲) (انہوں نے کہا) ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ یہ وَجِلٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ڈرنے والا۔
قَالُوْا لَا تَوْجَلْ (۱۵-۵۳) (مہمانوں نے) کہا کہ ڈریئے نہیں۔
وَقُلُوْبُھُمْ وَجِلَۃٌ (۲۳-۶۰) اور ان کے دل ...... ڈرتے رہتے ہیں۔

(و ج ہ)

اَلْوَجْہُ کے اصل معنی چہرہ کے ہیں۔ ج وُجُوْہٌ جیسے فرمایا:۔
فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ (۵-۶) تو اپنے منہ اور ہاتھ دھو لیا کرو۔
وَتَغْشٰی وُجُوْھَھُمُ النَّارُ (۱۴-۵۰) اور انکے چہروں پر آگ لپٹ رہی ہوگی۔
اور چونکہ استقبال کے وقت سب سے پہلے انسان کا چہرہ سامنے آتا ہے۔ اس لئے کسی چیز کا وہ حصہ جو سب سے پہلے سامنے آئے اسے وجہ کہہ لیتے ہیں۔ نیز ہر چیز کے اشرف حصہ اور مبدا پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے جیسے وَجْہُ کَذَا اس کا اول حصہ۔
وَجْہُ النَّھَارِ دن کا اول حصہ اور آیت کریمہ:۔
وَیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ (۵۵-۲۷) اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات (بابرکت) جو صاحب جلال وعظمت ہے ...... باقی رہ جائے گی۔
میں بعض نے وجہ سے ذات باری تعالیٰ مراد لی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے۔ کہ وَجْہُ رَبِّکَ سے اعمال صالحہ مراد ہیں۔ جن سے ذات باری تعالیٰ کی رضاجوئی مقصود ہوتی ہے۔ نیز فرمایا:۔
فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ (۲-۱۱۵) تو جدھر تم رخ کرو ادھر اللہ کی ذات ہے۔
کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ (۲۸-۸۸) اس کی ذات پاک کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔
یُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ (۳۰-۳۸) جو لوگ رضائے خدا کے طالب ہیں۔
اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ (۷۶-۹) اور کہتے ہیں کہ ہم تو خالص خدا کے لئے کھلاتے ہیں۔
ان تمام آیات میں بعض نے کہا ہے کہ وجہ اللہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے لہذا آیت کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ کے معنی یہ ہیں کہ باستثناء ذات باری تعالیٰ ہر چیز نابود ہونے والی ہے۔ اور اسی قسم کی دوسری آیات میں بھی یہی معنی مراد ہیں۔ مروی ہے کہ ابی عبداللہ بن الرضا نے کہا ہے سبحان اللہ لوگ بہت بڑا کلمہ کہتے ہیں۔

آیت ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ میں توجہ کے معنی جہت
قصد کے ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ بقا صرف
انہیں اعمال کو حاصل ہوگی جن سے ذات باری
تعالیٰ کا قصد کیا جائے اور دیگر آیات بھی
اسی معنی پر محمول ہیں۔ اور یہی معنی آیت یُرِیْدُوْنَ
وَجْہَ اللّٰہِ (۳۰-۳۸) جو لوگ رضائے خدا
کے طالب ہیں۔ اور:۔
یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ (۱۸-۲۸) اس کی خوشنودی
کے طالب ہیں۔ میں مراد ہیں۔ اور آیت:۔
وَاَقِیْمُوْا وُجُوْھَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (۷-۲۹)
اور ہر نماز کے وقت سیدھا (قبلے کی طرف)
رخ کیا کرو۔
میں بعض نے کہا ہے کہ وجوہ سے مراد چہرے ہیں۔ اور یہ
فَعَلْتُ کَذَا بِیَدِیْ کی طرح بطور استعارہ کے
استعمال ہوا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ وجہ
کے معنی متوجہ ہونے کے ہیں اور اقامت کے
معنی استقامت کا قصد کرنے کے ہیں اور مطلب
یہ ہے کہ نماز میں خالص رضا الٰہی کا قصد کرو۔
(یعنی ریاکاری وغیرہ سے کام نہ لو) چنانچہ آیات:۔
فَاِنْ حَآجُّوْکَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْھِیَ لِلّٰہِ
(۳-۲۰) (اے پیغمبر) اگر لوگ تم سے جھگڑنے
لگیں تو کہدو کہ میں اور میرے پیرو کار) تو خدا کے
فرمانبردار ہو چکے ہیں۔
وَمَنْ یُّسْلِمْ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ
اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی (۳۱-۲۲) اور جو
اپنے تئیں خدا کا فرمانبردار کردے اور نیکوکار بھی
ہو تو اس نے مضبوط دستاویز ہاتھ میں لے لی۔
وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ
(۴-۱۲۵) اور اس شخص سے کس کا دین اچھا ہو
سکتا ہے جس نے حکم خدا کو قبول کیا۔
فَاَقِمْ وَجْھَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا (۳۰-۳۰) تو تم
ایک طرف ہو کر (دین خدا کے رستے) پر سیدھا
منہ کئے چلے جاؤ۔
میں وجہ سے خدا کی رضا جوئی اور اس کی جانب
متوجہ ہونا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اور استعارہ
کے طور پر مذہب یا طریقہ بھی مراد لے سکتے ہیں۔
اسی طرح فرمایا:۔
وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ مِنْ نِّعْمَۃٍ تُجْزٰٓی اِلَّا
ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّہِ الْاَعْلٰی (۹۲-۱۶) اور اس
لئے (نہیں دیتا) کہ اس پر کسی کا احسان ہے (جس
کا وہ بدلہ اتارتا ہے۔ بلکہ اپنے خداوند اعلیٰ کی رضامندی
حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے۔ اور آیت:۔
اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْہَ
النَّھَارِ (۳-۷۲) کہ جو کتاب مومنوں پر نازل ہوئی
اس پر دن کے شروع میں تو ایمان لے آیا کرو۔
میں وجہ النہار کے معنی دن کے شروع حصہ کے
ہیں۔ وَاجَھْتُ فُلَانًا کے معنی کسی کے آمنے سامنے
ہونے کے ہیں۔ اور وَجْہٌ کے معنی قصد بھی آتے
ہیں اور جِھَۃٌ اور وِجْھَۃٌ کے معنی مقصد کے
ہیں یعنی کسی چیز کی طرف متوجہ ہونے کی جگہ۔
قرآن میں ہے:۔
وَلِکُلٍّ وِّجْھَۃٌ ھُوَ مُوَلِّیْھَا (۲-۱۴۸) اور ہر
ایک فرقے کے لئے ایک سمت مقرر ہے۔
تو وِجْھَۃٌ سے شریعت کی طرف اشارہ ہے جیسا
کہ دوسری آیت میں فرمایا:۔
لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَۃً وَّمِنْھَاجًا (۵-۱۴۸)
ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کے لئے ایک
دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔

اَلْجَاہُ۔ مرتبہ بعض نے کہا ہے کہ یہ وجہ سے مقلوب ہے لیکن وجہ کا لفظ عزت مرتبہ اور چہرہ دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور جَاہٌ کے معنی صرف مرتبہ کے آتے ہیں۔ وَجَّهْتُ الشَّیْءَ کے معنی کسی چیز کو ایک جانب بھیجنے کے ہیں اور تَوَجَّهَ کے معنی از خود جانے کے۔

فُلَانٌ وَجْهُ الْقَوْمِ کے معنی رئیس قوم کے ہیں جیسا کہ قوم کے رئیس اور سردار کو اَنْفُهُمْ وَ عَیْنُهُمْ اور اسی قسم کے دیگر الفاظ سے تعبیر کرلیتے ہیں۔

فُلَانٌ وَجِیْهٌ اَوْ ذُوْ جَاہٍ فلاں صاحب وجاہت ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (۳-۴۵) اور جو دنیا اور آخرت میں باآبرو ہوگا۔

ایک محاورہ ہے:۔

اَحْمَقُ مَا یَتَوَجَّهُ بِهٖ یعنی وہ انتہائی درجہ کا احمق ہے اور کبھی بِهٖ کو حذف کرکے بھی بولتے ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ حماقت کی وجہ سے وہ کوئی کام بھی صحیح طور پر نہیں کرسکتا۔

اَلتَّوْجِیْهُ علم عروض میں اس حرف کو کہتے ہیں جو الف تاسیس اور حرف روی کے درمیان ہو۔

(و ح د)

اَلْوَحْدَةُ کے معنی یگانگت کے ہیں اور واحد درحقیقت وہ چیز ہے جس کا قطعاً کوئی جزء نہ ہو پھر اس کا اطلاق ہر موجود پر ہوتا ہے حتی کہ ہر اسم عدد اس کے ساتھ متصف ہوسکتا ہے۔ جیسے عَشَرَةٌ وَاحِدَةٌ (ایک عشرہ) مِائَةٌ وَاحِدَةٌ (ایک سو) اَلْفٌ وَاحِدٌ (ایک ہزار) پس وَاحِدٌ کا لفظ مشترک ہے جو چھ طرح پر استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ واحد بلحاظ جنس یا نوع کے جیسے کہا جاتا ہے کہ انسان اور فرس دونوں ایک ہی ہیں یعنی بلحاظ جنس ایک ہی ہیں۔ یا زید اور عمرو ایک ہیں یعنی بلحاظ نوع کے ایک ہیں۔

۲۔ واحد بالاتصال۔ یعنی کئی اجزاء مل کر ایک ہو جائیں عام اس سے کہ وہ اتصال خلقی ہو جیسے شخص واحد یا صناعی ہو جیسے حِرْفَةٌ وَاحِدَةٌ۔

۳۔ یکتا اور بے نظیر خواہ وہ یکتائی بلحاظ خلقت کے ہو جیسے اَلشَّمْسُ وَاحِدَةٌ یا بلحاظ دعوائے فضیلت کے ہو جیسے فُلَانٌ وَاحِدُ عَصْرِهٖ (فلاں یکتائے روزگار ہے۔ یا ھُوَ نَسِیْجُ وَحْدِهٖ (وہ اپنی طرز کا ایک ہے یعنی صاحب الرائے ہونے میں اس کا کوئی شبیہ نہیں ہے[1]۔

۴۔ وہ جس میں تجزی ممتنع ہو خواہ وہ امتناع صغر جسم کی وجہ سے ہو جیسے ذرہ یا صلابت کی وجہ سے جیسے الماس یعنی ہیرا۔

۵۔ بمعنی مبدا آتا ہے۔ خواہ وہ مبدائے اعداد ہو جیسے وَاحِدٌ اِثْنَانِ یا مبدء خط جیسے نقطہ۔

الحاصل ان سب اقسام کو وحدۃ کے معنی عارض ہوتے ہیں لیکن (۶) جب واحد کا لفظ باری تعالیٰ پر بولا جاتا ہے۔ جیسے اَللّٰهُ وَاحِدٌ تو اس سے مراد وہ ذات ہوتی ہے جس میں تجزی یا تکثر ناممکن ہو اور اس قسم کی وحدت چونکہ بمشکل ہی سمجھ میں آسکتی ہے اس لئے فرمایا:۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ (۳۹-۴۵) اور جب تنہا خدا کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تو جو لوگ آخرت

---

[1] وقالت عائشۃ فی عمر کان واللہ احوذیا نسیج وحدہ (اللسان وحد وا س)

پر یقین نہیں رکھتے ان کے دل منقبض ہوجاتے ہیں۔
اَلْوَحَدُ کے معنی اکیلا کے ہیں اور غیر اللہ کی صفت بھی واقع ہوتا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[1] (البسیط)

عَلَی مُسْتَأْنِسٍ وَحَدٍ (۱۴۴)

لیکن اَحَدٌ کا لفظ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور ھُوَ نَسِیْجُ وَحْدِہٖ کی طرح فُلَانٌ لَا وَاحِدَ لَہٗ کا محاورہ بھی مشہور ہے اور ذم کے لئے ھُوَ عُیَیْرُ وَحْدِہٖ یا جُحَیْشُ وَحْدِہٖ کہا جاتا ہے یعنی وہ کمزور رائے ہے اور جب معمولی سی مذمت کرنا مقصود ہوتی ہے تو رُجَیْلُ وَحْدِہٖ کہدیتے ہیں۔

و ح ش

اَلْوَحْشُ یہ اَلْاِنْسُ کی ضد ہے اور وہ جانور جو انسان سے مانوس نہیں ہوتے۔ انہیں وَحْشٌ کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع وُحُوْشٌ ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔
وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ (۸۱-۵) اور جب وحشی جانور جمع کئے جائیں گے۔
اور مَکَانٌ وَحْشٌ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوئی آبادی نہ ہو جیسے کہا جاتا ہے:۔
لَقِیْتُہٗ بِوَحْشٍ اِصْمِتَ یعنی میں نے ویران جگہ میں اس سے ملاقات کی[2]۔
بَاتَ فُلَانٌ وَحْشًا اس نے بھوکے رات گزاری اس کی جمع اَوْحَاشٌ آتی ہے۔
اور وَحْشٌ سے اَرْضٌ مُوْحِشَۃٌ (ویران جگہ) کا محاورہ ہے اور اس کی طرف نسبت کے وقت وَحْشِیٌّ کہا جاتا ہے۔ اور وَحْشِیُّ اِلْاِنْسِیِّ کے بالمقابل بھی آتا ہے۔ اور کسی شے کی ہر وہ جہت جو انسان کی طرف ہو اسے اِنْسِیٌّ اور دوسری جانب کو وَحْشِیٌّ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی معنی میں وَحْشِیُّ الْقَوْسِ وَاِنْسِیُّہٗ کا محاورہ آتا ہے۔

(و ح ی)

اَلْوَحْیُ کے اصل معنی اشارہ سریعہ کے ہیں۔ اور اس کے معنی سرعت کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہر تیز رفتار معاملہ کو اَمْرٌ وَحْیٌ کہا جاتا ہے۔ اور یہ (وحی) کبھی رمز و تعریض کے طور پر بذریعہ کلام کے ہوتی ہے۔ اور کبھی[1] صوت مجرد کی صورت میں ہوتی ہے۔ یعنی اس میں ترکیب الفاظ نہیں ہوتی۔ اور کبھی[2] بذریعہ جوارح کے اور کبھی[3] بذریعہ کتابت کے اس بنا پر آیت:۔
فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِہٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰی اِلَیْھِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُکْرَۃً وَّعَشِیًّا (۱۹-۱۱)
پھر وہ (عبادت کے) حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے تو ان سے اشارے سے کہا کہ صبح و شام خدا کو یاد کرتے رہو۔
میں بعض نے اَوْحٰی کے معنی رَمَزَ اور بعض نے کَتَبَ (لکھنا) اور بعض نے اغتیار کر لیا کئے ہیں اور آیت:۔ وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (۶-۱۱۳)
اور اسی طرح ہم نے شیاطین (سیرت) جنوں اور انسان کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا تھا۔ وہ دھوکہ دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے۔

---

[1] تمامہ النابغۃ وتکملۃ البیت:۔ کان رحلی وقد زال النہار بنا۔ بذی الجلیل علی مستأنس وحد۔ وتحقیر بجہ فی دان س۔ [2] ای مکان لا انیس فیہ انظر للکلمۃ الیہ الی ۲/۱۸۴۔

میں بھی وحی کا لفظ مذکورہ بالا وجوہ پر حمل کیا جا سکتا ہے۔ اور آیت :۔

وَاِنَّ الشَّیَاطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰی اَوْلِیَآءِھِمْ (۶-۱۲۱) اور شیطان (لوگ) اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں۔

میں بعض نے کہا ہے کہ ایحاء بمعنی وسوسہ اندازی کے ہے جس کی طرف کہ آیت :۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ (۱۱۴-۴) (شیطان) وسوسہ انداز کی برائی سے جو (خدا کا نام سن کر) پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

میں اشارہ پایا جاتا ہے۔

نیز حدیث میں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا (۱۳۴) وَاِنَّ لِلشَّیْطَانِ لَمَّۃً کہ شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ اور شریعت میں کلمہ الہیہ کو وحی کہا جاتا ہے۔ جو انبیاء و اولیاء کی طرف القاء کیا جاتا ہے۔ اس کی چند صورتیں ہیں۔ جیسا کہ آیت :۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ الآيۃ (۴۲-۵۱) اور کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں ہے کہ خدا اس سے بات کرے۔ مگر الہام (کے ذریعہ) سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے تو وہ خدا کے حکم سے جو خدا چاہے القا کرے۔

سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی یا تو فرشتہ کے ذریعہ ہوتی ہے۔ جو ظاہری آنکھوں سے نظر آتا ہے اور اس کا کلام سنائی دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت جبریل ایک معین شکل میں آکر آنحضرت تک پیغام رسالت پہنچایا کرتے تھے۔ چنانچہ جملہ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا میں اس معنی کو بیان فرمایا ہے۔

وحی کی دوسری صورت یہ ہے کہ پردے کے پیچھے سے کلام سنائی دے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور یہی معنی مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ کے ہیں وحی کی یہ دونوں قسمیں انبیاء کے ساتھ مخصوص ہیں۔

وحی کی تیسری صورت القاء فی الروع کی ہے یعنی دل میں کسی بات کا ڈال دینا۔ جیسا کہ آنحضرت نے فرمایا (۱۳۵)

اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِيْ رُوْعِيْ کہ روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی۔

اور کبھی وحی بذریعہ الہام ہوتی ہے جیسے فرمایا :۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ (۲۸-۷) اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی بھیجی کہ اسکو دودھ پلاؤ۔

اور کبھی وحی تسخیری ہوتی ہے یعنی کسی چیز کو اس کے کام پر مامور کرنا جیسے فرمایا :۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ (۱۶-۶۸) اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کو ارشاد فرمایا :۔

اور کبھی نیند میں خواب کے ذریعے جیسا کہ آنحضرت نے فرمایا (۱۳۶) اِنْقَطَعَ الْوَحْيُ وَبَقِيَتِ الْمُبَشِّرَاتُ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ کہ وحی تو منقطع ہو چکی ہے مگر مبشرات یعنی رویا مومن باقی رہ گئے ہیں۔

اور وحی کی ان ہر سہ اقسام یعنی الہام تسخیر اور رویا پر آیت اِلَّا وَحْيًا دلالت کرتی ہے۔ اور آیت کریمہ :۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

ل وتمامہ وللملک لمۃ فاما لمۃ الشیطان فایعاد بالشر وتکذیب بالحق الحدیث رواہ ابن حبان فی زوائدہ ص ۴۰ ۲ الحدیث لی النافلۃ
۲۸۵ وانظر التخریجہ فی (روع) و (نفث) ۳ قدم تخریجہ فی (ب ش ر) ۱۲

أَوْ قَالَ أُوْحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ (٦-٩٤) اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ افترا کرے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آئی ہے حالانکہ اس پر کچھ بھی وحی نہ آئی ہو۔
عام ہے اور ہر اس شخص پر چسپاں ہوسکتی ہے جو مذکورہ بالا اقسام وحی میں سے کسی ایک قسم کی وحی کا جھوٹا دعویٰ کرے۔ اور آیت :۔
وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ الآيَة (٢١-١٥) اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی . . . . . .
میں بھی وحی کا لفظ جمیع انواع وحی کو شامل ہے۔ کیونکہ اس آیت میں وحی کے تحت اللہ تعالےٰ کی وحدانیت اور اس کی عبادت کا ذکر ہے اور ان دونوں چیزوں کی معرفت اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ چیز جس طرح خدا علیہ السلام سے بذریعہ سماعت کے حاصل ہوسکتی ہے۔ ایسے ہی عقل والہام سے بھی حاصل ہوسکتی ہے . . . پس اس میں صرف اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ وہ شخص کبھی بھی اللہ تعالےٰ کا سچا پیغمبر نہیں ہوسکتا۔ جسے باری تعالےٰ کی وحدانیت اور اس کی وجوب عبادت کے متعلق معرفت حاصل نہ ہو۔ اور آیت :۔
وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ (٥-١١١) اور جب میں نے حواریوں کو حکم بھیجا۔
میں حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کی طرف وحی بھیجنے سے حضرت عیسیٰؑ کی وساطت سے ان کو حکم دینا مراد ہے۔ اور آیت :۔
وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ (٢١-٧٣) اور ان کو نیک کام کرنے . . کا حکم بھیجا۔

میں بھی لوگوں کی طرف وحی کرنے سے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ انہیں ان باتوں کا حکم دینا مراد ہے۔ اور آیات :۔
اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ (٦-١٠٦) اور جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس آتا ہے اس کی پیروی کرو۔
إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ (١٠-١٥) میں تو اسی حکم کا تابع ہوں جو میری طرف آتا ہے۔
قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ (١٨-١١٠) کہہ دو کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں (البتہ) میری طرف وحی آتی ہے۔
میں خاص وہ وحی مراد ہے جو آنحضرت کے ساتھ مخصوص تھی۔ اور آیت :۔
وَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى وَأَخِيهِ (١٠-٨٧) اور ہم نے موسیٰؑ اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی۔
میں موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف یکساں قسم کی وحی بھیجنا مراد نہیں ہے۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی تو حضرت جبریل کی وساطت سے آتی تھی مگر ہارون علیہ السلام کی طرف حضرت موسیٰ اور جبریل علیہما السلام دونوں کی وساطت سے وحی کی جاتی ہے۔ اور آیت :۔
إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ (٨-١٢) جب تمہارا پروردگار فرشتوں کو ارشاد فرماتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔
میں بعض نے کہا ہے کہ لوح وقلم کی وساطت سے وحی بھیجنا مراد ہے۔ اور آیت کریمہ :۔
وَأَوْحَى فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا (٤١-١٢) اور ہر آسمان میں اس کے کام کا حکم بھیجا۔
میں آسمان سے مراد اہل سماء ہیں تو یہاں مُوحیٰ إِلَيْهِمْ (یعنی جن کی طرف وحی کی تھی) محذوف ہے

اور اہل سماء سے مراد چونکہ فرشتے ہی ہیں اس لئے
اصل میں وَاَوْحیٰ اِلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ (۸-۱۲) ہے کہ
ہم نے فرشتوں کی طرف وحی بھیجی پس یہ مذکورہ
بالا آیت کے ہم معنی ہوگی۔
اور اگر نُوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ سے آسمان ہی مراد لئے
جائیں تو جو لوگ آسمانوں کے غیر جاندار ہونے
کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک اس سے وحی تسخیری
مراد ہوگی۔ اور جن کے نزدیک آسمان زندہ اور
جاندار مخلوق ہیں۔ ان کے نزدیک وحی بذریعہ
کلام مراد ہوگی۔ اور آیت:۔
بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحیٰ لَھَا (۹۹-۵) کیونکہ تمہارے
پروردگار نے اس کا حکم بھیجا ہوگا۔
میں وحی کے پہلے معنی یعنی وحی تسخیری مراد لینا اقرب
معلوم ہوتا ہے۔ اور آیت:۔
لَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰٓی اِلَیْکَ
وَحْیُہٗ (۲۰-۱۱۴) اور قرآن کی وحی جو تمہاری
طرف بھیجی جاتی ہے۔ اس کے پورا ہونے سے
پہلے قرآن کے پڑھنے کے لئے جلدی نہ کرو۔
میں آنحضرت کو تثبت کے ساتھ وحی کو سننے
اور اس کی تلقی میں عجلت کو ترک کرنے کی ترغیب
دی گئی ہے۔

(و د د)

اَلْوُدُّ کے معنی کسی چیز سے محبت اور اس
کے ہونے کی تمنا کرنا کے ہیں یہ لفظ ان دونوں
معنوں میں الگ الگ بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس
لئے کہ کسی چیز کی تمنا اس کی محبت کے معنی کو متضمن
ہوتی ہے۔ کیونکہ تمنا کے معنی کسی محبوب چیز کی آرزو
کرنا کے ہوتے ہیں۔ اور آیت:۔
وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً (۳۰-۲۱)
اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی۔ اور
نیز آیت:۔
سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (۱۹-۹۶)
خدا ان کی محبت (مخلوقات کے دل میں) پیدا کر دیگا۔
میں اس الفت کی طرف اشارہ ہے جس کا آیت:
لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ
بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ (۸-۶۳) اور اگر تم دنیا بھر
کی دولت خرچ کرتے تب بھی ان کے دلوں میں
الفت پیدا نہ کرسکتے۔
میں ذکر پایا جاتا ہے۔ اور آیت:۔
قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ
فِی الْقُرْبٰی (۴۲-۲۳) کہدو کہ میں اس کا تم سے
صلہ نہیں مانگتا مگر (تم کو) قرابت کی محبت تو چاہیے[1]
میں مَوَدَّت کے معنی محض محبت کے ہیں اور آیت:
وَھُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ (۸۵-۱۴) اور وہ بخشنے
والا (اور) محبت کرنے والا ہے۔
اور نیز: اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ (۱۱-۹۰) بے
شک میرا پروردگار رحم والا اور محبت والا ہے۔
میں وَدُوْدٌ اسمائے حسنیٰ سے ہے اور اس میں
محبت کے ان معنوں کی طرف اشارہ ہے جو کہ آیت:۔
فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ
(۵-۵۴) تو خدا ایسے لوگ پیدا کر دیگا جن کو وہ
دوست رکھے۔ اور جسے وہ دوست رکھیں۔
میں پائے جاتے ہیں۔
اور اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں سے محبت کرنے
اور بندوں کے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کے

[1] الاستثناء منقطع لان القرابۃ لیست من جنس الاجر فالعاد للسببیۃ ای بمعنی اللام ومعناہ الا ان تودونی لقرابتی منکم (الفتوحات ص۲۱ ج۴)

معنی پہلے بیان ہوچکے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں سے مودت کے معنی ان کی نگہداشت کرنے کے ہیں۔ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں کبھی بھی چھوٹے سے اس کے چھوٹاپن اور کسی بڑے سے اس کی بڑائی کے سبب غافل نہیں ہوتا اور میں ودود اور شکور ہوں لہٰذا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت :۔

سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (۱۹-۹۷) کے بھی وہی معنی ہوں جو کہ آیت :۔ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ کے ہیں۔

اور مَوَدَّةٌ بمعنی تمنا کے متعلق فرمایا :۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ (۳-۶۹) (اے اہل اسلام) بعضے اہل کتاب اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ تم کو گمراہ کردیں۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ (۱۵-۲) کسی وقت کافر لوگ آرزو کریں گے اے کاش وہ مسلمان ہوتے۔

وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ (۳-۱۱۸) اور چاہتے ہیں کہ جس طرح ہو تمہیں تکلیف پہنچے۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ (۲-۱۰۹) بہت سے اہل کتاب (اپنے دل کی جلن سے) یہ چاہتے ہیں۔

وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ (۸-۷) اور چاہتے تھے کہ جو قافلہ بے شان و شوکت (یعنی بے ہتھیار) ہے وہ تمہارے ہاتھ آجائے۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا (۴-۸۹) وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہیں (اسی طرح) تم بھی کافر ہوکر (سب برابر ہوجاؤ)۔

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ يَوْمَئِذٍۭ بِبَنِيْهِ (۷۰-۱۱) (اس روز) گنہگار خواہش کرے گا کہ کسی طرح اس دن کے عذاب کے بدلے میں (سب کچھ) دے دے (یعنی) اپنے بیٹے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (۵۸-۲۲) جو لوگ خدا پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے۔

نیز اس آیت میں کفار سے موالات اور ان کی پشت پناہی سے بھی منع فرمایا گیا ہے جیسا کہ دوسری جگہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ (۶۰-۱۰) مومنو! اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے (مکے سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم ان کو دوستی کے پیغام بھیجتے ہو......

تو یہاں مَوَدَّت سے تعلقات محبت یعنی خیرخواہی وغیرہ مراد ہے۔

كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ (۴-۷۳) گویا تم میں اور ان میں دوستی تھی ہی نہیں۔

فُلَانٌ وَدِيْدُ فُلَانٍ وہ فلاں کا دوست ہے۔

اَلْوُدُّ: ایک بت کا نام تھا۔ اس کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ اس بت کو انتہائی محبوب سمجھنے کی وجہ سے اسے وُدٌّ کہتے تھے اور یا ان کے اس اعتقاد کی بنا پر کہ اللہ تعالیٰ اور اس بت کے درمیان رابطۂ محبت پایا جاتا ہے، اسے وُدٌّ کہا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس قسم کی قباحتوں سے پاک ہے۔

اَلْوُدُّ کے معنی وَتِدٌ یعنی میخ کے ہیں اور یہ بھی

ہوسکتا ہے کہ یہ اصل میں وَتِدٌ ہو تاء دال میں مدغم ہو کر وَدٌّ ہو گیا ہو۔ اور ہوسکتا ہے کہ میخ کے ایک جگہ پر جمے رہنے یا جس چیز میں لگائی جائے اس میں مضبوطی کے ساتھ لگ جانے کی وجہ سے (اس سے محبت کے معنی لے کر) اسے وُدٌّ کہہ دیا گیا ہو۔

(و د ع)

اَلدَّعَةُ کے معنی آرام اور فراخی عیش کے ہیں اور وَدُعَ یَوْدُعُ (ک) وَدَاعَۃً (ف) کے معنی ہیں تَرَکَهٗ وَادِعًا یعنی پرسکون طریقہ سے کسی چیز کو چھوڑ دینا بعض کا قول ہے کہ اس کا فعل ماضی اور اسم فاعل استعمال نہیں ہوتا صرف یَدَعُ اور دَعْ یعنی فعل مضارع اور امر کا صیغہ استعمال ہوتا ہے[1] اور آیت مَا وَدَعَكَ رَبُّكَ (۹۳-۳) میں ایک قراءت تخفیف دال کے ساتھ بھی منقول ہے[2]۔ شاعر نے کہا ہے[3]۔ (؟)

(۴۴۲) لَیْتَ شِعْرِیْ عَنْ خَلِیْلِیْ مَا الَّذِیْ
غَالَهٗ فِی الْحُبِّ حَتّٰی وَدَعَهْ

کاش مجھے میرے دوست کے متعلق معلوم ہوتا کہ اسے محبت سے کس چیز نے روک دیا کہ وہ اسے چھوڑ بیٹھا ہے۔

اَلتَّوَدُّعُ کے معنی تن آسان ہونے کے ہیں۔ اور فُلَانٌ مُتَّدِعٌ وَمُتَوَدِّعٌ وَفِیْ دَعَةٍ کے معنی ہیں کہ فلاں آسودہ حال اور عیش و آرام میں ہے۔ اصل میں یہ معنی وَدْعٌ بمعنی تَرْكٌ سے ماخوذ ہیں۔ یعنی اس نے مشقت اور تکلیف کے سبب طلب معاش کے لئے جد وجہد کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اَلتَّوْدِیْعُ یہ بھی دَعَةٌ (سکون) سے مشتق ہے اور تودیع کے اصل معنی مسافر کو الوداع کہنے کے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اسے سفر کی تکالیف سے محفوظ رکھے اور اسے آرام کی حالت میں پہنچا دے پھر یہ لفظ مسافر کو رخصت کرنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ جیسا کہ لفظ تسلیم اصل میں اس کے معنی سلامتی کی دعا کے ہیں کہا جاتا ہے۔ وَدَّعْتُ فُلَانًا (میں نے اسے چھوڑ دیا) چنانچہ آیت:۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی (۹۳-۳) (اے محمد تمہارے پروردگار نے نہ تو تم کو چھوڑا اور نہ تم سے ناراض ہوا۔

میں وَدَّعْتُ فُلَانًا (میں نے فلاں کو چھوڑ دیا) کی طرح صرف چھوڑ دینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور کنایہ کے طور میت کو مُوَدَّعٌ کہا جاتا ہے اور اسی سے اِسْتَوْدَعْتُكَ غَیْرَ مُوَدَّعٍ کا محاورہ ہے جس کے معنی درازی عمر کی دعا کے ہیں۔ اور اسی سے شاعر کا قول ہے۔

---

[1] ہذا قول علماء النحو وفی الحدیث ودعوا الحبشۃ ما ودعوکم وفی المستوفی ان کل ذالک وارد فی کلام العرب ولا عبرۃ بکلام النحاۃ وفیہ تفصیل ذکرہ صاحب الروح ۳۰/ ۱۵۶ (روح المعانی ۳۰/ ۱۵۶) [2] قال ابن جنی وہی قراءۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الازہری: روی ابن اخی الاصمعی ان انما الشعر لانس بن زنیم اللیثی الصحابی وفیہ عن امیری موضع من خلیلی وفی الطبرسی (۳۰: ۱۲۳) وروح المعانی (۳۰: ۱۵۶) [3] والبیت مما اختلف فی نسبتہ وروایتہ ففی اللسان والمحکم (ودع) فی الود بدل فی الحب۔ معزو الی ابی الاسود الدؤلی وفی الاصابۃ رقم ۲۷۲ والاشباہ النحویہ (۱: ۲۱۵) والبحر (۸: ۴۸۵) وابن خالویہ ۱۱۷ والعیون (۳: ۱۵۶) لغیر عزو وفی حماسۃ البحتری ۲۷۲ فی ثلاثۃ قالہا فی عبداللہ بن عامر حین ابطأ علیہ عطاءہ والبیت فی البلدان (رسم ودعان) بروایۃ اخری ایضًا لانس بن انس اللیثی وروایتہ: سل امیری ما الذی غیرہ - عن وصالی الیوم حتی ودعہ ۱۲ لم اجدہ ۱۲

(۳۴۳) وَدَّعَتْ نَفْسِی سَاعَةَ التَّوْدِیْعِ
کہ الوداع کے وقت میری جان ہوا ہو گئی۔

(و د ق)

اَلْوَدْقُ۔ بعض نے کہا ہے کہ بارش میں جو غبار سا نظر آتا ہے اسے وَدْقٌ کہا جاتا ہے۔ اور کبھی اس سے مراد بارش بھی ہوتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔
فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ (۲۴-۴۳)
پھر تم دیکھتے ہو کہ بادل میں سے مینہ نکل کر برس رہا ہے۔

اور گرمی کی شدت سے ہوا میں جو لہریں نظر آتی ہیں انہیں وَدِیْقَةٌ کہتے ہیں۔ اور وَدَقَتِ الدَّابَّةُ وَاسْتَوْدَقَتْ کے معنی ہیں مادہ چوپایہ کا نر کی خواہش کے وقت، رطوبت نکالنا چنانچہ اس مادہ (چوپایہ) کو جو نر کی خواہش میں رطوبت نکال رہی ہو وَدِیْقٌ یا وَدُوْقٌ کہتے ہیں۔

اور جہاں بارش ہوئی ہو اس جگہ کو مَوْدِقٌ (ظرف) کہا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)
(۴۴۴) تَعَفِّیْ بِذَیْلِ الْمِرْطِ اِذْ جِئْتُ مَوْدِقِیْ
تَعَفِّیْ کے معنی نشان مٹانے کے ہیں اور مِرْط بڑی چادر کو کہتے ہیں جو ستر کے لئے عورتیں اوپر اوڑھتی ہیں یہاں شاعر نے قدم کے پڑنے کی جگہ کو موضع مطر کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور شعر کے معنی یہ ہیں کہ جب میں اپنی محبوبہ کے پاس آتا ہوں تو وہ اپنی چادر سے میرے قدموں کے نشان مٹا دیتی ہے۔

(و د ی)

اَلْوَادِیُ۔ اصل میں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پانی بہتا ہو اسی سے دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ زمین کو وادی کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (۲۰-۱۲) تم (یہاں) پاک میدان (یعنی) طویٰ میں ہو۔
اس کی جمع اَوْدِیَةٌ آتی ہے جیسے نَادٍ کی جمع اَنْدِیَةٌ اور نَاجٍ کی جمع اَنْجِیَةٌ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا (۱۳-۱۹) پھر اس سے اپنے اپنے اندازے کے مطابق نالے بہ نکلے۔
اور حدیث میں ہے[2] (۱۴۷)
لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَابْتَغٰى ثَالِثًا کہ اگر ابن آدم کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کا خواہش مند ہوگا۔
اور استعارہ کے طور پر مذہب، طریقہ اور اسلیب بیان کو وادی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے:۔
فُلَانٌ فِیْ وَادٍ غَیْرِ وَادِیْكَ کہ فلاں کا مسلک تجھ سے جداگانہ ہے اور قرآن نے شعراء کی مذمت کرتے ہوئے ان کے متعلق کہا ہے۔
اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ (۲۶-۲۵۶) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سر مارتے پھرتے ہیں۔
تو یہاں فِیْ كُلِّ وَادٍ سے مختلف اسالیب سخن مراد ہیں جیسے مدح، ہجو، جدل، غزل وغیرہ چنانچہ

---

[1] قالہ امرؤ القیس وصدرہ: وخلت علی بیضاء جم عظامہا۔ وفی دیوانہ ۹۰ والسند بی اذیل الاسع بدل بذیل المرط راجع دیوانہ و للسان ر ودق) والعقد الثمین ۱۴۱ ومختار الشعر الجاہلی ۱: ۷۰۔ [2] رواہ الترمذی ۲/ ۵۷: عن انس بن مالکؓ احمد و الشیخان عن ابن عباس ومسلم فی صحیحہ عن ابن الزبیر وابن ماجۃ عن ابی ہریرۃ والبخاری فی التاریخ عن بریدۃ وفی کنز العمال ج ۳۲ رقم ۱۱۱۲-۱۱۲۰) باختلاف الفاظہ وفی محاضرات الادباء ۴/ ۳۲۲: کان فی مصحف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

شاعر نے کہا ہے[۱]

(۵۴) اِذَا مَا قَطَعْنَا وَادِیًا مِنْ حَدِیْثِنَا
اِلٰی غَیْرِہٖ زِدْنَا الْاَحَادِیْثَ وَادِیًا

جب ہم موضوع سخن کی ایک وادی کو قطع کر لیتے ہیں تو دوسری وادی میں داخل ہو جاتے ہیں۔
اور کنایہ کے طور پر مرد کی اس رطوبت کو وَدْیٌ کہا جاتا ہے جو عورت سے لذت اندوزی کے وقت یا پیشاب کے بعد خارج ہوتی ہے اور اَمْذٰی وَاَمْنٰی کی طرح اَوْدٰی (افعال) کے معنی نر کا ودی (رطوبت) خارج کرنے کے ہیں اور یہ مَنٰی وَاَمْنٰی کی طرح مجرد و مزید فیہ دونوں طرح بولا جاتا ہے۔
اَلْوَدِیُّ چھوٹے پودے کو کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی پانی کی طرح طول میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔
اَوْدَاہُ کے معنی ہلاک کرنے کے ہیں گویا اس کے خون کو بہا دیا اسی سے وَدَیْتُ الْقَتِیْلَ کا محاورہ ہے جس کے معنی مقتول کا خونبہا ادا کرنے کے ہیں اور دِیَۃٌ اس مال کو کہتے ہیں جو مقتول کی جان کے عوض قاتل کی طرف سے دیا جاتا ہے۔
قرآن میں ہے:۔
فَدِیَۃٌ مُّسَلَّمَۃٌ اِلٰی اَھْلِہٖ (۴-۹۲) تو وارثان مقتول کو خون بہا دینا۔

(و ذ ر)

یَذَرُ الشَّیْءَ کے معنی کسی چیز کو قلت اعتداد کی وجہ سے پھینک دینے کے ہیں (پھر صرف چھوڑ دینا کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ اس کا فعل ماضی استعمال نہیں ہوتا چنانچہ فرمایا:۔
قَالُوْا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰہَ وَحْدَہٗ وَنَذَرَ مَا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا (۷-۷۰) وہ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم اکیلے خدا ہی کی عبادت کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں ان کو چھوڑ دیں؟۔
وَیَذَرَکَ وَاٰلِھَتَکَ (۷-۱۲۷) اور آپ سے اور آپ کے معبودوں سے دست کش ہو جائیں۔
فَذَرْھُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ (۶-۱۳۸) تو ان کو چھوڑ دو کہ وہ جانیں اور انکا جھوٹ۔
وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا (۲-۲۷۸) تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔
ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور آیت:۔
وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا (۲-۲۳۴) اور عورتیں چھوڑ جائیں۔
میں یَتْرُکُوْنَ یا یُخَلِّفُوْنَ کی بجائے یَذَرُوْنَ کا صیغہ اختیار کرنے میں جو خوبی ہے وہ اس کے بعد دوسری کتاب میں بیان کریں گے۔
اَلْوَذَرَۃُ گوشت کی چھوٹی سی بوٹی کو کہتے ہیں اور قلت اعتناء کے سبب اسے اس نام سے پکارتے ہیں جیسا کہ حقیر شخص کے متعلق ھُوَ لَحْمٌ عَلٰی وَضَمٍ (یعنی وہ ذلیل ہے) کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔

(و ر ث)

اَلْوِرَاثَۃُ وَالْاِرْثُ کے معنی عقد شرعی یا جو عقد کے قائم مقام ہے اوکے بغیر کسی چیز کے ایک شخص کی ملکیت سے نکل کر دوسرے کی

---

[۱] لم اجدہ ۱۲

ملکیت میں چلے جاتا کے ہیں۔ اسی سے میت کی جانب سے جو مال ورثاء کی طرف منتقل ہوتا ہے اسے اِرْثٌ تُرَاثٌ اور مِيْرَاثٌ کہا جاتا ہے اور تُراث اصل میں وُراث ہے واؤ مضموم کے شروع میں آنے کی وجہ سے اسے تاسے تبدیل کر لیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔

وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا (۸۹-۱۹) اور میراث کے مال کو سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔

اور حج کے موقعہ پر آنحضرتؐ نے فرمایا[1]۔ (۱۳۸)

اُثْبُتُوْا عَلٰى مَشَاعِرِكُمْ فَاِنَّكُمْ عَلٰى اِرْثِ اَبِيْكُمْ کہ اپنے مشاعر (مواضع نسک) پر ٹھہرے رہو تم اپنے باپ (ابراہیمؑ) کے ورثہ پر ہو۔ تو یہاں ارث کے معنی اصل اور بقیہ نشان کے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے[2]؎

(۴۴۶) فَيَنْظُرُ فِيْ صُحُفٍ كَالرِّيَا
طِ فِيْهِنَّ اِرْثُ كِتَابٍ مُحِيْ

وہ صحیفوں میں تانت باندھنے والے کی طرح غور کرتا ہے جن میں کہ مٹی ہوئی کتابت کا بقیہ ہے۔

اور محاورہ میں وُرِثْتُ مَالًا عَنْ زَيْدٍ وَوَرِثْتُ زَيْدًا (میں زید کا وارث بنا) دونوں طرح بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:-

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ (۲۷-۱۶) اور سلیمان داؤد کے قائم مقام ہوئے۔

وَوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ (۴-۱۱) اور صرف ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں۔

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ (۲-۲۳۲) اور اسی طرح نان ونفقہ بچے کے وارث کے ذمہ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا (۴-۱۹) مومنو تم کو جائز نہیں ہے کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ۔

اور اَوْرَثَنِي الْمَيِّتُ كَذَا کے معنی ہیں میت نے مجھے اتنے مال کا وارث بنایا۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً (۴-۱۱) اور اگر ایسے مرد یا عورت کی میراث ہو جس کے نہ باپ ہو نہ بیٹا۔

اور اَوْرَثَنِي اللّٰهُ كَذَا کے معنی کسی چیز کا وارث بنا دینے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔

وَاَوْرَثْنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ (۴۰-۵۳) اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔

وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ (۴۴-۲۸) اور ہم نے دوسرے لوگوں کو ان کا مالک بنا دیا۔

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ (۳۳-۲۷) اور ان کی زمین ..... کا تم کو وارث بنایا۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ (۷-۱۳۶) اور جو لوگ (کمزور سمجھے جاتے تھے) ان کو ..... وارث کر دیا۔

ہر وہ چیز جو بلا محنت ومشقت حاصل ہو جائے اس کے متعلق وَرِثَ كَذَا کہتے ہیں اور جب کسی کو خوشگوار چیز بطور عطیہ دی جائے تو اُوْرِثَ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:-

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْۤ اُوْرِثْتُمُوْهَا (۴۳-۷۲) اور یہ جنت جس کے تم مالک کر دیئے گئے ہو۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ

---

[1] الحدیث باختلاف الفاظ فی ابوداؤد والترمذی (۲/۹۹-۱۰۰) مع تحفۃ الاحوذی والنسائی ۲/۴۵ وابن ماجۃ ۲/۲۳۱ والحاکم ۱/۴۶۲ والبیہقی فی سنن الکبریٰ ۵/۱۱۵ والشافعی فی رسالتہ رقم ۲۳۲ من طریق سفیان بن عینیۃ باسنادہ وقال الترمذی حدیث ... حدیث حسن لا نعرفہ الا من حدیث ابن عینیہ عن عمرو بن دینار وانظر لتخریجہ ایضا الفتح الکبیر ۲/۴۳۳ [2] لم اجدہ ۱۲

(۳۳-۲۳-۱۰) (۱) یہی لوگ میراث حاصل کرنے والے ہیں (یعنی) جو۔ . . . میراث حاصل کریں گے۔

اور آیت :۔

وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ (۱۹-۶) اور اولاد یعقوب کی میراث کا مالک ہو۔

میں وراثت سے مراد مال کا ورثہ نہیں ہے بلکہ علم وفضل اور نبوت کا ورثہ مراد ہے کیونکہ دنیا کے مال کی تو انبیاء کی نظر میں کچھ قدر وقیمت ہی نہیں ہوتی کہ وہ اس کی فکر کریں۔ بلکہ وہ نہ مال کو جمع کرتے ہیں اور نہ ہی اس کے مالک بنتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت فرماتے ہیں[1] (۱۳۹) اِنَّا مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ ہم انبیاء کا گروہ جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ اور ہمارا کوئی وارث نہیں بن سکتا۔

تو یہاں معاشر الانبیاء منصوب علی الاختصاص ہے اور ترکناہ سے مراد علم ہے اور اس صدقہ میں تمام امت برابر کی شریک ہے۔ اور جو حدیث میں آیا ہے[2] (۱۴۰) اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ (کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں) تو اس سے مراد بھی ورثہ علم ہی ہے اور اس پر ورثہ کا اطلاق اس لئے ہوا ہے کہ وہ کسی احسان اور معاوضہ کے بغیر ملتا ہے۔ اور آنحضرت نے حضرت علیؓ کو فرمایا۔[3]

(۱۴۱) اَنْتَ اَخِيْ وَوَارِثِيْ تو میرا بھائی اور وارث ہے لیکن ساتھ ہی فرمایا وَمَا اَرِثُكَ کہ میں تیرا وارث نہیں ہوں گا اسی طرح فرمایا[4] (۱۴۲)

مَا وَرَّثَتِ الْاَنْبِيَاءُ قَبْلِيْ كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّتِيْ کہ مجھ سے پہلے انبیاء کا ورثہ کتاب اللہ اور میری سنت ہے اور اللہ تعالیٰ نے خود اپنے آپ کو وارث کہا ہے کیونکہ آخر کار تمام اشیاء اسی کی ملک میں جانے والی ہیں چنانچہ ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۳-۱۸۰) اور آسمانوں اور زمین کا وارث خدا ہی ہے۔

اور فرمایا :۔

وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ (۱۵-۲۳) اور ہم ہی (سب کے) وارث (مالک) ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے وارث ہونے کے متعلق (یہ بھی) امر وہی ہے کہ اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (کہ آج کس کی بادشاہت ہے) کے ساتھ منادی فرمائیں گے تو جواب میں کہا جائیگا۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (۴۰-۱۶) خدا کی جو اکیلا اور غالب ہے۔

وَرِثْتُ عِلْمًا مِنْ فُلَانٍ کے معنی کسی سے علم حاصل کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے :۔

وَرِثُوا الْكِتٰبَ (۷-۱۶۹) جو کتاب کے وارث بنے۔

---

[1] الحديث باختلاف الفاظه في السنن الكبرى للنسائي واصله متفق عليه بطرق من حديث عائشة وانظر لتخريجه كنز العمال (۱۱ رقم ۹۰-۹۲) واللآلئ المصنوعة ج ۲ ص ۲۴۴ [2] رواه ابوداؤد والترمذي وابن ماجة وزاد ابن حبان رقم ۸۰ وفيه ان العلماء من حديث ابي الدرداء (حديث ۱۵) وله طرق عند الطبراني وفي الباب عن البراء بن عمرو بن العاص وراجع تخريج الكشاف للحافظ ابن حجر رقم ۱۷ ص ۱۲۴ [3] وفي رواية انت طريلي وعن ابن بريدة عن ابيه مرفوعًا ان وصيي ووارثي علي بن ابي طالب اللآلئ المصنوعة ج ۱ ص ۳۵۹ وفي الخصائص من سنن الكبرى للنسائي حديث طويل في اخوة علي قال العراقي في تخريج الاحياء ج ۲ ص ۱۹۰ وكل ما ورد في اخوته فضعيف لا يصح منه شيء [4] قطعة من حديث سابق ولم اجده بهذا اللفظ ۱۲

اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ (۴۲-۱۴) (اور جو لوگ) ان کے بعد خدا کی کتاب کے وارث ہوئے۔
ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ (۳۵-۳۲) پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا۔ ......
یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ (۲۱-۱۰۵) میرے نیکوکار بندے ملک کے وارث ہوں گے۔
اور وراثت حقیقی تو یہ ہوتی ہے کہ انسان کو ایسی چیز حاصل ہو جائے جس کے متعلق اس پر نہ کوئی محاسبہ ہو اور نہ کسی قسم کی ذمہ داری عائد ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے چونکہ دنیا سے بوقت ضرورت قدر کفایت سے زیادہ نہیں لیتے اور پھر اسے جائز طریقہ سے حاصل کرتے ہیں تو جو شخص دنیا کو ان شرائط کے ماتحت حاصل کرے گا اس پر کسی قسم کا محاسبہ یا عقاب نہیں ہوگا بلکہ وہ مال اس کے لئے عفو وصفو ہوگا جیسا کہ حدیث میں ہے۔
(۱۴۲) مَنْ حَاسَبَ نَفْسَهٗ فِي الدُّنیَا لَمْ یُحَاسِبْهُ اللّٰهُ فِي الْاٰخِرَةِ کہ جو شخص دنیا میں اپنے نفس کا محاسبہ کرلے گا۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر کسی قسم کا محاسبہ نہیں ہوگا۔

(و ر د)

اَلْوُرُوْدُ۔ یہ اصل میں وَرَدْتُ الْمَاءَ (ض) کا مصدر ہے جس کے معنی پانی کا قصد کرنے کے ہے۔ پھر ہر جگہ کا قصد کرنے پر بولا جاتا ہے اور پانی پر پہنچنے والے کو وَارِدٌ اور پانی کو مَوْرُوْدٌ کہا جاتا ہے اور اَوْرَدَ الْاِبِلَ (افعال) عَلَی الْمَاءِ کے معنی اونٹوں کو پانی پر وارد کرنے کے ہیں۔
قرآن میں ہے:۔
وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْیَنَ (۲۸-۲۳)
اور جب مدین کے پانی کے مقام پر پہنچے۔
اَلْوِرْدُ۔ اس پانی کو کہتے ہیں جو وارد ہونے کے لئے تیار کیا گیا ہو۔ اور یہ صَدْرٌ (لوٹنا) کی ضد بن کر بھی استعمال ہوتا ہے اور بخار کی باری کے دن کو بھی وِرْدٌ کہتے ہیں۔
اور تقطیع کے طور پر دوزخ کی آگ میں داخل ہونے پر بھی وَرَدَ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جیسے فرمایا:۔
فَاَوْرَدَھُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ (۱۱-۹۸) اور ان کو دوزخ میں جا اتاریگا اور جس مقام پر وہ اتارے جائیں گے وہ برا ہے۔
اِلٰی جَھَنَّمَ وِرْدًا (۱۹-۸۶) دوزخ کی طرف پیاسے.....
اَنْتُمْ لَھَا وَارِدُوْنَ (۲۱-۹۸) تم (سب) اس میں داخل ہو کر رہو گے۔
مَا وَرَدُوْھَا (۲۱-۹۹) تو اس میں داخل نہ ہوتے۔
اَلْوَارِدُ (ایضًا) اس شخص کو بھی کہا گیا ہے جو قافلے کے آگے جا کر پانی لاتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔
فَاَرْسَلُوْا وَارِدَھُمْ (۱۲-۱۹) اور انہوں نے (پانی کے لئے) اپنا سقا بھیجا۔
ہر وہ شخص جو پانی پر پہنچ جائے اسے بھی وَارِدٌ کہا جاتا ہے۔ اور آیت:۔
وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا (۱۹-۷۱) اور تم میں سے کوئی (شخص) نہیں مگر اسے اس پر سے گزرنا ہوگا۔
میں بعض نے وَارِدُھَا کو وَرَدْتُ مَاءَ کَذَا۔ کے محاورہ سے لیا ہے جس کے معنی پانی پر حاضر

ہونے کے ہیں اور اس میں اترنا شرط نہیں ہے[1] اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں اترنا بھی شرط ہے اور اولیاء اللہ اور صالحین بھی ایک مرتبہ دوزخ کی آگ میں داخل ہوں گے لیکن ان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ بلکہ ان کی حالت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سی ہوگی کہ جب انہیں آگ میں ڈالا گیا۔ تو ان پر آگ کا کچھ بھی اثر نہ ہوا[2] چنانچہ قرآن میں ہے:۔

قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ (۲۱-۶۹) ہم نے حکم دیا اے آگ سرد ہو جا اور ابراہیم پر (موجب) سلامتی (بن جا)۔

اور اس مسئلہ پر بحث کے لئے ذرا تفصیل درکار ہے۔ جو یہاں پر ہمارا مقصد نہیں ہے۔

اور جس شخص کو باری کا بخار چڑھا ہوا ہو اسے بھی مَوْرُوْدٌ کہا جاتا ہے اور شَعْرٌ وَارِدٌ لمبے بالوں کو کہتے ہیں۔ جو عورت کی کمر یا اس کے سرینوں تک دراز ہوں۔

اَلْوَرِيْدُ۔ رگ جس کا تعلق جگر اور دل کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ خون اور روح کا مجری بنتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (۵۰-۱۶) اور ہم اس کی رگ جان سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں۔

یعنی اس کی روح سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

اَلْوَرْدُ۔ اصل میں گل سرخ کو کہتے ہیں۔ اور یہ وَادِدٌ۔ سے ہے جس کے معنی قافلے سے پہلے پانی پر آنے والا کے ہیں۔ مشہور ہے کہ گلاب کا پھول تمام پھولوں سے پہلے ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے اسے وَرْدٌ کہا جاتا ہے۔ پھر ہر درخت کے پھول کو (مجازاً) وَرْدٌ کہہ دیتے ہیں۔ چنانچہ درخت کے پھولدار ہونے پر وَرَدَ الشَّجَرُ بولا جاتا ہے۔

پھر گھوڑے کے رنگ کو بھی گل سرخ کے ساتھ تشبیہ دے کر فَرَسٌ وَرْدٌ کہا جاتا ہے۔ اور آثار قیامت کے طور پر جب آسمان سرخ ہو جائیگا تو اسے بھی قرآن نے وَرْدَةٌ کہا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ (۵۵-۳۷) تلچھٹ کی طرح گلابی ہو جائے گا (تو وہ کیسا ہولناک دن ہوگا۔

(و ر ق)

اَلْوَرَقُ۔ درخت کے پتے اس کی جمع اَوْرَاقٌ اور واحد وَرَقَةٌ آتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا (۶-۵۹) اور کوئی پتہ نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے۔

اور وَرَقَتِ الشَّجَرَةُ کے معنی درخت کا پتے دار ہونا کے ہیں اور سرسبز خوبصورت پتے دار درخت کو وَارِقَةٌ کہا جاتا ہے۔ عَامٌ اَوْرَقُ کے معنی قحط سالی کے ہیں۔ اور اَوْرَقَ فُلَانٌ کے

---

[1] قال فی روح المعانی واردھا ای داخلھا کما ذھب الی ذالک جمع کثیر من سلف المفسرین واہل السنۃ وفی معناہ روایۃ جابر بن عبداللہ مرفوعا اخرجہ احمد والحکیم الترمذی وابن المنذر والحاکم وصححہ جماعۃ من ابی امیہ وقد ذکر الامام الرازی لھذا الدخول عدۃ فوائد فلیراجع وعند الحسن وقتادۃ المرور کما روی ذالک عن عبداللہ بن مسعود کذا فی الروح ۱۶/۱۱۱ [2]ھو قول عبداللہ بن مسعود فی روایۃ ابن ابی حاتم عنہ واخرجہ عبد بن حمید عن ولید بن نمیر ایضا ویدل علیہ قولہ تعالیٰ "ولما ورد ماء مدین" راجع الروح وابن کثیر ۱۲

معنی ناکام ہونے کے ہیں گویا وہ پتے دار درخت ہے جو بدون ثمر کے ہے اور اس کے بالمقابل آیت :۔
وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ (۱۸-۳۴) اور اس کو پیداوار (ملتی رہتی) تھی ۔
میں مال کو ثمر کہا ہے جیسا کہ ابن عباس سے مروی ہے[1]
اور رنگ کی تروتازگی کے لحاظ سے خاکستری رنگ کے اونٹ کو بَعِيْرٌ اَوْرَقُ کہا جاتا ہے اسی طرح حَمَامَةٌ وَرْقَاءُ کا محاورہ ہے جس کے معنی خاکی رنگ کی کبوتری یا فاختہ کے ہیں ۔
اَوْرَقَ (ایضاً) مال دار ہونا۔ گویا کثرت کے لحاظ سے مال کو درخت کے پتوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ مال کو ثَرٰی تُرَابٌ یا سَيْلٌ کے ساتھ تشبیہ دے کر اس معنی میں کہا جاتا ہے :۔
چنانچہ محاورہ ہے :۔ لَهٗ مَالٌ كَالتُّرَابِ اَوْ السَّيْلِ اَوِ الثَّرٰى یعنی وہ بہت زیادہ مالدار ہے ۔ شاعر نے کہا ہے[2] (الرجز)
(۴۴) وَاغْفِرْ خَطَايَایَ وَثَمِّرْ وَرَقِیْ
میری خطائیں معاف فرما اور میرا مال بڑھا دے ۔
اور اَلْوَرِقُ (بکسر الراء) خصوصیت کے ساتھ دراہم کو کہتے ہیں ۔ چنانچہ قرآن میں ہے :۔
فَابْعَثُوْا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖ (۱۸-۱۹) تو اپنے میں سے کسی کو یہ سکہ دے کر شہر بھیجو ۔
ایک قراءت میں بِوَرْقِكُمْ وبِوُرْقِكُمْ ہے اور یہ وَرْقٌ وَوَرِقٌ دونوں طرح بولا جاتا ہے ۔ جیسے كَبْدٌ وَكَبِدٌ ۔

(ور ی)

وَارَيْتُ كَذَا ۔ کے معنی کسی چیز کو چھپانے کے ہیں ۔ چنانچہ قرآن میں ہے :۔
قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ (۷-۲۶) ہم نے تم پر پوشاک اتاری کہ تمہارا ستر ڈھانکے ۔
تَوَارٰی (لازم) چھپ جانا ۔ قرآن میں ہے :۔
حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ (۳۸-۳۲) یہاں تک کہ (آفتاب) پردے میں چھپ گیا ۔
وَرَّی الْخَبَرَ کے معنی توریہ کرنے کے ہیں یعنی اصل بات کو چھپا کر اسے کسی اور طریقہ سے ظاہر کرنا ..... (اس طور پر کہ جھوٹ بھی نہ ہو ۔ اور اصل مقصد بھی ظاہر نہ ہونے پائے) چنانچہ حدیث میں ہے[3] (۱۴۳) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد غزوًا وری بغیرہٖ کہ آنحضرت جب کسی غزوہ پر تشریف لے جاتے تو توریہ سے کام لیتے ۔
اَلْوَرٰی بقول خلیل مخلوقات کو کہتے ہیں جو ایک وقت میں زمین پر موجود ہو ۔ اس میں ماضی اور مستقبل کی نسل شامل نہیں ہوتی اور ان کو اَلْوَرٰی اس لئے کہا جاتا ہے کہ گویا وہ اپنے اشخاص سے زمین کو چھپائے ہوئے ہیں ۔
اَلْوَرَآءُ کے معنی خلف یعنی پچھلی جانب کے ہیں مثلاً جو زید کے پیچھے یا بعد میں آئے اس کے متعلق وَرَاءَ زَيْدٍ کہا جاتا ہے ۔ قرآن میں ہے :

---

[1] قاموس فی ورق ص د ۱۸۱ [2] قالہ العجاج وقبلہ: ایاک ادعو نتقبل ملقی ۔ والشطر فی اللسان ورق ۔ ملق ۔ ومجالس ثعلب ۷ وتہذیب الاصلاح (۱۵ د ۱۷) ابن خالویہ ۲۵ والصاحبی ۱۸۰ واضداد ابی الطیب ۶۶۲ والارجوزۃ فی دیوانہ ۴۳-۲۵۔
[3] رواہ البخاری ۴/۱۴ والیضاً فی مواضع ۱۲

من وَّرَآءِ اِسْحَاقَ یَعْقُوْبَ (۱۱-۷۱) اور اسحاق کے بعد یعقوب (کی) خوش خبری دی۔
اِرْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا (۵۷-۱۳) پیچھے کو لوٹ جاؤ اور (وہاں) نور تلاش کرو۔
فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ (۴-۱۰۲) تو وہ پرے ہو جائیں۔
اور کبھی معنی قُدَّامُ (سامنے کی طرف) بھی آتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا (۱۸-۷۹) اور ان کے سامنے (کی طرف) ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔ اور آیت:۔
اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ (۵۹-۱۴) یا دیواروں کی اوٹ میں۔
میں دیوار کی دونوں جانب مراد ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ جو شخص کسی ایک جانب میں ہوگا تو دوسری جانب اس کے لئے وَرَآءَ ہی ہوگی۔ اور آیت:۔
وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ (۶-۹۵) اور جو (مال و متاع) ہم نے تمہیں عطا فرمایا تھا وہ سب اپنی پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے۔
میں مرنے کے بعد پیچھے چھوڑ آنا مراد ہے۔ اور اس میں ان کے لئے سرزنش ہے کہ تم نے مال خرچ کر کے ثواب آخرت کیوں نہ حاصل کیا۔
اور آیت:۔
فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ (۳-۱۸۷) تو انہوں نے اس کو پس پشت پھینک دیا۔
بھی تبکیت (ملامت) پر محمول ہے کہ انہوں نے نہ تو کتاب اللہ پر عمل ہی کیا اور نہ کبھی اس کی آیات میں غور کیا۔ اور آیت:۔
فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ (۲۳-۷) اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں وہ (خدا کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔
میں وَرَآءَ ذٰلِكَ کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص ان بیان کردہ حلائل کے علاوہ دیگر کا خواہش مند ہوگا یا ذوات المحارم سے تعرض کرے گا تو اس نے حدود شریعت سے تجاوز کیا اور اس کی حرمت کے پردہ کو چاک کر ڈالا۔ اور آیت:۔
وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ (۲-۹۱) (یعنی) یہ اس کے سوا اور (کتاب) کو نہیں مانتے۔
میں وَرَآءَهٗ سے دوسری آسمانی کتابیں مراد ہیں۔ اور وَرِيَ الزَّنْدُ يَرِيْ وَرْيًا کے معنی چقماق کے پیچھے سے آگ نکالنے کے ہیں تو گویا اس میں آگ کے پوشیدہ ہونے کے معنی کا لحاظ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[1] (الرمل) (۴۴۸) كَكُمُوْنِ النَّارِ فِيْ حَجَرِهٖ جیسے پتھر کے اندر آگ پوشیدہ ہوتی ہے۔
چنانچہ قرآن میں ہے:۔
اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ (۵۶-۷۱) بھلا دیکھو تو جو لوگ تم درخت سے نکالتے ہو۔

---

[1] قالہ ابونواس (الحسن بن ہانی) وصدرہ: یکمن الشنآن فیہ لنا ۔۔۔۔۔ والبیت فی طرائف الشعراء ۳۱ ومجموعۃ المعانی ۱۶۷ والعقد (۱: ۲۵۲) وفی الموشح للمرزبانی ۲۷۳۔ اخذ علی بن المبارک علی ابی نواس فی شعرہ فی حرفین احدہما ہٰذا البیت وقال انما کان ینبغی لہ ان یقول فی حجرہ بدل فی حجرہ والثانی فی قولہ: اسرع من قول قطاۃ قطا وکان ینبغی لہ ان یقول قطًا بالتخفیف انظر الحیوان للجاحظ (۲: ۳۴)

اور کامیاب شخص کے متعلق کہا جاتا ہے:۔
فُلَانٌ وَادِیَ الزَّنْدِ۔ فلاں کا پتھر آگ دینے والا ہے یعنی وہ کامیاب ہے اور اس کے بالمقابل کَابِی الزَّنْدِ کے معنی ناکام کے ہیں۔ اور چربی دار گوشت کو اَللَّحْمُ الْوَادِیُ کہا جاتا ہے۔
اَلْوَرَآءُ (ایضًا) اولاد کی اولاد یعنی پوتے یا نواسے کو کہا جاتا ہے اور وَرَاءَكَ کسی کام پر ابھارنے کے لئے بولا جاتا ہے یعنی پیچھے ہٹ جاؤ، چنانچہ محاورہ ہے:۔
وَرَاءَكَ اَوْسَعُ لَكَ۔ اس میں وَرَاءَكَ منصوب بفعل مضمر ہے یعنی اِئْتِ وَرَاءَكَ۔ اور بعض نے اس کا اصل یَكُنْ اَوْسَعَ لَكَ بیان کیا ہے اَیْ تَنَحَّ وَائْتِ مَكَانًا اَوْسَعَ لَكَ۔
اَلتَّوْرَاةُ اس آسمانی کتاب کا نام ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انہیں ورثہ میں ملی تھی۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ فَوْعَلَةٌ کے وزن پر ہے اور اس میں تا واؤ سے مبدل ہے جیسے تَيْقُوْرٌ وَقَارٌ سے بنا ہے اصل میں وَيْقُوْرٌ ہے اور یہ بحث پہلے گزر چکی ہے اور انہوں نے اسے تَفْعَلَةٌ۔ کے وزن پر نہیں بنایا کیونکہ یہ وزن کلام عرب میں قلیل الوجود ہے۔

(و ز ر)

اَلْوَزَرُ پہاڑ میں جائے پناہ۔ قرآن میں ہے۔
كَلَّا لَا وَزَرَ اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذِنِ الْمُسْتَقَرُّ (۷۵-۱۱) بے شک کہیں پناہ نہیں اس روز پروردگار ہی کے پاس جانا ہے۔
اَلْوِزْرُ کے معنی بارگراں کے ہیں اور یہ معنی وَزَرٌ سے لیا گیا ہے جس کے معنی پہاڑ میں جائے پناہ کے ہیں اور جس طرح مجازاً اس کے معنی بوجھ کے آتے ہیں اسی طرح وِزْرٌ بمعنی گناہ بھی آتا ہے (اسی کی جمع اَوْزَارٌ ہے) جیسے فرمایا:۔
لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (۱۶-۲۵) (اے پیغمبر ان کو بکنے دو) یہ قیامت کے دن اپنے (اعمال کے) پورے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور جن کو یہ بے تحقیق گمراہ کرتے ہیں ان کے بوجھ بھی (اٹھائیں گے)۔
جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:۔
وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ۔ (۲۹-۱۳) اور یہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی۔
اور دوسروں کا بوجھ اٹھانے کی حقیقت کی طرف آنحضرت ﷺ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا[1] (۱۴۴)
مَنْ سَنَّ سنة حسنة كان له اجرها واجر من عمل بها من غير ان ينقص من اجره شيئ ومن سن سنة سيئة كان له وزرها ووزر من عمل بها کہ جس شخص نے اچھا طریقہ جاری کیا اسے اس کا اجر ملے گا اور ان لوگوں کا بھی اجر ملے گا جو اس پر عمل کریں گے بدوں اس کے کہ ان کے اجر میں کسی قسم کی کمی ہو اور جس نے بری رسم جاری کی اس پر اس کا بوجھ ہوگا اور ان لوگوں کا بھی جو اس پر عمل کریں گے۔
تو یہاں ان لوگوں کے اجر یا بوجھ سے ان کی مثل اجر یا بوجھ مراد ہے اور آیت کریمہ میں بھی یہی

---

[1] الحدیث ذکرہ مسلم فی صحیحہ من حدیث جریر بن عبداللہ والغزالی فی الاحیاء (راجع تخریج العراقی ۲/۳۷۰) واشار الیه القتبی فی غریبہ، انظر القرطبی ۱۳/۳۳۱ والبحر ۷/۱۴۴۔

معنی مراد ہیں۔ اور آیت :۔
وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (۶-۱۶۵)
اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائیگا۔
سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کا بوجھ اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ مَحْمُوْلٌ عَنْہُ یعنی وہ دوسرا اس گناہ سے بری ہو جائے (لہذا ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے) اور آیت :۔
وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ (۹۴-۲) اور تم پر سے بوجھ بھی اتار دیا۔
میں وِزْرٌ سے مراد وہ لغزشیں ہیں جو جاہلی معاشرہ کے رواج کے مطابق قبل از نبوت آنحضرت سے سرزد ہوئی تھیں۔
اَلْوَزِیْرُ وہ ہے جو امیر کا بوجھ اور اس کی ذمہ داریاں اٹھائے ہوئے ہو۔ اور اس کے اس عہدہ کو وِزَارَۃٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے :۔
وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَھْلِیْ (۲۰-۲۹) اور میرے گھر والوں میں سے (ایک کو) میرا وزیر (یعنی مددگار) مقرر فرما۔
اَوْزَارُ الْحَرْبِ۔ اس کا مفرد وِزْرٌ ہے اور اس سے مراد اسلحہ جنگ ہے[1]۔ اور آیت کریمہ :۔
وَّلٰكِنَّا حُمِّلْنَا اَوْزَارًا مِّنْ زِیْنَةِ الْقَوْمِ (۲۰-۸۷) بلکہ ہم لوگوں کے زیوروں کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھے۔ میں زیورات کے بوجھ مراد ہیں۔
اَلْمُوَازَرَۃُ (مفاعلۃ) کے معنی ایک دوسرے کی مدد کرنے کے ہیں اور وَازَرْتُ فُلَانًا مُوَازَرَۃً کے معنی ہیں میں نے اس کی مدد کی۔

(و ز ع)

وَزَعْتُہٗ عَنْ كَذَا کے معنی کسی آدمی کو کسی کام سے روک دینا کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے :۔
وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُہٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فَھُمْ یُوْزَعُوْنَ (۲۷-۱۷) اور سلیمان کے لئے جنوں اور انسانوں کے لشکر جمع کئے گئے اور وہ قسم وار کئے گئے تھے۔
تو یُوْزَعُوْنَ۔ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ عساکر باوجود کثیر التعداد اور متفاوت ہونے کے غیر مرتب اور منتشر نہیں تھے جیسا کہ عام طور پر کثیر التعداد افواج کا حال ہوتا ہے بلکہ وہ نظم وضبط میں تھے کہ کبھی سرکشی اختیار نہیں کرتے تھے اور بعض نے یُوْزَعُوْنَ کے یہ معنی کئے ہیں کہ لشکر کا اگلا حصہ پچھلے کی خاطر رکا رہتا تھا۔ اور آیت :۔
یَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَاۗءُ اللّٰہِ اِلَی النَّارِ فَھُمْ یُوْزَعُوْنَ ۔۔۔۔۔۔ (۴۱-۱۹) جس دن خدا کے دشمن دوزخ کی طرف چلائے جائیں گے تو ترتیب وار کر لئے جائیں گے۔
میں یُوْزَعُوْنَ سے انہیں عقوبت کے طور پر روک لینا مراد ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا :۔
وَلَھُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ (۲۲-۲۱) اور ان کے مارنے ٹھوکنے کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہونگے۔
محاورہ ہے[2] (۴۴) لَا بُدَّ لِلسُّلْطَانِ مِنْ وَزَعَۃٍ کہ سلطان کے لئے محافظ دستہ یا

---

[1] وفی القرآن: حتی تضع الحرب اوزارہا (۴۷-۴) [2] قال الحسن البصری لما ولی القضاء وانحم الناس علیہ فاذوہ انظر المیدانی رقم ۴۰۱۲ واللسان (وزع) والنہایۃ ۴ر۲۲۱ والفائق ۲ر۵-۳۰) (۳ر۲۰ وفی حدیث ابی بکر وقد شکی الیہ بعض عمالہ لیقتص منہ فقال: اتا اقید من وزعۃ اللہ والفائق ۲ر۴۳۸ وغریب ابی عبید ۳ر۲۲۸

کارندوں کا ہونا ضروری ہے۔ جو لوگوں کو بے قانون ہونے سے روکیں۔

بعض نے کہا ہے کہ وُزِعَ کے معنی کسی چیز پر فریفتہ ہونے کے ہیں اور محاورہ ہے:۔

اَوْزَعَ اللّٰهُ فُلَانًا اللہ تعالیٰ نے فلاں کو شکر گزاری کا الہام کیا۔ بعض نے کہا کہ یہ بھی اُوْزِعَ بِالشَّیْءِ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی کسی چیز کا شیدائی بننے کے ہیں تو اَوْزَعَ اللّٰهُ فُلَانًا سے مراد یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی شکر گزاری کا شیدائی بنا دیا اور رَجُلٌ وَزُوْعٌ کے معنی کسی چیز پر فریفتہ ہونے والا کے ہیں۔ اس بنا پر آیت کریمہ:۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ (۲۷-۱۹) اے پروردگار مجھے توفیق عنایت کر کہ جو احسان تو نے مجھ پر کئے ہیں ان کا شکر کروں۔

میں بعض نے اَوْزِعْنِیْ کے معنی اَلْهِمْنِیْ کئے ہیں یعنی مجھے شکر گزاری کا الہام کر مگر اس کے اصل معنی یہ ہیں کہ مجھے شکر گزاری کا اس قدر شیفتہ بنا کہ میں اپنے نفس کو تیری ناشکری سے روک لوں۔

(و ز ن)

اَلْوَزْنُ (تولنا)، کے معنی کسی چیز کی مقدار معلوم کرنے کے ہیں اور یہ وَزَنْتُهٗ (ض) وَزْنًا وَزِنَةً کا مصدر ہے اور عرف عام میں وزن اس مقدار خاص کو کہتے ہیں جو ترازو یا قبان کے ذریعہ معین کی جاتی ہے اور آیت کریمہ:۔

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ (۱۷-۳۵) ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو۔ اور نیز آیت کریمہ:۔

وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ (۵۵-۹) اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو۔ میں اس بات کا حکم دیا ہے کہ اپنے تمام اقوال و افعال میں عدل و انصاف کو مد نظر رکھو۔ اور آیت:۔

وَاَنْبَتْنَا فِیْهَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ (۱۵-۱۹) اور اس میں ہر ایک سنجیدہ چیز اگائی۔

میں بعض نے کہا ہے کہ شیٔ موزون سے سونا چاندی وغیرہ معدنیات مراد ہیں۔ اور بعض نے ہر قسم کی موجودات مراد لی ہیں اور آیت کے معنی یہ کئے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو اعتدال اور تناسب کے ساتھ پیدا کیا ہے جس طرح کہ آیت:۔

اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (۵۴-۴۹) ہم نے ہر چیز اندازہ مقررہ کے ساتھ پیدا کی ہے۔

سے مفہوم ہوتا ہے۔ اور آیت:۔

وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ ِۨالْحَقُّ (۷-۸) اور اس روز (اعمال کا) تلنا برحق ہے۔ میں بتایا ہے۔ کہ قیامت کے دن نہایت عدل و انصاف کے ساتھ حساب لیا جائیگا جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ (۲۱-۴۷) اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو کھڑی کریں گے۔

قرآن میں (قیامت کے روز اعمال کی ترازو کے لئے بعض مقامات پر میزان لفظ واحد آیا ہے۔ اور بعض جگہوں پر موازین لفظ جمع پس جہاں کہیں لفظ واحد کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ وہاں محاسب (حساب لینے والا) کا اعتبار کیا ہے۔ کہ وہ اکیلی ذات الٰہی ہے اور جہاں لفظ جمع آیا ہے وہاں لوگوں کا اعتبار کیا ہے۔ کیونکہ ہر ایک کے اعمال کی ترازو الگ الگ ہو گی۔

وَزَنْتُ لِفُلَانٍ وَوَزَنْتُهٗ کے معنی کسی کو تول

کر دیئے گئے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَاِذَا کَالُوْھُمْ اَوْوَّزَنُوْھُمْ یُخْسِرُوْنَ (۸۳-۳) اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم کر دیں۔
محاورہ ہے:۔
قَامَ مِیْزَانُ النَّھَارِ یعنی دوپہر ہو گئی۔

(و س و س)

اَلْوَسْوَسَۃُ۔ اس برے خیال کو کہتے ہیں۔ جو دل میں پیدا ہوتا ہے اور اصل میں یہ وَسْوَاسٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی زیور کی جھنکار یا ہلکی سی آہٹ کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
فَوَسْوَسَ اِلَیْہِ الشَّیْطَانُ (۲۰-۱۲۰) تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا۔
مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ (۱۱۴-۵) شیطان وسوسہ انداز کی برائی سے جو خدا کا نام سنکر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔
اور وَسْوَاسٌ کے معنی شکاری کے پاؤں کی آہٹ کے بھی آتے ہیں۔

(و س ط)

وَسَطُ الشَّیْءِ۔ ہر چیز کی درمیانی جگہ کو کہتے ہیں۔ جہاں سے اس کے دونوں اطراف کا فاصلہ مساوی ہو۔ اور اس کا استعمال کمیتہ متصلہ یعنی ایک جسم پر ہوتا ہے جیسے وَسَطُہٗ صُلْبٌ (اس کا درمیان سخت ہے)
ضَرَبْتُ وَسَطَ رَأْسِہٖ لیکن وَسْطٌ (بالسکون) کمیت منفصلہ پر بولا جاتا ہے۔ یعنی دو چیزوں کے درمیان فاصل کو وَسْطٌ کہا جاتا ہے۔ جیسے وَسْطُ الْقَوْمِ کَذَا کہ وہ لوگوں کے درمیان فاصل ہے۔
نیز اَلْوَسَطُ (بفتح السین) اس چیز کو بھی کہتے ہیں جو دو مذموم اطراف کے درمیان واقع ہو یعنی معتدل جو افراط و تفریط کے بالکل درمیان ہوتا ہے۔ مثلاً جُوْدٌ کہ بخل اور اسراف کے درمیانی درجہ کا نام ہے اور معنی اعتدال کی مناسبت سے یہ لفظ عَدْلٌ۔ نَصَفَۃٌ سَوَاءٌ کی طرح ہر عمدہ اور بہترین چیز کے لئے بولا جاتا ہے مثلاً جو شخص اپنی قوم میں بلحاظ حسب سب سے بہتر اور اونچے درجہ کا ہو اس کے متعلق ھُوَ مِنْ اَوْسَطِھِمْ حَسَبًا کہا جاتا ہے چنانچہ اسی معنی میں امت مسلمہ کے متعلق فرمایا۔
وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَاکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا (۲-۱۴۳) اور اس طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا۔
اسی طرح آیت:۔
قَالَ اَوْسَطُھُمْ (۶۸-۲۸) ایک جوان جو ان میں فرزانہ تھا بولا۔
میں بھی اوسط کا لفظ اسی معنی پر محمول ہے۔ اور کبھی وَسَطٌ اس چیز کو بھی کہتے ہیں جو نہ زیادہ اچھی ہو اور نہ بری بلکہ درمیانے درجہ کی ہو۔ اور کبھی (کنایۃً) رذیل چیز پر بھی بولا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے۔
فُلَانٌ وَسَطٌ مِّنَ الرِّجَالِ کہ فلاں کم درجے کا آدمی ہے یعنی درجۂ خیر سے گرا ہوا ہے اور آیت کریمہ:۔
حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی (۲-۲۳۸) مسلمانو! سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز (یعنی عصر) پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو۔
میں بعض نے کہا ہے کہ وسطی سے مراد صلوٰۃ ظہر ہے

کیونکہ وہ دن کے درمیانی حصہ میں ادا کی جاتی ہے اور بعض اس سے صلوٰۃ مغرب مراد لیتے ہیں کیونکہ وہ تعداد رکعات کے لحاظ سے ثنائی اور رباعی نمازوں کے درمیان میں ہے اور بعض نے صلوٰۃ فجر مراد لی ہے کیونکہ وہ دن اور رات کی نمازوں کے درمیان میں ہے جیسا کہ دوسری آیت فرمایا:۔

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ (۱۷-۷۸) (اے محمد) سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک (ظہر، عصر، مغرب عشا کی) نمازیں اور صبح کو قرآن پڑھا کرو۔

اور صلوٰۃ وسطیٰ کو خاص کر الگ ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ صبح کا وقت سستی اور غفلت کا وقت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس وقت اٹھنے کے لئے نیند کی لذت کو چھوڑنا پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ صبح کی اذان میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کا اضافہ کیا گیا ہے[۱] (۱۴۵)

اور جو لوگ اس سے صلوٰۃ عصر مراد لیتے ہیں[۲] جیسا کہ آنحضرت سے ایک حدیث میں بھی مروی ہے تو وہ اس کے علیحدہ ذکر کرنے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ عصر کا وقت عوام کے کاروبار کا وقت ہوتا ہے اس لئے اس نماز میں سستی ہو جاتی ہے بخلاف دوسری نمازوں کے کہ ان کے اول یا آخر میں فرصت کا وقت مل جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت نے زجراً فرمایا[۳]:

مَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلَهٗ وَمَالَهٗ۔ کہ جس نے عصر کی نماز ضائع کر دی گویا اس نے اپنے اہل وعیال اور مال کو برباد کر دیا۔

(و س ع)

اَلسَّعَۃُ۔ کے معنی کشادگی کے ہیں اور یہ امکنہ، حالت اور فعل جیسے قدرت، جود وغیرہ کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ وسعت مکانی کے متعلق فرمایا:۔

اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ (۲۹-۵۶) میری زمین فراخ ہے۔

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً (۴-۹۷) کیا خدا کا ملک فراخ نہیں تھا۔

اور وسعت حالت کے متعلق فرمایا:۔

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ (۶۵-۷) صاحب وسعت کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیئے۔

عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ (۲-۲۳۶) (یعنی) مقدور والا اپنے مقدور کے مطابق . . . .

اَلْوُسْعُ اس طاقت کو کہتے ہیں جو اس کام سے زائد یا وہ ہو جو اس کے ذمہ لگایا گیا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (۲-۲۸۶) خدا کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف

---

[۱] انظر کنز العمال ۷ ر ۳۰۹ رابو الشیخ فی کتاب الاذان عن ابی مجذورۃ) و عن بلال ✤ [۲] کما ہو مروی عن الحسن وعلیؓ و ابن عباس وابن مسعود وخلق کثیر الحدیث الذی اشار الیہ المؤلف فی ذالک نفقد رواہ مسلم عن حدیث علیؓ فی قصۃ یوم الاحزاب شغلونا عن الصلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ العصر ملاء اللہ بیوتہم نارًا۔ وحدیث مصحف عائشۃ وحفصۃ مشہور فی ہذہ المسئلۃ رواہ مالک وابوداؤد (روح المعانی ص ۱۳۵ ج ۲) [۳] متفق علیہ من حدیث ابن عمر انظر الکافی لابن حجر ۱۸۸ و ۱۵ رقم ۵۱۴ و کنز العمال ۷ ر ۲۷۱-۲۷۳ ✤

نہیں دیتا۔
میں تنبیہ فرمائی ہے کہ خدا بندے کے ذمہ اتنا ہی کام لگاتا ہے جو اس کی طاقت سے ذرا کم ہوتا ہے۔
اور بعض نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جن احکام کا انسان کو مکلف بناتا ہے۔ ان کا ثمرہ وسعت یعنی وہ جنت ہے جس کی پہنائی ارض وسما ہے[1]۔ جیسا کہ اس کی تائید میں دوسری جگہ فرمایا:۔
يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (۲-۱۸۵) خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔
اور آیت:۔
وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا (۲۰-۹۸) اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔
میں اللہ تعالیٰ کے احاطہ علمی کا بیان ہے۔ جیسے دوسری جگہ اسی مفہوم کو:۔ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا (۶۵-۱۲) خدا اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ سے تعبیر فرمایا ہے۔
اور آیت کریمہ:۔
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (۳-۷۳) اور خدا کشائش والا اور علم والا ہے۔
اور نیز آیت کریمہ:۔
وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا (۴-۱۳۰) اور خدا بڑی کشائش اور حکمت والا ہے۔
میں اللہ تعالیٰ کا بلحاظ علم وقدرت ورحمت وفضل کے وسیع ہونا مراد ہے۔ جیسا کہ آیت:۔
وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا (۷-۸۱) میرا پروردگار اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔

اور آیت کریمہ:۔
وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (۷-۱۵۶) اور جو میری رحمت ہے وہ ہر چیز کو شامل ہے۔
سے معلوم ہوتا ہے۔ اور آیت:۔
وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ (۵۱-۴۷) اور ہم کو سب مقدور ہے۔
میں اللہ تعالیٰ کی اس وسعت کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ آیت:۔
الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ (۲۰-۵۰) وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی شکل وصورت بخشی اور پھر راہ دکھائی۔
میں بیان کیا جاتا ہے (یعنی خلق وہدایت کے فیضان سے وہ ہر چیز کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے)
وَسِعَ الشَّيْءُ اتَّسَعَ۔ کے معنی کسی چیز کے فراخ ہونا کے ہیں اور اَلْوُسْعُ کے معنی تونگری اور طاقت کے بھی آتے ہیں چنانچہ محاورہ مشہور ہے۔
هُوَ يُنْفِقُ عَلَىٰ قَدْرِ وُسْعِهِ کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرتا ہے۔
أَوْسَعَ فُلَانٌ وہ غنی اور صاحب وسعت ہو گیا
فَرَسٌ وَسَاعُ الْخَطْوِ[2] وہ گھوڑا جو لمبی لمبی ڈگ بھرتا ہوا نہایت تیزی سے دوڑتا ہے۔

(و س ق)

اَلْوَسْقُ۔ کے معنی متفرق چیزوں کو یکجا اکٹھا کرنے کے ہیں چنانچہ وَسَقْتُ (ض) الشَّيْءَ کے معنی ہیں میں نے اس شے کے متفرق اجزا کو اکٹھا کیا اور بوجھ کی معین مقدار۔ مثلاً ایک اونٹ کے بار کو بھی وَسْقٌ کہا جاتا ہے اور بعض نے کہا ہے ایک وَسْق ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے

---
[1] کما فی آیۃ (۵۷-۲۱) [2] وھو ضد القطوف وتقدم فی (ق ط ف)، وفی المثل قد یبلغ القطوف الوساع النظر المیدانی رقم ۲۸۴۴

اسی سے اَوْسَقْتُ الْبَعِیْرَ (افعال) ہے جس کے معنی اونٹ پر بوجھ لادنے کے ہیں۔
نَاقَةٌ وَّاسِقٌ حاملہ اونٹنی اس کی جمع مَوَاسِیْقُ آتی ہے۔
وَسَقْتُ الْحِنْطَةَ میں نے گیہوں کا ایک وسق بھرا۔ وَسَقَتِ الْعَیْنُ الْمَآءَ آنکھ پانی سے بھر گئی۔
مشہور محاورہ ہے:۔
لَا اَفْعَلُهٗ مَا وَسَقَتْ عَیْنِیْ الْمَآءَ کہ جب تک میری آنکھ میں پانی ہے (یعنی زندگی بھر) یہ کام نہیں کروں گا۔ قرآن میں ہے:۔
وَالَّیْلِ وَمَا وَسَقَ (۸۴-۱۷) اور رات کی اور جن چیزوں کو وہ اکٹھا کر لیتی ہے ان کی۔
بعض نے کہا ہے کہ ما وسق سے مراد رات کی تاریکی ہے جبکہ پوری طرح چھا جائے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ما وسق سے طوارق (رات میں واقع ہونے والے حوادث) مراد ہیں۔
اَلْوَسِیْقَةُ اونٹوں کے گلہ کو کہتے ہیں جیسے رُفْقَةٌ کے معنی انسانوں کی جماعت کے ہیں۔
اَلْاِتِّسَاقُ کے معنی کسی چیز کے اجزاء کے مجتمع اور (پورے طور پر) اکٹھا ہوجانا کے ہیں چنانچہ فرمایا:۔
وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ (۸۴-۱۸) اور چاند کی جب وہ کامل ہوجائے۔

(و س ل)

اَلْوَسِیْلَةُ کے معنی کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنے کے ہیں۔ چنانچہ معنی رغبت کو متضمن ہونے کی وجہ سے یہ وَصِیْلَةٌ سے اخص ہے۔
وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ (۵-۳۵) اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تلاش کرو۔

درحقیقت توسل الی اللہ علم و عبادت اور مکارم شریعت کی بجا آوری سے طریق الٰہی کی محافظت کرنے کا نام ہے اور یہی معنی تقرب الی اللہ کے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے والے کو وَاسِلٌ کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے علاوہ تَوَسُّلٌ کے معنی چوری کرنا بھی آتے ہیں چنانچہ محاورہ ہے:۔
اَخَذَ فُلَانٌ اِبِلَ فُلَانٍ تَوَسُّلًا اس نے فلاں کے اونٹ چوری کر لئے۔

(و س م)

اَلْوَسْمُ (ض) کے معنی نشان اور داغ لگانے کے ہیں اور سِمَةٌ علامت اور نشان کو کہتے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے۔
وَسَمْتُ الشَّیْءَ وَسْمًا میں نے اس پر نشان لگایا۔
قرآن میں ہے:۔
سَنَسِمُهٗ عَلَی الْخُرْطُوْمِ (۶۸-۱۶) ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگائیں گے۔
یعنی اس کی ناک پر ایسا نشان لگائیں گے جس سے اس کی پہچان ہو سکے گی۔ جیسا کہ مومنین کے متعلق فرمایا:۔
تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ۔ (۸۳-۲۴) تم ان کے چہروں ہی سے راحت کی تازگی معلوم کر لو گے۔
سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ کثرت سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔
تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ (۲-۲۷۳) اور تم قیافے سے ان کو صاف پہچان لو گے۔

اَلتَّوَسُّمُ۔ کے معنی آثار و قرائن سے کسی چیز کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرنا کے ہیں اور اسے علم ذکانت فراست اور فطانت بھی کہا جاتا ہے حدیث میں ہے[۱](۱۴۷)
اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ
یعنی مومن کی فراست سے ڈرتے رہو وہ خدا تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے نور توفیق سے دیکھتا ہے۔
قرآن میں ہے:۔
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ (۱۵-۷۵)
بے شک اس (قصے) میں اہل فراست کے لئے نشانیاں ہیں۔
یعنی ان کے قصہ میں عبرت اور نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے بہت سے نشانات ہیں۔
اَلْوَسْمِیُّ۔ موسم بہار کی ابتدائی بارش کو کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اس سے زمین پر گھاس کے نشانات ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور تَوَسَّمْتُ جس کے معنی علامت سے پہچان لینے کے ہیں۔
دراصل یہ لفظ وسمی گھاس کے تلاش کر لینے پر بولا جاتا ہے۔
فُلَانٌ وَسِیْمُ الْوَجْہِ فلاں خوب رو ہے۔
ھُوَ ذُوْ وَسَامَۃٍ۔ وہ صاحب جمال ہے۔
فُلَانَۃٌ ذَاتُ مِیْسَمٍ فلاں عورت صاحب حسن و جمال ہے۔
فُلَانٌ مَوْسُوْمٌ بِالْخَیْرِ اس کے چہرہ سے خیر ٹپکتی ہے۔
قَوْمٌ وِسَامٌ۔ خوبصورت لوگ۔
مَوْسِمُ الْحَاجِّ۔ حجاج کے جمع ہونے کا زمانہ اس کی جمع مَوَاسِمُ ہے اور وَسَّمُوْا کے معنی موسم حج میں حاضر ہونے کے ہیں۔
جیسا کہ عَرَّفُوْا وَحَصَّبُوْا وَعَیَّدُوْا کے معنی عرفہ، محصب اور عیدگاہ میں جمع ہونے کے ہیں اور جس جگہ پر حجاج کنکر پھینکتے ہیں اسے مُحَصَّبٌ کہا جاتا ہے۔

(و س ن)

اَلْوَسَنُ وَالسِّنَۃُ کے معنی غفلت یا اونگھ کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ (۲-۲۵۵) اسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔
رَجُلٌ وَسْنَانٌ اونگھنے والا مرد۔
تَوَسَّنَ الْمَرْاَۃَ۔ سوئی ہوئی عورت سے مجامعت کرنا۔
وَسِنَ وَاَسِنَ کے معنی کنویں کی بدبو سے بیہوش ہونے کے ہیں۔ مصنف کی رائے یہ ہے کہ یہ معنی نیند کی مناسبت سے لیا گیا ہے نہ کہ غشیان یعنی ڈھانپنے کے معنی سے۔

(و س ی)

مُوْسٰی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام۔
جو لوگ اسے عربی مانتے ہیں اس کے نزدیک یہ موسی الحدید سے منقول ہے جس کے معنی استرے...... کے ہیں اور اَوْسَیْتُ رَاْسَہٗ کے معنی ہیں میں نے استرے سے اس کا سر مونڈ ڈالا۔

---

[۱] رواہ الترمذی والبخاری فی تاریخہ من حدیث ابی سعید راجع لطرقہ کنز العمال ۱۱/۸۵ واللالی المصنوعۃ ۲۲۹-۲۳۰ وتخریج العراقی علی الاحیاء ۲/۳۹۴

(و ش ی)

وَشَیْتُ (ض) الشَّیْءَ وَشْیًا کے معنی کسی چیز میں اس کے تمام رنگ کے خلاف اور رنگ لگانا کے ہیں اسی سے وَشْیَۃٌ بروزن فَعْلَۃٌ ہے جس کے معنی کسی ایسے رنگ کا نشان یا داغ کے ہیں (جو سارے بدن کے رنگ کے خلاف ہو) قرآن میں ہے:۔

مُسَلَّمَۃٌ لَّا شِیَۃَ فِیْھَا (۲-۷۱) وہ بالکل صحیح سالم ہو اور اس پر کسی قسم کا داغ نہ ہو۔

اور ثَوْرٌ مُوَشَّی الْقَوَائِمِ اس بیل کو کہتے ہیں جس کی ٹانگوں پر اس کے سارے بدن کے رنگ کے خلاف نشانات ہوں۔ (یہ تو اس کے اصل معنی ہیں) اس کے بعد یہ لفظ کلام میں رنگ آمیزی کے معنوں میں استعمال ہونے لگا ہے چنانچہ مَمَوَّھَۃٌ وَزَخْرَفَۃٌ کی طرح کہا جاتا ہے وَشَی فُلَانٌ کَلَامَہٗ اس نے اپنی بات میں جھوٹ بول کر رنگ آمیزی کی اور اس میں تمویہ سے کام لیا اور اسی سے اَلْوَاشِیْ ہے جس کے معنی چغلخوری کے ہیں۔

(و ص ب)

اَلْوَصَبُ۔ کے معنی دائمی مرض کے ہیں اور وَصِبَ فُلَانٌ (س) فَھُوَ وَصِبٌ کے معنی دائمی مرض میں مبتلا ہونے کے ہیں۔

اَوْصَبَہٗ کَذَا فَھُوَ یَتَوَصَّبُ اسے فلاں بیماری لگ گئی چنانچہ وہ بیمار پڑ گیا جیسے اَوْجَعَہٗ فَھُوَ یَتَوَجَّعُ قرآن میں ہے:۔

وَلَھُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ (۳۷-۹) اور ان کے لئے عذاب دائمی ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَلَہُ الدِّیْنُ وَاصِبًا (۱۶-۵۲) اور اسی کی عبادت لازم ہے۔

میں اس شخص کے لئے وعید ہے جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے۔ کہ ایسے شخص کو دائمی عذاب کی سزا ملے گی۔ اور یہاں دین بمعنی طاعت ہے اور واصب بمعنی دائم اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ انسان کو ہر حالت میں ہمیشہ اسی کی عبادت کرنی چاہیے جیسا کہ فرشتوں کے متعلق فرمایا:۔

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (۶۶-۶) جو ارشاد خدا ان کو فرماتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم انہیں ملتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔

وَصَبَ وُصُوْبًا۔ کسی چیز کا دائم اور ثابت رہنا وَصَبَ الدَّیْنُ۔ قرض کا واجب اور لازم ہو جانا مَفَازَۃٌ وَّاصِبَۃٌ دور تک پھیلا ہوا بیابان جس کی انتہا نہ ہو۔

(و ص د)

اَلْوَصِیْدُ۔ اصل میں اس احاطہ کو کہتے ہیں جو مویشی کے لئے پہاڑ میں بنا لیا جائے اور آیت (۱۸-۱۸) میں اس کے معنی غار کا صحن یا دروازے کی چوکھٹ کے ہیں اسی سے اَوْصَدْتُ الْبَابَ وَاٰصَدْتُہٗ کا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں میں نے دروازے کو بند کر دیا چنانچہ قرآن میں ہے:۔

عَلَیْھِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَۃٌ (۹۰-۲۰) یہ لوگ آگ میں بند کر دیئے جائیں گے۔

ایک قرارت مُؤْصَدَۃٌ ہمزہ کے ساتھ ہے۔

اور آیت کے معنی ہیں اس آگ کو ان پر بند کر دیا جائے گا۔

اَلْوَصِیْدُ (ایضاً) پودا جس کی جڑیں زیادہ گہری نہ ہوں۔

(و ص ف)

اَلْوَصْفُ کے معنی کسی چیز کا حلیہ اور نعت بیان کرنے کے ہیں اور کسی چیز کی وہ حالت جو حلیہ اور نعت کے لحاظ سے ہوتی ہے اسے "صِفَةٌ" کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ "زِنَةٌ" ہر چیز کی مقدار پر بولا جاتا ہے۔

اور وصف چونکہ غلط اور صحیح دونوں طرح ہو سکتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ:۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ (۱۶-۱۱۶) اور یونہی جھوٹ جو تمہاری زبان پر آئے مت کہہ دیا کرو۔ میں تنبیہ کی ہے کہ وہ (یہود) جو کچھ بیان کرتے ہیں سراسر جھوٹ ہے اسی طرح آیت۔ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ (۳۷-۱۸۰) یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں ..... صاحب عزت ہے ..... میں اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات سے متصف نہیں ہے جن کا کہ اکثر لوگ اعتقاد رکھتے ہیں بلکہ ذات باری تعالیٰ ہر قسم کی تشبیہ و تمثیل اور ان باتوں سے جو کفار اس کی طرف منسوب کرتے ہیں بہت بلند اور دور ہے اسی لئے فرمایا:۔

وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (۳۰-۲۷) اور اس کی شان نہایت بلند ہے۔

اِتَّصَفَ الشَّیْءُ کے معنی ہیں کہ بظاہر دیکھنے میں یہ چیز اس صفت کے ساتھ متصف ہو سکتی ہے۔ وَصَفَ الْبَعِیْرُ وُصُوْفًا اونٹ کا عمدہ رفتار ہونا۔

اَلْوَصِیْفُ۔ خادم اور خادمہ کو وَصِیْفَةٌ کہا جاتا ہے۔ اور اسی سے محاورہ ہے۔ وَصُفَتِ الْجَارِیَةُ کنیزک خدمت کے لائق ہو گئی۔

(و ص ل)

اَلْاِتِّصَالُ کے معنی اشیاء کے باہم اس طرح متحد ہو جانے کے ہیں جس طرح کہ قطر دائرہ کی دونوں طرفیں ملی ہوتی ہوتی ہیں۔ اس کی ضد انفصال آتی ہے۔ اور وَصْلٌ کے معنی ملانے کے ہیں اور یہ اسم عین اور معنی دونوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے چنانچہ وَصَلْتُ فُلَانًا صلہ رحمی کے معنی میں آتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ (۲-۲۷) اور جس چیز (یعنی رشتہ قرابت) کے جوڑے رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے اسی کو قطع کئے ڈالتے ہیں۔ اور آیت کریمہ:۔

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ (۴-۹۰) مگر جو لوگ ایسے لوگوں سے تعلق رکھتے ہوں جن میں اور تم میں (صلح کا) عہد ہو۔ میں يَصِلُوْنَ کے معنی منتسب ہونے کے ہیں۔

چنانچہ اسی سے محاورہ ہے:۔

فُلَانٌ مُتَّصِلٌ بِفُلَانٍ یعنی فلاں اس کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ (۲۸-۵۱) اور ہم پے در پے ان لوگوں کے پاس (ہدایت کی) باتیں بھیجتے رہے ہیں۔

میں وَصَّلْنَا الْقَوْلَ کے معنی متواتر بات کہنے کے

ہیں یعنی ہم ۔۔۔ ان کے پاس لگاتار اپنا کلام بھیجتے رہے ہیں۔
مُوْصِلُ الْبَعِیْرِ۔ اونٹ کا مفصل بجوڑ جو دو اعضا کے درمیان ہوتا ہے مثلاً ساق اور عجز کے درمیان کا جوڑ اور آیت:۔
وَلَا وَصِیْلَۃٍ (۵-۱۰۳) اور نہ وصیلہ ہے۔
میں وصیلہ سے مراد وہ بکری ہے جو دو دو مادینہ بچے دینے کے بعد ساتویں بطن میں ایک نر اور ایک مادہ بچہ دے۔
(جاہلیت میں) اس مادہ کی وجہ سے نر بچہ کو بھی ذبح نہ کرتے اور کہتے کہ وَصَلَتْ اَخَاھَا کہ یہ اپنے بھائی سے مل گئی۔
اور بعض نے کہا ہے کہ اَلْوَصِیْلَۃُ کے معنی آبادی اور زرخیزی کے ہیں اور وسیع زمین کو بھی اَلْوَصِیْلَۃُ کہا جاتا ہے۔
محاورہ ہے:۔ ھٰذَا وَصْلُ ھٰذَا۔
یعنی (یہ اس کی مثل ہے) یہ اس کا صلہ ہے۔

(و ص ی)

اَلْوَصِیَّۃُ واقعہ پیش آنے سے قبل کسی کو ناصحانہ انداز میں ہدایت کرنے کے ہیں اور یہ اَرْضٌ وَاصِیَۃٌ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی پیوستہ گیاہ یعنی باہم گتھی ہوئی گھاس والی زمین کے ہیں اور اَوْصَاہُ وَوَصَّاہُ کے معنی کسی کو وصیت کرنے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَوَصّٰی بِھَا اِبْرَاھِیْمُ بَنِیْہِ وَیَعْقُوْبُ (۲-۱۳۲)
اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اس بات کی وصیت کی اور یعقوب نے بھی۔
ایک قرأت میں اَوْصٰی ہے۔
نیز فرمایا:۔
وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ (۲۹-۸) اور ہم نے انسان کو حکم دیا۔
مِنْ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ یُّوْصِیْ بِھَا اَوْدَیْنٍ (۴-۱۰)
وصیت کی تعمیل کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرض کے۔
حِیْنَ الْوَصِیَّۃِ اثْنَانِ (۵-۱۰۶) کہ وصیت کے وقت ۔۔۔ تم دو مرد۔
وَصّٰی (ایضًا) کسی کی فضیلت بیان کرنا۔
تَوَاصَی الْقَوْمُ ایک دوسرے کو وصیت کرنا۔
قرآن میں ہے:۔
وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (۱۰۳-۳)
اور آپس میں حق بات کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔
اَتَوَاصَوْا بِہٖ بَلْ ھُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ (۵۱-۵۳)
کیا یہ لوگ ایک دوسرے کو اس بات کی وصیت کرتے آئے ہیں بلکہ یہ شریر لوگ ہیں۔

(و ض ع)

اَلْوَضْعُ (نیچے رکھ دینا) یہ حَطٌّ سے عام ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَاَکْوَابٌ مَّوْضُوْعَۃٌ (۸۸-۱۴) اور آبخورے (قرینے سے) رکھے ہوئے۔
اور اسی سے مَوْضِعٌ ہے جس کی جمع مَوَاضِعُ آتی

سلہ ذکرہ ابوعبیدۃ فی مجازہ ۱/۳۷۶ و جری علیہ ابن قتیبۃ ۱۳۳ ولکن نقد علیہ النحاس فی الناسخ والمنسوخ ۱۰۹ والطبری فی تفسیرہ ۲/۹۹ راجع البحر ۵/۳۱ والقرطبی ۵/۳۰۸ سلہ وہی قراءۃ نافع وابن عامر من اہل المدینۃ والباقون۔ حتی فی تفسیر ابی حیان ۱/۳۹۸ وقد ذکر ابوحیان فی ہذا الموضع ان مصحف اہل المدینۃ مخالف لمصحف اہل العراق فی اثنی عشر حرفًا فراجعہ ۱۲

ہے جس کے معنی ہیں جگہیں یا موقعے جیسے فرمایا :۔
یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ (۵-۱۳)
یہ لوگ کلمات (کتاب) کو ان کے مقامات سے بدل دیتے ہیں۔

اور وَضْعٌ کا لفظ وضع حمل اور بوجھ اتارنے کے معنی میں آتا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے وَضَعَتِ الْمَرْأَۃُ الْحَمْلَ وَضْعًا عورت نے بچہ جنا۔ قرآن میں ہے۔
فَلَمَّا وَضَعَتْھَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُھَآ اُنْثٰی وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ (۳-۳۶) جب ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور جو کچھ ان کے ہاں پیدا ہوا تھا خدا کو خوب معلوم تھا تو کہنے لگیں کہ پروردگار میرے تو لڑکی ہی ہوئی ہے۔

لیکن اَلْوُضْعُ وَالتُّضْعُ کے معنی عورت کے آخر طہر میں حاملہ ہونے کے ہیں۔ وَضَعْتُ الْحِمْلَ۔ میں نے بوجھ اتار دیا اور اتارے ہوئے بوجھ کو مَوْضُوْعٌ کہا جاتا ہے۔ اور آیت :۔
وَالْاَرْضَ وَضَعَھَا لِلْاَنَامِ (۵۵-۱۰) اور اسی نے خلقت کے لئے زمین بچھائی۔
میں وضع سے مراد خلق و ایجاد (یعنی پیدا کرنا) ہے۔

اور وَضْعُ الْبَیْتِ کے معنی مکان بنانے کے آتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے :۔
اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ (۳-۹۵) پہلا گھر جو لوگوں کے عبادت کرنے کیلئے بنایا گیا تھا۔
اور آیت کریمہ :۔
وَوُضِعَ الْکِتٰبُ فَتَرَی الْمُجْرِمِیْنَ (۱۸-۴۹) اور عملوں کی کتاب کھول کر رکھی جائے گی۔
میں وضع کتاب سے قیامت کے دن اعمال کے دفتر کھولنا اور ان کی جزا دینا مراد ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا :۔
وَنُخْرِجُ لَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ کِتٰبًا یَّلْقٰہُ مَنْشُوْرًا (۱۷-۱۳) اور قیامت کے دن وہ کتاب اسے نکال دکھائیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔

وَضَعَتِ (ف) الدَّابَّۃُ فِیْ سَیْرِھَا سواری تیز رفتاری سے چلی۔ اور تیز رفتار سواری کو حَسَنَۃُ الْمَوْضُوْعِ (وَحَسَنُ الْمَوَاضِعِ) کہا جاتا ہے۔
اَوْضَعْتُھَا میں نے اسے دوڑایا۔ قرآن میں ہے :۔
وَلَاَ اَوْضَعُوْا خِلٰلَکُمْ (۹-۴۷) اور تم میں (فساد ڈلوانے کی غرض سے) دوڑے دوڑے پھرتے۔
اور وَضْعٌ کا لفظ سَیْرٌ یعنی چلنے کے معنی میں بطور استعارہ استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اَلْقٰی بَاعَہٗ وَثِقْلَہٗ میں قیام کرنے سے کنایہ ہوتا ہے۔
اَلْوَضِیْعَۃُ (رعایت) کمی جو اصل قیمت میں کی جائے۔
وَضِعَ الرَّجُلُ فِیْ تِجَارَتِہٖ اس نے تجارت میں نقصان اٹھایا۔
رَجُلٌ وَضِیْعٌ۔ نہایت خسیس آدمی (باب کرم) یہ رَفِیْعٌ کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے جس کے معنی بلند قدر کے ہیں۔

(و ض ن)

اَلْوَضْنُ۔ اس کے اصل معنی زرہ بافی کے ہیں۔ اور استعارۃً کسی چیز کو مضبوطی کے ساتھ بننے پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔
عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَۃٍ (۵۶-۱۵) (جواہرات) سے مرصع پلنگوں پر۔۔۔۔۔
اور اسی سے وَضِیْنُ النَّاقَۃِ ہے جس کے معنی حزام یعنی پالان کسنے کی رسی کے ہیں۔ اس کی جمع وُضُنٌ ہے

(و ط ء)

وَطْؤُ الشَّيْءِ فَهُوَ وَطِیْءٌ کے معنی کسی چیز کے پامال ہونے کے ہیں۔
اَلْوِطَاءُ ہر اس شے کو کہتے ہیں جو پاؤں کے نیچے روندی جائے جیسے فراش وغیرہ۔
وَطَأْتُ لَهٗ بِفِرَاشِهٖ کسی کے لئے فراش بچھانا۔
وَطَأْتُهٗ (ف) برجلی وَطْأً وَطْأَةً وَوَطَاءَةً وَتَوَطَّأْتُهٗ کسی چیز کو پاؤں سے روندنا قرآن میں ہے:
اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً (۷۳-۶) کچھ شک نہیں کہ رات کا اٹھنا (نفس بہیمی کو) سخت پامال کرتا ہے۔
ایک قرأت میں وِطَاءً ہے۔ اور حدیث میں ہے[۱] (۱۴۸) اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ۔ اے اللہ مضر پر اپنی گرفت کو سخت کر یعنی انہیں ذلیل کر۔
وَطِئَ امْرَاَتَهٗ عورت سے ہمبستری کرنا۔ یہ لفظ اگرچہ اپنے اصل معنی کے لحاظ سے جماع کے معنی میں بطور کنایہ استعمال ہوتا ہے۔ لیکن عرف میں بمنزلہ لفظ صریح کے ہے۔
اَلْمُوَاطَاَۃُ۔ اس کے معنی موافقت کے آتے ہیں۔ اور اصل معنی دوسرے کے نشان قدم پر اپنا قدم رکھنے کے ہیں۔ چنانچہ آیت اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ کے آخر میں فرمایا۔ لِّيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ۔ (۹-۳۷) تاکہ ادب کے مہینوں کی جو خدا نے مقرر کئے ہیں گنتی پوری کرلیں۔

(و ط ر)

اَلْوَطَرُ کے معنی کسی چیز کی انتہائی خواہش اور اہم ضرورت کے ہیں۔ قرآن میں ہے:
فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا۔ پھر جب زید نے اس سے (کوئی) حاجت (متعلق) نہ رکھی (یعنی اس کو طلاق دے دی۔ (۳۳-۳۷)

(و ع د)

اَلْوَعْدُ (وعدہ کرنا) کا لفظ خیر و شر یعنی اچھے اور برے (وعدہ) دونوں پر بولا جاتا ہے اور اس معنی میں وَعَدَ يَعِدُ وَعْدًا وَمَوْعِدًا وَمِيْعَادًا استعمال ہوتا ہے مگر اَلْوَعِيْدُ کا لفظ خاص کر شر (یعنی دھمکی اور تہدید) کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور اس معنی میں باب اَوْعَدَ (تَوَعَّدَ) استعمال ہوتا ہے۔ اور وَاعَدْتُهٗ (مفاعلة) وَتَوَاعَدْنَا (تفاعل) کے معنی باہم عہد و پیمان کرنا کے ہیں (قرآن کریم میں وَعْدٌ کا لفظ خیر و شر دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے (چنانچہ وعدہ خیر کے متعلق فرمایا۔
اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ .... (۱۴-۲۲) جو وعدہ خدا نے تم سے کیا تھا وہ تو سچا تھا۔
اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا (۲۸-۶۱) بھلا جس شخص سے ہم نے نیک وعدہ کیا۔
وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً (۴۸-۲۰) خدا نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا۔
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (۲۴-۵۵) جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ان سے خدا کا وعدہ ہے۔
الغرض اس قسم کی بہت سی آیات ہیں جن میں وَعْدًا کا لفظ خیر کے متعلق استعمال ہوا ہے اور وعدہ شر یعنی وعید کے معنی میں فرمایا۔

---

[۱] متفق علیہ حدیث ابی ہریرۃ فی قصۃ القنوت فی الصحیح و مسند احمد (۲) (۲۵۰) بتحقیق احمد شاکر و ابن سعد فی طبقاتہ راجع تخریج الکشاف ۱۱۲۰/۱

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (۲۲-۴۷) اور یہ لوگ تم سے عذاب کے لئے جلدی کر رہے ہیں۔ اور خدا اپنا وعدہ ہرگز خلاف نہیں کرے گا۔

کفار چونکہ آنحضرت سے عذاب کے جلد آنے کا مطالبہ کرتے تھے اس لئے لَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ میں وَعْدٌ بمعنی وَعِيْدٌ ہوگا۔ نیز فرمایا:۔

قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ اَلنَّارُ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (۲۲-۷۲) کہدو کہ میں تم کو اس سے بھی بری چیز بتاؤں وہ دوزخ کی آگ ہے جس کا خدا نے کافروں سے وعدہ کیا ہے۔

اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ (۱۱-۸۱) ان کے عذاب کے وعدے کا وقت صبح ہے۔

فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا (۷-۷۰) توجس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اسے لے آؤ۔

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ (۱۰-۴۶) اگر ہم کوئی عذاب جس کا ان لوگوں سے وعدہ کرتے ہیں تمہاری آنکھوں کے سامنے (نازل) کریں۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۔۔۔۔ (۱۴-۴۷) تو ایسا خیال نہ کرنا کہ خدا نے جو اپنے پیغمبروں سے وعدہ کیا ہے۔ اس کے خلاف کرے گا۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ (۲-۲۶۸) (اور دیکھنا) شیطان (کا کہا نہ ماننا وہ) تمہیں تنگدستی کا خوف دلاتا ہے۔

اور کبھی وَعَدَ کا لفظ عام معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی بیک وقت خیر و شر دونوں معنی مراد ہوتے ہیں۔ چنانچہ آیات کریمہ:۔

اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (۱۰-۵۵) اور یہ بھی سن رکھو کہ خدا کا وعدہ سچا ہے۔

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ (۶-۱۳۵) کچھ شک نہیں کہ جو وعدہ تم سے کیا جاتا ہے۔ وہ وقوع میں آنے والا ہے۔

میں قیامت کے روز جزائے اعمال کا وعدہ مراد ہے کہ اگر اعمال اچھے ہوں گے تو نتائج بھی خوشگوار ہوں گے اگر برے ہوں گے تو نتائج بھی تباہ کن ہوں گے۔

اَلْمَوْعِدُ وَالْمِيْعَادُ یہ دونوں لفظ کبھی مصدر اور کبھی اسم ظرف بن کر استعمال ہوتے ہیں۔ (اور اسم ظرف ہونے کی صورت میں ان سے وعدہ کا زمانہ یا مقدم وعدہ مراد ہے) چنانچہ فرمایا:۔

فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا (۲۰-۵۸) تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر لو۔

بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا (۱۸-۴۸) لیکن تم نے یہ خیال کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہارے لئے قیامت کا کوئی وقت مقرر ہی نہیں کیا۔

مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ (۲۰-۵۹) (موسیٰ نے کہا کہ) آپ کے لئے یوم زینت کا وعدہ ہے۔

بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا (۱۸-۵۸) مگر ان کے لئے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے کہ اس کے عذاب سے کوئی پناہ کی جگہ نہ پائیں گے۔

قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ (۳۴-۳۰)۔ کہدو کہ تم سے ایک دن کا وعدہ ہے۔

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ (۸-۴۲) اگر تم جنگ کے لئے آپس میں قرارداد کر لیتے تو وقت معین پر جمع ہونے میں تقدیم و تاخیر ہو جاتی ۔۔۔۔۔

اور لفظ مُوَاعَدَةٌ (مفاعلہ) کے متعلق فرمایا:۔

وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا (۲-۲۳۵) مگر پوشیدہ

طور بیان سے قول و قرار نہ کرنا۔
وَاعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً (۷-۱۴۲) اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس رات کی میعاد مقرر کی۔
وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً (۲-۵۱) اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس رات کی میعاد مقرر کی۔
ان دونوں آیتوں میں ثَلٰثِيْنَ وَاَرْبَعِيْنَ وَاعَدْنَا کی ظرف نہیں ہیں۔ بلکہ مفعول بہ ہیں اور ان کا مضاف محذوف ہے یعنی اِنْقِضَاءَ ثَلٰثِيْنَ وَ اَرْبَعِيْنَ یعنی تیس اور چالیس رات کے گزرنے کا وعدہ کیا۔ اور آیت :۔
وَ وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ (۲۰-۸۰) اور تورات دینے کے لئے ہم سے کوہ طور کی داہنی طرف مقرر کی۔
میں بھی یہی تاویل ہوگی یعنی یہاں جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ ظرف نہیں ہے بلکہ مفعول بہ ہے اور اس کا مضاف محذوف ہے یعنی اِتْيَانَ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ۔ اور آیت ۔
وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ (۸۵-۲) اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے۔ میں یوم موعود سے قیامت مراد ہے جیسا کہ آیت :۔ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (۵۶-۵۰) (سب) ایک روز مقرر کے وقت پر جمع کئے جائینگے میں میقات یوم معلوم قیامت کا دن مراد ہے۔
اور اَلْاِيْعَادُ (افعال) یعنی تہدید کے متعلق فرمایا۔
وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (۷-۸۶) اور ہر راستے پر مت بیٹھا کرو کہ تم ڈراتے اور راہ خدا سے روکتے ہو۔
اور لفظ وعید کے متعلق ارشاد ہے۔
ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ (۱۴-۱۴) یہ اس شخص کے لئے ہے جو قیامت کے روز میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اور میرے عذاب سے خوف کرے۔
فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ (۵۰-۴۵) پس جو ہمارے عذاب کی وعید سے ڈرے۔ اس کو قرآن سے نصیحت کرتے رہو۔
لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ (۵۰-۲۸) ہمارے حضور میں رد و کد نہ کرو۔ ہم تمہارے پاس پہلے ہی عذاب کی وعید بھیج چکے تھے۔
اور محاورہ ہے۔
رَاَيْتُ اَرْضَهُمْ وَاعِدَةً یعنی ان کی زمین سے اچھی پیداوار کی امید ہے۔
يَوْمٌ وَاعِدٌ بہت گرم یا بہت سرد دن۔
وَعِيْدُ الْفَحْلِ حملہ کے وقت نر اونٹ کا بڑبڑانا
اور آیت :۔
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (۲۴-۵۵) اور جو لوگ تم سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنادے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا۔ میں لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ الخ وعدہ کی تفسیر ہے۔ جیسا کہ آیت :۔
يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ (۴-۱۱) خدا تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو ارشاد فرماتا ہے۔ کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔
میں جملہ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ وصیت کی تفسیر واقع ہوا ہے۔ اور آیت :۔

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّائِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ (۸-۷) اور اس وقت کو یاد کرو جب تم خدا سے وعدہ کرتا تھا کہ دو گروہوں میں سے ایک گروہ تمہارا مسخر ہو جائے گا۔

میں اَنَّھَا لَکُمْ اِحْدَی الطَّائِفَتَیْنِ سے بدل ہے۔ اور اصل عبارت یوں ہے۔ وَعَدَکُمُ اللّٰہُ اَنَّ اِحْدَی الطَّائِفَتَیْنِ لَکُمْ۔ یعنی یا تو قافلہ ہاتھ لگے گا اور یا لشکر سے مقابلہ ہوگا اور مال غنیمت حاصل ہوگا۔

اَلْعِدَۃُ یہ وَعْدٌ سے اسم ہے اور اس کی جمع عِدَاتٌ آتی ہے اور وعد کا لفظ مصدر ہے جس کی جمع نہیں آتی اور وَعَدْتُ دو مفعول کو چاہتا ...... ہے اور دوسرا مفعول ظرف زمان، مکان یا کوئی اور چیز ہوتی ہے۔ جیسے:۔

وَعَدْتُ زَیْدًا یَوْمَ الْجُمُعَۃِ اَوْ مَکَانَ کَذَا اَوْ اَنْ افعل کذا وغیرہ۔

پس آیت وَاعَدْنَا مُوْسٰی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً میں وَاعَدْنَا کا دوسرا مفعول اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً نہیں ہو سکتا کیونکہ وعدہ کا وقوع اربعین کے اندر نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد ہوا ہے لہذا اس کا دوسرا مفعول اِنْقِضَاءَ الْاَرْبَعِیْنَ یا تَمَامَ الْاَرْبَعِیْنَ ہوگا ورنہ اس کے بغیر کلام صحیح نہیں ہو سکتا۔

(و ع ظ)

اَلْوَعْظُ کے معنی ایسی زجر و توبیخ کے ہیں۔ جس میں خوف کی آمیزش ہو خلیل نے اس کے معنی کئے ہیں خیر کا اس طرح تذکرہ کرنا جس سے دل میں رقت پیدا ہو اور عِظَۃٌ وَ مَوْعِظَۃٌ دونوں اسم ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ ...... نصیحت کرتا ہے۔ تاکہ تم یاد رکھو۔

قُلْ اِنَّمَا اَعِظُکُمْ بِوَاحِدَۃٍ (۳۴-۴۶) کہدو کہ میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں۔

ذٰلِکُمْ تُوْعَظُوْنَ بِہٖ (۵۸-۳) مومنو! اس حکم سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے۔

قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ (۱۰-۵۷) تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت آ پہنچی۔

وَجَآءَکَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَۃٌ وَّذِکْرٰی (۱۱-۱۲۰) اور ان قصص میں تمہارے پاس حق پہنچ گیا اور نصیحت اور عبرت ہے۔

وَھُدًی وَّمَوْعِظَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ (۳-۱۳۸) اور اہل تقویٰ کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے۔

وَکَتَبْنَا لَہٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَۃً وَّتَفْصِیْلًا (۷-۱۴۵) اور ہم نے (تورات کی) تختیوں میں ان کے لئے ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی۔

فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ وَعِظْھُمْ (۴-۶۳) تم ان کی باتوں کا کچھ خیال نہ کرو اور انہیں نصیحت کرو۔

(و ع ی)

اَلْوَعْیُ (ض) کے معنی (عموماً) بات وغیرہ کو یاد کر لینا کے ہوتے ہیں جیسے وَعَیْتُہٗ فِیْ نَفْسِیْ میں نے اسے یاد کر لیا۔ قرآن میں ہے:۔

لِنَجْعَلَھَا لَکُمْ تَذْکِرَۃً وَّتَعِیَھَا اُذُنٌ وَّاعِیَۃٌ (۶۹-۱۲) تاکہ اس کو تمہارے لئے یادگار بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔

اَلْاِیْعَاءُ (افعال) کے معنی ساز و سامان کو وِعَاءٌ (ظرف) میں محفوظ کرنا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

جَمَعَ فَاَوْعٰی۔ مال جمع کیا اور بند رکھا(۷۰-۱۸)
شاعر نے کہا ہے (البسیط)
(۱۷۴) وَالشَّرُّ اَخْبَثُ مَا اَوْعَیْتَ مِنْ زَادٍ
اور شر سب سے برا زاد ہے جو انسان جمع کرتا ہے۔
(اَلْوِعَاءُ کے معنی بوری یا تھیلا کے ہیں جس میں دوسری چیزیں اکٹھی کرکے رکھی جائیں اس کی جمع اَوْعِیَۃٌ آتی ہے قرآن میں ہے:۔
فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ اَخِیْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِعَاءِ اَخِیْهِ (۱۲-۷۶) پھر یوسف نے اپنے بھائی کے شلیتے سے پہلے ان کے شلیتوں کو دیکھنا شروع کیا پھر اپنے بھائی کے شلیتے میں سے اس کو نکال لیا۔
وَلَا وَعْیَ عَنْ کَذَا اس کے بغیر طبیعت کو سکون نہیں اور اسی سے محاورہ ہے۔
مَالِی عَنْهُ وَعْیٌ مجھے اس سے چارہ کار نہیں۔
وَعَی الْجُرْحُ یَعِیْ وَعْیًا زخم میں مدّہ یعنی گندہ مواد بھر گیا۔
وَعَی الْعَظْمُ ہڈی کا ٹوٹنے کے بعد مضبوط ہوجانا اور قوت کو جمع کر لینا۔
اَلْوَاعِیَۃُ (رایۃً) چیخنے والی۔
سَمِعْتُ وَعْیَ الْقَوْمِ میں نے قوم کی چیخ و پکار کی آواز سنی۔

(و ف د)

وَفَدَ الْقَوْمُ (ض) وِفَادَۃً لوگوں کا وفد بن کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونا اور وفد یا وفود ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اپنی ضروریات پورا کرنے کے لئے بادشاہوں کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اور اسی سے وَافِدٌ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو سب سے آگے نکل جانے والا ہو۔ قرآن میں ہے:۔ یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا (۱۹-۸۵) جس روز ہم پرہیزگاروں کو خدا کے سامنے بطور مہمان جمع کریں گے۔

(و ف ر)

اَلْوَفْرُ مال کثیر کو کہتے ہیں جس میں کسی چیز کی کمی نہ ہو اور وَفَرْتُهُ (ض) وَفْرًا وَ وُفُوْرًا وَ فِرَۃً کے معنی کسی چیز کو پورا کرنے کے ہیں۔ اور وَفَّرْتُهُ (تفعیل) تکثیر کے لئے آیا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاؤُکُمْ جَزَاءً مَّوْفُوْرًا (۱۷-۶۳) تو تم سب کی سزا جہنم ہے (اور وہ) پوری پوری سزا ہے)
وَفَرْتُ عِرْضَهُ میں نے اس کی عزت کو کم نہیں کیا۔
اَرْضٌ فِیْ نَبْتِهَا وَفْرَۃٌ وہ زمین جس میں پوری طرح گھاس جمی ہوئی ہو۔
رَاَیْتُ فُلَانًا ذَا وِفَارَۃٍ میں نے فلاں کو عقل و مروت میں کامل پایا۔
اَلْوَافِرُ علم عروض کی اصطلاح میں ایک بحر کا نام ہے (جس میں مفاعلتن چھ بار آتا ہے)

لہ قالہ عبید بن الابرص وصدرہ :۔۔ والخیر وان طال الزمان بہ۔ والبیت فی التاج واللسان (وعی) وذیل کتاب الابدال لابی الطیب اللغوی (۱: ۹۳) والکامل للمبرد ۷، ۹ وفی مجمع الامثال للمیدانی رقم ۱۹۵۴ وزعموا ان ہذا البیت قالتہ الجن وقیل بل ہو لعبید بن الابرص وادرج فی العقد الثمین ۱۸۲ فی ملحقات دیوان طرفۃ ؟

(ر و ف ض)

اَلْاِیْفَاضُ (افعال) کے معنی تیز روی کے ہیں اور اصل میں اس کے معنی کسی کے وَفْضَۃ کو اٹھا کر اس طرح تیزی سے بھاگنے کے ہیں کہ اس سے خشخشہ کی آواز پیدا ہو اور وَفْضَۃٌ چمڑے کے ترکش کو کہتے ہیں اس کی جمع وِفَاضٌ آتی ہے۔

قرآن میں ہے:۔
كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ جیسے شکاری شکار کے جال کی طرف دوڑتے ہیں۔ (۷۰-۴۳)
بعض نے کہا ہے کہ اَوْفَاضٌ تیز رو جماعتوں کو کہتے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے۔
لَقِیْتُهٗ عَلٰى اَوْفَاضٍ میں اسے عجلت میں ملا۔ اس کا واحد وَفْضٌ ہے جس کے معنی جلدی کے ہیں۔

(ر و ف ق)

اَلْوَفْقُ۔ دو چیزوں کے درمیان مطابقت اور ہم آہنگی ہونے کو کہتے ہیں قرآن نے اعمال کے نتائج کو ...... جَزَاءً وِّفَاقًا (۷۸-۲۶) (یہ) بدلہ ہے پورا پورا۔ کہا ہے اور یہ وَافَقْتُ فُلَانًا وَ وَافَقْتُ الْاَمْرَ (میں نے اسکی موافقت کی یا اسے پالیا) کے محاورہ سے ماخوذ ہے۔
اَلْاِتِّفَاقُ۔ انسان کے کسی کام کا تقدیر کے مطابق ہو جانا اور یہ خیر و شر دونوں میں بولا جاتا ہے جیسے۔ اِتَّفَقَ لِفُلَانٍ خَیْرٌ فلاں کو اتفاق سے خیر حاصل ہو گئی۔
اِتَّفَقَ لَهٗ شَرٌّ اسے اتفاق سے برائی پہنچی یہی مفہوم توفیق کا ہے مگر یہ متعدی ہے اور عرف میں یہ خیر کے ساتھ مخصوص ہو چکا ہے (یعنی اسباب کا مقصد کے مطابق مہیا کر دینا، اور شر میں استعمال نہیں ہوتا۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔
وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ (۱۱-۸۸) اور مجھے توفیق کا ملنا خدا ہی کے فضل سے ہے۔ محاورہ ہے:۔
اَتَانَا لِتِیْفَاقِ الْهِلَالِ وَمِیْفَاقِهٖ۔ میرے پاس رؤیت ہلال کے موقع پر آیا۔

(ر و ف ی)

اَلْوَافِیْ۔ مکمل اور پوری چیز کو کہتے ہیں جیسے وہ دِرْهَمٌ وَافٍ، كَيْلٌ وَافٍ وَغَيْرُ ذٰلِكَ اَوْفَيْتُ الْكَيْلَ وَالْوَزْنَ میں نے ناپ یا تول کر پورا پورا دیا۔ قرآن میں ہے:۔
وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ (۱۷-۳۵) اور جب کوئی چیز ناپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو۔
وَفٰى بِعَهْدِهٖ (ض) وَفَاءً وَاَوْفٰى۔ اس نے عہد و پیمان پورا کیا۔ یعنی اس کی خلاف ورزی نہیں کی اس کی ضد غَدَرَ ہے۔ جو نقض عہد اور عدم وفا کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن قرآن میں اَوْفٰى (افعال) استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ (۲-۴۰) اور اس اقرار کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا اور میں اس اقرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا۔
وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ (۱۶-۹۱) اور جب خدا سے عہد واثق کرو تو اس کو پورا کرو۔
بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى (۳-۷۶) ہاں جو شخص اپنے اقرار کو پورا کرے اور خدا سے ڈرے۔
وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا (۲-۱۷۷) اور جب عہد کر لیں تو اس کو پورا کریں۔

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ (۷۶-۷) یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں۔
وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ (۹-۱۱۱) اور خدا سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے۔
اور آیت:۔
وَ اِبْرَاھِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی (۵۳-۳۷) اور ابراہیم کی جنہوں نے (حق طاعت ورسالت) پورا کیا۔
میں وَفّٰی سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان مطالبات کو پورا کرنے میں اپنی پوری کوشش صرف کر ڈالی جن کی طرف کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ:۔
اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ (۹-۱۱۱) خدا نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں اور اس کے عوض میں ان کے لئے بہشت تیار کی ہے۔
میں ارشاد فرمایا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اگر ایک طرف اللہ تعالیٰ کی طاعت میں مال صرف کیا تو دوسری طرف لڑکے کی قربانی پیش کرنے میں بھی کچھ دریغ نہیں کیا حالانکہ وہ انہیں ان کی جان سے بھی زیادہ عزیز تھا۔ اور وَفّٰی سے جن باتوں کے پورا کرنے پر متنبہ کیا ہے۔ وہ وہی ہیں جن کی طرف کہ آیت:۔
وَاِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰھِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ (۲-۱۲۴) اور جب پروردگار نے چند باتوں میں حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے۔ میں ارشاد فرمایا ہے:۔
اور تَوْفِیَۃُ الشَّیْءِ کے معنی بلا کسی قسم کی کمی کے پورا پورا دینے کے ہیں اور اِسْتِیْفَاءٌ کے معنی (اپنا حق) پورا لے لینے کے۔ قرآن میں ہے:۔

وَوُفِّیَتْ کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ (۳-۲۵) اور ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا۔
وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ (۳-۱۸۵) اور تم کو تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔
ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ (۲-۲۸۱) اور ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا۔
اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ (۳۹-۱۰) جو صبر کرنے والے ہیں ان کو بے شمار ثواب ملے گا۔
مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا نُوَفِّ اِلَیْھِمْ اَعْمَالَھُمْ فِیْھَا (۱۱-۱۵) جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب وزینت کے طالب ہوں ہم ان کے اعمال کا بدلہ انہیں دنیا ہی میں پورا پورا دے دیتے ہیں۔
وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ (۸-۶۰) اور تم جو کچھ راہ خدا میں خرچ کرو گے اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائے گا۔
فَوَفّٰہُ حِسَابَہٗ (۲۴-۳۹) تو اس سے اس کا حساب پورا پورا چکا دے۔
اور کبھی تَوَفّٰی کے معنی موت اور نیند کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا (۳۹-۴۲) خدا لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے۔
وَھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ (۶-۶۰) اور وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمہاری روح قبض کر لیتا ہے۔
قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ (۳۲-۱۱) کہدو کہ موت کا فرشتہ تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ (۱۶-۷۰) اور خدا ہی نے تم کو پیدا کیا پھر وہی تم کو موت دیتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (۱۶-۲۸) (ان کا حال یہ ہے کہ جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے لگتے ہیں۔

تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (۶-۶۱) (تو) ہمارے فرشتے ان کی روح قبض کر لیتے ہیں۔

اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ (۱۳-۴۰) یا تمہاری مدت حیات پوری کردیں۔

وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (۳-۱۹۳) اور ہم کو دنیا سے نیک بندوں کے ساتھ اٹھا۔

وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ (۷-۱۲۶) اور ہمیں ماریو تو مسلمان ہی ماریو۔

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا (۱۲-۱۰۱) مجھے اپنی اطاعت کی حالت میں اٹھائیو۔

اور آیت:۔

يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ (۳-۵۵) عیسٰی! میں تمہاری دنیا میں رہنے کی مدت پوری کرکے تم کو اپنی طرف اٹھا لوں گا۔

میں بعض نے کہا ہے کہ توفی بمعنی موت نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مدارج کو بلند کرنا مراد ہے۔ مگر حضرت ابن عباسؓ نے توفی کے معنی موت کئے ہیں چنانچہ ان کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی کو فوت کرکے پھر زندہ کردیا تھا۔

(و ق ب)

اَلْوَقْبُ کے اصل معنی چٹان پتھر وغیرہ میں گڑھا کے ہیں۔ اور وَقَبَ (ض) کے معنی گڑھے وغیرہ میں داخل ہوکر غائب ہوجانے کے ہیں اسی سے وَقَبَتِ الشَّمْسُ ہے جس کے معنی آفتاب غروب ہونے کے ہیں۔ اور وَقَبَ الظَّلَامُ کے معنی ہیں تاریکی چھاگئی اور اشیاء اس کے اندر غائب ہوگئیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ (۱۱۳-۳) اور شب تاریک کی برائی سے جب اس کا اندھیرا چھا جائے۔

اَلْوَقِيْبُ گھوڑے کے ذکر کے ایستادہ ہونے کی آواز۔

وَقَبَهٗ وَقْبَةً۔ اس نے اسے اکٹھا کر لیا۔

(و ق ت)

اَلْوَقْتُ کسی کام کے لئے مقررہ زمانہ کی آخری حد کو کہتے ہیں۔ اس لئے یہ لفظ معین عرصہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے:۔

وَقَّتُّ كَذَا میں نے اس کے لئے اتنا عرصہ مقرر کیا۔ اور ہر وہ چیز جس کے لئے عرصہ متعین کردیا جائے موقوت کہلاتی ہے۔ قرآن میں ہے:۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (۴-۱۰۳) بے شک نماز کا مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔

وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ (۷۷-۱۱) اور جب پیغمبر اکٹھے کئے جائیں۔

اَلْمِيْقَاتُ۔ کسی شے کے مقررہ وقت یا اس وعدہ کے ہیں جس کے لئے کوئی وقت متعین کیا گیا ہو قرآن میں ہے:۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا (۷۸-۱۷) بے شک فیصلے کا دن مقرر ہے۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ (۴۴-۴۰) کچھ شک

نہیں کہ فیصلے کا دن..... اٹھنے کا وقت ہے۔
اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (۵۶-۵۰) سب ایک روز مقرر کے وقت پر جمع کئے جائیں گے۔
اور کبھی مِیْقَاتٌ کا لفظ کسی کام کے لئے مقرر کردہ مقام پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے مَوَاقِیْتُ الْحَجِّ یعنی مواضع (جو احرام باندھنے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں)۔

ر و ق د

وَقَدَتِ النَّارُ (ض) وُقُوْدًا۔ وَوَقَدًا۔ آگ روشن ہونا۔
اَلْوَقُوْدُ۔ ایندھن کی لکڑیاں جن سے آگ جلائی جائے۔ اور آگ کے شعلہ کو بھی وَقُوْدٌ کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ (۲-۲۴) جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے
وَاُولٰٓئِکَ ھُمْ وَقُوْدُ النَّارِ (۳-۱۰) اور یہ لوگ آتش جہنم کا ایندھن ہوں گے۔
اَلنَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ (۸۵-۵) آگ کی خندقیں جن میں ایندھن جھونک رکھا تھا۔
اِسْتَوْقَدَتِ النَّارَ۔ آگ جلانے کی تیاری کرنا اور کبھی بمعنی اَوْقَدْتُھَا میں نے آگ جلائی بھی آجاتا ہے قرآن میں ہے:۔
مَثَلُھُمْ کَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا (۲-۱۷) ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے شب تاریک میں آگ روشن کی۔
وَمِمَّا یُوْقِدُوْنَ عَلَیْہِ فِی النَّارِ (۱۳-۱۷) اور جس چیز کو زیور یا کوئی اور سامان بنانے کے لئے آگ میں تپاتے ہیں۔
فَاَوْقِدْ لِیْ یٰھَامٰنُ (۲۸-۳۸) تو ہامان! میرے لئے گارے کو آگ لگا کر اینٹیں پکا (دو)۔
نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ (۱۰۴-۶) خدا کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔
اور اسی سے وَقْدَۃُ الصَّیْفِ کا محاورہ ہے جس کے معنی گرمی کی شدت کے ہیں۔
اِتَّقَدَ فُلَانٌ غَضَبًا فلاں غصہ سے بھڑک اٹھا اور استعارہ کے طور پر وَقَدَ وَاتَّقَدَ لڑائی بھڑکنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ اَلْاِشْتِعَالُ وَالْاِسْتِعَارَۃُ وغیرہ الفاظ اس معنی میں بطور مجاز استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
کُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَھَا اللّٰہُ (۵-۶۴) یہ جب لڑائی کے لئے آگ جلاتے ہیں تو خدا اس کو بجھا دیتا ہے۔
اور کبھی استعارہ کے طور پر چمک دمک کے معنی میں آتا ہے:۔
اِتَّقَدَ الْجَوْھَرُ وَالذَّھَبُ جوہر یا سونے کا چمکنا۔

ر و ق ذ

اَلْوَقْذُ (ض) کے معنی شدت ضرب کے ہیں اور جس جانور کو لاٹھی یا پتھر سے مار دیا جائے اسے موقوذۃ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَالْمَوْقُوْذَۃُ (۵-۳) اور جو چوٹ لگ کر مر جائے۔

ر و ق ر

اَلْوَقْرُ کان میں بھاری پن۔ وَقِرَتْ اُذُنُہٗ تَقِرُ وَتَوْقَرُ کان میں ثقل ہونا (یعنی باب ضَرَبَ وفَتَحَ سے آتا ہے۔ لیکن ابوزیدنے

اسے سَمِعَ سے مانا ہے۔ اور اس سے مَوْقُوْرَۃٌ صفت مفعولی۔۔۔ ہے۔ قرآن میں ہے۔
وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ (۴۱-۵) اور ہمارے کانوں میں بوجھ یعنی بہرہ پن ہے۔
وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا (۶-۲۵) اور کانوں میں ثقل پیدا کر دیا۔
نیز وَقْرٌ کا لفظ گدھے یا خچر کے ایک بوجھ پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ وَسْقٌ کا لفظ اونٹ کے بوجھ کے ساتھ مخصوص ہے اور اَوْقَرْتُہٗ کے معنی بوجھ لادنے کے ہیں۔
نَخْلَۃٌ مُوْقِرَۃٌ وَمُوْقَرَۃٌ پھل سے لدی ہوئی کھجور۔
اَلْوَقَارُ۔ کے معنی سنجیدگی اور حلم کے ہیں۔ باوقار اور حلیم آدمی کو وَقُوْرٌ، وَقَارٌ اور مُتَوَقِّرٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:
مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا (۷۱-۱۳) تم کو کیا ہوا کہ تم خدا کی عظمت کا اعتماد نہیں رکھتے۔
فُلَانٌ ذُوْ وَقْرَۃٍ فلاں بردبار ہے۔ اور آیت:
وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ (۳۳-۳۲) اور اپنے گھروں میں پڑی رہو۔
میں بعض نے کہا ہے کہ یہاں قَرْنَ، وَقَارٌ بمعنی سکون سے ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ وَقَرْتُ، اَقِرُ، وَقْرًا سے ہے جس کے معنی بیٹھ رہنا کے ہیں۔
اَلْوَقِیْرُ بھیڑ بکری کا بہت بڑا ریوڑ۔
یہ بھی وقار سے ہے گویا کثرت تعداد [illegible] رفتاری کی وجہ سے اس میں وقار یعنی سکون پایا جاتا ہے۔

(و ق ع)

اَلْوُقُوْعُ۔ کے معنی کسی چیز کے ثابت ہونے اور نیچے گرنے کے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے:
وَقَعَ الطَّیْرُ وُقُوْعًا۔ پرند نیچے گر پڑا۔
اَلْوَاقِعَۃُ۔ اس واقعہ کو کہتے ہیں جس میں سختی ہو۔ اور قرآن پاک میں اس مادہ سے جس قدر مشتقات استعمال ہوئے ہیں۔ وہ زیادہ تر عذاب اور شدائد کے واقع ہونے کے متعلق استعمال ہوئے ہیں چنانچہ فرمایا:
اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَۃُ لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَۃٌ (۵۶-۲۹) جب واقع ہونے والی واقع ہو جائے اس کے واقع ہونے میں کچھ جھوٹ نہیں۔
سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ (۷۰-۱) ایک طلب کرنے والے نے عذاب طلب کیا۔ جو نازل ہو کر رہے گا۔
فَیَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَۃُ (۶۹-۱۵) تو اس روز ہو پڑنے والی (یعنی قیامت) ہو پڑے گی۔
اور کسی قول کے وقوع سے اس کے متضمن مفہوم کا واقع ہو جانا مراد ہوتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:
وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا (۲۷-۸۵) اور ان کے ظلم کے سبب ان کے حق میں وعدہ عذاب پورا ہو کر رہے گا۔
یعنی ان پر وہ عذاب اتر پڑا جس کا کہ ان کے ظلم کے سبب ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔ نیز فرمایا:
وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ [illegible] بارے میں عذاب کا وعدہ پورا ہو جائے گا۔ تو ہم ان

۱؎ وفی القرآن فالحاملات وقرا ۲؎ وقد وقر الرجل فہو وقور ۳؎ وفی الروح ۲۲/۱۴: قرء الاکثر وقرن بکسر القاف من وقر یقر وقارا اذا ثبت وسکن واصلہ وقرن فحذف [illegible] بہ ما فعل بعد فمن وعد

کے لئے زمین میں سے ایک جانور نکالیں گے۔
یعنی جب ان علاماتِ قیامت کا ظہور ہو جائیگا۔
جو پہلے بیان ہو چکی ہیں۔
قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ (۷-۷۱) ہودؑ نے کہا کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب کا نازل ہونا مقرر ہو چکا ہے۔
نیز فرمایا:۔
أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهِ (۱۰-۵۱) کیا جب وہ آ واقع ہوگا۔ تب اس پر ایمان لاؤ گے۔
فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (۴-۱۰۰) تو اس کا ثواب خدا کے ذمے ہو چکا۔
یہاں لفظ وقوع کا استعمال محض تاکید وجوب کے لئے ہے (یعنی اس کے بغیر ہی صحیح ہو سکتے تھے) جیسا کہ آیت:۔
وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (۳۰-۴۷) اور مومنوں کی مدد ہم پر لازم تھی۔
اور آیت:۔
كَذَٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِينَ (۱۰-۱۰۳) اس طرح ہمارا ذمہ ہے کہ مسلمانوں کو نجات دیں۔
میں حَقًّا کا لفظ محض تاکید کے لئے استعمال ہوا ہے ورنہ یہ معنی عَلَيْنَا سے بھی مفہوم ہو سکتا تھا۔
اور آیت:۔
فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ (۱۵-۲۹) تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔
میں قَعُوا کا لفظ مبادرت إِلَى السُّجُودِ کے معنی کو ظاہر کرتا ہے۔

وَقَعَ الْمَطَرُ بارش ہونا۔ مَوَاقِعُ الْغَيْثِ جن مقامات پر بارش برسی ہو[1]۔
اَلْمُوَاقَعَةُ باہم جنگ کرنا۔ نیز کنایہ کے طور پر اس کے معنی عورت سے مجامعت کے بھی آتے ہیں۔
اَلْإِيقَاعُ (افعال) واقع کرنا۔ سخت معرکہ تمام کرنا۔ اور کنایۃً وَقْعَةٌ کے معنی جنگ بھی آتے ہیں۔ (والجمع وقائع)
وَقْعُ الْحَدِيدِ۔ لوہے کی آواز (تلواروں کے کھٹ کھٹانے کی آواز) محاورہ ہے۔
وَقَعْتُ الْحَدِيدَ (ف) وَقْعًا مِيقَعَةٌ یعنی سان پر تلوار وغیرہ کا تیز کرنا۔ نیز وَقَعَ کا لفظ سقوط شدید یعنی دھماکہ پر بھی بولا جاتا ہے اور اسی سے اَلْوَقِيعَةُ (فی الانسان) ہے جس کے معنی کسی کی غیبت کرنے کے ہیں اور اَلْحَافِرُ الْوَاقِعُ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کے سم سنگستان میں چلنے سے گھس گئے ہوں۔
اَلْوَقِيعَةُ (ایضًا) وہ جگہ جہاں بارش کا پانی ٹھہر جاتا ہو (والجمع الوقائع) مَوْقِعٌ پرند کا مستقر (ج مَوَاقِعُ)
اَلتَّوْقِيعُ۔ سواری کی پیٹھ میں زخم کے نشان کو کہتے ہیں اسی طرح کتاب پر نشان لگانے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور اسی سے اَلتَّوْقِيعُ کے معنی کسی چیز کا گمان کرنا بھی آتے ہیں۔

(و ق ف)

وَقَفْتُ الْقَوْمَ (ض) وَقْفًا (متعدی) لوگوں کو ٹھہرانا اور وَقَفُوا۔ وُقُوفًا (لازم) ٹھہرنا۔

---

[1] وفی القرآن فلا أقسم بمواقع النجوم (۵۶-۷۵) فالمراد من المواقع ههنا المغارب كما جاء فی روایة ابن جریر عن قتادة وعند البعض نجوم القرآن راجع الروح ۲۷/۱۳۲ وقدمر البحث فی حرف النون۔

قرآن میں ہے:۔

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ (۳۷-۲۴) اور ان کو ٹھہرائے رکھو کہ ان سے کچھ پوچھنا ہے۔

اور اسی سے بطور استعارہ وَقَفْتُ الدَّارَ آتا ہے جس کے معنی مکان کو وقف کر دینے ہیں۔ نیز اَلْوَقْفُ کے معنی ہاتھی دانت کا کنگن بھی آتے ہیں اور حِمَارٌ مُوَقَّفٌ اس گدھے کو کہتے ہیں جس کی کلائیوں پر کنگن جیسے سفید نشان ہوں جیساکہ فرس مُحَجَّلٌ اس گھوڑے کو کہا جاتا ہے جس کے پاؤں میں حجل کی طرح سفیدی ہو۔

مَوْقِفُ الْاِنْسَانِ انسان کے ٹھہرنے کی جگہ کو کہتے ہیں اور اَلْمُوَاقَفَةُ کا مفہوم یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے معاملہ کو اسی چیز پر روک دے جس پر کہ دوسرے نے روکا ہے۔ (ایک دوسرے کے بالمقابل کھڑا ہونا)

اَلْوَقِيْفَةُ بھگایا ہوا شکار جو شکاری کے تعاقب سے عاجز ہو کر ٹھہر جائے۔ یہاں تک کہ وہ اسے شکار کر لے۔

ر و ق ی)

وَقَيْتُ الشَّيْءَ (ض) وِقَايَةً وَوِقَاءً کے معنی کسی چیز کو مضر اور نقصان پہنچانے والی چیزوں سے بچانا کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ (۷۶-۱۱) تو خدا ان کو .... بچالیگا۔

وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (۴۴-۵۶) اور خدا ان کو دوزخ کے عذاب سے بچالے گا۔

وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ (۱۳-۳۴) اور ان کو خدا کے عذاب سے کوئی بھی بچانے والا نہیں۔

مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ (۱۳-۳۷) تو خدا کے سامنے نہ کوئی تمہارا مددگار ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا۔

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (۶۶-۶) اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتش جہنم سے بچاؤ۔

اَلتَّقْوٰی اس کے اصل معنی نفس کو ہر اس چیز سے بچانے کے ہیں جس سے گزند پہنچنے کا اندیشہ ہو لیکن کبھی کبھی لفظ تقویٰ اور خوف ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ سبب بول کر مسبب اور مسبب بولکر سبب مراد لیا جاتا ہے اور اصطلاح شریعت میں نفس کو ہر اس چیز سے بچانیکا نام تقویٰ ہے جو گناہ کا موجب ہو۔ اور یہ بات محظورات شرعیہ کے ترک کرنے سے حاصل ہوجاتی ہے مگر اس میں درجہ کمال حاصل کرنے کے لئے بعض مباحات کو بھی ترک کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ سے مروی ہے[1] اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَمَنْ وَقَعَ حَوْلَ الْحِمٰی فَحَقِيْقٌ اَنْ يَّقَعَ فِيْهِ کہ حلال بھی بین ہے اور حرام بھی بین ہے اور جو شخص چراگاہ کے اردگرد چرائے گا تو ہوسکتا ہے کہ وہ اس میں داخل ہوجائے۔ (یعنی مشتبہ چیزیں اگرچہ درجہ اباحت میں ہوتی ہیں لیکن ورع کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں بھی چھوڑ دیا جائے) قرآن میں ہے:۔

فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۷-۳۵) جو شخص ان پر ایمان لا کر خدا سے ڈرتا رہے گا اور اپنی حالت درست رکھے گا۔ ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

---

[1] رواہ النسائی ص ۲۰۳ ج ۲ وسائر اصحاب السنن - ۱۲

نَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا (۱۶-۱۲۸) کچھ شک نہیں کہ جو پرہیزگار ہیں اللہ ان کا مددگار ہے۔

وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ اِلَی الْجَنَّۃِ زُمَرًا (۳۹-۷۳) اور جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کو گروہ گروہ بنا کر بہشت کی طرف لے جائیں گے۔

پھر تقوی کے چونکہ بہت سے مدارج ہیں اس لئے آیات وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْہِ اِلَی اللّٰہِ۔ (۲-۲۸۱) اور اس دن سے ڈرو جب کہ تم خدا کے حضور میں لوٹ کر جاؤ گے۔

اِتَّقُوْا رَبَّکُمْ (لوگو) اپنے پروردگار سے ڈرو۔ (۳۱-۳۳)

وَیَخْشَ اللّٰہَ وَیَتَّقْہِ (۲۴-۵۲) اور اس سے ڈرے گا۔

وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ (۴-۱) اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت برآری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو۔ اور قطع مودت ارحام سے۔

اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ (۳-۱۰۲) خدا سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

پس ہر جگہ تقوی کا ایک خاص معنی مراد ہے جس کی تفصیل اس کتاب کے بعد بیان ہوگی۔[1]

اِتَّقٰی فُلَانٌ بِکَذَا کے معنی کسی چیز کے ذریعہ بچاؤ حاصل کرنے کے ہیں۔ اور آیت:۔

اَفَمَنْ یَّتَّقِیْ بِوَجْہِہٖ سُوْءَ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (۳۹-۲۴) بھلا جو شخص قیامت کے دن اپنے منہ سے برے عذاب کو روکتا ہوا۔ میں اس عذاب شدید پر تنبیہ کی ہے جو قیامت کے دن ان پر نازل ہوگا اور یہ کہ سب سے بڑی چیز جس کے ذریعہ وہ عذاب سے بچنے کی کوشش کریں گے وہ ان کے چہرے ہی ہوں گے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسری جگہ فرمایا:۔

وَتَغْشٰی وُجُوْھَھُمُ النَّارُ (۱۴-۵۰) اور ان کے مونہوں کو آگ لپیٹ رہی ہوگی۔

یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْھِھِمْ (۵۴-۴۸) اس روز منہ کے بل دوزخ میں گھسیٹے جائیں گے۔

(و ک ء)

اَلْوِکَاءُ۔ کے معنی کسی چیز کا سر بند کے ہیں۔[2] اور کبھی وِکَاءٌ اس ظرف کو بھی کہہ دیا جاتا ہے جس میں کوئی چیز ڈال کر اس کا منہ باندھ دیا گیا ہو۔ اسی سے اَوْکَاْتُ فُلَانًا ہے جس کے معنی کسی کے لئے تکیہ لگا دینے کے ہیں۔

تَوَکَّأَ عَلَی الْعَصَا اس نے عصا پر ٹیک لگائی اور اس سے قوت حاصل کی چنانچہ قرآن میں ہے:۔

ھِیَ عَصَایَ اَتَوَکَّؤُا عَلَیْھَا (۲۰-۱۸) (انہوں نے کہا) یہ میری لاٹھی ہے اس پر میں سہارا لگاتا ہوں۔

اور حدیث میں ہے[3] (۱۵۰)

کَانَ یُوْکِیْ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ یعنی بالکل خاموش یا نہایت تیزی سے طواف کرتے تھے اس کے معنی یہ ہیں کہ سعی سے ان کے مابین کو

---

[1] وفی المطبوع ومن یخش اللہ مصحف ۱۲ [2] وفی الحدیث: ان العین وکاء السہ فاذا نامت العینان استطلق الوکاء (الفائق ۲/۴۲۱) [3] والحدیث فی الفائق ۲/۴۲۱: موقوف علی الزبیر قال ابو عبید فی غریبہ (۴: ۸) وھو عندی من امساک الکلام وفیہ تفسیر آخر انہ یروی عنہ قال کان یوکی ما بین الصفا والمروۃ سعیا فان کان ہذا محفوظا فوجہہ ان یملأ ما بینہما سعیا کما لا یمشی علی ہینتہ فی شیء من ذالک شبہا بالسقاء وغیرہ) یملأ ثم یوکأ علیہ حیث انتہی امتلاءہا وایضا انظر مجمع البحار الانوار ۳/ ۶۱۴

اس طرح پر کر دیتے تھے جیسا کہ مشکیزہ کو بھرنے کے بعد اس کا منہ باندھ دیا جاتا ہے۔ اور یہ یاد رہے کہ مشک کا منہ باندھنے کے لیے اَوْکَیْتُ السِّقَاءَ (یعنی یار کے ساتھ) بولتے ہیں اور اَوْکَاْتُ (ہمزہ کے ساتھ) اس معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔

(و ک د)

وَکَّدْتُ وَاَکَّدْتُ (تفعیل) کے معنی کسی بات یا معاملہ کو محکم اور پختہ کرنے کے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے:
وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْکِیْدِھَا (۱۶-۹۱) اور جب پکی قسمیں کھاؤ تو ان کو مت توڑو۔
اور وہ تسمہ جس سے زین کے اگلے حصہ کو کس کر باندھ دیتے ہے اسے (بھی) تاکید یا توکید کہا جاتا ہے۔ اور اَلْوِکَادُ اُس رسی کو کہتے ہیں جس کے ساتھ دودھ دوہتے وقت گائے کی ٹانگیں باندھ دیتے ہیں۔
خلیل نے کہا ہے کہ اَیْمَانٌ (یعنی قسموں) کی پختگی کے لیے اَکَّدْتُ زیادہ مناسب ہے اور باقی اقوال کے متعلق وَکَّدْتُ زیادہ صحیح ہے۔ لہذا عقد ایمان کے لئے اَکَّدْتُ اور حلف وغیرہ کے لئے وَکَّدْتُ کہا جائے گا۔ اور وَکَدَ وَکْدَہٗ کے معنی کسی کی طرح قصد کرنے اور اس جیسے اخلاق اختیار کرنے کے ہیں۔

(و ک ز)

اَلْوَکْزُ (ض) کے معنی گھونسا لگانے، دھکا دینے اور مکا مارنے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔
فَوَکَزَہٗ مُوْسٰی (۲۸-۱۵) تو موسٰی (علیہ السلام) نے اس کو مکا مارا۔

(و ک ل)

اَلتَّوْکِیْلُ کے معنی کسی پر اعتماد کر کے اسے اپنا نائب مقرر کرنے کے ہیں اور وَکِیْلٌ فَعِیْلٌ (بمعنی مفعول) کے وزن پر ہے۔ قرآن میں ہے:۔
وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا (۴-۸۱) اور خدا ہی کافی کارساز ہے۔ یعنی اپنے تمام کام اسی کے سپرد کر دیجئے اور کارسازی کے لئے اسی کو کافی سمجھئے۔
اور آیت کریمہ:۔
حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ (۳-۱۷۳) ہم کو خدا کافی ہے۔ اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔
بھی اسی معنی پر محمول ہے۔ اور آیت کریمہ:۔
وَمَا اَنْتَ عَلَیْھِمْ بِوَکِیْلٍ (۳۹-۴۱) اور اے پیغمبر تم ان کے ذمہ دار نہیں ہو۔
کے معنی یہ ہیں کہ تم ان کے اعمال کے ذمہ دار اور محافظ نہیں ہو۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا:۔
لَسْتَ عَلَیْھِمْ بِمُصَیْطِرٍ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰی (۸۸-۲۲-۲۳) تم ان پر داروغہ نہیں ہو۔ ہاں جس شخص نے منہ پھیرا . . . . . .
اور اسی معنی میں فرمایا:۔
قُلْ لَّسْتُ عَلَیْکُمْ بِوَکِیْلٍ (۶-۶۶) کہہ دو کہ میں تمہارا داروغہ نہیں ہوں۔
اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ اَفَاَنْتَ تَکُوْنُ عَلَیْھِمْ وَکِیْلًا (۲۵-۴۳) کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے خواہش نفس کو معبود بنا رکھا ہے۔ تو کیا تم اس پر نگہبان ہو سکتے ہو۔
اَمَّنْ یَّکُوْنُ عَلَیْھِمْ وَکِیْلًا (۴-۱۰۹) اور کون ان کا وکیل بنے گا۔
یعنی ان کی طرف سے کون ذمہ داری اٹھائیگا۔

اَلتَّوَکُّلُ (تفعل) اس کا استعمال دو طرح ہوتا ہے اول (صلہ لام کے ساتھ) تَوَکَّلْتُ لِفُلَانٍ یعنی میں فلاں کی ذمہ داری لیتا ہوں چنانچہ وَکَّلْتُہٗ فَتَوَکَّلَ لِی کے معنی ہیں میں نے اسے وکیل مقرر کیا تو اس نے میری طرف سے ذمہ داری قبول کر لی۔

(علیٰ کے ساتھ) تَوَکَّلْتُ عَلَیْہِ کے معنی کسی پر بھروسہ کرنے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

عَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (۴-۱۱۱) اور خدا ہی پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ (۶۵-۳۰) اور جو خدا پر بھروسہ رکھیگا تو وہ اس کو کفایت کریگا۔

رَبَّنَا عَلَیْکَ تَوَکَّلْنَا (۶۰-۴) اے ہمارے پروردگار تجھ ہی پر ہمارا بھروسہ ہے۔

وَعَلَی اللّٰہِ فَتَوَکَّلُوْا (۵-۲۳) اور خدا ہی پر بھروسہ رکھو۔

وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا (۴-۸۱) اور خدا پر بھروسہ رکھو اور خدا ہی کافی کارساز ہے۔

وَتَوَکَّلْ عَلَیْہِ (۱۱-۱۲۳) اور اسی پر بھروسہ رکھو۔

وَتَوَکَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ (۲۵-۵۸) اور اس خدائے زندہ پر بھروسہ رکھو جو کبھی نہیں مریگا۔

وَاکَلَ فُلَانٌ دوسرے شخص پر اعتماد کر کے اپنا کام ضائع کر دینا۔

تَوَاکَلَ الْقَوْمُ لوگوں نے اپنے کام ایک دوسرے پر ڈالنا شروع کر دیئے۔

رَجُلٌ وَکَلَۃٌ۔ تُکَلَۃٌ وہ آدمی جو خود کمزور ہو اور ہر کام میں دوسروں کا سہارا تلاش کرے۔

اَلْوَکَالُ۔ چوپایہ جانوروں میں عیب کو کہتے ہیں یعنی یہ کہ وہ دوسرے جانور کے چلنے کے بغیر تنہا نہ چلے۔

بعض نے وکیل کی تفسیر کفیل کے ساتھ کی ہے کہ وکیل کفیل کو کہتے ہیں۔ مگر وکیل کفیل سے اعم ہے کیونکہ ہر کفیل وکیل بھی ہوتا ہے لیکن ہر وکیل کا کفیل ہونا ضروری نہیں ہے۔

(و ل ج)

اَلْوُلُوْجُ (ض) کے معنی کسی تنگ جگہ میں داخل ہونے کے ہیں۔

قرآن میں ہے:۔

حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ (۷-۴۰) یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نہ نکل جائے۔

اور آیت:۔

یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَیُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ (۲۲-۶۱) (کہ خدا) رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔

میں اس نظام کائنات پر متنبہ کیا گیا ہے جو اس عالم میں رات کے دن اور دن کے رات میں داخل ہونے کی صورت میں قائم ہے اور مطالع شمسی کے حساب سے رونما ہوتا رہتا ہے۔

اَلْوَلِیْجَۃُ وہ شخص ہے جو دوسری قوم سے ہو لیکن تم اسے اپنا معتمد بنالو اور یہ فُلَانٌ وَلِیْجَۃٌ فِی الْقَوْمِ کے محاورہ سے لیا گیا ہے یعنی وہ جو قوم میں داخل ہو جائے اور ان میں سے نہ ہو عام اس سے کہ انسان ہو یا کوئی دوسری چیز قرآن میں ہے:۔

وَلَمْ یَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلَا رَسُوْلِہٖ وَلَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْجَۃً (۹-۱۶) اور انہوں نے خدا اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا۔

جیسا کہ مومنین کے متعلق دوسری جگہ فرمایا:۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَ

النَّصَارٰى اَوْلِيَآءَ (۵-۵۱) اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔

دَخُلٌ خُرَجَةٌ وُلَجَةٌ بہت زیادہ اندر اور باہر آنے جانے والا آدمی۔

(و ل د)

اَلْوَلَدُ۔ جو جنا گیا ہو یہ لفظ واحد جمع (مذکر مؤنث) چھوٹے بڑے سب پر بولا جاتا ہے۔

چنانچہ قرآن میں ہے:۔

فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ (۴-۱۱) اور اگر اولاد نہ ہو۔

اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ (۶-۱۰۱) اس کے اولاد کہاں سے ہو۔

اور وَلَدٌ کا لفظ متبنّٰی پر بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔

اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا (۱۲-۲۱) یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ (۹۰-۳) اور باپ (یعنی آدم) اور اس کی اولاد کی قسم۔

ابوالحسن کا قول ہے کہ وَلَدٌ کا لفظ بیٹے اور بیٹی دونوں پر بولا جاتا ہے اور وُلْدٌ وَ وِلْدٌ کے معنی اہل وعیال کے ہیں۔ محاورہ ہے:۔ وُلِدَ فُلَانٌ فلاں پیدا ہوا . . . قرآن میں ہے:۔

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ (۱۹-۳۳) اور جس دن میں پیدا ہوا مجھ پر سلام (ورحمت) ہے۔

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ (۱۹-۱۵) اور جس دن وہ پیدا ہوئے ان پر سلام ورحمت ہے۔

اور باپ کو والد اور ماں کو والدہ کہتے ہیں اور دونوں کو والدین کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ (۷۱-۲۸) اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے ماں باپ کو معاف کرنا۔

اَلْوَلِيْدُ۔ عرف میں نوزائیدہ بچے پر بولا جاتا ہے۔ اگرچہ لغت کے لحاظ سے ہر چھوٹے بڑے کو ولید کہنا صحیح ہے۔ جیسا کہ تازہ چنے ہوئے پھل کو جَنِيٌّ کہا جاتا ہے پھر جب بچہ بڑا (یعنی بالغ) ہو جائے تو اسے وَلِيْدٌ نہیں کہتے۔ اس کی جمع وِلْدَانٌ ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔

يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا (۷۳-۱۷) (اس دن سے (کیونکر بچوگے) جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔

اَلْوَلِيْدَةُ عرف عام میں کنیزک کے ساتھ مختص ہے اور لِدَةٌ خاص کر تِرْبٌ (لنگوٹیا) کو کہتے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے:۔

فُلَانٌ لِدَةُ فُلَانٍ وَتِرْبُهٗ فلاں اس کا ہم عمر ہے یہ اصل میں وِلْدَةٌ ہے تخفیف کے لئے واؤ ساقط ہوگئی ہے۔

تَوَلَّدَ الشَّيْءُ مِنَ الشَّيْءِ ایک چیز کا دوسری سے پیدا ہونا۔

اور وَلَدٌ کی جمع اَوْلَادٌ آتی ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔ (۸-۲۸) تمہارا مال اور اولاد بڑی آزمائش ہے۔

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ (۶۴-۱۴) تمہاری عورتوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن بھی ہیں۔

ان ہر دو آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد انسان کے لئے آزمائش ہے۔ مگر بعض اولاد دشمن ثابت ہوتی ہے پہلی آیت میں سب کو فتنہ قرار دیا ہے۔ لیکن دوسری آیت میں بعض کو دشمن قرار دیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وَلَدٌ کی جمع وُلْدٌ بھی آتی ہے جیسے اَسَدٌ کی جمع اُسْدٌ مگر ہوسکتا ہے کہ وُلد کا لفظ مفرد ہو جیسے بُخْلٌ وَ بَخَلٌ اور

عَرُبٌ وَعُرُبٌ کہ یہ دونوں مفرد ہیں ..... مثل مشہور ہے۔
وُلْدُکَ مَنْ دَمّٰی عَقِبَیْکَ یعنی تیرا لڑکا تو وہی ہے جو تیری ایڑیوں کو خون آلود کرے یعنی جو تمہارے بطن سے پیدا ہوا ہو اور ایک قراءت میں ہے :
مَنْ لَمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَوُلْدُهٗ (۷۱-۲۱) جن کو ان کے مال اور اولاد نے ..... کچھ فائدہ نہیں دیا۔[1]

(و ل ق)

اَلْوَلْقُ کے معنی تیز روی کے ہیں اور وَلَقَ الرَّجُلُ (ض) کے معنی جھوٹ بولنا کے ہیں ۔

اور آیت :۔
اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِکُمْ (۲۴-۱۵) جب تم اپنی زبانوں سے اس کا ایک دوسرے سے ذکر کرتے تھے۔
میں ایک قرأت تَلِقُوْنَهٗ بھی ہے[2] یعنی کذب بیانی کے لئے جلدی کرتے تھے اور یہ جَاءَتِ الْاِبِلُ تَلِقُ۔ کے محاورہ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی اونٹوں کے تیز رفتاری کیساتھ آنیکے ہیں۔
اَلْاَوْلَقُ۔ جس کی عقل میں فتور ہو۔
رَجُلٌ مَالُوْقٌ وَمُؤْلَقٌ۔ پاگل اور دیوانہ آدمی۔
نَاقَةٌ وَلَقَی۔ تیز رو اونٹنی۔
اَلْوَلِیْقَةُ ایک قسم کا کھانا جو گھی سے تیار ہوتا ہے۔
اَلْوَلْقُ۔ نیزے کا بہت ہلکا زخم ۔

(و ل ی)

اَلْوِلَاءُ وَالتَّوَالِیْ کے اصل معنی دو یا دو سے زیادہ چیزوں کا اس طرح یکے بعد دیگرے آنا کہ ان کے درمیان کوئی ایسی چیز نہ آئے جو ان میں سے نہ ہو۔ پھر استعارہ کے طور پر قرب کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ خواہ وہ قرب بلحاظ مکان یا نسب اور یا بلحاظ دین اور دوستی یا نصرت کے ہو اور یا بلحاظ اعتقاد کے۔
اَلْوِلَایَةُ (بکسر الواو) کے معنی نصرت اور وَلَایَةٌ (بفتح الواو) کے معنی کسی کام کا متولی ہونے کے ہیں۔[3] بعض نے کہا ہے کہ یہ دَلَالَةٌ وَدِلَالَةٌ کی طرح ہے یعنی اس میں دو لغت ہیں۔ اور اس کے اصل معنی کسی کام کا متولی ہونے کے ہیں۔
اَلْوَلِیُّ وَالْمَوْلٰی۔ یہ دونوں کبھی اسم فاعل یعنی مُوَالٍ کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور کبھی اسم مفعول یعنی مُوَالًی کے معنی میں آتے ہیں۔ اور مومن کو ولی اللہ تو کہہ سکتے ہیں لیکن مولی اللہ کہنا ثابت نہیں ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے متعلق وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَوْلَاهُمْ دونوں طرح بول سکتے ہیں ۔ چنانچہ معنی اول یعنی اسم فاعل کے متعلق فرمایا :۔
اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (۲-۲۵۷) جو لوگ ایمان لائے ان کا دوست خدا ہے۔
اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰهُ (۷-۱۹۶) میرا مددگار تو خدا ہی ہے۔
وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ (۳-۶۸) اور خدا مومنوں کا کارساز ہے ۔

---

[1] وفی القرآن وعلی المولود له (۲: ۲۳۳) ای الاب او العصبة ۱۲ [2] مروی عن عائشة والآیة فی شان حدیث الافک (اللسان ولق) والنواور لابی مسحل ار۳۱۶ وابطال ابی الطیب ۲ر۳۱۲ والمشکل للقتبی ۱۹ والقراءات الشاذة (ن۱۰۰) لابن خالویه ۱۲ ؛

[3] کذا قال ابوعبیدة فی مجازه (۱ر۵-۴) ومنه اخذ البخاری تفسیر ہذہ الکلمة (فتح الباری ۸/ ۳۲۹) ؛ ؛ ؛ ؛ ؛

ذَالِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ (۴۷-۱۱)
یہ اس لئے کہ جو مؤمن ہیں ان کا خدا کارساز ہے۔
نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ (۸-۴۰) خوب حمایتی اور خوب مددگار ہے۔
وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى۔ (۲۲-۷۸) اور خدا کے دین کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو وہی تمہارا دوست ہے اور خوب دوست ہے۔
اور دوسرے معنی یعنی اسم مفعول کے متعلق فرمایا۔
قُلْ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ (۶۲-۶) کہدو کہ اے یہود اگر تم کو یہ دعویٰ ہو کہ تم ہی خدا کے دوست ہو اور لوگ نہیں۔
وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ۔ (۶۶-۴۔ اور پیغمبر کی ایذا) پر باہم اعانت کروگی تو خدا ان کے حامی اور دوست دار ہیں۔
ثُمَّ رُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ (۶-۶۲) پھر قیامت کے دن تمام لوگ اپنے مالک برحق خدا ئے تعالیٰ کے پاس واپس بلائے جائینگے۔
اور آیت :۔
وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ۔ (۱۳-۱۱) اور خدا کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ میں وَالٍ کے معنی وَلِیٌّ کے ہے۔ اور متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کے درمیان ولایۃ کی نفی کی ہے۔ چنانچہ فرمایا :۔
يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ (۵-۵۱) اے ایمان والو یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہیں میں سے ہوگا۔
لَا تَتَّخِذُوْا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ (۹-۲۳) اگر تمہارے ماں باپ اور بہن بھائی ایمان کے مقابل کفر کو پسند کریں تو ان سے دوستی نہ رکھو۔
وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَآءَ (۷-۳) اور اس کے سوا اور رفیقوں کی پیروی نہ کرو۔
مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا (۸-۷۲) تو جب تک وہ ہجرت نہ کریں تم کو ان کی رفاقت سے کچھ سروکار نہیں۔
يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ۔ (۶۰-۱) مومنو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔
اور آیت :۔
تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کے آخر میں فرمایا :۔
وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ (۵-۸۱) اور اگر وہ خدا پر اور پیغمبر پر اور جو کتاب ان پر نازل ہوئی تھی اس پر یقین رکھتے تو ان لوگوں کو دوست نہ بناتے۔
اور کفار اور شیاطین کے درمیان دنیا میں موالات تو ثابت ہے لیکن آخرت میں ان کے درمیان دوستی کی نفی کی گئی ہے چنانچہ دنیا میں ان کی باہم موالات کے متعلق فرمایا :۔
اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ۔ (۹-۶۷) منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کے ہم جنس (یعنی) ایک ہی طرح کے) ہیں۔

نیز فرمایا:۔
اِنَّھُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (۷-۳۰) ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو رفیق بنا لیا۔
اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ (۷-۲۷) ہم نے شیطانوں کو ان ہی لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔
فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ (۴-۷۶) سو تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو۔
پھر جس طرح ان کے درمیان باہم دوستی کو ثابت کیا ہے اسی طرح دنیا میں کفار پر شیاطین کو تسلط بھی دے رکھا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
اِنَّمَا سُلْطَانُہٗ عَلَی الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَہٗ (۱۶-۱۰۰) اس کا زور انہیں لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو رفیق بناتے ہیں۔
اور آخرت میں ان کی باہم دوستی کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:۔
یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًی عَنْ مَّوْلًی شَیْئًا (۴۴-۴۱) جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہیں آئے گا۔
ثُمَّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یَکْفُرُ بَعْضُکُمْ بِبَعْضٍ (۲۹-۲۵) پھر قیامت کے دن ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کرو گے۔
وَقَالَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْھِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا ھٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَغْوَیْنَا (۲۸-۶۳) الآیۃ۔ اور جن لوگوں پر عذاب کا حکم ثابت ہو چکا ہوگا۔ وہ کہیں گے کہ ہمارے پروردگار یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا۔
اور تَوَلّٰی کا لفظ جب متعدی بنفسہٖ ہوتا ہے۔ تو معنی ولایۃ اور قریب ترین مواضع سے اس کے حصول کو چاہتا ہے۔ چنانچہ اسی سے کہا جاتا ہے۔ وَلَّیْتُ سَمْعِیْ کَذَا اَوْ وَلَّیْتُ عَیْنِیْ کَذَا میں نے اپنے کان یا آنکھ کو فلاں چیز پر لگایا۔
وَلَّیْتُ وَجْھِیْ کَذَا میں اپنے چہرے کے ساتھ اس پر متوجہ ہوا۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضٰھَا فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ شَطْرَہٗ (۲-۱۴۴) سو ہم تم کو اسی قبلے کی طرف جس کو تم پسند کرتے ہو۔ چہرہ پھیرنے کا حکم دیں گے۔ اب اپنا چہرہ مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) کی طرف پھیر لو اور تم لوگ جہاں ہوا کرو (نماز پڑھنے کے وقت) اسی مسجد کی طرف منہ کر لیا کرو۔
اور جب بذریعہ عَنْ کے متعدی ہو تو خواہ وہ عن لفظوں میں مذکور ہو یا مقدر، اس کے معنی اعراض اور دور ہونا کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ تعدیہ بذاتہٖ کے متعلق فرمایا:۔
وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ (۵-۵۱) اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا۔ وہ بھی انہیں میں سے ہوگا۔
وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ (۵-۵۶) اور جو شخص خدا اور اس کے پیغمبر سے دوستی کرے گا۔
اور تعدیہ بعن کے متعلق فرمایا:۔
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِالْمُفْسِدِیْنَ۔ (۳-۶۳) تو اگر یہ لوگ پھر جائیں تو خدا مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔
اِلَّا مَنْ تَوَلّٰی وَکَفَرَ (۸۸-۲۳) ہاں جس نے منہ پھیرا اور نہ مانا۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا (۳-۶۴) اگر یہ لوگ اس بات کو نہ مانیں تو ان سے کہدو کہ تم گواہ رہو۔
وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ (۴۷-۳۸) اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا۔
فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ۔ (۶۴-۱۲) اور اگر تم منہ پھیر لوگے تو ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف پیغام کا کھول کر پہنچا دینا ہے۔
وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰکُمْ (۸-۴۰) اور اگر روگردانی کریں تو جان رکھو کہ خدا تمہارا حمایتی ہے۔
فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۳-۸۲) تو جو اس کے بعد پھر جائیں وہ بدکردار ہیں۔
اور تَوَلّٰی (بمعنی اعراض) کے معنی کبھی پیٹھ پھیرنا کے ہوتے ہیں اور کبھی توجہ نہ کرنے اور ترک قرب کے۔ چنانچہ فرمایا:۔
وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ (۸-۲۰) اور اس سے روگردانی نہ کرو اور تم سنتے ہو۔
یعنی ان لوگوں کا کردار انہ کرو جن کی صفت یہ تھی کہ:۔
وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَکْبَرُوا اسْتِکْبَارًا۔ (۷۱-۷) اور کپڑے اوڑھ لئے اور اڑ گئے اور اکڑ بیٹھے۔
اور نہ ہی ان لوگوں کے قول کی نقالی کرو۔ جن کے متعلق فرمایا:۔
وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ (۴۱-۲۶) اور کافر کہنے لگے کہ اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو۔ اور (جب پڑھنے لگیں تو) شور مچا دیا کرو۔
محاورہ ہے:۔

وَلّٰی دُبُرَهٗ۔ یعنی ہزیمت کھا کر بھاگ جانا۔ قرآن میں ہے:۔
وَاِنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ یُوَلُّوْکُمُ الْاَدْبَارَ (۳-۱۱۱) اور اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائینگے۔
وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗ (۸-۱۶) اور جو شخص جنگ کے روز ان سے پیٹھ پھیرے گا۔
اور آیت کریمہ:۔
هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا (۱۵-۵) مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما۔
میں ولی سے ایسا لڑکا مراد ہے جو اولیاء اللہ سے ہو۔ اور آیت:۔
خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ (۱۹-۵) اور میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں۔
میں بعض نے کہا ہے کہ موالی سے عم زاد بھائی مراد ہیں[1]۔ اور بعض نے دور کے رشتہ دار مراد لئے ہیں[2]۔ اور آیت کریمہ:۔
وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ (۱۷-۱۱۱) اور نہ اس وجہ سے کہ وہ عاجز و ناتواں ہے کوئی اس کا مددگار ہے۔
میں مطلق ولی کی نفی نہیں ہے بلکہ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ کی نفی ہے یعنی اس وجہ سے کہ وہ عاجز و ناتواں ہو اس کا کوئی ولی نہیں ہے۔ ویسے اللہ تعالیٰ کے سب نیک بندے اس کے اولیاء سے ہیں لیکن وہ اولیاء من الذل نہیں ہیں کہ کسی پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کو ان سے امداد کی ضرورت ہو۔ قرآن میں ہے:۔
وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا (۱۸-۱۷) اور جس کو گمراہ کرے تو تم اس کے لئے

---

[1] ہٰذا ہو المروی عن الاصم ۱۲ [2] علی ما روی عن ابن عباس ومجاہد روح المعانی ص۶۵ ج ۱۶ ۱۲

کوئی دوست راہ بتانے والا نہ پاؤ گے۔

اَلْوَلِیُّ (ایضًا) وہ بارش جو وسمی یعنی موسم بہار کی پہلی بارش کے بعد متصل برسے اسے وَلِیٌّ کہا جاتا ہے۔

اَلْمَوْلٰی۔ کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) غلام کو آزاد کرنے والا (۲) آزاد شدہ غلام (۳) حلیف (۴) عم زاد بھائی (۵) پڑوسی۔ اور ہر وہ شخص جو دوسرے کے معاملہ کا والی ہو وہ بھی اس کا مولا کہلاتا ہے:۔

فُلَانٌ اَوْلٰی بِکَذَا فلاں اس کا زیادہ حق دار ہے قرآن میں ہے:۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ (۳۳-۶) پیغمبر مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرَاھِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ (۳-۶۸) ابراہیمؑ سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں۔ جو ان کی پیروی کرتے ہیں۔

فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا (۴-۱۳۵) تو خدا ان کا خیرخواہ ہے۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ (۳۳-۶) اور رشتہ دار آپس میں زیادہ حق دار ہیں۔

اور بعض نے کہا ہے کہ آیت:۔

اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی (۷۵-۳۴) افسوس ہے تم پر پھر افسوس ہے۔

میں بھی اولٰی اسی محاورہ سے ماخوذ ہے اور اَوْلٰی لَکَ وَلَکَ دونوں طرح بولا جاتا ہے۔ اور معنی یہ ہیں کہ عذاب تیرے لئے اولی ہے یعنی تو عذاب کا زیادہ سزاوار ہے[1]۔

اور بعض نے کہا ہے کہ یہ فعل متعدی بمعنی قرب کے ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اَوْلٰی بمعنی اِنْزَجِرْ ہے یعنی اب بھی باز آجا۔

وَلِیَ الشَّیْءُ الشَّیْءَ دوسری چیز کا پہلی چیز کے بعد بلافصل ہونا۔

اَوْلَیْتُ الشَّیْءَ الشَّیْءَ دوسری چیز کو پہلی چیز کے ساتھ ملانا۔

اَلْوَلَاءُ میراث جو آزاد کردہ غلام سے حاصل ہوتی ہے اور احادیث میں وَلَاءٌ کی بیع اور اس کے ہبہ سے منع کیا گیا ہے[2] (۱۵۳)

اَلْمُوَالَاۃُ کے معنی متابعت کے ہیں یعنی اشیاء کا یکے بعد دیگرے واقع ہونا۔

(و ہ ب)

وَھَبْتُہٗ (ف) ھِبَۃً وَمَوْھِبَۃً وَمَوْھِبًا بلا عوض کوئی چیز دے دینا یا کچھ بخش دینا۔ قرآن میں ہے:

وَوَھَبْنَا لَہٗ اِسْحَاقَ (۶-۸۵) اور ہم نے ان کو اسحاق (اور یعقوب) بخشے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحَاقَ (۱۴-۳۹) خدا کا شکر ہے جس نے مجھے بڑی عمر میں اسماعیل اور اسحاق بخشے۔

اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا (۱۹-۱۸) انہوں نے کہا کہ میں تو تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا یعنی فرشتہ ہوں اور اسلئے آیا ہوں کہ تمہیں پاکیزہ لڑکا بخشوں۔

---

[1] قال الممی السنۃ وذہب صاحب غرۃ التنزیل انہ من الولی بمعنی القرب ویفہم من کلام المحلی ان الاول اسم فعل بمعنی التہدید والثانی افعل التفضیل والصحیح ما فی الفائق ۲/۲۱۶ انہ کلمۃ للہف و وعید [2] رواہ الجماعۃ من حدیث ابن عمر وبمعناہ عند الحاکم وابن حبان والبیہقی جمع ابونعیم طرقہ فرواہ عن خمسین رجلا من اصحاب عبداللہ بن دینار عنہ (النیل ۵ / ۴۷۰ ۰۵) وایضًا کنز العمال ۱۲

یہاں فرشتے کا لڑکا بخشنے کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرنا محض سبب ہونے کی بنا پر ہے ورنہ حقیقت میں بخشنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

اور ایک قرأت میں لِيَهَبَ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔ تو یہ نسبت حقیقی ہوگی اور پہلی یعنی فرشتے کی طرف مجازی۔ قرآن میں ہے۔

فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا (۲۶-۲۱) خدا نے مجھ کو نبوت و علم بخشا۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ (۳۸-۳۰) اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کئے۔

وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ (۳۸-۴۳) اور ہم نے ان کو اہل وعیال بخشے۔

وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا (۱۹-۵۳) اور اپنی مہربانی سے ان کو ان کا بھائی ہارون پیغمبر عطا کیا۔

فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي (۱۹-۱۵) تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما۔

إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا (۳۳-۵۰) اگر اپنے تئیں پیغمبر کو بخش دے (یعنی مہر لینے کے بغیر نکاح میں آنا چاہتی ہے)۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ (۲۵-۷۴) ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے دل کا چین اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرما۔

وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً (۳-۸) ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما۔

وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي (۳۸-۳۵) اور مجھ کو ایسی بادشاہی عطا کر کہ میرے بعد کسی کو شایاں نہ ہو۔

اور وَاهِبٌ وَوَهَّابٌ دونوں اسمائے حسنیٰ سے ہیں[1]۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو بقدر استحقاق بخشتا ہے اس لئے خدا تعالیٰ کو اَلْوَهَّابُ کہا جاتا ہے۔

اَلِاتِّهَابُ (افتعال) ہدیہ قبول کرنا۔ حدیث میں ہے۔ (۱۵۴)

لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ لَا أَتَّهِبَ إِلَّا مِنْ قُرَشِيٍّ أَوْ أَنْصَارِيٍّ أَوْ ثَقَفِيٍّ میں نے عزم کر لیا ہے کہ قرشی یا انصاری یا ثقفی قبیلہ کے سوا کسی کا ہدیہ قبول نہیں کروں گا۔

(و ھ ج)

اَلْوَهَجُ کے معنی گرمی کی حرارت یا روشنی کے ہیں اور یہی معنی وَهَجَانٌ کے ہیں چنانچہ آیت:۔ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا (۷۸-۱۳) اور آفتاب کو روشن چراغ بنایا۔
میں وَهَّاجٌ کے معنی (مبالغہ) روشنی کرنیوالا کے ہیں۔

وَهَجَتِ النَّارُ (ف ض س) آگ روشن ہونا۔

تَوَهَّجَ الْجَوْهَرُ جوہر چمک اٹھا۔

(و ھ ن)

اَلْوَهْنُ کے معنی کسی معاملہ میں جسمانی طور پر کمزور ہونے یا اخلاقی کمزوری ظاہر کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي (۱۹-۴) اے میرے پروردگار میری ہڈیاں بڑھاپے کے سبب کمزور ہو گئی ہیں۔

---

[1] انظر الآیۃ (۳-۸) [2] قطعۃ من الحدیث انظر الفائق ۲ / ۲۱۷ وفی النسائی عن ابی ہریرۃ وابو داؤد

فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ (۳-۱۴۶) تو جو مصیبتیں ان پر واقع ہوئیں ان کے سبب انہوں نے نہ تو ہمت ہاری۔

وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ (۳۱-۱۴) تکلیف پر تکلیف سہہ کر۔ یعنی جوں جوں پیٹ میں حمل کا بوجھ بڑھتا ہے کمزوری پر کمزوری بڑھتی چلی جاتی ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (۳-۱۳۹) اور دیکھو بے دل نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم کرنا۔

وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ (۴-۱۰۴) اور کفار کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا۔

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ (۸-۱۸) بات یہ ہے، کچھ شک نہیں کہ خدا کافروں کی تدبیر کو کمزور کر دینے والا ہے۔

(و ہ ی)

اَلْوَهْىُ۔ کے معنی چمڑے کپڑے یا اس قسم کی دوسری چیزوں میں شگاف ہو جانا کے ہیں۔ اسی سے محاورہ ہے:۔

وَهَتْ عَزَالِى السَّحَابِ بِمَائِهَا بادل کے دھانے پانی کے زور سے ڈھیلے ہو گئے۔ یعنی خوب بارش ہوئی۔ قرآن میں ہے:۔

وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِىَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ (۶۹-۱۶) اور آسمان پھٹ جائیگا اور اسکی بندش ڈھیلی پڑ جائیگی۔ اور وَهِىَ الشَّىْءُ کے معنی بندش کا ڈھیلا پڑ جانا کے ہیں۔

(و ی)

وَىْ (اسم صوت) یہ کلمہ حسرت و ندامت اور اظہار تعجب کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ جیسے۔

وَىْ لِعَبْدِ اللّٰهِ عبد اللہ پر افسوس یا تعجب ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ (۲۸-۸۲) ہائے شامت! خدا ہی تو ...... جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے۔

وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (۲۸-۸۲) ہائے خرابی کافر نجات نہیں پا سکتے۔

بعض وَىْ لِزَيْدٍ (بلام) اور بعض وَىْ زَيْدٍ (بغیر لام) بولتے ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ وَيْكَ اصل میں وَيْلَكَ ہی ہے لام حذف ہونے کے بعد وَيْكَ رہ گیا ہے۔

(و ی ل)

اَلْوَيْلُ۔ اصمعی نے کہا ہے کہ وَيْلٌ برے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور حسرت کے موقع پر وَيْل اور تحقیر کے لئے وَيْس اور ترحم کے ویح کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

اور جن لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ وَيْل جہنم میں ایک وادی کا نام ہے تو ان کا یہ مقصد نہیں کہ یہ اس کے وضعی معنی ہیں۔ بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ جن لوگوں کے متعلق قرآن نے یہ کلمہ استعمال کیا ہے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ اس میں ضرور داخل ہوں گے۔[1] چنانچہ قرآن میں ہے:۔

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ (۲-۷۹) ان پر افسوس ہے اس

---

[1] قال السید الآلوسی (۱۰۲/۱۰) وجاء فی الحدیث بطرق صحیح الالفاظ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الویل واد فی جہنم الخ فاطلاقہ علی ذالک اما حقیقۃ شرعیۃ واما مجاز لغوی من اطلاق لفظ الحال علی المحل ولا یمکن ان یکون حقیقۃ لغویۃ لان العرب تکلمت بہ فی نظمہا ونثرہا قبل ان یجیء القرآن ولم تطلقہ علی ذالک (ر ۲۰۷/۲) فہذا یؤید ما قال المؤلف انہ محمول علی المجاز ۱۲

لئے کر بے اصل باتیں اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور پھر ان پر افسوس ہے اس لئے کہ ایسے کام کرتے ہیں۔

وَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ (۱۴-۲) اور کافروں کے لئے سخت عذاب کی جگہ، خرابی ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيْمٍ (۴۵-۷) ہر جھوٹے گنہگار پر افسوس ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا (۱۹-۳۷) سو جو لوگ کافر ہوئے ان کو خرابی ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (۴۳-۶۵) سو جو لوگ ظالم ہیں ان کی خرابی ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ (۸۳-۱) ناپ تول میں کمی کرنیوالوں کے لئے خرابی ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (۱۰۴-۱) ہر طعن آمیز اشارہیں کرنے والے چغلخور کی خرابی ہے۔

يَاوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا (۳۶-۵۲) ہائے ہماری خرابی، ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے (جگا) اٹھایا۔

يَاوَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ (۲۱-۱۴) ہائے شامت بے شک ہم ظالم تھے۔

يَاوَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ (۶۸-۳۱) ہائے شامت ہم ہی حد سے بڑھ گئے تھے۔

* * *

کِتَابُ الْھَاءِ

(ھ ب ط)

اَلْھُبُوْطُ (ض) کے معنی کسی چیز کے قہراً یعنی بے اختیاری کی حالت میں نیچے اتر آنا کے ہیں۔ جیسا کہ پتھر بلندی سے نیچے گر پڑتا ہے اور اَلْھَبُوْطُ (بفتح الہاء) صیغہ صفت ہے یعنی نیچے گرنے والی چیز۔ ھَبَطَ۔ (فعل لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے جیسے ھَبَطْتُ اَنَا میں نیچے اتر پڑا۔ وَھَبَطْتُّ غَیْرِیْ دوسرے کو نیچے اتار دیا۔ قرآن میں ہے:۔

وَاِنَّ مِنْھَا لَمَا یَھْبِطُ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ (۲-۷۴) اور بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں، جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔

اور جب لفظ ھَبُوْط انسان کے لئے بولا جاتا ہے تو اس میں استخفاف اور حقارت کا پہلو پایا جاتا ہے بخلاف لفظ اِنْزَالٌ (افعال) کے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بہت سے موقعوں پر باشرف چیزوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے جیسے ملائکہ، قرآن، بارش وغیرہ اور جہاں کہیں کسی چیز کے حقیر ہونے پر تنبیہ مقصود ہے۔ وہاں لفظ ھُبُوْط استعمال کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَقُلْنَا اھْبِطُوْا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (۲-۳۶) اور ہم نے حکم دیا کہ تم (سب) اتر جاؤ۔ تم ایک کے دشمن ایک۔

فَاھْبِطْ مِنْھَا فَمَا یَکُوْنُ لَکَ اَنْ تَتَکَبَّرَ فِیْھَا (۷-۱۳) تو بہشت سے نیچے اتر کیونکہ تیری ہستی نہیں کہ تو بہشت میں رہ کر شیخی مارے۔

اِھْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَکُمْ مَا سَاَلْتُمْ (۲-۶۱) (اچھا تو) کسی شہر میں اتر پڑو۔ کہ جو مانگتے ہو (وہاں) تم کو ملے گا۔

یہاں یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ فَاِنَّ لَکُمْ مَا سَاَلْتُمْ سے ان کا شرف ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اس کے مابعد کی آیت:۔

وَضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ وَالْمَسْکَنَۃُ وَبَاءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ (۲-۶۱) اور ان پر ذلت اور محتاجی ہبس دی گئی اور وہ خدا کے غضب میں آگئے۔ اس وہم کو دور کرنے کے لئے کافی ہے۔

قُلْنَا اھْبِطُوْا مِنْھَا جَمِیْعًا (۲-۳۸) ہم نے حکم دیا کہ تم سب (کے سب) یہاں سے اتر جاؤ۔ محاورہ ہے: ھَبَطَ الْمَرَضُ لَحْمَ الْعَلِیْلِ بیماری نے اس کے گوشت کو کم کر دیا یعنی (لاغر کر دیا) اور اَلْھَبِیْطُ اونٹ وغیرہ کو کہتے ہیں۔ جو غذا کے ناقص اور مالک کی بے اعتنائی کی وجہ سے لاغر ہو جائے۔

(ھ ب و)

ھَبَا (ن) اَلْغُبَارُ۔ کے معنی غبار کے اڑنے اور فضا میں پھیل جانے کے ہیں اور ھَبْوَۃٌ (بروزن) غَبْرَۃٌ اور ھَبَاءٌ کے معنی غبار یا ان باریک ذرات کے ہیں جو کمرے کے اندر روشندان سے دھوپ کی کرنیں اندر پڑنے سے اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ قرآن میں ہے۔

فَجَعَلْنٰہُ ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا (۲۵-۲۳) اور ان کو (اس طرح رائگاں کر دیں گے جیسے بکھری ہوئی دھول۔

فَکَانَتْ ھَبَآءً مُّنْبَثًّا (۵۶-۶) تو پہاڑ (ایسے) ہو جائیں گے (جیسے) ذرے پڑے اڑ رہے ہیں۔

(ھ ج د)

اَلْھُجُوْدُ کے معنی نیند کے ہیں[1] اور نائم (سوئے ہوئے) آدمی کو ھَاجِدٌ کہا جاتا ہے اور ھَجَّدْتُہٗ فَتَھَجَّدَ۔ (ازالہ اغد) کے معنی ہیں میں نے اس کی نیند کو دور کیا تو وہ جاگ گیا جیسا کہ مَرَّضْتُہٗ کے معنی ہوتے ہیں میں نے اس کے مرض کو دور کیا۔

قرآن میں ہے:۔

وَمِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ (۱۷-۷۹) اور رات کے وقت میں نماز تہجد بھی پڑھا کرو۔

اس آیت میں رات کے قیام میں قرآن پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ جیسے دوسری جگہ اسی کو قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَہٗ (۷۳-۲) رات (کے وقت نماز) میں کھڑے رہا کرو ساری رات سے کم یعنی آدھی رات۔
قیام کیا لفظ تعبیر فرمایا ہے۔

اَلْمُتَھَجِّدُ کے معنی رات کو نیند سے اٹھ کر نماز پڑھنے والا کے ہیں۔

اَھْجَدَ الْبَعِیْرُ کے معنی اونٹ کا جواب کے وقت اپنا سینہ زمین پر رکھ دینے کے ہیں۔

(ھ ج ر)

اَلْھَجْرُ وَالْھِجْرَانُ کے معنی ایک انسان کے دوسرے سے جدا ہونے کے ہیں عام اس سے کہ یہ جدائی بدنی ہو یا زبان سے ہو یا دل سے چنانچہ آیت کریمہ:۔

وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ (۴-۳۴) پھر ان کے ساتھ سونا ترک کر دو۔

میں مفارقت بدنی مراد ہے اور کنایتًا ان سے مجامعت ترک کر دینے کا حکم دیا ہے۔ اور آیت:۔

اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا (۲۵-۳۰) کہ میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔

میں دل یا دل اور زبان دونوں کے ذریعہ جدا ہونا مراد ہے یعنی نہ تو انہوں نے اس کی تلاوت کی اور نہ ہی اس کی تعلیمات کی طرف دھیان دیا۔ اور آیت۔

وَاھْجُرْھُمْ ھَجْرًا جَمِیْلًا (۷۳-۱۰) اور وضع داری کے ساتھ ان سے الگ تھلگ رہو۔

میں تینوں طرح الگ رہنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی جمیلًا کی قید لگا کر اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ حسن سلوک اور مجاملت کسی صورت میں بھی

---

[1] من الاضداد یاتی بمعنی النوم والیقظۃ (ابو الطیب ۶۷۸-۶۸۱) وفیہ اکثر ما یقال فی النائم الھاجد وفی المستیقظ المتھجد وکذا قال ابن الاعرابی راجع اللسان (ہجد) ۱۲

ترک نہ ہونے پائے۔ اس طرح آیت وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا (۱۹-۴۶) اور تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہو جا۔ میں بھی ترک بوجوہِ ثلاثہ مراد ہے۔ اور آیت:۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (۷۴-۵) اور ناپاکی سے دور رہو۔ میں بھی ہر لحاظ سے رجز کو ترک کر دینے کی ترغیب ہے۔

اَلْمُهَاجَرَةُ کے اصل معنی تو ایک کے دوسرے سے کٹ جانے اور چھوڑ دینے کے ہیں جیسے فرمایا:۔ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا (۲-۲۱۸) اور خدا کے لئے وطن چھوڑ گئے اور (کفار سے) جنگ کرتے رہے۔

اور آیات قرآنیہ:۔ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ (۵۹-۸) (فے کے مال میں) محتاج مہاجرین کا (بھی) حق ہے۔ جو (کافروں کے ظلم سے) اپنے گھر اور مال سے بیدخل کر دیئے گئے۔ وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ (۴-۱۰۰) اور جو شخص خدا اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے گھر سے نکل جائے۔ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (۴-۸۹) تو جب تک (یہ لوگ) خدا کی راہ میں (یعنی خدا کے لئے) ہجرت نہ کر آئیں ان میں سے کسی کو بھی اپنا دوست نہ بنانا۔ میں مہاجرت کے ظاہر معنی تو دارالکفر سے نکل کر دارالاسلام کی طرف چلے آنے کے ہیں۔ جیسا کہ

صحابہ کرام نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی لیکن بعض نے کہا ہے۔ کہ ہجرت کا حقیقی اقتضاء یہ ہے کہ انسان شہوات نفسانی، اخلاق ذمیمہ اور دیگر گناہوں کو کلیۃً ترک کر دے اور آیت:۔

إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي (۲۹-۲۶) اور ابراہیم نے کہا کہ میں تو دیس چھوڑ کر اپنے پروردگار کی طرف (جہاں کہیں اس کو منظور ہوگا) نکل جاؤنگا۔ کے معنی یہ ہیں کہ میں اپنی قوم کو خیرباد کہہ کر اللہ تعالیٰ کی طرف چلا جاؤں گا۔ اور فرمایا:۔ أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا (۴-۹۷) کیا اللہ تعالیٰ کی (اتنی لمبی چوڑی) زمین (اس قدر) گنجائش نہیں رکھتی تھی کہ تم اس میں کسی طرف کو) ہجرت کر کے چلے جاتے۔

ہاں جس طرح ظاہری ہجرت کا اقتضاء یہ ہے کہ انسان خواہشات نفسانی کو خیرباد کہہ دے۔ اسی طرح دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے میں بھی مجاہدۃ بالنفس کے معنی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں مروی ہے کہ آنحضرت نے ایک جہاد سے واپسی کے موقع پر صحابہ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔ (۱۵۵)[1]

رَجَعْتُمْ مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ۔ کہ تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کیطرف لوٹ رہے ہو یعنی دشمن کے ساتھ جہاد کے بعد اب نفس کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے[2] (۱۵۶)

---

[1] فی البیہقی فی الزھد والدیلمی فی مسندہ من حدیث جابر قدمتم بدل جئتم وزاد: قیل وما الجہاد الاکبر قال مجاہدۃ العبد ھواہ وفیہ ضعف واوردہ النسائی فی الکنی من قول ابراہیم بن عبلۃ احد التابعین وفی الکشاف ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجع من بعض غزواتہ فقال رجعنا الحدیث قال الحافظ فی تخریجہ ہکذا ذکرہ الثعلبی بغیر سند وراجع تخریج الکشاف ص ۴/۱۱ رقم ۳۳ وکنز العمال ۴/۲۸۶ [2] موقوف علی عمرؓ والمستدرک للحاکم ۳/۸ وغریب ابی عبید ۳/۱۱۳ والحدیث فی الفائق ۲/۲۱۶ بطولہ عن زر بن حبیش (۱۲)

هَاجِرُوْا وَلَا تَهَجَّرُوْا یعنی صحیح طور پر مہاجر بنو اور عمل کو ترک کر کے محض زبان سے مہاجر ہونے کے جھوٹے دعاوی نہ کرو۔

اَلْهُجْرُ کے معنی بذیان کے ہیں جس کے برا ہونے کی وجہ سے اسے ترک کر دینا چاہیئے اور حدیث میں ہے[۱] (۱۵۷)

لَا تَقُوْلُوْا هُجْرًا فحش کلامی نہ کرو۔

اور اَهْجَرَ فُلَانٌ کے معنی ہیں اس نے قصداً فحش کلامی کی اور هَجَرَ الْمَرِيْضُ کے معنی مریض کے بیہوشی میں بڑ بڑانے کے ہیں اور آیت:۔

مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سَامِرًا تَهْجُرُوْنَ (۲۳-۶۷)

(تو تم) اکڑ اکڑ کر شغل بناتے ہو بیہودہ بکواس کرتے واتے پاؤں پھلگتے؛

میں ایک قرأت تُهْجِرُوْنَ (باب افعال سے بھی ہے۔ اور کبھی (ہجر) بکواس؛ میں مبالغہ کرنے ولے کو بھی مُهْجِر کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے تو اس لحاظ سے هجر کے معنی قصداً بکواس کرنا بھی آجاتے ہیں۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے[۲] (الطویل)

(۵۵۴) كَمَا جِدَةِ الْاَعْرَاقِ قَالَ ابْنُ ضَرَّةٍ
عَلَيْهَا كَلَامًا جَارَ فِيْهِ وَاَهْجَرَا

شریف النسل عورت کی طرح جس کی سوکن کے لڑکے نے اس کے بارے میں بے انصافی اور فحش کلامی کی ہو (اور وہ اپنی براءت کے لئے بار بار اظہار کرتی ہو)

اور محاورہ ہے:۔ رَمَاهُ بِهَاجِرَاتِ كَلَامِهٖ یعنی فلاں نے اس کو فحش گالیاں دیں اور فُلَانٌ هِجِّيْرَاهُ کے معنی ہیں[۳] کہ فلاں کا یہ شیوہ بن چکا ہے اور یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی آدمی کسی چیز کا کثرت سے ذکر کرے اور مریض کی طرح اس کے متعلق ہر وقت بڑاتا رہے اور هِجِّيْر کا لفظ اصل میں تو عادات ذمیمہ کے متعلق بولا جاتا ہے۔ مگر جو لوگ اس کے صحیح معنوی استعمال کا لحاظ نہیں کرتے وہ اسے اس کی ضد (یعنی اچھی عادت کے معنی) میں بھی استعمال کر لیتے ہیں۔

اَلْهَجِيْرُ وَالْهَاجِرَةُ کے معنی دوپہر کا وقت کے ہیں۔ کیونکہ عموماً مسافر سخت گرمی کی وجہ سے اس وقت سفر کو ترک کر کے راحت حاصل کرتا ہے تو گویا اسے لوگوں نے چھوڑ دیا اور اس وقت نے لوگوں کو چھوڑ دیا۔

اَلْهِجَارُ یہ عقال وزمام کے وزن پر ہے اور اس کے معنی اونٹ کا پاؤں باندھنے کی رسی کے ہیں وہ رسی چونکہ دوسرے اونٹوں سے علیحدگی کا سبب بنتی ہے اس لئے اسے هِجَارٌ بھی کہتے ہیں۔ اور مَهْجُوْرٌ اس اونٹ کو کہتے ہیں۔ جو هِجَار (رسی) کے ساتھ باندھ دیا گیا ہو۔ اور پھر اونٹ کی اس رسی کے ساتھ تشبیہ دے کر کمان کی تانت کو بھی هِجَارُ الْقَوْسِ کہہ دیا جاتا ہے۔

---

[۱] وتمام الحدیث نہیتکم عن زیارة القبور فزوروا ولا تقولوا ہجرا (عن زید بن ثابت) الفتح الکبیر للنبہانی ۲/۳۴۱ والنہایہ ۴/۲۵۵ واللسان والمجمع (ہجر) واضداد ابی الطیب ۶۸۵ والطبرانی فی الصغیر ۲۸۳ والفائق ۲/۳۲۱ ؛ [۲] قالہ شماخ بن ضرار الغطفانی یصف سیرنا قتہ ویشبہ وراعیہا فی مشیہا بذراع امرأة صنعتہا کنا۔ وفی روایة دیوانہ ممجمة الاعراق بدل کماجدة الاعراق والبیت فی اللسان (ہجر) وامالی المرتضی ۱/۵۶ د، وفی دیوانہ من قصیدة طویلة ۲۶۔۳۴ [۳] وفی الفائق ۲/۳۲۱ :۔ کان عمر یطوف بالبیت وہو یقول ربنا آتنا الخ ۔۔۔ مالہ ہجیری سواہ وراجع ایضا غریب ابی عبید ۳/۲۱۸ وفیہ ۳/۲۱۸ وفیہ غیرلہ) وفی (رج) مسند عمر ۱۵۱/۲ ؛

(ھ ج ع)

اَلْھُجُوْعُ کے معنی رات کو سونا کے ہیں۔

قرآن میں ہے:۔

وَکَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَھْجَعُوْنَ (۵۱-۱۷)

اور وہ (عبادت میں مشغول رہنے کے سبب رات کو بہت کم سوتے تھے۔

اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ رات کو بہت کم سوتے تھے اور یہ بھی کہ وہ رات کو سوتے ہی نہیں تھے" کیونکہ قلیل کا لفظ جس طرح نہایت تھوڑی چیز کے معنی میں آتا ہے جو نہ ہونے کے برابر ہو اسی طرح کبھی نفی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ محاورہ ہے:۔

لَقِیْتُہٗ بَعْدَ ھَجْعَۃٍ کہ میں اسے رات کو کچھ دیر سو لینے کے بعد ملا اور ھُجَعٌ (مثل نُوَمٌ) مدہوش اور بے خود آدمی کو کہتے ہیں۔ جو ہر چیز سے غافل ہو۔

(ھ د د)

اَلْھَدُّ کے معنی کسی چیز کو زور کی آواز کے ساتھ گرا دینے یا کسی بھاری چیز کے گر پڑنے کے ہیں اور کسی چیز کے گرنے کی آواز کو ھَدَّۃٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ ھَدًّا (۱۹-۹۰) زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں۔

اور ھَدَّدْتُ الْبَقَرَۃَ کے معنی گائے کو ذبح کرنے کے لئے زمین پر گرانے کے ہیں اور ھِدٌّ بمعنی مھدود (یعنی گرائی ہوئی چیز کے آتا ہے جیسے ذِبْحٌ بمعنی مَذْبُوْحٌ اور کمزور و بزدل آدمی کو بھی ھِدٌّ کہا جاتا ہے۔

ایک محاورہ ہے:۔

مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ھَدَّکَ مِنْ رَجُلٍ میں ایسے آدمی کے پاس سے گزرا جو تیرے لئے فلاں سے کافی ہے۔ اصل میں اس کے معنی ہیں کہ جس کا وجود تجھے بے چین اور مضطرب کرتا ہے۔

ھَدَّدْتُ فُلَانًا وَتَھَدَّدْتُہٗ میں نے اسے دھمکایا اور ڈرایا۔

اَلْھَدْھَدَۃُ بچے کو سلانے کے لئے تھپکی دینا اور ہلانا۔

اَلْھُدْھُدُ ایک جانور کا نام ہے۔ قرآن میں ہے:۔

مَالِیَ لَآ اَرَی الْھُدْھُدَ (۲۷-۲۰) کیا سبب ہے کہ ہدہد نظر نہیں آتا۔

اس کی جمع ھَدَاھِدُ آتی ہے اور ھُدَاھِدٌ (ھاء کے ضمہ کے ساتھ) واحد ہے۔ شاعر نے کہا ہے: (الکامل)

(۴۵۱) کَھُدَاھِدٍ کَسَرَ الرُّمَاۃُ جَنَاحَہٗ
یَدْعُوْ بِقَارِعَۃِ الطَّرِیْقِ ھَدِیْلًا

وہ اس حمام کی طرح پریشان تھا جس کے بازو شکاریوں نے توڑ دیئے ہوں اور وہ راستہ میں کھڑا واویلا کر رہا ہو۔

له قائلہ الراعی النمیری (عبید بن حصین من فحول الشعراء) والبیت من قصیدۃ جمہریۃ ۲۳۱-۲۴۷ فی نحو ۸۵ بیتًا یمدح فیہا عبد الملک بن مروان یشکو السعاۃ مطلعہا۔ مابال دفّک بالفراش مذیلا۔ اقذی بعینک ام اردت رحیلا۔ وبعد البیت: دفع الربیع وقد تقارب خطوہ۔ رأی بعقوتہ ازل نسولا۔ البیت فی الجمہرۃ ۲۳۵ والبلدان (رسم: بغیبغۃ) واللسان والصحاح (ہدہد، ہدل) والحیوان (۳: ۳۴۴) والجمہرۃ لابن درید ۲: ۷۲ وامالی الزجاجی ۴۵ والمعانی للقتبی ۱۸۸، ۳۰۰ والشاعر شبہ رجلا اخذ المصدق ابلہ بہدہد کسر جناحہ وقبل البیت: اخذوا حمولتہ فاصبح قاعدا۔ لا یستطیع عن الدیار حویلا یدعوا امیر المؤمنین ودونہ۔ خرق تجر بہ الریاح ذیولا۔ والراعی ممن ذکرہ الجمحی فی الطبقۃ الاولی من الشعراء الاسلامیین وکان یقدم الفرزدق علی الجریر فاستکفہ فہجاہ بقصیدتہ البائیۃ اولہا۔ اقلی اللوم عاذل والعتابا۔ وقولی ان اصبت لقد اصابا۔ راجع الجمحی ۱۰۳ والاغانی (۲۰: ۱۶۸-۱۷۳) ۱۲

(ھ د م)

اَلْھَدْمُ (ض) کے اصل معنی عمارت کو گرا دینا کے ہیں اس سے فعل ھَدَمَ آتا ہے اور گری ہوئی چیز کو ھَدَمٌ کہا جاتا ہے۔ اور اسی سے استعارہ کے طور پر رائگاں خون کو دَمٌ ھَدَمٌ کہا جاتا ہے اور یہی معنی ھِدْمٌ بکسر الہا کے ہیں لیکن یہ خاص کر بوسیدہ کپڑے پر بولا جاتا ہے اور اس کی جمع اَھْدَامٌ آتی ہے۔ اور ھَدَّمْتُ الْبِنَاءَ کے معنی بھی عمارت کو گرا دینے کے ہیں مگر اس میں تکثیر کے معنی پائے جاتے ہیں قرآن میں ہے: لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ (۲۲-۴۰) تو (نصاریٰ) کے صومعے کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے۔

(ھ د ی)

اَلْھِدَایَۃُ کے معنی لطف وکرم کے ساتھ کسی کی رہنمائی کرنے کے ہیں اور اسی سے ھَدِیَّۃٌ (فعلۃ) ہے جس کے معنی اس تحفہ کے ہیں جو بغیر معاوضہ دیا جائے۔ اور ھَوَادِی الْوَحْشِ جنگلی جانوروں کے پیش رو دستے کو کہتے ہیں جو گلے کا رہنما ہوتا ہے۔ عرف میں دلالت اور رہنمائی کے لئے ھَدَیْتُ (انعال) استعمال ہوتا ہے۔ جیسے اَھْدَیْتُ الْھَدِیَّۃَ میں نے ہدیہ بھیجا اور اَھْدَیْتُ اِلَی الْبَیْتِ میں نے بیت اللہ کی طرف ہدی بھیجی۔ یہاں پر شبہ ہو سکتا ہے کہ اگر ھِدَایَۃ کے معنی لطف وکرم کے ساتھ رہنمائی کرنے کے ہیں تو پھر کفار کو دوزخ کی طرف دھکیلنے کیلئے یہ لفظ کیوں استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:۔

فَاهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ (۳۷-۲۳) پھر ان کو جہنم کے راستے پر چلا دو۔

وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ (۲۲-۴) اور دوزخ کے عذاب کا رستہ دکھائے گا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک ہدایت کے اصل معنی تو لطف وکرم کے ساتھ رہنمائی کے ہی ہیں لیکن یہاں کفار کے متعلق مبالغہ کے لئے بطور تہکم یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ آیت:۔ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (۸۴-۲۴) تو اے پیغمبر انہیں عذاب الیم کی خوشخبری سنا دو۔ میں عذاب کے متعلق لفظ بشارت استعمال کیا ہے اور شاعر نے اپنے کلام (؎)

(۴۵۲) تَحِيَّةُ بَيْنِهِمْ ضَرْبٌ وَجِيعٌ

ان کا باہمی تحیہ تلوار کی دردناک ضرب ہے۔ میں ضرب وجیع کے متعلق تحیہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے چار طرف سے ہدایت کی ہے۔

(۱) وہ ہدایت ہے جو عقل وفطانت اور معارف ضروریہ کے عطا کرنے سے کی ہے اور اس معنی میں ہدایت اپنی جنس کے لحاظ سے جمیع مکلفین کو شامل ہے بلکہ ہر جاندار چیز کو حسب ضرورت اس سے بہرہ ملا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ (۲۰-۵۰) ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کی (خاص طرح کی) بناوٹ عطا فرمائی پھر (ان کی خاص اغراض پورا کرنے کی) راہ دکھائی۔

(۲) دوسری قسم ہدایت کی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر تمام انسانوں

؎ قالہ عمرو بن معدی کرب وصدرہ: وخیل قد دلفت لہا بخیل ..... انظر تخریجہ (ب ش ر) ۱۲

کو راہِ نجات کی طرف دعوت دی ہے چنانچہ آیت:۔
وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا
(۳۲-۲۴) اور ہم نے بنی اسرائیل میں سے (دین کے)
پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے (لوگوں کو)
ہدایت کرتے تھے۔ میں ہدایت کے یہی معنی مراد ہیں۔
(۳) سوم ہدایت بمعنی توفیق خاص آیا ہے جو ہدایت
پانے لوگوں کو عطا کی جاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (۴۷-۱۷)
جو لوگ ہدایت یاب ہیں (قرآن کے سننے سے) خدا ان کو
زیادہ ہدایت دیتا ہے۔
مَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ (۶۴-۱۱) اور جو شخص
خدا پر ایمان لاتا ہے وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ
بِاِيْمَانِهِمْ (۱۰-۹) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں
نے نیک عمل (بھی) کئے ان کے ایمان کی برکت
سے ان کو ان کا پروردگار (نجات کا) رستہ دکھائے گا۔
وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا
(۲۹-۶۹) اور جن لوگوں نے ہمارے دین (کے
کام) میں کوشش کی۔ ہم (بھی) ان کو ضرور اپنے رستے
دکھائیں گے۔
وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى (۱۹-۷۶)
اور جو لوگ راہ راست پر ہیں اللہ ان کو روز بروز
زیادہ ہدایت دیتا جاتا ہے۔
فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (۲-۲۱۳) تو خدا نے
(اپنی عنایت سے) مسلمانوں کو راہ دکھا دی۔
يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲-۰۰۹)
جس کو چاہتا ہے (دین کا) سیدھا رستہ دکھاتا ہے۔
(۴) ہدایت سے آخرت میں جنت کی طرف راہنمائی
کرنا مراد ہوتا ہے چنانچہ فرمایا:۔

سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ (۴۷-۵)
(بلکہ) وہ انہیں (منزل) مقصود تک پہنچا دے گا۔
اور آیت وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ میں فرمایا:۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا
لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ (۷-۴۳) خدا کا
شکر ہے جس نے ہم کو یہاں کا رستہ دکھایا اور اگر
خدا ہم کو رستہ نہ دکھاتا تو ہم رستہ نہ پا سکتے۔
ہدایت کے یہ چاروں اقسام ترتیبی درجات کی
حیثیت رکھتے ہیں۔ یعنی جسے پہلے درجہ کی ہدایت
حاصل نہ ہو۔ وہ دوسرے درجہ ہدایت پر فائز
نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ تو شرعاً مکلف ہی نہیں رہتا۔
علی ہذا القیاس جسے دوسرے درجہ کی ہدایت حاصل
نہ ہو وہ تیسرے اور چوتھے درجہ کی ہدایت سے
بہرہ یاب نہیں ہو سکتا اور جسے چوتھے درجہ کی ہدایت
حاصل ہو تو اسے پہلے تینوں درجات لازماً حاصل
ہوں گے۔ اسی طرح تیسرے درجہ کی ہدایت کا حصول
پہلے دو درجوں کی ہدایت کو مستلزم ہے اور اس کے
برعکس درجہ اولیٰ کا حصول درجہ ثانیہ کو اور ثانیہ کا حصول
ثالثہ کو مستلزم نہیں ہے۔ ایک انسان کسی دوسرے
کو صرف دعوت الی الخیر اور رہنمائی کے ذریعہ ہی
ہدایت کر سکتا ہے باقی اقسام ہدایت اللہ تعالیٰ
کے قبضۂ قدرت میں ہیں لہذا جن آیات میں ہدایت
کی نسبت پیغمبر یا کتاب یا دوسرے انسانوں کی طرف
کی گئی ہے وہاں صرف راہ حق کی طرف رہنمائی کرنا
مراد ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۴۲-۵۲)
اور بیشک (محمدؐ) سیدھا رستہ دکھلاتے ہیں۔
يَهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا (۳۲-۲۴) جو ہمارے حکم
سے ہدایت کیا کرتے تھے۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (۱۳-۷) اور ہر ایک قوم کے لئے رہنما ہوا کرتے ہیں۔

اور جن آیات میں پیغمبروں یا دوسرے لوگوں سے ہدایت کی نفی کی گئی ہے وہاں باقی اقسام ہدایت مراد ہیں چنانچہ فرمایا:۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ (۲۸-۵۶) (اے محمدؐ) تم جس کو دوست رکھتے ہو اسے ہدایت نہیں کر سکتے۔

اور قرآن میں جہاں کہیں ظالموں اور کافروں کو ہدایت سے روک دینے کا ذکر آیا ہے۔ وہاں یا تو ہدایت بمعنی ثالث ہے یعنی وہ توفیق خاص جو ہدایت یافتہ لوگوں کو عطا ہوتی ہے ان سے سلب کر لی جاتی ہے اور یا ہدایت معنی رابع ہے کہ اللہ انہیں آخرت میں ثواب کی طرف ہدایت نہیں دیگا اور نہ ہی انہیں جنت میں داخل کرے گا۔ چنانچہ آیت "یَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا" کے آخر میں فرمایا۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (۹-۱۱۹) اور خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (۱۶-۱۰۷) یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں عزیز رکھا اور اس لئے کہ خدا کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر یا کسی انسان کے متعلق یہ کہا ہے وہ کسی کو ہدایت دینے پر قدرت نہیں رکھتے بلکہ ہدایت خدا تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ تو وہاں دعوت الی الحق اور صحیح رہنمائی کے علاوہ باقی اقسام ہدایت مراد ہیں یعنی کسی کو عقل اور توفیق بخشنا یا جنت میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی قدرت میں نہیں ہے چنانچہ فرمایا:۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ (۲-۲۷۲) (اے محمدؐ) تم ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہو۔ بلکہ خدا ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى (۶-۳۵) اور اگر خدا چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ (۲۷-۸۱) اور نہ اندھوں کو گمراہی سے نکال کر رستہ دکھا سکتے ہو۔

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُّضِلُّ (۱۶-۳۷) اگر تم ان (کفار) کی ہدایت کے لئے للچاؤ تو جس کو خدا گمراہ کر دیتا ہے اس کو وہ ہدایت نہیں دیا کرتا۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (۳۹-۳۶) اور جس کو خدا گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ (۳۹-۳۷) اور جس کو خدا ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ (۲۸-۵۶) (اے محمدؐ) تم جس کو دوست رکھتے ہو اس کو ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ خدا ہی جس کو چاہتا ہے۔ ہدایت کرتا ہے۔

اور اسی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (۱۰-۹۹) تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہو کہ وہ مومن ہو جائیں۔

اور آیت:۔ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ (۱۸-۱۷) جس کو خدا ہدایت دے وہ ہدایت یاب ہے۔

کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص ہدایت کا طلبگار اور متلاشی ہو اسی کو اللہ تعالیٰ ہدایت یاب ہونے کی توفیق بخشتا اور راہ جنت کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس کے برعکس جو شخص کفر و ضلالت کا خواہاں رہتا ہے وہ توفیق الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے چنانچہ فرمایا۔
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (۲-۲۶۴)
اور خدا ایسے ناشکروں کو ہدایت نہیں کرتا۔
اور دوسری آیت میں کٰفِرِيْنَ کی جگہ ظٰلِمِيْنَ ہے۔ اور آیت:۔
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ (۳۹-۳)
بیشک خدا اس شخص کو جو جھوٹا ناشکرا ہے۔ ہدایت نہیں دیتا۔
میں کٰذِبٌ كَفَّارٌ سے مراد وہ شخص ہے جو ہدایت الٰہی کے قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے اور یہ اگرچہ اس کے وضعی معنی نہیں ہیں لیکن حاصل مطلب یہی ہے۔ لہذا آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت قبول نہیں کرتا اسے اللہ بھی ہدایت نہیں بخشتا جیسے محاورہ ہے:۔
مَنْ لَّمْ يَقْبَلْ هَدِيَّتِيْ لَمْ اُهْدِ لَهٗ وَمَنْ لَّمْ يَقْبَلْ عَطِيَّتِيْ لَمْ اُعْطِهٖ ..... یعنی جو شخص میرے ہدیہ یا عطیہ کو قبول نہیں کریگا میں بھی اسے ہدیہ نہیں دوں گا۔ یا آپ کہیں:۔ مَنْ رَغِبَ عَنِّيْ لَمْ اَرْغَبْ فِيْهِ کہ جو شخص مجھ سے اعراض کرتا ہے مجھے بھی اس کی ضرورت نہیں پس آیت:۔
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (۲-۲۵۸) اور خدا بے انصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔
اور دوسری آیت میں اَلْفٰسِقِيْنَ بھی اسی معنی پر محمول ہے۔ اور آیت:۔
اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمْ مَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى (۱۰-۳۵) بھلا جو حق کا رستہ دکھلائے وہ اس قابل ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ یا وہ کہ جب تک کوئی اسے رستہ نہ بتائے رستہ نہ پائے۔
میں ایک قرائت لَا يَهْدِيْ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ہے۔ یعنی وہ دوسرے کی رہنمائی نہیں کرسکتا بلکہ وہ خود رہنمائی کا محتاج ہے مطلب یہ ہے کہ ان میں علم و معرفت حاصل کرنے اور ہدایت پانے کی صلاحیت ہی نہیں ہے اور اگر انہیں کوئی شخص ہدایت دے بھی تو بیکار ہے۔ کیونکہ وہ بت پتھر وغیرہ کی بے جان مورتیاں ہیں پس اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى سے بظاہر اگرچہ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہدایت دینے سے وہ ہدایت پا سکتے ہیں۔ لیکن یہ مجاز پر محمول ہے۔ جیسا کہ محض صوری مشابہت کی وجہ سے ان بتوں کو آیت:۔
اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ (۷-۱۹۴) (مشرکو) جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو تمہاری طرح کے بندے ہی ہیں۔
میں عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ کہدیا ہے حالانکہ وہ بے جان مجسمے ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ان کے متعلق فرمایا:
وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ (۱۶-۷۳) اور خدا کے سوا ان کو پوجتے ہیں جو ان کو آسمانوں اور زمینوں میں روزی دینے کا ذرہ بھر بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ (کسی اور طرح کا) مقدور رکھتے ہیں۔
اور آیات کریمہ:۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ (۷۶-۳) اور اسے رستہ بھی دکھا دیا۔
وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (۹۰-۱۰) اور اس کو خیر و شر

کے، دونوں رستے بھی دکھا دیئے۔

وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (۳۷-۱۰۸)
اور ان کو سیدھا رستہ دکھایا۔

میں خیر وشر اور ثواب وعقاب کا رستہ مراد ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے عقل وشریعت کے ذریعہ انسان کو ہدایت فرمائی ہے اور یہی معنی آیت:۔

فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ (۷-۳۰) ایک فریق کو تو اس نے ہدایت دی اور ایک فریق پر گمراہی ثابت ہو چکی۔

میں مراد ہیں اور آیت: ۔ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ (۶۴-۱۱) اور جو شخص خدا پر ایمان لاتا ہے۔ وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔

میں ہدایت سے توفیق الٰہی مراد ہے جو کہ مومن کے دل میں القاء کی جاتی ہے اور وہ اپنے مشاغل میں اس سے رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:۔

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (۴۷-۱۷) اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں ان کو وہ ہدایت مزید بخشتا ہے۔

لفظ ہدایت کبھی متعدی بنفسہ ہوتا ہے اور کبھی بواسطہ لام یا الیٰ کے متعدی ہوتا ہے، چنانچہ تعدیہ بواسطہ الیٰ کے متعلق فرمایا:۔ وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (۳-۱۰۱) اور جس نے خدا کی ہدایت کی رسی کو مضبوط پکڑ لیا وہ سیدھے رستے لگ گیا۔

وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (۶-۸۷) اور ان کو برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا رستہ بھی دکھایا تھا۔

اور نیز فرمایا:۔

أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ (۱۰-۳۵) بھلا جو شخص حق کا رستہ دکھائے وہ اس قابل ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔

هَلْ لَكَ إِلَىٰ أَنْ تَزَكَّىٰ .... وَأَهْدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ (۷۹-۱۸، ۱۹) کیا تو چاہتا ہے کہ پاک ہو جائے اور میں تمہیں تمہارے پروردگار کا رستہ بتاؤں تاکہ تجھ میں خوف پیدا ہو۔

اور تعدیہ بنفسہ کے متعلق فرمایا:۔

وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا (۴-۶۸) اور سیدھا رستہ بھی دکھاتے۔

وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (۳۷-۳) اور ہم نے انہیں سیدھا رستہ دکھایا۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (۱-۵) ہم کو سیدھے رستے پر چلا۔

أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ (۴-۸۸) کیا تم چاہتے ہو کہ جس شخص کو خدا نے گمراہ کر دیا اس کو رستے پر لے آؤ۔

وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا (۴-۱۶۸) اور نہ انہیں رستہ ہی دکھائے گا۔

أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ (۱۰-۴۳) تو کیا تم اندھوں کو رستہ دکھاؤ گے۔

وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا (۴-۱۷۶) اور اپنی طرف (پہنچنے کا) سیدھا رستہ دکھائے گا۔

پھر ہدایت وتعلیم دو باتوں کے بغیر نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی ایک یہ کہ معلم اپنی طرف سے کما حقہ سمجھانے کی کوشش کرے اور دوسرے یہ کہ متعلم استفادہ کرنے میں کوتاہی سے کام نہ لے اگر ہادی یا معلم اپنی طرف سے تعلیم میں پوری کوشش کرے لیکن متعلم میں قبولیت کی صلاحیت نہ ہو

تو اس کے عدم قبول کے لحاظ سے آپ (مجازاً) یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے ہدایت نہیں کی اور ہادی کے اپنی کوشش صرف کرنے کے لحاظ سے یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ اس نے ہدایت اور تعلیم دی پس جب عدم قبولیت کی صورت میں (نفی اور اثبات کیساتھ) دونوں طرح کہنا صحیح ہے تو کفار کے ہدایت الٰہی کو قبول نہ کرنے کے لحاظ سے یہ کہنا بھی بجا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت نہیں دی کیونکہ ہدایت و تعلیم پر قبولیت کا ثمرہ مرتب نہیں ہوا اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دی۔ کیونکہ انہیں مبادی ہدایت یعنی (عقل و حواس) عطا فرمائے۔
پس آیت:۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔ (۹-۱۹) اور خدا ظالم یا ناشکروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔
میں نفی معنی اول (یعنی عدم قبولیت) پر محمول ہوگی اور آیت وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (۴۱-۱۷) اور جو ثمود تھے ان کو ہم نے سیدھا رستہ دکھایا تھا۔ مگر انہوں نے ہدایت کے مقابلہ میں اندھا رہنا پسند کیا۔
میں اثبات ہدایت دوسرے معنی بَذْلُ السَّعْيِ یعنی کوشش کرنے کے لحاظ سے ہوگا۔ لیکن جہاں قبولیت حاصل نہ ہو وہاں یہ کہنا زیادہ اولیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہدایت کی لیکن اس نے ہدایت الٰہی کو قبول نہ کیا۔ جیسا کہ آیت وَاَمَّا ثَمُوْدُ الآیۃ میں ہے اور آیت:۔
لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ الٰى قولہٖ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ (۲-۱۴۲) (تم کہہ دو) کہ مشرق اور مغرب سب خدا ہی کا ہے وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے پر چلاتا ہے الخ۔۔۔۔۔۔ اور یہ بات (یعنی تحویل قبلہ لوگوں کو) گراں معلوم ہوئی مگر جن کو خدا نے ہدایت بخشی۔ یہاں اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے ہدایت الٰہی کو قبول کیا اور اس سے رہنمائی حاصل کی اور آیت:۔
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (۱-۵) ہم کو سیدھے رستے چلا۔
اور آیت وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۔ (۴-۶۸) اور سیدھا رستہ بھی دکھا دیا۔
میں بعض نے کہا ہے کہ ہدایت سے ہدایت عامہ یعنی قرآن اور انبیاء کے ذریعہ ہدایت کرنا مراد ہے۔ اور یہ اگرچہ ہمیں حاصل ہے۔ لیکن ہمیں حصول ثواب کے لئے ان کلمات کے زبان سے ادا کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے جس طرح کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ الخ پڑھنے یعنی آپ پر درود بھیجنے کے ہم مکلف ہیں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ آپ پر رحمت بھیجتے اور آپ کے لئے دعا اور استغفار کرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ آیت:۔
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ (۳۳-۵۶) خدا اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں سے ثابت ہوتا ہے۔
بعض نے کہا ہے کہ یہ (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ) گمراہی اور شہوات نفسانیہ کے پنجہ میں گرفتار ہونے سے حفاظت کی دعا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں توفیق الٰہی کی طلب کی طرف اشارہ ہے جس کا کہ آیت:۔
وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (۴۷-۱۷) اور جو ہدایت یافتہ ہیں وہ ان کو مزید ہدایت بخشتا ہے۔

میں وعدہ فرمایا ہے اور بعض نے آخرت میں ہدایت
الی الجنۃ مراد لی ہے۔ اسی طرح آیت :-
وَاِنْ کَانَتْ لَکَبِیْرَۃً اِلَّا عَلَی الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ
(۲-۱۴۳) اور یہ بات (یعنی تحویل قبلہ لوگوں کو گراں
معلوم ہوئی مگر جن کو خدا نے ہدایت بخشی۔
میں بھی ہدایت ہے۔ توفیق الٰہی مراد ہے۔ جس
کا ذکر کر آیت :-
وَالَّذِیْنَ اھْتَدَوْا زَادَھُمْ ھُدًی : میں پایا جاتا
ہے۔
اَلْھُدٰی اور ھِدَایَۃ اگرچہ لغۃً ہم معنی ہیں۔
لیکن قرآن پاک نے ھُدًی کا لفظ خاص کر ہدایت
الٰہی کے لئے استعمال کیا ہے اور کسی انسان کی
طرف اس کی نسبت نہیں کی چنانچہ فرمایا۔ ھُدًی
لِّلْمُتَّقِیْنَ (۲-۱) خدا سے ڈرنیوالوں کی رہنما ہے۔
اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ (۲-۵) یہی
لوگ اپنے پروردگار (کی طرف) سے ہدایت پر ہیں۔
ھُدًی لِّلنَّاسِ (۲-۱۸۵) لوگوں کے لئے رہنما ہے۔
فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی فَمَنْ تَبِعَ ھُدَایَ
(۲-۳۸) جب تمہارے پاس میری طرف سے
ہدایت پہنچے (تو اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے
میری ہدایت کی پیروی کی۔
قُلْ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الْھُدٰی (۲-۱۲۰) کہدو
کہ خدا کی ہدایت (یعنی دین اسلام) ہی ہدایت ہے۔
اِنْ تَحْرِصْ عَلٰی ھُدٰھُمْ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ
مَنْ یُّضِلُّ (۱۶-۳۷) اگر تم ان (کفار) کی ہدایت
کے لئے للچاؤ تو جس کو خدا گمراہ کر دیتا ہے اس کو وہ
ہدایت نہیں دیا کرتا۔
اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْھُدٰی
(۲-۱۶) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ
کر گمراہی خریدی۔
اَلْاِھْتِدَاءُ (ہدایت پانا) کا لفظ خاص کر اس
ہدایت پر بولا جاتا ہے جو امور دنیوی یا اخروی
کے متعلق انسان اپنے اختیار سے حاصل کرتا ہے۔
قرآن میں ہے :-
وَھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوْمَ لِتَھْتَدُوْا
بِھَا (۶-۹۸) اور وہی تو ہے جس نے تمہارے
لئے ستارے بنائے تاکہ (جنگلوں اور دریاؤں
کے اندھیروں میں) ان سے رستہ معلوم کرو۔
اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ
وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَۃً وَّلَا
یَھْتَدُوْنَ سَبِیْلًا (۴-۹۸) اور عورتیں اور
بچے بے بس ہیں۔ کہ نہ تو کوئی چارہ کر سکتے ہیں اور
نہ رستہ جانتے ہیں۔
لیکن کبھی اِھْتِدَاءٌ کے معنی طلب ہدایت بھی
آتے ہیں چنانچہ فرمایا :-
وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّکُمْ
تَھْتَدُوْنَ (۲-۵۱) اور جب ہم نے موسیٰ
کو کتاب اور معجزے عنایت کیے تاکہ تم ہدایت
حاصل کرو۔
فَلَا تَخْشَوْھُمْ وَاخْشَوْنِیْ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ
عَلَیْکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ (۲-۱۵۰)
سو ان سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا
اور یہ بھی مقصود ہے کہ میں تم کو اپنی تمام نعمتیں
بخشوں اور یہ بھی کہ تم راہ راست پر چلو۔
فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اھْتَدَوْا (۳-۲۰) اگر یہ لوگ
اسلام لے آئیں تو بے شک ہدایت پالیں۔
فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِہٖ فَقَدِ اھْتَدَوْا۔
(۲-۱۳۷) تو اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے

آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یاب ہو جائیں۔

اَلْمُهْتَدِیْ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی عالم کی اقتداء کر رہا ہو چنانچہ آیت:۔

اَوَلَوْ کَانَ اٰبَآؤُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّ لَا یَھْتَدُوْنَ (۵-۱۰۴) بھلا اگر ان کے باپ دادا نہ تو کچھ جانتے ہوں اور نہ کسی کی پیروی کرتے ہوں۔ میں تنبیہ کی گئی ہے کہ نہ وہ خود عالم تھے اور نہ ہی کسی عالم کی اقتداء کرتے تھے۔ اور آیت:۔

فَمَنِ اھْتَدٰی فَاِنَّمَا یَھْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْھَا (۱۰-۱۰۸) تو جو کوئی ہدایت حاصل کرے تو ہدایت سے اپنے ہی حق میں بھلائی کرتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

میں (اِھْتَدَاءٌ) کا لفظ طلب ہدایت' اقتدار اور تحری ہدایت تینوں کو شامل ہے۔ اس طرح آیت:۔

وَزَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَھُمْ فَصَدَّھُمْ عَنِ السَّبِیْلِ فَھُمْ لَا یَھْتَدُوْنَ (۲۷-۲۴) اور شیطان نے ان کے اعمال انہیں آراستہ کر کے دکھلائے ہیں۔ اور ان کو رستے سے روک رکھا ہے پس وہ رستے پر نہیں آتے۔

میں بھی لَا یَھْتَدُوْنَ سے تینوں قسم کی ہدایت کی نفی کی گئی ہے اور آیت:۔ وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اھْتَدٰی (۲۰-۸۲) اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے۔ پھر سیدھے راستہ پر چلے اس کو میں بخش دینے والا ہوں۔

میں اِھْتَدٰی کے معنی لگاتار ہدایت طلب کرنے اور اس میں سستی نہ کرنے اور دوبارہ معصیت کی طرف رجوع نہ کرنے کے ہیں۔ اور آیت:۔

اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَةٌ کے بعد فرمایا:۔

اُولٰٓئِكَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ (۲-۱۵۷) اور یہی سیدھے راستے پر ہیں۔

میں مُھْتَدُوْنَ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت الٰہی کو قبول کیا اور اس کے حصول کے لئے کوشش کی اور اس کے مطابق عمل بھی کیا چنانچہ الٰہی لوگوں کے متعلق فرمایا۔

یٰٓاَیُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَھِدَ عِنْدَكَ اِنَّنَا لَمُھْتَدُوْنَ (۴۳-۴۹) اے جادوگر اس عہد کے مطابق جو تیرے پروردگار نے تجھ سے کر رکھا ہے اس سے دعا کر۔ بیشک ہم ہدایت یاب ہونگے۔

اور ھَدْیٌ کا لفظ خاص کر اس جانور پر بولا جاتا ہے جو بیت اللہ کی طرف (ذبح کے لئے) بھیجا جائے۔ اخفش نے اس کا واحد ھَدْیَةٌ لکھا ہے نر کی طرح مادہ جانور پر بھی ہدی کا لفظ بولا جاتا ہے کیونکہ یہ مصدر ہے۔ جو بطور صفت کے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْھَدْیِ (۲-۱۹۶) اور اگر رستے میں (روک لئے جاؤ). تو جیسی قربانی میسر ہو (کردو)۔

ھَدْیًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ (۵-۹۵) قربانی کعبے پہنچائی جائے۔ وَالْھَدْیَ وَالْقَلَآئِدَ (۵-۹۷) اور قربانی کو اور ان جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے بندھے ہوں۔ وَالْھَدْیَ مَعْكُوْفًا (۴۸-۲۵) اور قربانیوں کو بھی کہ اپنی جگہ پہنچنے سے رکی رہیں۔

اَلْھَدِیَّةُ ان تحائف کو کہا جاتا ہے جو ہم ایک دوسرے کو پیش کرتے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے:۔ وَاِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْھِمْ بِھَدِیَّةٍ (۲۷-۳۵) اور

میں ان کی طرف کچھ تحفہ بھیجتی ہوں۔
بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ (۲۷-۳۶) بلکہ اپنے تحفے سے تم ہی خوش ہوتے ہوگے۔
اَلْمِهْدٰى۔ طباق وغیرہ جس میں ہدیہ بھیجا جاتا ہے۔ اور اس شخص کو جو بہت زیادہ تحائف پیش کرنے کا عادی ہو اسے مِهْدَاءٌ کہا جاتا ہے۔
شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

وَاِنَّكَ مِهْدَاءُ الْخَنَا نَطِفُ النَّثَا

بیشک تو فحش گو اور بد باطن ہے۔
اَلْهَدِيُّ کے معنی قربانی کا جانور اور دلہن اور سیرت کے آتے ہیں۔ چنانچہ اسی سے محاورہ ہے:
هَدَيْتُ الْعَرُوْسَ اِلٰى زَوْجِهَا دلہن کو شوہر کے پاس بھیجا۔ مَا اَحْسَنَ هِدْيَةَ فُلَانٍ وَهَدْيَهٗ یعنی اس کی سیرت کتنی اچھی ہے۔ فُلَانٌ يُهَادِيْ بَيْنَ اثْنَيْنِ فلاں دو آدمیوں پر سہارا لے کر ان کے درمیان چلتا ہے۔
تَهَادَتِ الْمَرْأَةُ عورت کا قربانی کے جانور کی طرح لڑکھڑا کر چلنا۔

(ھ ر ت)

آیت کریمہ: وَمَا اُنْزِلَ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ (۲-۱۰۲) اور ان باتوں کے بھی (پیچھے لگ گئے) جو شہر بابل میں دو فرشتوں (یعنی) ہاروت ماروت پر اتری تھیں۔
کی تفسیر میں بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ہاروت ماروت دو فرشتوں کے نام ہیں اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ انسانوں یا جنوں میں سے دو شیطانوں کے نام ہیں۔ اور یہ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ سے بدل البعض ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ جیسا کہ اَلْقَوْمُ قَالُوْا كَذَا زَيْدٌ وَعَمْرٌو میں زید اور عمرو قوم سے بدل البعض ہونے کی بناء پر مرفوع ہیں۔
لغت میں اَلْهَرْتُ کے معنی منہ کی باچھوں کا کشادہ ہونا کے ہیں اور اسی سے فَرَسٌ هَرِيْتُ الشِّدْقِ کا محاورہ ہے یعنی وہ گھوڑا جس کی باچھیں وسیع ہوں اور اصل میں یہ لفظ هَرَتَ (ض ن) ثَوْبَهٗ سے مشتق ہے جس کے معنی کپڑا پھاڑنے کے ہیں اور جس عورت کی شرم گاہ کثرت جماع سے کشادہ ہوگئی ہو اسے اَلْهَرِيْتُ کہا جاتا ہے۔

(ھ ر ع)

هَرَعَ وَاُهْرِعَ کے معنی سختی اور تخویف سے ہانکنے اور ... چلانے کے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے: وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ (۱۱-۷۸) اور لوط کی قوم کے لوگ ان کے پاس بے تحاشا دوڑتے ہوئے آئے۔
اور هَرِعَ بِرُمْحِهٖ فَتَهَرَّعَ کے معنی نیزے کو سرعت کے ساتھ کسی کی طرف سیدھا کرنے کے ہیں اور هَرِيْعٌ تیز رو اور چلا کر رونے والے کو کہتے ہیں۔
اَلْهَرِيْعُ (ایضاً) وَالْهَرِيْعَةُ چھوٹی جوں کو کہتے ہیں۔

---

[1] قاله حسيل بن عرفطة بن نضلة الاسدي مخضرمي راى رسول الله صلى الله عليه وسلم وروى عنه وهو ممن غير عليه السلام اسماءهم فسماه حسيناً (الاصابة رقم ۱۷۱۷) وعده ابو زيد في نوادره من شعراء الجاهلية وذكر بعضهم (كما في البيان ۳: ۲۴۶) هذا الاسم حسناً وهو تحريف والبيت وجدته بعد الكلال في الحيوان (۳: ۱۰۲-۱۰۳) (رقم في ۴۹۴) في اربعة ابيات وعجزه: شديد السباب رافع الصوت غالبه. وفي المطبوع نطف الحشا بدل نطف النثا محرف والتصويب من المراجع ۱۲

(ھ ر ن)

ھٰرُوْنَ۔ (موسٰی علیہ السلام کے بڑے بھائی کا نام ہے) یہ اسم عجمی ہے اور کلام عرب میں یہ مادہ مستعمل نہیں ہے۔

(ھ ز ز)

اَلْھَزُّ کے معنی کسی چیز کو زور سے ہلانے کے ہیں۔ جیسے ھَزَزْتُ الرُّمْحَ میں نے نیزہ زور سے ہلایا اِھْتَزَّ انفعال اس کا مطاوع ہے۔ اسی طرح ھَزَزْتُ فُلَانًا لِلْعَطَآءِ کے معنی ہیں "میں نے فلاں کو بخشش کے لئے حرکت دی" یعنی وہ خوشی سے جھومنے لگا۔ قرآن میں ہے:۔

وَھُزِّیْٓ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ (۱۹-۲۵) اور کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ۔

فَلَمَّا رَاٰھَا تَھْتَزُّ كَاَنَّھَا جَآنٌّ (۲۷-۱۰) جب اسے دیکھا تو اس طرح ہل رہی تھی گویا سانپ ہے

اِھْتَزَّ النَّبَاتُ نباتات (سبزے) کا لہلہانا چنانچہ قرآن میں ہے:۔

فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْھَا الْمَآءَ اھْتَزَّتْ وَرَبَتْ (۲۲-۵) پھر جب ہم اس پر بارش برساتے ہیں۔ تو وہ شاداب ہوجاتی ہے اور ابھرنے لگتی ہے۔

اِھْتَزَّ الْکَوْکَبُ فِی انْقِضَاضِہٖ ستارے کا تیزی کے ساتھ ٹوٹنا اور سَیْفٌ ھَزْھَازٌ کے معنی چمکدار تلوار کے ہیں اور شفاف پانی کو مَاءٌ ھَزْھَزٌ کہا جاتا ہے اسی طرح ھُزَھِزٌ کے معنی سبک اور ہلکے پھلکے آدمی کے بھی آتے ہیں۔

(ھ ز ء)

اَلْھُزْءُ کے معنی اندرونی طور پر کسی کا مذاق اڑانے کے ہیں۔ اور کبھی یہ مذاق کی طرح کی گفتگو پر بھی بولا جاتا ہے چنانچہ قصدًا مذاق اڑانے کے معنی میں فرمایا:۔

اِتَّخَذُوْھَا ھُزُوًا وَّلَعِبًا (۵-۵۸) یہ اسے بھی ہنسی اور کھیل بناتے ہیں۔

وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْئَا اتَّخَذَھَا ھُزُوًا۔ (۴۵-۹) اور جب ہماری کچھ آیتیں اسے معلوم ہوتی ہیں تو ان کی ہنسی اڑاتا ہے۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا ھُزُوًا (۲۱-۳۶) اور جب کافر تم کو دیکھتے ہیں تو تم سے استہزاء کرتے ہیں۔

اَتَتَّخِذُنَا ھُزُوًا (۲-۶۷) کیا تم ہم سے ہنسی کرتے ہو۔

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰیٰتِ اللّٰہِ ھُزُوًا (۲-۲۳۱) اور خدا کے احکام کو ہنسی (اور کھیل) نہ بناؤ۔

اس آیت میں انہیں سخت سرزنش کی ہے۔ اور ان کی خباثت پر تنبیہ کیا ہے کہ آیات الٰہی کا علم اور ان کی صداقت سے آگاہ ہونے کے بعد ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ھَزِئْتُ بِہٖ وَاسْتَھْزَاْتُ کے معنی کسی کا مذاق اڑانے کے ہیں اور اَلْاِسْتِھْزَاءُ اصل میں طلب ھُزْءٍ کو کہتے ہیں۔ اگرچہ کبھی اس کے معنی مذاق اڑانا بھی آجاتے ہیں جیسے اِسْتِجَابَۃٌ کے اصل معنی طلب جواب کے ہیں۔ اور یہ اِجَابَۃٌ (جواب دینا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے) چنانچہ قرآن میں ہے:۔

قُلْ اَبِاللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ وَرَسُوْلِہٖ كُنْتُمْ تَسْتَھْزِءُوْنَ (۹-۶۵) کہو کیا تم خدا اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے۔

وَحَاقَ بِھِمْ مَّا كَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ۔ (۱۱-۸) اور جس چیز کے ساتھ یہ استہزاء کیا کرتے

تھے وہ ان کو گھیر لے گی۔

وَمَا یَاْتِیْھِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ (۱۵-۱۱) اور ان کے پاس کوئی پیغمبر نہیں آتا تھا مگر اس کے ساتھ مذاق کرتے تھے۔

اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ یُکْفَرُ بِھَا وَیُسْتَھْزَءُ بِھَا (۴-۱۴۰) کہ جب تم (کہیں) سنو کہ خدا کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے۔

وَلَقَدِ اسْتُھْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِکَ (۶-۱۰) اور تم سے پہلے بھی پیغمبروں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے۔

حقیقی معنی کے لحاظ سے استہزاء کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف صحیح نہیں ہے جیسا کہ لہو و لعب کا استعمال باری تعالیٰ کے حق میں جائز نہیں ہے لہذا آیت:۔

اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ وَیَمُدُّھُمْ فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ (۲-۱۵) (ان منافقوں سے) خدا ہنسی کرتا ہے اور انہیں مہلت دیئے جاتا ہے کہ شرارت و سرکشی میں پڑے بہک رہے ہیں۔

میں یَسْتَھْزِئُ کے معنی یا تو اِسْتِھْزَاء کی سزا دینے کے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں کچھ دیر تک مہلت دی اور پھر انہیں دفعۃً پکڑ لیا یہاں امہال کو استہزاء سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ اس سے انہوں نے ھُزْءٌ کی طرح دھوکا کھایا پس یہ استدراج کے ہم معنی ہے جیسے فرمایا۔

سَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (۷-۱۸۲) ان کو بتدریج اس طرح سے پکڑیں گے کہ ان کو معلوم ہی نہ ہوگا۔

اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ جس قدر وہ استہزاء اڑا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے استہزاء سے باخبر ہے۔ تو گویا اللہ تعالیٰ بھی ان کا مذاق اڑا رہا ہے۔ مثلاً ایک شخص کسی کو دھوکا دے۔ اور وہ اس کے دھوکے سے باخبر ہو کر اسے اطلاع دیئے بغیر اس سے احتراز کرے تو کہا جاتا ہے سَخِرَ عَنْہُ یعنی وہ اس کے دھوکے سے باخبر ہے۔

ایک حدیث میں ہے[1] (۱۵۸) اِنَّ الْمُسْتَھْزِئِیْنَ فِی الدُّنْیَا یُفْتَحُ لَھُمْ بَابٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ فَیُسْرِعُوْنَ نَحْوَہٗ فَاِذَا انْتَھَوْا اِلَیْہِ سُدَّ عَلَیْھِمْ۔ کہ جو لوگ دنیا میں دین الہٰی کا مذاق اڑاتے ہیں قیامت کے دن ان کے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائیگا جب یہ لوگ اس میں داخل ہونے کے لئے سرپٹ دوڑ کر وہاں پہنچیں گے تو وہ دروازہ بند کر دیا جائیگا چنانچہ آیت:۔ فَالْیَوْمَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْکُفَّارِ یَضْحَکُوْنَ (۸۳-۳۴) تو آج مومن کافروں سے ہنسی کریں گے۔

میں بعض کے نزدیک ضحک سے یہی معنی مراد ہیں اور آیت سَخِرَ اللّٰہُ مِنْھُمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۹-۷۹) خدا ان پر ہنستا ہے اور ان کے لئے تکلیف دینے والا عذاب تیار ہے۔

میں بھی اسی قسم کی تاویل ہو سکتی ہے۔

(ھ ز ل)

اَلْھَزْلُ کے معنی لاحاصل اور بے نتیجہ بات کے ہیں گویا وہ ھُزَالٌ (لاغری) ہے۔

قرآن میں ہے:۔

اِنَّہٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا ھُوَ بِالْھَزْلِ (۸۶-۱۳-۱۴) کہ یہ کلام (حق کو باطل سے) جدا کرنے والا ہے اور بیہودہ بات نہیں۔

---

[1] مروی عن ابن عباس وغیرہ من التابعین تحت تفسیر الآیۃ "فضرب بینھم بسور باطنہ فیہ الرحمۃ وظاھرہ من قبلہ العذاب" (الحدید) ۔

(ھ ز م)

اَلْھَزْمُ کے اصل معنی کسی خشک چیز کو دبا کر توڑ دینے کے ہیں۔ خشک اور پرانے مشکیزہ کو دبا کر توڑ ڈالنے یا تربوز ککڑی وغیرہ کے ٹوٹنے پر ھزم کا لفظ بولا جاتا ہے اور اسی سے ضربت (بمعنی شکست) ہے جس طرح حَطْمٌ یا کَسْرٌ کا لفظ بجازاً شکست کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح ھَزِمَ کا لفظ بھی اس معنی میں بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:

فَھَزَمُوْھُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ تو طالوت کی فوج نے خدا کے حکم سے ان کو ہزیمت دی۔ (۲-۲۵۱)

جُنْدٌ مَّا ھُنَالِکَ مَھْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ۔ (۳۸-۱۱) یہاں شکست کھائے ہوئے گروہوں میں سے یہ بھی ایک لشکر ہے۔

اور فَاقِرَۃٌ کی طرح ھَازِمَۃٌ بھی بڑی مصیبت کو کہتے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے: اَصَابَتْہُ ھَازِمَۃُ الدَّھْرِ اسے بڑی مصیبت پہنچی۔

ھَزَمَ الرَّعْدُ گرج کی آواز کا شکستہ ہونا۔

اَلْمِھْزَامُ ایک لکڑی جس کے سرے پر آگ لگا کر بچے کھیلتے ہیں۔ گویا وہ اس سے دوسرے لڑکوں کو ہزیمت دیتے ہیں اور کمینے دونی شخص کے متعلق ھَزَمَ یا تَھَزَّمَ کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔

(ھ ش ش)

اَلْھَشُّ (ض) کے معنی بھی ھَزٌّ کی طرح کسی چیز کو حرکت دینے کے ہیں۔ لیکن یہ کسی نرم چیز کو حرکت دینے پر بولا جاتا ہے جیسے

ھَشَّ الْوَرَقَ درخت سے پتے جھاڑنا۔ قرآن میں ہے:

وَاَھُشُّ بِھَا عَلٰی غَنَمِیْ (۲۰-۱۸) اور اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں۔

ھَشَّ الرَّغِیْفُ فِی التَّنُّوْرِ روٹی کا تنور میں پھول کر نرم ہو جانا۔

نَاقَۃٌ ھَشُوْشٌ نرم مزاج اور بہت دودھ دینے والی اونٹنی اور وہ گھوڑا جسے بہت زیادہ پسینہ آئے۔ اسے بھی ھَشُوْشٌ کہا جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل جس گھوڑے کو پسینہ نہ آئے اسے صَلُوْدٌ کہا جاتا ہے۔

رَجُلٌ ھَشُّ الْوَجْہِ ہشاش بشاش آدمی۔

اور ھَشَشْتُ وَھَشِشْتُ لِلْمَعْرُوْفِ (ض) سخاوت کے وقت خوش ہونا۔

فُلَانٌ ذُوْ ھَشَاشٍ نیک خو اور سخی مرد۔

(ھ ش م)

اَلْھَشْمُ۔ اصل میں سوکھی یا نرم چیز کے توڑنے پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

فَاَصْبَحَ ھَشِیْمًا تَذْرُوْہُ الرِّیَاحُ (۱۸-۴۵) پھر وہ چورا چورا ہو گئی کہ ہوائیں اسے اڑاتی پھرتی ہیں۔

فَکَانُوْا کَھَشِیْمِ الْمُحْتَظِرِ (۵۴-۳۱) تو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑ والے کی سوکھی اور ٹوٹی ہوئی باڑ۔

اور ہڈی وغیرہ سخت چیز کے توڑنے پر ھَشْمٌ بولا جاتا ہے اور اسی سے ھَشَمْتُ الْخُبْزَ کا محاورہ ہے جس کے معنی سوکھی روٹی کو توڑ کر ثرید بنانے

لہ وایضاً انظر (۳۳) ۵ - (۳۴) ۵

کے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے (1)

(۵۱۴) عَمْرُو الْعُلَا هَشَمَ الثَّرِيْدَ لِقَوْمِهٖ
وَرِجَالُ مَكَّةَ مُسْنِتُوْنَ عِجَافٗ

عمرو العلا نے خشک سالی کے زمانہ میں اپنی قوم کو ثرید کھلایا جب کہ مکہ کے سردار قحط سالی کی وجہ سے دبلے ہو رہے تھے۔

هَاشِمَةٌ سر کا زخم جس سے کھوپڑی کی ہڈی ٹوٹ جائے۔

اِهْتَشَمَ كُلَّ مَا فِي ضَرْعِ النَّاقَةِ اونٹنی کے پستانوں سے تمام دودھ نچوڑ لیا۔ محاورہ ہے۔ تَهَشَّمَ فُلَانٌ عَلٰى فُلَانٍ کسی پر مہربان ہونا۔

(ھ ض م)

اَلْهَضْمُ (ض) کے اصلی معنی کسی نرم چیز کو کچلنا کے ہیں۔ محاورہ ہے: هَضَمْتُهٗ فَانْهَضَمَ میں نے اسے توڑا چنانچہ وہ ٹوٹ گیا۔ اور باریک سرکنڈا جیسے بانسری کی طرح بجایا جاتا ہے اسے مَهْضُوْمَةٌ کہتے ہیں اور اسی سے نازک بانسری کو مِزْمَارٌ مُّهْضَمٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:

وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ اور کھجوریں جن کے خوشے لطیف اور نازک ہونے کی وجہ سے کچلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

اَلْهَاضُوْمُ کھانا ہضم کرنے کا چورن بَطْنٌ هَضُوْمٌ پچکا ہوا پیٹ۔ كَشْحٌ مُّهْضَمٌ پتلی کمر۔ اِمْرَأَةٌ هَضِيْمَةُ الْكَشْحَيْنِ پتلی کمر والی عورت اور استعارہ کے طور پر هَضْمٌ بمعنی ظلم بھی آتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا (۲۰-۱۱۲) تو اس کو نہ ظلم کا خوف ہوگا اور نہ نقصان کا۔

(ھ ط ع)

هَطَعَ الرَّجُلُ بِبَصَرِهٖ کے معنی ہیں اس نے نظر جما کر دیکھا اور گردن اٹھا کر چلنے والے اونٹ کو بَعِيْرٌ مُّهْطِعٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:

مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ (۱۴-۴۳) (اور لوگ) سر اٹھائے ہوئے (میدان قیامت کی طرف) دوڑ رہے ہوں گے۔ ان کی نگاہیں ان کی طرف لوٹ نہ سکیں گی۔

مُهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ (۵۴-۸) اس بلانے والے کی طرف دوڑتے جاتے ہوں گے۔

(ھ ل)

هَلْ یہ حرف استخبار اور کبھی استفہام کے لئے آتا ہے۔ جیسے قرآن میں ہے:

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا۔

---

(1) عمرو العلا ای ہاشم بن عبد مناف جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویکنی بالفضلة راجع الطبقات (۱: ۳۴) والاشتقاق والبدایہ والنہایہ (۲: ۲۵۳) ورسائل جاحظ ۷۰ ونوادر ابی زید ۱۶۷ وصبح الاعشی (۱: ۱۵۸) والبخلاء ۲۳۰ والخلاف فی القائل نسبہ بعضہم الی ابن الزبعری راجع السیرۃ (۱: ۹۴) والعینی (۱۱: ۱۴۸) وابن ابی الحدید (۳: ۴۵۲) وامالی المرتضی (۱: ۱۵۸/۲: ۲۶۹) وفی اللسان (ہشم) منسوب الی بنت ہاشم وفی الکامل ۲۱۷ بغیر عزو وفیہ عمرو الذی بدل عمرو العلا وقال الصواب عمرو العلی والشطر الثانی فی البحر (۵: ۳۰۰) وفی تاریخ الطبری (۲: ۱۲) والمرزبانی ۳ قالہ مطرود بن کعب الخزاعی ۱۲

(۲۰-۹۴) کہدو کہ تمہارے پاس کوئی سند ہے (اگر ہے) تو لے سے ہمارے سامنے نکالو۔
اور کبھی تنبیہ، تبکیت یا نفی کے لئے چنانچہ آیات:۔
هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا (۱۹-۹۸) بھلا تم ان میں سے کسی کو دیکھتے ہو یا کہیں ان کی بھنک سنتے ہو۔
هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا (۱۹-۶۵) بھلا تم اس کا کوئی ہم نام جانتے ہو۔
فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ (۶۷-۳) ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھو کیا تجھے (آسمان میں) کوئی شگاف نظر آتا ہے۔
میں نفی کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اور آیات:۔
هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ (۲-۲۱۰) کیا یہ لوگ اسی بات کے منتظر ہیں کہ ان پر خدا (کا عذاب) بادل کے سائبانوں میں نازل ہو اور فرشتے بھی اتر آئیں۔
هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ (۶-۱۵۸) یہ اس کے سوا اور کس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں۔
هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ (۴۳-۶۶) یہ صرف اس بات کے منتظر ہیں کہ قیامت ......
هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۷-۱۴۷) یہ جیسے عمل کرتے ہیں ویسا ہی ان کو بدلہ ملے گا۔
هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (۲۱-۳) یہ شخص کچھ بھی نہیں ہے مگر تمہارے جیسا آدمی ہے۔
میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر تنبیہ اور اس کی سطوت سے تخویف کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے:۔

(ھ ل ل)

اَلْهِلَالُ مہینے کی پہلی اور دوسری تاریخ کے چاند کو کہتے ہیں پھر اس کے بعد سے قمر کہا جاتا ہے اس کی جمع اَهِلَّةٌ ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔
يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ (۲-۱۸۹) (اے محمدؐ) لوگ تم سے نئے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ گھٹتا بڑھتا کیوں ہے) کہدو کہ وہ لوگوں کے (کاموں) کی میعادیں اور حج کے وقت معلوم ہونیکا ذریعہ ہے یعنی ہلال کے طلوع ہونے اور اس کے کم و بیش ہونے کی حکمت پوچھتے ہیں۔
تشبیہ کے طور پر هِلَال کا لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) شکار کرنے کا نیزہ جو ہلال کی طرح دو شاخ کا ہوتا ہے (۲) ایک قسم کا زہریلا سانپ (۳) کنوئیں کے تلے میں تھوڑا سا پانی جو گول دائرے کی شکل پر ہوتا ہے (۴) چکی کا کنارہ (جب کہ ٹوٹ جائے)۔
اَهَلَّ الْهِلَالُ کے معنی چاند نظر آنے کے ہیں۔ اور اِسْتَهَلَّ کے معنی رویت ہلال ہیں لیکن کبھی استہلال بمعنی ہلال بھی آجاتا ہے جیسے اِسْتِجَابَة بمعنی اِجَابَة اَلْاِهْلَالُ کے معنی چاند نظر آنے پر آواز بلند کرنے کے ہیں پھر یہ لفظ عام آواز بلند کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اسی سے تشبیہاً اَهَلَّ الصَّبِيُّ کا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں بچے نے آواز بلند کی اور آیت:۔
وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ (۲-۱۷۳) اور جس چیز پر خدا کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے۔
کے معنی ہیں کہ جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے یعنی جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔
بعض نے کہا ہے کہ اَلْاِهْلَالُ اور تَهْلِيْل کے معنی لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ کہنے کے ہیں اور یہ لفظ جملہ مخفف

لہ والمعروف لفظ التفعیل ۱۲

ہے۔ جیسا کہ تَبَسْمَلَ وَبَسْمَلَۃٌ اور تَحَوْقَلَ وَحَوْقَلَۃٌ کے معنی بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اور لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہنے کے ہیں اور اسی سے اَھْلَالٌ بِالْحَجِّ ہے جس کے معنی بلند آواز سے تلبیہ کہنے کے ہیں اور باریک جھر جھرے کپڑے کو ثوب مُھَلْھَلٌ کہا جاتا ہے اور اسی سے شعر مُھَلْھَلٌ ہے جس کے معنی عمدہ شعر کے ہیں۔

(ھ ل ک)

اَلْھَلَاکُ یہ کئی طرح پر استعمال ہوتا ہے ایک یہ کہ کسی چیز کا اپنے پاس سے جاتے رہنا خواہ وہ دوسرے کے پاس موجود ہو جیسے فرمایا:۔ ھَلَکَ عَنِّیْ سُلْطَانِیَہْ (۶۹-۲۹) ہائے میری سلطنت خاک میں مل گئی۔

دوسرے یہ کہ کسی چیز میں خرابی اور تغیر پیدا ہو جانا جیسا کہ طعام (کھانا) کے خراب ہونے پر ھَلَکَ الطَّعَامُ بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔ وَیُھْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ (۲-۲۰۵) اور کھیتی کو (برباد) اور (انسانوں اور حیوانوں کی) نسل کو نابود کر دے۔

موت کے معنی میں جیسے فرمایا:۔ اِنِ امْرُؤٌا ھَلَکَ (۴-۱۷۶) اگر کوئی ایسا مرد مر جائے۔

اور قرآن نے کفار کے قول کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔ وَمَا یُھْلِکُنَا اِلَّا الدَّھْرُ (۴۵-۲۴) اور ہمیں تو زمانہ مار دیتا ہے۔

قرآن پاک میں ہلاکت کا لفظ بری موت کے لئے استعمال ہوا ہے صرف آیت (۲-۲۵) اور آیت:۔ وَلَقَدْ جَآءَکُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَکٍّ مِّمَّا جَآءَکُمْ بِہٖ حَتّٰی اِذَا ھَلَکَ قُلْتُمْ لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰہُ مِنْۢ بَعْدِہٖ رَسُوْلًا (۴۰-۳۴) اور پہلے یوسف (علیہ السلام) بھی تمہارے پاس نشانیاں لے کر آئے تھے۔ تو جو وہ لائے تھے اس سے تم ہمیشہ شک ہی میں رہے۔ یہاں تک کہ جب وہ فوت ہو گئے تو تم کہنے لگے کہ خدا اس کے بعد کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا۔

میں موت کے معنی مراد ہیں۔ چہارم یہ کہ کسی چیز کا اس دنیا سے کلی طور پر معدوم ہو جانا۔ اور یہی معنی فنا کے ہیں جس کی طرف کہ آیت:۔ کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ (۲۸-۸۸) اس کی ذات پاک کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔

میں اشارہ پایا جاتا ہے۔ عذاب خوف اور فقر پر بھی ہلاکت کا لفظ بولا جاتا ہے۔ چنانچہ آیات:۔ وَمَا یُھْلِکُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ (۶-۲۶) مگر (ان باتوں سے) اپنے آپ ہی کو ہلاک کرتے ہیں اور (اس سے) بے خبر ہیں۔

وَکَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِّنْ قَرْنٍ (۱۹-۷۴) اور ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتیں ہلاک کر دیں۔

وَکَمْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا (۷-۴) اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے تباہ کر ڈالیں۔

فَکَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا (۲۲-۴۵) اور بہت سی بستیاں ہیں کہ ہم نے ان کو تباہ کر ڈالا۔

اَتُھْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَھَآءُ مِنَّا (۷-۱۵۵) کیا تو اس فعل کی سزا میں جو ہم سے بے عقل لوگوں نے کیا ہے ہمیں ہلاک کر دے گا۔

میں بھی یہی معنی مراد ہیں۔ اور آیت:۔ فَھَلْ یُھْلَکُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ (۴۶-۳۵) سو اب وہی ہلاک ہوں گے۔ جو نافرمان تھے۔

میں ہلاکت سے ہلاکت کبری یعنی عذاب مراد ہے۔ جس کے متعلق آنحضرت نے ارشاد فرمایا (۱۵۹)

لَا شَرَّ بِشَرٍّ بَعْدَهُ النَّارُ کہ اس شر کے برابر کوئی شر نہیں ہے جس کے بعد دوزخ کا سامنا ہو۔ اور فرمایا:۔
وَمَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ (۲۷-۴۹) اور ہم تو اس کے گھر والوں کے موقعہ ہلاکت پر گئے ہی نہیں۔
اَلتَّهْلُكَةُ کے معنی ہلاک کرنے کے ہیں اور جو چیز مُؤَدِّي إِلَى الْهَلَاكِ یعنی موجب ہلاکت ہو اسے تَهْلُكَة کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (۲-۱۹۵) اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔
اور اِمْرَأَةٌ هَلُوكٌ کے معنی نازک خرام عورت کے ہیں۔ گویا وہ چلتے وقت زمین پر گری پڑتی ہے۔ شاعر نے کہا ہے[1] (الطویل)

(۴۵۸) مَرِيضَاتُ أَوْبَاتِ التَّهَادِي كَأَنَّمَا
تَخَافُ عَلَى أَحْشَائِهَا أَنْ تَقَطَّعَا

وہ عورتوں کے درمیان مریض کی طرح لڑکھڑا کر اس انداز سے چلتی ہے گویا اسے اپنی کمر یا انتڑیوں کے کٹ جانے کا اندیشہ ہے۔
اور کنایۃً کے طور پر هَلُوكٌ بدکار عورت کو بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی مائل ہو کر خراماں چلتی ہے۔
اَلْهَالِكِيُّ اصل میں یہ هَالِكٌ قبیلہ کے ایک آہنگر کا نام تھا۔ پھر اس مناسبت سے ہر آہنگر کو هَالِكِيّ کہا جانے لگا ہے۔
اَلْهُلْكُ (ایضًا) برباد ہونے والی چیز۔

(ھ ل م)

هَلُمَّ (اسم فعل) کے معنی کسی چیز کی طرف بلانے کے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کی اصل هَا لُمَّ ہے۔ اور یہ لَمَمْتُ الشَّيْءَ سے مشتق ہے جس کے معنی اصلاح کرنے کے ہیں۔ ھا کا الف حذف ہونے کے بعد هَلُمَّ بن گیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی اصل هَلْ × اَمَّ ہے گویا یہ اصل میں هَلْ لَكَ فِي كَذَا أَمَّهُ ..... (بمعنی قصدہ) کا مخفف ہے۔ قرآن میں ہے۔
وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا (۳۳-۱۸) اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس چلے آؤ۔
بعض اسے فعل غیر متصرف مانتے ہیں اور تثنیہ جمع (نیز تذکیر و تانیث) میں اسے ایک ہی حالت پر رہنے دیتے ہیں اور قرآن بھی اسی کے مطابق نازل ہوا ہے۔ اور بعض فعل متصرف مانتے ہیں (اور آخر میں ضمائر کا الحاق کرتے ہیں جیسے) هَلُمَّا، هَلُمُّوا، هَلُمِّي، هَلْمُمْنَ۔

(ھ م م)

اَلْهَمُّ کے معنی پگھلا دینے والے غم کے ہیں۔ اور یہ هَمَمْتُ الشَّحْمَ فَانْهَمَّ کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں میں نے چربی کو پگھلایا چنانچہ وہ پگھل گئی اصل میں هَمَّ کے معنی اس ارادہ کے ہیں جو ابھی دل ہی میں ہو۔ شاعر نے کہا ہے[2] (

(۴۵۹) وَهَمُّكَ مَا لَمْ تُمْضِهِ لَكَ مُنْصِبٌ

اور جب تک تو اپنے ارادے کو پورا نہ کرے وہ تجھے بے چین رکھے گا۔ قرآن میں ہے۔
إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا (۵-۱۱) جب ایک جماعت نے ارادہ کیا کہ تم پر دست درازی کریں۔

---

[1] فی الحماسۃ لابی تمام (۲: ۳۰۹) قالہ سلم بن الولید وفی المرزوقی رقم ۸۹۸ "آخر" وفی المحاضرات للمؤلف (۲: ۱۳۹) مستحسن للسعدی ای لرجل من بنی سعد وبعدہ: یبیت الثیاب الایم اخمصرالندی۔ فرفع من اعطافہ ما ترفعا۔ والبیتان فی الحیوان (۶: ۲۵۹) وفی روایۃ مرابضۃ اثناء التہادی ویرفع من اطرافہ بدل فرفع من اعطافہ والبیت فی مجموعۃ المعانی ۲۵۹ [2] لم اجدہ

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا (۱۲-۲۴) اور اس عورت نے ان کا قصد کیا اور وہ اس کا قصد کر لیتے (اگر)

اِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا (۳-۱۲۲) اس وقت تم میں سے دو جماعتوں نے جی چھوڑ دینا چاہا۔

لَهَمَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ (۴-۱۱۳) تو ان میں سے ایک جماعت ... قصد کر ہی چکی تھی۔

وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا (۹-۷۴) اور وہ ایسی بات کا قصد کر چکے ہیں جس پر قدرت نہیں پا سکے۔

وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ (۹-۱۳) اور انہوں نے پیغمبر خدا کے جلا وطن کرنے کا عزم مصمم کر لیا۔

وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوْلِهِمْ (۴۰-۵) اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کے بارے میں یہی قصد کیا کہ ......

اَهَمَّنِیْ كَذَا مجھے فلاں چیز نے بے چین کر دیا چنانچہ قرآن میں ہے:۔ وَطَائِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ (۳-۱۵۴) اور کچھ لوگ جن کو جان کے لالے پڑ رہے تھے محاورہ ہے:۔

هٰذَا رَجُلٌ يُهِمُّكَ مِنْ رَجُلٍ اَوْ هَمُّكَ مِنْ رَجُلٍ وہ آدمی تجھے بس کرتا ہے (بمعنی نَاهِيْكَ) اَلْهَوَامُّ حشرات الارض یعنی کیڑے مکوڑے۔

رَجُلٌ هِمٌّ پیر فرتوت مؤنث هِمَّةٌ گویا کبر سنی نے اسے پگھلا دیا ہے۔

(ہ م د)

هَمَدَتِ النَّارُ کے معنی آگ کا بجھ جانا کے ہیں۔ اور خشک اور بنجر زمین کو اَرْضٌ هَامِدَةٌ کہتے ہیں اور نَبَاتٌ هَامِدَةٌ کے معنی خشک گھاس کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً (۲۲-۵) اور (اے دیکھنے والے) تو دیکھتا ہے (کہ ایک وقت میں) زمین خشک پڑی ہوتی ہے۔ اَلْاِهْمَادُ (افعال) کے معنی کسی جگہ اقامت کر لینے کے ہیں گویا وہ سکونت پذیر ہو کر بجھ گیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اہماد کے معنی سرعت رفتاری کے بھی آتے ہیں اگر یہ قول صحیح ہو تو یہ لفظ اِشْكَاءٌ کی طرح (اضداد سے) ہوگا۔ جو کبھی شکایت کرنے اور کبھی ازالہ شکایت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

(ہ م ر)

اَلْهَمْرُ (ض) کے معنی آنسو یا پانی بہا دینے کے ہیں۔ جیسے:۔ هَمَرَهٗ فَانْهَمَرَ اس نے پانی بہایا چنانچہ وہ بہہ پڑا۔ قرآن میں ہے:۔

فَفَتَحْنَا اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ (۵۴-۱۱) پس ہم نے زور کے مینہ سے آسمان کے دہانے کھول دیئے۔

هَمَرَ مَا فِی الضَّرْعِ تھنوں سے تمام دودھ دوہ لینا۔

هَمَرَ الرَّجُلُ فِی الْكَلَامِ (باتوں میں بہ جانا یعنی بکواس کرنا)

فُلَانٌ يُهَامِرُ الشَّيْءَ کوئی چیز مقدار سے زیادہ لے لینا۔ جیت کر جانا اور اسی سے محاورہ ہے:۔

هَمَرَ لَهٗ مِنْ مَّالِهٖ اس نے اسے بہت زیادہ مال دیا۔

اَلْهَمِيْرَةُ: بہت بوڑھی عورت۔

(ہ م ز)

اَلْهَمْزُ کے اصل معنی کسی چیز کو دبا کر نچوڑنے کے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے: هَمَزْتُ الشَّيْءَ فِیْ كَفِّیْ میں نے فلاں چیز کو اپنی ہتھیلی میں دبا کر نچوڑا اور اسی سے حرف ہمزہ ہے جو کہ زبان کو جھٹکا دے کر پڑھا جاتا ہے اور هَمْزٌ کے معنی غیبت کرنا بھی آتے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ (۶۸-۱۱) طعن آمیز اشارتیں کرنے والا چغلیاں لئے پھرنے والا۔ اور هَامِزٌ وَهُمَزَةٌ وَهَمَّازٌ کے معنی عیب چینی کرنے والا کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (۱۰۴-۱) ہر طعن آمیز اشارتیں کرنے والے چغلخور کی خرابی ہے۔
شاعر نے کہا ہے[1] (البسیط)

(۴۵۶) وَاِنْ اُغَيَّبْ فَاَنْتَ الْهَامِزُ اللُّمَزَةْ
اگر غیبت کی جائے تو تو طعن آمیز اشارتیں کرنے والا بدگو ہے۔

قرآن میں ہے:۔ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ (۲۳-۹۷) کہو اے پروردگار میں شیاطین کے وساوس سے پناہ مانگتا ہوں۔

(ھ م س)

اَلْهَمْسُ کے معنی خفی آواز کے ہیں اور هَمْسُ الْاَقْدَامِ کے معنی ہیں پاؤں کی ہلکی سی آہٹ ۔ قرآن میں ہے:۔ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا (۲۰-۱۰۸) تو تم خفی آواز کے سوا کوئی آواز نہ سنوگے۔

(ھُنَا)

هُنَا (یہاں) یہ زمانہ اور جگہ قریب کی طرف اشارہ کرنے کے آتا ہے لیکن عموماً جگہ کیطرف اشارہ کیلئے استعمال ہوتا ہے اور ذا، ذاكَ، ذالكَ کی طرح هُنَا هُنَاكَ وَهُنَالِكَ تینوں طرح بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ (۳۸-۱۱) یہاں شکست کھائے ہوئے گروہوں میں سے یہ بھی ایک لشکر ہے۔

اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ (۵-۲۴) ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔
هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّا اَسْلَفَتْ (۱۰-۳۰) وہاں ہر شخص (اپنے اعمال کی) جو اس نے آگے بھیجے ہونگے آزمائش کرلے گا۔
هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ (۳۳-۱۱) وہاں مؤمن آزمائے گئے۔
هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ (۱۸-۴۴) یہاں (سے ثابت ہوا کہ) حکومت سب خدائے برحق کی ہے۔
فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ (۷-۱۱۹) اور وہ مغلوب ہوگئے۔

(ھُن)

هَنٌ۔ شرمگاہ یا اس قسم کی قبیح الذکر چیزوں سے کنایہ ہوتا ہے۔ محاورہ ہے:۔ فِيْ فُلَانٍ هَنَاتٌ فلاں میں بری خصلتیں ہیں اور روایت (۱۶۰) سَتَكُوْنُ هَنَاتٌ (عنقریب فتنہ وفساد ظاہر ہوں گے) میں بھی هَنَات اسی معنی پر محمول ہے۔

(ھ ن ء)

اَلْهَنِيْءُ۔ ہر وہ چیز جو بغیر مشقت کے حاصل ہو جائے اور نتائج کے اعتبار سے بھی خوش کن ہو اصل میں یہ لفظ طعام کے متعلق استعمال ہوتا ہے اور هَنِئَ الطَّعَامُ فَهُوَ هَنِيْءٌ کے معنی طعام کے خوشگوار ہونے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
فَكُلُوْهُ هَنِيْٓــًٔا مَّرِيْٓــًٔا (۴-۴) تو اسے ذوق شوق سے کھالو۔

---

[1] البیت لزیاد الاعجم وصدرہ:۔ وقدنی بودی اذا لاقیتنی ۔۔۔۔ وفی روایۃ فان اُغیّب علی البناء للمجہول وفی روایۃ اللسان (ہمز) والطبری (۳۰، ۲۲۹) وان تغیبت وکنت بدل فانت والبیت من شواہد ابی عبیدۃ فی مجازہ رقم ۴ ۲۹ وفی روایتہ ۔ اذا لقیتک تبدی لی مکاشرۃ ۔ وان اغیب فانت العائب اللمزۃ ۔ راجع ایضاً شواہد الکشاف ۴ اوالسان (ہمز) والطبری (۱-۱۵۶) و(۳۰/۲۹۱) والسجاوندی (۱:۲۰۱) واصلاح یعقوب ۲۸ ۲۴ واعراب ثلاثین ۱۸۰ وزیاد الاعجم ہو زیاد بن سلیمان الاعجم ویکنی ابا امامۃ لہ ترجمۃ فی المؤتلف ۳۱ او الاغانی (۱۴ :۹۸) ۱۲

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓــًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ (۶۹-۲۴) اور جو عمل تم ایام گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو۔ اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓــًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۷۷-۴۳) جو عمل تم کرتے رہے تھے اسکے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔

اَلْهِنَاءُ ایک قسم کا تارکول جو خارشی اونٹ پر ملا جاتا ہے۔ چنانچہ محاورہ ہے: هَنَأْتُ الْاِبِلَ فَهِيَ مَهْنُوْءَةٌ یعنی میں نے اونٹ پر تارکول ملا۔

(ھ و د)

اَلْهَوْدُ کے معنی نرمی کے ساتھ رجوع کرنا کے ہیں اور اسی سے اَلتَّهْوِيْدُ (تفعیل) ہے جسکے معنی رینگنے کے ہیں۔ لیکن عرف میں هَوْدٌ بمعنی تَوْبَةٌ استعمال ہوتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے:۔ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ (۷-۱۵۶) ہم تیری طرف رجوع ہو چکے۔ بعض نے کہا ہے لفظ یہود بھی اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ سے ماخوذ ہے۔ یہ اصل میں ان کا تعریفی لقب تھا لیکن ان کی شریعت کے منسوخ ہونے کے بعد ان پر بطور علم جنس کے بولا جاتا ہے نہ کہ تعریف کے لئے جیسا کہ لفظ نصاریٰ اصل میں مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ سے ماخوذ ہے۔ پھر ان کی شریعت کے منسوخ ہونے کے بعد انہیں اسی نام سے اب تک پکارا جاتا ہے۔ هَادَ فُلَانٌ کے معنی یہودی ہو جانے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا (۲-۶۲) جو لوگ مسلمان ہیں یا یہودی۔

کیونکہ کبھی اسم علم سے بھی مسمی کے اخلاق و عادات کا لحاظ کر کے فعل کا اشتقاق کر لیتے ہیں مثلاً ایک شخص فرعون کی طرح ظلم و تعدی کرتا ہے تو اس کے متعلق تَفَرْعَنَ فُلَانٌ (کہ فلاں فرعون بنا ہوا ہے) کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح تَطَفَّلَ فُلَانٌ کے معنی طفیلی یعنی طفیل نامی شخص کی طرح بن بلائے کسی کا مہمان بننے کے ہیں۔ تَهَوَّدَ فِيْ مَشْيِهٖ کے معنی نرم رفتاری سے چلنے کے ہیں اور یہود کے تورات کی تلاوت کے وقت آہستہ آہستہ جھومنے سے یہ معنی لیے گئے ہیں۔

هَوَّدَ الرَّائِضُ الدَّابَّةَ رائض کا سواری کو نرمی سے چلانا هُوْدٌ اصل میں هَائِدٌ کی جمع ہے جس کے معنی تائب کے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر کا نام ہے۔[له]

(ھ و ر)

هَارَ الْبِنَاءُ تَهَوَّرَ کے معنی ہیں عمارت منہدم ہو گئی اور یہی معنی اِنْهَارَ کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے: عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ (۹-۱۰۹) اگر جانے والی کھائی کے کنارے پر رکھی کہ وہ اس کو دوزخ کی آگ میں لے گری۔

ایک قرأت میں هَارٌ ہے اور بِئْرٌ هَائِرٌ وَهَارٌ وَهَارٍ وَمُهَارٌ ویران کنویں کو کہتے ہیں پھر ویران کنویں کی مناسبت سے ..... کمزور اور عاجز آدمی کو بھی هَارٍ یا هَائِرٌ کہا جاتا ہے۔

تَهَوَّرَ اللَّيْلُ رات کا سخت تاریک ہونا۔

تَهَوَّرَ الشِّتَاءُ کے معنی جاڑے کا اکثر موسم گزر جانے کے ہیں اور بعض نے تَهَيَّرَ کہا ہے جو اجوف یائی (دھری رستے) ہے کیونکہ اگر یہ واوی ہوتا تو تَهَيَّرَ کی بجائے تَهَوَّرَ کہا جاتا۔

له هود بن عبد الله يتصل نسبه الى نوح عليه السلام بسبع وسائط ارسل الى قوم عاد انظر لقصته في القرآن (۷-۶۵ تا ۷۲) (۲۶-۱۲۳ تا ۱۴۰) (۱۱-۵۰ تا ۶۰) (۴۶-۲۱ تا ۲۶)

(ھ و ن)

اَلْھَوَانُ۔ اس کا استعمال دو طرح پر ہوتا ہے
(۱) انسان کا کسی ایسے موقعہ پر نرمی کا اظہار کرنا جس
میں اس کی سبکی نہ ہو یہ قابل ستائش ہے چنانچہ فرمایا:۔
وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ
ھَوْنًا (۲۵-۶۳) اور خدا کے بندے تو وہ ہیں جو
زمین پر متواضع ہو کر چلتے ہیں۔
اور آنحضرت سے مروی ہے (۱۶۲) اَلْمُؤْمِنُ ھَیِّنٌ
لَیِّنٌ۔ کہ مومن متواضع اور نرم مزاج ہوتا ہے۔ دوم ھَوَانٌ
بمعنی ذلت اور رسوائی کے آتا ہے یعنی دوسرا انسان
اس پر تسلط ہو کر اسے سبکسار کرے تو یہ قابل مذمت
ہے چنانچہ اس معنی میں فرمایا:۔ فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ
الْھُوْنِ (۴۶-۲۰) سو آج تم کو ذلت کا عذاب ہے۔
فَاَخَذَتْھُمْ صَاعِقَۃُ الْعَذَابِ الْھُوْنِ (۴۱-۱۷)
تو... کڑک نے ان کو آپکڑا اور وہ ذلت کا عذاب تھا۔
وَلِلْکَافِرِیْنَ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ (۲-۹۰) اور کافروں کے
لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔
وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ (۳-۱۷۸) اور آخر کار ان کو
ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔
فَاُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ (۲۲-۵۱) انکے
لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔
وَمَنْ یُّھِنِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ مُّکْرِمٍ (۲۲-۱۸) اور جس
کو خدا ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں۔
ھَانَ الْاَمْرُ عَلٰی فُلَانٍ (علی کے ساتھ) کے معنی کسی
معاملہ کے آسان ہونے کے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے:۔
ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ (۱۹-۲۱) کہ یہ مجھے آسان ہے۔
وَھُوَ اَھْوَنُ عَلَیْہِ (۳۰-۲۷) اور یہ اس پر بہت
آسان ہے۔
وَتَحْسَبُوْنَہٗ ھَیِّنًا (۲۴-۱۵) اور تم اسے ایک ہلکی
بات سمجھتے ہو۔
ھَاوُوْنٌ۔ کنڈی یہ ھَوْنٌ سے ہے اور چونکہ فَاعُوْلٌ
کا وزن کلام عرب میں نہیں پایا اسلئے ھَاوُوْنٌ کی بجائے
ھَاوُنٌ (بروزن فاعول) کہا جاتا ہے۔

(ھ و ی)

اَلْھَوٰی (س) اس کے معنی خواہشات نفسانی
کی طرف مائل ہونے کے ہیں۔ اور جو نفسانی خواہشات میں
مبتلا ہو اسے بھی ھَوٰی کہدیتے ہیں کیونکہ خواہشات
نفسانی انسان کو اس کے شرف و منزلت سے گرا کر
مصائب میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ اور آخرت میں اسے
ھَاوِیَۃٌ (دوزخ) میں لے جا کر ڈال دیں گی۔
اَلْھُوِیُّ (ض) کے معنی اوپر سے نیچے گرنے کے ہیں۔ اور
آیت کریمہ:۔ فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃٌ (۱۰۱-۹) اسکا مرجع ہاویہ ہے۔
میں بعض نے کہا ہے کہ یہ ھَوَتْ اُمُّہٗ کیطرح ایک محاورہ ہے
اور بعض کے نزدیک دوزخ کے ایک طبقے کا نام ہے اور
آیت کے معنی یہ ہیں کہ اسکا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور بعض نے
آیت:۔ وَاَفْئِدَتُھُمْ ھَوَآءٌ (۱۴-۴۳) اور ان کے دل
مارے خوف کے) ہوا ہو رہے ہوں گے۔
میں ھَوَآءٌ کے معنی خالی یعنی بے قرار کئے ہیں جیسے
دوسری جگہ فرمایا:۔ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰی فَارِغًا
(۲۸-۱۰) موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا۔
اور اللہ تعالےٰ نے قرآن میں خواہشات انسانی کی
اتباع کی سخت مذمت کی ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔
اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ (۴۵-۲۳) بھلا تم
نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے۔
وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی (۳۸-۲۶) اور خواہش کی پیروی نہ کرنا۔
وَاتَّبَعَ ھَوَاہُ (۱۸-۲۸) اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے۔
اور آیت:۔ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَآءَھُمْ (۲-۱۲۰)

اگر تم ان کی خواہشوں پر چلو گے۔
میں اَھْوَاءٌ جمع لاکر اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی خواہش دوسرے سے مختلف ہوا کرتی ہے اور یہ کہ ایک کی خواہش غیر متناہی ہونے میں اَھْوَاء کا حکم رکھتی ہے لہذا ایسی خواہشات کی پیروی کرنا سراسر ضلالت اور اپنے آپ کو ورطۂ حیرت میں ڈالنے کے مترادف ہے نیز فرمایا۔ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (۴۵-۱۸) اور نادانوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا۔
وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَھْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا (۵-۷۷) اور اس قوم کی خواہشوں پر مت چلو جو تم سے پہلے گمراہ ہو چکے ہیں۔
قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَھْوَآءَکُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا (۶-۵۶) (ان لوگوں سے) کہہ دو کہ میں تمہاری خواہشوں پر نہیں چلنا۔ ایسا کروں تو میں گمراہ ہو چکا ہوں گا۔
وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ (۴۲-۱۵) اور ان (یہود و نصاریٰ) کی خواہشوں پر مت چلو اور ان سے (صاف) کہہ دو کہ میرا تو اس پر ایمان ہے۔ جو خدا نے اتارا۔
وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ ھَوٰہُ بِغَیْرِ ھُدًی مِّنَ اللّٰہِ (۲۸-۵۰) اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے۔
اَلْھَوِیُّ (بفتح الہا) کے معنی پستی کی طرف اترنے کے ہیں۔ اور اس کے بالمقابل ھُوِیٌّ (بضم الہا) کے معنی بلندی پر چڑھنے کے ہیں[1]۔ شاعر نے کہا ہے[2] (الکامل)۔
(۴۶۷) یَھْوِیْ مَخَارِمَھَا ھُوِیَّ الْاَجْدَلِ
اس کی تنگ گھاٹیوں میں صقر کی طرح تیز جاتا ہے۔
اَلْھَوَاءُ آسمان و زمین کے مابین فضا کو کہتے ہیں اور بعض نے آیت: وَاَفْئِدَتُھُمْ ھَوَآءٌ (۱۴-۴۳) اور ان کے دل (مارے خوف کے) ہوا ہو رہے ہوں گے۔ کو بھی اسی معنی پر محمول کیا ہے یعنی بے قرار ہونے میں ھَوَاء کی طرح ہوں گے۔
تَھَاوٰی (تفاعل) کے معنی ایک دوسرے کے پیچھے مَھْوَاۃ یعنی گڑھے میں گرنے کے ہیں۔
اَھْوَاہُ اسے فضا میں لے جا کر پیچھے دے مارا۔ قرآن میں ہے۔ وَالْمُؤْتَفِکَۃَ اَھْوٰی (۵۳-۵۳) اور اسی نے الٹی بستیوں کو دے پٹکا۔
اِسْتَھْوٰی کے معنی عقل کو لے اڑنے اور پھسلا دینے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔ کَالَّذِی اسْتَھْوَتْہُ الشَّیٰطِیْنُ (۶-۷۱) جیسے کسی کو شیاطین (جنات) نے ... بھلا دیا ہو۔

(ھ ی ت)

ھَیْتَ اور ھَلُمَّ کے قریب قریب ایک ہی معنی ہیں اور آیت: وَقَالَتْ ھَیْتَ لَکَ (۱۲-۲۳) کہنے لگی (یوسف) جلدی آؤ۔ میں ایک قرأت ھِئْتُ لَکَ بھی ہے۔ جس کے معنی تَھَیَّأْتُ لَکَ کے ہیں یعنی میں تیرے لئے تیار ہوں اور ھَیَّتَ بِہٖ وَتَھَیَّتَ کے معنی ھَیْتَ لَکَ کہنے کے ہیں۔
ھَاتِ (اسم فعل) لاؤ۔ تثنیہ اور جمع کے لئے ھَاتِیَا وَھَاتُوْا آتا ہے۔ قرآن میں ہے۔ قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ (۲-۱۱۱) (اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ ... دلیل پیش کرو۔
فراء کا کہنا ہے کہ کلام عرب میں ھَاتَیْتُ مستعمل نہیں ہے یہ صرف اہل حیرہ کی لغت ہے اور اس سے لَاتُھَاتِ

---

[1] قال الخفاجی فی شرح الدرۃ ۲۰ (ا) لیس ہذا مما اتفقوا علیہ بل ھو قول لبعض اہل اللغۃ (انظر ایضاً شرح اشعار مفضل للمرزوقی ۲ ۴۶ لابی کبیر الھذلی (عامر بن الحلیس) یصف تابط شرا بالشجاعۃ و صدرہ: واذا رمیت بہ الفجاج رأیتہ ... والبیت فی الحماسۃ (مع المرزوقی ۹۵ رقم ۱۲) و فیہ
[2] ... تہوی مخارمہا بدل مخارمہا واللسان (خرم)، و شواہد الکشاف ۷۹ والبحر ۵ / ۴۲۹) والسیوطی ۸۱

(فعل نہی) استعمال نہیں ہوتا۔ خلیل نے کہا ہے کہ اَلْمُہَاتَاۃُ وَالْمُهَنَاءُ (مفاعلہ سے) مهات عینہ امر ہے۔
هَيْهَاتَ یہ کلمہ کسی چیز کے بعید از قیاس ہونے کو بتانے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس میں هَيْهَاتَ هَيْهَاتِ اور هَيْهَاتًا تین لغت ہیں اور اسی سے قرآن میں ہے:۔
هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ (۲۳-۳۶) جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (بہت) بعید اور (بہت) بعید ہے۔
زجاج نے هَيْهَاتَ کے معنی اَلْبُعْدُ کئے ہیں دوسرے اہل لغت نے کہا ہے کہ زجاج کو (لِمَا) کے لام کی وجہ سے غلط فہمی ہوئی ہے کیونکہ اس کی اصل بَعُدَ الْاَمْرُ وَالْوَعْدُ لِمَا تُوعَدُونَ ہے اور اس میں ایک لغت هَيْهَاتًا بھی ہے۔ اَلْفسَوِی نے کہا ہے کہ هَيْهَاتِ کسرۃ تا کے ساتھ هَيْهَاتَ (بفتحہ تاء) کی جمع ہے۔

(ھ ی ج)

هَاجَ الْبَقْلُ (ض) کے معنی بقول کے پک کر زرد پڑ جانے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا (۳۹-۲۱) پھر وہ پک کر خشک ہو جاتی ہے تو تم اس کو دیکھتے ہو کہ زرد ہو گئی ہے۔
اور اَهَاجَتِ الْاَرْضُ کے معنی زمین کے خشک گھاس والی ہونے کے ہیں۔ هَاجَ الدَّمُ وَالْفَحْلُ هَيْجًا وَهِيَاجًا کے معنی خون یا نر اونٹ کے جوش مارنے کے ہیں اور هَيَّجْتُ الشَّرَّ وَالْحَرْبَ کے معنی شر یا لڑائی بھڑکانے کے اسی سے اَلْهَيْجَاءُ (بالمد والقصر) ہے جس کے معنی لڑائی کے ہیں۔ اور هَيَّجْتُ الْبَعِيْرَ کے معنی اونٹ کو برانگیختہ کرنے کے ہیں۔

(ھ ی م)

رَجُلٌ هَيْمَانُ وَهَائِمٌ سخت پیاسا آدمی۔ هَائِمٌ کی جمع هِيْمٌ آتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔
فَشَارِبُونَ شُرْبَ الْهِيمِ (۵۶-۵۵) اور پیو گے بھی تو اس طرح جیسے پیاسے اونٹ پیتے ہیں۔
اَلْهُيَامُ اونٹ کی ایک بیماری ہے جس کی وجہ سے اسے اتنی پیاس لگتی ہے کہ سیر نہیں ہوتا۔ اور شوریدگی عشق کے لئے یہ کلمہ ضرب المثل ہے۔ هَامَ عَلٰى وَجْهِهٖ سرگردان پھرنا۔ قرآن میں ہے:۔
اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ (۲۶-۲۲۵) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سر مارتے پھرتے ہیں۔
یعنی مدح، ذم وغیرہ ہر قسم کے موضوع سخن میں وہ مبالغہ آمیزی سے کام لیتے ہیں اور اسی سے اَلْهَائِمُ عَلٰى وَجْهِهٖ ہے جس کے معنی سرگردان پھرنے والا کے ہیں۔ هَامَ (ض) کے معنی سرگردان پھرنے کے بھی آتے ہیں اور شوریدہ عشق اور پیاسا ہونے کے بھی اور هِيْمٌ کے معنی پیاسے اونٹوں کے ہیں اور خشک ریت بھی چونکہ پیاسے اونٹوں کی طرح پانی نگل لیتی ہے اسلئے خشک ریت کو اَلْهُيَامُ کہا جاتا ہے۔

(ھ ی ء)

اَلْهَيْئَةُ اصل میں کسی چیز کی حالت کو کہتے ہیں عام اس سے کہ وہ حالت محسوسہ ہو یا معقولہ لیکن عموماً یہ لفظ حالت محسوسہ یعنی شکل و صورت پر بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔
اَنِّيْ اَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ (۳-۴۹) کہ تمہارے سامنے مٹی کی مورت بشکل پرند بناتا ہوں۔
اَلْمُهَايَاةُ (رموز) جس کے لئے لوگ تیار ہوں۔ اور

اس پر موافقت کا اظہار کریں۔

هَيَّأَ کے معنی کسی معاملہ کیلئے اسباب مہیا کرنے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔ وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا (۱۸-۱۰) اور ہمارے کام میں درستی (کے سامان) مہیا کر۔

وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مِرْفَقًا (۱۸-۱۶) اور تمہارے کاموں میں آسانی (کے سامان) مہیا کرے گا۔

اور إِيَّاكَ أَنْ تَفْعَلَ كَذَا میں ایک لغت هَيَّاكَ أَنْ تَفْعَلَ كَذَا بھی ہے چنانچہ شاعر نے کہا ہے[1] (۴۵۸) هَيَّاكَ هَيَّاكَ وَحَنْوَاءَ الْعَنَقِ گردن مروڑنے یعنی تکبر سے دور رہو۔

هَا

هَا۔ یہ حرف تنبیہ ہے اور ذَا، ذِهْ، أُولَاءِ اسم اشارہ کے شروع میں آتا ہے اور اس کے لئے بمنزلہ جز سمجھا جاتا ہے مگر هَا أَنْتُمْ میں حرف ھا استفہام کے لئے ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:۔

هَا أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ (۳-۶۶) دیکھو ایسی بات میں تو تم نے جھگڑا کیا ہی تھا۔

هَا أَنْتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ (۳-۱۱۹) دیکھو تم ایسے (صاف دل) لوگ ہو کہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہو۔

هَا أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ (۴-۱۰۹) بھلا تم لوگ ... ان کی طرف سے بحث کر لیتے ہو۔

ثُمَّ أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ (۲-۸۵) پھر تم وہی ہو کہ اپنوں کو قتل بھی کر دیتے ہو۔

لَا إِلَى هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَى هَؤُلَاءِ (۴-۱۴۳) نہ ان کی طرف رہوتے ہو نہ ان کی طرف۔

هَاءَ (۱) اسم فعل بمعنی خُذْ بھی آتا ہے اور هَاتِ (لاؤ) کی ضد ہے اور اس کی گردان یوں ہے۔

هَاؤُمُ، هَاؤُمَا، هَاؤُمُوا۔ قرآن میں ہے:۔

هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ (۶۹-۱۹) لیجئے میرا اعمالنامہ پڑھئے۔

اور اس میں ایک لغت بغیر میم کے بھی ہے۔ جیسے:۔ هَا، هَاآ، هَاؤُا، هَائِي، هَأْنَ بروزن خِفْنَ اور بعض اس کے آخر میں ك ضمیر کا اضافہ کر کے تثنیہ جمع اور تذکیر و تانیث کے لئے ضمیر میں تبدیل کرتے ہیں۔ جیسے هَاكَ، هَاكُمَا الخ

اور بعض اسم فعل بنا کر اسے هَاءَ يَهَاءُ بروزن خَافَ يَخَافُ کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک هَائِي يُهَائِي مثل نَادَى يُنَادِي ہے اور بقول بعض متکلم مضارع کا صیغہ أَهَاءُ بروزن أَخَالُ آتا ہے۔

---

[1] وفی اللسان (هنو) أنشده اللحیانی عن الکسائی وصدرہ:۔ یا خالِ هلا قلتَ اذ اعطیتنی۔ و ایضًا اللسان (هیا) و البیت فی ابدال ابی الطیب ۲/ ۵۷۰ و بعدہٗ ؛۔ اعطیتنیها فانیا اضراسها۔ لو تعلف البیض به لم ینفلق قال صاحب الابدال و عند الفراء انما یقال هیاک فی موضع زجر و لا یقولون هیاک اکرمت ۱۲

کِتَابُ الیَاء

(ی ب س)

یَبِسَ (س) الشَّیْءُ کے معنی کسی چیز کا خشک ہو جانے کے ہیں۔ اور زرگھاس جب خشک ہو جائے تو اسے یَبِیْسٌ (بسکون الباء) کہا جاتا ہے اور جس جگہ پر پانی ہو اور پھر خشک ہو جائے اسے یَبَسٌ (بفتح الباء) کہتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا (۲۰-۷۷) تو ان کے لئے دریا میں لاٹھی مار کر خشک راستہ بنا دو۔

اور پنڈلیوں کے جن حصوں پر گوشت نہیں ہوتا ان کو اَیْبَسَانِ (تثنیہ) کہا جاتا ہے۔

(ی ت م)

اَلْیُتْمُ کے معنی نابالغ بچہ کے شفقت پدری سے محروم ہو جانے کے ہیں۔ انسان کے علاوہ دیگر حیوانات میں یُتْم کا اعتبار ماں کی طرف سے ہوتا ہے اور جانور کے چھوٹے بچے کے بن ماں کے رہ جانے کو یُتْم کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى (۹۳-۶) بھلا اس نے تمہیں یتیم پا کر جگہ نہیں دی۔

يَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا (۷۶-۸) یتیموں اور قیدیوں کو۔ یَتِیْم کی جمع یَتَامٰی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ (۴-۲) اور یتیموں کا مال (جو تمہاری تحویل میں ہو) ان کے حوالے کر دو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى (۴-۱۰) جو لوگ یتیموں کا مال (ناجائز طور پر) کھاتے ہیں۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى (۲-۲۲۰) اور تم سے یتیموں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔

مجازاً ہر یکتا اور بے مثل چیز کو عربی میں یتیم کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ گوہر یکتا کو دُرَّۃٌ یَتِیْمَۃٌ کہہ دیتے ہیں۔ اور اس میں اس کے مادہ کے منقطع ہونے پر تنبیہ کرنا مقصود ہوتا ہے اور دُرَّۃٌ کے ساتھ تشبیہ دے کر یکتا مکان کو بھی یتیم کہہ دیا جاتا ہے۔

(ی د ی)

اَلْیَدُ کے اصل معنی تو ہاتھ کے ہیں یہ اصل میں یَدْیٌ (ناقص یائی) ہے کیونکہ اس کی جمع اَیْدٍ و یَدِیٌّ اور تثنیہ یَدَیَانِ اور فعل یَدَیْتُہٗ آتا ہے جس کے معنی ہاتھ پر مارنے کے ہیں۔

عام طور پر اس کی جمع اَیْدٍ (اَفْعُلٌ) آتی ہے کیونکہ اکثر طور پر فَعْلٌ (بسکون عین) کی جمع اَفْعُلٌ استعمال ہوتی ہے۔ جیسے فَلْسٌ وَاَفْلُسٌ وَکَلْبٌ وَاَکْلُبٌ لیکن کبھی اس کی جمع یَدِیٌّ (فَعِیْلٌ) بھی آجاتی ہے جیسے عَبْدٌ وَعَبِیْدٌ اور کبھی فَعَلٌ (بفتح العین) کی جمع بھی اَفْعُلٌ کے وزن پر آجاتی ہے جیسے زَمَنٌ اَزْمُنٌ وجَبَلٌ اَجْبُلٌ قرآن میں ہے:۔

اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ فَكَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ (۵-۱۱) جب ایک جماعت نے ارادہ کیا کہ تم پر دست درازی کریں تو اس نے ان کے ہاتھ روک دیئے۔

اَمْ لَهُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِهَاۤ (۷-۱۹۵) یا ہاتھ ہیں جن سے پکڑیں۔

استعارہ کے طور پر یَدٌ کا لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے بمعنی نعمت، اور اسی سے یَدَیْتُ اِلَیْهِ کا محاورہ ہے جس کے معنی کسی پر احسان کرنے کے ہیں۔ اس کی جمع اَیَادٍ آتی ہے اور کبھی یَدِیٌّ بھی آجاتی ہے۔ شاعر نے کہا ہے[1] ( )

(۴۵۹) فَاِنَّ لَهٗ عِنْدِیْ یَدِیًّا وَّاَنْعُمًا

کیونکہ اس کے مجھ پر بہت سے احسانات ہیں۔

۲۔ کسی چیز پر قبضہ یا ملک جیسے هٰذَا فِیْ یَدِ فُلَانٍ (یہ فلاں کے اختیار میں ہے) قرآن میں ہے:۔

اِلَّاۤ اَنْ یَّعْفُوْنَ اَوْ یَعْفُوَا الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ (۲-۲۳۷) ہاں اگر عورتیں مہر بخش دیں یا مرد جن کے قبضہ قدرت میں عقد نکاح ہے اپنا حق چھوڑ دیں۔

نیز محاورہ ہے:۔ وَقَعَ فِیْ یَدَیْ عَدْلٍ وہ عدل کے ہاتھوں میں چلا گیا۔[3] بمعنی قوت جیسے لِفُلَانٍ یَدٌ عَلٰی کَذَا فلاں کو اس پر قدرت حاصل ہے۔ مَالِیْ بِکَذَا یَدٌ اَوْ مَالِیْ بِهٖ یَدَانِ یہ میری قدرت سے باہر ہے۔ شاعر نے کہا ہے[2] (الکامل)

(۴۶۰) فَاعْمِدْ لِمَا تَعْلُوْ فَمَالَكَ بِالَّذِیْ لَا تَسْتَطِیْعُ مِنَ الْاُمُوْرِ یَدَانِ

جو کام تو کر سکتا ہے اس کا قصد کیجئے اور جو امور تیری استطاعت سے بالا ہیں ان سے تعلق مت رکھئے۔

اس معنی کے لحاظ سے تشبیہ کے طور پر دَهْرٌ کی طرف بھی یَدٌ کی اضافت ہوتی ہے جیسے یَدُ الدَّهْرِ اَوْ یَدُ الْمُسْنَدِ۔ اور شاعر نے ہوا کی طرف ید کی نسبت کرتے ہوئے کہا ہے[3] (الکامل)

(۴۶۱) بِیَدِ الشَّمَالِ زِمَامُهَا

جب کہ اس کی باگ ڈور شمالی ہوا کے ہاتھ میں تھی، کیونکہ ہوا میں زور اور قوت ہوتی ہے۔

وَضَعَ یَدَهٗ فِیْ کَذَا اس کے معنی کسی کام کو شروع کرنے

---

[1] لاعشی القیسی الجاہلی بمدح نعمان بن المنذر وصدرہ: فلن اذکر النعمان الا بصالح ..... ولم اجدہ فی دیوانہ والبیت فی اللسان (یدی سیبویہ، نعم) وضوابط الکشاف والحکم (نعم)، ونسبہ الی النابغۃ وابن البری نسبہ لضمرۃ بن ضمرۃ النہشلی [2] لکعب بن سعد الغنوی کما فی اللسان (علا) والقالی (۲: ۴/۱۳) وہو الصواب لان فی اول الابیات خطاب لابنہ علی بن کعب، قیل لعلی بن عدی الغنوی وقال بعضہم لعلی بن الغدیر الغنوی کما فی البیان (۳: ۸۰) والاضداد للاصمعی ۷، والسجستانی ۱۰۸ وابن الانباری ۳۴، ۵۷ والسمط (۱: ۸۴۳) وتہذیب الالفاظ ۴۵۴ واضداد ابن السکیت ۲۲۶ ولابی الطیب ۱۰۴ والحریہ ۱۵۸ (۳: ۴۲۵) [3] قطعۃ بیت للبید فی معلقتہ ۱۵۸ والبیت بتمامہ وغداۃ ریح قد کشفت وقرۃ۔ اذا صبحت ..... والبیت فی اللسان (یدی) والانصاف ۴۴۱ والصناعتین ۲۸۵ والعمدۃ (۱: ۲۷۹) (الحصری ۴/۱۴۳) وشرح السبع لابن الانباری ۵۷۸ وشرح العشر للتبریزی ۱۵۸ وفی روایۃ قد وزعت بدل قد کشفت ۱۲

کے ہیں اور اطلاق الیکی (یدا) امساکہا سخاوت اور بخل سے کنایہ ہوتا ہے جیسا کہ سخی کے متعلق یَدُہٗ مُطْلَقَۃٌ اور بخیل کے متعلق یَدُہٗ مَغْلُوْلَۃٌ کہا جاتا ہے۔
قرآن میں ہے:۔
وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَیْدِیْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ (۵-۶۴) اور یہود کہتے ہیں کہ خدا کا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا ہے (یعنی اللہ بخیل ہے) انہیں کے ہاتھ بندھے جائیں اور ایسا کہنے کے سبب ان پر لعنت ہو بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔
محاورہ ہے:۔ نَفَضْتُ یَدِیْ عَنْ کَذَا میں نے فلاں چیز سے ہاتھ جھاڑ لیا یعنی اسے چھوڑ دیا۔
اَیَّدَ (تفعیل) کے معنی کسی کی تائید یا اس کی مدد کرنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔
اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (۵-۱۱۰) جب میں نے روح القدس (یعنی جبریل) سے تمہاری مدد کی۔
اور آیت کریمہ:۔
فَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ (۲-۷۹) ان پر افسوس ہے اس لئے کہ (یہ اصل باتیں) اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں۔
میں کتابت کو ہاتھوں کی طرف نسبت کرکے ان تحریر کے بناوٹی ہونے پر تنبیہ کی ہے جس طرح کہ آیت کریمہ:
ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ (یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں) ان کی دروغ بیانی پر تنبیہ کرنے کے لئے قول کی نسبت اَفْوَاہٌ کی طرف کی ہے اور آیت کریمہ:
اَمْ لَهُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِهَا (۷-۱۹۵) یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑیں۔
میں اَیْدٍ (ہاتھ) سے مراد قوت ہے اسی معنی میں فرمایا:۔
اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ (۳۸-۴۵) جو قوت والے اور صاحب نظر تھے۔
وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ (۳۸-۱۷) اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو جو صاحب قوت تھے۔
اور آیت کریمہ:۔
حَتّٰى یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ (۹-۲۹) یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔
میں عَنْ یَّدٍ سے مراد یہ ہے کہ اس نعمت کے عوض جو ان کی سکونت گاہوں میں برقرار رکھے جانے سے انہیں حاصل ہوئی ہے، جزیہ ادا کریں تو عَنْ یَّدٍ موضع حال میں ہے۔
اور بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ تمہاری حاکمیت اور اپنی محکومی کا اقرار کرتے ہوئے جزیہ ادا کریں محاورہ ہے:۔
خُذْ كَذَا اَثَرَ ذِیْ یَدَیْنِ۔ یَدٌ بمعنی حامی اور مددگار کے آتا ہے جیسے اَنَا یَدُكَ (میں تمہارا مددگار ہوں) فُلَانٌ یَدُ فُلَانٍ (وہ فلاں کا مددگار ہے۔ اسی معنی میں اولیاء اللہ کو اَیْدِی اللّٰهِ کہا جاتا ہے۔ اسی بنا پر آیت کریمہ:۔
اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ (۴۸-۱۰) جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔
میں آنحضرت کے ہاتھ کو اللہ کا ہاتھ قرار دیا ہے۔ یعنی جب آپؐ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے تو گویا اللہ کا ہاتھ ان پر ہے۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں اللہ عزوجل فرماتے ہیں[1] (۱۲۲) لَا یَزَالُ الْعَبْدُ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ

---

[1] الحدیث باختلاف الفاظ فی الطبرانی ... انظر کنز العمال رقم ۱۱۵۲-۱۱۷۱

وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا "بندہ نوافل کے ذریعہ برابر میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں پھر جب وہ میرا محبوب بن جاتا ہے تو میں ہی اس کا کان ہوتا ہوں جس سے سنتا ہے اور میں ہی اس کی آنکھ ہوتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں ہی اس کا ہاتھ ہوتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔

اور آیت کریمہ :-

مِمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَا (۳۶-۷۱) جو چیزیں ہم نے اپنے ہاتھ سے بنائیں۔

اسی طرح آیت :-

لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ (۳۸-۷۵) جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

میں اللہ تعالیٰ کے اپنے ہاتھ کے ساتھ پیدا کرنے سے وہ خصوصی تولیت مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے اور اس عنایت ربانی کے معنی کو ظاہر کرنے کے لئے لفظ یَدٌ کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ وہ اعضائے انسانی میں سب سے اعلیٰ عضو ہے۔ جس کے ذریعہ انسان کوئی کام سرانجام دیتا ہے لہٰذا یہاں لفظ ید سے تشبیہ کا وہم نہیں ہونا چاہیئے۔ بعض نے کہا ہے کہ بِيَدَيَّ کے معنی بِنِعْمَتِيْ ہے اور نَقْطَعُهٗ بِالسِّكِّيْنِ کی طرح یہاں بار آلہ کے لئے نہیں ہے بلکہ خَرَجَ بِسَيْفِهٖ کی طرح باء معنی مع کے ہے پس آیت کے معنی یہ ہیں کہ میں نے اسے پیدا کیا درآں حالیکہ ہمارے دنیوی اور اخروی انعامات اس کے شامل حال تھے جن کی رعایت کرکے وہ سعادت کبریٰ حاصل کرسکتا ہے۔

رَجُلٌ يَدِيٌّ وَامْرَأَةٌ يَدِيَّةٌ ماہر کاریگر مرد یا عورت۔

اور آیت کریمہ :-

وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ (۷-۱۴۹) اور جب وہ نادم ہوئے۔

میں سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ کے معنی نادم ہونے کے ہیں چنانچہ محاورہ ہے :- فُلَانٌ سُقِطَ فِيْ يَدِهٖ وَاُسْقِطَ وہ پشیمان ہوا اور یا اس کے معنی حسرت سے ہاتھ ملنے کے ہیں جیسے فرمایا :-

فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا (۱۸-۴۲) تو جو مال اس نے اس پر خرچ کیا تھا اس پر حسرت سے ہاتھ ملنے لگا۔

اور آیت کریمہ :-

فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ (۱۴-۹) تو انہوں نے اپنے ہاتھ ان کے مونہوں پر رکھ دیئے۔

کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے حق بات کو قبول نہ کیا جس کے قبول کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا جیسا کہ محاورہ ہے۔ رَدَّ يَدَهٗ فِيْ فَمِهٖ یعنی اس کی بات نہ مانی۔

بعض نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ انہوں نے انبیاء کے ہاتھوں کو ان کے مونہوں کی طرف لوٹا دیا یعنی ان سے کہنے لگے کہ اپنے مونہوں پر ہاتھ رکھ کر خاموش ہو اور بعض نے اَيْدِيَهُمْ سے مراد انعامات لئے ہیں۔ یعنی انہوں نے پیغمبروں کی تکذیب کرکے ان کے احسانات کو ان کے مونہوں پر دے مارا یعنی ان کے نصائح اور مواعظ پر کان نہ دھرا جو ان کے لئے بہت بڑی نعمت ہے۔

(ی س ر)

اَلْيُسْرُ کے معنی آسانی اور سہولت کے ہیں یہ عُسْرٌ کی ضد ہے۔ قرآن میں ہے :-

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (۲-۱۸۵) خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے۔

اور سختی نہیں چاہتا۔

سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا (۶۵-۷) خدا عنقریب تنگی کے بعد کشائش بخشے گا۔

وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا (۱۸-۸۸) بلکہ اس سے نرم بات کہیں گے۔

فَالْجَارِيَاتِ يُسْرًا (۵۱-۳) پھر نرمی سے چلتی ہیں۔

تَيَسَّرَ كَذَا وَاسْتَيْسَرَ کے معنی آسان ہونیکے ہیں۔

قرآن میں ہے:-

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (۲-۱۹۶) اگر رستے میں روک لئے جاؤ تو جیسی قربانی میسر ہو کر دو۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ (۷۳-۲۰) تو جتنا آسانی سے ہو سکے پڑھ لیا کرو۔

اسی سے اَيْسَرَتِ الْمَرْاَةُ کا محاورہ ہے جس کے معنی عورت کے سہولت سے بچہ جننے کے ہیں۔

يَسَّرْتُ كَذَا کے معنی کسی کام کو آسان اور سہل کر دینے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:-

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ (۵۴-۱۷) اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ (۱۹-۹۷) (اے پیغمبر!) یہ (قرآن) تمہاری زبان میں آسان (نازل) کیا ہے۔

اَلْيُسْرٰى (اسم) بمعنی يُسْر قرآن میں ہے۔

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى (۹۲-۷) اس کو ہم آسان طریقے کی توفیق دیں گے۔

اور آیت کریمہ:-

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى (۹۲-۱۰) اسے سختی میں پہنچائینگے۔

میں عُسْرٰى کے ساتھ تيسير کا لفظ بطور تہکم لایا گیا ہے۔ جس طرح کہ آیت:-

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (۴۵-۸)

میں عذاب کے متعلق بشارت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اَلْيَسِيْرُ وَالْمَيْسُوْرُ سہل اور آسان۔

قرآن میں ہے:-

فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا (۱۷-۲۸) تو ان سے نرمی سے بات کہدیا کرو۔

اور کبھی يَسِيْر کے معنی حقیر چیز بھی آتے ہیں۔

چنانچہ آیت کریمہ:-

يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا (۳۳-۳۰) اس کو دونی سزا دی جائیگی اور یہ (بات) خدا کو آسان ہے۔

میں لفظ يَسِيْرًا کے معنی آسان اور سہل کے ہیں اور آیت وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَا اِلَّا يَسِيْرًا (۳۳-۱۴) اور اس کے لئے بہت کم توقف کریں۔

میں اس کے معنی بہت کم عرصے کے ہیں۔

اَلْمَيْسَرَةُ وَالْيَسَارُ کے معنی غنا اور مالی وسعت کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:-

فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ (۲-۲۸۰) (تو اسے) کشائش (کے حاصل ہونے) تک مہلت (دو)

اور يَسَارٌ کا لفظ کبھی يَمِيْن کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے بعض اس کو يِسَار بکسر الیا پڑھتے ہیں۔

اَلْيَسَرَاتُ پاؤں کے سبک۔

اَلْمَيْسِرُ (قمار بازی) یہ بھی يُسْرٌ سے مشتق ہے کیونکہ قمار بازی میں بھی بلا کلفت مال حاصل ہو جاتا ہے۔

(ی ق ن)

اَلْيَقِيْنُ کے معنی کسی امر کو پوری طرح سمجھ لینے کے ساتھ اس کے پایہ ثبوت تک پہنچ جانے کے ہیں۔ اسی لئے یہ صفات علم سے ہے اور معرفت، درایۃ وغیرہ سے اس کا درجہ اوپر ہے یہی

وجہ ہے کہ عِلْمُ الْيَقِيْن کا محاورہ تو استعمال ہوتا ہے لیکن مَعْرِفَةُ الْيَقِيْن نہیں بولتے۔ اور علم الیقین، عین الیقین، وحق الیقین میں قدرے معنوی فرق پایا جاتا ہے۔ جیسے ہم اس کتاب کے بعد بیان کریں گے۔ اِسْتَيْقَنَ وَ اَيْقَنَ یقین کرنا۔ قرآن میں ہے:۔

اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ (۴۵-۳۲) ہم اس کو محض ظن ہی خیال کرتے ہیں اور ہمیں یقین نہیں آتا۔

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ (۵۱-۲۰) اور یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (۴۵-۴) یقین کرنے والوں کیلئے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا (۴-۱۵۷) اور انہوں نے عیسیٰؑ کو یقیناً قتل نہیں کیا۔

کے معنی یہ ہیں کہ انہیں ان کے قتل ہوجانے کا یقین نہیں ہے بلکہ ظن وتخمین سے ان کے قتل ہوجانے کا حکم لگاتے ہیں۔

(ی م م)

اَلْيَمُّ کے معنی دریا اور سمندر کے ہیں۔ قرآن میں ہے:۔

فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ (۲۸-۷) تو اسے دریا میں ڈال دینا۔

يَمَّمْتُ كَذَا وَتَيَمَّمْتُ قصد کرنا قرآن میں ہے:

فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا (۵-۶) تو پاک مٹی لو۔

يَمَّمْتُهٗ بِرُمْحِيْ میں نے اسے نیزے کا نشانہ بنایا۔

اَلْيَمَامُ جنگلی کبوتر کو کہتے ہیں اور يَمَامَةُ ایک عورت کا نام تھا جس کے نام پر (صوبہ یمن کے ایک) شہر کا نام اَلْيَمَامَةُ رکھا گیا تھا۔

(ی م ن)

اَلْيَمِيْنُ کے اصل معنی دایاں ہاتھ یا دائیں جانب کے ہیں اور آیت کریمہ:۔ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ (۳۹-۶۷) اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔

میں حق تعالیٰ کی طرف یمین کی نسبت مجازی ہے۔ جیسا کہ ید وغیرہ کے الفاظ باری تعالیٰ کے متعلق استعمال ہوتے ہیں۔ یہاں آسمان کے لئے یمین اور بعد میں آیت:۔

وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (۳۹-۶۷) (اور قیامت کے دن تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی۔

میں ارض کے متعلق قبضۃ کا لفظ لانے میں ایک باریک نکتہ کی طرف اشارہ ہے) جو اس کتاب کے بعد بیان ہوگا۔ اور آیت کریمہ:۔

اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ (۳۷-۲۸) تم ہی ہمارے پاس دائیں (اور بائیں) سے آتے تھے۔

میں یمین سے مراد جانب حق ہے یعنی تم جانب حق سے ہمیں پھیرتے تھے اور آیت کریمہ:۔

لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ (۶۹-۴۵) تو ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے۔

میں دایاں ہاتھ پکڑ لینے سے مراد روک دینا ہے۔ جیسے محاورہ ہے: خُذْ بِيَمِيْنِ فُلَانٍ عَنْ تَعَاطِي الْهِجَاءِ یعنی فلاں کو ہجو سے روک دو۔

بعض نے کہا ہے کہ انسان کا داہنا ہاتھ چونکہ اعضاء میں افضل سمجھا جاتا ہے اسلئے معنی یہ ہونگے کہ ہم بہتر سے بہتر حال میں بھی اسے باشرف اعضاء سے پکڑ کر منع کر دیتے۔ اور آیت کریمہ:۔

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ (۵۶-۲۷) اور داہنے ہاتھ والے۔

ہیں وہنی سمت والوں سے مراد اہل سعادت ہیں کیونکہ عرف میں میامن دبابرکت، کو یمین اور مشائم دمنحوس کو شمالی کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے اور استعارہ کے طور پر یمین کا لفظ برکت وسعادت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔

فَاَمَّا اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحَابِ الْيَمِيْنِ فَسَلَامٌ لَّكَ مِنْ اَصْحَابِ الْيَمِيْنِ (۵۶-۹۰، ۹۱) اگر وہ دائیں ہاتھ والوں (یعنی اصحاب خیر وبرکت) سے ہے تو کہا جائیگا کہ تجھ پر داہنے ہاتھ والوں کی طرف سے سلام۔

اور اسی معنی میں شاعر نے کہا ہے۔ (الوافر)

(۲۶۲) اِذَا مَا رَايَةٌ رُفِعَتْ لِمَجْدٍ
تَلَقَّاهَا عَرَابَةُ بِالْيَمِيْنِ

جب کبھی فضل ومجد کے کاموں کے لئے جھنڈا بلند کیا جاتا ہے تو عَرَابَۃ اسے خیر وبرکت کے ہاتھ سے پکڑ لیتا ہے۔ نیز اَلْيَمِيْن بمعنی دایاں ہاتھ سے استعارہ کے طور پر لفظ یَمِیْنٌ قسم کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے کہ عرب قسم کھاتے یا عہد کرتے وقت اپنا دایاں ہاتھ دوسرے کے دائیں ہاتھ پر مارتے تھے۔ چنانچہ فرمایا:۔

اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (۶۸-۳۹) یا تم نے ہم سے قسمیں لے رکھی ہیں جو قیامت کے دن تک چلی جائیں گی۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ (۶-۱۰۹) اور یہ لوگ خدا کی سخت سخت قسمیں کھاتے ہیں۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ (۲-۲۲۵) خدا تمہاری لغو قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرے گا۔

وَاِنْ نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ اِنَّهُمْ لَاۤ اَيْمَانَ لَهُمْ (۹-۱۲) اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں۔

اور عربی محاورہ یَمِیْنُ اللّٰهِ (اللہ کی قسم) میں یَمِیْن کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لئے کی جاتی ہے۔ کہ قسم کھانے والا اللہ کے نام کی قسم کھاتا ہے۔ اور جب ایک شخص دوسرے سے عہد وپیمان باندھتا ہے تو وہ اس کا مُؤالِی الْیَمِیْن کہلاتا ہے اور کسی چیز پر ملک اور قبضہ ظاہر کرنے کے لئے فی یدی کی نسبت مِلْكُ يَمِيْنِيْ کا محاورہ زیادہ بلیغ ہے۔ اسی بنا پر غلام اور لونڈیوں کے بارے میں قرآن نے اس محاورہ کو اختیار کیا ہے چنانچہ فرمایا:۔

مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (۴-۲۵) جو تمہارے قبضے میں آگئی ہوں۔

اور حدیث میں حجر اسود کو یمین اللہ کہا گیا ہے[۲] (۱۶۳) کیونکہ اس کے ذریعہ قرب الٰہی کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

یَمِیْن سے یُمْن کا لفظ ماخوذ ہے جو خیر وبرکت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ محاورہ ہے: هُوَ مَيْمُوْنُ النَّقِيْبَةِ وہ سعادت مند ہے اور مَيْمَنَةٌ کے معنی دائیں جانب بھی آتے ہیں۔

---

[۱] قال الشماخ بن ضرار النهشلي يمدح عرابة الاوسي فيما بذل له وسق بعير تمرًا وكان مدحه سببًا لاشتهار الاوسي الصحابي والبيت في الشعراء (۱: ۲۷۸) والاصابة (۴: ۲۴۴) والخزانة (۱: ۵۳۴، ۲: ۲۲۳) والبحر المحيط (۱: ۱۷۰) والعمدة (۱: ۱۲/۴) وامالي القالي (۱: ۲۷۱) واسد الغابة (۳: ۳۹۹) ونقد الشعر ۲۵ وهو غير منسوب في الطبري (۲۳: ۳۲) واللسان (یمن) والسمط ۷۰۴ وابن الشجري (۲: ۱۶۵) والكامل (۳: ۱۳۴، ۵۴) والمشكل للقتبي ۱۸۸ وقبله: رأيت عرابة الاوسي يسمو الى الخيرات منقطع القرين واليتان في تاريخ الطبري (۲: ۱۹۱) والمنتخب ۲۰۸۴ ونقد الشعر (۱: ۱۶۰) وابن الانباري ۵۷۵ والعقد (۲: ۲۸۸) [۲] والحديث في نزهة المجالس ۱۲

(ی ن ع)

يَنْعَتِ (ف) اَلثَّمَرَةُ يُنْعًا وَيَنْعًا وَاَيْنَعَتْ (افعال) اِيْنَاعًا کے معنی پھل کے پک کر بالکل تیار ہو جانے کے ہیں اور پختہ پھل کو یانِعٌ یا مُوْنِعٌ کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے:۔

اُنْظُرُوْا اِلٰی ثَمَرِہٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِہٖ (۶-۱۰۰) یہ چیزیں جب پھلتی ہیں تو ان کے پھلنے کو اور جب پک کر تیار ہو جاتی ہیں تو ان کے پکنے پر نظر کرو۔

ابن ابی اسحاق کی قراءت میں وَیُنْعِہٖ (ضمہ یاء) کیساتھا ہے۔ جو کہ یانِعٌ کی جمع ہے اور یانِعٌ کے معنی نہایت پختہ پھل کے ہیں۔

(ی ء س)

اَلْیَاْسُ (مصدر س) کے معنی نا امید ہونیکے ہیں اور یَئِسَ (مجرد) وَ اِسْتَیْاَسَ (استفعال) دونوں ہم معنی ہیں جیسے۔ عَجِبَ فَاسْتَعْجَبَ وَ سَخِرَ وَاسْتَسْخَرَ۔ قرآن میں ہے:۔

فَلَمَّا اسْتَیْئَسُوْا مِنْہُ خَلَصُوْا نَجِیًّا۔ (۱۲-۸۰) جب وہ اس سے نا امید ہو گئے تو الگ ہو کر صلاح کرنے لگے۔

حَتّٰٓی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ (۱۲-۱۱۰) یہاں تک کہ جب پیغمبر نا امید ہو گئے۔

قَدْ یَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَۃِ کَمَا یَئِسَ الْکُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ (۶۰-۱۳) جس طرح کافروں کو مردوں (کے جی اٹھنے) کی امید نہیں اسی طرح ان لوگوں کو بھی آخرت (کے آنے) کی امید نہیں۔

اِنَّہٗ لَیَئُوْسٌ کَفُوْرٌ تو نا امید (اور) ناشکرا (ہو جاتا) ہے، اور آیت کریمہ:۔

اَفَلَمْ یَایْئَسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا (۱۳-۳۱) تو کیا مومنوں کو اس سے اطمینان نہیں ہے۔

کی تفسیر میں بعض نے لکھا ہے کہ یہاں اس کے معنی اَفَلَمْ یَعْلَمْ کے ہیں یعنی کیا انہوں نے اس بات کو جان نہیں لیا مگر اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہ اس کے حقیقی معنی ہیں بلکہ یہ اس کے لازم معنی ہیں کیونکہ کسی چیز کے انتفاء کا علم اس سے نا امید ہونے کو مستلزم ہوتا ہے لہذا یہاں بھی (بلحاظ قرائن) یہ کہہ سکتے ہیں کہ یَئِسَ بمعنی یَعْلَمُ ہے۔

(ی و م)

اَلْیَوْمُ (دن) یہ طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک کی مدت اور وقت پر بولا جاتا ہے اور عربی زبان میں مطلقاً وقت اور زمانہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ خواہ وہ زمانہ (ایک دن کا ہو یا ایک سال اور صدی کا یا ہزار سال کا ہو) کتنا ہی دراز کیوں نہ ہو۔ قرآن میں ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ (۳-۱۵۵) جو لوگ تم سے (احد کے دن) جب کہ ۔ ۔ ۔ ۔ دو جماعتیں ایک دوسرے سے گتھم ہو گئیں (جنگ سے بھاگ گئے۔

اور آیت کریمہ:۔

قُلْ اَئِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ (۴۱-۹) کیا تم اس سے انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا۔

میں زمین کو دو دن میں پیدا کرنے کے معنی اور اس کی تحقیق اس کے بعد دوسری کتاب میں بیان کی جائے گی اور کبھی یَوْمٌ کے بعد اِذْ بڑھا دیا جاتا ہے (اور اضافت کے ساتھ) یَوْمَئِذٍ پڑھا جاتا

ہے اور یہ کسی معین زمانہ کی طرف اشارہ کے لئے آتا ہے اس صورت میں یہ معرب بھی ہو سکتا ہے اور اِذْ کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے مبنی بھی۔ جیسے فرمایا:۔

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِنِ السَّلَمَ (۱۶-۸۷) اور اس روز خدا کے سامنے سرنگوں ہو جائینگے۔

فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيْرٌ (۷۴-۹) وہ دن بڑی مشکل کا دن ہوگا۔ اور آیت کریمہ:۔

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ (۱۴-۵) اور ان کو خدا کے دن یاد دلاؤ۔ میں اَیّام کی لفظ جلالت کی طرف اضافت تشریفی ہے اور ایام سے وہ زمانہ مراد ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے افضال و انعام کے سمندر بہا دیئے تھے۔

(یٰسٓ)

یٰسٓ (۳۶-۱) بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی اے انسان کے ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ دوسرے اوائل سور کیطرح یہ بھی حروف مقطعات سے ہے۔

(یا)

یہ حروف ندا سے ہے اور دور سے کسی کو آواز دینے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مگر جب سے ذات باری تعالیٰ کو دعا کے وقت یا رب کہا جاتا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اللہ تعالیٰ بہت دور ہے بلکہ اس امر پر تنبیہ کے لئے ہے کہ دعا کنندہ اپنے آپ کو اللہ کی معاور اس کی توفیق سے دور خیال کرتا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

فَقَدْ تَمَّتْ بِفَضْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى

حکیم محمد منظور عالم عاتب ساکن صالح پور ڈاکخانہ کاموکی
ضلع گوجرانوالہ

فہرس
القوافی والشعراء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

القوافی والشعراء

الف

ب

القوافی والشعراء

القوافی والشعراء

ت

القوافی والشعراء

عدد مسلسل	رقم	القافیہ	البحر	الشاعر	صفحات
۶۵	۸	تبلت	طویل	الشنفری	۱۰۳۸
		زیادتی	″	المتنبی	۶۱۵
۶۶	۹	آیاتِہا	—	—	۷۰۸
۶۷	۱۰	ان ینعتنا	—	—	۱۰۶۷
		ان یبعثنا	—	—	
۶۸	۱۱	انیث	—	صخر الغی	۵۲

ج

عدد مسلسل	رقم	القافیہ	البحر	الشاعر	صفحات
۶۹	۱	بہجُ	—	—	۱۲۵
۷۰	۲	تہجُ	رجز	راجز من بنی العنبر	۳۲۴
۷۱	۳	مَفلَجا	″	العجاج	۳۷۰
		مُسرجا	″	″	
۷۲	۴	نیئج	کامل	ابوذؤیب	۹۸۴

ح

عدد مسلسل	رقم	القافیہ	البحر	الشاعر	صفحات
۷۳	۱	کسحُ	رمل	الاعشی	۲۹۰
۷۴	۲	ان ینصحا	رجز	دؤبہ	۹۳۹
۷۵	۳	یُفلحُ	—	—	۸۱۰
۷۶	۴	الفصیح	وافر	نضلۃ السہمی	۸۰۰
۷۷	۵	الامساح	کامل	لبید	۳۸۹
۷۸	۶	الجوائح	طویل	سوید بن الصامت	۵۰۵
۷۹	۷	مجی	—	—	۱۱۰۷

عدد مسلسل	رقم	القافیہ	البحر	الشاعر	صفحات
۸۰	۱	ان یتبلدا	—	صبابہ	۱۱۸

القوافی والشعراء

عدد مسلسل	رقم	القافیہ	البحر	الشعراء	صفحات
۸۱	۲	نَفْسُا	ـ	عبداللہ بن عبداللہ بن طاہر	۲۳ - ۳
۸۲	۳	نزائدا	ـ	ـ	۶۲۴
۸۳	۴	مجیدا	ـ	خراش بن زھیر	۱۰۶۰
۸۴	۵	مخلّدا	ـ	ـ	۲۲۰
۸۵	۶	خلودُ	کامل	لبید	۲۲۴
۸۶	۷	الفردُ	طویل	حسانؓ	۴۳۹
۸۷	۸	واحدُ	ـ	ابوالعتاھیہ	۵۵۵
۸۸	۹	ازیدُھا	ـ	ـ	۵۴
۸۹	۱۰	دریدُھا	طویل	الراعی ابومنصور الاسدی	۳۵۹
۹۰	۱۱	اوتادُ	بسیط	الافوہ الاسدی	۳۹۸
۹۱	۱۲	سادُوا	″	″	۴۷
۹۲	۱۳	ازیدُھا	ـ	ـ	۴۰۴ (۲)
۹۳	۱۴	وجْہِ	بسیط	نابغہ	۲۰ - ۱۰۹۸
۹۴	۱۵	مخلّدِ	طویل	درید بن الصمۃ	۳۲
۹۵	۱۶	منضّدِ	″	زھیر	۵۹
۹۶	۱۷	ای برودِ	خفیف	ابوزبید الطائیؒ	۸۳
۹۷	۱۸	فی البَعَدِ	بسیط	نابغہ	۱۰۵
۹۸	۱۹	ابلدوی	″	قطامی	۱۱۸
۹۹	۲۰	المغاریدِ	″	غدارۃ ابن درہ الطائی	۲۱۴
۱۰۰	۲۱	الثمدِ	″	نابغہ	۲۵۳
۱۰۱	۲۲	اَحَدِ	″	″	۲۷۲
۱۰۲	۲۳	الاُسودِ	ـ	ـ	۲۷۶
۱۰۳	۲۴	تنادِی	ـ	ـ	۲۷۹
۱۰۴	۲۵	اوعدِ	طویل	کثیرہ عزۃ	۴۲۷
۱۰۵	۲۶	الاسیادِ	کامل	الاسود بن یعفر	۴۵۸

القوافی والشعراء

القوافی والشعراء

القوافی والشعراء

القوافی والشعراء

ز

س

القوافی والشعراء

عدد مسلسل	رقم	القافیه	البحر	الشعراء	صفحات
۱۹۴	۸	ضروس	وافر	بیاض	۵۳
۱۹۵	۹	الرأس	سریع	علی بن حبلہ	۱۰۱
۱۹۶	۱۰	الانس	-	مجنون بن عامر	
ص					
۱۹۷	۱	نمیصُ	طویل	امرؤ القیس	۱۶۶
۱۹۸	۲	القمیصِ	وافر	فرزدق	۴۰۷
ض					
۱۹۹	۱	باضا	-	-	۱۳۴
۲۰۰	۲	خیَّضِ	متقارب	ابو مثلم الهذلی	۴۱۷
۲۰۱	۳	الارضِ	سریع	الحطان بن المعلی	۵۸۹
ع					
۲۰۲	۱	دُتعَ	رمل	سوید بن ابوکامل الیشکری	۳۷۹
۲۰۳	۲	نزع	〃	〃	۹۳۵
۲۰۴	۳	مجمعا	طویل	تابط شرا	۱۰۰
۲۰۵	۴	مضجعا	〃	عبید بن حصین الراعی	۱۲۹
۲۰۶	۵	رضحا	بسیط	الاعشیٰ میمون	۸۱۷
۲۰۷	۶	ان تقطعا	طویل	مسلم بن الولید	۱۱۶۸
۲۰۸	۷	تدعهُ	-	انس بن زنیم راوانس بن ابی انس	۱۱۰۳
۲۰۹	۸	طائع	طویل	نابغة	[illegible]
۲۱۰	۹	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۲۱۱	۱۰	سلفع	کامل	ابو ذؤیب [illegible]	[illegible]
۲۱۲	۱۱	تصدعُوا	-	عبدة بن الطبیب	۳۴۰

القوافی والشعراء

القوافی والشعراء

القوافي والشعراء

القوافی والشعراء

عدد مسلسل	رقم	القافیہ	البحر	الشعراء	صفحات
۲۷۷	۱۴	بلالا	—	ذوالرمۃ	۷۶۸
۲۷۸	۱۵	فُصِلا	بسیط	عدی بن زید العبادی	۱۰۰۱
۲۷۹	۱۶	ھدیلا	کامل	عبید بن حصین التمیری	۱۱۵۲
۲۸۰	۱۷	لَهَا	متقارب	خنساء	۵۹
۲۸۱	۱۸	فاعَلَة	طویل	عامر بن الطفیل	۱۰۴۳
۲۸۲	۱۹	اَلرُّجلة	—	—	۳۸۳
۲۸۳	۲۰	فمحول	طویل	طفیل العنوی	۵۰۰، ۲۸
۲۸۴	۲۱	افعل	—	کعب بن زھیر	۴۸
۲۸۵	۲۲	تاویل	بسیط	عبدۃ بن طبیب	۵۹
۲۸۶	۲۳	بسل	طویل	زھیر بن ابی سلمی	۹۱
۲۸۷	۲۴	ونائل	؍؍	ابراھیم بن ھرمہ	۲۴۶
۲۸۸	۲۵	تحلیل	—	کعب بن زھیر	۲۵۷
۲۸۹	۲۶	النعل	طویل	زھیر	۲۵۸
۲۹۰	۲۷	یغلوا	؍؍	؍؍	۲۸۶
۲۹۱	۲۸	للقیل	—	اقر تابط شر	۴۳۸
۲۹۲	۲۹	لخلّ	مدید	تابط شرا	۳۰۸
۲۹۳	۳۰	یتخیّلُ	مجزوء الکامل	ابوذؤیب	۳۲۹
۲۹۴	۳۱	الاکلُ	طویل		
۲۹۵	۳۲	عواسل	؍؍	ابوذؤیب	۳۸۶
۲۹۶	۳۳	قیلوا	بسیط	عبدۃ بن طبیب	۴۲۶
۲۹۷	۳۴	اطول	کامل	فرزدق	۵۰۰
۲۹۸	۳۵	الفضول	وافر	عبدۃ بن عنمۃ	۵۸۸
۲۹۹	۳۶	تستھلُ	مدید	تابط شرا	۶۰۶
۳۰۰	۳۷	مکتھلُ	بسیط	الاعشی	۹۳۷، ۶۰۶
۳۰۱	۳۸	تھملُ	طویل	امیہ بن ابی الصلت	۶۲۸

القوافی والشعراء

عدد مسلسل	رقم	القافیہ	البحر	الشعراء	صفحات
۳۰۲	۳۹	الواجیل	بسیط	عبدۃ بن طبیب	۶۵۲
۳۰۳	۴۰	عدلُ	طویل	زھیر	۶۷۶
۳۰۴	۴۱	مؤکل	کامل	الاحوص	۶۹۵
۳۰۵	۴۲	والفعل	طویل	زھیر	۸۸۰
۳۰۶	۴۳	الایلُ	منسرح	المتلمس بن عمرو	۹۱۳
۳۰۷	۴۴	بآدلہٗ	طویل	زینت طثریہ	۷۷
۳۰۸	۴۵	فصیلُھا	"	رجلٌ من بنی عقیل	۲۷۳
۳۰۹	۴۶	زوالُھا	کامل	الاعشیٰ	۴۴۵
۳۱۰	۴۷	زویلھا	طویل	ذوالرمۃ	۴۴۵
۳۱۱	۴۸	سائلہٗ	"	زھیر	۷۰۹
۳۱۲	۴۹	ھلالُھا	رجز	راجز	۷۶۳
۳۱۳	۵۰	تستحیلُھا	طویل	فرزدق	۱۱۵۲
۳۱۴	۵۱	بمثالِ	خفیف	الاعشیٰ	۴۱
۳۱۵	۵۲	فانزلِ	—	عبد القیس بن خفاف البرجمی	۹۶
۳۱۶	۵۳	الاجمالِ	الکامل	جمیل بن عبد اللہ العذری	۲۴۷
۳۱۷	۵۴	نایلِ	طویل	ابوذؤیب	۳۲۸
۳۱۸	۵۵	النملِ	—	الحادرۃ الذبیانی	۳۶۶
۳۱۹	۵۶	عُقَّلِ	کامل	ابوکبیر الھذلی	۴۵۸
۳۲۰	۵۷	السلسلِ	"	"	۴۸۸
۳۲۱	۵۸	قبلی	طویل	ابوذؤیب	۶۱۴
۳۲۲	۵۹	الغافل	—	المتنبی	۶۲۳
۳۲۳	۶۰	فیغسلِ	طویل	امرؤ القیس	۲۷۹
۳۲۴	۶۱	المقالِ	وافر	—	۶۸۳
۳۲۵	۶۲	مقتلِ	طویل	امرؤ القیس	۶۹۹
۳۲۶	۶۳	للقیلِ	"	امر تابط شرا	۴۳۸

القوافی والشعراء

م

القوافی والشعراء

عدد مسلسل	رقم	القافیہ	البحر	الشعراء	صفحات
۳۴۹	۱۶	تدویمُ	بسیط	ذوالرمۃ	۳۵۴
۳۵۰	۱۷	الدومُ	طویل	عمرو بن شاس	۳۷۴
۳۵۱	۱۸	علمُوا	—	دیک الجن	۴۲۴
۳۵۲	۱۹	الکریمُ	خفیف	عبدالرحمن بن حسان	۴۴۹
۳۵۳	۲۰	مراطمُ	طویل	اوس بن حجر	۶۶۷
۳۵۴	۲۱	یتوسمُ	کامل	طریف بن مالک العنبری	۶۹۱
۳۵۵	۲۲	مرجومُ	بسیط	علقمہ بن عبدۃ	۶۹۱
۳۵۶	۲۳	یُسیمُ	جزء الکامل	یزید بن الحکم	۹۲۶
۳۵۷	۲۴	الومُہ	رجز	راجز	۸۳
۳۵۸	۲۵	مدالیومُ	البسیط	ذوالرمۃ	۳۰۱
۳۵۹	۲۶	حمامہا	کامل	لبید	۱۰۶
۳۶۰	۲۷	سہامہا	″	″	۵۵۴
۳۶۱	۲۸	ھمومہا	طویل	مجنون ربیری لا مونۃ من اصل مجلہ	۱۰۷۱
۳۶۲	۲۹	زمامہا	الکامل	لبید	۱۱۷۷
۳۶۳	۳۰	فیھمُ	طویل	زھیر	۱۸
۳۶۴	۳۱	الی المسھمِ	—	—	۵۷
۳۶۵	۳۲	بسلّمِ	طویل	زھیر	۸۱، ۴۹۵
۳۶۶	۳۳	ومیسمِ	″	″	۸۸
۳۶۷	۳۴	امامِی	کامل	القطری بن الفجاءۃ	۱۹۵
۳۶۸	۳۵	کالدرھمِ	کامل	عنترہ	۲۲۱
۳۶۹	۳۶	اعجمی	طویل	عدی بن الرقاع الجرمی	۲۶۰
۳۷۰	۳۷	تَھَمّی	الکامل	طرفۃ	۵۹۷
۳۷۱	۳۸	الفدامِ	—	المتنبی	۳۱۰
۳۷۲	۳۹	مخیّمِ	طویل	زھیر	۳۱۳

القوافی والشعراء

القوافی والشعراء

عدد مسلسل	رقم	القافیہ	البحر	الشعراء	صفحات
۳۹۵	۳	سکرانُ	ـ	ـ	۴۸۵
۳۹۶	۴	الانسانُ	رجز	راجز	۵۳۹،۸۰۷
۳۹۷	۵	جنی	ـ	شوید المراثد الغنوی الحارثی	۳۳
۳۹۸	۶	التبدینا / انفرینا	رجز	حمید الدرقط	۷۸
۳۹۹	۷	ثنی	طویل	زهیر	۱۶۰
۴۰۰	۸	الظنونا	ـ	حزیمہ بن تهد	۳۹۲
۴۰۱	۹	وطنا	ـ	الفرزدق	۴۰۲
۴۰۲	۱۰	رئینا	ـ	ـ	۴۲۹
۴۰۳	۱۱	البیا	بسیط	تمیم بن مقبل العامری	۴۷۴
۴۰۴	۱۲	وحدانا	″	قریط بن انیف	۶۵۰
۴۰۵	۱۳	لحنا	خفیف	مالک بن اسماء	۹۵۶
۴۰۶	۱۴	جهینا	وافر	عبد الشارق بن عبد العزی الجهنی	۱۰۱۱
۴۰۷	۱۵	الاسن	بسیط	زهیر	۳۲
۴۰۸	۱۶	الاربعین	″	سحیم بن وثیل الریاحی	۳۴۰
۴۰۹	۱۷	نبئنی	وافر	المثقب العبدی	۳۷۰
۴۱۰	۱۸	فکیدونی	بسیط	ذوالاصبع العدوانی	۴۴۴
۴۱۱	۱۹	والسنی	ـ	ـ	۵۰۵
۴۱۲	۲۰	جیبتی	طویل	بعض بنی اسد	۵۳۲
۴۱۳	۲۱	نشنی	ـ	ابونیواس	۵۷۵
۴۱۴	۲۲	باذنین	سریع	بشار بن برد الدعی	۶۵۶
۴۱۵	۲۳	غنی	وافر	ابوحمران مرثد بن حسان	۷۷۶
۴۱۶	۲۴	قطنی	رجز	رؤبۃ	۱۷۴

القوافی والشعراء

فهرس المراجع لتخريج الاحاديث والاشعار

١	الرضى على الكافيه	٢٩	الجامع للترمذي	٥٧	اللسان
٢	ديوان زهير	٣٠	المجتبى للنسائي جمع ابن السني	٥٨	التاج للزبيدي
٣	ملحقات ديوان زهير	٣١	ابن ماجه	٥٩	الصحاح للجوهري
٤	العقد الثمين	٣٢	الموطا لمالك مع زرقاني	٦٠	جمهرة اللغة لابن دريد
٥	المختارات	٣٣	الفائق للزمخشري	٦١	شواهد الكشاف
٦	السمط	٣٤	النهايه لابن الاثير	٦٢	تهذيب الالفاظ
٧	البحر المحيط	٣٥	غريب الحديث لابي عبيد	٦٣	الالفاظ
٨	الطبرسي	٣٦	مجازات القرآن للشريف الرضى	٦٤	الذيل الامالي المرتضى
٩	الطبري	٣٧	الصناعتين	٦٥	شرح شواهد للسيوطي
١٠	ديوان البحتري	٣٨	المشكل للقتبي	٦٦	شرح شواهد الكبرى للعيني
١١	المعمرين	٣٩	غريب القرآن لابن قتيبه	٦٧	الاصمعيات
١٢	العمدة لابن رشيق	٤٠	العقد الفريد لابن عبد ربه	٦٨	الاشباه النحويه
١٣	جمهرة العرب	٤١	الباب مختاره	٦٩	الامالي لابن الشجريه
١٤	ديوان الحطيئه	٤٢	الاقتضاب	٧٠	اعراب ثلاثين لابن خالويه
١٥	الاشتقاق	٤٣	تهذيب الاصلاح	٧١	الحصري زهر الاداب
١٦	الاغاني	٤٤	معاني العسكري	٧٢	ابن الحديد
١٧	اللآلي المصنوعه	٤٥	المعاني للقتبي	٧٣	المطرزي على المقامات
١٨	المؤتلف للآمدي	٤٦	قانون البلاغة ضمن رسائل البلاغه كرد على	٧٤	ذخائر القصر
١٩	بغداديه	٤٧	امالي المرتضى	٧٥	الكناس الكواكبي
٢٠	سيرة لابن هشام	٤٨	ديوان طفيل	٧٦	المسائل والاجوبه لابن سيده
٢١	الشعراء	٤٩	ديوان حسان	٧٧	معالم التنزيل
٢٢	ديوان المتنبي	٥٠	ديوان امرؤ القيس	٧٨	المغني لابن هشام
٢٣	العكبري على المتنبي	٥١	ديوان ابو العتاهيه	٧٩	ديوان اعشى
٢٤	المحاضرات للراغب اصفهاني	٥٢	تخريج الكشاف لابن حجر	٨٠	نقد الشعر
٢٥	كنز العمال	٥٣	عون المعبود	٨١	الحيوان للجاحظ
٢٦	الصحيح للبخاري	٥٤	المرزوقي على الحماسه	٨٢	شرح الحيوان للجاحظ
٢٧	الصحيح للمسلم	٥٥	الكامل للمبرد	٨٣	ثمار القلوب
٢٨	السنن لابي داؤد	٥٦	العيون	٨٤	التيجان

نمبر	کتاب	نمبر	کتاب	نمبر	کتاب
۸۵	العجب العجاب	۱۱۴	روضۃ العقلاء	۱۴۳	شرح الشواہد الاعلام
۸۶	المفضلیات للضبی	۱۱۵	المزہر للسیوطی	۱۴۴	شرح السیرافی
۸۷	المحکم لابن سیدہ	۱۱۶	القراءت الشاذہ لابن خالویہ	۱۴۵	تخریج عراقی
۸۸	کتاب الابدال لابن الطیب	۱۱۷	دیوان کعب	۱۴۶	الرسالۃ القشیریہ
۸۹	التبریزی علی الحماسہ	۱۱۸	الاسماء والصفات للبیہقی	۱۴۷	الشفاء للقاضی عیاض مع شرح نسیم الریاض
۹۰	التبریزی علی المعلقات	۱۱۹	ابن کثیر تفسیر	۱۴۸	شرح المہذب للنووی
۹۱	الزوزنی علی المعلقات العشر	۱۲۰	التوضیح للشوکانی	۱۴۹	منتہی الطلب
۹۲	مجمع الامثال للثعالبی	۱۲۱	المستدرک للحاکم	۱۵۰	المیدانی
۹۳	دیوان الستہ	۱۲۲	التعرطیس الکنائی	۱۵۱	النقائض
۹۴	مجالس ثعلب	۱۲۳	المسائل الحلبیہ	۱۵۲	امالی الیزیدی
۹۵	مجاز القرآن لابی عبید	۱۲۴	جامع البیان للقرطبی	۱۵۳	الاختیارین
۹۶	مختار الشعر الجاہلی	۱۲۵	الاحکام للجصاص	۱۵۴	ایام العرب
۹۷	البلدان للحموی	۱۲۶	احکام القرآن لابن العربی	۱۵۵	البیان للجاحظ
۹۸	المعجم للطبرانی الصغیر	۱۲۷	الروض الانف للسہیلی	۱۵۶	دیوان ابن الرومی
۹۹	النوادر لابی سہل	۱۲۸	بدائع الفوائد لابن القیم	۱۵۷	النحو المحض
۱۰۰	مجمع الزوائد	۱۲۹		۱۵۸	منہاج السنہ
۱۰۱	نزہۃ الالباء	۱۳۰	شذرات	۱۵۹	الورقۃ للجراح
۱۰۲	طبقات زبیدی	۱۳۱	بغیۃ الوعاۃ للسیوطی	۱۶۰	الطبقات لابن المعتز
۱۰۳	تاریخ بغدادی	۱۳۲	ازاہیر الریاض المریعہ	۱۶۱	خاص الخاص للثعالبی
۱۰۴	ابن خلکان	۱۳۳	التنبیہ للبکری	۱۶۲	غریب القرآن للسجستانی
۱۰۵	اعلام زرکلی	۱۳۴	شرح ابن الانباری علی المفضلیات	۱۶۳	الاشتقاق
۱۰۶	کشف الظنون حاجی خلیفہ	۱۳۵	شرح ابیات الایضاح للشنتمری	۱۶۴	الدرۃ للخفاجی
۱۰۷	روح المعانی	۱۳۶	شرح ابیات الکتاب	۱۶۵	الاضداد لابی حاتم
۱۰۸	معجم الادباء	۱۳۷	الاضداد لابی الطیب	۱۶۶	لباب الآداب
۱۰۹	معانی القرآن للفراء	۱۳۸	الکامل لابن عدی	۱۶۷	الوحشیات
۱۱۰	الطرائف	۱۳۹	الطراز للخفاجی	۱۶۸	مصارع العشاق
۱۱۱	دیوان ابی الاسود صنعہ سکری	۱۴۰	الصاحبی	۱۶۹	مقاییس
۱۱۲	دیوان الافوہ	۱۴۱	اعلان التوبیخ	۱۷۰	اسد الغابۃ
۱۱۳	مجموعۃ المعانی	۱۴۲	نفح الطیب للمقری	۱۷۱	الرسالہ للشافعی

نمبر	کتاب	نمبر	کتاب	نمبر	کتاب
۱۷۲	الفتح الکبیر	۲۰۱	الرسالۃ للشافعیؒ	۲۳۰	تاریخ المصادر للبیہقی
۱۷۳	زوائد لابن حبان	۲۰۲	المعارف للقتبی	۲۳۱	تحفۃ الذاکرین
۱۷۴	اشعار الہذلیین	۲۰۳	نیل الاوطار شوکانی	۲۳۲	عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی
۱۷۵	کبیر رازی	۲۰۴	کتاب الام للشافعیؒ	۲۳۳	الحمدونی
۱۷۶	الادب الدنیا والدین للماوردی	۲۰۵	زوائد ابن حبان	۲۳۴	مکارم الاخلاق للخرائطی
۱۷۷	الکنز اللغوی	۲۰۶	السجاوندی (نظام الغریب)	۲۳۵	تاویل مختلف الحدیث
۱۷۸	المحکم لابن سیدہ	۲۰۷	تخریج عراقی علی الاحیاء	۲۳۶	ذخائر المواریث
۱۷۹	الجمی	۲۰۸	حاشیہ امیر علی علی المغنی	۲۳۷	الفرائد للآلوسی
۱۸۰	الاضداد لابن الانباری	۲۰۹	ابن یعیش علی المفصل	۲۳۸	الاموال لابی عبید
۱۸۱	الاضداد للجاحظ	۲۱۰	ابن یسعون شرح ابیات الایضاح	۲۳۹	صنعۃ تجاہل العارف
۱۸۲	الاتباع لابی الطیب	۲۱۱	الفاخر	۲۴۰	الابتہاج فی تخریج احادیث المنہاج
۱۸۳	المعرب للجوالیقی	۲۱۲	النویری	۲۴۱	التدریب للسیوطی
۱۸۴	المجازات النبویہ	۲۱۳	المحبر لابن حبیب	۲۴۲	النوادر للبلقی
۱۸۵	اساس البلاغۃ	۲۱۴	انوار التنزیل للبیضاوی	۲۴۳	البصائر والذخائر
۱۸۶	الاسرار لابن الانباری	۲۱۵	الموشح للمرزبانی	۲۴۴	اعجاز القرآن للباقلانی
۱۸۷	ایام العرب	۲۱۶	الجمان لابن تاقیا	۲۴۵	مبادئ اللغۃ للاسکافی
۱۸۸	الامثال للاہجری	۲۱۷	دیوان رؤبہ	۲۴۶	الانصاف
۱۸۹	الاخبار الطوال	۲۱۸	ادب الکاتب	۲۴۷	الدرر اللوامع
۱۹۰	لباب التاویل	۲۱۹	اسد الغابۃ	۲۴۸	منتہی الارب
۱۹۱	الفارسی	۲۲۰	ابن ولاد	۲۴۹	الحجۃ لابی علی الفارسی
۱۹۲	الجرجانی (الکنایات)	۲۲۱	الجامع الکبیر للجزری	۲۵۰	نثار الازہار
۱۹۳	الامثال للعسکری	۲۲۲	شرح الدیوان لثعلب	۲۵۱	الوسیط
۱۹۴	الازمنۃ والامکنۃ	۲۲۳	الاصبہانی	۲۵۲	الغفران (ضمن رسائل البلغاء کردعلی)
۱۹۵	مجمع البحار الانوار	۲۲۴	الضعفاء لابن حبان	۲۵۳	طبقات النحویین
۱۹۶	الانصاف فی شواہد الکشاف	۲۲۵	البحور الزاخرہ فی علوم الآخرۃ للسفارینی	۲۵۴	طبقات القراء
۱۹۷	المستقصی للزمخشری	۲۲۶	الکشف عن مجاوزۃ ہذہ الامۃ الالف	۲۵۵	اللآلی المصنوعۃ
۱۹۸	مبادئی اللغۃ للاسکافی	۲۲۷	ابن السکیت (اصلاح المنطق)	۲۵۶	مسند احمد تحقیق احمد شاکر
۱۹۹	الفیوضات الالہیہ	۲۲۸	البخلاء للجاحظ		تمت بالخیر
۲۰۰	الفاضل للمبرد	۲۲۹	شرح الکامل للمرصفی		